یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

مجموعہ تقاریر

خطیبِ آلِ محمد

مولانا سید اظہر حسین زیدی

مکمّل مجموعہ تقاریر

خطیبِ آلِ محمدؐ

(مولانا سیّد اظہر حسن زیدی رحمتہ اللہ علیہ)

مرتّبہ

خضر عباس سیّد مرحوم

ناشر

شاہد برادرز لاہور پاکستان

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان		صفحہ نمبر

تقریظ

قائد ملت جعفریہ پاکستان سرکار مفتی جعفر حسین قبلہ اعلی اللہ مقامہ

میری ایک عرصے سے تمنا تھی کہ خطیب آلِ محمدؐ مولانا السید اظہر حسین صاحب زیدی دام مجدہ کے بیانات کا مجموعہ کتابی صورت میں شائع ہو، تاکہ اربابِ منبر اس فلک خطابت کے نیرِ درخشاں سے روشنی حاصل کر سکیں۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ جناب سید خضر عباس صاحب راحت معالیہ نے مولانا موصوف کی چند تقریروں کو ترتیب دے کر میری اور علمی و ادبی ذوق رکھنے والوں کی دیرینہ خواہش کو پورا کیا ہے۔

مولانا کے بیانات صرف کسی خاص طبقہ ہی میں مقبول نہیں ہیں بلکہ ہر گروہ اور ہر جماعت میں انہیں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ پاک میں شائد ہی کوئی شہر یا قصبہ ایسا ہو گا۔ جہاں مولانا کی آواز نہ گونجی ہو۔ اور اہلِ اسلام اور دوسرے مذاہب کے افراد ان کے طرزِ خطابت و حُسنِ بیاں سے محظوظ نہ ہوئے ہوں۔ خطیب کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرت کی طرف سے ان اوصاف کا انہیں وافر حصہ ملا ہے۔ متوازن لہجہ، بیان میں ٹھہراؤ، متوازن آواز، ادب کی شگفتگی، زبان کی پاکیزگی، ان کی خطابت کا خاص جوہر ہے۔

مجھے توقع ہے کہ ان کے بیانات کا یہ تحریری مجموعہ، ان کے بیانات کی طرح قبولیت عامہ کی سند حاصل کرے گا اور ناظرین اس سے اُسی طرح لطف اندوز ہونگے جس طرح ان کے بیانات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ نذرانۂ عقیدت بارگاہ حضرت سید الشہداءؑ میں شرفِ قبولیت حاصل کرے۔

(دعاگو) مفتی جعفر حسین عفی عنہ

رحمت نے تیری یارب رتبہ یہ مجھ کو بخشا

پھولوں میں تل رہے ہیں کانٹے مری زباں کے

ولادت امام حسن مجتبیٰؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود و سلام"

حضراتِ گرامی! آج کی محفل کا موضوع بحث ہے۔ تذکرہ حضور امام حسن مجتبےٰؑ علیہ السلام اور میں آپ سے عرض کر دوں۔ کہ جناب حسن علیہ السلام کا تذکرہ اتنا مختصر نہیں ہے کہ اسے تھوڑے سے لفظوں میں ادا کر دیا جاتے۔ چنانچہ یہ مسئلہ بعض وجوہ سے اُلجھ گیا ہے اس لئے اسے سلجھانے کے بیان کرنے کے لئے کافی تمہیدوں اور مقدمات کی ضرورت پڑتی ہے۔ بیگانوں سے تو کوئی شکوہ نہیں بلکہ اپنوں نے بھی اس پر اتنی توجہ نہیں دی جو دینی چاہیئے تھی۔

میرے سامعین! حضور امام حسنؑ مجتبےٰؑ کی وہ شخصیت ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی امام حسینؑ کے ماتحت نہیں رہی۔ امام حسینؑ تقریباً عرصہ دس سال تک امام حسنؑ کی امامت کے ماتحت رہے ہیں۔ اگر کوئی اُس وقت حسینؑ سے پوچھتا "تمہارا امام کون ہے"؟ تو آپ فرماتے کہ "میرا امام حسنؑ ہیں"۔ چنانچہ امام حسینؑ پورے دس سال زیرِ امامت حضور امام حسنؑ مجتبیٰ رہے اور حسینؑ کا نیا نام تجویز ہی نہ ہو سکا۔ آخر یہی کہنا پڑا۔ اس کا نام بھی حسنؑ ہی رکھ دو۔ یعنی حسنؑ کی اگر تصغیر کر دو۔ بڑا ہو تو حسنؑ اور چھوٹا ہو تو حسینؑ۔ گویا حسینؑ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسنؑ کے چھوٹے بھائی ہیں اور حسنؑ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسینؑ کے بڑے بھائی ہیں۔ مگر ہم لوگوں نے کچھ ایسی غفلت

برتی ہے کہ مجالس میں اس عظیم شخصیت کے تذکرے اتنے نہیں ہوتے جتنے ہونے چاہئیں۔

محترم سامعین!

دُنیا کا یہ دستور ہے کہ عوام کسی جماعت یا فرد کا منشور نہیں پڑھتے۔ بلکہ عوام کی توجہ کا مرکز وہ فرد ہوتا ہے جو (Election) میں کھڑا ہو۔ شخصیت سامنے آتی ہے۔ لوگ اُس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں پھر یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ وہ مختلف پارٹیاں اپنے اپنے منشور کی اہمیت بیان نہیں کرتیں۔ بلکہ اپنی اپنی شخصیت کی برتری کے لئے دلیلیں پیش کرتی ہیں ——— حضرات! "منشور" سے بے توجگی اور شخصیت کے گرد اکٹھا ہونا اُس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے ضمیر میں یہ سمایا ہوا ہے۔ کہ صرف کتاب کافی نہیں ہے۔ شخصیت کا بھی کافی دخل ہے ——— بہرنوع اسلام نامی ایک نظام ہے۔ جس کے تحت ہم زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس زندگی کو مرعوب کرنے کیلئے ہم "آئین" بناتے ہیں۔ لفظ "آئین" فارسی زبان سے ہے۔ اور لفظ "دستور" ترکی سے ہے ——— عربی زبان میں اگر کوئی لفظ "آئین" کے معانی ادا کرسکتا ہے تو وہ صرف ایک لفظ ہے "دین"۔ دین کے معنی ہیں "آئین" دین کے معنی ہیں "دستور" اللہ نے یہ اقرار کیا ہے "اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلامُ" "اگر کوئی آئین، کوئی دستور ہے اللہ کے پاس ہے تو وہ اسلام ہے"۔ ہم اس آئین کے پابند ہیں۔ یہ اسلام نامی ایک آئین ہے۔ اور ہر آئین شخصیتوں کے پیچھے چلتا ہے ——— اسلام نے جو پہلی شخصیت دُنیا کے سامنے پیش کی۔ وہ تھی "آقائے حضور رسالتمآبؐ۔ اور آئین میں یہ دفعہ آج بھی موجود ہے" اس آئین پر عمل کرنے کے لئے بطور نمونہ ہیں رسولؐ" رسولؐ نے اس آئین کو سمجھانے کے لئے

ہمیں طریقہ بتایا کہ "کتاب اللہ و سنتی" ایک کتاب اللہ ہے، ایک سنت ہے"
کتاب اللہ تو مسلمان نے دیکھ لی مگر سنت کا وجود کہاں سے تلاش کریں ——
بس سنت رسولؐ سمجھانے کے لئے محمدؐ کو کہنا پڑا "کتاب اللہ و عترتی" ——
" اگر کسی نے میرا طور طریقہ، میری سنت کا اندازہ دیکھنا ہو تو میرے گھر
والوں سے پوچھو" چونکہ" اھل البیت اعلم بمافی البیت" گھر والے زیادہ جانتے
ہیں کسی گھر والے کی بات - یا گھر والے بہتر جانتے ہیں یا کبھی گھر والے کی بات کو ——
اب سنتِ رسولؐ سمجھنے کے لئے دو چیزیں ضروری
ہیں، ایک رسولؐ کے وہ مقدس و محترم واجب الاحترام قابل جان نثار اصحابؓ!
جو رسولؐ کے پیش و گرد موجود تھے وہ جانتے ہیں کہ رسولؐ کی سنت کیا ہے!
(اب بحیثیت مسلمان اکسی اصحابیؓ رسولؐ کی شان میں گستاخی کرنا تو درکنار، اگر ذہن
میں یہ تصور بھی آجائے - تو یہ گناہِ عظیم ہے۔ ہم تو قربان ہیں اُن اصحابؓ پر جو
صراطِ مستقیم پر چل کر رسولؐ کے ساتھ ہوئے - جو رسولؐ پہ فدا ہونے کو تیار تھے۔
خلوصِ دِل کے ساتھ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ ایک نور تھے جنہوں نے
نورِ ایمان کے ساتھ چہرۂ رسولؐ کو دیکھا —— ہمارا ہر فرد اُن پہ قربان ہونے
کو تیار ہے - سُبحان اللہ! اُن سے بہتر شخصیت تو دُنیا میں ہو سکتی ہی نہیں جن کو
رسولؐ کا پاس تھا اور "پاس" کے ساتھ رسولؐ کے پاس بیٹھے تھے —— اُن سے بہتر
تو کوئی ہو سکتا ہی نہیں) —— یا تو وہ بہتر جانتے ہیں یا اہل بیتِ رسولؐ —— بس یہیں سے
دو مکتبِ فکر، اِسلام میں پیدا ہوئے —— ایک ہے گھر والوں کا مکتبِ فکر، ایک اُن
عزیزوں کا مکتبِ فکر جو اصحابؓ کہلاتے ہیں —— مسلمانوں نے دونوں کا نام منتخب
کر لیا - گھر والوں کا بھی اور اصحاب کا بھی - گھر والوں کو انہوں نے "آل" کہا ہے
ساتھ یہ بھی کہدیا کہ ہر کلمہ پڑھنے والا آل ہے —— جب نماز میں درود پڑھی تو صرف یہی

کہا، اللّٰھم صلی اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ" مسلمانوں نے نماز پڑھی۔ نماز سے بڑھ کے کوئی عبادت ہے ہی نہیں اور نماز اُس وقت تک کسی کی ہوئی ہی نہیں جب تک اُس نے آل پر درُود نہ بھیجا ہو ـــ اگر کوئی نماز میں آلِ محمدؐ پر درُود نہ بھیجے تو تمام مسلمین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اُس کی نماز نہیں ہوتی، (بس یہ مسلمانوں نے فرق رکھا ہے (آلؑ میں اور اصحابؓ میں) بہر نوع مسلمانوں کو آلؑ پر درُود ضرور پڑھنا ہے۔ آلؑ کے بغیر گذر ہی نہیں ہے۔ آج کسی عقیدے، فرقے کے مسلمانوں سے پُوچھ لو" آل رسولؐ کو مانتے ہو تو اُن کے نام بتاؤ؟"

اللہ نے کہا" جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ میں آج ہی رسولؐ کو ہٹا لیتا ہوں۔ دیکھتا ہوں ـــ کون مانتا ہے ـــ کون نہیں مانتا ـــ" چنانچہ چھ دے دیئے ایک فرقے کو اور آٹھ دے دیئے ایک فرقے کو۔ (اُنہوں نے اپنے والے کربلا میں، نجف میں، مشہد میں، کاظمین میں بسا دیئے اور اُنہوں نے بھی اپنے والے جنّت البقیع میں بسا دیئے۔ آج دُنیا دیکھ رہی ہے کہ ماننے والے کون ہیں ـــ نہ ماننے والے کون ہیں)

بہر نوع آلؑ کو مانتے ہیں۔ آلؑ کے بغیر دُنیا و آخرت میں گذارا ہوتا ہی نہیں۔

آجکل بحث چل رہی ہے کہ علیؑ بھی آل رسولؐ ہیں یا نہیں۔ چنانچہ بہت سے حضرات یہ درُود پڑھنے لگے ہیں" اللّٰھم صلی علی محمد و علیٰ آلِ محمد" علیؑ کو آل میں نہیں رکھتے برابر کا بھائی سمجھتے ہیں۔ اور آل کو اولاد سمجھتے ہیں ـــ حالانکہ یہ غلط ہے۔ علیؑ اوّل فلق ـــ علیؑ کے ذریعے سے آلؑ شروع ہوتی ہے۔ علیؑ آلؑ میں ہیں ـــ مگر حسنؑ کے آل میں ہونے کا تو کسی کو شک و شبہ ہے ہی نہیں ـــ وہ یقیناً، لازماً، حقیقتاً آلِ رسولؐ میں بلکہ

یوں کہیئے کہ ۱۵ رمضان ۳ھ کو اوّل فرد مسلّمہ آل رسولؐ دُنیا میں تشریف لائے ـــــــ اللہ نے ان دشمنوں

کے طعنوں کا آج جواب دیا ہے جو رسولؐ کو "ابتر" کہا کرتے تھے آج محمدؐ کی گود میں یہ بچہ دیکھ کر ان کے منہ بند ہو گئے اور آلِ رسولؐ کے بارے میں تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ آیۂ تطہیر میں داخل ہیں ــــ میرے سامعین! قرآن میں یہ آیت ہے کہ رسولؐ ان سے کہدو کہ "میں تم جیسا بشر ہوں" "قل انما انا بشر مثلکم" بشر کے معنیٰ ہیں "انسان"
جب رسولؐ نے کہا تھا "میں تم جیسا بشر ہوں تو کیا عربوں سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں، ابولہب سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں ــــ پھر کس سے کہلوایا گیا کہ میں تم جیسا بشر ہوں، کیا مسلمانوں سے کہلوایا ہو گا، اصحابؓ موجود تھے ان سے کہا تھا کہ میں تم جیسا بشر ہوں ــــ ایک طرف اللہ رسولؐ سے یہ کہلوا رہا ہے کہ کہدو "میں تم جیسا بشر ہوں" اور ایک طرف رسولؐ کی طرف لایا ہوا ہے! جس کے بارے میں رسولؐ پوچھ رہے ہیں "یہ ہدیہ لائے ہو یا صدقہ"؟ انہوں نے عرض کی "جناب صدقہ!" اگر وہ ہدیہ کہتے تو کھا لیتے اور جب انہوں نے کہا "صدقہ" تو رسولؐ نے اصحابؓ کو فرمایا "آپ نوش فرمائیں" اصحابؓ نے عرض کی "قبلہ آپ کے لئے لائے ہیں"

رسولؐ نے فرمایا "نہیں۔ میں تم جیسا نہیں ہوں" ایسی پچاس مثالیں ہیں جو میں سنا سکتا ہوں کہ جہاں رسولؐ کہتے رہے کہ "تم اور ہو میں اور ہوں "میں تم جیسا نہیں ہوں" پھر رسولؐ نے کس سے کہا تھا کہ "میں تم جیسا ہوں" ــــ کوئی بشر تو ایسے تھے ــ ناسامنے۔ جن سے رسولؐ کہہ رہا تھا کہ "میں تم جیسا ہوں"۔

پیارے سامعین! یہ ایک رندانہ نکتہ ہے کہ رسولؐ چادر کے نیچے چاروں کو بٹھائے ہوئے تھے۔ اور جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی ــ ان چار نے شکریہ ادا کیا ــــ "یا رسول اللہ! ہم بہت شکر گذار ہیں کہ آپکے صدقے میں ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی" تو رسولؐ نے ان چاروں کو پیار کر کے فرمایا "کوئی بات نہیں ــ میں تم جیسا ہوں"
اور اس فقرہ "میں تم جیسا ہوں"، کو آلِ محمدؐ نے اس طرح نبھایا کہ ہمارا اوّل بھی محمدؐ ہے

ہمارا آخر بھی محمدؐ ہے ـــــ اسی بات کو "شعرِ آفاق" کے مصنف علامہ عبدالحلیم نے ادا کیا ہے کہ "اگر محمدؐ جیسا کوئی ہے تو وہ آلِ محمدؐ ہیں" ـــــ حسنؑ و حسینؑ ہیں جمالِ محمدؐ آئینۂ کمالِ محمدؐ

جب مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ اُن جیسے ہیں اور وہ اِن جیسا ہے تو آپ کو ایک تاریخی واقعہ سُنا دوں ـــــ

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کسی مُلک سے خراج آیا۔ تو جابر ابن عبداللہ انصاریؓ، صحابی نے اُٹھ کے کہا "رسول اللہؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ جب اس علاقے سے خراج آئے گا۔ تو میں تجھے دونوں ہاتھوں سے بھر کے دو دفعہ خراج میں سے پیسے دونگا"

جابرؓ نے کہا، اب رسولؐ کا وعدہ پورا کرو۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا "ہاں ــ میں وعدہ پورا کرتا ہوں مگر علیؑ کو بلاؤ" ـــــ اور جناب علی المرتضیٰؑ تشریف لاتے تو بادشاہ وقت نے آپ سے فرمایا "یا علیؑ! اپنے ہاتھ سے بھر کے دے دو" چونکہ میں نے اپنے کان سے یہ بات سُنی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ "علیؑ کا ہاتھ رسولؐ کا ہاتھ ہے" اور

میرے محترم سامعین! جو صحابیؓ منبر پہ بیٹھ کر علیؑ کے ہاتھ کو رسولؐ کا ہاتھ کہہ رہا ہو، میں تو یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اُس نے علیؑ سے کہا ہو کہ وہ میری بیعت کرے، اُسے بیعت کی کیا ضرورت تھی۔ علیؑ کا ہاتھ تو رسولؐ کا ہاتھ ہے۔ اُس نے تو کہا ہی نہیں کبھی علیؑ سے کہ تم میری بیعت کرو۔ ہم نے یہ الزام خوامخواہ لگا رکھا ہے اور اگر وہ کہتا بھی تو اُس کا وہی جواب تھا جو کربلا میں حُسینؑ نے دیا تھا۔ خاندان رسالتؐ سے بیعت کا صرف ایک ہی دفعہ مطالبہ ہُوا ہے۔ نہ اس سے پہلے ہوا تھا، نہ بعد میں ہُوا۔ بہرنوع، یہ شان آلِ رسولؐ ہے۔ اب میں آپکو حسن مجتبیٰؑ کی مختصر سی بات سُناؤں گا

۔ اس کے بعد پھر اجازت چاہوں گا۔

مسلمانوں نے یہ نظام بنایا (جسطرح بھی بنایا اس بحث میں کیا پڑوں) جسمیں انہوں نے آل رسولؐ کو بقول اُن کے، چوتھے درجہ پہ بہت بڑی عظمت عطا فرمائی آج تمام مسلمانوں کے فرقوں میں وہ حکومت! جو راشدہ کہلاتی ہے۔ اس کے چوتھے منبر پہ سربراہِ مملکت! امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ تشریف لاتے۔ اور علیؑ کو چوتھے منبر پر بٹھا کر مسلمان مجبور رہیں کہ وہ آلِ محمدؐ کی عزت بھی کریں، تعظیم بھی کریں۔ اگر کوئی تجویز ایسی ہو سکتی کہ ان کو چوتھے منبر سے ہٹا دیا جائے تو آپ یقین فرمائیں کہ مسلمان کا نام ہی کہیں زبان پہ نہ آتے۔ یہ چوتھے درجہ پہ آنے کی وجہ سے مسلمانوں کی زبان پہ آلِ محمدؐ کا نام رہ گیا ہیں! وجود آلِ محمدؐ کے چوتھے درجہ پہ آنے پر بھی مسلمانوں نے مخالفت شروع کر دی تاکہ کسی طرح سے آلِ محمدؐ کا نام ہی مٹا دیا جائے

چنانچہ اُن کو ہٹانے کے لیے مسلمانوں نے پہلے تو لڑائی کی اُدھر وہ چوتھے منبر پہ آکے بیٹھا اُدھر اُس کے ساتھ لڑائی ہوگئی

اس کے بعد ابھی اُس لڑائی کا قصہ ختم ہی ہوا تھا تو پھر صفین کی عظیم لڑائی شروع ہوگئی اور یہ سب۔ اسی لئے تھا کہ کسی طرح سے آلِ محمدؐ کو جو یہ چوتھا مرتبہ مل گیا ہے اُس سے اُنہیں ہٹا دیا جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تلوار سے آلِ محمد نہ کٹ سکے تو پھر قرآن اُٹھا کے لے آتے تاکہ آلِ محمدؐ کو ہٹا دیا جاتے۔ اور جیتی ہوئی جنگ کا فیصلہ اس نوبت پہ پہنچ گئی کہ حاکمین مقرر کرنے پڑے ۔ حاکمین میں سے جو آلِ محمد کیطرف سے حاکم تھا اُس کا نام تھا ابُوموسیٰ اشعری۔ یہ ابوموسیٰ اشعری اُس خاندان کا فرد تھا جن کے متعلق جناب امیرؑ نے فرمایا تھا کہ "تم کبھی یہ توقع نہ کرنا کہ وہ صحیح فیصلہ سنائیں گے" جناب امیرؑ نے اصرار کیا تھا" میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے ابوموسیٰ اشعری نمائندہ بنے۔ تُم مالکِ اشتر کو نمائندہ بناؤ، کسی اور کو بناؤ" مگر معاویہ ماننا ہی نہیں تھا۔

آخر حاکمین کا فیصلہ کیا ہوا ؟ اُدھر سے عمرو عاص ایک چالاک و عیار ۔ اور ادھر سے ابوموسیٰ اشعری ۔ حاکمین نے فیصلہ یہ کر دیا کہ ہم چڑھتے منبر سے علیؑ کو معزول کرتے ہیں اور امیر شام (معاویہ) کو چوتھا خلیفہ مقرر کرتے ہیں" ــــ اس فیصلہ کے بعد اب کیا ترتیب ہو گئی حکومت کی ــــ اول ۔ دوئم ۔ سوئم کے بعد اب چوتھا خلیفہ ہو گیا ــــ "امیر شام" ــــ یہی مسلمانوں کا منشا تھا کہ ہو جائے ــــ ابھی یہ فیصلہ ہوا ہی تھا کہ انہوں نے علیؑ کو قتل کرا دیا تاکہ نہ علیؑ رہے نہ کوئی خطرہ باقی رہے ۔ اب بتاؤ علیؑ کی شہادت کے بعد جو علیؑ کا بیٹا میدان میں ہے اس کی کیا پوزیشن ہے ۔؟ (امامت والی بات نہ کرنا وہ تو ہمارے عقیدے کی بات ہے) علیؑ کا بیٹا کیا اب ایک بادشاہ کا بیٹا ہے ؟ " نہیں" علیؑ کا بیٹا اب ایک معزول شدہ بادشاہ کا بیٹا ہے ۔ اس کی بظاہر کوئی پوزیشن نہیں دُنیاوی حیثیت سے اور امیر شام اس فیصلے کے مطابق ایک مسلمہ حاکم ہے ۔ اور حسنؑ ایک عام آدمی ہے ــــ ،

اب بتائیں ایک عام آدمی حکومت کے مقابلے میں ایک گروہ اکٹھا کرے تو وہ کیا کہلائے گا ــــ باغی ! اور باغی کو حکومت حکم دیتی ہے" ہتھیار ڈالو ، ہماری طاعت کرو ورنہ قتل ہو جاؤ گے " چنانچہ باغی جو ہے ، وہ اطاعت کرتا ہے یا قتل ہوتا ہے ۔ مگر

یہاں کیا ہو رہا ہے ــــ کہ حکومت اس شخص سے جو ایک باغی کی حد تک پہنچ گیا ہے درخواست کر رہی ہے ــــ کہ "میں تجھ سے صُلح چاہتی ہوں" ــــ صُلح باغی سے نہیں ہوتی ۔ رعایا سے نہیں ہوتی ، بلکہ حکومت اپنی برابر طاقت سے صُلح کرتی ہے ۔ اور برابر کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے باپ کی وہ حیثیت تسلیم ہے تو بھی وہ برابر کی طاقت ہے ــــ گویا حسن مجتبیٰؑ کی شخصیت نے اس معاہدے میں صرف ایک لفظ" صُلح " لکھوا کر اپنے باپ کی حیثیت مسلمانوں سے منوا دی ۔

اب بتایئے کتنا بڑا کارنامہ تھا جو حسنؑ کے ذمے تھا ___ کتنی بڑی بات ، یعنی جو حسنؑ کے ذمے تھی ۔ حسنؑ نے لفظ " صلح " لکھوا کر اپنے باپ کی حیثیت آج تک اور قیامت تک مسلمہ کردادی کہ " میرا باپ چوتھے منبر پر شہنشاہ ہے ___ میں اس کا وارث ہوں لہٰذا امیرِ شام میرے ساتھ صلح کر رہا ہے " ___ (ہماری بحث کا موضوع شخصیت امام حسنؑ ہے ورنہ امامؑ کی حیثیت سے تو خدا جانے ہم حسنؑ کو کیا مانتے ہیں)

بہرنوع ۔ عزت مآب حسنؑ نے اپنی اداکردہ صلح سے نانؐا کی شخصیت آج دنیا میں مسلمہ کرادی ___ مگر اس صلح کا نام لوگوں نے اپنی کم ظرفی کی وجہ سے " بیعت " رکھ لیا بیعت چیز اور ہے ۔ صلح چیز اور ہے ۔ بیعت تو اس خاندان سے دنیا نے صرف ایک دفعہ ہی مانگی تھی ۔ نہ اس کے بعد کسی نے مانگی اور نہ اس سے پہلے کسی نے مانگی ۔ اور اس کا اس خاندان نے وہ دندان شکن جواب دیا کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی اس خاندان سے بیعت مانگنے کی ___ بہرنوع حسنؑ کی بدولت آلِ محمدؐ کی شخصیت چوتھے منبر پر مسلّم رہ گئی ۔ اور یہ حضور امام حسنؑ مجتبےٰ کا کارنامہ تھا کہ جنگ ختم ہوگئی ۔ تلواریں نیاموں میں آگئیں ___ لوگوں کو امن سے بیٹھ کر سوچنے کا موقع مل گیا اور اس سوچ و غور کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہتر (۷۲) مسلمان تیار ہو گئے جو کربلا میں ساتھ تھے ۔ صرف حسنؑ کی صلح کرنے کی بدولت وہ بہتر (۷۲) تیار ہو گئے ۔ ورنہ یاد رکھو میرے سامعین ! کربلا سے پہلے اور کربلا کے بعد راہِ حق میں یک زبان ہو کر جان دینے والے بہتر (۷۲) ، آدمؑ سے لے کر کربلا تک اور کربلا سے قیامت تک نہ کبھی پیدا ہوئے نہ ہوں گے موسیٰؑ کو چالیس حواری ملے تھے سب ناکام ہو گئے ۔ محمدؐ کے ساتھ لاکھوں تھے مگر اُحد میں ہم نے آزما کے دیکھ لیا ۔ علیؑ کے ساتھ نوّے ہزار فوج تھی صفین میں ۔ جب معاہدہ حاکمین ہوا تو آپ کو پتہ ہے کہ تین چار آدمی رہ گئے تھے ۔ حسنؑ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے جن میں سے صرف " اُردن ملک " رہ گیا تھا جب آپ صلح کر رہے تھے ۔ مگر

" بہتر آدمی نہ کربلا سے پہلے کسی کو ملے تھے نہ کربلا سے بعد کسی کو ملے ۔ امام تھا بہت

بھی اسی انتظار میں ہے کہ چالیس ل باقی تو آجاؤں گویا سب سے بڑی جماعت جاں نثاروں کی اللہ کے نام پر صرف حسنؑ کی صلح نے پیدا کی۔ جتنے اصحابِ حسینؑ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ حبیب ابن مظاہر، زہیر وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ تھے جو دس سال کے عرصہ میں حسنؑ کے دست۔ بنے تھے وہ حسنؑ کے چھوٹے بھائی پہ آ کے قربان ہو گئے۔ اور تیس چالیس ہزار آدمی وہ بنا دیئے جو قیدوں میں بند تھے جب قید سے چھوٹے تو انہوں نے واقعہ کربلا کا انتقام خاندان بنو امیہ سے لیا۔ یہ سب حسنؑ کی دی ہوئی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ یہ سب حسنؑ جتنے کی پیدا کی ہوئی صلح امن کے کارنامے کی بدولت ہے اب اس کو چاہے کتنا بیان کرے۔ دنیا کی سیاسیات کے اعتبار سے دُنیا کے حالات کے اعتبار سے حسنؑ کی سوانح عمری کبھی ختم ہو سکتی ہی نہیں ——— ایسی عظیم اور ایسی عجیب۔ اور ایسی بے مثل حقیقت حسنؑ کے نام سے آج اس دُنیا میں، اسکی ولادت ہوئی، وہ تشریف لائے۔ گویا خدا کی سب سے بڑی نعمت اُس کے بندوں کو ملی خاندان رسالت میں دیعصبہ بہادر پیدا ہوئے۔ اصلی وارث پیدا ہوا۔

اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں۔ رسولؐ کو ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کی خدمت میں مُبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے، رسولؐ سے، علیؑ سے استدعا سے اور اگر آپ چاہیں) اپنے زمانے کے امامؑ سے درخواست کرتے ہیں کہ جب شہنشاہوں کے گھر خوشی ہو۔ بیٹا پیدا ہو تو دو قسم کے انعامات رعایا میں تقسیم کئے جاتے ہیں

1۔ قیدیوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ جو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اُنہیں انعام ملتے ہیں چنانچہ ہم میں سے جو گناہوں کی قید میں قیدی ہیں [illegible] کے صدقے میں اللہ انہیں آزاد کرے اتنے بڑے فرزند کی ولادت کی خوشی میں خداوند عالم ہمیں گناہوں کی قید سے آزاد کرے دوسرا انعام ہمیں کیا ملے۔ یہ ہم نہیں مانگتے۔ اس لئے کہ ہم اگر بڑی سے بڑی شئے بھی مانگیں گے تو وہ اپنی حیثیت کی بڑی ہوگی ——— یہ بات اُن پہ چھوڑ دو ——— وہ اگر چھوٹی سے چھوٹی شئے بھی دیں گے تو ان کی حیثیت کی ہوگی۔ اللہ جانے آلِ محمدؐ کیا عطا فرمائیں گے — ؟

اے آلِ محمدؐ! ہمیں جو انعام بھی عطا فرمانا چاہیں۔ اپنی شان کو دیکھکر اور ہمارے ظرف کو دیکھ کر، وہ ہمیں آپ عطا فرمادیں۔ ہم آپ کو کچھ نہیں کہتے ـــ آپ ہمیں جنت دے دیں۔ فلاں دے دیں۔ یہ جنت تو آپ کے گھوڑے کی شبیہہ ولادتی ہے۔ جنت کیا شئے ہے۔ جنت تو آپ کی شان میں دو شعر کہہ دینے سے مل جاتی ہے۔ اتنی معمولی چیز آپ سے کیا مانگیں ـــ حضور اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں اتنا ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ـــ

نعمت اطمینان جو خدا کا بڑا عطیہ ہے ایسا ہمارے لئے ہوجاتے کہ اس پُر آشوب انقلاب زمانے میں جب کہ بحران میں ہم پھنسے ہوتے ہیں اور عزت و ناموس خطرے میں ہے شریفوں کی شرافت خطرے میں ہے ایسی فضا پیدا کردے جو آپ کے نام لیوا، آپکے غلام، عزت و اطمینان سے زندگی گذار سکیں۔ یہ نعمتِ اطمینان خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو آپ کے صدقے میں ہمیں مل جاتے۔ یہ ہماری التجا ہے ورنہ اپنی مصلحت کو خدا بہتر جانتا ہے۔ اور ہمارے وارث، ہمارے والی، ہمارے امام، ہمارے شہنشاہ، ہمارے رہبر، ہمارے آقا، ہمارے مرشد، ہمارے صاحب العصر والزمانؑ کا ظہور فرما۔ ہمارا حوصلہ صبر ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہماری ہمتیں پست ہوتی جارہی ہیں۔ دُنیا نے ہمیں بُری طرح تنگ کردیا ہے۔ ہم گھبرا کے کہتے ہیں کہ ہمارا والی و وارث آجائے۔

بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

مودة فی القربیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عزّ اسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ آج جو اس وقت ہمارا جلسہ ہے۔ یہ بسلسلۂ تشریف آوری حضور امام رضاؑ ہے۔ آج دنیا میں ہمارے آٹھویں امام علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں اور ہم اُن کی ادنیٰ رعایا اپنے شہنشاہ کی آمد کی خوشی میں اُس سارے خاندانِ عصمت و طہارت کو ہدیۂ مبارک باد پیش کرنے کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ وقت کی مناسبت سے موضوع تو یہی ہے کہ یہی ذکر ہو۔ مگر وہ مضمون بڑا لمبا ہے اگر ساری بات نہ کہی جائے تو پھر سامعین کو کوئی لطف نہیں آئے گا۔

لہٰذا مجھے آج کی محفل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں کچھ ایسے حضرات بھی تشریف فرما ہیں جو علم لغت کے ماہر اور واقف ہیں اسلئے اُن حضرات کی خدمت میں ایک ایسے طالبعلم کی حیثیت سے جو سبق بھول گیا ہو وہ سبق دہرانا چاہتا ہوں — اس کا تعلق نہ عقیدت سے ہے نہ اس کا تعلق فقہ سے ہے اور نہ ہی اس کا تعلق حصولِ فقہ سے ہے۔ صرف اور صرف علم لغت کا مسئلہ ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ یہاں یہ حضرات ٹیپ کرنے والے بھی بیٹھے ہیں میری تقریر محفوظ بھی ہو جائے گی اور یاد بھی رہے گی۔ اس سے پہلے بھی میں یہ بات کہہ چکا ہوں۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو

نئی میں کہہ رہا ہوں۔ اس حیثیت سے نئی ہے کہ یہ بات علماء نے کبھی نہیں کہی۔ صرف جاہل آدمی نے کہی ہے اور وہ میں ہوں۔

اللہ نے کلام مجید میں جو بذریعۂ رسولؐ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ فرمایا ہے ـــــــ

" قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ " یہ آیت ہے کلام مجید میں ـــ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہاں ہے تو چونکہ میں حافظ نہیں ہوں لہٰذا بتا نہیں سکتا۔ یقین ضرور ہے کہ ہے۔ " آیت اللہ کے لئے اتنا جاننا ضروری ہے کہ وہ ہے یہ جاننا ضروری نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ چاہے وہ قرآنِ صامت کی آیت ہو یا قرآنِ ناطق کی آیت ہو۔ بس اتنا جاننا ضروری ہے کہ وہ ہے ـــــــ اور آیت ایسی ہے کہ اس کے لئے حافظ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر عقیدت مند مومن کے حافظے میں یہ آیت محفوظ ہے اسی آیت پر ہمارے اعتقادِ اصولی و فروعی کا دار و مدار ہے۔ ہم اس آیت کو اپنے اعتقادات کی روح مانتے ہیں۔ اگر اسے بیچ سے نکال دو تو ہمارے تمام اعمال و افعال چاہے کتنے ہی فقیہہ کے مطابق ہوں، وہ بے روح ہو جائیں گے۔ یہ آیت روح ہے ہمارے ایمان کی۔

اس آیت کے شروع میں اللہ نے لفظ "قُل" فرمایا ہے ـــــ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ ـــــــ کلام مجید میں چند آیتیں ایسی ہیں جو "قُل" سے شروع ہوتی ہیں۔ حالانکہ ہر آیت اسی لئے نازل ہوتی تھی کہ رسولؐ پر وہ آیت آئے اور رسولؐ وہ عوام سے مومنین سے۔ اصحابؓ سے، مسلمانوں سے کہہ دیں ـــ جب ہر آیت اسی لئے آتی تھی کہ وہ کہی جائے تو بعض آیتوں کے شروع میں "قُل" کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ـــ کیا ان آیتوں کو رسولؐ سنانا نہیں چاہتے تھے؟ کیا انہیں چھپا لینا چاہتے تھے۔ جو اللہ کو کہنا پڑا "قُل" " یہ کہہ دے " ـــ

رسولؐ کے لئے یہ تاکیدی حکم آنا "قُل" کا۔ اس کے کیا معنی ہیں ـــ

تفسیر کو چھوڑ کر مختصر لفظوں میں یہ کُلیہ یاد رکھیں کہ جن آیتوں کا انکار کفر محض بن جائے ان کے شروع میں اللہ "قل" کہہ دیتا ہے۔ "قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد" ـــــــ اور اگر کسی "قل" والی آیت میں انکار کفر نہ بنتا ہو تو وہ منسوخ ہو جاتی ہے۔ بہرنوع یہ ایک اصول ہے قرآن کا ـــــ اس آیت میں بھی اللہ نے "قل" کہا ہے ـــ اہلِ لُغت حضرات جانتے ہیں کہ "قُل" کے معنیٰ ہیں "کہدے" ـــــــ یہ تو ہماری زبان ہے۔ ہم اپنی ہی زبان میں اگر ذرا لفظ بدل دیں تو اس "کہدے" سے زیادہ لطف آ جائے گا ـــ یہاں "قُل" کے معنیٰ "کہدے" نہ کریں۔ بلکہ "قُل" کے معنی یہ کریں کہ رسولؐ یہ کہہ رہے تھے بحکم خدا "تم اے کہہ کہ "اس بات کے قائل ہو جاؤ" ـ یہاں "قُل" کے معنی ہیں اس کے تم قائل ہو جاؤ "مان لو اس بات کو۔ تمہیں ماننا پڑے گی یہ بات" ـــ "اس کے مانے بغیر گذارا نہیں ہے"۔ اور جس بات کو منوایا جاتا ہے۔ اس کا طریق ادا یہ ہوتا ہے کہ اُسے نفی و اثبات، میں ملا کے کہا جاتا ہے ـ پہلے نفی پھر اثبات ـــــ جس طرح ـــــــــ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ـــــ ویسے بھی کہہ سکتے تھے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ـــــ مگر یہ لَا اور اِلَّا نے اس کے منوانے کو مستحکم کر دیا۔ تو جہاں آپ دیکھیں لَا اور اِلَّا، وہاں ماننا ہی پڑے گا ـــــــ

اسی طرح اس آیت میں اللہ نے کہا "قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" جس طرح خدا کے کلمہ میں لَا اور اِلَّا ہے اُسی طرح یہاں بھی لَا اور اِلَّا ہے ـ جس طرح اُسے ماننا پڑے گا، اسی طرح اسے بھی ماننا پڑے گا۔ اس کا انکار اُسی طرح بُرا ہے جس طرح "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا انکار ہے۔

(اب یہ نوجوان بچے سامنے بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں "لَا اور اِلَّا تو آپ نے بتا دیئے۔ تیسرا لَا اور اِلَّا ہمیں بھی یاد ہے ـــــ ۱۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۲۔ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

اور ۔۔۔ تیسرا لاؔ اور اِلاَّ اور بھی ہے ۔۔۔ وہ ہے " لَا فَتیٰ اِلاَّ عَلِی لاَ سیف اللہ ذوالفقار " ۔۔۔۔۔۔۔ یہ وہ کلمہ ہے جو اللہ پڑھتا ہے ۔ سُنا ہے غیبی آواز آئی تھی " لا فتیٰ اِلاَّ علی لا سیف اللہ ذوالفقار " ۔۔۔۔۔۔۔ اس کلمہ میں اتنی طاقت ہے ، لا فتیٰ الاَّ علیٰ میں اتنی قوّت ہے کہ اگر ساری دُنیا کے مولوی اکھٹے ہو کر کسی فرد یا جماعت کو بے دین وکافر کہدیں ۔ اگر وہ لا فتیٰ کا سہارا لے لے تو کامیاب ہو جاتا ہے ۔ اتنی طاقت اب بھی ہے لا فتیٰ میں ۔ یہ بات ماننا پڑے گی ہر ایک کو کہ لا فتیٰ ! فتح دلاتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ بہرنوع یہ بھی ایک کلمہ ہے ۔)

میرے محترم سامعین !

یہ جو آیۂ مودّۃ ہے ۔ جسے اللہ نے یوں شروع کیا ہے ۔۔۔۔ " قل " قائل ہو جاؤ ۔ کس بات پر ۔۔۔۔۔ لا اسئلکم ۔۔۔۔ علم لغت کے ماہرین اگر عربی ادب کی لطافت پر ذرا غور کریں تو اتنا پیارا انداز ہے یہ " لا اسئلکم " اس سے زیادہ حسین اور پیارا انداز سمجھ میں آتا ہی نہیں ۔ یہ حاکم کا قہرمانی فرمان نہیں ہے ۔ کسی بڑے کا حکم نہیں ہے ۔ کسی برابر والے کا کہنا نہیں ہے ۔۔۔ بلکہ ایک محبوب کی فرمائش ہے ۔ اتنا پیار ہے اس میں کہ اسے ادا نہ کرنا شرافت کے خلاف ہے ۔ انسانیت کے خلاف ہے ۔۔۔۔۔ اس ادا سے بات ہو رہی ہے " لا اسئلکم " میں تو نہیں مانگتا ۔۔۔۔ کتنے پیارے انداز میں بات کہی ہے " میں تو نہیں مانگتا ۔۔۔۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ۔۔۔۔ تم مجھ سے مانگو ۔ تم مانگو جو چاہو ۔۔۔ میں تو نہیں مانگتا ۔۔۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ۔۔۔۔ " لا اسئلکم " ۔۔۔۔۔ مجھے پتہ ہے کہ " مانگنا " اچھی چیز نہیں ہے " ۔۔۔۔ بال جیسی عزت ہے ۔۔۔ مانگ سے فرق آجائے گا ۔۔۔۔ لہٰذا میں تم سے کچھ مانگتا ہی نہیں ۔۔۔ میں تم سے کیا مانگوں ۔۔

میں تمہیں عطا کرنے آیا ہوں ——— مانگنے نہیں آیا —— "لہٰذا سلسلہ: میں تو نہیں مانگتا۔ اس سے بہے نہیں مانگتا —— اللہ گواہ ہے —— میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ——— مجھے مانگنا آتا ہے؟ نہیں ——— میں نے کبھی مانگا ہی نہیں —— تم سے میں کیا مانگوں گا ———— میں نے تو اللہ سے بھی کبھی نہیں مانگا ——— جس سے ساری دنیا مانگتی ہے ———— میں نے تو اُس سے بھی نہیں مانگا —— وہ بھی بار بار مجھے کہتا ہے "ربِّ زدنی علماً" ارے نہیں تو علم ہی مانگ لے ——— میں کہتا ہوں —" نہیں" ——— میں تجھ سے بھی نہیں مانگتا —— میں تو اللہ سے بھی نہیں مانگتا ————————

"قبلہ!

اللہ سے کیوں نہیں مانگتے —— ؟

• مجھے پتہ ہے۔ اگر میں مانگوں گا تو چاہے کتنی ہی بڑی شے مانگ لوں —— وہ بڑی میری حیثیت کی ہوگی ——— لہٰذا میں کیوں مانگوں —— ——— اگر اس میں ذرا سی ادائے محبوبیت شامل کر لو تو ——— اللہ کا دل چاہتا تھا کہ محمدؐ مجھ سے کچھ مانگے۔ ہر حبیب کا جی چاہتا ہے کہ محبوب کوئی فرمائش کرے ——— کچھ مانگے تو سہی —— کچھ کہے تو سہی ———— اللہ سب کچھ دینے کو تیار تھا مگر اتنا غیور محبوب کہ کچھ نہیں مانگتا ——— ممکن ہے اللہ نے یہ خیال کیا ہو۔ (ان لفظوں پہ قیاس نہ کرنا۔ اللہ کے واسطے کوئی لفظ ہے ہی نہیں دُنیا میں۔ یہ تو ہم اپنا مطلب ادا کرنے کے لئے ان لفظوں کا سہارا لیتے ہیں) ——— ممکن ہے اللہ نے خیال کیا ہو کہ مجمع میں مانگتا ہوا شرماتا ہے —— تو ایک رات چپکے سے گھر بلایا اور کہا۔

"اب تو صرف تُو اور میں ہوں —— اور تو کوئی نہیں۔ پردے کی بات ہے ——— اب مانگ لے" —— پھر اللہ نے سوچا ——— چلو مستی ہی تنہائی سہی ——— میں اللہ! ——— یہ بندہ! ——— یہ غیرت

تو اب بھی ہے ناآخر ــــ اللہ اور بندے کی بات ہے ــــ
تو اللہ نے اللہ بن کر بات نہیں کی وہاں پردے میں ــ بلکہ اس طرح بول رہا تھا ــــــ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے بھائی بول رہا ہو ــــ "اب مانگو ــــ مانگ کیا مانگتا ہے"

مگر اس غیرت دار بندے نے وہاں بھی کچھ نہ مانگا ـــــــــــــ جس نے اللہ سے کچھ نہ مانگا۔ وہ ہم جیسے ذلیل بندوں سے کہہ رہا ہے ــــ" میں تم سے کچھ نہیں مانگتا ــــ "لا اسئلکم" میں نہیں مانگتا ــــ میں نہیں کہہ رہا ــــ اللہ نے کہا ہے "قُل" اب جو تم سے کوئی شے مانگی جا رہی ہے وہ میں نہیں مانگتا ــــ وہ مانگ رہا ہے وہ مانگتا ہے تم سے ــــ میں نہیں مانگتا ــــ اُس نے کہا ہے "قُل" ــ میں نہیں مانگتا ــــ"

"مولا! پھر فرماؤ نہ کچھ ــــ کیا مانگتا ہے وہ ــ کیا چاہتا ہے، وہ ــــــ"
جتنے مربعے والے تھے وہ آگئے اپنی جائدادیں لے کر ــــ پیسے والے پیسے لے کر ــــ دولت والے دولت لے کر ــــ رسولؐ نے فرمایا ــــ "نہیں ــ میں تمہارے مربعے نہیں مانگتا ــــ میں تمہارے پیسے نہیں مانگتا ــــ میں تمہاری دولت نہیں مانگتا ــــ تمہارا کوئی ساؤ نہیں مانگتا ـــــــــــــ"

پھر قبلہ کیا مانگتے ہو؟

"میں تم سے "اجر" مانگتا ہوں ــ میں تم سے اجرت چاہتا ہوں"

حضرات علمائے کرام!

خدا تمہارے علم و فضل میں برکت عطا فرمائے ــ ــ آپ کے علم میں خدا ایسی طاقت دے کہ آپ میں قوت استنباط پیدا ہو جائے ــــ کبھی کبھی غریب شہر جاہل کی گفتگو بھی استنباط کے نکتہ سے غور فرمایا کریں ــــ مر جاؤں گا تو یاد کروگے کہ کوئی دیوانہ

ایسی باتیں بھی بتایا کرتا تھا۔) رسولؐ ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں تم سے اجر مانگتا ہوں ۔۔ اجرت مانگتا ہوں ۔۔۔ رسولؐ مانگتا ہے اُجرت ہم سے ۔۔۔ اتنا بڑا رسولؐ ہم سے اُجرت مانگتا ہے ۔۔۔ میں تم سے اجرت مانگ رہا ہوں ۔۔۔ اور ترجمہ یہ کیا جاتا ہے ۔۔۔ "میں تم سے اُجرت مانگتا ہوں رسالت کی" ۔۔۔۔۔۔۔۔

کیوں صاحبان!

ایک بات بتاؤ کہ ایک شخص کو حکومت نے تحصیلدار بنایا اُس تحصیل کا ۔۔۔ تھانے دار بنایا اس تھانے کا ۔۔۔ اُس تھانیدار کو اپنی تنخواہ مانگنے کا حق کس سے ہے؟ ۔۔۔ حکومت سے ۔۔۔ اور اگر وہ آپ کو بلا کے کہے ۔۔۔ "لاؤ میری تنخواہ" ۔۔۔ تو وہ تھانیدار برخاست ہو جائے گا یا نہیں۔ اگر تحصیلدار اپنی تنخواہ ہم سے مانگے۔ تو ہم کہیں گے ۔۔۔ قبلہ! آپ کو ہم نے بنایا تھا تحصیلدار۔ تم تو پہلے ہی ہمارے لئے وبالِ جان ہو ۔۔۔ جاؤ گھر ۔۔۔ جس نے بنایا ہے اُس سے مانگو ۔۔۔۔۔۔ گو ہر بنا ہوا اپنے کام کی اُجرت اُس سے مانگ سکتا ہے۔ جس نے اُسے اپنے کام پر معمور کیا ہے ۔۔۔ اگر یہ رسالت کی اُجرت ہے تو جس نے اُسے رسالت پہ معمور کیا ہے اس سے اُجرت مانگ سکتا ہے۔ ہم نے نہیں رسولؐ بنایا اُسے جو ہم سے اُجرت مانگے ۔۔۔۔۔

یہ ایک مغالطہ درود العامہ ہے جسے ہمارے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ رسولؐ نے رسالت کی اُجرت مانگی تھی ۔۔۔ ہم نے کب رسولؐ کو رسولؐ بنایا تھا۔ اُسے ہم سے اُجرت مانگنے کا کوئی حق نہیں ۔۔۔ ہم نے (VOTING) کر کے کہا تھا "تو رسولؐ ہے" ۔۔۔ ہم نے کمیٹی کر کے کہا تھا "تو رسولؐ ہے"؟ ۔۔۔ جن بستیوں کو ہم نبی

بناتے ہیں ـــ وہ ہم سے اپنی اُجرت مانگتے ہیں۔ کہ ہمیں اپنی کمائی کا دسواں حصہ بھیج دیا کرو۔ کیوں کہ تم نے ہمیں نبی بنایا ہے ـــ اور جنہیں اللہ نبی بناسے وہ صاف کہتے ہیں " ان اجری علی اللہ ـــ " ہمیں تم سے کیا واسطہ ہے۔ جس نے ہمیں رسولؐ بنایا ہے، وہ ہمیں اجر دے گا ـــ اور تم کہتے ہو کہ اُس نے رسالتؐ کی اُجرت مانگی تھی ـــ یہ بہت بڑی جہالت ہے ـــ رسولؐ، ہم سے اپنی رسالتؐ کی اُجرت مانگ سکتا ہی نہیں ـــ اور رسالت میں اُس نے سکھایا کیا ہمیں ـــ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ حج کرو ـــ یہی باتیں ہیں نا جو ہمیں سکھائی رسالتؐ نے ـــ

کیوں علمائے کرام! کیوں فقہائے عظام!

نماز سکھانے کی اُجرت لینا جائز ہے؟ ـــ ناجائز ہے ـــ ہمارے لیئے تو کہہ دیا ـــ ناجائز ـــ اور خود یہی چیزیں سکھاکے کہتا ہے کہ " مجھے اُجرت دو " ـــ یہ کیسے ہو سکتا ہے ـــ ان چیزوں کی کوئی اُجرت نہیں دیتا۔ رسالتؐ کی کوئی اُجرت نہیں ـــ مگر مانگی اُجرت ہے ـــ پھر اُجرت کس بات کی ـــ؟ قرآن میں لفظ " اُجر" موجود ہے ـــ مانگی ہے اُجرت ہی ـــ کیا آدمی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی ـــ کہ رسالت کی اُجرت اگر نہیں ہے تو پھر رسولؐ کس بات کی اُجرت مانگتے ہیں۔

پوری توجہ ہے نا صاحبان!

یہ وہ چیزیں ہیں جو نہ تفسیروں میں ہیں نہ کتابوں میں ہیں اور نہ ہی علماء کی زبان پہ ہیں ـــ یہ صرف مجھ جاہل آدمی کے ذہن میں آگئی تھی بات جو میں، آج آپ کی خدمتِ عالی میں بیان کررہا ہوں ـــ ہوسکتا ہے ساری غلط ہوں۔ بس یہ ضد تو نہیں کرتا کہ میری ہر بات صحیح ہے ـــ مگر ابھی تک کسی نے غلط کیا نہیں ـــ چنانچہ ایک دفعہ ایسا

نقصہ بنا میں نے کراچی میں اسی مضمون کو دس دن میں متواتر دس مجلسوں میں بیان کیا
— مولوی صاحبان کہیں — "واہ — ہماری اب تک کی ساری تفسیریں
غلط کر رہا ہے" — میں نے کہا — "میں تفسیری بات نہیں کر رہا — لغت کی بات
ہے — تفسیر میں میرا کوئی دخل نہیں — تفسیر تو اس کی میں وہی مانوں گا —
جو آپ فرمائیں گے — یہ صرف علم ادب کی حیثیت سے معانی و بیان اور صرف و نحو
کی حیثیت سے علم لغت میں گفتگو ہو رہی ہے — چنانچہ ایک سیٹھ جمانی ہیں کراچی میں۔
وہ میری ساری گفتگو لکھ کر "جامعہ ازہر" لے گئے — کہ
ایک شخص لغت کے اعتبار سے اس آیت کے متعلق یہ کہتا ہے — فرمائیے
یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ وہاں سے جواب آیا "لغت کے اعتبار سے صرف
یہی صحیح ہے" —

پھر لوگوں کو کچھ حوصلہ و اطمینان ہوا — زیدی بھی کچھ جانتا ہے۔ ورنہ میں تو کچھ
جانتا ہی نہیں تھا — آپ نے میری ہزاروں تقریریں سنی ہوں گی — عربی میں نہیں
پڑھتا — آیتیں میں نہیں پڑھتا — حدیثیں میں نہیں پڑھتا —
سیدھی سادھی لغت کی بات ہے — کہ رسولؐ نے ہم سے مانگی اُجرت ہے۔
بات یہ ہے حضور! رسولؐ کے فرائض میں ہے کہ وہ خدا کے احکام ہم تک پہنچائے
— اور ادائے فرض میں اُجرت نہیں ہوتی — جس طرح
میں آیا ہوں لاہور سے — تاکہ مجلس پڑھوں۔ گھر سے چلا اسی نیت سے
ہوں - بلایا اسی لئے گیا ہوں — اگر کوئی صاحب مجھے یہ کہہ دیں "زیدی صاحب مجلس
تو آپ نے پڑھنی ہی ہے — ذرا میرا خط بھی لکھ دیں" تو یہ خط لکھنا میرے فرائض
میں نہیں ہے — فرض سے زائد کام مجھ سے لینا چاہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ چیز میرے
فرائض میں نہیں ہے — لہٰذا احکام الٰہی کا پہنچانا تو یہ رسولؐ کے فرائض میں ہے —
بخشش کی راہیں دکھانا یہ رسولؐ کے فرائض میں ہے — نجات کے راستے بتانا یہ رسولؐ

کے فرائض میں ہے ـــــ بخشنا کے جنت میں لے جانا یہ رسولؐ کے فرائض میں نہیں ہے ـــــ یہ تمہارے اُوپر بوجھ ہے ـــــ جنت کے سارے راستے بتا دینا رسولؐ کے فرائض میں ہے اور تمہیں جنت میں لے جانا۔ یہ رسولؐ کے فرائض میں نہیں ہے۔

اب اگر تم کبھی رسولؐ کے سر ہو جاؤ قبلہ!

"جنت میں لے بھی جاؤ ـــــ" تو رسولؐ کہے گا "یہ میرے فرائض میں نہیں ہے"

ہم نے پھر عرض کی "قبلہ ـــــ آپ شفیع ہیں ـــــ آپ ہماری شفاعت فرمائیں ـــــ" تو رسولؐ نے فرمایا ـــــ

"بھائی! میرے فرائض میں تمہاری شفاعت نہیں ہے ـــــ جہاں تک میرے فرائض کا تعلق ہے ـــــ وہ ہے"

یہ چار کام ہیں ـــــ شفاعت اس میں کہاں ہے ـــــ ان چار کاموں کی اُجرت نہیں مانگ سکتا۔ یہ میرے فرائض میں ہے، شفاعت، کا زانہ دام تم میرے ذمے لگا رہے ہو ـــــ میں نہیں کرتا شفاعت تمہاری ـــــ جاؤ ـــــ اب ہم تمام رسول سے کہتے یا رسول اللہ! ہماری شفاعت کرو ـــــ رسولؐ فرماتے ہیں ـــــ شفاعت کا کام میرے فرائض میں نہیں ہے ـــــ میرے حساب سے جاؤ سارے جہنم میں میں کیا کروں ـــــ میں نے تمہیں نجات کا رستہ بتا دیا ہے ـــــ شفاعت میرے ذمے نہیں ہے ـــــ آخر جب ہم نے مجبور کیا ـــــ تو رسولؐ نے کہا ـــــ "دیکھو۔ میں ہوں سرکاری ملازم ـــــ مجھے اللہ نے بنایا ہے رسولؐ ـــــ اور یہ میرے فرائض میں ہے کہ ایک ذمہ دار افسر اپنی گورنمنٹ سے اجازت لئے بغیر SIDE BUSNESS نہیں کرسکتا ـــــ اگر تم مجھ سے یہ (SIDE BUSINESS) شفاعت کا کروانا چاہتے ہو تو اس کی اجازت میں اللہ سے لوں گا۔

"کیوں اللہ! اجازت ہے ـــــ میں شفاعت کردوں اس کی" ـــــ

تو اللہ نے بڑے غصہ میں جواب دیا" من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ" کون ہوتا ہے شفاعت کرنے والا" ــــ رسولؐ چپ ہو گئے ــــ مگر عوام سر ہیں۔ آپ رحمت ہیں ــ آپ آخری نبی ہیں ــ ایک دفعہ پھر کہہ دو نا اللہ سے ــ ۔ اور رسولؐ نے پھر کہا ــ اللہ نے اس میں تحقیق کر دی ــ "کوئی شفاعت نہیں کر سکتا ــــ مگر وہ رسولؐ جس سے اللہ راضی ہو" ــــ رسولؐ بھی راضی ہو گئے۔ چلو اللہ مجھ سے راضی تو ہے ــ میں شفاعت کر سکتا ہوں ــــــــــ

پبلک! تم مجھ سے شفاعت چاہتے ہو؟ ــ خدا نے مجھے تمہاری شفاعت کا حق دے دیا ہے ــ اگرچہ یہ میرے فرائض میں نہیں ہے ــ یہ فرائض سے زائد کام ہے جو تم مجھ سے لینا چاہتے ہو ـــــــ اللہ نے کہا محمدؐ! سنتے بھی ہو۔ یہ کام مفت نہ کرنا ــ یہ کام تیرے فرائض میں نہیں ہے ــــ تو اس کی ان سے اجرت لے ــــ جو اجرت دے دے ــ اس کی شفاعت کر ــ اور جو اجرت نہ دے ــ وہ جائے جہنم میں ــــ رہ گیا یہ تلاوت آیات کرنا۔ نمازیں سکھانا ــ روزے سکھانا ــ پاس بٹھانا ــ پیار کرنا ــ محبت کرنا ــ اپنے ساتھ رکھنا ــ یہ تیرے فرائض میں ہے یہ [illegible] ساتھ کر ــــ یا جنت یا جہنم میں بھیجنا ــــ جو اس کی اجرت دے اس کی شفاعت کر ــ جو نہ دے جائے جہنم میں [illegible] SIDE BUSINESS ہے تیرا ــ اس کی اجرت مانگ ــــ چنانچہ اس نے کہہ دیا ــــ لا اسئلکم میں تم سے نہیں مانگتا ــ "علیہ" اس بات پر ("علیہ" کی ضمیر کا کوئی مرجع تو ہونا چاہیئے! ــــ رسالت تو کہی نہیں ــــ اس بات پر جو تم مجھ سے مانگ رہے ہو ــ یہ مرجع ہوا فوق ضمیر ہے) ــــ جو تم مجھ سے مانگ رہے ہو شفاعت ــــ اس بات پہ میں تم سے اور کوئی اجرت نہیں چاہتا ــ تب شفاعت کروں گا۔ جب تم اجرت دو گے"

توجہ ہے نا صاحبان۔

شفاعت کے متعلق بھی دو لفظ کہہ دوں ــــ شفاعت کے معانی ہم غلطی سے سمجھ بیٹھے "سفارش" ــــ حالانکہ سفارش اور چیز ہے ــ شفاعت اور چیز ہے ــ جس حکومت میں سفارش سے کام ہوتا ہو ــ وہ نااہل حکومت ہے ــ جس طرح ایک نالائق آدمی کی سفارش ہوئی ــ وہ افسر بن گیا ــ ایک قابل بے چارہ رہ گیا ــ یہ حکومت کوئی اچھی حکومت ہے دنیا میں؟ ــ تو اگر اللہ کے یہاں بھی سفارش چلنے لگی ــ گویا حکومت کیا ہوئی ــ چوپٹ راج کی شاہی ہوئی

رسولؐ نے کہا ــ میں سفارش کسی کی نہیں کروں گا ــ میں تو شفاعت کروں گا ــــ اب شفاعت کے کیا معانی ہیں ــ میری سمجھ میں نہیں آیا ــ حالانکہ ایک مولوی تھا ــ مگر اتفاق سے میں ایک زمیندار کے گھر پیدا ہوا تھا ــ تھوڑی بہت زمینداری بھی جانتا تھا ــــ شفاعت کے معانی سمجھ میں آ گئے ــــــــــــ مثلاً

ایک زمین تھی آپ کی ــ ساتھ بنا لگتا تھا کسی اور کی زمین کا ــ اُس نے بیچ دی ــ آپ نے کہا میں تو اس پہ شفعہ کرتا ہوں ــ کیوں کہ میرا بنا لگتا ہے ــ یہ ہے شفاعت) ــ جہاں آپ کی حد لگتی ہو ــ جہاں آپ کا بنا لگتا ہو ــ اُسے دوسرے تک نہ جانے دیں ــ اسے شفاعت کہتے ہیں ــــــــــــ اب دنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو ساری نیکیاں ہی نیکیاں کرے ــــ ایسا بھی کوئی نہیں جو ساری بدیاں ہی بدیاں کرے ــ ہزاروں بُرائیاں کیں ــ ایک آدھ نیکی بھی ــــ ہزاروں نیکیاں کیں ــ ایک آدھ بُرائی بھی ــــ تو جتنی برائیاں کی ہیں ــ اتنا اس میں حصہ دار ہے شیطان ــ اور جتنی اچھائیاں کی ہیں ــ اتنا اس میں حصہ دار ہے رسولؐ ــ چونکہ رسولؐ کا بنا لگتا ہے شیطان کے بنے کے ساتھ ــــ قیامت کے دن شیطان کہے گا ــ میرا حق ہے ــــ تو رسولؐ حق شفعہ کرے گا ــــ اسے شفاعت کہتے ہیں ــ اسے کہتے ہیں "المیزان حق" قیامت میں میزان قائم ہوگی ــــ میزان کے معانی ہیں ــ "تولا جائے گا" کہ کس کا پلہ بھاری ہے ــ

شیطان والا بھاری ہے یا محمدؐ والا بھاری ہے ـــــ اب اُس ترازو میں ہم نے
اتفاق سے شیطان نامراد کا پلڑا بھاری نکل آیا ـــ اعمال جو ہمارے ایسے ہی تھے ـــ اس
موقع پر رسولؐ نے ہمیں کہا ہے کہ

اگر تم میری شفاعت چاہتے ہو تو"

دیکھنا مجھے شرمندہ نہ کرنا وہاں ـ میرا مقدمہ جتانا وہاں ـ سہرا نہ دینا ـ گنتا ہوں گا ـ پلڑا کم رکھنا
ـــ اور اگر اس کے باوجود بھی کم رہ گیا ـــ

تو پھر فکر نہ کرو ـ پرواہ نہ کرو ـــــ

میں نے ایسے بندے کھڑے کر دیئے ہیں کہ جن کے اعمال کی اتنی انتہا ہے کہ اُن کو جمع
تو کسی نے کیا ہی نہیں ـ نہ اُن کا حساب ہوگا ـ وہ بے حساب بندے ہیں ـ جمع وہاں
ہوتا نہیں ـ اگر اُن کی ضرب کو تقسیم کر دیا جائے تو ثقلین کے لیئے کافی ہے ـ

بہر نوع ـ رسولؐ نے فرمایا کہ تمہاری شفاعت میں کروں گا ـ مگر شرط یہ ہے کہ
نہیں اُجرت دینا پڑے گی ـ بغیر اُجرت کے شفاعت ممکن ہی نہیں ہے ـــــ
اب لوگ حیران ہیں ـ اللہ جانے ـــ لاکھ روپیہ مانگے گا ـ پچاس مربعہ مانگے گا ـ
ـ ـ دولت کیا مانگے گا ـ ! ہم غریب کیا کریں گے ؟ ـ

رسولؐ نے کہا ـــ غریبو ـ فکر نہ کرو ـــ میرے یہاں امیر و غریب کی کوئی تمیز
نہیں ہے ـ میں ایسی چیز مانگوں گا جس میں نہ امارت کی ضرورت ہے ـ نہ غربت کی ضرورت
ہے ـ نہ وقت کی ضرورت ہے نہ فیئت کی ضرورت ہے ـــــ جو ہر شخص ہر وقت ادا
کر سکتا ہو ـ ایسی اجرت مانگوں گا ـ اور وہ یہ مانگتا ہوں کہ " مودۃ فی القربیٰ " اگر شفاعت
کی اُجرت چاہتے ہو تو بس ایک ہے ـ اور وہ ہے " مودۃ فی القربیٰ ـــــ
اب حضرات علمائے کرام مدظلہ یہاں میری مدد فرمائیں کہ " مودۃ فی القربیٰ " کا اردو
میں ترجمہ کیا ہے ؟ ـــ رسولؐ نے ہم سے اُجرت کیا مانگی " مودۃ فی القربیٰ " اس

کا اردو میں کیا ترجمہ ہے ـــــ

میرے سامعین ! آج تک اردو زبان نے وہ الفاظ بنائے ہی نہیں جو مودت فی القربیٰ کا ترجمہ کر سکیں۔ جتنے بھی ترجمے ہوتے ہیں، وہ لفظ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً ہم ادھر ادھر سے ہیر پھیر کرکے کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ کوئی اردو زبان میں لفظ ہی نہیں جو مودت فی القربیٰ کا ترجمہ کرے ـــــ ـــــ اور جو ترجمہ کیا جاتا ہے وہ ہے "میں تم سے اُجرت چاہتا ہوں قربیٰ کی محبت کی" ـــ مودت کے معانی محبت کیا جاتا ہے ـــ ـــ اے اہلِ ذوق ! تمہارے سننے کی بات ہے ـــ

نوجوان طبقہ ! غور سے سننا۔ میرے جیسے بڈھو ! تم بھی سننا ـــ کیا اُجرت مانگی رسولؐ نے بقول تمہارے ترجمہ کے ـــ "محبت" ـــ ایمان سے کہو۔ محبت کوئی ـــ مانگنے کی شے ہے ـــ محبت کا کہیں مطالبہ ہوسکتا ہے ـــ محبت طلب کی جاسکتی ہے ـــ! اگر میں کہوں،

"پیر محل کے سیدو ! بڈھے، نوجوانو، بچو ! میں تم سے مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو" ـــ سب کہیں گے۔ بڈھے کا دماغ خراب ہوگیا ہے ـــ بھلا محبت بھی کہیں مانگنے سے ہوتی ہے ـــ بھلا محبت بھی کہیں طلب سے ہوتی ہے ـــ

ـــ اب سب کہیں گے۔ "ہم کیوں کریں آپ سے محبت" ـــ میں کہوں گا "میں بہت سوہنا ہوں" اس لئے مجھ سے محبت کرو ـــ بچے در ہنسیں گے۔ تم نے کبھی آئینہ میں شکل بھی دیکھی ہے۔ اپنے آپ کو سوہنا بتا رہے ہو؟ ـــ مگر دلیل کیا ہے۔ میرے پاس یہ کہ میری اماں کہتی ہے۔ "میں بہت ہی سوہنا ہوں" ـــ اب تم منوگے یا نہیں ؟ ـــ تم کہوگے ـــ اماں تو ٹھیک کہتی ہیں۔ پر اماں کی ہر بات بھی ماننے کے قابل نہیں ہوتی ـــ چاہے "اماں" ہی کیوں نہ ہو ـــ اماں تو اپنوں کی طرفداری میں بات کر دیتی ہے، ـــ

بہرنوع محبت مانگی نہیں جاتی — محبت کی نہیں جاتی۔ محبت ہوجاتی ہے — اور جو شے ہوجائے۔ اُس کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی اُس پر جزا و سزا ہوتی ہے — مطالبہ اُس شے کا ہوتا ہے جو کی جائے۔ اُس کا نہیں ہوتا۔ جو ہوجائے —— لہٰذا مودّت کے معانی محبت نہیں ہے — محبت اور چیز ہے — مودّت اور چیز ہے۔ مودّت کی جاتی ہے۔ محبت ہوجاتی ہے — اور

علم و معانی و بیان — ہر زبان کا یہ فیصلہ کرچکا ہے (عربی کا ہو۔ فارسی کا ہو — اردو کا ہو یا انگریزی کا ہو)۔ ایک ہی زبان کے دو لفظ کبھی ہم معانی نہیں ہو سکتے — مودت بھی عربی کا لفظ ہے۔ محبت بھی عربی کا لفظ ہے — کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ مودت کے وہی معانی ہوں جو محبت کے ہیں — محبت کے وہی معنی ہوں جو مودت کے ہیں — اگر دونوں ہم معنیٰ ہوتے تو دوسرا لفظ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی — کوئی فرق ہے معانی میں جو دوسرا لفظ بنانا پڑا۔

میرے محترم سامعین!

اب پوچھو۔ مودّت کیا ہے؟ محبّت کیا ہے؟

"محبت" تو وہی ہے جو ہوجاتی ہے۔ اور "مودّت" کی جاتی ہے اگر ہم ذرا لفظوں کو بڑھا کر ان کے معانی بیان کریں تو یہ کہوں گا کہ —

• محبت وہ ہے۔ جس پہ ہر شے قربان ہوجائے — وہاں محبت ہوتی ہے — اور جس پہ محبت قربان ہوجائے۔ وہ مودّت ہے — لہٰذا محبت ہوجاتی ہے۔ مودّت کی جاتی ہے —————— رسولؐ نے ہم سے 'محبت' نہیں مانگی — ہم سے مودّت مانگی ہے: "مودّۃ فی القربیٰ"

اب میں مثال سے اسے سمجھانا چاہتا ہوں کہ اِسے اصطلاح میں "تاویل بالمعنیٰ" کہتے ہیں "ترجمہ" چونکہ نہیں آتا مجھے مودّت کا۔ اس لئے مثال سے سمجھاتا ہوا،

سب سے اعلیٰ قسم محبت کی۔ سب سے بڑھیا
قسم محبت کی ــــ سب سے بہترین قسم محبت کی۔ وہ ہے جو ماں کو ہوتی ہے اپنے بچے
سے محبت ــــ توجہ فرمائی صاحبان! ــــ اسی لئے ہندی میں، بھاشا زبان میں جو دنیا کی
حسین ترین زبان ہے۔ اس میں ماں کی محبت کے لئے لفظ "ماتا" رکھا ہے۔ اور کسی محبت
کو یہ نہیں کہا گیا ــ ماں کی ماتا ــ باقی کسی محبت کو یہ نہیں کہا گیا "ماتا" ــــ اگر
محبت کی سب سے اونچی قسم کوئی ہے دنیا میں تو وہ ہے ماں کی محبت ــــ اور اس کی
مثال وہی ہے جو میں ہزاروں دفعہ سنا چکا ہوں۔ اب پھر سنا دوں۔

مولانا میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ ان سے میں نے سنی ہے یہ بات کہ جب مدرسے
میں پڑھتے تھے (دکھ تو اس بات کا ہے کہ میں کبھی پڑھا ہی نہیں کسی مدرسے میں ــ ایسا
"امی" کا امتی بنا ہوں کہ پڑھا ہی نہیں۔ بہتیرا کہا استادوں نے۔ کتاب پڑھ لو۔ میں نے کہا
کتاب کافی ہے ــ کتاب کا وجود ہی کافی ہے۔ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے) ــــ
مولانا کہتے ہیں کہ انہوں نے پڑھا تھا پرائمری کی کتابوں میں کہ ایک بچہ تھا ــ اور دو
عورتوں میں جھگڑا ہوگیا ــ ایک کہے میرا بچہ ہے ــ دوسری کہے میرا بچہ ہے ــــ دونوں
لڑتی لڑتی پہنچیں حاکم وقت کے پاس ــــ حاکم کوئی بڑا ہی سمجھدار قابل تھا۔ اس نے کہا کہ اس
کا فیصلہ یوں کرو ــ اس بچے کو کاٹ کے دو حصے کرکے ــــ ان میں آدھا آدھا بانٹ دو۔
جب یہ فیصلہ ہوا جو جھوٹی ماں تھی۔ وہ تو چپ رہی ــ اور جو سچی تھی اس نے کہا
ٹھہرو ــ اس بچے کو کچھ نہ کہنا ــ یہ اسی کو دے دو ــــ میں دعوے واپس لیتی
ہوں" ــــــ یہاں سے پتہ چلا اصلی ماں کا ــــ اور پھر مولانا نے جو بات
مجھے سکھائی۔ وہ یہ ہے کہ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ــــ

جب چیز ہو ایک۔ اور دعویدار ہوں دو ــ ایک ہو جھوٹا ــ ایک ہو سچا ــ
اگر اس شے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو سچا گھر بیٹھ جاتا ہے ــ

—— گویا ماں کی محبت۔ سب سے بڑی محبت ہے
—— اگر مودّت کے معنی "محبت" ہوتے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے تھے۔
"ماں والی محبت" مانگی ہوگی —— مگر ماں والی محبت بھی نہیں مانگی —— بلکہ مودّت مانگی ہے۔ "مودّت" وہ ہے جس میں "محبت" قربان ہو جائے ——

اب بتاؤ ماں کی محبت یہ برداشت کر سکتی ہے کہ وہ زندہ رہے اور بیٹا مر جائے؟ —— مجبوری اور بات ہے کہ ماں زندہ ہے اور بیٹا مر جاتا ہے —— مگر کوئی ماں چاہتی ہے ایسا؟ کسی ماں کی خواہش ہے کہ بیٹا مر جائے —— کوئی ماں خواہش کرے گی کہ میرا بیٹا بیمار ہو جائے۔ کسی ماں کی تمنا ہے کہ میرا بیٹا زخمی ہو جائے —— ہے؟ نہیں —— مگر جب مودّت آ جائے تو مائیں —— رات بھر منت مانتی ہیں —— "کل کو پہلے میرے بیٹے کی لاش آئے" —— "پہلے میرے بیٹے کی میت آئے" جو ماں سے تمنا کروا دے "موت کی" —— "یہ مودّت ہے" —— یہاں محبت قربان ہو جاتی ہے۔ مودّت پر ——

لہٰذا رسولؐ نے تم سے مودّت، مانگی ہے "قربیٰ کی" —— افسوس اس بات کا ہے کہ اردو زبان میں لفظ نہیں ملتے "مودت" کا ترجمہ کرنے کے لئے —— اس لئے لفظوں کی ہیر پھیر سے کوشش کی ہے کہ مودّت کا مطلب آپ کی سمجھ میں آ جائے، بہر نوع جس پر ہر شے قربان ہو جائے —— وہ محبت ہے —— اور جس پہ محبت قربان ہو جائے —— وہ مودّت ہے —— لہٰذا رسولؐ مودّت کا مطالبہ کرتے ہیں —— اور مودّت اجرت ہے شفاعت کی —— اگر رسولؐ سے شفاعت چاہتے ہو۔ تو مودّت کرو —— اب سوال پیدا ہوتا ہے

مودّت کس سے کریں۔ کون ہے اس قابل جس سے مودّت کریں —— اس کے لئے قرآن نے کہہ دیا "فی القربیٰ"۔

تمام دنیا کے اہلِ لغت سے خطاب ہے قبلہ !

مودت فی القربیٰ" کا ترجمہ کیا بنا ؟ ـــ "مودت کرو" کس سے "قربیٰ" سے "
ـــ یہ "سے" کون سے لفظ کے معانی سے بنا ہے ـــ لفظ "سے" کس لفظ کے
معانی سے بنا ہے ـــ ؟ عربی میں " سے " کے لئے لفظ ہے " من " ـــ
ـــ اور آپ نے ترجمہ کیا ہے " سے "

اگر ہوتا " مودت من القربیٰ " ـــ تو آپ کا ترجمہ صحیح ہوتا ـــ "قربیٰ سے مودت
کرو " ـــ مگر یہاں ہے " مودت فی القربیٰ " ـــ " فی " کے معانی " سے " آپ
نے کیسے کر دیا ـــ " فی " کس لغت میں " سے " کے معانی ہے ؟ ـــ یہیں سے
یہ محاورہ بنا ہے کہ ـــ " اس بات میں کوئی " فی " ہے " ـــ یعنی کوئی نکتہ ہے ـــ
کوئی خاص بات ہے ـــ جب ہی تو یہاں فی کہا گیا ہے ـــ تو یہاں " من "
نہیں کہا ـــ فی کہا ہے ـــ اور " فی " کے معانی ہیں " میں " ـــ تو یہاں " میں "
بھی مناسب نہیں بیٹھتا ـــ اب مجھے " فی " کے معانی بھی سمجھانے کے لئے وہی
" تنزیل المعنی " کر کے ذرا لمبی سی گفتگو کرنا پڑی ـــ

عربی زبان میں " فی " سمجھانے کے لئے ایک محاورہ ہے ۔ " اَلسَّمَکُ فِی المَاءِ "
یعنی مچھلی پانی میں " ـــ اگر مچھلی پانی میں نہ ہو تو وہ مچھلی نہیں رہتی ـــ ؟ اگر ہم اُسے
پکڑ کر گھر لے آئیں تو وہ مچھلی نہیں رہتی ـــ ؟ مچھلی تو جب بھی مچھلی ہے ۔ مگر ـــ
السمک فی الماء کیا مطلب ہے ـــ ؟ یہاں " فی " آپ کی سمجھ میں آجائے گا ـــ
مچھلی پیدا کہاں ہوتی ہے ـــ ؟ پانی میں ـــ پلتی بڑھتی کہاں ہے ـــ ؟ پانی میں ـــ
اس کی غذا خوراک کہاں ہے ـــ ؟ پانی میں ۔ اس کا مرکزِ حیات کہاں ہے ـــ ؟ ـــ
پانی میں ـــ اس کا سو فیصدی تعلق کس چیز سے ہے ـــ ؟ پانی میں ـــ اُس کا کنبہ ،
قبیلہ ، رشتہ ناطہ ۔ سب کہاں ہے ؟ پانی میں ـــ پانی سے اُسے جُدا کر دو ۔ تو وہ

تڑپے گی ــــ ماہی بے آب۔ آپ نے سنا ہی ہوگا ــــ اور پانی کی یاد میں تڑپ
تڑپ کر جان دے دیتی ہے ــــ پھر آپ نے اس کی کھال کھینچ لی ــــ اُس کے
ٹکڑے کر دیئے ــــ اُس میں نمک مرچ ملاکر اُسے بھون ڈالا ــــ اور بھون کے
کھالیا ــــ آپ نے تو ختم کر دیا مچھلی کو۔ کھا کے آ بیٹھے مجلس میں ــــ تھوڑی
دیر ہوئی تھی ــــ پیاس لگی ــــ پانی پیا ــــ پھر پیاس لگی ــــ پھر پانی پیا ــــ اور جب پوچھا
آج بہت پانی پی رہے ہو" ــــ تو کہا صاحب مچھلی کھائی ہے" ــــ یہ ہے رشتہ
پانی سے مچھلی کا ــــ اگر پیٹ میں ایک ریزہ بھی اس کا باقی رہے گا ــــ پانی۔ پانی
کہے گا ــــ اس رشتے کو لفظ " فی " سے ادا کیا جاتا ہے ــــ تم مودت کرو
" فی " والی ــــ یعنی دنیا ٹکڑے کر دے ــــ بھون ڈالے۔ جلا دے۔ نگل لے
ــــ اگر ایک ریزہ بھی باقی ہے ــــ تو " قربیٰ " ہی کو پکارتے رہنا۔ دوسرے
کا نام نہ لینا ــــ یہ مطلب لفظ " فی " نے ادا کیا ہے ــــ " من " میں یہ لطافت
کہاں تھی جو " فی " میں لطافت ہے ــــ

بہر نوع۔ قربیٰ سے مودت کرو " فی " والی۔ جس طرح مچھلی کو ہے پانی سے
محبت ــــ

میرے سامعین! اب میں اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں۔ کہ رسول نے
ہم سے یہ کہا ہے کہ میرے " قربیٰ " سے مودت کرو۔ اور " قربیٰ " کے ہجے ہیں ــــ
ق۔ ر۔ ب۔ ی اور الف ــــ " ی " والا ــــ جیسے موسیٰ کا الف ــــ عیسیٰ کا الف
ــــ وہی ہے مگر " قربیٰ " کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے " قرابت داروں " ــــ یہ تمہارے
ذہن کو الجھانے کی ایک چال ہے ــــ عربی میں " عزیز " کو " قریب " کہتے ہیں۔
اور اگر بہت سے عزیز ہوں تو انہیں " قرباء " کہتے ہیں۔ جس طرح عالم کی جمع علماء ــــ

حکیم کی جمع حکماء - طالب علم کی جمع طلباء اور قریب کی جمع قرباء ——— مگر یہاں سے "قربیٰ" "قرباء" نہیں بلکہ "قربیٰ" ہے — اگر "الف" ہو سیدھا اور "ر" پہ ہوتا زیر - تو ہوتا "قرباء" ——— پھر ہوتے قرابت دار —— مگر یہاں تو - بے " ر " ساکت اور "الف" ہے "ی" والا ——— یہ ہے "قُربیٰ"

اب ان لغت والوں سے پوچھو ——— ان عربی دانوں سے پوچھو ——— بتاؤ - "قربیٰ" کیا شے ہے —— "قربیٰ" کیا چیز ہے ! ——— "قربیٰ" کے معنی علم لغت میں صرف اور صرف یہ ہیں " افعل التفضیل مؤنث واحد " —— اب یہ ترجمہ ہو گیا ——— کوئی "والی" "مونث" کر دو اُس ایک "خاتون" سے جو ساری کائنات میں مجھے سب سے زیادہ قریب ہے" بس یہ لفظی ترجمہ ہے اس کا —— اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اس کا ترجمہ پیش کر دے تو میں ساری عربی چھوڑ دوں ——— بتاؤ دنیا کے عربی دانوں سے پوچھ لو - سوائے اس کے کوئی اور ترجمہ ہو سکتا ہی نہیں ——— "اس خاتون سے جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ قریب ہے" ——— قربیٰ کا مطلب ایک خاتون ———————

اب اگر میں کہوں " بیوی " تھی — تو وہاں اتفاق سے نو تھیں ——— ایک نہیں تھی ——— اور اگر کہوں ——— ماں تھی ——— وہ اس آیت کے ظہور بلکہ اعلانِ رسالت سے پہلے فوت ہو چکی تھیں ——— اب ایک خاتون تلاش کرو - جو نزولِ آیت کے وقت ہو اور ایک ہو ——— یاد رکھو ایک کے بغیر کام نہیں چلے گا — چاروں طرف نہ دیکھو) ——— قربیٰ ہے - ایک ہو — ہم کہتے ہیں "اللہ میاں - یہ ایک معمہ بن گیا ——— تو ہمیں اس معمے کو حل کر کے بتا کہ "قربیٰ" بھی بن جائے - اور ایک بھی رہے ———

اللہ نے کہا - "میں اسے ابھی حل کرتا ہوں"

"محمد!

ذرا سی تکلیف کرو - یہ عقدہ حل کرو -"

"کیسے --- ؟"

"گھر میں جاؤ"

"کس کے گھر میں --- ؟"

"اپنے گھر میں -" ازواج کے گھر مت جانا - ازواج کے گھر ازواج کے گھر نہیں ہیں - وہ ہے "بیوت النبیؐ" ---

ازواج جن گھروں میں رہتی تھیں وہ نبیؐ کے گھر تھے - اُن کے گھر نہیں تھے - وہاں جو یہ کہا گیا ہے " وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ " --- اس کا مطلب یہ ہے کہ جن گھروں میں تمہیں نبیؐ نے بٹھا دیا ہے اس سے باہر مت جاؤ --- وہ نبیؐ کے گھر آئی ہیں --- یہ کہنا کہ نبیؐ فلاں بیوی کے گھر میں دفن ہے - رسولؐ اپنے گھر میں دفن ہے -

آخر اللہ نے رسولؐ سے کہا

"محمدؐ! جاؤ اس بیت میں - جو جس بیت میں بیٹھ جائے - تو بیت میں اتنی اہلبیت آجائے - کہ وہ اہلبیت ہوں - اور یہ بیت ہو -"

بہر نوع رسولؐ اُس بیت میں آئے --- قُربیٰ سمجھانے کے لئے --- جیب 'قربیٰ' سمجھانے بیٹھے --- تو پہلے سے خدا اور رسولؐ کا یہ فیصلہ تھا کہ آج 'قربیٰ' کا معمہ حل ہوگا --- آج 'قربیٰ' سمجھایا جائے گا --- اللہ نے کہا

"رسولؐ ایک کام کرو --- گھر کافی لمبا چوڑا ہے --- ایک چھوٹا سا کپڑے کا گھر اور بناؤ" --- چنانچہ بیانی چادر کا ڈیرہ بنا دیا --- اب اس میں اکٹھے ہوتے

شروع ہوئے — قریب — قریب ——

رسولؐ نے کہا۔

"حسنؑ تم آؤ، تم میرے قریب ہو۔

حسینؑ تم آؤ، تم میرے قریب ہو،

علیؑ تم آؤ تم میرے قریب ہو۔

اور سیدہؑ تم بھی آجاؤ — تم میرے قریب ہو —"

سیدہؑ کے آتے ہی یہ فقرہ آتا ہے ۔" اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُبَیْتِیْ"

اب پورے ہو گئے ۔ جب یہ چاروں بیٹھ گئے آکے قریب تو ——

ان چاروں کو رسولؐ کے پاس دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے مجلس پڑھنا شروع کردی ——
اللہ نے اعلان کیا مجلس کا ——

"یا ملائکتی و سکان سماواتی" ندا کی مجلس کا اعلان ہو رہا ہے —" آؤ — اے فرشتو! — آؤ — اے آسمانی مخلوق! آج تمہیں مجلس سنائی جائے گی" —— چنانچہ فرشتے بھی آگئے — آسمانی مخلوق بھی آگئی — اللہ نے بادل کے سائبان لگا دیے قوس قزح کی قناتیں لگا دیں — شفق کے پردے لٹکا دیے — نسرین و چنبلی کے گلدستے سجا دیے۔ شعلہ کی بیلیں پھیلا دیں —— اعلیٰ حضرت کرسیٔ وحدت پہ تشریف فرما ہوئے —— ملائکہ اور سکان سماوات سامعین بن کے بیٹھ گئے — ہر ایک اپنے اپنے قدم سے تشریف فرما ہے —— اعلیٰ حضرت نے پہلے گلا صاف کیا۔ "ہم آج مجلس پڑھیں گے" —— "ہم آج تقریر کریں گے ۔ نہ مولویوں والا قال تھا — نہ گلے سے آواز نکل رہی تھی —— بالکل شاعرانہ شان سے۔

سنو! اے مخلوق ہماری۔

عَزَّ وَجَلَّ یَا مَلٰٓئِکَتِیْ وَ سُکَّانَ سَمٰوٰتِیْ اِنِّیْ مَاخَلَقْتُ سَمَآءً مَبْنِیَّۃً وَّلَا اَرْضًا مَّدْحِیَّۃً وَّلَا قَمَرًا مُّنِیْرًا وَّلَا شَمْسًا مُّضِیْئَۃً وَّلَا

فَلَمَّا يَبْدُوْ وَلَا بَحْراً يَجْرِيْ وَلَا فُلْكاً تَسْرِيْ اِلَّا فِيْ مَحَبَّةِ هٰؤُلَاءِ الْخَمْسَةِ الَّذِيْنَ هُمْ تَحْتَ الْكِسَاءِ۔

پوری شاعری میں مجلس پڑھی — مجمع بالکل محو ہو گیا —— مست ہو گیا —— اور اعلیٰ حضرت جھوم جھوم کے پڑھ رہے تھے —— جب ٹیپ کا بند پڑھا۔"

"میں نے دنیا کی ہر شے ان کے لئے بنائی ہے جو اس چادر میں بیٹھے ہیں یہ —— اس کے لیئے لفظ ایلا ہے۔" ھٰؤُلَاءِ"

(یہ بھی اہلِ لغت سے خطاب ہے) —— بس ھٰؤُلَاءِ کا لفظ کہنا تھا کہ فرشتے چونکے —— اور چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے —— کیوں فرشتو!

"تم کیوں چونک پڑے" — تو فرشتوں نے کہا۔

" اس سے پہلے بھی سُن چکے ہیں — آج پھر سُن رہے ہیں — اس لفظ سے ہمارا پہلے بھی واسطہ پڑ چکا ہے — آج پھر ہم نے سُنا ہے ——— کب پڑھا تھا۔!

"جب آدمؑ پیدا ہوئے تھے —— یہی کہا تھا اللہ نے " ھٰؤُلَاءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

"ان کے نام بتاؤ — جن کے ہم بتا نہیں سکے تھے ——

اللہ نے آج پھر کہا ہے " ھٰؤُلَاءِ

جبرئیلؑ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔

"جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں —— اگر اجازت ہو تو پوچھوں — اللہ نے کہا اجازت ہے —— جبرئیلؑ نے عرض کی۔

"میرے اللہ اس وقت تو ہم نام بتا نہیں سکے تھے — آج تو بتا دو — یہ ہیں کون؟

جبرئیل تیرا احسان ہے — تو نے نام پوچھ کے فرشتوں کا تعارف کروا دیا

—— ہمیں اُن تعریف سمجھا دیا کہ۔

اب اعلیٰ حضرت نے چادر کی طرف دیکھا —— مسکرایا۔

"ان کے نام پوچھنا ہے؟ —— بھلا تُو بوجھ۔ یہ کون ہیں؟" ——

۸

"میرے پالنے والے! جب چادر سے باہر آئیں جب پتہ چلتا ہے —— یہ کون ہے —— وہ کون ہے —— اور جب پردے میں پہنچ جائیں۔ تو چونکہ نورِ واحد ہیں اندازہ نہیں ہوتا ——" اب اعلیٰ حضرت نے نام بتائے —— پہلے کوثر سے وضو کروایا سامعین کو —— پھر ایمان کی تسبیحیں پڑھوائیں۔ اللہ اکبر۔ الحمد للہ اور سبحان اللہ کی تسبیح پڑھوائی —— جب قلب و دل سامعین کے پاک ہو گئے —— تو اعلیٰ حضرت نے پہلے خود درود پڑھا —— پھر سامعین ملائکہ سے درود پڑھوایا۔ جب درود بھی پڑھا گیا۔ اب اعلیٰ حضرت نام لیتے ہیں۔ سر جھکا کے —— پورے ادب و احترام سے اللہ نام لیتا ہے —— اللہ تعارف کروا رہا ہے "قربیٰ" کا ——

تعارف تھا قربیٰ کا —— نہ محمدؐ کا نام لیا —— نہ علیؑ کا نام لیا —— نہ حسنؑ کا نام لیا۔ نہ حسینؑ کا نام لیا —— لیا تو کس کا نام لیا —— "ھُمْ فَاطِمَۃُ وَاَبُوْھَا وَبَعْلُھَا وَبَنُوْھَا" —— چادر کے نیچے خود فاطمہؑ بیٹھی ہیں —— اُن کے ساتھ اُن کے والد بیٹھے ہیں —— اور —— اُن کے شوہر نامدار بیٹھے ہیں —— اور ان کے بیٹے بیٹھے ہیں:

کیوں قبلہ لفظ بنو جمع ہے یا تثنیہ؟ —— "بنو" جمع ہے —— بیٹے تو دو تھے —— یہ جمع کیوں آ گیا —— اِس سے معلوم ہوا۔ جمع کا لفظ کہ سے کم گیارہ پہ بولا گیا —— اس میں گیارہ بیٹے شامل ہیں —— بنو ہیں —— بس نام لیتے ہی دنیا سمجھ گئی۔ یہ [illegible] —— اب اعلیٰ حضرت نے جبرئیل سے [illegible]

[illegible] ——

محمدؐ۔ کہدو!

لَا اسئلکم علیہ اجراً الی المودۃ فی القربیٰ ۔

بس یہ ہے میری قربیٰ" ـــ جس کا نام اللہ لے رہا ہے ـــ

(اللہ نے ایمان سے کمال کر دیا۔ اگر کہہ دیتا۔ محمدؐ بیٹھے ہیں ۔ اُن کے ساتھ اُن کی بیٹی ہیں ـــ تو اللہ جانے۔ دنیا کتنی بیٹیاں اُن کے ساتھ اور بٹھا دیتی ـــ محمدؐ کے ساتھ اُن کے داماد ہیں ـــ اللہ جانے ۔ دنیا اور کتنے داماد بٹھا دیتی محمدؐ کے ساتھ اُن کے بیٹے ہیں ـــ اللہ جانے ۔ دنیا اور کتنے بیٹے بٹھا دیتی)

فاطمہؑ کا نام لے کر یہ نص کی کہ ـــ

محمدؐ کے عزیزوں کے ساتھ میرا کوئی واسطہ نہیں ـــ

محمدؐ کی رشتہ داریوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ـــ

یہ آیۂ تطہیر آ رہی ہے ۔ صرف فاطمہؑ کے قرابت داروں کے لئے ـــ اور جب یہ آیت آ گئی ـــ "قربیٰ" کا تعین ہو گیا ـــ تو پھر ـــ

"قَالَ علیؑ" ـ علی نے پوچھا ـــ

"یارسولؐ اللہ ـــ ہم جو یہاں بیٹھے ہیں ۔ اس کی کیا فضیلت ہے ـــ"

رسولؐ نے اُس کی فضیلت بیان کی

"جب یہ واقعہ بیان ہو۔ خدا رحمت نازل کرے گا ـــ فرشتے آئیں گے۔ دعائیں قبول ہوں گی" ـــ علیؑ نے کہا

"یارسولؐ اللہ! آپ کی بدولت ہمیں بڑی سعادت حاصل ہوئی"

چونکہ علیؑ نے رسولؐ کا شکریہ ادا کیا ـــ رسولؐ کو پیار آ گیا ـــ پیار سے علیؑ کا منہ چوما ـــ فاطمہؑ کو سینے سے لگایا ـــ حسنینؑ کو گود میں بٹھایا ـــ اور فرمایا ـــ

"بچو۔ بیٹو ـــ عزیزو!

میرا شکریہ نہ ادا کرو ــــ"

کیوں ــــ"؟ ــــــــــــــــ

" میری وجہ سے تمہیں فضیلت نہیں حاصل ہوئی "

پھر کیا ہے؟"

" اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم " میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں"

یہ آیت صرف اسی موقع کے لیئے ہے۔ اور کسی سے رسولؐ نے کہا ہی نہیں کہ۔ " میں تم جیسا بشر ہوں " اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم ــ بہرنوع " قربیٰ " کا تعین ہو گیا ــ جس سے مودّت، شفاعت، بنے گی ــــ

اب بتاؤ اگر قیامت میں شفاعت چاہتے ہو۔ تو بغیر قیمت کے نہیں ملے گی۔ نمازوں سے شفاعت نہیں ملے گی۔ روزوں سے شفاعت نہیں ملے گی ــــ اگر تم نے نائی کا چار آنہ ہفتہ بچالیا۔ اس سے شفاعت نہیں ملے گی ــ یہ وردی ہے مسلمان کی ــ داڑھی ہونا یہ وردی ہے ــــ بے وردی سپاہی پکڑا جائے تو سزا ہو جاتی ہے یہ وردی ضرور چاہیئے ــــ مگر تم اس سے شفاعت چاہو۔ یہ نہیں ہوگا ــ اللہ نہ تمہارے بالوں سے مرعوب ہوتا ہے ــــ نہ تمہاری جماعتوں سے مرعوب ہوتا ہے ۔ نہ تمہاری جیتوں ــــ سے مرعوب ہوتا ہے ــ نہ تمہاری کثرت سے مرعوب ہوتا ہے ــــــ اللہ پہ ان چیزوں کا کوئی رعب نہیں ہے

اگر شفاعت چاہتے ہو قیامت میں ــ تو " قربیٰ " کی مودّت دینا پڑے گی ۔ اس کے بغیر شفاعت نہیں ہوگی ــــ اب اگر اس " قربیٰ " کی شفاعت چاہتے ہو ــــ تو اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا پڑے گی ــــ

نماز میں اس لیئے پڑھتا ہوں کہ " قربیٰ " کا ہو جاؤں ــــ

روزہ ہمیں اس لیئے رکھنا پڑتا ہے کہ قربیٰ کے ہو جائیں ــــ

ہمیں سچ اس لیئے بولنا پڑتا ہے کہ "قربیٰ" کے ہو جائیں ——

ہمیں آپس میں محبت اس لیئے کرنا پڑتی ہے کہ "قربیٰ" کے ہو جائیں ——

اتحاد و اتفاق اس لیئے رکھنا پڑتا ہے کہ ہم "قربیٰ" کے ہو جائیں ——

شفاعت جب ہوگی جب ہم "قربیٰ" سے "مودت" کریں گے ——

صاحبان! بات ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ قیامت کے دن ہم جائیں گے قیامت میں —— ایک دوسرے کو ہم پہچانیں گے —— وعدہ کرو مجھ سے ——! اگر مجھے فرشتے ہتھکڑی ڈالے کے جا رہے ہوں جہنم کی طرف۔ تو تم شور مچا دینا ——

"ٹھہرو —— کہاں لے جا رہے ہو —— ہم آگئے پیر محل والے۔ پہلے ہمیں مجلس کر لینے دو ——" بس مجلس کا لفظ آیا نہیں۔ —— اور فرشتوں کی مجال نہیں جو مجھے چھوڑ نہ دیں ——" قیامت کے دن دیکھنا۔ تم منظر شفاعت کا —— وہاں نہ رسولؐ شفاعت کریں گے —— نہ انبیاء شفاعت کریں گے —— وہاں شفیع روز جزا ہی "قربیٰ" ہوگی —— اس کی تم مودّت کرو —— یہ وہاں تمہاری شفاعت کرے گی۔ —— کیا سنا تو میں نے یہ بھی تھا علماء سے۔ پڑھا بھی ہے کتابوں میں۔ کہ قیامت میں زلزلہ آ جائے گا —— دہل جائیں گے قیامت والے —— ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جائیں گے —— یہ ہولناکی ہوگی قیامت کی —— کب ——؟ جب شور مچے گا —— قیامت والو! —— خبردار —— ہشیار —— فاطمہؑ اپنا مقدمہ لے کر آئی ہے —— خدا کی کچہری میں —— اللہ کی عدالت میں سیدہؑ آئی ہیں —— مقدمہ لے کر ——" اور سیدہ جھجکتی ہوئی —— سنبھلتی ہوئی ڈرتی ہوئی آئیں گی —— آواز آئے گی ——

"بی بی —— جھجکتی کیوں ہو ——؟ تو آپ فرمائیں گی۔

"مجھے عدالت کا بڑا سخت تجربہ ہے۔ مجھے مقدمے کا بڑا تلخ تجربہ ہے ——"

خداوندا ۔ آج میں اپیل لے کر آئی ہوں ۔ تونے قیامت تاریخ رکھی تھی اپیل کے لئے آج میں اپیل کر رہی ہوں ـــــ

خداوندا ـــ پہلا تو میرا دعوےٰ یہ ہے کہ بھرے مجمع میں مجھے جھوٹا کہہ دیا ـــ اور خداوندا ـــ دوسرا دعوےٰ یہ ہے کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتّر قتل ہو گئے ـــ"

خداوندا میرا جو مقدمۂ قتل ہے ـــ اُس قتل کے مقدمے کے لیے ایک عینی گواہ پیش کرنا چاہتی ہوں ـــ" آواز آئے گی ـــ وہ کون ہے؟ ـــ" بی بی فرمائیں گی

" خداوندا ـــ وہ میری بیٹی زینبؑ ہے ـــ وہ چشم دید گواہ ہے ۔ میرے بہتّر کے قتل کا ـــ" اب عدالتِ الٰہی کی طرف سے گواہ کی طرف سمن جاری ہوں گے اور عدالت کا سمن لے کر حورانِ جنّت شام جائیں گی ـــ"

"بی بی زینبؑ! تمہیں اللہ کی عدالت نے بلایا ہے ـــ اماں کے مقدّمے کی گواہی دو ـــ اگر زینب یہ کہہ دے ۔

" میں اُسی طرح آنا چاہتی ہوں قیامت میں جس طرح شام کے بازار میں گئی تھی ۔" اس شکل سے زینبؑ آجائے گی ـــ اونٹ پہ بیٹھی ہوئی ـــ زین العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے ۔ شہیدوں کے سر ساتھ ساتھ ـــ اور ہم سب گرد اکٹھے ہو جائیں گے ـــ

بی بی! ساری عمر روتے رہے ۔ آج تو آئی ہے ـــ ہمارا پُرسا لے" ـــ

بی بی کہیں گی ـــــ

" بس آج مقدمے کا فیصلہ یہی ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں گی ۔"

بی بی! تو مودّت کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ـــ اتنا ثبوت ہم دیتے ہیں کہ تیرے غم میں غم کیا تھا ـــ تیری خوشی میں خوشی کی تھی ـــ جس دن تمہارا غم کا دن تھا اُس دن ہمارے گھروں میں آگ نہیں جلی تھی ـــ اُس دن ہمارے بچوں تک نے فاقہ کیا تھا ـــ آپ دیکھ رہی تھیں ـــ

ہماری عورتیں ننگے سر زمین پہ بیٹھی تھیں — ہم نے ماتم ماتم کر کر کے خون بہا دیا تھا — اور جس دن آپ کے گھر خوشی تھی — جس دن آپ کے گھر ولادت تھی اُس دن ہم نے شاندار جلسے کئے تھے ۔ اُس دن ہم نے روشنیاں کی تھیں — اُس دن ہم گلے ملے تھے — اُس دن ہم نے ایک دوسرے سے مصافحے کئے تھے ۔ اُس دن ہم نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی تھی ۔ جس کا ثبوت آج گلستانِ رضو یہ ۔ (دُور آباد) میں امام رضاؑ کی ولادت ہے ۔ آج ہمارا عید کا دن ہے — آج ہماری خوشی کا دن ہے —

آج ہماری بڑی مسرت کا دن ہے

ہمیں رونے کا طعنہ دینے والے ! کبھی ہمارا ہنسنا بھی دیکھ جایا کر — آج ہمارا خوشی کرنے کا دن ہے — آج ہمارا مبارک باد کا دن ہے —

آج ہم ساری عمر قید میں زندگی بسر کرنے والے باپ کو اُس کے بیٹے کی مبارکباد دینے جا رہے ہیں ۔ آج ہم نے رسولؐ و آلِ رسولؐ کو مبارک باد دینی ہے اِمام رضاؑ کی ولادت پر تہنیت کرنی ہے — اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں ۔ رسولؐ کو ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ

مولا! — یہ زمانے کا دستور ہے ۔ کہ جب شہنشاہوں کے گھر کوئی ولادت ہو تو وہ اپنی رعایا پر دو قسم کے انعام فرماتے ہیں ۔

۱۔ قیدیوں کو رہا کیا جاتا ہے ۔ اور

۲۔ رعایا میں انعام تقسیم کیا جاتا ہے —

ہم میں سے جو گناہوں کی قید میں قید ہیں ۔ آج کے صدقے میں اللہ انہیں آزاد کر دے — اور

دوسرا انعام ہمیں کیا ملے گا؟ — ہم نہیں مانگتے —

اس لئے کہ اگر ہم نے بڑی سے بڑی شے بھی مانگ لی تو وہ ہماری حیثیت کی بڑی ہوگی ـــــ اور تو اگر چھوٹی سے چھوٹی شے بھی عطا کرے گا ـ تو وہ تیری حیثیت کی چھوٹی ہوگی ـــــ

یہ انعام ہم تمہاری مرضی پر چھوڑتے ہیں ـــــ

جو مناسب سمجھو ـــ ہمیں دے دو ـــــ

اللہ ! ہمارے دلوں میں مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پیدا کرے۔

اُن کی مودّت کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور اُن کی مودّت کے ساتھ دم نکلے۔

• بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

ـــــ (⁂) ـــــ

جب چیزیں ہوں دُو

ایک ہو "ٹوکنے" والی ایک ہو "نہ ٹوکنے" والی

تو

بُت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی

کہ

"ہمیں "نہ ٹوکنے" والی کافی ہے"۔

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

آنکھ

۱ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمد و آلِ محمد پر درود و سلام۔

حضرات گرامی قدر! گرمی بڑی شدید ہے۔ آپ صاحبان اس گرمی میں یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں آپ کو دو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پہلی مبارک تو اس بات کی کہ سید الشہداء کے دربار میں آپ لوگوں کو حاضری دینے کا شرف ملا ہے دوسری مبارک اس بات کی کہ آپ جبرئیل کے پروں کی طرح ذوالفقار کی زد میں آئے ہوئے تھے اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

میرے سامعین! مجھ سے پہلے حضرت علامہ حافظ سید ذوالفقار علی شاہ مدظلہ العالی یہاں وعظ فرما رہے تھے۔ میں بھی نیچے بیٹھا ہوا سُن رہا تھا۔ زیادہ کچھ تو مجھے یاد نہیں رہا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ قبلہ حافظ صاحب کچھ آنکھوں کے بارے میں خطاب فرما رہے تھے۔ لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ آنکھوں کی بات ہی کی جائے کیونکہ لطف یہ ہے کہ آنکھ سے آنکھ لڑے تو بات کا لُطف آئے گا۔۔۔۔

اللہ نے بڑی نعمت عطا فرما دی ہے۔ یہ آنکھ۔ آنکھ کے بغیر دُنیا آباد ہی نہیں۔ جس کی آنکھ نہیں۔ اُس کے لئے دنیا آباد ہی نہیں۔ دانت گئے کھانے کا سواد گیا۔ آنکھیں گئیں دُنیا کا لطف گیا۔ یہ آنکھ بڑی عجیب شے ہے۔ جو خدا نے بنائی ہے۔ اب میں اپنے نوجوان عزیزوں کو جو کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ آج کل کی فضا میں پرورش پاتے ہیں۔ سیاست کے میدان میں رہتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے سیاسی گفتگو کرتے ہیں۔ اور خدا جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ جو ہم جیسے بُڈھوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اُن کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ **انسان کا بدن** ایک ملک ہے سر سے پیر تک جتنا بھی بدن ہے۔ یہ ایک ملک ہے۔ اس ملک میں جنگل بھی ہے اس ملک میں صحرا بھی ہے۔ اس ملک میں دریا بھی

ہیں۔ اس میں ہڈیوں کے پہاڑ بھی ہیں۔ غرض ہر شے اس ملک میں موجود ہے۔ پورا بدن انسان کا ایک ملک ہے۔

اب اس ملک میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ ایک قوم کا نام ہاتھ ہے۔ ایک قوم کا نام پاؤں ہے۔ ایک قوم کا نام ناک ہے۔ ایک قوم کا نام سر ہے۔ مختلف قومیں ہیں جو بدن کے ملک میں آباد ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں۔ تو ملک آباد رہتا ہے۔ ہاتھ پیر کی مدد کرتا ہے ہونٹ ہونٹ کی مدد کرتا ہے۔ یہ مدد کرتے ہیں تو ملک آباد رہتا ہے۔ اور اس مدد کرنے میں کبھی کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ لڑائی ہونا بھی ملک کے لئے ضروری ہے۔ لڑائی کے بغیر بھی گذارا نہیں۔ لڑائی بھی زندگی کی علامت ہے۔ دیکھو نا۔ اگر پیر زمین سے نہ لڑیں تو راستہ کیسے طے ہو۔ راستہ جب ہی طے ہوتا ہے۔ جب پیروں کی زمین سے لڑائی ہوتی ہے۔ روٹی سے لڑائی ہو جائے تو پیٹ بھرتا ہے۔ پانی سے لڑائی ہو جائے تو پیاس بجھتی ہے۔ کھیت میں ہل چلیں کیا دو تو فصل آتی ہے۔ لب سے لب لڑے تو بات بنتی ہے۔ تالو سے زبان لڑے تو الفاظ نکلتے ہیں۔ پلک سے پلک لڑے تو آنکھ دیکھتی ہے اور آنکھ سے آنکھ لڑے تو سودا آتا ہے۔ لڑائی بھی ضروری ہے۔

بہر نوع انسان کا بدن ایک ملک ہے۔ اس میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ کوئی قوم آنکھ ہے۔ کوئی قوم پیر ہے کوئی قوم سر ہے کوئی قوم ہاتھ ہے۔ کوئی قوم ناک ہے۔ اور پاؤں اس لئے اکڑتے ہیں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔ قسمت میں جوتے ہیں۔ تعداد تو ان کی بہت زیادہ ہے سارے ملک میں۔ بدن کے سارے ملک میں سب سے زیادہ تعداد جو موجود ہے وہ پیروں کی ہے۔ مگر ان کی قسمت میں جوتے ہیں۔ ان سے کم تعداد ہاتھوں کی ہے۔ مگر یہ اپنے کاموں سے اتنے شرمندہ ہیں کہ اگر انہوں نے صحیح صحیح کام کئے ہوں تو اپنے مالک کے سامنے بالکل صحیح حالت میں جاتے ہیں۔ ورنہ کوئی برے کام کئے ہوں اس قوم نے۔ تو مالک کے سامنے شرم کے مارے بغلوں میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قوم نے کوئی بری حرکت کی ہے۔ ہاتھوں سے کوئی ناقابل عمل عمل ہوا ہے۔ جب ہی تو مالک کے سامنے شرم کے مارے بغلوں میں منہ چھپائے

ہوئے ہیں۔ نیک ہوتے تو صاف سامنے کھڑے ہوئے ہوتے۔

بندہ پرور! اس ملک میں ایک صوبہ ہے۔ جو سینہ کہلاتا ہے۔ اس سینے کے اندر اس ملک کا پایۂ تخت ہے۔ اس پایۂ تخت میں اس ملک کا بادشاہ رہتا ہے۔ ساری رعایا آرام کرتی ہے۔ وہ دھڑکتا رہتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُس نے اپنا دھڑکنا بند کیا ہو۔ جس دن بادشاہ حرکت بند کردے گا۔ ساری رعایا ختم ہو جائے گی۔ نہ ایکسرے میں آتا ہے۔ نہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ہے تو غائب۔ مگر ہے بادشاہ۔ اُس کی بدولت تمام رعایا زندہ ہے۔ ہاتھ کام کرتا ہے دل کی بدولت۔ زبان بولتی ہے دل کی بدولت۔ آتا ہے دل۔ جاتا ہے دل۔ پسند کرتا ہے دل۔ ناپسند کرتا ہے دل۔ زندگی ہے دل۔ جب ہی تو زندگی کو اُردو زبان میں "جی" کہتے ہیں۔ "میرا جی چاہتا ہے"، دل بادشاہ ہے اس ملک کا۔ اور اس کا وزیر ہے دماغ۔ دماغ مشورے بتاتا ہے۔ بادشاہ اُسے منظور کرتا ہے پھر ساری قومیں کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ زیدی صاحب! یہ غلط کہہ دیا تم نے دل بادشاہ ہے۔ دماغ وزیر ہے۔ وزیر بیٹھا ہے اوپر۔ بادشاہ بیٹھا ہے نیچے۔ دماغ کو نیچے بیٹھنا چاہیے تھا۔ تو اب انہیں کون سمجھائے۔ کہ یہ دل خدا کا بنایا ہوا بادشاہ ہے۔ دماغ اللہ کا بنایا ہوا وزیر ہے۔ اور اللہ کے بنائے ہوئے وزیر، بادشاہوں سے اوپر رہتے ہیں کسی کو یقین نہ آئے تو کعبہ میں جاکے دیکھ لو۔

بہرنوع دل ہمارا بادشاہ ہے۔ دماغ ہمارا وزیر ہے۔ ہاتھ پاؤں جو ہیں یہ قومیں ہیں۔ اور ان کے درمیان معدہ شریف ہیں۔ یہ وزیر خزانہ ہے تمام خوراک و مال جو باہر سے آتی ہے ان میں آتی ہے یہ پھر اُسے تقسیم کرتے ہیں۔ جتنی آپ نے روٹی کھائی نا آج۔ اُس روٹی سے بدن میں چار چیزیں بنتی ہیں۔ ایک کا نام ہے بلغم۔ ایک کا نام صفرا۔ ایک کا نام سودا۔ اور ایک کا نام ہے خون۔ یہ چار چیزیں بنتی ہیں تمہاری غذا سے۔

اب میں تم سے نہیں پوچھتا کسی ڈاکٹر سے پوچھ لو کسی حکیم سے پوچھ لو۔ کہ تمہاری غذا سے بنتی تو ہیں یہ چار چیزیں مگر بیان سے بتاؤ چاروں ایک جیسے؟ بلغم۔ تھوکنے کے قابل۔ صفرا۔ نکال دینے کے قابل سودا جلا دینے کے قابل اور آخری خون بدن میں رکھنے کے قابل ہے خون کی شان ہی اور ہے۔ بلغم لاکھ نہیں، مارے کہیں بھی اسی جگہ سے بنا ہوں۔ لیکن خون خون ہے۔ بلغم بلغم ہے۔ جگر جگر ہے۔ دگر دگر ہے۔

اور یاد رکھو بزرگو! انسان کی عادت میں، سیرت میں، مزاج میں اثر کرتا ہے خون!

آپ نے وہ لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک بے چارہ مولوی تھا۔

مسجد اذان دیا کرتا تھا۔ وہ ہوگیا بیمار۔ داخل ہوا ہسپتال میں۔ اُسے ضرورت پڑی خون کی۔ اتفاق سے وقتی طور پر خون نہ مل سکا۔ اور وہ آگیا جو شادی بیاہ میں بن بلائے آجاتے ہیں۔ (اب اُسے آگیا کہوں یا آگئی کہوں بہرنوع وہ آگیا) تو ڈاکٹر نے اُسی کا خون دے دیا۔ مولوی صاحب اچھے ہوگئے۔ اب چونکہ اُس کا خون آیا تھا بدن میں۔ اُس کی تاثیر کیا ہوئی۔ کہ جب مولوی صاحب نے مسجد میں جاکر کہی اذان۔ اور جب "حی الصلٰوۃ" پر پہنچے تو تالیاں بجانا شروع کردیں۔ خون کا اثر تھا۔ اگر آدھ پاؤ خون کا اثر بدن میں آکر ایک مولوی سے تالیاں بجوا سکتا ہے تو بتاؤ اُس کے خون کی کیا تاثیر ہوگی جس سے رسول یہ کہے "تیرا سارا خون میرا خون ہے"۔

بہرنوع۔ غذا سے چار چیزیں بنتی ہیں۔ بلغم، صفرا، سودا اور خون۔ اور ہمارا معدہ وزیرِ خزانہ ہے۔ یہ غذا کو تقسیم کرتا رہتا ہے۔ خون کی جگہ خون بھیج دیا۔ بلغم کی جگہ بلغم بھیج دی۔ جہاں جہاں جس کا ٹھکانہ ہے اُسے بھیج دیا۔ اور

اسی ملک میں جہاں سر بھی آباد ہے۔ جہاں ہاتھ بھی آباد ہیں۔ جہاں پیر بھی آباد ہیں۔ جہاں ساری قومیں آباد ہیں۔ اسی ملک میں آنکھ بھی آباد ہے۔ یہ بھی ایک قوم ہے۔ ہاتھوں سے چھوٹی ہے پیروں سے چھوٹی ہے۔ تعداد میں سب سے کم ہے گویا آنکھیں ملک کی اقلیت ہیں۔ مگر کیا علاج کیا جائے کہ اکثریت کی قسمت میں وہ بات نہیں ہے۔ جو اقلیت کی قسمت میں ہے یہ پیر یا ہاتھ اکثریت میں ہیں۔ ان کی قسمت میں یہ چیز نہیں جو اقلیت والی قوم آنکھ کی قسمت میں ہے۔ اور وہ کیا۔ نور اور رونا جونسی ملک میں اقلیت ہو۔ اللہ اُسے نور بھی دیتا ہے اُسے رونا بھی دیتا ہے۔ اور جہاں نور نہ ہو وہاں رونا آتا ہی نہیں ہے۔ تو اقلیت گویا ہے نور کا مرکز۔ اکثریت کو راستہ دکھاتی ہے۔ پاؤں چل نہیں سکتے اگر اقلیت رہبری نہ کرے۔ ہاتھ کام نہیں کرتے اگر اقلیت رہبری نہ کرتے۔ جب تک اقلیت کو قائدِ اعظم نہ بنا۔ قومیں کام نہیں کرتیں۔ آنکھ رہبری کرتی ہے۔ پورے ملک میں کہیں بھی چوٹ لگ جائے آنکھ فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اور جاکر اُس کی مدد کرتی ہے کہیں کوئی گستاخ ہو وہیں خفا ہوجاتی ہے اس آنکھ کی حفاظت

کا اللہ نے یہ انتظام کیا ہے کہ سات پردوں کے پیچھے، معشوقہ نور کو آرام سے بٹھا کر سامنے اس کی مسہری کے پردے لگائے۔ پردوں کے بعد پلکوں کی چلمن لٹکائی۔ اس کے اوپر حیا لٹکائے تا کہ آنکھ دیکھنا چاہے تو پلکیں جھوکے پہلے آئینے کو صاف کر دیں۔ پھر معشوقہ چشم آنکھ سے نکلنے کا ارادہ کرے۔ بڑی اداسے نکلتا ہے نور آنکھ سے۔ آنکھ میں خراش نہیں آتا۔ دروازہ نہیں کھلتا کھڑکی نہیں کھلتی۔ نور سات پردوں سے نس کر باہر آیا۔ آسمان تک پہنچا۔ پھر آیا۔ نور کی رفتار ہے کہ پلکوں کی زنجیریں ہلتی رہیں اور نور آسمان پہ جا کے ہو بھی آیا۔

یہاں آنکھوں میں نور رہتا ہے۔ وہاں نور کے ساتھ کالے رنگ کی پتلیاں بنی ہیں۔ نور کے گھر میں ہیں کالے رنگ کی پتلیاں۔ ساری عمر ہو گئی نور کے گھر میں رہتے ہوئے۔ مگر یہ نامراد ویسی کالی کی کالی ہیں سیکھا کیا انہوں نے اپنی فطرت سے کہ وقت پڑے تو پھر جائیں۔ اور ان پتلیوں کے اندر اللہ نے پانی کا حوض رکھا ہے۔ اگر باہر سے ذرا سا بھی کوئی ذرہ آجائے تو فوراً حوض سے پانی بہا کے صاف کر دیا جائے۔ چونکہ آنکھ نازک ہے اسلئے باہر کی چیز کو برداشت نہیں کر سکتی۔ برے سے نفرت کرتی ہے اچھے سے رغبت کرتی ہے۔ سبزہ ہو تو خوشی سے دیکھے گی۔ گند کی ہو تو منہ پھیرے گی۔ آنکھ میں یہ کمال ہے کہ بروں سے نفرت کرتی ہے اچھوں کو پسند کرتی ہے اور یہ اقلیت کا درس ہے کیونکہ اس میں نور ہے۔ پھر اللہ نے ایک اور کام کیا ہے کہ آنکھیں دو بنا دیں۔ اگر ایک ہوتی دو کی بجائے۔ تو اللہ کو کوئی نقصان تھا۔ تھا تو کوئی احتیاج تھا..... مگر اللہ نے کہا نہیں دو بنائی ہیں۔ چونکہ نور ہے اور نور میں نہیں بھیجتا۔ جب تک دو نہ ہوں۔ ایک نور کبھی آج تک بھیجا ہی نہیں۔ جب بھی نور بھیجا دو کر کے بھیجا تا کہ اگر ایک نور چلا جائے تو دوسرا نور اس کی جگہ کام دے گویا اللہ جب کوئی نور دنیا میں بھیجتا ہے۔ تو اس کا وصی بھی ساتھ ہی بھیجتا ہے بغیر وصی کے نور کے پہلا نور آہی نہیں سکتا۔

اب اگر ضد کر بیٹھو عزیزو۔ اگر خدانخواستہ آنکھ چلی جائے گی تو ہم ناک سے دیکھ لیا کریں گے ہم کہتے ہیں "دیکھو ناک سے" اور تم کہتے ہو ناک کی توہین کرتے ہیں ہم ایسی نے تو کہتے ہوں مجلس میں نہ جایا کرو۔ یہ ناک کو برا کہہ رہے ہیں۔ ناک نہیں دیکھ سکتی ہے ویسے ناک چہرے کی ناک ہے۔ ناک

کی خاطر گھر اُجڑ جاتے ہیں۔ ناک کی خاطر کنبے تباہ ہو جاتے ہیں۔ ناک کی خاطر قتل و غارت ہو جاتی ہے۔ ناک بڑی عزت کی چیز ہے۔ پھر اس کا کیا علاج کیا جائے۔ ناک چاہے جتنی بھی عزت کی ہے سبھی کم نور کی جگہ تو نہیں لے سکتی۔ بس اتنی بات کہتے ہیں کہ ناک نور کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اسے تم کہتے ہو بُرا کہتے ہیں میرے سامعین! آنکھیں ہیں تو دو۔ مگر جب بھی دیکھتی ہیں ایک۔ کوئی فرق بیان کر سکتا ہے۔ یہاں تک ایک آنکھ نے دیکھا یہاں تک دوسری آنکھ نے دیکھا۔ دو ہونے کے باوجود نظر ایک ہے یہ نور کا کمال کہ ہو دو مگر نظر ایک ہو۔ جو داہنی دیکھ رہی ہو۔ وہی بائیں دیکھ رہی ہو۔ کیا مجال جو ان دونوں میں فرق آجائے۔ یہ بھی آنکھ کا کمال ہے ——— اور میرے محترم بزرگو!

یہ بھی سن لو میری تقریر کا آخری فقرہ کہ آنکھ نازک تو اتنی کہ ذرا سا ریزہ بھی برداشت نہیں کر سکتی اور طاقتور اتنی کہ خدا نہ کرے جو کہیں لڑ جائے ——— اگر یہ لڑ جائے نا کہیں تو تباہی مچا دیتی ہے اور یہ نور کی صفت ہے کہ نزاکت دکھانے پر آئے۔ تو جو کی روئی کھٹکا لگانے سے ٹوٹے۔ اور اگر لڑ جائے تو خیبر کے در نہ روکیں۔ پہلوانوں کے سر نہ روکیں۔ حد یہ کہ جبرئیل کے پر نہ روکیں۔ نہ اس کی نزاکت کوئی حد ہے نہ اُس کے لڑنے کی کوئی حد ہے ——— اور اللہ تمہیں، مجھے سب کو اس نور کی نعمت سے محروم نہ کرے۔ بڑی عجیب شے ہے۔ بڑی نعمت کی چیز ہے ——— اور

مومن کی آنکھ کی تو شان ہی نرالی ہے۔ اس آنکھ کی قیمت تو کوئی اندازہ کر سکتا ہی نہیں۔ خدا جانے کتنی ہزار دفعہ تمہاری آنکھ سیدہ کے رومال سے صاف ہوئی ہے۔ اور سیدہ رومال کو کرتی لیا ہیں آنکھ صاف کی اور رومال اپنی بیٹی زینبؑ کو دے اور فرمایا۔ بیٹی زینبؑ میں تیرے بھائی کا مرہم لائی ہوں" اور زینبؑ اپنے بھائی کے زخموں کا مرہم بنا لیتی ہے۔ اور بہن بھائی مل کر اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ خداوندا ——— دیکھ لے۔ یہ قوم اپنے گھروں کو چھوڑ کر اپنی آسائش و آرام کو چھوڑ کر یہاں ماتم کر رہی ہے" ——— تمہاری آنکھوں کی بڑی عزت ہے۔ تمہاری آنکھوں کی بڑی قدر ہے۔

بس بھائیو۔ میرا بیان ختم ہُوا۔ ——— قیامت کو ہر ایک کو حکم ہوگا ” آنکھیں بند کرو“ ——— مگر مومن اپنی آنکھیں کھلی رہنے دے گا۔ اس لئے کہ مومن کی آنکھوں سے سیدہؑ مانوس ہے۔ وہ مومن کی آنکھوں کو دیکھتی رہی ہے۔ اور ایک موقعہ ایسا آئے گا جب خود بخود مومن کی آنکھیں بند ہوجائیں گی۔ اور وہ موقعہ جب آئے گا۔ جب قیامت میں اعلان ہوگا ——— قیامت والو۔ باادب باملاحظہ ہشیار!

محمدؐ کی بیٹی کی سواری آرہی ہے“ ——— مگر زینبؑ کہے گی میں اُسی طرح آؤں گی جس طرح شام کے بازاروں میں گئی تھی“ تاکہ قیامت والے بھی دیکھ لیں۔ کہ زینبؑ کس شان سے شام کے بازاروں میں گئی تھی“ ——— ؟ - انبیاءؑ تھر تھر کانپتے ہوں گے۔ اولیاء لرزتے ہوں گے اور زین العابدینؑ کے ہاتھ میں مہار ہوگی۔ علیؑ سر جُھکائے زین العابدینؑ کے ساتھ ہوں گے۔ حسنینؑ ناقے کے دائیں بائیں ہوں گے اور زینبؑ سر ننگے۔ بال کُھلے ہوئے۔ ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے۔ بالکل اُسی طرح آئے گی جس طرح شام کے بازاروں میں آئی تھی۔ اور کہے گی۔ ” خداوندا! میں آگئی ہوں“ اُس وقت حکم ہوگا خدا کی طرف سے۔ ” زینبؑ کے غلام کہاں ہیں“ توکروڑوں کی تعداد میں لوگ اکٹھے ہوجائیں گے۔ زینبؑ کے ناقے کے گرد ماتم شروع کردیں گے

قیامت میں ماتم کی آواز بلند ہوجائے گی۔ تو اللہ کہے گا۔

” بس قیامت ہوگی۔ یہ قیامت نہیں کرنی۔ ماتم داروں کو ایک طرف کردو۔ تماشائیوں کو ایک طرف کردو“

——— اُدھر زینبؑ اپنے چھوٹے بھائی کو حکم دے گی ——— عباسؑ بھائی! اپنے علم کا پھریرہ کھول دو۔ ان ماتم کرنے والوں کو اپنے علم کے زیر سایہ میرے محل کے سامنے لے آؤ میں ایک ایک کا مزاج پوچھوں گی۔ ایک ایک سے زینبؑ بات کرے گی ——— ” برخوردار تُو نے حسینؑ کا ماتم کیا تھا“ ——— عورتوں سے زینبؑ کہے گی ” آؤ بہنو۔ میرے گلے ملو۔ میرا حسینؑ کربلا میں ذبح ہوگیا۔ - - - نوجوانو۔ تم سے علی اکبرؑ پوچھیں گے ” میرے ہم سن نوجوانو! تم نے ماتم کیا تھا۔ اِدھر آؤ۔ تمہارے کوئی زخم تو نہیں“ ——— اور جب ہم اپنے زخم دکھا چکیں گے۔ تو ہم عرض کریں گے ” شہزادۂ عالم! اگر مناسب ہو تو ذرا اپنا زخم بھی دکھا دو“ علی اکبرؑ کہیں گے۔ ” میرے زخموں کا مرہم بن گیا ہے تمہارا ماتم“

تیرے سپرد، محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔۔

جہادِ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"

حضراتِ محترم! معاف کرنا۔ آج مجھے معمول سے دیر ہو گئی۔ اور وہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم دنیا میں معصوم تو آئے نہیں، معصوم تو وہی لوگ تھے جنہیں خداوندِ عالم نے معصوم پیدا کیا تھا ــــ کوئی بننے سے تو معصوم بنتا نہیں۔ جسے اللہ معصوم پیدا کرے وہی معصوم ہے۔ اور اگر کوئی معصوم بننا چاہے۔ تو یہ ہماری معصومیت ہے جو ہم معصوم بنائیں گے یہ نہ سوچیں کہ یہ آدمی ہمیں بنا رہا ہے۔

بہر نوع۔ معصوم وہی ہے جسے اللہ نے معصوم پیدا کیا ہے ــــ لفظ "معصوم" جو ہے۔ یہ لفظ "عصمت" سے بنا ہے ــــ عصمت کے معنی ہے پاک ــــ جو جتنا زیادہ برائیوں سے پاک ہوتا جائے گا۔ اتنا ہی زیادہ وہ معصوم ہوتا چلا جائے گا ــــ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ جہاں "عصمت" کا لفظ بولا جائے۔ وہاں اس کے معنی یکساں ہوں۔ معصوم کا لفظ جہاں بھی بولا جائے۔ اس میں سارے معصوم یکساں ہوں ــــ یہ نہیں ہوگا۔ معصوم ہونا اور بات ہے اور ہر معصوم یکساں ہو ــــ یہ نہیں ہو سکتا ــــ آدمؑ کی معصومیت اور بات ہے۔ خاتمؐ کی معصومیت اور بات ہے۔ چونکہ ہم چودہ معصومؑ کی معصومیت میں رہتے ہیں ہر وقت ــــ اس لئے ہمارے سامنے جب لفظِ معصوم آئے۔ ہم ہر معصوم کو اسی میزان سے ناپتے ہیں جو ہم نے سنا ہے ــــ حالانکہ اُن کی معصومیت اور ہے ــــ ان کی معصومیت اور ہے ــــ فرق کیا ہے ــــ؟

باقی معصوم جو ہیں۔ وہ وہی کام کرتے ہیں جو ٹھیک ہو۔ وہ کبھی غلط کام نہیں کرتے ۔ ہمیشہ وہی کام کرتے ہیں جو درست ہو۔ اور یہ چودہ جو ہیں۔ یہ پہلے ٹھیک نہیں سوچتے۔ بلکہ یہ جو بھی کر دیتے ہیں۔ وہ ٹھیک ہے ۔ یہ فرق ہے ان کی معصومیت میں اور اُن کی معصومیت میں ۔ پہلے وہ حق کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر حق کے پیچھے چلتے ہیں ۔ اور حق انہیں تلاش کرتا ہے۔ حق ان کے پیچھے چلتا ہے ۔ اِن کی معصومیت کی شان اور ہے۔ اُن کی معصومیت کی شان اور ہے۔

بہر نوع۔ اللہ جنہیں معصوم پیدا کر دے۔ وہ پیدا ہی معصوم ہوتا ہے۔ اور پھر اُسی وقت سے معصوم کی پرورش۔ اس کی خوراک، اور اس کی ضروریات۔ عصمت کے لحاظ سے ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر معصوم پر صدقہ حرام ہے ۔

حالانکہ صدقہ پاک ہے۔ صدقہ کوئی نجس چیز تو ہے نہیں۔ مگر معصوم کی معصومیت کے لئے نامناسب ہے ۔ اسی لئے یہ حدیثیں مشہور ہیں مسلمانوں میں۔ کہ مسلمان جب کوئی کھانے پینے کی چیز حضورؐ کی خدمت میں لاتے تھے۔ کوئی فروٹ لاتے ہوں گے۔ اور وہ بھی عرب کا فروٹ کھجور وغیرہ (وہی خرما ایسا فروٹ ہے جو عرب میں ہوتا ہے۔ میں نے عراق میں جا کر خیال کیا۔ یا اللہ۔ یہاں سنگترہ، مالٹا کیوں نہیں پیدا کیا۔ بعد میں خیال آیا۔ اللہ نے ٹھیک کیا ہے کہ یہاں سنگترہ مالٹا وغیرہ پیدا نہیں کیا۔ کیونکہ جانوروں میں اونٹ پیدا ہوا تھا۔ اگر یہ درخت وہاں ہوتے تو سارا پھل اونٹ کھا جاتے۔ اللہ نے ایسا پھل پیدا کیا جہاں اونٹ بالکل نہ پہنچ سکے)

بہر نوع۔ عرب کا فروٹ یہ کھجور ہے ۔ اور جب لوگ یہ کھجورے کر تحفہ کے طور پر لاتے تھے جنابِ رسالت مآبؐ کی خدمت میں۔ تو رسولؐ اُن سے پوچھتے تھے ۔ اور یہ بات تم ۔ واسطے لائے ہو۔ تحفہ لائے ہو۔ یا صدقہ لائے ہو؟ اگر وہ کہتے حضورؐ تحفہ لائے ہیں۔ تو آپؐ فرماتے۔ حسنؑ بیٹا۔ ادھر آؤ۔ حسینؑ بیٹا۔ اِدھر آؤ۔ علیؑ تم بھی آؤ۔ یہ تحفہ ہے۔ کھاؤ بیٹھ کے ۔ اور اگر لانے والا کہہ دیتا۔ کہ حضورؐ۔ یہ صدقہ ہے ۔" تو حضورؐ انہوں کو روک

دیتے۔ اور اصحابؓ سے فرماتے ـــــ "بسم اللہ۔ نوش فرمائیں ـــــ" اور وہ نوش فرماتے تھے ـــــ یہ فرق رکھا تھا اللہ نے۔ معصوم کی پرورش و تربیت کا انداز ہی اور ہے۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ ہم تم سے امتیازی نشان رکھتے ہیں۔ رسول ہمیں سبق دیتے تھے ـــــ ایک دن امام حسنؑ مجتبیٰ ایک خرما اٹھا کر امام حسینؑ کی طرف لے گئے ـــ قریب تھا کہ حسینؑ خرما لیتے۔ اُدھر سے رسالتمآبؐ نے کہا ورثیا۔ نہ کھانا ـــ "تمہیں معلوم نہیں یہ بات کہ صدقہ ہم پہ حرام ہے ـــ" بات ختم ہوئی۔ پوچھنے والے پوچھ بیٹھے ـــــ قبلہ! آپ نے بچے سے اس طرح کہا جیسے پہلے سے یہ بات جانتا ہو۔ حالانکہ یہ بچہ ڈیڑھ سال کا ہے ـــ" تو حضورؐ نے فرمایا ـــ "ہاں مجھے معلوم ہے۔ یہ ہر مسئلہ جانتا ہے ـــ" "اسے کس نے سکھایا ـــ" "جس نے مجھے سکھایا ـــ اور یہ میرا بچہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ دیکھو ہم معصوم ہیں ـــ ہم یہاں آکر نہیں پڑھتے۔ ہم پڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم بتانے آئے ہیں۔ ہم سیکھنے نہیں آئے۔ ہم سکھانے آئے ہیں ـــ" بات کو مختصر کرتا ہوں ـــــ

میں آیا ہوں لاہور سے۔ اور مجھے پتہ ہے کہ کراچی کے مومنین کو مجھ سے بڑا پیار ہے۔ بڑی محبّت ہے۔ مجھے محسوس یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے بڑا پیار ہے کراچی والوں کو ـــ میں آگیا یہاں ـــ "آو زیدی صاحب۔ آپ نے یہاں مجلس پڑھنا ہے۔ تشریف رکھیے ـــ" سامنے بڑے بڑے بزرگ سامعین بیٹھے ہیں۔ جب میں آکے بیٹھ گیا منبر پہ۔ تو آپ نے درود پڑھا۔ میں نے جیب سے ایک کتاب نکالی۔ اور مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اب آپ اس انتظار میں ہیں کہ یہ شروع کرے۔ اب آپ درود پڑھ رہے ہیں ـــ اور میں نے کہا۔ "ٹھہرو بھئی۔ میں ذرا کتاب پڑھ لوں۔ پھر مجلس سناؤں گا ـــ" تو لوگوں نے کہا۔ "زیدی صاحب اگر یہیں آکے پڑھنا تھا تو پھر آپ نے تکلیف کیوں فرمائی ـــ" ـــــ جب ایسے مولوی کو آپ برداشت نہیں کر سکتے۔ جو یہاں آکے پڑھے۔ تو ایسے رسول کو کون برداشت کرے جو یہاں آکے پڑھے۔ آخر یہی کہیں گے نا "قبلہ۔ پڑھنا تھا۔ تو وہیں سے پڑھ کر

آتا تھا جہاں سے آئے ہو۔ ــــــــــ

بہر کیف۔ یہ معصوم ہیں۔ یہ پڑھانے آتے ہیں۔ پڑھنے نہیں آتے۔ یہ دنیا کو سبق سکھانے آتے ہیں۔ سیکھنے نہیں آتے۔ ان کا ہر قول، ہر فعل، ہر عمل غیر معصوموں کے لیے انسان بنانے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے ــــ اور پھر اس میں لطف یہ ہے کہ کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ وہ خدا کی عطا کی ہوئی طاقت خارجی سے نہیں منواتے۔ وہ اسے سمجھا دیتے ہیں اپنے قول سے۔ اپنے عمل سے کہ بن جا ــــ جو بن جائے، وہ بن جائے۔ اور جو نہ بنے وہ نہ بنے ــــ بہر نوع کسی سے نہیں بگاڑتے۔ ان کی سب سے بن جاتی ہے۔ چاہے کوئی بنائے یا نہ بنائے۔ ورنہ تم ہو، نہ ہو، ہم تمہیں سمجھاتے رہیں گے۔" یہ ان کا سمجھانے کا طریقہ ہے۔ خواہ عمل سے سمجھانا پڑے یا قول سے سمجھانا پڑے۔

اور ان معصومینؑ نے جو سب سے بڑا سبق دیا۔ جو طریقہ ابتدا سے شروع ہوا ہے۔ یعنی آدمؑ سے لے کر آج تک ــــ آج یکم محرم ہے اور ۱۳۹۰ھ تک۔ انسانوں کو انسان بنانے کے لیے ایسا عملی سبق کسی معصوم نے تجویز نہیں کیا۔ جیسا کہ ان معصوموں نے ان دس دنوں میں دیا ہے۔ جو آج سے شروع ہو رہا ہے ــــــــ دس دن درس ہو گا ــــــــ اس کے بعد ہم اسے بیٹھ کے دہرائیں گے ــــ اس کے بعد یاد کرنے کی کوشش کریں گے ــــــــ ورنہ خدا گواہ ہے کسی مذہبی عقیدت یا تعصب کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ عام بات کہہ رہا ہوں کہ اگر انسانوں کی زندگی میں یہ دس دن رات باقی ہیں۔ اگر کوئی شرافت و انسانیت کا نام دنیا میں باقی ہے۔ تو صرف ان دس دن کی بدولت باقی ہے۔

دیکھو نا ــــ دنیا کو سبق دے دیا جاتا ہے۔ شرافت اسے کہتے ہیں۔ انسانیت اسے کہتے ہیں ــــ دنیا کے شریف ترین خاندان کا آغاز یہ ہوا تھا۔ انجام یہ ہوا تھا ــــ یہ ان دس دن میں بتایا جاتا ہے ــــــــ اور اس کو ۔۔۔ ۔۔۔ ار ہوتی ہے ــــــــ

آج ایسا وقت بھی آ گیا تھا کہ دنیا کو سبق دینے والوں کو مجبور ہونا پڑ گیا تھا

یہ مجبوری آج کی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہجرت کی۔ حضرت اسماعیلؑ نے بھی ہجرت کی۔ اُن کی ماں کا قدم ہی آگیا ہے ہجرت کی یادگار۔۔۔ انہوں نے بھی ہجرت کی۔۔۔۔ تمام انبیاءؑ کو مجبور ہو کر اپنے اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی۔۔۔۔ مگر ان کی ہجرتیں ایسی تھیں۔۔۔ آج ہجرت مگر دس دن کے بعد واپس وطن آ گئے۔۔۔۔ اور آلِ محمدؐ کو بھی ہجرت کرنا پڑ گئی۔۔۔ محمدؐ نے تو پہلے ہجرت کی تھی۔ جہاں سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔۔۔ یہ آلِ محمدؐ کی ہجرت ہے۔۔۔ وہ دشمنوں کے خوف سے رات کے وقت ڈرتے ہوئے گئے تھے۔ اور غار میں جا کر پناہ لی تھی۔۔۔۔ یہاں وہ بات نہیں تھی۔ آلِ محمدؐ نے اس شان سے ہجرت کی کہ دن کا وقت تھا۔ تمام اہلِ مدینہ دیکھ رہے تھے۔ اور مدینہ کی رُوح اہلِ مدینہ سے یہ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔

"خدا حافظ۔ میں واپس نہیں آؤں گا۔ مدینہ والو۔ میں اب تمہارے شہر میں نہیں آؤں گا۔ مجھے اس شہر کی ایک ایک اینٹ سے محبت ہے۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔ میری پرورش یہیں ہوئی تھی۔۔۔۔ اور

مدینے والو۔ تمہیں یاد ہو گا۔۔۔ مدینے کی دیوارو تمہیں بھی یاد ہے نا۔ کہ میرے نانا نے کاندھے پہ مجھے سوار کیا تھا۔۔۔۔۔ مدینے کے بازارو۔ تمہیں یاد ہے نا۔ کہ خدا کے رسولؐ نے مجھے کاندھے پہ سوار کیا تھا۔۔۔۔ میں کسی کو اپنے ساتھ جانے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔۔۔ میں کوئی لڑنے نہیں جا رہا ہوں۔۔۔ کوئی مالِ غنیمت نہیں ملے گا۔۔۔ میں مرنے جا رہا ہوں۔۔۔ میرے ساتھ جو جانا چاہے چلے۔۔۔ جو جانا چاہے۔ اعلانِ عام ہے۔۔۔ میں کسی کو روکوں گا نہیں۔۔۔"

اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے قبلہ! جب آپؑ نے فرمایا "جو جانا چاہے میرے ساتھ چلے۔۔۔۔" تو پہلا انسان جو حضورؑ کی خدمت میں آیا ہے یہ کہنے کے لئے کہ قبلہ! "میں چلوں گا۔" ۔۔۔ پہلا شخص جس نے آ کے کہا کہ "مولاؑ۔ میں ساتھ چلوں گا۔" ۔۔۔

وہ تھے حضور امام زین العابدینؑ ـــــــــ اور امامؑ نے سر سے پاؤں تک شہزادے کو دیکھا ـــــــ اور فرمایا "تمہارے منہ پہ یہی سجتا ہے۔ تمہاری یہی شان ہے بڑا بیٹا ـ برابر کا بھائی ہوتا ہے ۔ تو میرا قوتِ بازو ہے۔ تم میرے ساتھ چلو گے ـــــــ مگر مجھے خیال آتا ہے ـــ تم ہی شاہی خون ہے۔ تمہاری ماں شہنشاہ کی بیٹی تھی۔ تمہارا مزاج شہنشاہی مزاج ہے سفر بڑا تکلیف دہ ہے ـ بیٹا ! کہیں تمہارا شہنشاہی مزاج اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے ـــــــ" ـــــــ مگر امام زین العابدینؑ نے جواب دیا

"بابا حضورؑ ! میں حضورؑ کا بیٹا ہوں ۔ میں ساتھ چلوں گا ـــــــ"

ایک بات مولاؑ نے اور پوچھی

"سجاد بیٹا ـ تم میرے ولدِ اکبر ہو۔ اس لئے تم سے پوچھتا ہوں ـ کہ میں سفر میں جہاد کروں گا۔ یہ جہاد دو قسم کا ہو گا ـ ایک جہادِ اصغر ـ ایک جہادِ اکبر ـــ تم کون سا جہاد کرو گے ـ؟"

امام زین العابدینؑ نے جواب دیا

"قبلہ ـ میں چونکہ ولدِ اکبر ہوں ـ اس لئے میرے سپرد جہادِ اکبر فرمائیں ـــ" مگر اپنی زبان سے تشریح فرمائیں ـ ان دونوں جہادوں کی ـــــــ"

امامؑ نے فرمایا ـ "سنو بیٹا ـــ ایک بیابان میں ایک وحشی فوج کے بیچ میں گھر کے تین دن بھوکا پیاسا رہ کے بیدردی سے قتل ہو جانا ـ قبر نہ ملنا ـ کفن نہ ملنا ـــ یہ جہادِ اصغر ہے ـــ اور ایک جہادِ اکبر ہے میرے لال ـــ وہ یہ ہے کہ ماں، بہن، پھوپھی، بچوں کو ساتھ لے کر ـــ اُن کے سر کھلے ہوئے ہوں گے ـ بال کھلے ہوئے ہوں گے ـ اور بازاروں میں پھرائی جائیں گی ـــ اور باوجود طاقت کے کچھ نہ کہنا ـــــــ یہ جہادِ اکبر ہے ـــ تم کون سا جہاد کرو گے ـــ" ؟

بس یہاں آکر میں نے اپنی مجلس ختم کر دی ہے ـــ اور آخری بات کہہ کے ختم کرتا ہوں کہ

جناب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں ـــ یہ خواب

نہیں دیکھا کہ ذبح ہو گیا ہے ـــــ بلکہ ذبح کر رہا ہوں ـــــ اور جب آنکھ کھلی تو بیٹے کو جگایا ـــــ "

"بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں بیٹے نے جواب دیا

"ابا جان۔ کچھ اور تو نہیں ـــ"

ابراہیمؑ نے فرمایا ـــ نہیں

"بابا جان۔ آپ اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کریں۔ آپ مجھے صابر پائیں گے" ـــــ اس بیان کے بعد اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ کہ جب امامؑ نے جہادوں کی تشریح فرما دی کہ بیٹا ـــ جہادِ اصغر یہ ہے کہ کسی بن میں بھوکا پیاسا مر جانا ـــــ اور جہادِ اکبر یہ ہے کہ باوجود طاقت ہونے کے اپنی ماؤں، پھوپھیوں اور بہنوں کو لے کر بازاروں سے گذرنا اور درباروں میں لے جانا ـ ـ ـ اور باوجود طاقت کے کچھ نہ کہنا ـــــ یہ جہادِ اکبر ہے ـــــ

بولو اس جہادِ اکبر کے لئے تیار ہو بیٹا،" ـــــ بالکل اسی طرح پوچھا حسینؑ نے جس طرح ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ سے پوچھا تھا ـــــ کہ "بیٹا تیار ہو" ـــــ اسی طرح حسینؑ اپنے بیٹے سے پوچھ رہے ہیں ـ ـــ کہ "بیٹا تیار ہو" ـــــ مگر بیٹا کیا جواب دیتا ہے ـــ

"بابا جان ـــ فکر نہ کریں ـ

آپ انشاءاللہ مجھے شاکر پائیں گے ـ"

اسمٰعیلؑ کہہ رہے تھے ـ آپ انشاءاللہ مجھے صابر پائیں گے" اور یہاں کہہ رہے ہیں ـــ اور آپ انشاءاللہ مجھے شاکر پائیں گے ـ ـــــ صبر ہوتا ہے مصیبت پر ـــ اور شکر ہوتا ہے نعمت پر ـــ جس چیز کو وہ مصیبت سمجھتے تھے ـــ وہ چیز ان کے لئے انعام بن گئی ـ ـ ـ ـ ـ اور اس بیٹے نے کہا ـــ "آپ مجھے شاکر پائیں گے ـــــ " آپ مجھے شکر گذار پائیں گے ـ ـ ہر لمحہ شکر بجا لاؤں گا ـــ میں تیار ہوں اس جہاد کے لئے ـ

میں حاضر ہوں ـ ـــــ واہ ری ذوق !

یہ میرے اعتقاد کی بات ہے۔ کہ جب محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے پہلی رات کو ـــ اور آپ لوگ مجلس کرتے ہیں تو معصومینؑ تشریف لاتے ہیں ان مجلسوں میں ـــ اور معصومینؑ کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا ـــ دو معصوموں کے متعلق تو میرا ایمان ہے ـــ کہ وہ تشریف لاتے ہیں ـــ آپ کی مجلس کا وقت دیکھا۔ اور امام زین العابدینؑ نے کہا

"پھوپھی اماں ـــ چلو مجلس ہو گئی"

ان مجلسوں میں امام زین العابدینؑ بھی ہوں گے ـــ اور حوروں کے ساتھ جنابِ زینبؑ بھی تشریف فرما ہوں گی ـــ اور

آج آلِ محمدؐ سفر کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہو گئے ـــ اور چلتے وقت جب محمل میں عصمتِ کبریٰؑ سوار ہونے لگیں ـــ اور ناقہ جب لایا گیا دروازہ پر ـــ امام علیہ السلام خود اٹھے اور اٹھ کے فرمایا

"بھائیو ـــ ذرا ایک طرف بیٹھ جاؤ ـــ میں خود زینبؑ کو سوار کرتا ہوں"

امامؑ تشریف لائے دروازے پر ـــ اور زینبؑ چادر میں، برقعہ میں سر جھکائے خاموش برآمد ہوئیں ـــ ایک بازو علی اکبرؑ کے ہاتھ میں ـــ ایک بازو سید الشہداءؑ کے ہاتھ میں ـــ اور امامؑ نے محمل کا پردہ اٹھایا ـــ جناب غازیؑ نے بلند آواز سے آواز دی

"محلے والو ـــ خبردار ـــ کوئی بچہ بھی اِدھر سے اُدھر نہ گذرنے پائے ـــ کوئی سوار یہاں سے گذرنے نہ پائے ـــ کوئی آواز نہ بلند ہونے پائے ـــ زینبؑ سوار ہو رہی ہیں ـــ"

اور جب محمل کے بالکل قریب پہنچیں ـــ سوار ہونے کا وقت آیا ـــ تو فرماتی ہیں "حسینؑ۔ ذرا ٹھہرو ـــ اکبرؑ بیٹا تم بھی ٹھہرو ـــ تمہارا بہت بہت شکریہ ـــ تم سوار کرنے آئے ہو ـــ تم نے بہت تکلیف کی ـــ میں خود سوار ہو جاؤں گی ـــ کسی اور منزل پر

مجھے کون سوار کرے گا ——— " جب بی بی نے یہ فقرے کہے — تو امام زین العابدینؑ آگے بڑھے۔ اور عرض کی

" پھوپھی اماں — میں سوار کراتا ہوں ——— " اور قافلۂ آلِ محمدؐ روانہ ہو گیا ——— ہمیں انسانیت کا درس دینے کے لئے ———

خدا ہمیں بصدقہ محمدؐ و آلِ محمدؐ توفیق دے۔ کہ ہم اتنا سیکھ جائیں۔ کہ ہم انسان ہیں۔ اور انسانیت کا وہ درس جو محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہمیں دیا ہے اس میں پورا اتریں۔ خدا ان مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین

" بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم "

" اللھم صل علی محمدؐ و آل محمد "

~ ⁂ ~

جب آلِ محمدؐ آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو اُن کے پروردہ مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمدؐ کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

معصومؑ ــــ کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی!

خداوندِ عالم بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ آپ حضرات کی توفیقات میں اور اضافہ کرے۔ اور آپ کی اس عبادتِ عظمیٰ کو جو آپ اس زمانے میں کرتے ہیں، خدا قبول فرمائے ـــــــ

محترم بزرگان!

انسان کو ہر وقت ہر لحہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نصرت کی ضرورت ہے اور نہ ہی اُن کے بغیر زندگی میں انسان کا گذارا ہو سکتا ہے ـــــــ

میرے سامعین!

"زندگی" کا لفظ میں بول دیتا ہوں۔ اور اس لفظِ زندگی سے زندہ دلوں کے ذہن میں صرف یہی زندگی آتی ہو گی۔ جو اس دنیا میں ہماری زندگی گذر رہی ہے ـــــــ حالانکہ اس زندگی کو زندگی کہنا، زندگی کے ساتھ مذاق کرنا ہے ـــــــ یہ بھی کوئی زندگی ہوئی۔ جس میں نہ آنے میں بس نہ جانے میں بس۔ نہ یہاں آتے میں اختیار۔ نہ یہاں سے جانے میں اختیار ـــــ اتنی بے بس زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ ایک زبردست نے حکم دیا ـــــ "جاؤ" ـــــ ہمیں آنا پڑ گیا ـــــ اور جب وہ حکم دے گا "واپس آؤ ـــــ" چاہے ہم مر جائیں ہمیں جانا پڑے گا ـــــ جب تک حکم ہو گا "یہاں رہو" ـــــ ہمیں رہنا پڑے گا ـــــ اگر خود جانے کی

کوشش کی بھی ــ اور مر گئے ــ چلے گئے ــ تو وہ بھیجنے والا پکڑ لیگا ــ کہ حرام موت تھی۔ اگر بچ گئے تو حکومت پکڑے گی۔ خودکشی میں چالان کر دے گی ــــــ

بہرنوع۔ نہ جانے میں بس ہے ــ نہ یہاں رہنے میں بس ہے ــــ ایک زبردست طاقت نے یہاں بھیج دیا ــــ آنا پڑا ــــ اور جب بُلائے گا ــــ تو جانا پڑے گا ــــــ اور سچّی بات تو یہ ہے ــــــ اس وقت اگر ہم سے پوچھا جاتا کہ "تم جانا چاہتے ہو ــــــ؟ اس وقت کا تو مجھے پتہ نہیں ــــ اب میں شاید یہی جواب دیتا ــــــ "نہیں" ــــــ اور غالباً جب بھی میں راضی نہیں تھا آنے پر ــــ بھیج دیا زبردستی جو چلا آرہا تھا ــــــ ثبوت یہ ہے ــــــ کہ اگر میں ہنسی خوشی آتا ــــ تو آتے ہی ہنستا ــــــ لیکن میں راضی نہیں تھا آنے پر ــــ جب ہی تو میں آتے ہی رو دیا ــــــ اور لطف کی بات یہ ہے کہ گھر میں خوشیاں تھیں میرے آنے پر ــــ مگر خوشی جب ہوئی تھی ــــ جب میں رو دیا تھا ــــ جب تک میں رویا نہیں تھا ــــ نہ ماں خوش تھی ــــــ نہ باپ خوش تھا ــــــ نہ بہن خوش تھی ــــــ نہ بھائی خوش تھا ــــــ کسی کو میری زندگی کا یقین نہیں تھا۔ جب تک میں رویا نہیں تھا ــــــــــــ گویا انسان نے آتے ہی زندہ رہنے کا ثبوت دیا رونے سے ــــــ زندہ وہ رہے گا جو روئے گا ــ ۔ رونا زندگی کی علامت ہے ــــــــ

بہرنوع ــــ بچّہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے ــــ اور پھر ہی نہیں کہ بعد میں روتا نہیں ــــ بلکہ جب کوئی ضرورت پیش آئے ۔ وہ اُسے حل کرتا ہے رونے سے ــــــ بھوک لگی۔ جب رونے لگا ــــ سردی لگی جب رونے لگا ــــ گرمی لگی جب رونے لگا ــــــ نیند آئی جب رونے لگا ــــــ گویا زبان ہی رونا تھی ــــ گفتگو ہی رونا تھی ــــ ساری زندگی ہی رونا تھی ــــ جب سوائے رونے کے کچھ کام نہ تھا۔ تو ساری کائنات کتنی تھی ــــــ وہ یہ معصوم ہے ۔ پوری کائنات کا فیصلہ تھا کہ معصوم ہے ــــــ اور جب رونا کم ہوتا چلا گیا۔

معصومیت بھی کم ہوتی چلی گئی ــــــــــــ

پیارے سامعین!

آپ کو یاد نہیں ـــ مجھے یاد ہے اپنا رونا ـــ بڑے خوش تھے گھر والے کہ بچّہ اب جیئے گا کیا ثبوت ـــ ؟ کہ رو رہا ہے" ـــ رونے سے سب خوش تھے۔ میری مرحومہ والدہ بھی بڑی خوش تھیں کہ بچّہ رو رہا ہے ـــ وہ سارا دن مجھے گود میں لئے پھرتی ـــ میں روتا رہتا ـــ وہ گھر کا کام کرتی ـــ میں روتا رہتا ـــ اور جب رات کو وہ سوتی تو مجھے ساتھ سُلاتی ـــ ماں جو تھی ـــ میں اس وقت بھی رونے لگا ـــ تو ماں نے مجھے سمجھایا

"بیٹا ـــ اب نہ رُو ـــ"

"اب کیوں نہ رؤں ـــ؟"

کہ ایک چارپائی تھی ـــ میری ماں میرے ساتھ لیٹی تھیں ـــ اب میں اس کا ساتھی تھا ـــ ساتھی ہو کے رُونا اُسے پسند نہ آیا ـــ اور مجھے تھپکایا، بہلایا ـــ

"اللہ! اللہ!"

یہ میرے کانوں میں اب تک گونج رہا ہے ـــ کہ جب ماں نے رونا روکنے کے لئے مجھے کہا "اللہ۔ اللہ!" ـــ یعنی اللہ کو یاد کرو ـــ اللہ ساتھ ہے ـــ اور میں نے ماں سے کہہ دیا

"اماں۔ اُس وقت کا رونا تو اتنا پسند ـــ اور اس وقت کا رونا اتنا ناپسند ـــ"

تو ماں نے کہا

"برخوردار! ہر چیز کا وقت ہوتا ہے ـــ ہر چیز کا محل ہوتا ہے ـــ با محل رو ـــ تو ٹھیک ہے ـــ اور بے محل رو ـــ تو غلط ہے ـــ اچھے بچے بابنا نہیں کیا کرتے ـــــــــ

بہر نوع ــــ یں رویا کرتا تھا ــــ پھر زندگی اور بڑھتی گئی ــــ اور روناکم ہوتا گیا ــــ بچپن آیا ــــ بچپن رخصت ہوا تو شباب آیا ــــ آنکھ جھپکی، شباب رخصت ہوا ــــ تو یہ بوڑھاپا آگیا ــــ ہم نے کہا۔ چلو یہی غنیمت ہے ــــ تو یہ حضرت بھی چلے گئے ــــ اور اس کے بعد وہ آخری منزل ہے۔ جسے موت کہتے ہیں ــــ موت آگئی ــــ موت آئی تو زندگی ہماری جو یہ گذر رہی تھی ــــ ختم ہوگئی ــــ مگر یہ علم نہیں کہ موت کب آئے گی ــــ یہ کسی کو معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی ــــ لیکن موت نے آنا ضرور ہے ــــ یہ پتہ ہے آئے گی ــــ مگر یہ پتہ نہیں کب آئے گی ــــ اور موت انسان کو روز یہ سبق دیتی ہے ــــ کہ جس کا آنا ضروری ہو، اس کے آنے کا وقت معین نہیں ہوتا ــــ چاہے وہ امامؑ ہو یا موت ــــ آئے گا ضرور ــــ وقت معین نہیں ہوتا ــــ آنا ضرور ہے ــــ ضرور آئے گا ــــــــــــــــــــــــ

بچپن ہم نے دیکھا ــــ شباب ہم نے دیکھا ــــ بڑھاپا ہم نے دیکھا ــــ اور موت بھی آئی ــــ ضرور آنا تھا ــــ مگر کسی دانش ور نے یہ نہ کہا کہ

بچپن برحق ہے ــــ کسی نے یہ نہ کہا کہ شباب برحق ہے ــــ کسی نے یہ نہ کہا کہ بڑھاپا برحق ہے ــــ جس نے کہا ــــ یہی کہا ــــ "موت برحق ہے" ــــــــ جس کا آنا ضروری ہو ــــ بس وہی برحق ہے ــــ چاہے امامؑ ہو یا موت ــــــــ

حضور!

یہ ہماری زندگی ہے ــــ موت کی ہچکی آئی اور یہ زندگی ختم ہوگئی ــــ اس زندگی کے لئے کیا کچھ کرتا ہے آدمی ــــ خدا کی پناہ ــــ انسان کو اس زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے ــــ خوشامدیں، خدمتیں، اطاعتیں، محبتیں، محنتیں اور جو کچھ بھی ہے وہ اس زندگی کے لئے کر رہا ہے۔ جس نے ایک دن ختم ہو جانا ہے ــــ ــــ اس کے بعد جو زندگی شروع ہوگی ــــ اس میں اور اس زندگی میں یہ فرق ہے

کہ اُس زندگی نے ختم نہیں ہونا ــــــ اس زندگی میں موت ضروری ہے ــــــ اُس زندگی میں جینا ضروری ہے ــــــ یہاں جی نہیں سکتے ــــــ وہاں مر نہیں سکتے ــــــ یہاں مجبور ہیں مرنے پر ــــــ وہاں مجبور ہیں جینے پر۔

اب اس چھوٹی سی زندگی کو بچانے کے لئے کتنی احتیاط ہے انسان کو ــــــ نزلہ ہوگیا ــــــ بخار ہوگیا ــــــ طبیعت خراب ہوگئی ــــــ کیا کرنا ہے ــــــ زندگی بچ جائے۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ ــــــ حکیم کو بلاؤ ــــــ ڈاکٹر آگئے ــــــ اب ڈاکٹر کے ہم محتاج ہیں ــــــ اس نے نبض دیکھی ــــــ حالات دیکھے ــــــ قیاس سے اندازہ کیا ــــــ اور کڑوی سے کڑوی دوا دے دی ــــــ مگر اس زندگی کو بچانے کے لئے ہم نے پی لی۔ (INJECTION) انجکشن کیا ــــــ وہ تکلیف برداشت کرلی ــــــ اس زندگی کے لئے (OPERATION) آپریشن کروایا ــــــ ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے ــــــ بہر نوع۔ اس زندگی کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے ــــــــــــــــــــــــــــ اور

محترم سامعین!

بیماری میں مریض کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ کوئی قابل ڈاکٹر مل جائے ــــــ جس سے بیماری جاتی رہے ــــــ زندگی محفوظ ہو جائے ــــــ اب ہم مشورہ کر کے ایک بڑے اچھے ڈاکٹر کے پاس پہنچے ــــــ تاکہ علاج کروائیں ــــــــــــــــ اور لوگوں نے کہا وہ بہترین ڈاکٹر ہے ــــــ اس سے بہتر ڈاکٹر تو شہر میں ہے ہی نہیں ــــــ مگر ایک ذرا سا نقص ہے ــــــ اور وہ یہ ہے کہ یہ جان کے نہیں ــــــ اپنے اختیار سے نہیں ــــــ بلکہ کبھی کبھی بھولے سے ــــــ سہواً نسخے میں کوئی ایسی دوا لکھ دیتا ہے۔ جو مضر ہوتی ہے ــــــ،، آپ ایمان سے بتائیں۔ ایسے ڈاکٹر کے نسخے پر اعتماد کریں گے ــــــ؟ جو غلطی سے کبھی کبھار کوئی غلط دوا لکھ دیتا ہو ــــــ؟ ــــــ نہیں ــــــ اس کے ہر نسخے پہ شک ہوگا ــــــ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں بھی کوئی غلط دوا لکھ دی ہو ــــــــــــــــ جب

اس ذرا سی زندگی کے لئے کسی ایسے ڈاکٹر پر ہمیں اعتماد نہیں - جو کبھی کبھی بھولتا ہو - تو اس ہمیشہ کی زندگی کے لئے کسی ایسے کا دامن کیسے پکڑلیں جو بھولتا ہو ـــــ جس سے غلطی ہو سکتی ہو ـــــ

اب تلاش کرنا پڑتی ہے اس زندگی کے لئے ان ڈاکٹروں کی، ان طبیبوں کی، ان بچانے والوں کی جن کے متعلق یہ یقین ہو جائے ـــــ کہ نہ سہواً، نہ عمداً، نہ ارادتاً - ان سے کبھی غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــ اور ذرا سا شک ہو جائے کہ ان سے غلطی ہو سکتی ہے ـــــ اُسے نہ اِس زندگی میں پسند کریں - نہ اُس زندگی میں پسند کریں گے ـــــ جس طرح ایک مقدمہ ہو جاتا ہے عدالت میں اور کسی وکیل پر اگر یہ شبہ ہو جائے - کہ قابل تو ہے، لائق تو بڑا ہے ـــــ قانون بھی بہترین جانتا ہے ـــــ ساری باتیں ٹھیک ہیں ـــــ مگر کبھی کبھی غلطی سے غلط بحث کر دیتا ہے - ایسے وکیل کو کون وکیل کرے جو کبھی بھی غلطی کر سکتا ہو ـــــ اور جب اس عدالت میں ہم یسے وکیل کو وکیل کرنا پسند نہیں کرتے ـــــ تو عاقبت کی عدالت کے لئے کون ایسے وکیل بنائے ن سے سہواً غلطی ہو سکتی ہو -

اگر اس بار روم میں ہم اُس وکیل کو تلاش کریں گے جس سے کبھی غلطی نہ ہو ـــــ تو بارہ روم میں وہ کیوں نہ تلاش کریں جس سے غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــ جو کبھی غلطی نہ کر سکتا ہو - ایسے کو تلاش کرو ـــــ

یاد رکھو میرے سامعین!

ساری دنیا میں صرف محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی وہ ہیں جن سے نہ کبھی غلطی ہوئی - نہ ہو سکتی ہے - ان سے نہ کبھی بھول ہوئی نہ کبھی سہواً ہوا ـــــ اور جب وہ ہیں موجود نہ بھولنے والے، تو ہر ایک کے ہاتھ میں اُن ہی کا دامن ہو ـــــ اور دارنہ بھولنے والو!

ہم بھولنے والوں کا تم سہارا ہو ـــــ ہم بھٹکنے والوں کا تم سہارا ہو ـــــ ہم، تمہیں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو کیوں نہ یاد کریں" ـــــ چونکہ وہ اس دنیا کے بھی ماہر ہیں ـــــ

اور اس دنیا کے بھی عالم میں ـــــ وہ جو نسخہ بتائیں گے۔ جو طریقہ بتائیں گے ـــــ وہ بہترین ہوگا۔
گویا محمدؐ و آلِ محمدؐ خود غلطی سے مبرّا ہیں ـــــ اور صاحبان!
اسی کو مذہب کی اصطلاح میں "معصوم" کہتے ہیں ـــــ معصوم کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ جس سے سہواً، عمداً، علم میں، عمل میں، جانتے میں، کرنے میں، قدم اٹھاتے میں، چلتے میں، پھرتے میں، بیٹھتے میں، اٹھتے میں، سوتے میں، جاگتے میں، بیماری میں، آزاری میں، کسی عالم میں بھی غلطی کا احتمال ہو سکتا ہی نہیں ـــــ بس وہی معصوم ہے ـــــ اور جس سے ذراسی غلطی ہو سکتی ہو ـــــ کہ صاحب! یہ معصوم تو ہے ـــــ تندرستی میں تو معصوم رہتا ہے مگر جب بیمار ہو جائے تو دماغ میں ذراسا نسیان کا مرض ....) معلوم ہوا وہ معصوم ہی نہیں ـــــ ہم اُسے معصوم ہی نہیں مانتے ـــــ اور معصوم کے تو معنیٰ ہی یہ ہیں کہ ـــــ
کیا مجال جو کہیں غلطی ہو ـــــ کیا مجال جو کہیں نقص آجائے ـــــ
بہر نوع۔ وہ ایک طویل زندگی ہے۔ جس نے کبھی ختم ہی نہیں ہونا ـــــ
یہاں تو یہ بھی ہے ـــــ اگر ایک ڈاکٹر کی غلط دوا پی لی۔ آج اُس سے تکلیف بڑھ گئی۔ شام کو دوسرا ڈاکٹر بلایا ـــــ اُس نے دوا دی۔ کل ٹھیک ہو گئے ـــــ چلو ایک دن کی تکلیف تھی۔ برداشت کر لی ـــــ اور وہاں اگر غلط دوا مل گئی ـــــ اور وہاں اگر ایک دن کی تکلیف ہو گئی ـــــ تو وہاں کا ایک دن ہے پچاس ہزار سال کا ـــــ وہاں ایک دن کی تکلیف بڑی مصیبت ہو گی ـــــ اس لئے پورے غور سے ان طبیبوں کو تلاش کرنا پڑے گا۔ جن سے احتمال ہی غلطی کا نہ ہو ـــــ جن سے شبہ ہی غلطی کا نہ ہو ـــــ

بات یہ ہے حضور!
کہ معصوم، معصوم میں فرق ہے۔ ہر معصوم یکساں نہیں ہوتا ـــــ ایک معصوم تو وہ ہے ـــــ جو وہی کرتا ہے جو ٹھیک ہو ـــــ کبھی غلطی کرتا ہی نہیں ـــــ وہ کرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے ـــــ وہ عمل سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ میں جو کر رہا ہوں۔ وہ

ٹھیک ہے ــــــــــــــــ مگر میں جن چودہ[۱۴] معصومین کا ذکر کر رہا ہوں ـــــ ان کے معصوم ہونے میں اور باقی انبیاء کے معصوم ہونے میں میرے نزدیک فرق یہ ہے کہ ـــــــ ـــــ باقی وہی کرتے تھے جو ٹھیک ہوتا تھا۔ اور یہ ٹھیک نہیں تلاش کرتے ـــــــ بلکہ یہ چودہ جو کر دیتے ہیں ـــــ وہ ٹھیک ہوتا ہے ـــــ اُن معصوموں کو پہلے تلاش کرنا پڑتا تھا. یہ ٹھیک ہے کہ نہیں ـــــ درست ہے کہ نہیں ـــــ وہ حق کو تلاش کرتے تھے ـــــ اور حق. ان چودہ معصومین کو تلاش کرتا ہے ـــــــ وہ حق کے پیچھے چلتے تھے ـــ حق اِن کے پیچھے چلتا ہے ـــــ جدھر ان چودہ[۱۴] نے رُخ کر دیا ـــ حق ہو گیا ـــ جو بات انہوں نے کہہ دی، حق ہو گئی ـــ جو ان کے منہ سے نکل گیا، حق ہو گیا ـــ اِن کی معصومیت اور ہے ـــــ اُن کی معصومیت اور ہے ــــــــــــــــــ

یہ چودہ معصوم۔ وہ معصوم ہیں۔ یہ حق تلاش نہیں کرتے۔ حق انہیں تلاش کرتا ہے ــــــــ کہیں ہنس دیئے تو ہنسنا حق ہو گیا ــــــ کہیں بیٹھ گئے تو بیٹھنا حق ہو گیا ــــــ کہیں کھڑے ہو گئے تو کھڑا ہونا حق ہو گیا ــــــ جس طرح نماز پڑھ لی۔ وہی نماز حق ہو گئی ـــ جس طرح روزہ رکھ لیا ـ وہی روزہ حق ہو گیا ـــ کہیں جاگتے رہے تو جاگنا حق ہو گیا ـــ اور کہیں چادر تان کے سو گئے تو سونا حق ہو گیا ــــــــــــــــــ

اب اس محفل میں علماء بھی ہیں، دانشور بھی ہیں، وکلاء بھی ہیں۔ میں بے پڑھا لکھا سا آدمی آپ کے بیچ میں آ کے پھنس گیا ہوں ـــــ اللہ جانے۔ آپ کیا کہیں گے۔ کیا نہیں کہیں گے ـــــ منہ پہ آئی ہوئی بات ہے ـــــ وہ کہتا چلوں آپ سے ــــــــــــــــــــــــــــ

کہ جس انسان کی زندگی، ساری رات سُنت نمازیں پڑھنے میں گذری ہے ـــــ نمازِ شب پڑھتا ہو ـــــ وہ اگر ساری رات سوتا رہے اور میں جاکے اُسے نمازِ شب کے لئے جگا دوں ـ ـــــــــــ "اُٹھو۔ نمازِ شب کا وقت ہے ـــــ" ـ اور وہ کہے ـــــــــــ "آج میں نہیں اٹھتا۔ آج مجھے حکم ہے سونے کا ـــــــ" تو بتاؤ جس رات اُسے

سونے کا حکم تھا ـــــ اُس رات اگر اُٹھ کے نماز پڑھنے لگتا ـــــ یہ مناسب تھا یا نامناسب ؟ "نامناسب" ـــــ معلوم ہوا۔ کہ کہیں ان کی نماز بہتر ہوگئی ـــــ اور کہیں ان کی نیند بہتر ہوگئی ـــــ گویا آج کی رات اس عابد کے لئے "نیند نماز سے بہتر ہے"۔ ـــــ تو یہ وہ معصوم ہیں جن کا ہر عمل صحیح ہوتا ہے ـــــ یہ چاہتے ہی وہ ہیں جو اللہ چاہتا ہے ـــــ اور جن کی نیت ہی وہ ہو جو اللہ چاہے اُن کے عمل میں کہیں غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــ جن کی مشیت و خواہش ہی وہ ہے جو اللہ چاہتا ہے ـــــ

میں آپ سے پھر جملۂ معترضہ کہتا چلوں کہ

یاد رکھو میرے سامعین!

محمد و آلِ محمد کی ان اداؤں پہ دنیا مرتی ہے ـــ کہ آپ نے ساری زندگی وہی کیا جو خدا نے چاہا ـــ "اپنا چاہا" کیا ہی نہیں ـــ بس۔ جو خدا نے چاہا، وہ آپ نے چاہا ـــ

خدا نے چاہا۔ "فاقہ کرو" ـــ "بہت اچھا" ـــــ

خدا نے چاہا "کھانا کھاؤ" ـــ "بہت اچھا" ـــــ

خدا نے چاہا۔ "سوؤ" ـــ "بہت اچھا" ـــــ

خدا نے چاہا۔ "جاگو" ـــ "بہت اچھا" ـــــ

جب ساری زندگی آپ وہی کرتے رہے۔ جو خدا نے چاہا ـــ تو خدا کے عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ ـــــ

اگر تم زندگی بھر وہی کرتے رہے جو خدا نے چاہا ـــــ تو قیامت کے دن۔ اگر اللہ عدل کرے گا ـــ تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ـــــ

یہاں تم نے وہی کیا جو اللہ نے چاہا ـــــــــ وہاں اللہ وہی کرے گا ـــ جو تم چاہو گے ـــــ یہاں تم وہی کرتے رہے جو اللہ نے چاہا ـــ وہاں ـــ اللہ وہی کرے گا ـــ جو محمد و آلِ محمد چاہیں گے ـــ عدل کا

تقاضا یہی ہے ـــــــــ اس لئے محمد و آلِ محمد میں کوئی بھول یا غلطی ہو سکتی ہی نہیں ـــــــ مشیت اللہ کی ـــ ارادہ اللہ کا ـــ اور عمل اِن کا ـــــ اسی لئے اللہ اِن کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ کہتا ہے ـــ اِن کے کام کو اپنا کام کہتا ہے ـــــ اِن کی آنکھ کو اپنی آنکھ کہتا ہے ـــ کیونکہ اِن کی آنکھ دیکھتی ہی وہی ہے ۔جو اللہ دیکھے ـــ چاہتا ہے اللہ ـــ عمل یہ کرتے ہیں ـــ یہ صرف محمد و آلِ محمد تھے ـــ جن کے عمل کو اللہ اپنا عمل کہتا ہے ـــ جن کا ارادہ وہ تھا جو خدا کا ارادہ تھا ـــ جن کی مشیت وہ تھی جو خدا کی مشیت تھی ـــ وہ چاہتے وہی تھے ۔جو خدا چاہتا تھا ـــ وہ کرتے وہی تھے جو ارادۂ الٰہی تھا ـــ اس کے بغیر وہ عمل کوئی کرتے ہی نہیں تھے ـــــ خواہ دنیا نے انہیں قید بھی کیا ۔ انہیں گھروں میں محفوظ بھی رکھا ـــ انہیں سب کچھ کیا ـــ مگر کوئی یہ نہ کہہ سکا ۔ کہ اُن میں فلاں غلطی تھی“ ـــــــ وہ دشمنوں کے مجمع میں کھڑے ہو کے کہتے تھے ـــــ ”ہم حجتِ خدا ہیں ـــ “ ”ہم اللہ کی مشیت ہیں“ ـــ ”ہم اللہ کا ارادہ ہیں ـــ “ ـــــ اور دشمنانِ آلِ محمد، آلِ رسولؐ کی زبان ٹوٹنے کے لئے قید تو انہیں کر دیتے تھے ـــــ مگر اُن کی یہ طاقت نہیں تھی ـــ کہ وہ یہ کہدیں ـــ کہ ”یہ غلط کہتے تھے ـــ “ ـــــ وہ جو کرتے تھے ـــ بالکل صحیح کرتے تھے ـــ کیا مجال جو ان کے کسی عمل میں خرابی آجائے ـــ اپنی اپنی عقل کے مطابق لوگ مشورے ضرور دیتے تھے ـــ اور وہ آلِ رسولؐ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے ـــــ مگر کرتے وہی تھے جو اللہ چاہتا تھا ـــــــــــــ

سامعین !

بتاؤ ۔ یہی آلِ محمد کی فردِ اعلیٰ حضور سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کو بہت سے آدمیوں نے اپنی عقل کے مطابق مشورے نہیں دیئے تھے ـــــــ ؟ ”حسینؑ بیعت کرو“ ـــ ”حسینؑ کہیں دُور چلے جاؤ“ ـــــ مگر حسینؑ ہر ایک کا شکریہ ادا کر رہے ہیں ـــــ لیکن حسینؑ کرنا وہ چاہتا ہے جو اللہ چاہتا تھا ـــــ اور

حضرات گرامی!

میں اپنی بات کو مختصر کرتا ہوں ـــــ اور یہ عرض کرتا ہوں کہ گورنر مدینہ نے حسینؑ کو بلایا ـــــ مولاؑ تشریف لے گئے ـــــ ولید نے پہلے تو امیر شام معاویہ کی موت کی خبر سنائی ـــــ اور ـــــ مولاؑ نے جواب دیا ـــــ اگر خاموش رہتے تو یہ اُن کے خلق عظیم کے خلاف تھا ـــــ

مولاؑ نے فرمایا

"ولید ـــــ معاویہ کی موت تم لوگوں کے لئے ایک صدمہ ہے"

واہ مولاؑ۔ اپنے سارے جذبات کی ترجمانی اپنے اس فقرے میں عیاں کر دی ـــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہم جیسے نہ تھے ـــــ

بہر نوع۔ ولید نے جھجکتے ہوئے مولاؑ سے یزید کی بیعت کا تقاضا کیا ـــــ

"حسینؑ! یزید نے لکھا ہے ـــــ "تم میری بیعت کرو ـــــ ورنہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ ـــــ"

مگر جو جواب دیا ہے حسینؑ نے ـــــ خدا کی قسم!

وہی جواب تھا ـــــ جو معصوم ہی کی زبان سے سجتا تھا ـــــ کوئی اور ہوتا تو اللہ جانے کیا جواب دیتا ـــــ مگر حسینؑ کا جواب حسینؑ ہی کا جرات تھا ـــــ

"یا ولید ـــــ!

تو مجھ حسینؑ سے بیعت مانگتا ہے ـــــ؟

"انا ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ"

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ "میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کا بیٹا ہوں ـــــ" ـــــ اور علی کا بیٹا بیعت نہیں کر سکتا ـــــ"

حسینؑ نے یہ نہیں کہا ـــــ "میں محمدؐ کا بیٹا ہوں ـــــ" "میں فاطمہؑ کا بیٹا ہوں ـــــ"

بلکہ فرمایا ــــــــ "میں علیؑ کا بیٹا ہوں" "اور بیعت نہیں کروں گا ــــ" ـــ مگر یہ فرمایا
ان لوگوں کے سامنے جو علیؑ کو دیکھے ہوئے تھے ــــ جو علیؑ کے ساتھ رہے ہوئے تھے ــــ
جن کے سامنے علیؑ کی ساری زندگی تھی ــــــ اُن کے سامنے اپنے کو علیؑ کا بیٹا کہہ کے انکار
کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ــــــــــــ

"ورنہ اُس نے یہ کام کبھی کیا تھا نہ میں کروں گا ــــ" "میں یہ کام نہیں کروں گا ــــ"
اب "نہیں" کہہ کے حسینؑ گھر آگئے ــــ دنیا حیران ہوگئی ــ کہ اتنی بڑی سلطنت کے
سامنے حسینؑ ــــ "نہیں" کہہ رہے ہیں ــــ اللہ جانے ارادہ کیا ہے ــــــ کیا
کریں گے ــــــــــ ؟ ــــــــــــــــــــ

حسینؑ گھر آئے تو بہن ملی

"حسینؑ! کیا بات ہوئی تھی ــــ" ــــ تو مولاؑ نے فرمایا

"بہن! کیا بتاؤں ــ مجھ سے یزید کی بیعت مانگی گئی تھی ــــ"

"تم نے کیا جواب دیا حسینؑ!" زینبؑ نے پوچھا

"بہن! میں تم سے مشورہ چاہتا ہوں"

"حسینؑ! تم امامِ وقت ہو ــــ معصومؑ ہو ــــ تمہیں مشورے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بہن! بات یہ ہے کہ تم عمر میں تو مجھ سے چھوٹی ہو ــــــ مگر تم ہی گواہ
ہو اس بات کی کہ اماں کے بعد ہم نے تمہاری عزت اماں کی طرح کی ہے ــــــــــ
باوجود بڑا بھائی ہونے کے ہر معاملہ میں تم سے مشورہ لیا ہے ــــــــــ اور
آج بیعتِ یزید کا سوال ہے زینبؑ! بولو۔ کیا جواب دوں ــــ" ؟

تو بی بیؑ نے فرمایا

"حسینؑ! میرا امتحان لے رہے ہو ــ سنو حسینؑ! جو خون تمہاری رگوں میں ہے۔
وہی میری رگوں میں ہے ــــ جو دودھ تم نے پیا ہے ــــ وہی میں نے پیا ہے ــ

جو تمہارا نانا ہے۔ وہی میرا نانا ہے ـــــــ جو تمہارا باپ ہے ـــــ وہی میرا باپ ہے ـــــ

جو تمہاری ماں ہے وہی میرا ماں ہے ـــــــــــــــــــــــ

بس فرق اتنا ہے حسینؑ!

تیرے سر پہ آبا کا عمامہ ہے ـــــــــــــــــ مگر

دیکھ حسینؑ!

میرے سر پہ اماں کی چادر ہے ـــــــ میرا امتحان نہ لو حسینؑ!"

تو امامؑ نے فرمایا

"زینبؑ!

یہ امتحان نہیں ہے رہا ـــــــ مشورہ چاہتا ہوں ـــــــــ"

حسینؑ!

اگر تو نے مجھے یہ عزت بخشی ہے مشورے کی تو پھر سن میرا جواب!"

"کیا جواب ہے زینبؑ تمہارا؟"

اگر مجھ سے پوچھتے ہو حسینؑ!

تو کہدو "نہیں"

اب جو زینبؑ نے کہا ـــــ "نہیں" ـــ تو حسینؑ نے اپنا سر فوراً سجدے میں رکھ دیا ـــــــ اور کہنے لگے

"خداوندا!

تیرا شکر ہے ـــ میری بہن کی "نہیں" بھی میرے ساتھ شامل ہو گئی ـــــ

اب دنیا کی کوئی طاقت ہماری "نہیں" کو "ہاں" سے نہیں بدل سکتی ـــــ" ـــ مگر

زینبؑ ایک بات سنو ـــ میں بھی "نہیں" کہہ کے آیا ہوں ـــــ تم بھی نہیں کہہ رہی

ہو ـــ ہم بہن، بھائیوں کو اس "نہیں" کی قیمت دینا پڑے گی ـــــــ مگر

"زینبؑ!

میری قیمت اور ہے تمہاری قیمت اور ہے ـــــ" اب بی بی بولیں

"حسینؑ! ـــ مجھے کوئی پرواہ نہیں ـــ فکر نہ کر ـــ میں اپنی مدد نہیں۔ پر قائم رہوں گی ـــ"

"زینبؑ!

دو میدان سر کرنے پڑیں گے ـــ ایک کربلا کا میدان ـــ ایک شام کا میدان ـــ"

تو زینبؑ نے پوری شان سے کہا

"میں بھی فاتح اعظم کی بیٹی ہوں ـــ ایک میدان حسینؑ! تو اپنے حصے میں رکھ ـــ ایک میدان میرے سپرد کر ـــــــــ

حسینؑ!

کربلا تیرے سپرد ـــــ شام میرے سپرد ـــــ کربلا تو فتح کر لینا ـــ شام میں فتح کروں گی ـــــ اگر دنیا کے سب سے بڑے مرد کے نام کو کالی نہ بنوا دوں تو زینبؑ نہ کہنا ـــــ اور

سن حسینؑ!

شام تو میں فتح کروں گی ـــــ مگر ـــــ

کربلا میں تیرے ساتھ رہوں گی

یوں کام کریں گے حسینؑ! کربلا جا کر ـــ کہ میں خاتون ہوں ـــ میں گھر میں بیٹھوں گی ـــ تو مرد ہے تو باہر رہنا ـــ ـــ باہر کے سارے کام تیرے سپرد ـــ گھر کے اندر کے سارے کام میرے سپرد ـــ گھر میں عورتیں ہیں ـــ عورتوں کی سرداری میں کروں گی ـــ مردوں کی سرداری تو کرنا ـــــ اور

سن حسینؑ!

شہیدوں کا سردار تو بنے

امیروں کی سردار میں بنوں گی ——————————— اور

کسی شہید کو گھر میں کپڑے پہنانا میرے ذمے

میدان سے لاشں لانا تیرے ذمے ——————— اور

دیکھا حسین!

تُو بھی بھائی قربان کرے گا میں بھی بھائی قربان کروں گی —— تیرا بھائی قربان ہوگا عباسؑ جیسا —— میرے دو بھائی قربان ہوں گے —— ایک حسینؑ جیسا —— ایک عباسؑ جیسا —— تیرا ایک بھتیجا قربان ہوگا — قاسمؑ جیسا — میرے دو بھتیجے قربان ہوں گے ایک اکبرؑ جیسا —— ایک قاسمؑ جیسا ——————————

دیکھا بیتیوں کا معاملہ حسینؑ!

دو بیٹے تُو قربان کرے گا —— ایک اکبرؑ —— ایک اصغرؑ —— دو میں بھی قربان کروں گی —— مگر میرے بچوں کا تیرے بچوں سے کوئی مقابلہ نہیں حسین! —— تیرے بچے شہزادے ہیں —— میرے بچے اُن کے غلام ہیں —— مگر ایک وعدہ کرتی ہوں حسینؑ!

دو بیٹے قربان کرنے کے بعد بھی تیری نسل قیامت تک باقی رہے گی —— اور میں جب دو بیٹے قربان کروں گی — میری نسل ختم ہو جائے گی —— اب تیرا ہی کوئی بیٹا مجھے اماں کہہ دے تو کہہ دے —— ورنہ میرا کوئی بیٹا نہیں رہے گا جو مجھے اماں کہہ کے پکارے —————————————— اور

سُن حسینؑ!

کربلا تیرا علاقہ ہے —— شام میرا علاقہ —— کربلا فتح کرنے کے بعد تُو قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہنا —— اور میں قیامت تک اپنے مفتوحہ علاقے میں رہوں گی —— کربلا میں تیرے زائر آئیں گے حسینؑ! میری رُوح خوش ہوگی تیرے

زائروں کو دیکھ کے ——— مگر خدا کوئی ایسا بھی پیدا کر دے گا جو میرا روضہ بنوا دے گا ——— میرے ان بھی کوئی آجایا کرے گا ——— اور

آخری فیصلہ یہ ہے حسینؑ!

جتنے بچے ہیں ہمارے ساتھ ——— اُن میں جتنے لڑکے ہیں ——— وہ تیرے سپرد ——— اور جتنی لڑکیاں ہیں وہ میرے سپرد"

سنو گے یہ فقرہ صاحبان! فیصلہ بہن بھائی کا

"لڑکے حسینؑ تیرے سپرد ——— لڑکیاں میرے سپرد

علیؑ اصغر لڑکا ہے ——— وہ تیرے سپرد

سکینہؑ لڑکی ہے ——— وہ میرے سپرد

حسینؑ! اصغرؑ تیرے حصے میں ——— سکینہؑ میرے حصے میں ——— اور سن حسینؑ! اگر اصغرؑ کا گلا زخمی ہوگا تو تیری گود میں ——— وہ تیرے حصے کا ہے ——— اور سکینہؑ کے کان زخمی ہوں گے تو وہ میری گود میں ——— وہ میرا حصہ ہے ——— دونوں بہن بھائی مل کے اس میدان کو سر کریں گے ——— ——— اور

حسین!

میں تجھے اکیلا نہیں چھوڑوں گی ——— ہر مقام پہ، ہر مشکل میں تیرے ساتھ رہوں گی حسینؑ! ——— ۔

دنیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا ——— کہ کیا کرنا ہے ——— کربلا جا کر پتہ چلا کہ کیا ہو گیا ہے ——— اور میری گفتگو ختم ہو گئی ——— میرا بیان ختم ہو گیا ——— ——— ——— مگر

یاد رکھو سامعین!

آج دنیا میں جتنی مجلسیں ہو رہی ہیں ——— یہ سب زینبؑ کا صدقہ ہے ———

ورنہ ایک غیر آباد بن میں لُٹ جانے اور مرجانے والے قافلے کو کوئی جان بھی نہ سکتا ------ گر زینبؑ اونٹ کے منبر پہ بیٹھ کر۔ ننگے سر۔ بازاروں میں جاکر مجلس نہ پڑھتی ------

"لوگو ---- میرا حسینؑ مارا گیا ----"

یہ زینبؑ کی مجلس ہیں جو ساری دنیا میں ہو رہی ہیں ------ یہ زینبؑ کے صدقے میں ہو رہا ہے جو کچھ ہو رہا ہے ------ اور اللہ کا کوئی نام نہ لیتا (اللہ تو ہے اور ہوگا) اللہ کا کوئی نام نہ لیتا ---- اگر محمدؐ نہ ہوتے ---- اور محمدؐ کا کوئی کلمہ نہ پڑھتا ---- اگر حسینؑ نہ ہوتے ---- اور حسینؑ کا کوئی نام نہ لیتا ---- اگر زینبؑ نہ ہوتی ---- آج زینبؑ کی بدولت سارے نام لئے جا رہے ہیں ------ اور میرے سامعین!

ہر باپ کو بیٹی سے اور ہر بھائی کو بہن سے محبت ہوتی ہے ---- میں تو سمجھتا یہ ہوں کہ جب ہم مصیبت میں پکارتے ہیں "یا علیؑ مدد" تو علیؑ زینبؑ سے کہتے ہیں ---- ---

"بیٹی زینبؑ! فلاں نے مجھے مدد کے لئے پکارا ہے ---- تیری اجازت ہو تو جاؤں ----" ------ یہ زینبؑ کا کارنامہ ہے۔

اللہ ہمیں مودت محمدؐ وآل محمدؐ عطا فرمائے۔ بحق محمدؐ وآل محمدؐ

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"۔

~ ۰:۰ ~

"لاریب" کتاب کا ------------------

"مفسر" وہی ہوگا ------------ جو

"لاعیب" ہوگا ------------------

(خطیب آلِ محمدؐ)

محبّت

(حبیب ابنِ مظاہر رضؑ)

"خداوند عالم کی حمد وثناء کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود وسلام"

حضرات گرامی!

دنیا میں سب سے بڑی کشش کی شے کونسی ہے۔ جو انسان کا دل کھینچتی ہے۔ جو انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ تو وہ ہے ہی "محبت" ـــــ اگر محبت ختم ہو جائے تو یہ دنیا ہی ختم ہو جائے ـــــ دنیا قائم ہی محبت کے بل بوتے پر ہے ـــــــــ۔

مولوی صاحبان! قرآن پڑھ پڑھ کے ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ "قیامت کا دن جو ہوگا۔ اس دن بھائی سے بھائی بچتا ہوگا ـــ بیٹا باپ سے بچتا ہوگا ـــ اور باپ بیٹے سے اور عزیز عزیز سے نفرت کرے گا اور ایک دوسرے سے بھاگیں گے ـــــــــ" اس سے میں یہ سمجھا ہوں۔ کہ اُس دن "محبت" نہیں رہے گی۔ لہٰذا اس محبت نہ ہونے کے معنی قیامت ہے ـــــ جس دن محبت نہیں ہوگی ـــ کیا بتاؤں ـــ کیا ہوگا ـــ ؟ بس قیامت ہوگی ـــ

اور "محبت" کا ایک ایسا عظیم رشتہ ہے۔ جو انسانوں تک ہی محدود نہیں ـــــ دنیا کی ہر شے میں اس کی حیثیت کے مطابق "محبت" ہے ـــ پتھر میں بھی محبت ہے ـــ نباتات میں بھی محبت ہے ـــ حیوانوں میں بھی محبت ہے ـــ اور انسانوں میں بھی محبت ہے ـــ آپ یہ نہ سمجھیں۔ کہ پتھر کوئی ناسمجھ شے ہے ـــ پتھر بھی سمجھدار ہے ـــ اُسے

بھی محبت ہے ـــــ پتھر میں بھی جان ہے ۔ زندگی ہے ۔ حیات ہے ـــــ اگر پتھر میں جان نہ ہوتی ـــــ تو پھر پتھر کو مار کر اُسے کشتہ نہ کہتے ـــــ لفظ "کشتہ" ـــــ اس بات کی دلیل ہے ـــــ کہ "زندہ تھا ـــــ اب کشتہ ہوا ـــــ" بہر نوع پتھر میں بھی زندگی ہے ۔ پتھر میں بھی محبت ہے ۔

جب کوئی پتھر معدن کے اندر کچھ اور بننا چاہتا ہے ـــــ فیروزہ، عقیق، ہیرا یا کوئی اور شے ۔ تو آس پاس کے ذرّے اُسے چمٹے رہتے ہیں ـــــ اور وہ ہیرا بنا رہتا ہے ـــــ اور جن "ذرّوں" میں اس "ہیرا" کے ساتھ "ہیرا" بننے کی "صلاحیت" ہے ـــــ وہ ہر حالت میں اس کے ساتھ "وابستہ" رہتے ہیں ـــــ اور جن ذرّوں میں ہیرا بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی ـــــ وہ چمٹے تو رہتے ہیں اُس کے ساتھ ـــــ مگر ذرا سی حرکت ہوئی تو ـــــ وہ گئے

اسی طرح درختوں کی حالت ہے جناب!

درختوں کو بھی محبت ہے ـــــ نفرت بھی ہے ـــــ آپ دیکھتے ہیں ـــــ کیسے ہرے بھرے سرسبز و شاداب درخت ہیں ـــــ ان کے پتے، شاخیں، پھول، پھل کتنے اچھے ہیں ـــــ ان میں زندگی ہے ـــــ حیات ہے ـــــ مگر ان کو زندگی بخشتی ہیں ان کی وہ شاخیں جو زمین کے اندر غائب ہیں ـــــ اگر درخت کا تعلق ان شاخوں سے منقطع ہو جائے ۔ جو زمین کے اندر شاخیں ہیں ـــــ تو درخت ختم ہو جائے ۔

گویا باہر کا حصہ زندہ ہے اس کی بدولت جو زمین میں غائب ہے ـــــ اگر اس غائب سے سلسلہ منقطع ہو جائے ۔ تو یہ درخت بھی مردہ ہو جائے ـــــ

اب جو شاخیں زمین میں ہیں ۔ وہ بڑی نرم و نازک ہیں ـــــ

"تلاشِ غذا میں چلتی ہیں زمین میں ——— جب تک نرم زمین ملتی رہتی ہے ——— وہ چلتی رہتی ہیں ——— اگر کوئی پتھر سامنے آگیا ——— فوراً ہیں سے منہ موڑ لیا ——— لہٰذا ان میں بھی نفرت و محبت "کا مادہ موجود ہے ——— جو شے پسند ہے "سبحان اللہ!" ——— اور جو ناپسند ہے ——— "چھوڑ بھی ——— دفعہ کرو ——— جانے دو ———" —

بہر نوع درختوں میں بھی محبت و نفرت کا مادہ موجود ہے ——

اور حیوان کی نفرت و محبت تو ظاہر ہی ہے ——— اگر آپ اس کے سامنے اچھا سا چارہ رکھ دیں ——— تو کیسے چار کے کھائے گا ——— اور اگر لکڑی لیکر مارنے کو جائیں ——— وہ بھاگ جائے گا" ——— بچتا بھی ہے ——— محبت بھی کرتا ہے

پھر لطف یہ ہے۔ کہ حیوان میں حیوانیت کے باوجود ——— انسان سے خصوصیت ہے۔ کہ لوگ اس کے ہمدرد بڑے ہو جاتے ہیں۔ حیوان سے لوگوں کو ہمدردی بڑی ہو جاتی ہے ——— حالانکہ اتنی ہمدردی انسان سے نہیں ہوتی ——— جتنی حیوان سے ہوتی ہے ———

• سامعین!

اگر میں کسی کی غذا، کسی کی شے، اس کی مرضی کے بغیر کھاؤں ——— تو عمر بھر بے ایمان کہلاؤں ——— مگر آپ کا گھوڑا، آپ کی بکری، آپ کا جانور، میرے جانور کی گھاس کھا گیا ——— سارا چارہ کھا گیا بغیر اجازت کے ——— اب میں اُسے مارنے لگا ——— تو دیکھنے والے اس کے حمائتی بن گئے ———

"زیدی صاحب!

جانے بھی دو ——— حیوان ہے "بیچارہ" ——— لو سارا چارہ کھا گیا ——— پھر بھی بیچارہ ساری گھاس کھا گیا ——— پھر بھی بیچارہ۔ پورا باغ کھا گیا ——— پھر بھی بیچارہ۔

.بہر نوع . لوگ ایسے حیوان کے حامی بن جاتے ہیں ـــــــ لہذا حیوان میں بھی
"نفرت و محبت" کا مادہ ہوتا ہے ـــــــ

اور انسان کی زندگی کا تو دارومدار ہی "محبت" پر ہے ـــ اسے محبت بھی ہے
اور نفرت بھی ہے ـــــ یہ چاہتا بھی ہے ـــ بچتا بھی ہے ـــ محبت نہ کرنا بھی
خلافِ فطرت ہے ـــ محبت کرنا بھی فطرت ہے ـــــ

سامعین!

"محبت" خود "نفرت" کی خالق ہے ـــ جب کسی سے آپ
کو "محبت" ہو جائے گی ـــ تو خود بخود اس کے مخالف سے
"نفرت" ہو جائے گی ـــ لہذا محبت خود خالقِ نفرت ہے ـــ
ـــــ مگر شرط یہ ہے ـــ کہ ہو "محبت" ـــــــ

مصیبت یہ بن گئی ہے ـــ کہ آج کل کے زمانے میں ـــ جس میں ہم ہیں ـــ اس میں
محبت ہے ہی نہیں ـــــ بلکہ "محبت نامی" ـــ ایک شے ہے ـــ جس طرح گھی کی جگہ
گھی نامی چیز بکتی ہے ـ ـ ـ ـ ـ دودھ کی جگہ دودھ نامی شے بکتی ہے ـــــ اسی
طرح محبت نہیں ـــ محبت جیسی ایک شے ہے ـــ جس کا نام لوگوں نے "محبت" رکھ لیا ہے ـــــ

میں بیٹھا ہوا تھا اپنے کمرے میں ـــــ اُدھر سے ایک صاحب ملنے
آئے ـــــ دور سے میں نے انہیں دیکھا کہ وہ آ رہے ہیں ـ

میں نے کہا

"لاحول واللہ ـــ" یہ بلا ـ اب کہاں سے آ گئی ہے ـــ
خواہ مخواہ کو میرا سر کھائے گا ـــ اسے چائے پلانا پڑے گی ـــ"

اور میں نے بہت سی برائیاں کیں ـ

اور جب وہ حضرت آ گئے کمرے میں بالکل قریب ـــ تو میں

فوراً کھڑا ہو گیا

"بسم اللہ تشریف لایئے ۔۔۔ آنکھیں ترس گئیں آپ کے

دیکھنے کو ۔۔۔ بڑی خوشی ہوئی ہے ۔۔۔ "

اس "نفاق" کے معنی لوگوں نے "محبت" رکھ لیا ۔۔۔ حالانکہ ہے یہ "نفاق" ۔۔۔

مگر اس کے معنی ہیں "محبت" ۔۔۔ "جناب! بڑا اخلاق ہے ۔۔۔" ۔۔۔ یہ "نفاق"

ہے ۔۔۔ جس کو لوگ "محبت" کہتے ہیں۔

بعض اوقات دھوکا بھی لگ جاتا ہے آدمی کو ۔۔۔ محبت نہیں ہوتی ۔۔۔ مگر سمجھ بیٹھتا

ہے کہ محبت ہے ۔۔۔ حالانکہ محبت نہیں ہوتی ۔۔۔ نسلیں گذر جاتی ہیں آدمی کی ۔۔۔

مگر وہ دھوکا ختم ہی نہیں ہوتا ۔۔۔ جس طرح ہمارے شاعروں کی نسلیں گذر

گئیں ۔۔۔ اور وہ آج تک اسی دھوکا میں مبتلا ہیں ۔۔۔ کہ "پروانے کو شمع سے

محبت ہے ۔۔۔" یہ نرا دھوکا ہے۔ اور کچھ بھی نہیں ۔۔۔ دیوان کے دیوان بھر دیئے

انہوں نے ۔۔۔ ہزاروں، لاکھوں شعر لکھ دیئے انہوں نے اس مضمون پہ ۔۔۔ کہ وہ جو

پروانہ ہوتا ہے نا ۔۔۔ جانور، پتنگا سا ۔۔۔ "اسے شمع سے محبت ہے ۔۔۔" "وہ

شمع پہ عاشق ہے ۔۔۔"

اب اُن سے کوئی پوچھے

"پروانے نے تمہیں کہا تھا ۔۔۔ "مجھے محبت ہے شمع سے ۔۔۔"!

اس نے تم سے مشورہ لیا تھا ۔۔۔ "مجھے شمع سے محبت ہے ۔۔۔" ۔۔۔

تم کیسے سمجھے محبت ہے ۔۔۔؟

"کہ ہم نے شمع کے قریب بیٹھا دیکھ کے یہ سمجھ لیا ۔۔۔ کہ

پروانے کو شمع سے محبت ہے ۔۔۔"

تو میں عرض کرتا ہوں

"شاعرو!

قریب سے ہونا اور بات ہے ـــــ محبت ہونا اور
بات ہے ـــــ"

کوئی شمع نے انہیں چیٹھی لکھی تھی کہ ـــــ آجاؤ ـــــ"

کوئی شمع نے آدمی بھیجا تھا ـــ کہ ـــ آجاؤ ـــــ"

شمع یہاں روشن ہوئی ـــــ وہ خود آ گئے ـــــ شمع کا یہ اخلاق تھا ـــــ کہ
اُس نے جھڑکا نہیں ـــــ بہرنوع وہ آ گئے ـــــ اور آ کے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے
ـــــ اب اُس کے گرد اکٹھے ہونے سے آپ سمجھے محبت ہے ـــــ اور آپ کو دھوکا
لگنے کا سبب یہ ہوا ـــــ کہ شمع یہاں روشن تھی ـــــ پروانے بھی یہیں موجود تھے ـــــ
اب شمع ہم اُٹھا کر یہاں سے کہیں اور لے گئے ـــــ تو وہ بھی ساتھ ہی "ہجرت" کر کے
چلے گئے ـــــ اس سے ہمیں یہ دھوکا ہوا ـــــ کہ انہیں بڑی محبت ہے ـــــ

حالانکہ ایمان سے پروانہ جلتا ہے شمع سے ـــــ اور جلنے کے بعد نقد
کرتا ہے ـــــ کہ شمع وہیں روشن ہے ـــــ اور اس کی مدنیت"

کوئی "دائیں" پڑی ہے ـــــ کوئی "بائیں" پڑی ہے۔

اب ان شاعروں کو کون سمجھائے ـــــ اور اگر میں سمجھاؤں بھی تو میری بات ان کی
سمجھ میں کہاں آئے گی ـــــ سینکڑوں برس کی دماغ میں بیٹھی ہوئی بات ـــ میرے کہنے
سے تھوڑا نکل سکتی ہے۔

بھائی شاعرو! عزیزو!

تمہارا غلط خیال ہے ـــــ

کہ پروانے کو شمع سے محبت ہے ـــــ"

بالکل محبت نہیں ہے ـــــ اُسے بڑی سخت عداوت ہے شمع

ہے ـــــ پروانہ تو عاشق ہے اندھیرے کا۔ اُسے تو محبت ہے اندھیرے سے ـــــــــــ ـــــ اور شمع چونکہ اس کے محبوب کو، اندھیرے کو فنا کرتی ہے ـــ یہ نامراد اُس سے لڑنے آجاتا ہے ـــــ اندھیرے کی حمایت میں شمع سے لڑنے آجاتا ہے ـــــ

تمہیں کیا خبر۔ کہ اس کی نیت کیا ہے ـــــــــــ؟

تمہیں کیا خبر۔ کہ اس کے دل میں کیا ہے ـــــــــ؟

اگر تمہیں اس کی نیت کا، دل کا پتہ چل جائے ـــــــــ تو پھر پتہ چلے کہ حقیقت کیا ہے ـــــــ

اب یہ سارے اکٹھے ہو کے کہتے ہیں

مدزیدی صاحب!

آپ بحیثیت مولوی، ہم پہ رُعب ڈال رہے ہیں ـ ـــ کہ مدمیری بات مان لو ـــ،، ـــــ یہ بھی کوئی قرآن وحدیث ہے۔ جو ہم مان لیں ــــ یہ تو شاعری کی بات ہے ـــــ اس معاملے میں مولوی کو کیا دخل ـــــــ مولوی اور شاعر تو ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں ــــــ یہ تو ہمارا مسئلہ ہے۔ ہم بہتر جانتے ہیں ـــــ،،

بھائیو!

تم بہتر جانتے ہو گے ــــــــ مگر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ـــــ کہ درشمع سے پروانے کو محبت ہے ـــــــ،،

اور میرے پاس دلیل ہے ـــ کہ «پروانے کو شمع سے نفرت ہے ـــ،،

دلیل میری سُن لو —— اس کی تردید نہ کر دو —— تو میں قائل ہو جاؤں گا ——

شمع روشن ہے —— پروانہ نثار ہے —— قربان ہے —— موجود ہے —— اور جب بجھ گئی —— پھر گھر چلا گیا ——

اگر محبت ہوتی —— تو میت چھوڑ کر چلا نہ جاتا —— عمر بھر قربان رہتا —— اور میت چھوڑ کے چلے جانا —— یہ کوئی محبت کی باتیں ہیں ——

مگر اب آپ لوگ کہتے جو ہیں —— کہ "محبت ہے" —— اتنے کہنے والوں کی بات کو کون ٹال سکتا ہے —— ہزاروں آدمی مل کے جو کہہ رہے ہیں —— اب اس بات کو کون روک سکتا ہے —— اور یہ شاعر صاحبان! مجھے گھور رہے ہیں کہ

"دلیل سے تو ہم قائل ہو گئے —— مگر باہر نکل —— پھر پوچھتے ہیں ——"

اس بات کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے —— محض اپنی تعداد زیادہ ہونے پر اکڑتے ہیں —— اور مجھے تنہا سمجھ کر ڈرا لیتے ہیں ——

بہر نوع —— شمع سے پروانے کو بالکل محبت نہیں ہے ——

سامعین!

محبت چیز ہی اور ہے —— محبت شے ہی اور ہے —— محبت کا انداز ہی اور ہے —— "محبت" ایک ایسی شے ہے جو بیان نہیں ہو سکتی —— یہ ذوق کی شے

ہے ـــــ محبت بیان نہیں ہو سکتی ـــــــــــــــــــــــ اور

"محبت" وہی جانتا ہے ـ جس سے اس کا واسطہ پڑا ہو ـــــ کہ اس میں کیا لطف ہے ـــ؟

ـ محبت میں جو دیوانگی ہے ـــ اس پر شاہیں قربان ہو جاتی ہیں ـــــ محبت میں جو دیوانے کو لطف آتا ہے ـــــ وہ شاہی میں لطف نہیں آتا ـــــ

میرے محترم سامعین!

اگر دنیا میں اصلی، واقعی اور حقیقی "محبت" کی مثال ہے ـــ تو وہ ایک اور صرف ایک محبت ہے ـ اور وہ ہے "ماں کی محبت" ـــــ "ماں" جو بیٹے سے "محبت" کرتی ہے ـــــ وہ ہے "واقعی" اور "حقیقی" محبت ـــــــ بس اس سے بہتر محبت کوئی دنیا میں ہے ہی نہیں ـــــ

بچو! آپ کو یاد ہوگا ـــــ کہ جب تم دوسری تیسری کلاس میں پڑھتے تھے ـــــ اس وقت ایک کہانی پڑھی تھی ـــ "ماں کی محبت" سے متعلق ـــــــ

ایک بچہ تھا ـــــ اس پہ دو عورتوں کا جھگڑا ہو گیا ـــــ ایک کہے ـــ "میرا بچہ ہے ـــ" ـ ایک کہے "میرا بچہ ہے ـــ" دو عورتیں ایک بچے کی ماں ہونے کی مدعی ہو گئیں ـــ ـــــ حاکم کے سامنے جب فیصلے کے لئے گئیں ـــ اور حاکم تھا کوئی بڑا ہی قابل انسان ـــــ اس نے فیصلہ یہ کیا ـــ کہ

"بچے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا بانٹ دو ـــــ"

اب جو جھوٹی ماں تھی ـــــ وہ تو راضی ہو گئی ـــــ اور جو سچی ماں تھی اُس نے کہا

"نا ـــ یہ بچہ میرا نہیں ہے ـــــ اسی کو دے دیں ـ"

اس بچے کو کچھ نہ کہیں ـــــــ"

حضور والا!

یہ ہے "ماں کی محبت" کی ایک مثال ـــ اس سے پتہ یہ چلتا ہے ـــــــ کہ جب چیز ہو ایک ـــــ اور اس کے دعویدار ہوں دو ـــ ایک ہو جھوٹا ـــ ایک ہو سچا ـــــ اور اگر اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہو جائے ـــــ تو سچا گھر بیٹھ جاتا ہے

میرے محترم بزرگو!

مصیبت کے وقت انسان کے کام نہ پیسہ آتا ہے ـــ نہ کوئی اور شے آتی ہے اگر مصیبت میں کوئی شے یاد آتی ہے تو وہ صرف "محبت" ہے ـــ محبت ہی کام آتی ہے ـــ اگر بڑے بڑے بزرگانِ دین اور انبیاءِ کرام نے بھی کوئی مطالبہ کیا ہے ـــــ تو وہ "محبت" ہے ـــــ وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ "محبت" ہو۔

دیکھو نا!

سینکڑوں کی تعداد میں آدمی کربلا میں حسینؑ کے ساتھ آ رہے تھے ـــــ اور ہر منزل پر حسینؑ! اُن سے کہہ رہے تھے ـــــ

"بھائیو!

میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں ـــــ کوئی مُلک فتح کرنے نہیں جا رہا ہوں ـــــ کوئی مالِ غنیمت نہیں ملے گا ـــــــ میں مرنے جا رہا ہوں ـــــ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا ـــــ میرا گھر لُٹ جائے گا ـــــ میرے بچے ذبح ہو جائیں گے ـــــ ہمیں قبر نہیں ملے گی ـــ ہمیں کفن نہیں ملے گا ـــ جو میرے ساتھ ہوں گے ـــ ان پر بھی یہی گذرے گی ـــــ تم واپس چلے جاؤ ـــــ"

چنانچہ ـــــ بڑے اچھے اچھے لڑنے والے جوان، واپس چلے گئے ـــــ اور جاتے جاتے چھوٹ کے صرف بہتّر رہ گئے ـــــ اب چونکہ امامؑ نہیں چاہتے تھے۔ اُن کی ضرورت نہیں تھی ـــــ اس لیئے انہیں رُخصت کر دیا ـــــ اس لیئے کہ انہیں محبت نہیں تھی ـــــ ساتھ تو ہو لیئے تھے ـــــ مگر محبت نہیں تھی ـــــ اس لئے اُن ساتھ آنیوں کو رُخصت کر دیا ـــــ اور جس سے محبّت تھی ـــــ اُسے گھر بیٹھے کو خط بھیج کر بُلا لیا ـــــ

ورنہ بتایئے ـــــ

اگر ضرورت تھی ـــــ تو انہیں کیوں جانے دیا ـــــ اور اگر ضرورت نہیں تھی ـــــ تو اُس بوڑھے آدمی کو کیوں بُلایا؟ ـــــ مگر حسینؑ! خود لکھ رہے ہیں ـــــ اور خط کی صرف دو سطریں لکھیں ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے ـ ـ ـ کہ اُس وقت بہت ہی پریشانی کا عالم ہوگا ـــــ اس لیے طویل خط نہیں لکھ سکے ـ ـ بڑی پریشانی کے عالم میں مختصر سا خط لکھا ـــــ اور خط کی عبارت کیا تھی

"بھائی حبیبؓ!

یا اخی حبیبؓ!"

حبیبؓ کا دل تو "بھائی" کا لفظ پڑھ کے ایک دم الٹ پلٹ ہو گیا ـــــ

"حسینؑ! ـــــ اور مجھے بھائی کہے ـــــ"

"بھائی حبیبؓ!

میں تمہارے علاقے میں آ گیا ہوں ـــــ بڑی سخت مصیبت میں پھنس گیا ہوں ـــــ اگر مناسب سمجھو ـــــ تو میری مدد کو آؤ ـــــ

اور آخری "فقرہ" جس نے حبیبؓ کے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے ـــــ وہ یہ تھا۔

"حبیبؓ !

میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا ـــــ مگر مجبوری یہ بن گئی ہے کہ

میرے ساتھ زینبؑ بھی ہے ـــــ"

بہرنوع۔ مولاؑ نے خط لکھا ـــــ اور حبیبؓ آ گئے ـــــ پھر حسینؑ کی

چھوٹی سی فوج کی رُوح بن گیا ـــــ حبیبؓ روح تھا حسینؑ کی چھوٹی سی فوج کا ـــ

اور مَیں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں ـــ کہ بی بی زینبؑ کو حبیبؓ سے اتنی

محبّت تھی ـــ اپنے بھائی کے دوست سے ـــ بی بی کو اتنا اعتماد تھا حبیبؓ پر ـــ کہ

جب شام عاشور خیمے جلنے لگے ـــــ اور زینبؑ پریشان ہوئی ہے ـــــ تو

بی بی نے پریشان ہو کے حسینؑ کو نہیں پکارا ـــ عباسؑ کو نہیں پکارا ـــــــــ

ایک دم گھبرا کے فرماتی ہیں

"بھائی حبیبؓ !

آؤ نا ـــ دیکھو !

ـــ مجھ پہ کیا گذری ـــــ"

اور بزرگانِ من !

جب قافلۂ آلِ محمدؐ کوفے میں داخل ہوا ـــ آگے آگے مہار پکڑے ہوئے امام

زین العابدینؑ چلتے چلتے ٹھہر گئے ـــــ وہ ٹھہرے تو ناقہ ٹھہرا ـــــ اور

جب ناقہ ٹھہرا ـــ تو اُس پر سوار بی بی نے یہ سمجھا ـــ کہ شاید بھتیجے کو کوئی تکلیف ہو گئی

ہے ـــ گھبرا کے پوچھتی ہیں

"بیٹا۔ زین العابدینؑ ! ـــ کیا بات ہے ـــ ؟"

امامؑ فرماتے ہیں

"اماں ـــ کچھ نہیں ـــــ"

اب بی بی پوچھتی ہیں

"بیٹا! یہ بچہ کون ہے تمہارے ساتھ ——— ؟"

تو امامؑ نے فرمایا

"اماں ——— یہ چچا حبیبؓ کا بیٹا ہے ——— ہم حبیبؓ کے محلے سے گذر رہے ہیں ———"

وہیں سے بی بی نے آواز دی

"حبیبؓ کے بچے!

میرے بھتیجے! برخوردار!

اماں کہاں ہے ——— ؟"

میں اُسے حبیبؓ کا پُرسا دوں گی ———"

سامنے ایک مکان کے چھجے سے آواز آئی

"بی بی! صبح سے تیرے استقبال کے لئے بیٹھی ہوں ———"

حضور والا!

یہ سب محبت کے کرشمے ہیں ——— آج کربلائے مُعلّیٰ جا کے دیکھو ———

گنجِ شہیداں ایک طرف ہے ——— اور حبیبؓ کی ضریح ایک طرف ہے ———

"روضۂ حبیبؓ" حرم کے برآمدے میں ہے ——— بالکل یُوں معلوم ہوتا ہے کہ حسینیؑ سرکار کا پرائیویٹ سیکرٹری ہے ——— اس سے اجازت لو ——— تو اندر جاؤ ——— اور حبیبؓ خاندانِ "بنی اسد" سے تھے ——— اور یہ "بنی اسد" وہ ہیں ——— جنہوں نے سید الشہداء کو دفن کیا تھا ——— اب بھی ہر سال تیسری محرم کرتے ہیں اُسی طرح ——— جس طرح جب آئے تھے دفن کرنے ——— اور جب وہ صحن میں آکر مٹی ڈال کے مولاؑ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں ——— تو ان کا شیخ آتا ہے

حرم میں حبیبؓ کی "ضریح" پر ــــ اور وہ حبیبؓ کی ضریح پکڑ کے کہتا ہے

حبیبؓ! ہم تیرے شکر گذار ہیں ـــــ"

حبیبؓ! قیامت تک تُو نے ہماری آبرو رکھ لی ـــــ"

حبیب! تیری وجہ سے تیرے خاندان کی عزت بن گئی ـــــ"

خداوند عالم اپنے فضل و کرم سے میرے، آپ کے دل میں "مودت آلِ محمدؐ" پیدا کرے ــ

اے آلِ محمدؐ! ـــــ ہم تمہیں گواہ کرتے ہیں ـــــ

اگر محبت کے امتحان میں ہم پورے نہیں اترتے تو اتنا دعویٰ ضرور ہے ــ کہ تمہارے دشمنوں

سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے ـــــ اب تمہاری مرضی ہے ــ جدھر چاہو لے جاؤ ــــ

ہم گنہگار ہیں ــ بہت زیادہ گنہگار ہیں ـــــ مگر شریف اور اچھے غلاموں کو اپنا کہنا ـــــ تو

ہر آقا کا کام ہے ـــــ تمہاری شان تو یہی ہے ــ کہ ہم جیسے گنہگاروں اور ذلیلوں کو

"اپنا کہدو ـــــ اللہ ہمیں مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے ــ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ اللھم صل علی محمد و آلِ محمد)

ـــ ـ ـ ـــ

شمع ـــ جلتی ہے ـــــ پتنگا موجود ہے

ـــ جب ـــ

ـــــ بجھ گئی ــــ تو ــ گھر چلا گیا

ـــــ اگر ـــــ

محبت ہوتی ـــــ تو ــ میت چھوڑ کر چلا نہ جاتا

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

اصطفا

ELECTION AND SELECTION

(آمدِ حُرِّ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"خداوند جلّ جلالہٗ وعمّ اسمہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود وسلام"

حضرات محترم!

خداوند عالم اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت اپنے کام کے لئے جس بندے کو موزوں سمجھتا ہے اُسے چُن لیتا ہے ـــــ اللہ نے اپنے اس چُننے کی فہرست کو یوں بیان کیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ"

اللہ نے آدمؑ کو چُنا۔ پھر نوحؑ کو چُنا ـــــ جس وقت آدمؑ چُنے گئے۔ اُس وقت آدمؑ کے علاوہ جو مخلوق تھی۔ وہ چُنے ہوؤں سے باہر تھی ـــــ جب نوحؑ کو چُن لیا۔ اُس وقت نوحؑ کے علاوہ جو مخلوق تھی۔ وہ چُنے ہوؤں سے باہر تھی ـــــ پھر یہ چناؤ کا سلسلہ وسیع ہوا ـــــ پھر "فرد" نہیں چُنے گئے بلکہ ابراہیمؑ کی پوری "آل" کو چُن لیا۔ ـــــ اس کے بعد آلِ ابراہیمؑ میں سے "آلِ عمرانؑ" کو چُن لیا ـــــ اس طرح اللہ اپنے کام کے لئے بندوں میں سے "بندے" چُن لیتا ہے ـــــ اور یہ کبھی ہو سکتا ہی نہیں کہ خدا کا چناؤ غلط ہو جائے ـــــ وہ جس کام کے لئے جس بندے کو چُنتا ہے۔ وہ یقیناً اُس کام کے لئے موزوں اور صحیح ہوتا ہے۔ کیا مجال جو اُس میں کوئی غلطی ہو جائے۔

اللہ نے آدمؑ کو خلافت کے لئے چُنا۔

کہا تھا فرشتوں نے ـــــــ "یہ خون ریزی کرے گا ـــــــ یہ فساد کرے گا ـــــــ

آپ حضرات بزرگ بیٹھے ہیں ـــــــ آپ بتائیں ایمان سے ـــــــ فرشتوں کی یہ کہی ہوئی بات اولادِ آدمؑ نے سو فی صدی صحیح ثابت کردکھائی یا نہیں۔ خون ریزی و فساد والی بات فرشتوں کی سچی ثابت ہوئی یا نہیں ـــــــ اس زمین کو فتنہ و فساد سے اولادِ آدم نے بھر دیا۔ یا نہیں؟

بے چارے کوئی غلط تو نہیں کہہ رہے تھے۔ ٹھیک کہہ رہے تھے ـــــــ مگر بڑے کی بات تھی۔ انہیں یہ نہیں کہا اللہ نے کہ "تم غلط کہتے ہو" وہ فساد نہیں کرے گا ـــــــ خون ریزی نہیں کرے گا ـــــــ، بلکہ انہیں اسی طرح جھڑک دیا۔ جس طرح چھوٹوں کو بڑے جھڑکتے ہیں۔ " اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۔

خبردار! کچھ نہیں کہنا تُم نے ـــــــ ہم بہتر جانتے ہیں ـــــــ"

وہ بے چارے چُپ ہو گئے ـــــــ مگر اُن کا خیال جو تھا۔ وہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔

اب فرشتے جو یہ کہہ رہے تھے ـــــــ اُن سے پوچھو ـــــــ

" فرشتو! تمہیں کیا خبر۔ یہ خون ریزی کرے گا۔

تمہیں کیا خبر ـــــــ "فساد" کرے گا ـــــــ کیا تم ـــــــ "عالم غیب" ہو ـــــــ؟

فرشتے جواب دیتے ہیں۔

"جناب ـــــــ غیب کا علم تو ہمارے فرشتوں کو بھی نہیں"

"پھر تم نے کیسے سمجھ لیا ـــــــ؟"

فرشتے بولے "حضور! یہ تو سامنے کی بات تھی ــــــ اس میں غیب کی کیا بات تھی ــــــ ہمیں پتہ تھا کہ ــــــ

آدم کس طرح بن رہا ہے ــــــ اس کو بنتا دیکھتے ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ اس کا "بننا" جو ہے۔ یہ ہمیشہ "بنا" نہیں رہے گا۔ ضرور بگڑے گی بات ــــــ

سامعین! اللہ نے حکم دیا جبرئیلؑ کو۔ زمین سے مٹی لاؤ ــــــ جبرئیلؑ گئے حکمِ خدا سے مٹی اٹھانے ــــــ زمین سے مٹی اٹھائی ــــــ زمین پوچھ بیٹھی ــــــ

"قبلہ! کیا ارادہ ہے ــــــ مٹی کہاں لے جا رہے ہو ــــــ؟"

جبرئیلؑ نے جواب دیا

"اس سے اللہ کچھ بنانا چاہتا ہے ــــــ"

زمین نے کہا۔

"جانے بھی دو ــــــ کیوں خاکساروں کو بناتے ہو خواہ مخواہ کیلئے۔"

کچھ ایسا زمین گڑگڑائی۔ چلائی۔ فریاد کی ــــــ جبرئیلؑ کو ترس آگیا۔ چھوڑ دیا۔

چنانچہ اللہ نے میکائیلؑ کو بھیجا۔

"تم مٹی لاؤ۔"

میکائیلؑ نے آکے مٹی اٹھائی ــــــ زمین نے پھر پوچھا

"قبلہ! کہاں لے جا رہے ہو ــــــ؟" میکائیلؑ نے کہا۔

"اس سے اللہ کچھ بنائے گا ــــــ"

مٹی نے پھر فریاد کی۔ "چھوڑ دو ــــــ جانے دو ــــــ میرا خاک بنے گا ــــــ"

چنانچہ میکائیلؑ کو بھی ترس آگیا ــــــ پھر وہ آئے تیسرے فرشتے اسرافیلؑ۔

انہوں نے کہیں سے مٹی اٹھائی۔ زمین پھر روئی چیخی، چلائی ــــــ پھر وہ چھوڑ گئے۔

آخر اللہ نے ملک الموت کو حکم دیا۔

"عزرائیلؑ! مٹی لاؤ ـــــــ"

عزرائیل نے آ کے مٹی اُٹھائی ـــــــ زمین بہت روئی ـــ بہت چیخی ـــــ بہت چلائی ـــــــ

ملک الموت نے کہا

"سُن زمین! وہ اور ہوں گے۔ جو کسی کے رونے سے ڈر ین گے ـــــــ اگر میں رونے سے ڈر جاؤں۔ تو میرا تو کام ہی نہ چلے۔ میں اس رونے کی پروا نہیں کرتا ـــــ"

چنانچہ وہ مٹی لے گئے ـــــــ اور ملک الموت کی لائی ہوئی مٹی سے آدمؑ بنے۔

میں کہتا ہوں ـــــ اچھا ہوا آدم زادو! تم جبرئیلؑ کی لائی ہوئی مٹی سے نہیں بنے ـــــ اچھا ہوا تم اور فرشتوں کی مٹی سے نہیں بنے ـــــ بھولے بھالے فرشتے تھے بیچارے ـــــ آئے ہوں گے ـــــ جہاں سے مٹی پر ہاتھ پڑا ہوگا۔ اُٹھالی ہوگی۔ مگر ملک الموت ایسا نہیں ہے۔ کہ جہاں سے جو شے ملے اُٹھالے ـــــ یہ جب کوئی شے لینے جاتا ہے ـــــ تو رُوح نکال کرلے آتا ہے۔ ویسے مٹی اُٹھاکر نہیں لے گیا۔ زمین کی پوری "رُوح" نکال کے لے گیا۔

پھر تو ع ملک الموت کی لائی ہوئی مٹی سے آدم بنے ـــــ اُدھر سے مٹی۔ ادھر سے "پانی" اس میں ملایا گیا ـــــ پھر اس مٹی کو "پانی" کے ساتھ خمیر کیا گیا ـــــ پھر اس میں "ہوا" شامل کی گئی ـــــ پھر اس میں "آگ" شامل کی گئی ـــــ فرشتے دیکھتے رہے بیٹھے ہوئے ـــــ اُس سے ایک دم آدمؑ تیار ہو گئے ـــــ تو فرشتوں نے کہا۔

"یہ ضرور خون ریزی کرے گا ـــــ اس لئے کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ یہ کن چار چیزوں سے بنا ہے ـــــ "آگ" اس میں ہے ـــــ "پانی" اس

یں ہے ـــــ "مٹی" اس میں ہے ـــــ "ہوا" اس میں ہے۔
ایسے چار کو ملا کر بنایا گیا ہے ـــــ نہ ان چاروں کی نسل ایک
ـــــ نہ مذہب ایک ـــــ نہ مزاج ایک ـــــ نہ طبیعت ایک
ـــــ کسی کا کوئی مزاج ـــــ کسی کا کوئی مزاج ـــــ کسی کا
کوئی خاندان۔ کسی کا کوئی خاندان ـــــ ایسے چار کب تک مل
کے رہیں گے۔ ضرور فساد ہوگا۔ ضرور جھگڑا ہوگا ـــــ وہ
فرشتے تو آدم کی اجزائے ترکیبی ہی دیکھ کر سمجھ گئے تھے ـــــ کہ
ایسے چاروں کو ملا کر کبھی اکٹھا نہیں کیا جا سکتا ـــــ ان میں ضرور
پھوٹ پڑے گی ـــــ

اب ہم سب ان چار کے بنے ہوئے ہیں ـــــ میں تو ان چار کے بنے ہوئے آپ
حضرات ـــــ مگر ایمان سے ایک بھی ہم سے یہ نہیں کہتا ـــــ کہ "میں تو "ہوائی" بندہ
ہوں۔ حالانکہ "ہوا" بھی موجود ہے۔" میں تو "آبی" بندہ ہوں ـــــ، حالانکہ "پانی" بھی
موجود ہے۔ اور "ناری" تو کون کہے گا ـــــ"

ویسے سب پوچھو ـــــ "بھئی خاکی بندہ ہوں ـــــ" باقی یاد ہی نہیں رہے ـــــ
ان کا نام بھی کبھی لیا کرو ـــــ ہوائی بھی کبھی بن جایا کرو ـــــ آبی بھی کبھی بن جایا کرو
ـــــ ناری بھی کبھی بن جایا کرو ـــــ ویسے لڑنے مرنے کو تیار ـــــ کہ نیا روں میں "
ویسے جب پوچھو۔ خاکی بندہ ہوں" بات کیا ہے حضور! ـــــ
ـــــ مٹی بھر دانے تھے ہمارے پاس ـــــ ہم نے وہ پانی میں پھینکے ـــــ
ـــــ تو گل گئے ـــــ ہوا میں پھینکے ـــــ تو اڑ گئے ـــــ آگ میں پھینکے
تو جل گئے ـــــ اور خاک میں ڈالے تو ایک کے سو ہو کے واپس آ گئے۔
ہم نے چاروں کو آزما کے دیکھ لیا ـــــ جو ہماری امانت واپس کرے اُسی کا نام لینا۔

—— باقی سے ہمارا کیا واسطہ —— "ہم تو خاکی بندے ہیں"۔

بہر نوع اللہ نے آدمؑ کو چُن لیا —— اس کے بعد نوحؑ کو چُن لیا —— پھر آلِ ابراہیمؑ کو چُن لیا —— پھر آلِ عمرانؑ کو چُن لیا —— جس کو جس کام کے لئے چُنا۔ بہترین چُنا۔ چُننے کے لئے عربی میں لفظ آتا ہے "اصطفیٰ" —— "اصطفیٰ" "اللہ نے چُن لیا" —— ایک عربی ہی کا لفظ ہے "انتخاب" اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں۔ —— مگر "انتخاب" میں اور "اصطفیٰ" میں فرق یہ ہے —— کہ "اصطفیٰ" کے معنیٰ ہیں "چُن لینا" —— اور "انتخاب" کے معنیٰ ہیں "چھانٹ لینا" —— "چھانٹ لو" —— یہ انتخاب ہے "چُن لو" —— یہ اصطفیٰ ہے۔ تو جس بندے کا "اصطفیٰ" ہوتا ہے وہ "چُنا" ہوا ہوتا ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں چُن لینا —— اور جس کا "انتخاب" ہوتا ہے —— وہ "چھٹا" ہوا ہوتا ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں "چھانٹ" لینا —— اگر بہت سے میں سے ایک چُننے —— "یہ اصطفیٰ ہے" —— اور انگریزی پڑھے لکھے حضرات بتاتے ہیں۔ کہ بہت سے چُنیں —— تو یہ الیکشن (   ) ہے —— اور ایک چُنے —— تو یہ سلیکشن (   ) ہے۔ —— بہر نوع "اصطفیٰ" کے معنیٰ ہیں (سلیکشن) —— اور "انتخاب" کے معنیٰ ہیں (الیکشن) تو اللہ الیکشن نہیں کرتا —— وہ سلیکشن کرتا ہے —— وہ چُن لیتا ہے —— جس کو چُن لیا۔ وہ اس کے لئے موزوں ثابت ہوا —— کیا مجال جو وہ غلط ہو جائے۔

بہر نوع اللہ نے تمام کائنات کی نبوت و رسالت کے لئے حضور مصطفیٰؐ کو چُن لیا۔ اور ایسا چُنا کہ نام کا جزو بنا دیا —— "مصطفیٰؐ" —— "یہ ہمارا چُنا ہوا بندہ ہے" —— "یہ کائنات کی رسالت کے لئے ہے" —— "یہ عالمین پہ حکومت کرنے کے لئے ہے" —— اسے چُن لیا —— اس کے بعد اس چُنے ہوئے کی پھیلائی ہوئی۔ لائی ہوئی ہدایت کو کون سنبھال سکتا ہے؟ —— اس کے لئے اللہ نے بندے چُن لئے۔

اب آپ "چوں چراں" کریں یا کچھ کریں ـــــ آپ کی "چونا چونی" کو اللہ

اپنے مقابلے میں نہیں سمجھتا ـــــ اُس نے چُن لیا جسے چُن لیا

اب آپ خود جانتے رہیں۔ آپ کی مرضی ـــــ محمدؐ کے بعد

اب یہ اُس کی ہدایت کو قائم رکھ سکتے ہیں ـــــ محمدؐ جو کچھ دائمی تو یہ

"چنا ہوا" کہے "بالکل ٹھیک ہے : ـــــ بالکل درست ہے ـــــ

بہر نوع یہ بندے بھی اللہ نے چُن لئے ـــــ

میرے محترم سامعین ! دیکھو نا ـــــ خدانخواستہ اگر کراچی پولیس آ کے مجھے یہ کہہ کے گرفتار

کرلے کہ "یہ بندہ جرائم پیشہ ہے" اور سارے کراچی والے اکٹھے ہوکر کہیں ـــــ

"صاحب غلط ہے ـــــ یہ تو بڑا نیک آدمی ہے ـــــ"

تو پولیس پوچھے گی "جناب ـــــ آپ کب سے واقف ہیں" ـــــ

اور آپ جواب دیں ـــــ

"جب سے کراچی آیا ہے ـــــ ہم اس کے ساتھ ہیں ـــــ ایک منٹ کو ساتھ نہیں چھوڑا

ہم نے ـــــ کراچی اسٹیشن سے جو ساتھ ہوئے ہیں ـــــ آج تک ساتھ ہیں" ـــــ

پولیس جواب میں کہے گی

"حضور ـــــ اس نے جرم کئے ہیں لاہور میں" ـــــ اب آپ چُپ ہیں ـــــ

لہٰذا ایسے آدمی جو یہاں آنے کے بعد ساتھ ہوئے ہوں ـــــ وہ کیا گواہی دیں گے ـــــ

گواہی تو اصل وہ دیگا جو وہیں سے ساتھ ہوا ہو۔ جہاں سے ہم آئے ہیں۔

اب ایسا گواہ تلاش کرو۔ جو کہے یہ حضور یہ غلط ہے۔ جہاں جہاں یہ تھا۔ وہیں وہیں میں

تھا ـــــ جہاں یہ تھا۔ وہاں میں تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں اس کی ـــــ میں شہادت دیتا

ہوں اس کی ـــــ ان باتوں کے لئے اللہ نے چُن لیا ـــــ تو اللہ چُن لیتا ہے

اور اُس کا چناؤ کبھی غلط ہو سکتا ہی نہیں ـــــ بہر نوع اللہ نے رسولؐ کے بعد بارہ انسان

پوچھ لیئے کر ——

"تم اس کام کے لیئے ہو۔ جو کچھ محمدؐ فرما گئے ہیں۔ اس پر خود عمل کر کے دنیا کے دماغوں میں بٹھا دو کہ حق یہ ہے"

اور دیکھو! "تم داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ کہ زبردستی ہر ایک کو اپنی بات منواؤ"

تم انہیں بتا دو کہ "حق یہ ہے" —— پھر سمجھ جائیں —— اور ان کا کام جانے —— انہیں جھگڑا کرنے دو —— انہیں لڑنے دو —— آپ ہی لڑ جھگڑ کے کسی محور پہ آجائیں گے ——

تم کیوں خواہ مخواہ کے لیئے کسی کے خلاف موافق ہو —— تم بڑے قیمتی ہو —— تم کوئی مفتی تھوڑا ہی ہو۔ جو فتوے دیتے پھرو —— پہلے آپ نمٹ لیں —— پھر خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔

انہیں اپنی اپنی بات کہنے دو۔ جو کچھ کہہ رہے ہیں"

اور آلِ محمدؐ خود آ کے عمل سے سمجھاتے رہے۔

"دیکھو بھئی! یوں کرنا ہے۔ اس طرح کرنا ہے —— نماز اس طرح پڑھنی ہے۔ روزہ اس طرح رکھنا ہے ——" اور ہم لوگ جو شاگرد تھے اُن کے ہم بھی بیٹھے سُنتے رہے —— اُنہوں نے نماز سکھائی۔ ہم سیکھتے رہے —— زبان سے تو وہی کہتے رہے جو وہ کہلوا رہے تھے۔

—— ویسے کہتے رہے "نہیں"

دیکھو! روزہ رکھنا ہے —— روزہ رکھ لیا —— پھر ہم نے کیا کیا —— دو تین منٹ رات سے پہلے —— کھول لیا ——

اللہ نے کہا! محمدؐ! تمہارا کام تھا صرف بتانا اور سمجھانا —— مگر یہ شریر طالب علم ہیں۔ انہوں نے وقت سے پہلے روزہ کھول دیا ہے —— انہیں ہمارے پاس بلاؤ۔ اور بیچ پہ کھڑا کر دو"

تین منٹ پہلے کھولنے کے جرمانے میں رات کو دو گھنٹے کھڑا رہنا پڑا —— اگر دو تین منٹ اور صبر کر لیتے تو رات آرام سے سوتے ——

بہ نوع محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیں سکھاتے رہے۔ اور ہم اُن کے سکھائے ہوئے کے مطابق عمل کرتے رہے

اور انہوں نے جس کو جس کام کے لئے چُنا۔ وہ اُس کے لئے موزوں ترین انسان ثابت ہُوا۔۔۔ جس بندے کو جس کام کے لئے چُن لیا۔ وہ ایسا موزوں ثابت ہوا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ پیدا ہی اسی کام کے لئے ہوا ہے۔۔۔ اس کی پیدائش کا مقصد ہی یہی ہے۔۔۔

بزرگانِ من! آرام اور راحت کے وقت اطمینان سے بیٹھ کر کسی کو کسی کام کے لئے چُن لینا اور بات ہے۔۔۔ اور انتہائی پریشانی کے عالم میں جبکہ حالت ایسی ہو۔ کہ اپنی اولاد کے انتہائی خوبصورت چہرے سامنے ہوں۔ اور یقین ہو جائے کہ کل یہ چہرے سامنے نہیں ہوں گے پھر گھر کی طرف نظر جائے۔ کہ میری پردہ دار عورتیں جن کی آواز گھر سے باہر آنا مجھے گوارا نہیں۔ ان کا یہ سارا پردہ صرف کل تک ہے۔۔۔ کل شام کو یہ پردہ نہیں رہے گا۔۔۔ اس پریشانی واضطراب کے عالم میں کسی کو چننا۔۔۔ اور وہ چناؤ غلط نہ ہو۔۔۔ یہ اللہ کے چنے ہوؤں کا کام ہے۔ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔۔۔ اگر خدا کے کسی اور بندے پر یہ عالم ہوتا۔۔۔ پہاڑ ہوتا تو پانی ہو کر بہہ جاتا۔۔۔ مگر یہ اللہ کے چنے ہوؤں کی بات ہے۔۔۔ ان تمام باتوں کے باوجود۔ کیا مجال کہ پیشانی پہ بل آجائے۔۔۔ کسی بات میں فرق آجائے۔۔۔ پوری شان واستقلال کے ساتھ موجود ہیں۔۔۔ کوئی پرواہ نہیں کسی بات کی۔۔۔ ذرا جھجکنا نہیں۔ گھبرانا نہیں۔۔۔ پریشان ہونا نہیں۔۔۔ اس عالم میں چناؤ ہو رہا ہے۔۔۔ اپنے تو چُنے ہی تھے۔۔۔ اب حسینؑ نے کہا۔

"آؤ۔۔۔ ایک نظر دشمن کی فوج پر بھی ڈال دیکھیں۔۔۔ شاید اس ٹڈی دَل میں کوئی ایسا ہو جو ہمارے قابل ہو۔ شاید ان کنکروں ڈھیر میں کوئی ایسا ہیرا ہو۔ جسے ہم چُن لیں"۔ حسینؑ نے اس مجمعِ عام پر ایک نظر ڈالی۔۔۔ اور نظر سے چُن لیا۔۔۔

"یہ ایک ہمارے قابل ہیرا"۔۔۔ جسے راستے میں ہم نے آب دی۔۔۔ جسے ہم نے آبدار بنایا تھا۔۔۔"

اربابِ ذوق! فقرہ میں کہتا ہوں سمجھ تم لینا۔۔۔

——جن کی تلواروں نے آلِ محمدؐ سے انصاف نہ کیا——اُن کے قلم کیا انصاف کریں گے۔ جو چاہیں لکھ دیں——لفظ کے بدلنے سے مطلب بدل جاتا ہے——جس طرح ہمارے سامنے یہ لکھ دیا کہ——

"حسینؑ نے (معاذ اللہ) ایک رات کی اُس فوج سے مُہلت مانگی تھی——"

حضرات! مہلت تو وہ مانگتا ہے جسے کوئی انتظام کرنا ہو——جس نے کہیں چلے جانا ہو——جس نے کہیں سے کمک منگوانی ہو——جس نے کہیں سے رسد منگوانی ہو——مگر حُسینؑ مہلت مانگ کر کیا کرتے——جو مرنا ہی ٹھہرا۔ تو کل کیا۔ اور آج کیا——

"حسینؑ نے تو مہلت نہیں مانگی تھی——یہ غلط لفظ "مانگی" کا لکھ دیا مورخین نے——بلکہ حسینؑ نے اُس فوج کو ایک رات کی مُہلت اور دی——تاکہ وہ سوچ سمجھ لیں۔ وہ کیا کر رہے ہیں——

حسینؑ نے مُہلت اپنے لئے نہیں مانگی تھی۔ بلکہ انہیں سوچنے سمجھنے کی ایک رات کی اور مہلت دی تھی۔

"دیکھ لو۔ غور کر لو——کیا کر رہے ہو۔ سوچ لو کیا کر رہے ہو——
کل تو تمہیں، مجھے، دونوں کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے——
دیکھو——میرے نانا کے سامنے جانا ہے تمہیں——میں تمہیں ایک رات کی اور مہلت دیتا ہوں——اور اس مہلت میں مَیں چُن لوں گا اُسے جو میرے قابل ہوگا۔"

لہٰذا مولاؑ نے ایک رات کی مہلت دی تھی——حسینؑ نے رات رات میں چُن لیا——اور چُنا بھی اُسے جو واقعہ کربلا کا بظاہر سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔

کیوں صاحبانِ بصیرت! واقعہ کربلا کا سب سے بڑا ذمہ دار وہی شخص نہیں ہے جو راستے میں قافلۂ اہلبیتؑ کو گھیر کر لے آیا——جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ جاکے ایک بے گھر قافلہ

کو لے آیا ـــــ وہ سب سے بڑا ذمہ دار ہے کہ نہیں ـــــ؟

ـــــ ظُلم کی ابتداء اُسی وقت نہیں ہو گئی تھی ـــــ جب ایک بے ضرر قافلہ راستے پر چلا جا رہا تھا۔ کسی سے لڑ نہیں رہا تھا۔ کوئی فوج کی تشکل نہیں تھی ـــــ معصوم بچے، معصوم عورتیں جا رہے ہیں آرام سے۔ ایسے بے ضرر قافلہ کو ہزاروں سواروں کے ساتھ آ کر گھیر لیا ـــــ ہو گئی نا ظلم کی ابتداء؟ ـــــ اور گھیر کے یہ کہنا۔

"ہم تمہیں گرفتار کرتے ہیں" ـــــ قبلہ کسی شریف سے کہہ کے دیکھو ـــــ بس اتنا ہی نہیں ہوا ـــــ بلکہ حُر کا بڑھ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لینا ـــــ اور یہ کہنا۔

"حسینؑ! میں نے آپؑ کو گرفتار کر لیا ہے ـــــ اب آپؑ میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے" اس بات کا تو خود حُر راوی ہے۔ کہ "جب میں نے حسینؑ کے گھوڑے کی باگ پر ہاتھ ڈالا ـــــ تو ہر محمل سے رونے کی آواز آئی"۔ ہو گئی نا ظلم کی ابتداء ـــــ یہی نہیں بلکہ اس بے ضرر قافلے کو گھیر کے کربلا لے آیا ـــــ اور نہر کے کنارے خیمے نہ لگنے دیئے۔ اسی حُر نے ابن زیادؒ کو چھٹی لکھی ـــــ کہ میں حسینؑ کو کربلا میں لے آیا ہوں ـــــ حُر کی اطلاع پر ہی فوجیں آنا شروع ہوئیں ـــــ ساتویں سے پانی بند ہے ـــــ حُر اسی فوج میں ہے ـــــ آٹھویں گذری۔ اُسی فوج میں ہے ـــــ نویں گذری۔ اُسی فوج میں ہے ـــــ بچوں کے "العطش" کی آوازیں سُن رہا ہے۔ وہیں بیٹھا ہوا ـــــ کتنا بڑا ذمہ دار ہے یہ شخص کربلا کے واقعہ کا۔

صاحبان! عاشور کی شب گذر گئی ـــــ اب امام کی نگاہِ انتخاب میں اتنے بڑے ذمہ دار شخص کا انتخاب ہے۔

مولا نے کہا "دیکھو بھئی ـــــ قیامت تک کے لئے فیصلہ ہو جائے کہ اگر بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر میرا کوئی آدمی مجھے چھوڑ کر اُدھر چلا جائے۔ تو میں چھوٹا ـــــ اور اگر تمام راحت اور عزت چھوڑ کر کوئی اِدھر بھوک پیاس کے لئے آ جائے ـــــ تو اس کا دنیا فیصلہ کرے گی کیا ہو گا ـــــ؟

بہرنوع۔ رات کو نگاہِ انتخاب پڑ گئی حُر اپنے خیمہ میں کل لڑنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔
آخر ایک فوج کا سردار ہے ___ اُسی تیاری کے دوران کان میں ایک آواز آگئی ___ کوئی
بی بی کہہ رہی تھی۔

"حُر! میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے ___ ؟"

حُر گھبرا گیا ___ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"یہ کس کی آواز ہے؟ ___ کس نے کہا ہے؟ ___ کون ہے؟ ___" یہ حُر کے
ضمیر کی آواز تھی ___ اُس نے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ اس ساری بات کا میں ذمہ دار ہوں" صبح ہوئی ___ حُر کا رنگ ہی بدلا
ہوا تھا ___ انداز ہی اور تھا۔ اپنے ہزار "رسالہ" کو لئے ہوئے امیر لشکر کے پاس آئے۔ اور کہا
عمر ابن سعد! ___ کیا لازماً لڑنا ہے حسینؑ سے ___؟"

کیا صلح کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی ___؟"

کیا یہ جنگ ٹل نہیں سکتی ___؟"

عمر سعد کہتا ہے۔

"حُر اب ایسا نہیں ہو سکتا ___ چونکہ حُسینؑ کو تو لایا ہے
لہٰذا "تیرا اول" بھی تو ہو ___ تیری طرف سے پہلا حملہ ہونا چاہئے۔"

حُر نے کہا ___ "عمرِ سعد ٹھہرو بات سُن ___ مجھے یہ احتمال نہیں تھا۔ کہ نوبت یہاں تک
پہنچ جائے گی ___ حسینؑ کو یہاں تک لانے کا میں ذمہ دار ہوں ___
مجھے خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہے ___ لہٰذا میں حُسینؑ کو
یہاں تک لانے کی معافی مانگنے جا رہا ہوں۔ ___ حُسینؑ مجھے
معاف کر دے گا ___"

عمر سعد کہتا ہے "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے ___ اتنا بڑا سنگین جرم اور معاف

ہوجائے ۔۔۔؟"

حُر کہتا ہے:-

"عمر! میں جن کے پاس جارہا ہوں - اُن کے رحم و کرم سے میں واقف ہوں ۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ وہ، مجھے معاف فرما دیں گے۔"

یہ کہہ کے حُر روانہ ہوگیا۔

ادھر سے حُر چلا ۔۔۔ اِدھر سے امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا۔

"دیکھتے ہو ۔۔۔ اُدھر سے کوئی آرہا ہے ۔"

امامؑ کے ساتھیوں نے عرض کی۔

"ہاں مولا! ہم دیکھ رہے ہیں ۔۔۔ کوئی تیزی سے گھوڑا دوڑاتے آرہا ہے ۔۔۔" اب امامؑ کے ساتھیوں نے تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ دیا ۔۔۔ تیر کمان والوں نے کمانوں میں تیر جوڑ لئے۔ سب امامؑ کے گرد اکٹھے ہوگئے ۔۔۔ سمجھے، دشمن کی فوج سے کوئی سپاہی آرہا ہے ۔۔۔ حبیبؓ و زہیرؓ جو نقیب تھے امامؑ کی چھوٹی سی فوج کے ۔۔۔ انہوں نے آواز دی۔

"سپاہیو! ہوشیار ۔۔۔ اولادِ رسولؐ میں سے کسی کے کوئی زخم نہ آنے پائے ۔۔۔" گویا تمام سپاہی تیار ہوکر کھڑے ہوگئے ۔۔۔ امامؑ نے حکم دیا۔

"دیکھو بھئی! میرے حکم کے بغیر کسی کا تیر نہ چل جائے ۔۔۔ کسی کا وار نہ چل جائے ۔۔۔ اسے آنے دو۔ جو آرہا ہے ۔"

اب سب کی نظریں اُسی گھوڑ سوار پر لگی ہوئی ہیں - جب وہ، اور قریب آیا - تمام حسینیؑ فوج نے دیکھا ۔۔۔ کہ وہ، اپنے گھوڑے سے اُترا ۔۔۔ گھوڑے کی باگ

ڈال دی اپنے کاندھے پہ ــــ اور ایک رومال اپنی جیب سے نکال کر اُس سے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لئے ــــ اور وہیں سے پکارا۔

"رحمتہ للعالمینؐ کے بیٹے!

کیا دنیا کا سب سے بڑا گنہگار، تیرے دربار میں آسکتا ہے۔؟

حُرؑ کا یہ کہنا تھا ــ کہ امامؑ نے فرمایا۔

"عباسؑ بھائی! تم میری فوج کو یہاں روک کے رکھو ــ میں خود اسے لینے جاتا ہوں ــ"

امامؑ، حُرؑ کے قریب آگئے ــــ اور حُرؑ نے کوئی تمہید نہیں اٹھائی۔ کوئی واسطے نہیں دیئے ــــ کوئی لمبی چوڑی گفتگو نہیں کی ــــ صرف اتنا کیا ــ کہ آتے ہی امامؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی ــــ اور رکاب پر سر رکھ کر کہتا ہے۔

"اَخْطَاْتُ یَا ابنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ"

اے رسولؐ کے بیٹے! مجھ سے قصور ہو گیا ہے ــ"

بس اتنا فقرہ کہا ہے ــ " مجھ سے قصور ہو گیا ہے ــ" ــــ اور امامؑ نے جھک کر اُس کی پیشانی ہاتھ میں رکھی ــ سر اٹھا کے سینے سے لگایا اور فرماتے ہیں۔

"بھائی حُرؑ! ہم نے معاف کر دیا ــ"

سامعین! امامؑ کا بھائی کہنا تھا ــ کہ جتنے سوار تھے فوجِ حسینیؑ کے، سب گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے ــ اور کہنے لگے۔

"ہم سے بے ادبی ہو گئی ــ امامؑ کا بھائی پیدل کھڑا ہے ــ"

بہرنوع۔ حُرؑ کو مولاؑ نے بھائی کہہ کے معاف کر دیا ــ اور اُسی حُرؑ سے سب سے پہلے حبیبؑ بغلگیر ہوئے " حُرؑ! مبارک ہو ــ"

غرض ایک ایک سپاہی آکے حُرؑ سے بغلگیر ہوا ــــ اور شمس الشہداءؑ حضور

قمر بنی ہاشم، سپہ سالار افواجِ طاہرہ حسینیہ، جناب عباسؑ غازی نے سر پر علم کا پھریرا کھول دیا ـــــ شہزادہ علی اکبرؑ اور شہزادہ امیر قاسمؑ نے بڑھ کے "چچا" کہہ کے سلام کیا۔ ـــــ جنگل میں عید ہوگئی ـــــ اور جب "مبارک و سلام" کی آواز بیت الشرف میں پہنچی ـــــ تو جناب زینبؑ نے سُن لیں ـــــ خیمہ کے دروازے تک آئیں ـــــ

اشارے سے عونؑ و محمدؑ کو بلایا ـــــ شہزادے آئے اور عرض کی

"اماں! کیا بات ہے ـــ ؟

شہزادی عالم نے پوچھا۔

"بیٹو! آج کیا خوشی ہو رہی ہے ـ کیا عید ہو رہی ہے؟

تو شہزادوں نے عرض کی۔

"اماں! ـ جس آدمی نے راستہ روکا تھا ـــ وہ آیا ہے ـــ اب وہ ہماری طرف آگیا ہے ـــ مولاؑ نے اُسے بھائی کہہ کے معاف کر دیا ہے ـــ"

بی بیؑ نے فرمایا۔

"اچھا یہ بات ہے ـــ تم دونوں جاؤ ـــ ایک حرؑ کی دائیں طرف کھڑا ہو جائے ایک بائیں طرف کھڑا ہو جائے ـــــ

اور دیکھنا! "ماموں" کہہ کے بات کرنا ـــ اور یہ کہنا کہ ـــ

"اماں۔ دُعائیں دے رہی ہیں"۔

سامعین!

شہزادے آئے ـ حرؑ کو "ماموں" کہہ کے بات کی ـــ اماں کی دعائیں دیں ـــ اور حرؑ یہ سُن کر حیران ہوگیا ـ رنگ دودھ کی طرح سفید ہوگیا ـ تمام بدن کی ہڈیاں ٹکر گئیں ـ ایسا معلوم ہوتا تھا ابھی دم نکل جائے گا ـــــ مولاؑ نے پوچھا ـــ

"حُرؓ! کیا بات ہے ___؟"

حُرؓ نے عرض کی۔

"فاطمہؑ کے بیٹے! کیا عرض کروں ___ حضورؑ نے تو معاف کر دیا ___ حضور سے یہی توقع تھی ___ مگر جب میں نے راستے میں گستاخی کی تھی ___ تو مجھے پتہ ہے کہ محملوں سے رونے کی آواز آئی تھی ___ میں جب مطمئن ہو کے مروں گا۔ جب زینبؑ کی زبان سے معافی کا لفظ نہ سُن لوں ___ لہٰذا حضورؑ میرے سفارشی بن جائیں ___"

مولاؑ نے فرمایا۔

"حُرؓ! گھبراؤ نہیں ۔ میں تمہیں لے چلتا ہوں ___"

مولاؑ حُرؓ کو لے کر دروازے تک تشریف لائے ___ پردہ اٹھا ___ امام اندر حُرؓ باہر ۔ بیچ میں پردہ ___

امامؑ نے فرمایا۔

"زینبؑ بہن!

حُرؓ ہماری طرف آگیا ہے ___ زینبؑ جواب میں فرماتی ہیں

"حسینؑ! مبارک ہو ۔ ایک ساتھی مل گیا ___"

اُدھر سے حُرؓ نے دروازے سے آواز دی

"مشکل کشاؑ کی بیٹیؑ!

اپنی اماںؑ کی چادر کے صدقے میں مجھ گنہگار کو معاف کر دو۔ میں نے بڑا قصور کیا ہے ___"

بس صاحبان!

جو کہنے کی بات تھی وہ یہ ہے کہ اگر زینبؑ جواب میں فرما دیں۔

"ہم نے معاف کر دیا ___" ___ یہ بھی بڑا اخلاق ہے ___ جس طرح

حسینؑ نے بھی معاف کر دیا تھا۔ زینبؑ بھی معاف کر دے گی ـــــ مگر

جو جواب دیا ہے علیؑ کی بیٹی نے ۔ اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خاندان" بس اللہ کا چُنا ہوا خاندان ہے۔ اور کسی کی طاقت نہیں یہ جواب دینے کی۔

حُرؓ نے گڑگڑا کے معافی مانگی ـــ

مشکل کُشاؑ کی بیٹی! مجھے معاف کر دو۔ میں مشکل میں پھنس گیا ہوں ـــ۔

زینبؑ جواب میں کیا فرماتی ہیں۔

"بھائی حُرؓ! مجھے شرمندہ نہ کرو ـــ"

"گنہگار معافی مانگ رہا ہے ـــ اور کریم شرمندہ ہو رہا ہے۔

"بھائی حُرؓ! مجھے شرمندہ نہ کرو ـــ تو ایسے وقت میں آیا ہے میرے دروازے پر۔ کہ تیری کوئی خاطر نہیں کر سکتی ـــ تجھے بٹھا نہیں سکتی ـــ کچھ کھلا پلا نہیں سکتی ـــــ

حُرؓ! ایک تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ قیامت کے دن میرے باپ کی حکومت ہوگی۔ آج کے بدلے وہاں تیری دعوت کروں گی ـــ اُس دن کی دعوت میرے ذمے ادھار رہی ـــ

اور سُن حُرؓ!

دنیا میں اتنا وعدہ تجھ سے کرتی ہوں ـــ کہ اگر اس فوجِ بے حیا نے مہلت دے دی تو میرا وعدہ ہے کہ حسینؑ سے پہلے تیری لاش پہ آؤں گی ـــــ اور یہ سفید بال کھول کے تجھے " بھائی " کہہ کے روؤں گی ـــ یہ میرا تجھ سے وعدہ رہا ۔"

بی بیؑ نے اس طرح معاف کر دیا ـــ حُرؓ، مولاؑ کا چنا ہوا بندہ تھا۔

سامعین! آج کربلا کے زائروں نے دیکھا ہوگا کہ حُرؓ کا روضۂ اقدس گنجِ شہیداں میں باقی شہیدوں کے ساتھ ہوتا ـــ تو کون سمجھتا ـــ

" ایک معاف کئے ہوئے گنہگار کے ساتھ کیا کرم ہوا۔"

علیحدہ روضہ بنا ہوا ہے ـــ دنیا کا زائر سلام کو جاتا ہے۔ صبح سے شام تک سلامیاں

ہو رہی ہیں — میں نے حُر رضی کی ضریح پکڑ کے کہا تھا۔

"شبیہ! تو زندہ ہے۔ تو مجھے بول کے جواب دے۔ ایک شاہنشاہ کی فوج کی افسری میں زیادہ لطف آیا یا ایک غریب الغرباء بھوکے پیاسے کی مہمانی میں زیادہ لطف آیا۔"

بہر نوع۔ یہ حسینؑ کا چُنا ہوا بندہ تھا۔ کیا مجال جو حسینؑ کے چناؤ میں کوئی غلطی ہو جائے محمدؐ و آلِ محمدؐ جب کسی کو کسی کام کے لئے چُن لیتے ہیں تو وہ یقیناً اُس مقصد کے لئے موزوں ثابت ہوتا ہے۔

خداوندِ عالم۔ اپنے حبیبؐ کے صدقے میں ہم سب کو یہ توفیق دے کہ قیامت کے دن حسینؑ فرماویں

"ان بندوں کو میں نے چُن لیا ہے۔"

اللہ ہمیں مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اللھم صل علیٰ محمد و آلِ محمد

اصطفےٰ

کھوٹا روپیہ اسے کہتے ہیں ——— جو پبلک کا بنایا ہوا ہو

کھرا روپیہ اسے کہتے ہیں ——— جو سرکار کا بنایا ہوا ہو

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

اسلام ——— لرزہ براندام ہوگیا۔؟

(مصائب شہزادہ امیر قاسمؑ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"خداوندِ عالم عزاسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"۔

حضراتِ گرامی قدر!

ہمارا اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی صرف یہی ہے کہ ہم حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اپنا تعلق قائم رکھیں ——— اور تعلق بھی ایسا قائم رکھیں کہ ہم اپنے ہر قول و عمل کو ان کے آتنا تابع بنادیں۔ کہ ہماری کوئی بات یا کوئی عمل ان کی مرضی کے بغیر نہ ہو۔ اور ہمارے کسی عمل و قول سے ان کی (خدانخواستہ) ناراضگی کا پہلو نہ نکلتا ہو ——— ہمیں ایسا عمل کرنا چاہیئے جس سے آلِ محمدؐ خوش رہیں ——— ہماری خوشی بذاتِ خود کوئی شے نہیں ہے ——— ہمیں تو ہر لمحہ ہر وقت ان کی خوشنودی چاہیئے۔

نماز ہے۔ روزہ ہے۔ یہ نیک اعمال جو ہم کرتے ہیں ——— بے شک ان کی نیت میں یہی ہے کہ ہم "قربتہً الی اللہ" کر رہے ہیں ——— اس کے ذریعہ سے ہم خدا کے قریب ہونا چاہتے ہیں ——— مگر "قربتہً الی اللہ" نہیں ہے ——— اللہ کے قریب ہونا نہیں ہے ——— جب تک ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کو قریب نہ کرلیں ——— جتنا زیادہ ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کو قریب رکھیں گے۔ اتنا ہی زیادہ ہمیں اللہ سے قرب حاصل ہوگا ——— اور جتنا محمدؐ و آلِ محمدؐ سے دوری ہوگی۔ اتنا ہی اللہ ہم سے دور ہوگا ——— ورنہ اللہ بذاتِ خود قریب یا بعید ہونے والی شے نہیں ہے ——— اللہ تو قریب ہے۔ بس قریب ہے

تو قریب ہے ـــــ یہ نہیں کہ کبھی قریب ہو گیا۔ اور کبھی بعید ہو گیا ـــــ اللہ تو وہیں ہے جہاں ہے ـــــ بس آلِ محمد کی خوشنودی ہی خدا کی قربت ہے۔ اور ان ہی کو خوش رکھنا خداوند عالم کے قریب ہونے کی دلیل ہے

محترم سامعین!

آپ نے نماز پڑھی ـــــ بے شک قربۃً الی اللہ پڑھی۔ خداوند عالم کے "قرب" کے لیے پڑھی ـــــ اور اس تقدس کے ساتھ کہ بدن پاک ہو۔ لباس پاک ہو ـــــ اور وہ پانی پاک ہو جس سے آپ نے وضو کرنا ہے ـــــ اتنی طہارت کے ساتھ آپ مصلے پہ آ کے کھڑے ہو گئے ـــــ اور حسبِ فرمان رسولؐ کہ "نماز مومن کی معراج ہے" ـــــ آپ کو وہ معراج ہو گئی ـــــ اب نمازی کی براہ راست گفتگو ہو رہی ہے ـــــ

اللہ کی حمد بھی کی۔ ثناء بھی کی۔ خدا کی تعریف بھی کی ـــــ اُسے رب العالمین بھی کہا ـــــ رحمن و رحیم بھی کہا ـــــ مالک یوم الدین بھی کہا ـــــ اس سے صراط مستقیم پر قائم رہنے کی التجا بھی کی۔ مغرب و جبال سے بچنے کی بھی دعا کی ـــــ پھر رکوع اور سورۃ بھی پڑھی ـــــ اور سر جھکا کے اس کی عظمت کا اعتراف بھی کیا ـــــ پھر سجدے میں سر رکھ کے اس کے اعلیٰ ہونے کا اعتراف بھی کیا ـــــ اور بیٹھ کر اپنے گناہوں کی بھی معافی مانگی ـــــ غرض سب کچھ کیا آپ نے نماز میں ـــــ پھر اس کے بعد واحد لاشریک ہونے کی شہادت بھی دی ـــــ محمد کے عبد و رسولؐ ہونے کی گواہی بھی دی ـــــ اور سب کچھ کہنے کے باوجود نماز وہیں ہے۔

اب تم اپنی نماز سے کہتے ہو "قبول ہو جا ـــــ"

تو نماز جواب میں کہتی ہے "میں نے قبول خاک ہونا ہے"

پھر ہم پوچھتے ہیں "کیوں ـــــ کیا بات ہے؟"

تو نماز کہتی ہے

"مجھے ملکِ قبول، میں جانا ہے ــــ اور اس ملک میں جانے کے لئے مجھے پاسپورٹ چاہیے ــــ
پاسپورٹ کے بغیر میں کیسے جاؤں گی ــــــــ"

نمازی بھائیو!

اب اتنی لمبی پڑھی ہوئی نماز! ٹھہری ہوئی ہے بغیر پاسپورٹ کے ــــ
اب نماز کہتی ہے

"میرا پاسپورٹ کیا ہے؟"

ــــ ــــ تو ہم نے عرض کی

"آپ خود ہی بتائیں"

اب نماز بولی!

"میرا پاسپورٹ یہ ہے کہ ــــ جب تک نماز میں
ذکر درود نہ آئے۔ میں کیسے جاؤں اس ملکِ قبول میں ــــ"

لہذا اتنی لمبی چوڑی نماز! ٹھہری ہوئی ہے کہ جب تک محمدؐ و آلِ محمد
پہ درود نہ بھیجا جائے، میں کیسے جاؤں

بہر نوع۔ محمد و آلِ محمدؐ پہ درود پڑھو تو نماز ہو جائے گی ــــ اب اگر میں درود
یہ پڑھ دوں "اللھم صلی اعلی محمد" ــــــ نماز ہوگی؟

ــ ــــ ــــ نہیں"

معلوم ہوا کہ درود میں محض "محمد" کا نام لینے سے نماز نہیں ہوتی ــــــــ اس
لئے کہ محمد کا نام تو ہم پہلے بھی لے چکے ہیں "ــــــــــــ اور ــــ جب تک وہ
نام نہ لو۔ جو اب تک نہیں لیا ــــ اس وقت تک نماز نہیں ہوتی ــــــ ہم اللہ کا نام بھی
لے چکے ہیں۔ محمد کا نام بھی لے چکے ہیں ــــ یہ صرف لفظِ "آلِ محمدؐ" ہے جس کی بدولت نماز
ہو گئی ــــــ اور اگر میں نے از راہِ عقیدت یہ کہہ دیا

"اللّٰھم صلی علیٰ محمدؐ و آلہ آلِ محمد و آلہ اصحابہؓ" تو ہر کتب فکر یہ کہتا ہے کہ نماز کے علاوہ اگر یہ درود پڑھ لو تو سبحان اللہ! ـــــ مگر نماز میں تم نے "آلِ محمدؐ" کے علاوہ کوئی اور نام لے لیا۔ تو نماز غلط ہو جائے گی۔

بس یہاں سے فرق کا پتہ چل جاتا ہے "آلِ محمدؐ" ہیں اور "دوستانِ محمدؐ" ہیں۔۔۔ کہ آلؑ کا نام نہ لو ـــــ تو نماز نہیں ہوتی ـــــ اور اصحابؓ کا نام لے لو ـــــ تو نماز نہیں ہوتی۔۔ بہر نوع۔ یہ حکمِ خدا ہے جو ہمیں آلِ محمدؐ کی طرف لے جاتا ہے کہ ان سے واسطہ رکھو تو نماز! نماز ہو جائے گی ـــــ ہر عمل، ہر عبادت محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ وابستہ ہے تو سب کچھ ہے ـــــ اس لئے یہ سب چیزیں تعلق رکھتی ہیں "دینِ اسلام" سے ـــــ اور "دینِ اسلام" وہ شے ہے ـــــ جس سے حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے دنیا کو روشناس کرایا ہے ـــــ انہوں نے پہنچوایا دنیا کو کہ اسے کہتے ہیں "دینِ اسلام" ـــــ یہ شے ہے "اسلام"۔۔ اس کے معنی ہیں "اسلام" ـــــ یہ سمجھایا ہے ہمیں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ـــــ

سامعین!

آج تو ہماری حالت ہی اور ہے ـــــ آج تو آزادی کا دور ہے ـــــ ہر شخص دنیا میں آزاد ہے ـــــ اور اس آزادی کے دور میں ہر شخص یہ کہتا ہے کہ ـــــ "بس میری بات ہی حرفِ آخر ہے"۔ ـــــ

"میں کہتا ہوں"، "میں یہ کہتا ہوں" آج ہے "میں" کا زمانہ

اور اگر آج کی نئی پود سے پوچھو

"بھئی۔ اسلام کیا ہے۔ دین کیا ہے؟"

"بس، وہی جو ہم کہہ رہے ہیں"

آج تو دنیا میں ہر شخص آزاد ہے وہی کرتا ہے جو اپنے ماحول سے متاثر ہو کر دنیا ہے اور ہماری سمجھ تو اتنی ہے کہ میرا ایک عزیز ملنے والا جو تقریباً تین یونیورسٹیوں

کا ایم لے پاس ہے۔ وہ ایک دن مجھے ملنے آیا۔ پندرہ تاریخ تھی ماہ شعبان کی۔ شب برات کا دن
تھا ——— اور میری بچی ضد کر رہی تھی

"بابا! آج پندرہ شعبان ہے۔"

میں نے کہا

"پھر کیا ہے"

تو وہ بچی بولی —

"بابا۔ آج تو شب برات ہے۔"

میں نے کہا

"ہاں بیٹیا۔ آج شب برات ہے"

بچی بولی

"آج تو ہمارے امام کی پیدائش کا دن ہے"

میں نے کہا

"ہاں بیٹیا۔ ٹھیک ہے ——— مگر تم کیا چاہتی ہو؟"

تو بچی نے کہا

"بابا۔ آتش بازی چلائیں گے ———"

میں بولا

"نا بیٹیا ——— مولوی صاحبان کا فتویٰ ہے کہ آتش بازی نہیں چلانی چاہیئے ——— اتنا
پیسہ بھی حلوے میں لگاؤ ———"

مگر وہ بچہ ضد کر رہا تھا ——— بھلا معصوم کی ضد کو کون روکے ——— آخر اسی ایم یونیورسٹی
کے پڑھے لکھے نوجوان کو میں نے تین روپے دیدیئے اور کہا

"برخوردار!

تم تین یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے ہو ــــ ذرا تین روپے لے جا کے انار تو لے آؤ ــــ
بچی ضد کر رہی ہے کہ شب برات ہے ــــ اور دیکھنا انار ذرا اچھے ہوں ــــ "
وہ برخوردار روانہ ہو گئے ــــ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے ــــ
اور رومال میں بندھے ہوئے انار میرے سپرد کر دیئے

"وزیدی صاحب!
بہترین قندھاری لایا ہوں"

سامعین! اب آپ بتائیں ــــ لایا انار ہی مگر صحیح لایا ــــ؟
"نہیں" غلط لایا ــــ تین یونیورسٹیوں کا ایم اے پاس ــــ تین روپے
کے انار لایا ــــ پر ایمان سے بتاؤ ــــ صحیح لایا؟
غلط لایا۔ آخر صبر کر کے خاموش ہو گیا۔
"اچھا بھئی"
ایم اے ہونا اور بات ہے۔ بات کا سمجھنا اور بات ہے ــــ "

اب جو بچی کو میں نے بلایا
"بے بیٹی ــــ انار آ گئے ــــ"
جناب! انار دیکھتے ہی اس کے چہرے پر تو پھلجھڑیاں چھوٹ گئیں ــــ اور وہ بچی
پورے غصے میں بولی "یہ انار کون لایا ہے"
بہر نوع، معصوم کی فرمائش اور تھی ــــ لانے والے کی سمجھ اور تھی ــــ خیر صبر کر لیا ــــ
میں نے کسی اور کو بھیج کر انار منگوا لیے ــــ آج اس دن کے بعد وہی برخوردار
پھر ملنے آ گئے ــــ اس دن بچی کی طبیعت کچھ خراب تھی ــــ ڈاکٹر نے انار بتایا تھا
ــــ اور آدمی کوئی تھا نہیں اس وقت میرے پاس ــــ آخر میں نے ان کو ہی پیسے دے
دیئے اور کہا

"بیٹیا! ذرا تکلیف کرو۔ آدھ سیر انار لے آؤ ____"

مگر اس دن کے ڈرے ہوئے اب جو انار لائے تو بہترین آتش باز کے انار لائے

سامعین! لایا انار ہی ہے ___ دونوں مرتبہ انار لایا ______ مگر

ایمان سے بتاؤ صحیح لایا؟ _____ "نہیں"۔ ___ غلط لایا ____

اپنی زبان۔ آسان سا لفظ ____ روزمرہ استعمال ہونے والا لفظ ___ اور

وہ بھی پڑھا لکھا آدمی ___ غلط بھی نہیں لایا ____ کوئی یہ بھی نہیں

کہہ سکتا کہ غلط لایا ___ انار ہی لایا مگر غلط لایا _____

ایسے غلط کو صحیح کہہ دینا ___ چاہے وہ ایک لایا ہو ____ چاہے دو لایا ہو یا چھ لایا ہو۔

کچھ بھی ہو ___ صحیح کہہ دینا ایسے عمل کو۔ یہ بھی غلط ہی بات ہوئی ___ کیوں؟

محل کو نہ سمجھا ___ موقع کو نہ سمجھا ___ وقت کو نہ دیکھا ___ حالات کو نہ دیکھا ___ یہ نہ پتہ چلا

تاریخ کیا ہے ___ یہ نہ پتہ چلا آج موقع و محل کیا ہے ____ اور ایک موقع و محل نہ سمجھنے سے

ایک پڑھا لکھا آدمی! صحیح چیز لا کر بھی غلط ہو گیا __________ اور

اتنا غلط کار انسان! اگر قرآن ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ

"میں سمجھ گیا" ______ ارے تو تو انار نہیں سمجھا ___ محل تجھے کیا معلوم! ____

تجھے کیا پتہ کہ یہ بات کب کہی تھی ___ کہاں کہی تھی ___ کس سے کہی تھی ____ کس نے کہی تھی

کس وقت کہی تھی ____ یہ صرف تیری قیاس آرائی ہے

"دیکھئے صاحب! میں سمجھ گیا ______"

"بھئی۔ کیا سمجھا؟"

"قرآن مجید میں لکھا ہے کہ رسولؐ ہم جیسا بشر ہے" "انا بشر مثلکم"

"بھئی ___ ٹھیک ہے ___ لکھا ہے کہ "میں تم جیسا بشر ہوں" ___ مگر یہ آیت اللہ نے

کب نازل کی تھی ___ کہاں نازل کی تھی ___ اللہ نے کب یہ فقرہ رسولؐ سے کہلوایا تھا ______

تباؤ تو سہی ایمان سے ــــــ جب ابوجہل سامنے بیٹھے تھے۔ جب کہا تھا رسولؐ نے کہ میں تم جیسا ہوں" ــــــ جنگ بدر میں جو رسولؐ سے لڑ رہے تھے۔ اُن کافروں سے رسولؐ نے کہا تھا "میں تم جیسا ہوں" ــــــ جنگ اُحد میں جو لڑ رہے تھے۔ رسولؐ اُن سے کہہ رہے تھے "میں تم جیسا ہوں"

"نہیں جناب! یہ اُن سے نہیں کہا تھا کہ میں تم جیسا ہوں"

"پھر کس سے کہا تھا ــــــ فرق تو نکلا ہی آخر ــــــ

پھر عام بات تو نہ رہی ــــــ سارے مسلمانوں سے وہ کہہ نہیں سکتے ــــــ چند مسلمان ایسے تھے جو عمر بھر کافر رہے اور آخر دنوں میں مسلمان ہو گئے ــــــ پھر کس سے کہا رسولؐ نے کہ میں "تم جیسا ہوں" ــــــ کوئی خاص موقع ہوگا نا کہنے کا ــــــ"

اے حضور والا!

بات مختصر کرتا ہوں ــــــ حلقہ محدود ہوتا جا رہا تھا ــــــ اور محدود ہوتے ہوتے جب ایک چادر میں سمٹ کے آ گئے چار آدمی رسولؐ کے ساتھ ــــــ اور جب رسولؐ کو چار چاند لگے ہوئے تھے ــــــ

تو اس وقت اللہ بھی خوش تھا ــــــ رسولؐ بھی خوش تھا ــــــ چادر میں سب بیٹھے تھے ــــــ اپنا ماحول تھا ــــــ اپنا گھر تھا ــــــ اپنی جگہ تھی ــــــ اپنا کنبہ تھا ــــــ اپنا داماد تھا ــــــ اپنی بیٹی تھی ــــــ اپنے بیٹے تھے ــــــ سب اپنے ہی اپنے تھے

اور "اپنے" کا لفظ! اتنا پیارا ہوتا ہے کہ خدا جانے ــــــ لفظ "اپنا" اور لفظ "پیارا" خود بخود آ جاتا ہے ــــــ جس طرح اپنا گھر ــــــ

اپنا کنبہ ــــــ اپنا خاندان ــــــ اپنا ماحول ــــــ اپنا داماد ــــــ

اپنی بیٹی ــــــ اپنے بیٹے ــــــ چادر میں سب بیٹھے تھے

اتفاق سے امیرالمومنینؑ نے یہ پوچھ لیا۔

"یا رسولؐ اللہ!

ہم جو اس وقت اکٹھے بیٹھے ہیں چادر میں ـــــ اللہ کے نزدیک اس کی فضیلت کیا ہے؟"

رسولؐ نے فرمایا

"سبحان اللہ ـــــ اس کو اگر کوئی بیان ہی کرے گا ـــــ تو اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جائیں گی ـــــ"

علیؑ نے کہا

"حضورؐ کے صدقے میں ہمیں بڑی سعادت نصیب ہوئی ہے ـــــ"

رسولؐ مسکرا دیئے اور پیار سے بھائی کی پیشانی چوم لی ـــ اور فرمایا ـــــ

"تم میرا شکریہ ادا کرو ـــ "میں بھی تم جیسا ہوں ـــــ" اور اس وقت اللہ نے آیۂ تطہیر بھی نازل کردی۔

بہرنوع ـــ قرآن سمجھنے سے پہلے ـــ موقع دیکھئے ـــ محل دیکھئے کہ یہ بات رسولؐ نے کب کہی تھی ـــ کہاں کہی تھی ـــ کس سے کہی تھی ـــ کس وقت کہی تھی ـــ تب جاکر تمہیں کہیں قرآن کی سمجھ آئے گی۔

اور یاد رکھو بزرگو!

قرآن اللہ کی کتاب ہے ـــ اور آلِ محمدؐ اس کتاب کے محافظ ہیں (حاکم نہیں) وہ اس کتاب کے محافظ ہیں۔ اور کتاب ان کی محافظ ہے ـــ اور مصنف نے اس نزاکت کے ساتھ اس کتاب کو لکھا ہے۔ کہ عربی "زبان" منتخب کی ہے اس کتاب کے لئے ـــــ اور عربی گرامر کی اتنی احتیاط ہے اس اللہ کی کتاب میں کہ جہاں "زبر" ہے۔ ہی رہے گا ـــ جہاں "زیر" ہی رہے گا

"اب اللہ کے "زبر" کو کوئی "زیر" کر دے ـــ اور "زیر" کو کوئی "زبر" کر دے۔

تو سارا ایمان زیر وزبر ہو جائے گا ـــــ یہ کتاب اسلام کا نظریہ ہے۔ یہ کتاب اسلام کا قول ہے ـــــ مگر آلِ محمد عمل کر کے بتاتے ہیں اس پر۔ کہ اس میں یہ لکھا ہوا ہے ـــ اسے یوں کرنا ہے ـــ اسے اس طرح کرنا ہے ـــــ دیکھو نا!

تعلیم کا قاعدہ یہی ہے (لفظ "قاعدہ" یاد رکھنا) کہ معصوم بچہ گیا مدرسے میں پڑھنے ـــ اور سامنے آ گئی ایک کتاب ـــــ جس کا نام ہے "قاعدہ" (جو کتاب معصوم کو پڑھائی جائے اسے "قاعدہ" ہی کہتے ہیں) اور اس قاعدہ میں معصوم کو پڑھایا گیا جاتا ہے ـــــ

"الف" ـــ "ب"

نرا "الف" ـ "ب" ہی نہیں ـــــ بلکہ بچے کو ذہن نشین کرانے کے لیے "الف" کے سامنے "الف سے آم" "ب سے بکری اور ش سے شیر" نرا پڑھایا ہی نہیں جاتا ـــ بلکہ سامنے "آم" ـــ "بکری" اور "شیر" کی تصویر بھی بنی ہوئی ہوتی ہے ـــ تاکہ بچہ صرف "ش سے شیر" ہی نہ رٹ لے ـــ بلکہ وہ شیر کی تصویر بھی دیکھ لے ـــــ

بہرنوع۔ یہ ہے بچوں کو سکھانے کا "قاعدہ" ـــ محض کتاب ہی نہ رٹاؤ ـــــ جو پڑھ رہے ہو۔ اس کی تصویر بھی دکھا دو ـــــ لہذا خدا بتاتا ہے "یوں کرتے رہو" ـــــ اور آلِ محمد اس کی تصویر ہیں ـــ اس کی تعبیر ہیں ـــ بغیر ان کے تعلق کے تمہاری پڑھائی ادھوری رہ جائے گی ـــــ گویا بغیر تعلق آلِ محمدؐ نہ کتاب پوری ہو سکتی ہے اور نہ کافی ہو سکتی ہے ـــــ کتاب ہے "لاریب فیہ" اور اس کی تصویر وہی بن سکتا ہے۔ جو ہو "لا عیب فیہ" جس میں کوئی عیب ہی نہ ہو۔

سامعین!

ایک بات بتاؤ ـــــ جو سورۃ لیبیہ کا نوٹ ہوتا ہے اس کے کاغذ کی بازار میں کیا قیمت ہے؟ بمعہ پرنٹنگ وچھپائی وغیرہ کے تقریباً

چار آنے قیمت ہوگی۔ اصل قیمت ہے اس کاغذ کی چار آنے ـــ اور
بازار میں اُسی کاغذ کی قیمت ہے ایک سو روپیہ۔

اب بتاؤ ـــ کیوں؟

معلوم ہوا ـــ کہ اس سو روپیہ کے نوٹ پر یہ ضمانت لکھی ہے
یا بتائی گئی ہے کہ یہ کاغذ جو تمہیں دیا جا رہا ہے ... یہ نرا کاغذ نہیں
ہے بلکہ سو روپیہ کا سونا گورنمنٹ کے خزانے میں محفوظ ہے۔ ـــ
اور یہ اس محفوظ شدہ ہونے کی رسید ہے ـــ اور اگر وہ خزانے میں
سو روپیہ کا سونا نہ ہے تو یہ کاغذ صرف چار آنے کا ہے ـــ۔
اگر سو روپیہ کا سونا محفوظ ہے گورنمنٹ کے پاس تو اس کاغذ کی قیمت
سو روپیہ ہے گویا بازار میں کاغذ کی قیمت جب ہی ہوتی ہے۔ جب
اس کا ہم قیمت کہیں محفوظ ہو ـــ اسی طرح اللہ کی کتاب کی قیمت جب ہے
جب اس کی قیمت کی کوئی شے کہیں محفوظ ہو ـــ کہیں غائب ہو ـــ اور اگر وہ نہیں ہے
تو پھر کاغذ۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب!
محفوظ کی کیا ضرورت ہے ـــ ہماری کتاب ہے ـــ ہم جب چاہیں بازار سے
خرید کر لا سکتے ہیں ـــ تو ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حضور والا! ہماری کتاب
ہونا اور بات ہے۔ ـــ اور صاحبِ کتاب ہونا اور بات ہے

سامعین! یوپی میں ایک پنڈت نولکشور۔ ایک بہت بڑا دولت مند شخص گذرا ہے۔
وہ کتابیں چھاپتا تھا ـــ لاکھوں قرآن مجید چھاپ دیئے اس نے ـــ یہاں تک کہ ہماری
تمام مسجدوں میں ہندوستان کی، ایران کی اور کابل کی مسجدوں میں کشور کے چھپے ہوئے قرآن
موجود تھے ـــ ـــ اتفاق سے والئ کابل ؎

تشریف لائے ہندوستان میں ـــــ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ وہ جب لکھنؤ آئے۔ اور شاہی مہمان ٹھہرے ـــــ اور لکھنؤ کے معززین انہیں ملنے گئے ـــــ تو بندرت۔ نولکشور بھی گیا ـــــ وہ بھی ایک معـــزز دولت مند آدمی تھا ـــــ اس نے جاکر سلام کیا

والی کابل نے پوچھا

"تم کون ہو؟"

نولکشور نے جواب دیا

"میں نولکشور ہوں"

"اچھا۔ آپ کیسے آئے ـــــ"

"حضور! سلام کو یہاں آیا ہوں ـــ میں نے لاکھوں قرآن چھاپے ہیں ـــــ"

تو والی کابل حیران ہوکر پوچھتا ہے

"تم ہو نولکشور! میں تو یہ سمجھا تھا کہ نولکشور کسی ملک کا نام ہے ـــ"

اب شاہ بہت خوش ہوا ـــــ اور کشور کو اپنے ساتھ بٹھا لیا ـــــ اور تھوڑی دیر کے بعد شاہ کا ناشتہ آیا ـــــ وہ لکھنؤیوں کا ناشتہ ـ جس میں بھنے ہوئے گوشت کے سوا اور کچھ ہوتا ہی نہیں ـــــ اور نولکشور بے چارہ برہمن!

دال روٹی کھانے والا۔

اب شاہ نے کہا

"آؤ کشور! ہمارے ساتھ ناشتہ کرو ـــــ"

اب شاہی حکم ہے۔ وہ بے چارہ بڑا حیران ـــــ آخر اس نے لرزتے ہوئے کہا

"حضور! میں تو ہندو ہوں"

اب والیٔ کابل نے حیران ہو کر پوچھا

"کیا کہا تم نے ـــــ ہندو ہو ـــــ تم مسلمان نہیں ہو ـــــ"

"حضور! نہیں ہوں"

"پھر تم نے قرآن کیوں چھاپا؟"

حضور والا! قرآن چھاپنا اور بات ہے ـــ مسلمان ہونا اور بات ہے ـــ قرآن چھاپنے والا ضروری نہیں کہ مسلمان ہو ـــ اور کبھی قرآن جمع کر کے چھاپ دینے سے ×××× یہ اور بات ہے ـــــ یہ کون سا کمال ہے ـــــ یہ کام تو نولکشور بھی کر سکتا تھا۔

بہر نوع. قرآن چھاپ لینا اور بات ہے ـــ صرف اور صرف محمدؐ و آلِ محمدؑ ہی ایسے ہیں جو اپنے عمل سے سمجھاتے ہیں ـــ اپنے قول سے سمجھاتے ہیں ـــــ اور کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ یہ کر دیتے ہیں. قرآن پھر بتاتا ہے "یہ کر دیا"

"یہ ٹھیک ہے" ـــــ تو قرآن کے ساتھ آلِ محمدؑ کا ایسا ساتھ ہے کہ یہ کبھی چھوٹ سکتا ہی نہیں۔

میرے محترم سامعین!

یاد رکھو ـــ میرے اس فقرے کو کہ کتاب ہے "لَا رَیْبَ فِیْہِ" اور اسے سمجھا وہی سکتا ہے جو ہو "لَا عَیْبَ فِیْہِ" ـــ اس بے عیب کو بے عیب انسان ہی سمجھا سکتا ہے ـــــ اس معصوم کتاب کو معصوم ہی سمجھا سکتا ہے ـــ اور اسلام میں بذاتِ خود کوئی نقص نہیں ـــ ہماری سمجھ میں نقص ہے ـــ اور ہماری ناسمجھی سے جو ہمارا گھڑا ہوا اسلام ہے. اس میں نقص آ جاتا ہے ـــ پھر آ کے آلِ محمدؑ اس کا علاج کرتے ہیں ـــ اور اگر وہ نہ آئیں. تو پھر ہمارا گھڑا ہوا اسلام دنیا میں رائج ہو جائے۔

سامعین! ایک بات آپ سے عرض کر دوں کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کے تین بیٹے زندہ رہے ـــ ان کے بڑے فرزند کا نام تھا "سام" ـــ اس سے چھوٹے کا

نام تھا "حام" ـــ اور اس سے چھوٹے کا نام تھا "یافث" ان تینوں بیٹوں کی نسل آگے چلی ہے ـــ کچھ سامی نسل ہے ۔ کچھ حامی نسل ہے اور کچھ یافثی نسل ہے

دُنیا میں سب سے پہلے جب نظامِ حکومت رائج ہوا تو وہ "سام" جو بڑے بیٹے تھے ۔ ان کی اولاد نے سب سے پہلے حکومت قائم کرلی تھی ـــ اور حام اور یافث کی اولاد کو رعایا کرلیا ـــ اب یہ "سام" کی اولاد دُنیا کے مختلف خطوں میں اسلئے حکومت کرتی رہی ۔ کہ ہم "سام" کی اولاد ہیں ۔ ہم بڑے بیٹے کی اولاد ہیں ـــ اور یہ ہمارے چھوٹے بھائی "حام" اور "یافث" کی جو اولاد ہے وہ ہماری رعایا ہے ـــ چونکہ سینکڑوں سال یہی ہوتا رہا کہ "سام" کی اولاد حکومت کرتی رہی محض اس لئے کہ ہم "سام" کی اولاد ہیں ۔ اور دُوسرے بھائیوں کی اولاد رعایا محض اس لئے کہ دُوسروں کی اولاد ہیں ـــ تو بڑوں کا نظریہ تھا حکومت کرنا ۔ اور چھوٹوں کو رعایا رکھنا ـــ اور یہ دماغ میں بس گیا آدمی کے کہ بڑا ہوتا ہی اس لئے ہے کہ وہ حکومت کرے اور چھوٹا ہوتا ہی اس لئے ہے کہ محکوم رہے ـــ تو سام نے اور اسکی نسل نے ہزاروں برس حکومت کرکے انسان کے دماغ میں بٹھادی یہ بات کہ چھوٹوں کو رعایا بننا چاہیئے اور بڑوں کو حاکم ہونا چاہیئے ـــ گویا آج تک ـــ ہر آدمی کے دماغ میں یہ موجود ہے کہ جو حکومت محض اسلئے حکومت کرے ـــ ہم بڑے ہیں ـــ اسلئے حکومت کریں کہ ہمارے پاس دولت ہے لہذا حکومت ہے ـــ ایسی حکومتیں جو بے قابلیت کے محض بڑے پن پہ حکومت کریں ـــ ایسی حکومتیں آج کُنیا میں "سامراج" کہلاتی ہیں ۔

بس یہی بات تھی حضور والا !

کہ انسان کی ناسمجھی نے "اسلام" کے انتظام کی ذمّہ داری شام کے ایک نا اہل شہزادے کے سپرد کردی ـــ وہ شام کے تخت پہ بیٹھ گیا ـــ اور دُنیا نے اس تخت نشین کے سپرد اسلام کا نظام کردیا ـــ اس نے اعلان کردیا کہ ـــ "میں جانتا ہوں ۔ اسلام

کا نظام کیا ہے ؟"

بس یزید لعین کا یہ اعلان کرنا تھا کہ " اسلام کا امیر میں ہوں ــــ" ــــ اسلام کا نظام میرے پاس ہے ــــ" اسلام پر تو جناب عجیب و غریب کیفیت طاری ہوگئی ــــ اسلام تو لرزہ براندام ہوا ــــ اس کی تو شکل ہی وہ نہ رہی ــــ اس کا تو طریقہ ہی وہ نہ رہا ــــ ایسی بیماری لگی ' اسلام " یزید لعین نامی بیماری ــ کہ اسلام تو مرنے کے قریب ہوگیا ــــ اور جب بالکل مرنے کے قریب ہوگیا ــــ تو اسلام ایک ایک سے کہتا ہے ــــ

" اسلام کے کلمہ گو لو!

اسلام کے دعویدار و! مجھے "یزید لعین" نامی بیماری لگ گئی ہے ــــ کوئی ہے جو مجھے بچا لے ــــ مجھے جھوٹی حدیثوں کا زہر پلا دیا گیا ہے ــــ مجھے جھوٹے فتووں کا زہر پلا دیا گیا ہے ــــ مجھے آمریت نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے ــــ مجھے زبردستی کی حکومت نے برباد کر دیا ہے ــــ اور

ــــ ادھر سر مراج یزید لعین تھا ــــ اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر جو نظر ڈالی ہے اپنے نقشہ پر ــــ دیکھا کہ اتنی دنیا ہمارے زیر نگیں ہے ــــ اتنے لوگ ہمیں سلام کرنے والے ہیں ــــ اتنے بڑے بڑے مقدسین اور ذمہ دارانِ مذہب ! ہمارے چوکاٹھوں کے پائے پکڑے ہوئے ہیں ــــ بڑے بڑے محافظانِ دین اپنی ریشِ مبارک سے ہمارے آستانوں کی جاروب کشی کر رہے ہیں ــــ ہر شخص بجا سرکار ! بجا سرکار کہہ رہا ہے ــــ

پس وہ " دین کا مالک بن کے بیٹھ گیا ــــ اور اس کے دین کے مالک بننے سے "دینِ اسلام" بیمار ہوگیا ــــ اور بیمار بھی اتنا کہ مرنے کے قریب ہوگیا ــــ اور آوازیں دے رہا ہے ــــ " مجھے بچالو ــــ "

مگر کسی کو کیا غرض پڑی ہے جو بیمار کو بچاتے ــــ کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ بیمار کی

تیمارداری کرے ــــــ یہ تو وہی بچائیں گے تاجر اپنے گھر والے ہوں ــــــ

آخر "اسلام" کی آواز فضا میں گونجتی ہوئی اُس کے کان میں پہنچ گئی۔ جن کے گھر کے تھی ــــــ:

"ہمیں کس نے پکارا ہے؟"

"ہمیں کس نے آواز دی ہے؟"

"یہ کون کہہ رہا ہے ہم مرنے کو تیار ہیں؟"

"بہن! ذرا پہچانو تو ــــــ ہمیں مدد کے لئے کون پکار رہا ہے؟"

آخر بہن بھائی نے پہچان لیا ــــــــــــــــ

"ارے یہ تو اسلام ہے" "کیوں اسلام کیا بات ہے!"

اسلام نے عرض کی ــــــــــــــــــــــــــــ

ــــ "حضورؑ! میں بیمار ہوگیا ہوں ــــــ میں تو مریض ہوگیا ہوں ــــــ میں تو مرنے کو تیار ہوں ــــ"

"حسینؑ"!

مجھے آکے بچاؤ

تمہارا میرا رشتہ ہے حسینؑ!

جس گھر میں تم پیدا ہوئے

ــــ اُسی گھر میں میں پیدا ہوا ــــــ جس گود میں تم پلے، حسینؑ! اُسی گود میں میں پلا ہوں ــــــ بس فرق اتنا ہے ــــــــــــــــ

حسینؑ!

میں محمدؐ کے سینے میں پل رہا تھا ــــــ تو محمدؐ کے سینے میں پل رہا تھا ــــــــــــــــ

محمدؐ کی زبان سے الفاظ نکلتے تھے تو میری غذا بنتے تھے اور محمدؐ کی زبان سے دُودھ نکلتا تھا تو تیری غذا بنتا تھا ————————————

—— اور حُسینؑ!

—— بچپن میں ہم ساتھ کھیلتے تھے

حسین!

—— یاد نہیں! اکھٹے کھیلا کرتے تھے ——"

دیکھو نا!

—— رسولؐ نماز پڑھ رہے تھے —— یہ اسلام تھا یا نہیں —— اُدھر سے حُسینؑ آ گئے —— دونوں بچپن کے ساتھی —— حُسینؑ کو دیکھتے ہی اسلام نے سجدے میں آواز دی ————————

"آؤ حسین کھیلیں ——"

حسینؑ آ کے کمر پہ بیٹھ گئے اور رسولؐ سجدے میں —— اسلام بھی ہے اور حُسینؑ بھی ہے۔

"یہ بچپن کا کھیل تجھے یاد ہے نا حسینؑ!" —— اور جب تک تیرا دل نہیں بھر گیا تھا —— میں نے سر نہیں اُٹھایا تھا ————————

اور حُسینؑ!

تو کمر پہ بیٹھا تھا اور پیچھے نمازیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں یہ شک ہو رہا تھا کہ رسولؐ پر "وحی" آ رہی ہے —— آخری بڑی دیر بعد رسولؐ نے سجدے سے سر اُٹھایا ——"

روایتیں تو کہتی ہیں کہ بہتر۷۲ دفعہ سُبحان ربی الاعلیٰ کہا حُسینؑ گنتے رہے۔ جب بہتر۷۲ پورے ہو گئے تو اُتر آئے ——!

پہنچے گھر ــــ ماں کو سلام کیا ۔

"اماںؑ ! سلام"

"حسینؑ کہاں گئے تھے ؟"

"اماں ــــ مسجد میں گئے تھے ــــ"

اب ماں نے پوچھا !

"حسینؑ ! ناناؐ کیا کر رہے تھے ــــ ؟"

حسینؑ نے جواب دیا ــــــــ

"اماںؑ ! ناناؐ نماز پڑھ رہے تھے "

"پھر تم نے کیا کیا ؟"

"اماںؑ ! میں سجدے میں ناناؐ کی کمر پر بیٹھ گیا تھا ــــ اور بڑی دیر بیٹھا رہا ــــ ناناؐ "سُبحان ربی الاعلیٰ" کہتے رہے ــــ جب میں اُتر آیا ۔ تب ناناؐ نے سر اُٹھایا ــــ"

تو سیدہؑ نے فرمایا

"بیٹا حسینؑ! ناناؐ کو تکلیف ہوئی ہو گی ــــ"

اب جو بی بیؑ نے یہ فرمایا تو حسینؑ پورے جوش میں فرماتے ہیں ــــ

"اماںؑ" ! سن میری بات ــــــــ

اگر میرے کمر پہ بیٹھنے سے سجدے میں ناناؐ نے محسوس کیا ــــــــ تو اماں ! میں تیرے دودھ کی قسم کھا کے کہتا ۔ کہ اس سجدے کا بدلہ نہ اُتار دوں تو حسینؑ نام نہ رکھنا ــــــــ میرے ذمے رہا اس سجدے کا بدلہ ۔ میں اُتار دوں گا اس سجدے کا بدلہ ــــ اور بدلہ اس طرح اُتاروں گا "اماںؑ ! ناناؐ نے تو سر اُٹھایا تھا سجدے سے

چاہے دیر میں اُٹھایا تھا ــــــــــــــــــــ مگر

اماں! میں ایسا سجدہ کروں گا اس کے بدلے میں کہ سر تو خود جھکوں

گا سجدے میں ــــــــ مگر خود نہیں اُٹھاؤں گا ــــــــ" قاتل

اُٹھا کے لے جائیں گے۔ میں نہیں اُٹھاؤں گا ــــــ"

آج اسلام کہہ رہا ہے حسینؑ سے ــــــ!

"آ حسینؑ مجھے بچا ــــــ"

حسینؑ نے اسلام کی نبض دیکھی ــ اس کا پسینہ دیکھا ــــــ چاروں طرف سے اُسے جانچ

کے دیکھا ــــــ اور حسینؑ کی بصیرت نے اسلام کا ایکسرے کر لیا ــــــ اس کی

بیماری کو اچھی طرح سمجھ لیا ــــ اُس کا دل دیکھا ــــــ دماغ دیکھا اور فرمایا ــــ

"مریض کی حالت خراب ہے ــــــ اسے تو خون دیا جائے گا"

ڈاکٹر صاحبان کہتے ہیں ــــ کہ خون دینا مریض کا آخری علاج ہے

یہ آج کل کے ڈاکٹروں کی ایجاد نہیں ــــــ یہ حسینؑ نے ایجاد کی تھی

"اسلام تو مریض ہے ــــ اسے خون دیا جائے گا ــــــ مگر ہر خون نہیں ــــ وہ خون

ــــ جو مریض کے خون سے مطابقت کرے ــــــ"

سامعین!

اسلام کا خون بھی دیکھو ــــــ اور جو خون دینے آئے ہیں اُن کا خون بھی دیکھو

ــــــ اگر اسلام کے خون کے ساتھ مطابقت کرتا ہو تو لیا جائے گا ــــــ اور

مطابقت نہ کرتا ہو تو انہیں شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا ــــــ وہی خون

لیا جائے گا جو اسلام کے خون کے ساتھ مطابقت کرتا ہو ــــــ ورنہ ہر خون ہر مریض کو نہیں

دیا جاتا ــــــ غلط خون سے مریض کو تکلیف ہو جاتی ہے ــــــ اب اسلام کو وہی خون

دیا جائے گا جو اسلام کے خون سے مطابقت کرتا ہو۔

اسلام دینِ معصوم ہے ـــــ اسے وہ خون دیا جائے گا جو دینِ معصوم کا خون ہوگا۔ ـــــ اور یہی تو تلاش تھی حسینؑ کی ۔ اور کیا ہے ـــــ ساتھ تو بہت تھے حسینؑ کے ۔ مگر ہر منزل پہ کہہ رہا تھا ۔

"چلے جاؤ"

جو ساتھ تھے انہیں کہہ رہا تھا "چلے جاؤ" ـــــ اور جو گھر بیٹھے تھے انہیں خط لکھ کے بُلا رہا ہے ـــــ "آجاؤ" ـــــ یہاں تک کہ رات کو چراغ گل کر کے کہتا تھا ـــــ ـــــ "چلے جاؤ" ـــــ میں نے اسلام کو خون پہنچانا ہے ـــــ اور خون وہی دینا ہے جو اسلام کے خون سے مطابقت رکھتا ہے ـــــ تاکہ اسلام زندہ رہے ـــــ وہ کبھی مرنے نہ پائے ـــــ"

تو ہر وہ شخص ! جو خون دینے آیا تھا اسلام کے نام پر ـــــ اُسے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ "اللہ جانے میرا خون اسلام کے خون سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں"

اسی خیال کے ماتحت جوان یہ سوچنے لگے

واللہ جانے ۔ کل ہماری باری آئے گی یا نہیں "

بوڑھے اور جوان تو سمجھدار تھے ـــــ چھوٹے بچے بھی یہ سوچنے لگے ـــــ :

"اللہ جانے ۔ کل ہمارا خون اسلام کے لئے حسین لیں گے یا نہیں ـــــ"

اور حضور والا !

آج آپ کو ایک بچے کی بات سُناتا ہوں ـــــ اُسے فکر ہوگئی کہ میرا خون بھی کل کام آئے گا یا نہیں ـــــ!"

اور بچو ! تم نے غور سے سُننا ہے ـــــ تمہارے ہم سن شہید کی بات ہے ـــــ کہ اُسے فکر ہوگیا کہ اللہ جانے میرا خون اسلام کے قابل ہے بھی یا نہیں ۔

شبِ عاشورؑ ـــــ رات کے دو بجے کا وقت ـــــ اور حسینؑ بیٹھے ہیں

مصلّے پہ ـــــ اور راز و نیاز ہو رہا ہے عبد و معبود کے درمیان ـــ دُنیا سے بے خبر ہیں حسینؑ ـــ اللہ سے لو لگائی ہوئی ہے ـــ اور اچانک انہیں محسوس ہوا کہ قریب کوئی آکے بیٹھا ہے ـــ آنکھ کھولی ـــ دیکھا ـــ اور دیکھتے ہی حسینؑ بڑا بے چین ہو گیا ـــ بچے کو اُٹھا کے گود میں بٹھایا ـــ کلیجے سے لگایا ـــ اور فرماتے ہیں۔

"بیٹا قاسمؑ!"

تُم رات گئے کیوں آئے ہو ـــ میں نے کہا تھا اپنی اماں کے پاس رہا کرو ـــ مگر تم کیوں آگئے ـــ"

حسینؑ بچے کا سینہ سونگھتے ہیں اور روتے ہیں

"بیٹا!"

تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آرہی ہے ـــ ہائے آج بھائی حسنؑ نہ ہوتے ـــ

"حسن بھائی!

میں جنگل میں اکیلا رہ گیا ہوں ـــ"

مولاؑ نے قاسمؑ کو کلیجے سے لگایا ـــ بہت ہی پیار کیا ـــ اور پوچھا ـــ!

"بیٹا!

رات کے وقت کیوں آئے ہو؟"

"قبلہ! کیا بات تھی ـــ اماں سے میری کچھ باتیں ہو رہی تھیں ـــ اور باتوں کے دوران میری ماں یہ کہہ بیٹھیں کہ ـــ

ـــ "قاسم بیٹا!

میں سیدانی نہیں ہوں ـــ میں غیر خاندان کی ہوں ـــ [illegible] میرا دودھ تھا

پیاسے ________________ اللہ جانے

میرے دودھ میں تاثیر ہے بھی یا نہیں ________ اللہ جانے

تیری قربانی قبول ہوگی یا نہیں ___"

اور قبلہ !

اماں نے کچھ ایسی باتیں کیں کہ میرے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوگیا کہ جا کے مولاؑ سے پوچھ آؤں

"میرا خون بھی اسلام کی رگوں میں جائے گا ____ کل کے مرنے والوں میں میرا نام بھی ہے ______؟"

اب جو بچے نے یہ پوچھا ____ بارہ سال کا بچہ ____ اور یہ پوچھ رہا ہے کہ "کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں ____"

حسینؑ نے تو آنکھیں چوم لیں ____ پیشانی چوم لی ____ سینے سے لگا لیا _____ اور بچہ ہے کہ بار بار پوچھتا ہے کہ

"چچا جان !

بتاؤ نا ____ کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں ______"

اب مولاؑ "ہاں" نہیں کہتے ____ پیار کرتے ہیں بار بار ________________

پھر بچہ پوچھتا ہے

"چچا جان !

بتاؤ نا ____ کل مرنے والوں میں میرا نام ہے"؟

اب جو بچے نے ضد کی ______ تو مولاؑ نے فرمایا

"بیٹا قاسمؑ !

تم تو بڑے ہو ____ تیرے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے ____"

جب امامؑ نے کہا کہ "اصغرؑ کا نام بھی ہے" تو قاسمؑ جو ابا کی گود میں بیٹھے تھے یکایک دم گھبرا کے کھڑے ہو گئے ——— اور انگڑائی لی تو قبا کے بند ٹوٹ گئے ——— اور پورے جوش میں بولا

"مولاؑ!

یہ آپ نے کیا کہا ——— اصغرؑ شہید ہو گا — یہ نہیں ہو سکتا ——— کیا یہ بے حیا فوج ہمارے خیموں تک پہنچ جائے گی۔ کیا یہ اصغرؑ کے گہوارے تک پہنچ جائے گی ——— " امامؑ کو تو بچے کی اس ادا پہ پیار آ گیا ——— سینے سے لگایا اور فرمایا

"قاسمؑ بیٹا!

کس کی مجال ہے جو تمہاری زندگی میں خیموں کے نزدیک آئے ——— "

"جاؤ بیٹا!

اپنی اماں کے پاس جا کر آرام سے سو جاؤ ——— "

اب قاسمؑ بالکل خاموش ماں کے پاس آ کے بیٹھ گئے ———————

ماں نے پوچھا

"بیٹا! خیر ہے ——— اتنے خاموش کیوں ہو"

قاسمؑ نے جواب دیا

"اماں! تم نے رات مجھے واقعات سناتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ یہاں سے قریب ہی کہیں "نجف نامی" کوئی جگہ ہے ——— جہاں میرے دادا دفن ہیں ——— "

"ہاں بیٹا ——— ٹھیک ہے مگر تم کیا چاہتے ہو ——— ؟"

"اماں! تم میرے یہ کپڑے اتار دو ——— مجھے عرب کے فقیروں جیسا لباس پہنا دو میں عراق میں جا کے دادا کی قبر پہ بیٹھنا چاہتا ہوں ——— "

اب ماں نے گھبر کے پوچھا

"کیوں بیٹا؟"

"اماں!

میں نے کئی بار مولاؑ سے پوچھا ہے کہ کل کے مرنے والوں میں میرا نام ہے یا نہیں؟ ـــــ

تو امامؑ نے جواب کوئی نہیں دیا ـــــــــــــــــــــــــــ معلوم ہوتا ہے کہ شاید کل کے مرنے والوں میں میرا نام نہیں ہے ـــــــــــــ اس لئے میں یہاں نہیں رہنا چاہتا ـــــ میں اپنے دادا کے پاس جانا چاہتا ہوں ـــــــــ"

اب جو ماں نے یہ بات سُنی۔ تو اس کا دل بھی بھر آیا ـــــــــ بچّے کا ہاتھ پکڑا۔ اور سیدھی زینبؑ کے پاس آگئی ـــــــــ آکے سلام کیا اور کہا ـــــ

"بی بیؑ!

تو ملکۂ عالم ہے ـــــ تیری ماں بھی ملکۂ عالم ہے ـــــ ہم تیری ادنیٰ کنیز ہیں ـــ تیرے نعلین اٹھانا ہمارا فخر ہے ـــــــــــــــــــــــــ اور

بی بیؑ!

میں تو تیری ادنیٰ کنیز ہوں ـــــــــــــــــــــ مگر یہ بچّہ آخر تمہارا ہی بچّہ ہے ـــــــــ مجھ بیوہ نے اسے بارہ سال پالا ہے ـــــــــــــ اور بی بیؑ! آپ کو علم ہے کہ میں ہر سال اس کی سالگرہ مناتی تھی ـــــ اور ـــــــــــ ایک بیوہ کا سہارا اس کا بچّہ ہوتا ہے ـــــــــــــ اور ہر سال میں آپ سے کہا کرتی تھی کہ زیادہ دیر نہ لگانا ـــــــ جب بارہ سال پورے ہو جائیں۔ تو اس کی شادی کر دینا ـــــ مجھے بڑی تمنّا ہے اس کی شادی کی ـــــــــــــــــــــــ اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہو جائے گی۔

بی بیؑ!

اب بارہ سال پورے ہو گئے ـــــــــ اور آج میں قاسم کی شادی کرنا

چاہتی ہوں ——— مگر شادی کیسی ہو ———!

آج میں اس کی شہادت سے شادی کرنا چاہتی ہوں

بی بی!

تم میرے ساتھ حسینؑ کے پاس چلو ——— اور میرے سامنے کہلواؤ کہ ———

"کل یہ بھی شہید ہوگا" تاکہ مجھے بھی اطمینان ہو ——— اور اس بچے کو بھی

اطمینان ہو ———"

اے حضور!

قاسمؑ کی ماں کے یہ فقرے سن کر زینبؑ تو گھبرا گئی ——— بھاوج کو ساتھ لیا۔

امامؑ کی خدمت میں پہنچی ——— اور زینبؑ کہنے لگی

"بھابھی جان! آپ خود بات کرلیں ———"

اور اتنی شرمیلی خاتون تھی قاسمؑ کی ماں، حسنؑ کی بیوہ ——— کہ آج پہلی دفعہ حسینؑ سے

بات کر رہی تھی۔

"حسینؑ!

امامِ زمانہ!

امامؑ نے پوچھا

"کون! ———"

تو قاسمؑ کی ماں بولی

"مولاؑ!

تیری بیوہ بھاوج ہوں ———

تجھ سے بھیک مانگنے آئی ہوں ———

حسینؑ، اگر آج حسنؑ زندہ ہوتے ——— تو میں نہ آتی ——— میں چونکہ بیوہ ہوں۔ اس نے

مجھے خود آنا پڑ گیا ـــــ میں آج سوالی بن کے حسینؑ! تیرے دروازے پہ آئی ہوں ـــــ اپنی ماں کی چادر کے صدقے میں میری بیوہ جھولی میں خیرات ڈال دو حسینؑ!"

اب مولاؑ نے فرمایا

"بھابھی جان! فرمایئے کیا حکم ہے ـــ؟"

"حسینؑ!

میں تمہاری ادنیٰ کنیز ہوں ـــــ اپنے بھتیجے کا دل نہ توڑ حسینؑ! اسے بتا دے کہ کل شہیدوں میں اس کا نام بھی ہے ـــــ"

امامؑ نے بچے کے سر پہ ہاتھ پھیرا ـــــ پیار کیا ـــ کلیجے سے لگایا اور فرمایا ـــــ

"قاسمؑ کی ماں!

مطمئن رہو ـــ کل تیری قربانی سب سے زیادہ قبول ہو گی ـــ"

اور ماں بیٹا دونوں اطمینان سے خیمے میں آ گئے ـــــ اور ماں نے آتے ہی دو رکعت نماز شکریہ کی پڑھی

"یا اللہ ـــ تیرا شکر ہے ـــــ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئے گی ـــ"

اور میرے سامعین!

یوم عاشور میدانِ شہادت گرم ہو گیا ـــــ اور قاسمؑ کی ماں اسی طرح مصلے پہ بیٹھی ہیں ـــــ اور جب دوپہر کا وقت ہوا ـــــ تو قاسمؑ خیمے میں آئے اور عرض کیا

"اماں ـ سلام" ـــ

ماں جواب میں کہتی ہے

"بیٹا! ابھی زندہ ہو ـــ؟ میں تمہاری میت دیکھنا چاہتی ہوں میرے لعل! میں تمہارا لاشہ دیکھنا چاہتی ہوں میرے فرزند!"

"اماں! میں جا رہا ہوں ـــ" میں تو تیرے سلام کے لیئے آیا تھا ـــــ"

قاسمؑ نے ماں کو بڑھ کے بڑے ادب سے سلام کیا ــــــ اور ماں نے پیار کر کے رخصت کیا ــــــ اور جب قاسم جانے لگے تو قاسم کی ماں نے آواز دی

"قاسم بیٹا! ذرا ٹھہرنا ــــــ"

قاسمؑ واپس آئے ــــــ اور بی بی زینبؑ کے پاس سے گئیں

"بی بی!

میرا بچہ جا رہا ہے ــــــ میری کمائی کام آ رہی ہے ــــــ میرا بچہ پروان چڑھ رہا ہے ــــــ بی بی! اپنے ہاتھ سے اسے دولہا بنا دو ــــــ"

زینبؑ نے عمامہ پہنایا اور کہا

"ذرا باہر سے حسینؑ کو بلاؤ ــــــ"

حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے ــــــ تو قاسم کی ماں نے عرض کی

"حسینؑ!

میں نے اس کے باپ حسنؑ کا عمامہ بڑی حفاظت سے رکھا ہے ــــــ وہ آج میرے بچے کے سر پہ باندھ دو حسینؑ!"

اور حسینؑ نے عمامہ باندھ دیا ــــــ اور قاسمؑ خیمے سے باہر آئے ــــــ اور حسینؑ نے گود میں لے کے گھوڑے پہ سوار کیا ــــــ قاسمؑ چلے گئے ــــــ اور حسینؑ ایک ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو گئے ــــــ اور زینبؑ دروازے میں کھڑی ہو گئیں ــــــ قاسم کی ماں مصلے پہ بیٹھ گئی ــــــ اور قاسمؑ کی نظر فوجوں پر ــــــ حسینؑ کی نظر قاسمؑ پر ــــــ زینبؑ کی نظر حسینؑ پر ــــــ قاسم کی ماں کی نظر زینبؑ کے چہرے پر ــــــ یہاں سے وہاں تک نظر کا تار بن گیا ــــــ اور دس منٹ گزرے ہوں گے

جو قاسمؑ گھوڑے سے گرے ـــــــ حسینؑ ٹیلے سے گرے ـــــــ زینبؑ

دروازے میں گری ـــــــ اور قاسمؑ کی ماں سجدے میں گری

"یا اللہ!

تیرا شکر ہے ـــــ تُو نے میری قربانی قبول فرمائی ـــــ مجھ بیوہ کی

قربانی منظور فرمائی ـــــ"

اور خیمے میں ماتم شروع ہو گیا ـــــــ سیدانیوں نے سر کے بال کھول دیئے

میرے سامعین!

قاسمؑ اتنا کم سن بچہ تھا ـــــــ کہ جب اور شہید گھوڑے سے گرے

تو انہوں نے مولاؑ کو پکارا ـــــــ مگر قاسمؑ اتنا کم سن بچہ تھا کہ جب یہ گھوڑے سے

گرا ہے ـــــ تو حسینؑ کو نہیں پکارا ـــــ پکارا تو کس کو پکارا

"اماں! میں گر گیا ـــــــ"

اور فوج میں نقارے بجنے لگے۔ فوج میں طبل بجنے لگے ـــــ تو یہ طبل بجنا اس بات

کی علامت تھی کہ بچہ شہید ہو گیا ہے ـــــ اُدھر طبل بجے ـــــ ادھر سیدانیوں نے

سر کے بال کھول کے کہنا شروع کر دیا

"ہائے قاسمؑ!" "ہائے شہزادے!"

تو قاسمؑ کی ماں کہتی ہے

"بی بیو! یہ نہیں ـــــ یہ جو طبل بج رہے ہیں ـــــ یہ میرے بیٹے کی موت

کے نہیں ہیں ـــــ"

یہاں خدائے سخن میر انیس کا ایک شعر ہے ـــــــ کہ جب طبل جنگ بجنے

لگے دشمن کی فوج کی طرف سے ـــــــــــــــــــــــ تو

قاسمؑ کی ماں کہتی کیا ہیں

"بی بی! روؤ نہیں سے

باجے والوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے

کیسا لاشہ! میرے بچے کی بارات آتی ہے

"دیکھتی نہیں ــــ یہ باجے کی آواز آ رہی ہے ــــ میرا بچہ دولہا بن گیا ہے ــــ

یہ میرے بیٹے کی بارات آ رہی ہے"

اور قاسمؑ کی ماں نے آنا فرمایا مولا سے

"حسینؑ!

میں تیری بیوہ بھاوج ہوں ــــ میرا کوئی زور نہیں ہے ــــ آج

حسنؑ زندہ ہوتے۔ تو میرا زور بھی تھا ــــ

حسینؑ!

اگر ہو سکے تو قاسمؑ کی لاش لے آؤ ــــ میں ایک دفعہ لاش کو گود میں

لیکر رونا چاہتی ہوں ــــ"

اور امامؑ میدان میں تشریف لے گئے لاش لانے کے لئے

میرے سامعین!

جب امامؑ پہنچے میدان میں ــــ تو اتنے میں داہنی طرف کے

گھوڑے بائیں طرف دوڑ گئے ــــ اور بائیں طرف کے گھوڑے داہنی طرف دوڑ

گئے ــــ اور زندگی میں اس نازک ترین شہزادے کا جسم پامال ہو گیا ــــ ان

گھوڑوں کے سُموں سے۔ کہ امام زمانؑ زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں۔

میرا سلام ہو اس شہید پہ جس کی داہنی طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے بائیں طرف آ گئی

تھیں ــــ اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے داہنی طرف آ گئی تھیں"۔ ــــ

اور جب حسینؑ پہنچے ــــ تو لاش کا یہ عالم تھا ــــ کہ امامؑ فرماتے ہیں

"قاسم بیٹا!

مجھے معاف کر دو ـــــ میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں ـــــ

بیٹا!

تیری ماں سے وعدہ کر آیا ہوں تیری لاش لانے کا ـــــ اب لاش اٹھانے کے قابل نہیں رہی ـــــ

بیٹا!

میں کیا اٹھاؤں ـــــ "

یہ کہہ کر مولاؑ نے اپنی عبا بچھائی ـــــ اور لاش کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کے عبا میں رکھے ـــــ اور عبا کے چاروں کونے پکڑے ـــــ اور گٹھڑی کی طرح لے کر گھر میں آ گئے ـــــ اور فرمایا

"زینبؑ!

یہاں آؤ ـــــ میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں ـــــ مگر اس کی ماں کو نہ دکھانا ـــــ کہیں ایسا نہ ہو۔ وہ مر جائے ـــــ"

ماں نے سن لیا ـــــ اور باہر آئیں اپنے خیمہ سے

"حسینؑ!

میں کیوں مر جاؤں گی ـــــ دکھاؤ مجھے ـــــ کیا بات ہے؟"

اب جو حسینؑ نے قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی سامنے رکھی ـــــ تو بی بی نے پہلے تو دو رکعت نماز پڑھی ـــــ پھر فرمایا

"زینبؑ! کلثومؑ! رقیہؑ! بی بیو! آؤ ـــــ مجھے مبارک باد دو ـــــ میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے ـــــ

دیکھو! میرا ہدیہ سب سے زیادہ قبول ہوا ہے ـــــ"

امامؑ نے لاش سے جاکے گنجِ شہیداں میں رکھ دی ـــــ اور یہ میرے بیان کا آخری نقرہ ہے قبلہ!

کہ قاسمؑ کی لاش کو اکبرؑ کی لاش پہ رکھ کر حسینؑ دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھے ہیں ـــــ ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پہ ـــــ ایک ہاتھ قاسم کی لاش پہ رکھ کر حسینؑ نے آسمان کی طرف منہ اٹھاکے بلند آواز سے کہا

"واغربتا"

"یا اللہ! میں غریب ہو گیا" ـــــ

"نہ میرا اکبرؑ رہا نہ میرا قاسمؑ رہا" ـــــ

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

~~..~~

نانےؐ کے قدموں نے ـــــ عرش کو

عرشِ مُعلّیٰ بنا دیا

اور

نواسےؑ کے سجدوں نے ـــــ فرش کو

کربلائے مُعلّیٰ بنا دیا

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

امن

(شہادت حضور قمرِ بنی ہاشمؑ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"خداوند عالم عزّ اسمہٗ و جلّ جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام"

حضراتِ گرامی!

اللہ کی سب سے پہلی نعمت تو یہ ہے۔ کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے ــــ اور اس کے بعد اُس کا دوسرا کرم ہم پہ یہ ہے۔ کہ انسان بنانے کے بعد اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں مسلمان بنایا ــــ اگر غیر مسلم کے گھر کہیں پیدا ہو جاتے ــــ تو شاید وہی ہوتے ــــ یہ اور بات ہے کہ کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے دنیا میں، جو اپنی تحقیق و تلاش سے لوٹ پلٹ کے ادھر آجائے ــــ ورنہ عموماً انسان وہی ہوتا ہے جہاں پیدا ہو ــــ جس طرح کوئی مسلمان کے گھر پیدا ہو جائے ــــ وہ مسلمان ہے ــــ جو ہندو کے گھر پیدا ہو جائے ــــ وہ ہندو ہے ــــ جو عیسائی کے گھر پیدا ہو جائے ــــ وہ عیسائی ہے ــــ اور اگلا فقرہ میں کہہ دوں!

جو کسی "بندے" کے گھر پیدا ہو جائے ــــ وہ "بندہ" ہی ہے ــــ اور جو "اللہ" کے گھر پیدا ہو جائے ــــ وہ اللہ × × × × × × × × × ×

خدا کا یہ فضل ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے ـــــــ اور دوسرا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں مسلمان پیدا کیا ہے ـــــــ اور تیسرا احسان اللہ کا یہ بھی ہے کہ ہم مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ ایمان بھی ہیں اور مومن بھی ہیں ـــــــ یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑی عزت ہے ـــــــ کہ کسی کو دولتِ ایمان مِل جائے ـــــــ وہ مومن ہو جائے ـــــــ

میرے محترم سامعین!

"مومن" کا لفظ بنا ہے "ایمان" سے ـــــ "مومن" اُسے کہتے ہیں جس میں "ایمان" ہو ـــــ اور "ایمان" کا لفظ بنا ہے "امن" سے ـــــ جہاں "امن" ہے ـــــ وہاں "ایمان" ہے ـــــ اور جہاں "ایمان" ہے ـــــ وہاں "مومن" ہے ـــــ اور جہاں "بدامنی" ہے ـــــ وہاں "ایمان" نہیں ہے

مومن کبھی "بدامن" نہیں ہوتا ـــــ

چونکہ ایمان کے معنی ہی "امن قائم رکھنا ہے" ـــــ

خود جیئو ـــــ دوسروں کو جینے دو ـــــ بدامنی نہ ہونے پائے ـــــ اِسے "مومن" کہتے ہیں اور جو اپنے قول و عمل و فعل سے، زبان سے بدامنی کرے ـــــ تو سمجھئے اُس کے ایمان میں کمی ہے ـــــ ایمان کے تو معنی ہی یہی ہیں کہ "امن کو ہر حالت میں قائم رکھا جائے ـــــ یہاں تک کہ باوجود طاقت اور قوت کے کوئی شخص محض "امن" قائم رکھنے کے لیئے اپنے حقوق کو چھوڑ کے بیٹھ جائے ـــــ تو ایسا مومن "کُل ایمان" کہلاتا ہے

سامعین!

باوجود اتنی طاقت ہوتے کے محض "امن" قائم رکھنے کے لیئے اپنے حقوق کو چھوڑ دیا ـــــ یہ نہیں کہ بوجہ کسی کمزوری کے بیٹھ گیا ہو ـــــ یہ اور بات ہے کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ جائے ـــــ مگر طاقت ہوتے ہوئے ـــــ قوت ہوتے ہوئے ـــــ ہر صلاحیت ہوتے ہوئے ـــــ پھر بیٹھ جانا ـــــ یہ "کل ایمان" ہے

کرسکتا ہے ——————— اور

رسولؐ جب کسی ایسے انسان کا تعارف کروا دے کہ "یہ کل ایمان ہے

" —— تو ہم فوراً سمجھ جائیں گے کہ "ایمان والا" کون

ہے؟ ——— بس جو اُس سے وابستہ ہے —— وہ "ایمان

والا" ہے —— اور جو اس سے وابستہ نہیں ہے —— "وہ ایمان

والا نہیں ہے" مومن بھائیو!

آپ نے یہ حدیث سُنی ہوگی —— میں آپ کو سناتا ہوں۔ قرآن مجید میں آیت

ہے

"کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ جیسی ہے"

اب میں رسولؐ کی حدیث سناتا ہوں

ایک دن حضور رسالت مآبؐ منبر پہ تشریف فرما تھے —— اصحابؓ

کا مجمع سامنے بیٹھا ہوا تھا ————— اور اس آیت کا ذکر

ہورہا تھا

کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ جیسی ہے۔ ایسا

شجرہ طیبہ جس کی جڑ زمین میں ہے جس کی

شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے۔

تو حضورؐ نے اس کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا

"مسلمانو!

وہ شجرہ طیبہ جس کی جڑ زمین ہے —— جس کی شاخ آسمان میں ہے —— وہ

شجرہ طیبہ! میںؐ اور میری آلؑ ہے —— اور میں اُس شجرہ طیبہ کی "جڑ" ہوں —— اور

میرا بھائی علیؑ! اس شجرہ طیبہ کی "شاخ" ہے ——" اور آپ حضرات کے متعلق فرمایا ہے ——

"جو ہمارے چاہنے والے ہیں ــــ جو ہم سے محبت کرنیوالے ہیں ــ جنہیں ہم سے پیار ہے ــــــ وہ اس "شجرہ طیبہ" کے "پتے" ہیں ــــ"

ماشاءاللہ ــ چشم بد دُور ــــ آپ اُس "شجرہ طیبہ" کے پتے ہیں ــــــ مگر شرط یہ ہے کہ محبت ہو ــــ پیار ہو ــــ پھر آپ اُس شجر کے پتے ہیں ــــــــــــ (پتے بازی نہ ہو) ــــــ اگر واقعاً آپ کو محمدؐ و آلِ محمدؑ سے محبت ہے تو آپ اُس "شجرہ طیبہ" کے پتے ہیں ــ اور

"پتے" کی صفت یہ ہے عزیزو!

ہر جاننے والا ــــ "پتے" کو دیکھ کر بتا دے ــــ کہ یہ فلاں درخت کا "پتا" ہے ــــ درخت ہو موجود یا نہ ہو ــــــ صرف "پتے" کی شکل و صورت ہی دیکھکر بتا دیا جائے ــ کہ فلاں درخت کا "پتا" ہے ــــــــــــ اور اگر ہم واقعاً "معصوم" درخت کے "پتے" ہیں ــ تو ہمیں ایسا ہونا چاہیئے ــ کہ ہمارے اعمال و افعال و اقوال کو دیکھتے ہی دنیا بتا دے کہ ــــ "کسی معصوم درخت کے پتے ہیں ــ" چونکہ "پتے" سے پہنچان جاتا ہے ــــ کہ یہ کس درخت کا "پتا" ہے

اگر کسی درخت کے "پتے" مرجھائے ہوئے ہوں ــ تو پتوں کو مُرجھایا ہوا دیکھ کر دنیا سمجھ لیتی ہے ــــــ کہ آج درخت کے پاس "پانی" نہیں ہے ــــ اس کی جڑ میں کوئی "صدمہ" ہے ــ ــ جب ہی تو پتے مُرجھائے ہوئے ہیں ــــــــــ اور اگر "پتے" تروتازہ ہوں ــــ تو پتہ چلتا ہے کہ "شجر" کی جڑ تروتازہ ہے ــــ شاخیں تروتازہ ہیں ــــ چونکہ پتوں کو دیکھ کر درخت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے

بہر نوع ــ خدا کے فضل و کرم سے آپ لوگ اُس شجر طیبہ کے "پتے" ہیں ــــ علیؑ شاخ ہیں اور رسولؐ اُس کی جڑ ہیں ــــــــ

سامعین!

بتائیے۔ کوئی ایسا درخت دیکھا ہے آپ نے ــــ جس کے "پتے" "شاخ" کی بجائے "جڑ" پر اُگ گئے ہوں؟ ــــــــ "نہیں"

ہمیشہ "پتا"، جڑ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر کہاں ــــــ ؟

وہ شاخ کے دامن کو مضبوط پکڑے بیٹھا ہے ــــ پتے کی صلاحیت یہی ہے ــــ پتے کی شان یہی ہے کہ ــــ "وہ جڑ کے فیض سے زندہ ہے ــــ مگر کب ــ؟" ــــ جب وہ شاخ کے دامن کو پکڑے بیٹھا رہا ــــ "دامن" ہوتا ہے "پتے" کے ہاتھ میں "شاخ" کا ــــ اور فیض پہنچتا ہے اس کی "شاخ" کی معرفت اُسے "جڑ" کا ــــ اور اگر کوئی گستاخ "پتا" ــــ یہ ضد کر بیٹھے کر

"جب جڑ موجود ہے ــــ تو شاخ سے کیا واسطہ ــــ" اور وہ شاخ سے جُدا ہو کے جڑ کے قدموں میں آکے بیٹھ جائے "وہ پتا" ــــ تو دو چار دن تو خیریت سے گذریں گے ــــ پھر "حلیہ" بگڑ جائے گا ــــ شکل خراب ہو جائے گی ــــ رگیں پھول جائیں گی ــــ رنگت زرد ہو جائے گی ــــ موت طاری ہو جائے گی زندگی جواب دے جائے گی ــــ شکل بے شکل ہو جائے گی ــــ حتیٰ کہ ایک سوکھ والا آئے گا ــــ اور آگ میں پھینک دے گا

محض شاخ کا دامن چھوڑنے سے ــــــ لپٹا ہوا ہے "جڑ" کے قدموں سے ــــ مگر "شاخ" کا دامن چھوڑ دیا ــــ اس لئے جڑ کا کوئی فیض اُسے نہیں پہنچتا ــــــــــ ایک ہوا کا جھونکا آیا ــــ اِدھر اڑا کے لے گیا ــــ پھر جھونکا آیا ــــ اُدھر اڑا کے لے گیا ــــــ اور ہوا کے ہر جھونکے سے اڑنے والے "پتے" ــــ وہی ہوتے ہیں۔ جو شاخ کا دامن چھوڑ دیں ــــــــــ

اور اگر کہیں شاخ کا دامن مضبوط پکڑے بیٹھے رہتے ــــ تو

ہوا کے جھونکوں سے جھولتے بھی رہتے ——— اور اپنا مرکز

بھی نہ چھوٹتا ———————————

بہر نوع —— خداوند عالم نے ہم پر یہ اپنا فضل فرمایا ہے ——

کہ ہمیں اُس "شجرہ طیبہ" کا "پتہ" بنایا ہے ——— اور ہم

دنیا کو "پتہ" دیتے ہیں —— کہ ہم کس شجرہ طیبہ کے "پتے" ہیں۔

ہماری حالت سے اندازہ ہوتا ہے ——— جس دن ہمارے گھر میں

غم ہو —— دنیا سمجھے گی کہ —— "ان کے شجر میں غم ہے ——"

اور جس دن ہمارے گھر میں خوشی ہو —— دنیا سمجھ لیتی ہے ——— "ان کے شجر میں خوشی ہے ——"

میرے محترم سامعین!

خدا نے ایسے مرشد ہمیں عطا فرمائے ہیں ——— ایسے محبوب ہمیں عطا فرمائے

ہیں ——— ایسے پیارے پیشوا ہمیں عطا فرمائے ہیں —— کہ انہیں ہر حالت میں ہم سے

زیادہ ہم سے پیار ہے ——— وہ سر سے پیر تک ہمارے لئے رحمت ہی رحمت ہیں ———

اُن کا وجود ۔ رحمت —— اُن کا ہنسنا رحمت ——— اُن کا اُٹھنا رحمت ——— اُن کا

بیٹھنا رحمت ——— اُن کا جاگنا رحمت —— اُن کا سونا رحمت —— اُن کا بولنا رحمت ——

اُن کا مسکرا رحمت ——— سر سے پیر تک رحمت ہی رحمت ——— اور ہم تو اس بات پہ

نازاں ہیں ——— کہ ہمارا مرشد —— ہمارا رہبر —— ہمارا پیشوا —— ہمارا پیر —— ہمارا سائیں!

جس کے ساتھ ہمارا تعلق ہے ——————— وہ خدا کے فضل و کرم سے دنیا میں ——— "ہے"

ہمارا "امام" "ہے" ——— ہمارا "وارث" "ہے"۔ اور جب ہمارا "امام" "ہے" ———

تو اسی لئے ہم "امامیہ" کہلاتے ہیں ——————— اور وہ امامیہ نہیں کہلا سکتا ——— جس کا امام

تھا ——— امامیہ وہی ہیں ——— جن کا "امام" "ہے" ——— لہذا ہم "امامیہ" ہیں

ہمارا "وارث" "ہے" ——— ہمارا "امام" "ہے" ——— ہمارا اُن سے تعلق

ہے ـــــ ہماری اُن سے ہر وقت وابستگی ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ وہ "غائب" ہے ـــــ مگر مدد ہے"

یاد رکھو ـــــ اہلِ ایمان!

"ایمان" کا لفظ "امن" سے بنا ہے ـــــ اور "امن" قائم رہتا ہے اس یقین سے ـــــ کہ کوئی وارث ہمارا "ہے" جو "غائب ہے" ـــــ چونکہ یقین "امن" کو قائم رکھتا ہے ـــــ

سامعین!

ہاں تو یہ روزمرہ کی مثالیں ـــــ مگر ان ہی مثالوں سے بات سمجھ میں آتی ہے ـــــ جس طرح یہ بچے جو بیٹھے ہیں منبر کے قریب آ کے ـــــ بہت سے انہیں کہتے ہیں کہ "اُٹھ جاؤ ـــــ"

میں کہتا ہوں ـــــ "نہیں ـــــ ایسا نہ کرو ـــــ"

کیونکہ بچوں کو منبر کے پاس بیٹھنا چاہیئے ـــــ اور جہاں تک میری زبان کا تعلق ہے ـــــ وہ میں جان بوجھ کر نہایت سلیس زبان میں گفتگو کرتا ہوں ـــــ تاکہ ان بچوں کو بھی یاد ہو جائے .... کیوں بچو!

یاد ہو جاتی ہے ـــــ؟

"ہاں ـــــ" بچے کہہ رہے ہیں "ہاں ـــــ" چونکہ معصوم کبھی غلط بات نہیں کہتا ـــــ وہ صحیح کہتا ہے ـــــ اور اگر معصوم کی کسی بات میں غلطی نظر آئے ـــــ تو یہ معصوم کی غلطی نہیں ہوگی ـــــ بلکہ یہ ہماری سمجھ کی غلطی ہوگی ـــــ ورنہ معصوم جو کہتا ہے ـــــ

وہ بالکل "ٹھیک" کہتا ہے ———

بہرنوع ——— بچّے اپنے گھروں میں شرارت بھی کرتے ہیں ———

بچّوں کو شرارت کرنی چاہیئے ——— کیونکہ بچپن کے معنی ہی یہی ہیں ———

کہ اس میں شوخی بھی ہو ——— شرارت بھی ہو ——— ایسا تو نہیں ہو

سکتا ——— کہ بچّہ بڑوں کی طرح خاموش بیٹھا رہے ——— اور

جو بچّہ بچپن میں شرارت نہ کرتا ہو ——— وہ تو بچپن کی توہین کرتا ہے

——— بچپن کی عزّت ہی یہی ہے ——— کہ اس میں تھوڑی سی "شرارت"

بھی ہونی چاہیئے ——— "خباثت" بُری چیز ہے ——— کہ بچّہ

گلیوں میں گالیاں بکتا پھرتا ہو ——— مارتا پیٹتا ہو ——— چوری کرتا ہو ـ

مدرسے نہ جاتا ہو ——— یہ خباثت ہے ——— مگر جہاں تک "شوخی"

اور شرارت کا تعلق ہے ——— وہ بچّے میں ہونی چاہیئے ———

"بچپن کا زیور ہے ——— یہ بچّے کا ہنر ہے ——— یہ بچّے کا جوہر ہے ———"

چنانچہ ہر گھر میں چند شرارتی بچّے موجود ہوتے ہیں ——— اور

مدرسے میں تو محلہ بھر کی شرارت اکٹھی ہوتی ہوگی ———

سامعین!

ایک دن میں گیا مدرسے میں ——— کہ جا کے دیکھوں کہ محلّے بھر کی

شرارت کیا رہی ہے ——— اور

دیکھتا کیا ہوں قبلہ! کہ کلاس میں بیٹھے ہوئے ہیں ——— ایسے

بھیگی بلّی بنے ہوئے ——— کہ جیسے شرارت کرنا جانتے ہی نہیں ———

وہ جو گھر والی شرارت تھی ——— وہ بالکل ہے ہی نہیں ان میں ——— ایسے

آرام سے بیٹھے ہیں ——— کہ کیا مجال جو کوئی شرارت کر جائے ———

—— اب میں نے شیشے میں جو جھانک کے دیکھا —— تو ماسٹر صاحب بھی نہیں تھے —— پھر بھی بڑے آرام سے بیٹھے ہیں ——

میں نے آواز دی

بچو!

تمہارا ماسٹر بھی موجود نہیں ہے —— تم شرارت کیوں نہیں کرتے —— تمہاری تو عادت ہے شرارت کرنا —— "امن" سے کیوں بیٹھے ہو ——؟"

تو بچوں نے کہا

"مولوی صاحب! شرارت نہیں کرنا —— ماسٹر صاحب تو نہیں ہیں —— مگر ڈر یہ ہے کہ کہیں —— "آنہ جائیں" ——"

حضور! تمام شریر بچے بیٹھ گئے اس ڈر کی وجہ سے —— کہ کہیں ماسٹر صاحب آنہ جائیں —— اور —— یہ ڈر "امن" کو قائم رکھتا ہے۔

اسی "امن" سے "ایمان" بنتا ہے

سامعین!

تھوڑی دیر بعد اب چپراسی نے آکے کہہ دیا بچوں سے

"بچو!

آج ماسٹر صاحب نہیں آئیں گے —— "

بس —— یہ سنا تھا کہ "نہیں آئیں گے" —————— اب جو آنے والے کا ڈر نہ رہا ———— تو پھر وہ شرارتیں ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ! —— کتابیں پھٹ گئیں۔ دوات قلم ٹوٹ گئے —— ایک دوسرے کے گریبان پھٹ گئے —— مدرسے کی گرد آسمان پہنچ گئی —————————— اور

سامعین!

اب کلاس میں جاکر دیکھو ـــــ ایک بچہ نہیں پوری جماعت کی جماعت ـــــ
پورے اہل جماعت شریر ہو گئے ـــــ ایک نہ آنے والے کی وجہ سے ـــــ ڈر نہیں
تھا آنے والے کا ـــــ اس لئے کہ اس نے آنا نہیں تھا ـــــ

اور بچے ابھی شرارت میں مشغول ہی تھے کہ کسی نے کہہ دیا ـــ
"ماسٹر صاحب آگئے ہیں ـــــ"
تو پھر جناب! تمام بچے اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے ـــــ ایسے
اطمینان سے ـــ کہ میں آپ کو کیا بتاؤں
"کتابیں بھی کھل گئیں ـــــ دوات قلم بھی رکھا گیا ـــــ گر
آنے والے کا ڈر ہے ـــــ تو کتاب کی بھی خیریت ہے ـــــ
کتاب بھی جیب ہی محفوظ ہے ـــــ دوات قلم بھی ہوش ہے
ـــــ صرف ڈر کی وجہ سے

میرے سامعین!

یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ـــــ کہ ہماری آل محمدؐ سے وابستگی ہے ـــــ
ہمارا اُن سے تعلق ہے ـــــ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا وارث ہے ـــــ وہ ہمیں دیکھ رہا
ہے ـــــ اور اُس کے ڈر سے ہم میں دامن ، بھی ہے ـــــ اور ایمان بھی ہے ـــــ
اس لئے کہ ہمارا وارث موجود رہے۔ ـــــ لاوارث کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے
ـــــ ہمارا وارث موجود ہے ـــــ سرور کائناتؐ سے لیکر امام عصرؑ تک ہمارے
وارث موجود ہیں ـــــ اور ـــــ

حضور والا!

حضور سرور کائناتؐ کو کتنا پیار تھا اپنے ساتھیوں سے ـــــ اپنے چاہنے والوں

سے ـــــ اتنا اُن چاہنے والوں کو نہیں تھا ــــ جتنا حضور سرورِ کائنات کو اپنے ساتھیوں سے پیار تھا ـــــ چاہے عرب ہو ـــــ چاہے عجم ہو ـــــ چاہے کالا ہو ـــــ چاہے گورا ہو ـــــ رسولؐ کو پیار تھا ـــــ اور یہ پیار ہی کی بات تھی نا ـــــ کہ فصیح اللہجہ عربوں کے ہوتے ہوئے اذان کا کام حضرت بلالؓ کے سپرد تھا ـــــ جو "اللہ اکبر" نہیں کہہ سکتے تھے بوجہ حبشی ہونے کے اور "شین" کو "سین" کہہ کے بولتے تھے ـــــ مگر بلالؓ اذان کہتے تھے مسجد کے گلدستہ پہ ـــــ

ایک دن لوگوں نے مشورہ کر لیا ـــــ کہ "عربوں کے ہوتے ہوئے یہ حبشی اذان کیوں دیتا ہے ـــــ یہ بدلا جائے ـــــ" ـــــ صبح کا وقت تھا ـــــ عربوں نے حسان ابنِ ثابت اصحابی رسولؐ کے چھوٹے بھائی سے جو بہت خوش لہجہ تھے ـــــ انہیں کھڑا کر دیا گلدستۂ مسجد پر اذان کہنے کے لئے ـــــ اب جو انہوں نے اذان کہی ـــــ تو عرب جھوم گئے ـــــ

"لطف آ گیا اذان کا ـــــ"

اب بلالؓ چپ کھڑے ہیں ـــــ اذان ہو گئی ـــــ اور مسلمان اب اس انتظار میں ہیں ـــــ کہ حضورؐ تشریف لائیں ـــــ تو نماز پڑھیں ـــــ جب دیر ہو گئی ـــــ تو درِ دولت پہ حاضر ہوئے ـــــ اور عرض کی

"یا رسولؐ اللہ!

تشریف لایئے مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے ـــــ"

تو رسولؐ پوچھتے ہیں

"آج اذان نہیں ہوئی ـــــ؟"

مسلمانوں نے عرض کی

"قبلہ! آج تو وہ اذان ہوئی ہے کہ لطف آ گیا ـــــ"

رسولؐ نے فرمایا

"ہم نے نہیں سُنی ــــــ ہمیں تو آواز نہیں آئی ـــــــ کس نے اذان کہی تھی ـــــــ؟"

مسلمانوں نے کہا ـــــــ کہ فلاں شخص نے ـــــــ

تو رسولؐ فرماتے ہیں

"کیوں؟

میرے بلالؓ کو کیا ہوا تھا ـــــــ"

"حضورؐ!

ہم نے آج چاہا تھا کہ "عرب" کی زبان سے اذان ہو ـــــــ"

حضورؐ نے فرمایا

"نہیں" کالے کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلے گا ـــــــ میرے بلالؓ سے اذان کہلواؤ ـــــــ"

چنانچہ بلالؓ نے اذان کہی ـــــــ حضورؐ برآمد ہوئے ـــــــ اور اس واقعہ سے دنیا کو سبق دے دیا ـــــــ کہ میں کسی جگہ اگر کسی حبشی کو بھی مقرر کر دوں ـــــــ تمہیں حق نہیں کہ اُسے ہٹا کے کسی اور کو وہاں لے آؤ ـــــــ"

بہر نوع ـــــــ رسولؐ یہی چاہتے تھے۔ کہ ہر ایک سے محبت ہو ـــــــ آپس میں محبت کرو ـــــــ ایک دوسرے کے بھائی بن کے رہو ـــــــ جو اپنے لئے چاہو ـــــــ وہی اپنے بھائی کے لئے چاہو" ـــــــ

رسولؐ نے اس بات کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا کہ ایک مومن بھی دوسرے مومن کے پس پشت اس کی برائی کرے ـــــــ غیبت کرے ـــــــ اور اگر کسی میں کوئی گناہ ہے ـــــــ وہ اس کے پس پشت بیان کرو ـــــــ تو یہ "غیبت" ہے ـــــــ اور اگر گناہ نہیں ہے ویسے جھوٹ کہہ رہے ہو ـــــــ تو یہ بہتان ہے

—— اللہ اس گناہ کو معاف نہیں کرتا —— لہذا آپ سب بھائی بن کے رہیں ——
آپس میں محبت کریں —— اور اسی محبت پیدا کرنے کے لئے حبیب رسولؐ ہجرت کر کے
مدینے تشریف لائے —— اور مدینے کی مسجد بن گئی —— تو ایک دن
رسولؐ نے اپنی مسجد میں یہ انتظام فرمایا —— کہ تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر لیا —— تمام
صحابیوںؓ کو حکم دیا

"سب جمع ہو جاؤ ——"

اور جب وہ جمع ہو گئے —— تو آپ نے فرمایا

"آج میں چاہتا ہوں کہ تمہارے دل ایک دوسرے سے ملا دوں —— لہذا آج
میں تمہارے درمیان میں مواخات قائم کروں گا —— ایک دوسرے کو بھائی بنا یا جائے"
چنانچہ آپ نے منبر پہ بیٹھ کے حکم دیا

"فلاں صاحب اٹھیں"

ایک صاحب اٹھے

پھر فرمایا —— "فلاں صاحب اٹھیں ——"

وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے

تو پھر آپؐ نے فرمایا —— "آپ دونوں کو میں نے بھائی بنا دیا ہے ——"

اور وہ ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر گلے ملتے تھے —— اسی طرح تمام مسلمانوں کو
—— دو دو کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا —— کسی انصاری کے ساتھ کسی مہاجر
کو —— کسی مہاجر کے ساتھ کسی انصاری کو —— کہیں دو مہاجروں کو —— کہیں دو
انصاریوں کو —— غرض سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا —— ـ ـ ـ ـ
اس بھائی بنانے میں کافی دیر لگ گئی —— ہر بھائی اپنے بھائی کے گلے مل رہا تھا اور دوسرے
اسے مبارک باد دے رہا تھا —— اسے مل رہا تھا —— وہ کہہ رہا تھا ۔۔۔ ـ ـ ـ ـ

وہ کہہ رہا تھا "انتَ اخی"۔ ــــــ غرض رسولؐ کی مسجد میں عید ہو رہی تھی (جب ہم عید کو گلے ملتے ہیں نا ــــ یہ اُسی دن کے گلے ملنے کی یادگار ہے)

تو اُسی وقت جب مسلمان بھائی بن کر خوش ہو رہے تھے ــــــ تو دیکھا دنیا نے کہ ایک شخص چُپکے کونے میں اُداس کھڑا ہے ــــــ اور سب مل رہے تھے گلے سے مگر وہ تنہا اداس کھڑا ہے ــــــ اور رسولؐ اپنے منبر پہ تشریف فرما ہیں ــ انہوں نے دیکھا کہ وہ بہت اُداس کھڑا ہے ــــــ تو فرمایا

"ادھر آؤ"

جب وہ پہنچا رسولؐ کے سامنے ــــــ تو حضورؐ نے پوچھا

"تم کیوں اُداس ہو ــــــ خاموش کیوں کھڑے ہو ــــ؟"

"حضورؐ!

آپ نے سب کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے ــــــ اور یہ بھائی بن کر کتنے خوش ہو رہے ہیں ــــــ مگر آپؐ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا ــــــ میں کس کے گلے مل کے کہوں کہ ــــــ "تو میرا بھائی ہے ــــــ"

رسولؐ کا یہ سُننا تھا۔ کہ آپؐ منبر کے نیچے کے زینے پہ تشریف لائے اور فرمایا ــــــ

"علیؑ! اِدھر آؤ ــــــ اِن میں سے کوئی اِس قابل نہیں کہ تم اس کے بھائی بنو ــــــ"

"تو میرا دنیا اور آخرت میں بھائی ہے"

"علیؑ!

میں نے ہم مزاجوں کو بھائی بنایا ہے۔ جس کا جس سے مزاج ملتا تھا وہ اُس کا بھائی ہے ــــــ اور تیرا مزاج کسی سے ملتا ہی نہیں۔ سوائے میرے ــــــ تو میرا بھائی ہے یا علیؑ! "انتَ اخی" یا علیؑ! تو میرا بھائی ہے دنیا اور

آخرت میں ـــــــــــ"

سامعین!

ڈاکٹر صاحبان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو خون مریض کو دیا جاتا ہے ــــ تو اُس خون کی تاثیر اُس مریض کے مزاج میں آجاتی ہے

مثلاً کسی بڑے غصیلے آدمی کا خون دے دیا گیا مجھے ــــ بچ تو میں گیا ــــ مگر زندگی بھر غصہ آتا رہے گا ــــ اور کسی حلیم آدمی کا خون آگیا۔ تو حلم آجائے گا ــــ جیسا خون کسی کو دے دو ــــ اس کی تاثیر وہی رہتی ہے ـــــــــ

تو اب بتایئے ــــ

اُس کے خون کا کیا کہنا۔ جسے رسولؐ گلے سے لگا کے یہ فرمائیں۔

"علیؑ! تو میرا بھائی ہے اس دنیا اور آخرت میں" کیونکہ ــــ

تیرا سارا خون میرا خون ہے ــــــ"

اور لطف آیا ہوگا حضور والا!

جب رسولؐ نے بچے کو گود میں لیکر خدا کے گھر سے چلے ہیں ــــ

اور اپنے گھر لا کے گہوارے میں لٹا دیا ــــــــ خاندان بنی ہاشم پوچھتا ہے ــــ

"محمدؐ!

مبارک ہو ــــ خداوند عالم نے بڑا اچھا بھائی عطا کیا ہے ــــ ابی طالبؑ کا بیٹا ہے ــــ خدا کے گھر پیدا ہے ــــ"

"بھئی! خیر مبارک ہو ــــ آپ لوگوں کو بھی مبارک ہو ــــ"

چنانچہ سب خاندان بنی ہاشم رسولؐ کو مبارک دے رہا ہے ــــ اور رسولؐ مسکرا کر

"خیر مبارک" کہہ رہے ہیں ـــــــ اتنے میں (حضرت) ابوجہل تشریف لائے (ابوجہل مکہ کی مشہور شخصیت تھے۔ ان کا ذریعۂ معاش یہ تھا کہ جب کسی بڑے گھر کا بچہ پیدا ہوتا ـــــ تو وہ جاتے اور جا کے دُعا دیتے ـــــ اور کسی بُت کے پیر کی نیچے کی مٹی بطور سُرمہ اُس بچے کی آنکھ میں لگا دیتے ـــــ اور ۵ سے لیکر پانچ روپیہ تک انعام لیکر گھر واپس آ جاتے) چنانچہ ابوجہل بڑے خوش۔ کہ بہت بڑے گھر میں بیٹا پیدا ہوا ہے ـــــ انعام بھی بہت بڑا ملے گا ـــــ ایک چاندی کی سلائی بنوائی ـــــ چاندی کی سُرمہ دانی بنوائی ـــــ اور سُرمہ باریک پیس کے لے گئے ـــــ اور رسولؐ کو جا کے سلام کیا

"محمدؐ! سلام ـــــ"

حضورؐ نے پوچھا

"ابوجہل! کیسے آئے ـــــ"

"حضورؐ!

بچے کی مبارک باد دینے آیا ہوں ـــــ اور اپنا حق لینے آیا ہوں"

اب رسولؐ ہنسی روکے بیٹھے ہیں ـــــ جی چاہتا ہے ہنسنے کو مگر ہنسی روکے بیٹھے ہیں اور فرماتے ہیں

"بچہ لیٹا ہوا ہے گہوارے میں ـــــ بچہ جانے اور آپ جانیں ـــــ"

ابوجہل بچے کے قریب آیا ـــــ چہرے سے کپڑا اٹھایا

"ماشاءاللہ ـــــ بڑا خوبصورت ہے ـــــ"

اب رسولؐ ہنسی روکے بیٹھے ہیں ـــــ ابوجہل بچے کے اور قریب آیا ـــــ سلائی میں سُرمہ لگایا ـــــ پھر ذرا اور قریب ہوئے ـــــ بائیں ہاتھ سے بچے کی آنکھ کھولی ـــــ دائیں ہاتھ سے ارادہ کیا سُرمہ لگانے کا ـــــ سلائی آنکھ کے قریب پہنچی ہی تھی ـــــ کہ بچے نے انگڑائی لی ـــــ اور ایک زور سے جو طمانچہ مارا ـــــ

تو ابوجہل صاحب کا منہ پھر گیا ــــــ جہل اِدھر رہ گیا ــــ ابو اُدھر رہ گیا ــــــ

بے چارہ شرم کے مارے اُٹھ کے چلا گیا اور جاتے وقت صرف یہی کہا ــــ

" یہ خاندان جادو گر ہے ــــــ "

بہر نوع ــ خاندان کے لوگ بڑے خوش اور کہتے ہیں

محمدؐ !

" خدا نے بڑا بہادر بچہ عطا کیا ہے ــــ ذرا زیارت تو کراؤ اس بچے کی

ــ ہمیں اس کی شکل تو دیکھیں کیا شکل ہے ــــ "

ان کا یہ تکرار کہ ہمیں اس بچے کی شکل دکھاؤ ــــ اور رسولؐ کو یہ ڈر کہ بچے اُسی شکل کے

ہوتے ہیں جس گھر پیدا ہوتے ہیں (جس طرح باپ، بھائی، ماموں اور چچا وغیرہ کی شکل) ــــــ

اب یہ بچہ جو اس گھر میں پیدا ہوا تھا ــــ اُس کے مالک کی کوئی شکل ہی نہیں تھی ــــــ

رسولؐ حیران ہیں کہ اس کی کیا شکل بتاؤں ــــــ اُدھر لوگ سمجھے کہ بچہ بدصورت ہوگا۔

جب ہی تو محمدؐ کچھ نہیں بتاتے ــــــ اِدھر رسولؐ کو یہ مشکل آن پڑی تھی کہ کس کی شکل

بتاؤں ــــــــــــــــــــــــــــــــ آخر

گھر کے مالک نے "وحی" کی

" محمدؐ !

ذرا سی بات سے گھبرا گئے ــــ لوگ شکل پوچھتے ہیں اور تم اس کی شکل بتاتے

ہوئے گھبراتے ہو ــــــ "

کہہ دو ان سے کہ

چہرہ ــــ " وجہ اللہ" ہے ــــــ

آنکھ ــــ " عین اللہ " ہے ــــــ

زبان ــــ " لسان اللہ " ہے ــــــ

اور ہاتھ ـــــ "ید اللہ" ہے ـــــ ...."

اور کس کی شکل ہے ـــــ ساری اللہ کی شکل ہے ـــــ

اب حضورؐ نے اُن سے کہہ دیا کہ چہرہ "وجہ اللہ" ہے ـــــ آنکھ "عین اللہ" ہے ـــــ

زبان "لسان اللہ" ہے ـــــ اور ہاتھ "ید اللہ" ہے ـــــ پھر خیال یہ آیا کہ دعائیں

مانگ مانگ کے اپنی مدد کے لئے میں نے اسے اللہ سے مانگا تھا ـــــ مگر اللہ نے ایک ایک کر کے

پھر واپس لے لیا ـــــ میرے پاس کیا بچا ـــــ

تو جو اللہ نے ابھی نہیں کہا تھا ـــــ وہ جلدی جلدی رسولؐ نے کہہ دیا

"یا علیؑ!

" دمک دمی لحمک لحمی " تیرا خون، میرا خون ہے ـــــ

" تیرا گوشت، میرا گوشت ہے ـــــ"

سامعین!

گوشت، خون رسول نے دے دیا ـــــ اور

ہاتھ، آنکھ اللہ نے دے دیا ـــــ اور

ہم دیکھتے کیا ہیں ـــــ کہ علیؑ گہوارے میں لیٹے ہوئے ہنس رہے ہیں

"یا علیؑ!

تم کیوں ہنستے ہو ـــــ ؟"

علیؑ فرماتے ہیں

"آج لطف آگیا ـــــ"

"قبلہ! کیا لطف آگیا ـــــ؟"

"آج ہم بٹ گئے ـــــ آج ہم تقسیم ہو گئے ـــــ آدھے اللہ کے حصے میں آ گئے ـــــ

آدھے رسولؐ کے حصے میں آ گئے ـــــ اب ہمارے پاس تو کچھ رہا نہ ـــــ جو ہم

سے محبت کرے گا ــــ آدھی اللہ سے کرے گا ــــ آدھی رسولؐ سے کرے گا ــــ اور جو ہم سے عداوت کرے گا ــــ آدھی اللہ سے کرے گا ــــ آدھی رسولؐ سے کرے گا ــــ ۔"

سامعین!

آج پھر رسولؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا ــــ

"علیؑ!

تم میرے بھائی ہو دنیا میں اور آخرت میں ــــ میرا رشتہ تم سے قائم رہے گا ــــ تم یہاں بھی میرے بھائی ہو وہاں بھی میرے بھائی ہو ــــ"

اور اللہ کا یہ فرمان ہے ۔کہ جنت میں کچھ بھائی ہوں گے ــــ وہ آمنے سامنے تختوں پہ بیٹھے ہوں گے ــــ اور ہم بھی دیکھیں گے ــــ ایک تخت پہ ایک بھائی ہو گا ایک تخت پہ ایک بھائی ہو گا بیچ میں ہم کھڑے ہوں گے ــــ اُدھر دیکھا ــــ درود پڑھ لیا ۔ اِدھر دیکھا سلام کر لیا ــــ

بہر نوع ــــ بھائی کا بڑا عجیب رشتہ ہوتا ہے ــــ بازو کی قوت بھائی ہوتا ہے دل کا سہارا بھائی ہوتا ہے ــــ دُنیا کی زینت بھائی ہوتا ہے ــــ آنگن کی رونق بھائی ہوتا ہے ــــ اور بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹی ہے ــــ یہ عجیب رشتہ ہے بھائی کا ــــ رسولؐ کہتے ہیں

"یا علیؑ!

تُو میرا بھائی ہے ــــ تُو دنیا میں بھی میرا بھائی ہے ــــ تُو آخرت میں بھی میرا بھائی ہے ــــ اور ایسا عجیب بھائی کہ دُنیا نے ایسا بھائی دیکھا ہی نہیں ــــ کہ اولاد تیری ہو گی ــــ نسل میری کہلائے گی ــــ بیٹے تیرے

ہوں گے ـــــــ اولاد میری کہلائے گی ـــــــ"

اللہ نے اِن بھائیوں کا ایسا رشتہ بنایا ـــ کہ حسن و حسینؑ جیسے عجیب وغریب بیٹے عطا کئے علیؑ کو ـــ حسنؑ ابنِ علیؑ ہیں ـــ حسینؑ ابن علیؑ ہیں ـــ حسنینؑ بیٹے علیؑ کے ہیں ـــ مگر قیامت تک دنیا سلام کیا کرتی رہے گی۔

"السلام علیک یا ابن رسولؐ اللہ ـــــــ"

اتنا قریبی رشتہ ہے ـــ حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے اللہ نے دیئے ـــ یہ دونوں بھائی آپس میں مثال بنے ہیں ـــ ایسے بھائی آج تک نہ پیدا ہوئے اور نہ ہی پیدا ہوں گے ـــ علیؑ کا سینہ فخر سے تن جاتا ہے۔ جب کوئی کہتا تھا

"حسنینؑ کا اَبا" ـــــــ اور جناب سیدہؑ شکر کے سجدے کرتی تھیں۔

جب کوئی کہتا تھا

"حسنینؑ کی اماں ـــــــ"

خدا نے ایسے عجیب وغریب فرزند عطا فرما دیئے جناب علیؑ و سیدہؑ کو ـــ اور ایسے بھائی دنیا میں پیدا ہوئے ہی نہیں جیسے یہ بھائی تھے ـــــــ

اللہ نے علیؑ کو اور اولاد دینا شروع کر دی ـــ حسنؑ و حسینؑ کے بعد اللہ نے علیؑ کو ایک بیٹا عطا فرمایا ـــ وہ تھے جناب حنفیہؑ ـــ امیرالمومنینؑ کے تیسرے بیٹے تھے ـــ فرق صرف یہ تھا کہ حسنینؑ کی ماں جناب سیدہؑ تھیں ـــ اور حنفیہؑ کی ماں اور خاتونؑ تھیں ـــ ویسے جناب حنفیہؑ علیؑ کی شجاعت کے مالک تھے ـــ علیؑ کی بہادری کے مالک تھے ـــ عرب کا مانا ہوا سردار ـــ دنیا لوہا مانتی تھی اُن کی بہادری و طاقت کا ـــ امامت کی خصوصیات حسنینؑ کے ساتھ تھیں ـــ مگر خاندانِ بنی ہاشم کی عظمت محمد حنفیہؑ کے ساتھ تھیں

سامعین!

جب معرکۂ رجز ہوا ہے ـــــ اُس جنگ میں علیؑ کی فوج کا علم ان ہی محمد حنفیہؒ کے ہاتھ میں تھا ـــــ یہی علمبردار تھے ـــــــــــــــ اور

وہ جو علیؑ کی وصیتیں ہیں جنگ کے موقع پہ (جو نہج البلاغہ میں محفوظ ہیں ـــــ اور دوسری کتابوں میں بھی) وہ ان ہی محمد حنفیہؒ کو وصیتیں کی تھیں ـــــ کہ

"لو محمدؐ!

یہ علم سنبھالو ـــــ اور میدانِ جنگ میں جاؤ ـــــ"

"دیکھو!

سب سے پچھلی صف پہ تمہاری نظر رہے ـــ پہاڑ ٹل جائیں

مگر تمہارے قدم اپنی جگہ سے نہ ہٹنے پائیں ـــــ اپنے دانتوں کو مضبوط

جما لینا ـــــ اپنا سر خدا کے سپرد کر دینا ـــــ اور حملہ کرنا ـــــ"

جاؤ بیٹا!

شاباش ـــــ خدا تمہارا محافظ ہوگا ـــــــ"

یہ فرما کے علیؑ نے محمد حنفیہؒ کو میدانِ جنگ میں بھیجا ـــــــ اُس نے واقعاً شجاعت کے جوہر دکھائے ـــــــ اور جب جوہرِ شجاعت دکھا کے واپس آئے ـــــ تو علیؑ نے شہد کا شربت پلایا ـــــ سائے میں بٹھایا ـــــ عبا کے دامن سے ہوا کی ـــــ جب تازہ دم ہوگئے ـــــ تو دوبارہ بھیج دیا ـــــ پھر جب تازہ دم ہوگئے ـــــ تیسری دفعہ پھر بھیج دیا ـــــــــــ جب تیسری دفعہ بھیج رہے تھے نا تازہ دم کر کے تو

محمد حنفیہؒ کے منہ سے نکل گیا

"بابا جان!

جو میرے بڑے بھائی ہیں حسنؑ و حسینؑ ـــــ اس دفعہ انہیں بھیج دیں ـــــ"

علیؑ کا یہ سننا تھا کہ فرمایا

"محمد حنفیہؓ!

میں سمجھ گیا ـــــ تو جانے سے ہچکچا رہا ہے ـــــ اس لئے کہ تیری ماں کے

دودھ کا اثر یہی ہے ـــــ"

اب جو مولاؑ نے یہ فقرہ کہا کہ "تیری ماں کے دودھ کا اثر ہے ـــــ"

تو بچے کو غیرت آ گئی ـــــ "زرہ" جو پکڑی ہوئی تھی ہاتھ سے اسے

توڑ دیا اور اب کے جو حملہ کیا تو "جنگ جمل" کا فیصلہ ہی کر دیا ـــــ

بہر نوع۔ ایسا بہادر بیٹا خدا نے علیؑ کو عطا فرمایا ـــــ ادھر حسنؑ و حسینؑ جیسے

بیٹے ـــــ ادھر محمد حنفیہؓ جیسا بہادر بیٹا علیؑ کے پاس موجود ـــــ جس کی بہادری کی

دھاک بیٹھی ہوئی تھی دنیا میں ـــــ ان بیٹوں کے ہوتے ہوئے ـــــ

ایک دن امیرالمومنینؑ نے اپنے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کو بلایا ـــــ عقیلؓ

آئے ـــــ علیؑ تعظیم کو اٹھے ـــــ اور عقیلؓ کہتے ہیں

"یا علیؑ! تم امام زمانہؑ ہو ـــــ تم میری تعظیم نہ کرو ـــــ"

مولاؑ نے فرمایا

"عقیلؓ بھائی!

میں نے بحیثیت امام نہیں بلایا ـــــ بلکہ بھائی کی حیثیت سے آپ کو بلایا

ہے ـــــ آپ بڑے بھائی ہیں ـــــ اور بڑا بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے ـــــ

میں آج آپ سے خاص بات کہنا چاہتا ہوں ـــــ"

عقیلؓ نے پوچھا

"یا علیؑ! کونسی بات ـــــ؟"

مولاؑ نے فرمایا

"عقیل بھائی!

میں یہ کہنا چاہتا ہوں ــــ آپ عرب کے تمام خاندانوں سے واقف ہیں ــــ کسی ایسے خاندان میں میرا عقد کرا دیں ــــ جو عرب بھر میں بہادری میں مانا ہوا خاندان ہو ــــ میں ایک بہادر خاندان کی بہادر لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہوں ــــ تاکہ اُس لڑکی کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہو ــــ وہ میری شجاعت کا وارث ہو ــــ"

عقیلؓ نے کہا

"ٹھیک ہے ــــ میں رات بھر غور کروں گا ــــ کل صبح بتاؤں گا ــــ"

اگلے دن صبح عقیلؓ تشریف لائے ــــ اور کہنے لگے

"یا علیؑ!

میں نے وہ خاندان ڈھونڈ لیا ہے ــــ جہاں تمہاری شادی کرانا ہے ــــ"

مولاؑ نے پوچھا

"کون سا خاندان ــــ؟"

تو جناب عقیلؓ نے فرمایا

"بنی کلاب" ــــ عرب کا مانا ہوا بہادر خاندان ہے ــــ لوگ اُس خاندان کے آدمیوں کے نام اپنی تلواروں پہ کندہ کرا لیتے ہیں ــــ علیؑ اس خاندان میں تمہارا عقد ہوگا ــــ"

خاندان "بنی کلاب" مجبوروں میں رہتا تھا ــــ اتفاق سے (بنی کلاب) مدینے سے دس، بارہ ۱۲ میل کے فاصلے پر خیمے ڈالے ہوئے تھے ــــ

آپؑ نے کہا

"عقیلؓ! وہ آئے ہوئے ہیں ــــ میں ابھی وہاں تمہاری خواستگاری کے لیے جاتا ہوں ــــ"

چنانچہ عقیلؑ خود چل کے قبیلہ " بنی کلاب " کے پاس پہنچے ـــ اور قبیلہ کے سردار سے ملے ـــــ جس کا نام تھا " خزم " قبیلہ کے سردار نے پوچھا

" آپ کون ہیں ـــ ؟ "

جناب عقیلؑ نے جواب دیا

" میں عقیلؑ ہوں ـــــ "

" کون عقیلؑ ـــــ ؟ "

" ابی طالبؑ کا بڑا بیٹا ـــــــــ "

اب جو سردار نے یہ سُنا کہ ابی طالبؑ کا بڑا بیٹا میرے سامنے کھڑا ہے ـــــــ تو اُس نے عقیلؑ کے پیروں پہ اپنا سر رکھ دیا ـــــ اور کہنے لگا

" اے بعضۃ اللہؑ کا بیٹا !

سیّد العربؑ کا بیٹا !

امیر القومؑ کا بیٹا !

ابی طالبؑ کا بڑا فرزند ہے ـــ تو یہاں کہاں ٹھہر گیا ـــــ

ہم خادموں کے گھر جو موجود ہیں ـــــ "

چنانچہ تمام قبیلہ استقبال کر کے عقیلؑ کو اپنے قبیلے میں لے گیا ـــ ایک بہترین خیمے میں ٹھہرایا ـــــ تین دن تک جب فرائض مہمانی ختم ہو گئے ـــــ تو سردار قبیلہ عرض کرتا ہے

" اے امیر العربؑ کے بیٹے !

آپ نے کیوں زحمت فرمائی ـــ آپ حکم فرمائیے ـــــــ ہمارے لیے کیا حکم ہے ـــــ ؟ "

جناب عقیلؑ کہتے ہیں

"شیخ!

تو ہمارے خاندان کو جانتا ہے ——————— ؟"

"سبحان اللہ ——— وہ دن ہوگا۔ جو تیرے خاندان کو نہیں جانتا ——— وہ تو کوئی نابینا ہی ہوگا ——— جس نے تیرے خاندان کی عظمت نہ دیکھی ہو ——————— بنی ہاشم کا خاندان آفتاب و مہتاب کی طرح روشن ہے ——————— اور ابی طالبؑ کی اولاد ساری دنیا سے زیادہ معزز و محترم ہے ———————————————— حضورؐ حکم فرمائیں:"

"سردار!

میں چاہتا ہوں۔ کہ میرے خاندان کا رشتہ۔ تیرے خاندان میں ہو جائے ——— "

شیخ پوچھتا ہے

"حضورؐ!

اس سے بڑھ کے ہماری عزت اور کیا ہوگی ——— آپ حکم فرمائیں

کس کا رشتہ چاہتے ہیں ——————— ؟"

تو آپؐ نے فرمایا

"میں اپنے چھوٹے بھائی علیؑ کا رشتہ تیرے خاندان میں چاہتا ہوں ——————— "

بس اُدھر عقیلؑ نے "علیؑ" کا نام لیا ——————— ادھر قبیلے کا شیخ جھوم اٹھا

"قبیلہ! کس کا رشتہ ——————— ؟"

"علیؑ کا ——————— "

پھر اُس نے پوچھا ———————————

"حضورؑ ——— ایک دفعہ پھر کہیں ——— کس کا رشتہ ——————— ؟"

"علیؑ کا ——————— "

بار بار پوچھتا ہے وہ ——————— ہاتھ اُٹھاتا ہے ——————————————————

"خدایا! کس کا نام آیا ــــــ علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر ــــ ہمارے

خاندان میں!"

"حضورؐ!

میری بچی موجود ہے ــــــ جب حکم دیں ــــــ"

جناب عقیلؓ نے کہا

"سردار!

مجھے یہی توقع تھی ــــ تم یہی جواب دو گے ــــ جاؤ ــــ ذرا لڑکی سے

بات کر لو ــــــ"

"قبلہ ــــ لڑکی سے کیا پوچھنا ہے ــــــ میں جو لڑکی کا باپ کہہ رہا ہوں ــــ"

تو جناب عقیلؓ نے کہا

"سردار!

یہ اسلامی قانون ہے ــــــ لڑکی سے پوچھنا چاہیئے ــــــ پھر رشتہ

طے ہو جائے گا ــــــــ"

بہر نوع۔ "خزام" سردار بنی کلاب ــــ گھر آیا ــــ آکے بیوی سے کہا ــــــ

"سنتی بھی ہو ــــــ قسمت یاور ہو گئی ــــ نصیب جاگ گیا ــــــ

بیٹی کا رشتہ آیا ہے ــــــــــ"

چونکہ خزام کی ایک ہی اکلوتی لڑکی تھی۔ جس کا نام فاطمہؑ تھا ــــ بیوی نے سمجھا ــــ کہ

کسی بادشاہ کا رشتہ آیا ہوگا ــــــ آخر بیوی نے پوچھا

"بتاؤ تو سہی ــ کس کا رشتہ آیا ہے ــــــ"

خزام نے جواب دیا

"پہلے شکریہ کی دو رکعت نماز پڑھ لو ــــــ پھر بتاؤں گا ــــــ"

جب اُس مومنہ کو پوری طرح متوجہ کر لیا ـــــ تو کہنے لگا

" ہمارے گھر ـــ ہماری لڑکی کے لئے ـــ علیؑ کا رشتہ آیا ہے ـــــ "

وہ خاتون کہتی ہے

" کیوں تم ایسی باتیں کرتے ہو ـــــ علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر ـــــ محمدؐ کا داماد ـــــ اور ہمارا داماد بنے ـــــــــــــــ

ہمیں خیال بھی نہیں آسکتا کہ ہماری اتنی عزت ہو ـــــــــــ "

غلام بولا!

" واقعاً ـــ علیؑ کا رشتہ آیا ہے ـــــ "

تو خاتون نے جواب دیا

" سبحان اللہ ـــــ پھر دیر کیا ہے ـــــ "

" ذرا لڑکی سے پوچھنا ہے ـــــ "

" کیوں ـــــ اُس سے کیا پوچھنا ہے ـــ "

" وہ کہتے ہیں کہ اُس سے پوچھ لو ـــــــــــ "

چنانچہ سہیلیاں بلوائی گئیں ـــــ سہیلیوں کے ذریعے پوچھوایا گیا ـــــ تو انہوں نے فرمایا

" میرے رشتے کا اختیار ماں، باپ کو ہے ــ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـــــ مگر رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے ـــــــــ وہ میری اماں کو جا کے بتا دینا ـ ـ ـ ـــ ـ ـــ

" میں نے خواب میں دیکھا ہے ـــ کوئی مخدرات آئی ہیں ـــ جنہوں نے مجھے دلہن بنایا ہے ـــ دلہن بنا کے مجھے پیار کیا ہے ـ ـ اور پیار کر کے یہ فرمایا ـــــ

" تجھے مبارک ہو ـــــ تو میرے بیٹے کی ماں بنے ـ ـ ـ "

بہر نوع ـ سہیلیوں نے آ کے کہہ دیا ـــــ ـ بس رشتہ ہو گیا ـــــ اور

چند دن بعد۔ خاندان بنی ہاشم برات لے کر گیا ——— علیؑ کا عقد ہوا ——— "فاطمہ کلابیہ" ——— جو بعد میں "اُم البنینؑ" کہلائیں ——— رخصت ہو کر علیؑ کے گھر آئیں ———

دروازے پہ محمل بٹھائی گئی ——— تمام بنی ہاشم ننگی تلواریں لیئے ہوئے محلے کا پہرہ دے رہے تھے

لوگو!

خبردار ——— کوئی سواری پہ سوار ہو کے نہ گذرے ——— کوئی مکان کی چھت پہ نہ چڑھنے پائے ——— علیؑ کا "ناموس" آیا ہے ——— علیؑ کا حرم آیا ہے ——— "

چنانچہ بی بیؑ محمل سے اُتریں ——— دروازے پہ آئیں ——— چوکھٹ کو چوما ——— شکر کا سجدہ کیا ——— دروازے کے اندر قدم رکھا ——— اور وہیں زمین پہ بیٹھ گئی ———

جناب زینبؑ نے آ کے کہا

"اماں! اندر آؤ ——— "

بی بی کہنے لگی

"فاطمہؑ کی بیٹیو!

مجھے اماں نہ کہو ——— میں تمہاری خدمت کے لئے آئی ہوں ——— میں تمہاری خادمہ ہوں ——— "

حسینؑ آئے

"اماں! چلو اندر ——— "

بی بی نے کہا

"شہزادو! میں تمہاری خدمت کے لئے آئی ہوں ــــ تمہارے باورچی خانے میں کام کرنے کے لئے ــــ تمہارے نعلین صاف کرنے کے لئے ــــ یہ گھر سیدہ کا گھر ہے ــــ تم سیدہ کی اولاد ہو ــــ میں تمہاری کنیز بن کے رہوں گی ــــ"

بہر نوع۔ بی بی نے عقیدت کی انتہا کر دی ــــ اور حسینؑ نے محبت کی انتہا کر دی ــــ

محترم سامعین!

پورا ایک سال گذرا اس شادی کو ــــ تو خداوند عالم نے وہ بیٹا عطا فرمایا۔ جس کی علیؑ کو تمنا تھی ــــ

علیؑ مسجد میں بیٹھے تھے ــــ اطلاع دی گئی

"یا علیؑ! مبارک ہو ــــ خدا نے بیٹا عطا فرمایا ہے ــــ"

علیؑ گھر میں آئے ــــ ماں کی گود میں بچہ کو دیکھا ــــ دیکھ کے کہتے ہیں

"ماشاء اللہ ــــ وہی ہے جس کی مجھے تمنا تھی ــــ"

علیؑ اُم البنینؑ سے کہتے ہیں

"اُم البنینؑ!

مبارک ہو ــــ تو اس بیٹے کی ماں بنی ــــ"

اُم البنینؑ فرماتی ہیں

"یا علیؑ! اس نے آنکھ نہیں کھولی ــــ"

علیؑ جواب میں فرماتے ہیں

"ہاں ــــ مجھے پتہ ہے ــــ یہ آنکھ نہیں کھولے گا ــــ ــــ آخر میرا بیٹا ہے نا ــــ"

پھر مولاؑ فرماتے ہیں

"حسینؑ کو بلاؤ ـــــــ"

حسینؑ آ گئے ـــــــــــــ

"حسینؑ!

ذرا بھائی کو گود میں لینا ـــــــــــــ"

اب جو حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے ـــــــ تو بچّے نے آنکھ بعد میں کھولی ـــ ہاتھ دونوں پہلے پھیلا دیئے غالباً ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ تھا

"حسینؑ!

آنکھ تو کھلتی ہی رہے گی ـــــ پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ قبول فرما ـــــــــــــ

آقا!

میں دونوں ہاتھ ابھی سے تیری نذر کرتا ہوں ـــــــــــ"

چنانچہ حسینؑ نے گود میں لے لیا ـــــ بھائی کا منہ چوما ـــــــــــــ بچّے نے آنکھیں کھولیں ـــــــــــ اور سب سے پہلے حسینؑ کا چہرہ دیکھا ـــــــــ پھر علیؑ نے گود میں لے کر ایک کان میں اذان کہی ـــــــ ایک کان میں اقامت کہی ـــــ اور فرمایا

"مجھے رسولؐ نے وصیّت کی تھی کہ اس بچّے کا نام "عباسؑ" رکھنا ـــــــــــ"

چنانچہ "عباسؑ" نام رکھا گیا ـــــــــــ

اب جناب زینبؑ فرماتی ہیں

"اسے میری گود میں دو ـــــــ"

بہن نے گود میں لے لیا ـــــــــ اور کان پہ منہ رکھ کے کچھ بات کہی ـــــــ تو

امیرالمومنینؑ پوچھتے ہیں

"زینبؑ! کیا بات کہی ہے ———"

"بابا جان! اماں کی ایک وصیت تھی۔ وہ سنانی ہے ———"

مولاؑ نے پوچھا

"زینبؑ! کونسی وصیت ———؟"

بی بیؑ نے فرمایا

"اماں نے وقتِ رحلت فرمایا تھا ——— کہ ایک بچہ پیدا ہوگا ——— عباسؑ اُس کا نام ہوگا ——— جب وہ پیدا ہو ——— تو گود میں لے کے ——— اس کے کان میں یہ کہہ دینا

"اماں سلام کہتی تھی ———"

میرے محترم سامعین!

بات مختصر کرتا ہوں ———

حسینؑ کربلا گئے ——— تو حسینیؑ قافلے کا انچارج عباسؑ!

حسینیؑ فوج کا سپہ سالار عباسؑ!

حسینؑ اگر کہیں خط لکھتے ——— تو کاتب عباسؑ!

کوئی مشورہ کرتے ——— تو مذیر عباسؑ!

حسینؑ کے خیموں کا محافظ عباسؑ!

حسینؑ کے بچوں کو بہلانے والا عباسؑ!

غرض کوئی کام ایسا نہیں تھا ——— جو اس ایک انسان کے سپرد نہیں تھا ——— دنیا کا ہر کام اس انسان کے سپرد تھا ——————————— اور

سامعین! میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں ——— کہ کربلا میں نویں محرم الحرام کی رات

گوزینبؑ نے عباسؑ کو اپنے خیمے میں بلایا ـــــــ آپؑ تشریف لے گئے ـــــــ

عباسؑ نے عرض کی

"بی بی ـــ کیا حکم ہے ـــــ؟"

"عباسؑ بھائی!

کل کیا ہوگا ـــــــ؟"

عباسؑ فرماتے ہیں

"آپ فکر نہ کریں ـــــ آپ ملکۂ عالم ہیں ـــ آپ گھبرائیں نہیں ـــ جب تک میں زندہ ہوں ـــ کسی کی طاقت نہیں جو تیری چادر کا نام بھی لے لے ـــــ"

اب زینبؑ کو اطمینان ہوگیا ـــــ حوصلہ ہوگیا ـــــ اور تمام خیموں میں جتنی عورتیں تھیں۔ سب کو بلایا

"بی بیو! میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر کی میں ضامن ہوں ـــــــ"

اے حضور والا! صبح ہوگئی ـــــ صبح کے بعد دوپہر ہوگئی ـــــ جب تمام سپاہی شہید ہوگئے ـــــــــــــــــــــــ تو

قمر بنی ہاشمؑ سامنے آئے ـــــــ اور آکے حسینؑ سے عرض کرتے ہیں

"مولاؑ!

میں مرنا چاہتا ہوں ـــــ مجھے مرنے کی اجازت دو مولاؑ! ـــــ"

اور حسینؑ نے دیکھ کے فرمایا

"عباسؑ! تم تو میرے علمدار ہو ـــــ"

"مولاؑ! علمدار ضرور ہوں ـــــ مگر وہ فوج ہے کہاں جس کا میں علمدار ہوں ـــــ تو مجھے اجازت دے مولاؑ!

کوثر پہ میرے سپاہی میرا انتظار کر رہے ہیں"

اور مولاؑ نے اجازت کے ساتھ ساتھ یہ فرمادیا ـــــ

"بھائی! خیمے میں جاؤ ۔۔۔۔۔ بچی کی مشک بھی لے جاؤ ۔۔۔۔۔ اور اسے

پانی سے بھر لو ۔۔۔۔۔"

چنانچہ عباس خیمے میں آئے ۔۔۔۔۔ بچی کو بلایا

"شہزادی!

مجھے اپنی مشک دو ۔۔۔۔۔"

بچی نے اپنے ہاتھ سے چچا کے کاندھے پہ مشک رکھ دی ۔۔۔۔۔ اور سکینہؑ

نے تمام خیموں میں بچوں کو خوشخبری سنائی

"بچو! مبارک ہو ۔۔۔۔۔ میرا چچا سقائی کے جارہا ہے ۔۔۔۔۔"

بہر نوع ۔۔۔۔۔ عباسؑ نے بہنوں کو سلام کیا ۔۔۔۔۔ زینبؑ کو سلام کیا ۔۔۔۔۔ اور اپنے

خیمے میں گئے ۔۔۔۔۔ زوجہ سے کہا

"خدا حافظ ۔۔۔۔۔ میں جارہا ہوں ۔۔۔۔۔ ان بچوں کا خیال رکھنا ۔۔۔۔۔"

سامعین! اس موقع پہ میر انیس مرحوم کا ایک شعر سنا دوں ۔۔۔۔۔ کہ جب بچوں کی بات

کہی ۔۔۔۔۔ تو زوجہ کہتی ہیں

"آپ بچوں کا فکر نہ کریں ۔۔۔۔۔"

؎ کچھ غم نہ کریں آپ یہ پروان چڑھیں گے

میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

بہر نوع ۔۔۔۔۔ زوجہ عباسؑ یہ کہہ رہی تھیں ۔۔۔۔۔ عباسؑ میدان میں چلے گئے ۔۔۔۔۔

تمام بیبیاں خیمے کے صحن میں کھڑی ہیں ۔۔۔۔۔ اور اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے دروازے

سے باہر بچے کھڑے ہیں ۔۔۔۔۔ سب کی نظریں علم پہ ہیں

علم گیا میدان میں ۔۔۔۔۔ نہر پہ پہنچا

سامعین!

یہاں میں ایک شعر اور سنا دوں ۔۔۔۔۔ کہ جب عباسؑ نے پانی

سے مشک کو بھرا ـــــ اور دشمن کی فوج کی طرف

پانی اُچھالنے کا مطلب یہ تھا کہ ـــــ

؎ خواہش پہ ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا

پیاسہ ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

سامعین! خواہش کا تقاضا یہ تھا کہ عباسؑ جب پانی بھر رہے ہیں مشک

میں ـــــ خود پی لیتے ـــــ مگر انہوں نے پیا نہیں ـــــ

بلکہ ہاتھوں سے پانی اُچھال کر دشمن کو دکھا رہے ہیں ـــــ کہ

ع ـــ پیاسہ ہوں مگر ساحلِ دریا پہ کھڑا ہوں

المختصر عباسؑ جب واپس لوٹے ـــــ اور بچوں نے علم کو واپس آتے دیکھا ـــــ

تو سکینہؑ نے خوش ہو کے کہا "چچا! وہ میرا سقا آ رہا ہے ـــــ"

سب کی نظریں علم پر لگی ہوئی ہیں ـــــ اور تھوڑی سی دیر میں دیکھا گیا

ـــــ کہ علم کبھی داہنی طرف جھکتا ہے ـــــ کبھی بائیں طرف جھکتا ہے ـــــ اب جو علم

کو ڈگمگاتے دیکھا ـــــ تو جنابِ زینبؑ نے آواز دی

"حسینؑ! ـــــ یہ کیا ہو گیا ہے ـــــ؟"

اور حسینؑ فرماتے ہیں "زینبؑ!

دیکھ تو میں بھی رہا ہوں ـــــ مگر میری کمر ٹوٹ گئی ـــــ مجھ سے

چلا نہیں جاتا ـــــ میری کمر ٹوٹ گئی ـــــ"

مومنین! تھوڑی دیر میں علم سرنگوں ہوا ـــــ اور حسینؑ لاشے پر پہنچے ـــــ

گود میں سر لیا

"عباسؑ بھائی: ہم آ گئے ـــــ"

"مولاؑ! آپ نے بڑا کرم فرمایا ـــــ میں نے تو آواز نہیں دی تھی ـــــ

حضورؑ نے بڑی تکلیف فرمائی ـــــ اب اگر حضورؑ مناسب سمجھیں ـــــ تو

ہونے والے امامؑ زین العابدینؑ تک میرے دو پیغام پہنچا دیں ـــــ"

مولاؑ نے فرمایا "عباسؑ بھائی! کہو ـــــ کیا بات ہے؟"

"مولاؑ ! ایک تو یہ ہے کہ جب میری قبر بنائیں ــــ تو قبر پہ میرا نام نہ لکھیں ــــ بلکہ نام کی بجائے یہ لکھیں ــــ "پیاسوں کا سقا جو پیاسا مارا گیا ــــ"

اور جب وطن واپس جائیں ــــ تو میری اماں کو میرا سلام کہدیں ــــ بس اتنا کہنا میری اماں سے کہ

"میں نے تیرے دودھ کی عزت رکھ لی ہے ــــ"

اس کے بعد عباسؑ خاموش ہو گئے ــــ روح پرواز ہو گئی ــــ امامؑ نے علم اٹھایا ــــ علم میں مشک باندھی ــــ علم لیکر خیمے میں آئے ــــ

سیدانیوں نے علم کی تعظیم کی ــــ اور حسینؑ نے علم زینبؑ کے سپرد کر دیا ــــ

"زینبؑ !

یہ علم آگیا ــــ اب اس کا پنجہ اتار دو ــــ اس کا پٹکا کھول دو ــــ اب مجھے کسی علم کی ضرورت نہیں رہی ــــ مجھے جی بھر کے دیکھ لو بہن ! میں جا رہا ہوں ــــ"

اور زینبؑ علم لے کر خیمے کے صحن میں کھڑی ہو گئیں ــــ بلند آواز میں فرمایا

"بی بیو !

آؤ ــــ میری بات سنو ــــ رات میں نے تم سے وعدہ کیا تھا ــــ کہ میں تمہارے پردے کی ضامن ہوں ــــ اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں ــــ میں نے جس بھروسے پہ کہا تھا ــــ وہ ختم ہو گیا ــــ میرا بھائی عباس مارا گیا ــــ"

(انا للہ و انا الیہ راجعون)



حق ــــ طاقت ہے

(مصائب شہزادہ علی اکبرؑ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوند عالم کی حمد وثنا کے بعد حضرات محمدؐ وآل محمدؐ پر درود وسلام"!

محترم سامعین! بہت سے حضرات ۔خصوصاً نوجوان مجھ سے بہت سی فرمائشیں کرتے ہیں کہ آج ہم یہ سننا چاہتے ہیں۔ آج فلاں واقعہ سنا دیجئے" میں اُن سب حضرات کی خدمت میں ادب سے عرض کرتا ہوں۔ کہ اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں رہی کہ ان فرمائشوں کو پورا کروں ــــ جو مناسب ذہن میں آجاتا ہے کہہ دیتا ہوں۔ ــــ اور فرمائشوں کی تعمیل کرنے کی میرے جسم میں، میرے دماغ میں طاقت نہیں ہے ــــ چند دنوں سے لکھ کے دیتے ہیں ــــ "زیدی صاحب! خیبر پڑھو ــــ" میں کہتا ہوں۔ "اب نہیں" اب وہ خیبر والی بات نہیں ہوگی۔ اب میں خیبر سنانے کے قابل نہیں رہا ــــ دیکھو نا۔ یہ خیبر وغیرہ کی جنگیں جوانی میں سجتی ہیں۔ بوڑھے کا خیبر سے کیا واسطہ ــــ اور اگر میں ان کے کہنے میں آکر خیبر شروع کر بیٹھوں۔ تو بیچ میں سے لوٹ آنا پڑے گا ــــ پھر کیا فائدہ ــــ بہر نوع پھر بھی میں کوشش ضرور کرتا ہوں۔ کہ آپ کی فرمائش پوری کردوں تاکہ آپ کا شوق بھی پورا ہو جائے اور میری بات بھی رہ جائے۔

بزرگان گرامی! اگر ہماری زندگی کو بہترین زندگی بحیثیت ایک انسان کے کوئی شے بنا سکتی ہے۔ تو وہ صرف اور صرف مودّتِ آلِ محمدؐ ہے۔ یہی ایک شے ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے

مگر دُکھ اس بات کا ہے۔ کہ انسان اللہ کی بات تو مانتا نہیں۔ اور اپنی بات حرف آخر سمجھتا ہے۔ اور اسی چیز نے انسان سے بُت پرستی کروائی تھی ——— پھر انسان کی عقل ذرا تیز ہوئی۔ اور مٹی پتھر کے بُت توڑے آدمی نے۔ مگر ایک ایسا بُت مسلّط رہا ہے انسان کے سر پر کہ نہ وہ پہلے ٹوٹا نہ اب ٹوٹتا۔ اور نہ ہی اللہ جانے ٹوٹے گا۔ ایک بُت ایسا مسلّط ہو گیا انسان کے سر پہ۔

کہ دنیا میں اگر حق کوئی شے ہے تو وہ طاقت ہے۔ جہاں طاقت ہو۔ بس وہ حق ہے۔ جس کے پاس طاقت ہو وہ حق ہے چاہے کسی طرح ہی وہ طاقت آئی ہو۔ کسی طرح ہی وہ طاقت حاصل ہوئی ہو۔ اگر طاقت ہے۔ قوت اگر کسی میں ہے تو اُس کی بات بھی حق ہے اُس کا قول بھی حق ہے۔ اس کا فعل بھی برحق ہے۔ وہ سب کچھ حق ہے۔ وہ اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ وہ ظلِ سُبحانی بھی ہے۔ اگر طاقت ہے ——— یہاں تک طاقت سے مرعوب ہے دُنیا کہ طاقت کے سامنے کوئی کچھ نہیں بولتا۔

ایک دفعہ یہ مناظرہ ہو گیا کہ رسُولؐ نُور تھے یا خاک تھے۔ یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں نا مولوی صاحبان میں۔ یہ بے کاری کے مشغلے ہیں مولویوں کے۔ کہ چلو اور کچھ نہیں تو یہ مناظرہ ہی کرلیں۔ تو اس میں نواب بہاولپور کو صدر بنایا۔ تو جو نُور ہونے کے منکر تھے انہوں نے خط لکھا نواب بہاولپور کو۔

"حضورِ پُر نُور، اعلیٰ حضرت۔ نواب بہاولپور!

آپ فیصلہ فرمائیں کہ رسُولؐ نُور تھے یا خاک ——— اب اُن سے کوئی پُوچھے کہ بہاولپور کا نواب تو پُر نور، ——— اور رسُولؐ بے نُور ———" اور یہ اس لئے کہ طاقت حق ہے دُنیا میں۔ جو طاقت نے کہہ دیا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ جو طاقت کے منہ سے نکل گیا۔

بالکل درست ہے ـــــــــ اسی لئے انبیاءؑ کی بات لوگ نہیں مانتے تھے۔ کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا تھا۔ کہ انبیاءؑ کے پاس طاقت نہیں ہے۔ ان کی بات کون مانے۔ یہ امیر نہیں۔ ان کے پاس دولت نہیں۔ ان کے پاس فوج نہیں۔ ان کے پاس لشکر نہیں ـــــ یہ کمزور سے آدمی ہیں ـــــ ان کمزوروں کی بات بھلا طاقتوروں کے مقابلے میں کون مانے ـــــ اس لئے انبیاءؑ کی بات نہیں مانتے تھے ـــــ مگر اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میں دُنیا سے یہ منوا کے چھوڑوں گا۔ کہ طاقت حق نہیں ہے۔ بلکہ حق طاقت ہے۔

دُنیا والو! تم غلط سمجھے ہو کہ طاقت حق ہے ـــــ طاقت حق نہیں ہے ـــــ بلکہ حق طاقت ہے ـــــ اور ـــــ

یہ منوانے کے لئے وہ ہمیشہ طاقت کے مقابلے میں کمزور کو لاتا تھا ـــــ اور جب طاقت کو شکست ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ حق طاقت ہے ـــــ نمرود کے مقابلے میں ابراہیمؑ کو لے آیا۔ اور جب نمرود کو جلا نے گئے مچھر۔ اور طاقت کو ہو گئی شکست۔ تو اللہ نے کہا۔ دیکھو طاقت کو شکست ہو گئی حق سے ـــــ

دنیا نے کہا۔ بالکل نہیں۔ کون کہتا ہے کہ حق طاقت ہے بلکہ طاقت ہی حق ہے ـــــ کیسے ـــــ؟

نمرود کے پاس مچھر بلانے کی طاقت نہیں تھی۔ ابراہیمؑ کے پاس مچھر بلانے کی طاقت تھی۔ اُن کی طاقت نے شکست دی۔ حق نے کوئی شکست نہیں دی ـــــ پھر کہا ـــــ اور موسیٰ کو فرعون کے مقابلے میں لے آئے ـــــ فرعون کے پاس طاقت ـــــ موسیٰ کمزور ـــــ جب فرعون ڈوب گیا۔ غرق ہو گیا۔

بڑا لطیفہ ہے اُس کے ڈوبنے کا۔ جب یہ ڈوب رہا تھا نامراد۔ تو موسیٰؑ کو بڑی آوازیں

دی تھیں: "موسیٰؑ مجھے بچا لیں۔ میں ایمان لے آؤں گا۔" مگر موسیٰؑ نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ جب ڈوب گیا۔ غرق ہو گیا۔ تو حضرت موسیٰؑ رپورٹ دینے گئے کوہِ طور پر ـــــ اور اتفاق ایسا بنا تھا۔ کہ جب جناب موسیٰؑ دربارِ فرعون میں گئے تھے۔ تو فرعون کے ایک تنخواہ دار مسخرے نے جناب موسیٰؑ کا بھیس بدل کر موسیٰؑ کی نقلیں اُتاری تھیں۔ موسیٰؑ کو بڑا غصہ آیا تھا اُس مسخرے پر ـــــ اب جو موسیٰؑ نے پلٹ کے دیکھا۔ کہ فرعون اور اُس کی ساری فوج تو ڈوب گئی ـــــ مگر وہ مسخرہ زندہ کھڑا ہے۔ وہ نہیں ڈوبا ـــــ وہ ویسے ہی موسیٰؑ جیسا بھیس بدلے کھڑا ہے ـــــ موسیٰؑ گئے کوہِ طور پر۔ رپورٹ دی۔ کہ فرعون غرق ہو گیا۔

تو اللہ نے کہا "موسیٰؑ وہ ڈوبتے ہوئے تمہیں پکار رہا تھا۔ تم نے اُسے جواب نہ دیا۔ اگر وہ مجھے پکار لیتا۔ تو پھر اُسے نجات ہی دے دیتا ـــــ"

تو موسیٰؑ نے جواب میں کہا "خداوندا۔ ذرا میری بات بھی سُن لے ـــــ جو خدا بن کے تیری نقلیں اُتارتا تھا۔ اُسے تو غرق کر دیا ـــــ اور جس نے میری نقلیں اُتاری تھیں۔ اُسے نہ ڈبویا۔ وہ اُسی طرح کھڑا ہنس رہا تھا ـــــ"

اللہ نے جواب دیا موسیٰؑ! تجھے ادائے محبت کا پتہ نہیں ـــــ اُسے اس لئے نہیں ڈبویا ـــــ کہ اُس وقت وہ تیری شبیہ بنا ہوا تھا۔ اور محبوب کی شبیہ کو غرق کرنا محبت کے خلاف ہے۔")

بہر نوع۔ فرعون ڈوب ہو گیا ـــــ

اب لوگوں نے کہا ـــــ موسیٰؑ کے پاس دریا پار کرنے کی طاقت تھی۔ فرعون کے پاس نہیں تھی ـــــ موسیٰؑ کی طاقت نے شکست دی ہے۔ حق نے شکست نہیں دی۔ پھر وہی طاقت ہی حق نکلی۔ دُنیا کے ذہن میں یہی بیٹھ گیا تھا۔ کہ طاقت حق ہے۔

یہاں تک کہ ہمارے آخری رسولؐ آ گئے ـــــ اور اللہ نے کہا ـــــ

"محمدؐ! سُنتے بھی ہو۔ طاقت تو تم میں اتنی ہے کہ تمہاری برابر کسی میں طاقت نہیں ہے

تم چاہو تو انگلی کے اشارے سے چاند کو توڑ دو۔ سورج کو پلٹ سکتے ہو۔ دن کو رات اور رات کو دن بنا سکتے ہو۔ تمام کائنات کی پلک جھپکنے میں سیر کر سکتے ہو۔ کنکر اور پتھروں سے کلمہ پڑھوا سکتے ہو ـــــ مگر

ان کے سامنے طاقت کا مظاہرہ نہ کرنا ـــــ اگر طاقت کے ذریعہ سے انہیں منوایا۔ تو وہی طاقت حق رہے گی ـــــ وہ حق طاقت نہیں مانیں گے ـــــ لہذا ان کے سامنے تم "ناطاقت" بن کے رہو ـــــ۔

اور انہوں نے کیا کیا۔ کہ ہمارے رسولؐ کے سامنے یہ پیش کر دیا۔ قبلہ! آپ ہمارے بتوں کو بُرا بھلا نہ کریں۔ ہم آپ کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ آپ ہمارے بادشاہ ہوں گے۔ ہم آپ کی رعایا ہوں گے۔ اس لئے ہمارے بتوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں ـــــ"

رسولؐ نے کہا "نہ" میں بادشاہ نہیں بنتا۔ میں جو کہہ رہا ہوں۔ یہی کہتا رہوں گا۔

(منبر پہ بیٹھ کے غلط بات کہنا بہت بُری بات ہے اگر میں اُس زمانے میں موجود ہوتا تو الگ لے جا کے رسولؐ کو مشورہ دیتا ـــــ "قبلہ ایسے مواقع روز روز نہیں ملتے۔ بہترین موقع ہے۔ یہ تو د تمہیں بادشاہ بنا رہے ہیں۔ بادشاہ بننے کے بعد بادشاہی طاقت سے جو چاہنا منوا دینا۔ کیوں خواہ مخواہ کو تکلیف اُٹھاتے ہو" مگر

رسولؐ نے کہا۔ بکواس بند کرو۔ طاقت سے منوانا میرا مقصد نہیں ہے۔ بادشاہ ہونا اور بات ہے۔ دین منوانا اور بات ہے۔ دین سے بادشاہت کا کیا واسطہ ـــــ

بادشاہت اور چیز ہے۔ دین منوانا اور چیز ہے۔

جب دین کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو ہم بادشاہت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ دیکھو! آج میں ٹھکرا رہا ہوں۔ کبھی میرا بیٹا حسینؑ ٹھکرا دے گا ـــــ ہم

بادشاہت کو کیا جانتے ہیں ــــــ"

دین طاقت سے نہیں، ناطاقتی سے ہے ــــــ اور ناطاقتی، بھی اُنہی کے گھر سے گئے بھی تو رات کو چھُپ کر ــــــ چند عربوں نے گھر گھیر لیا۔ اور رات کو گھر سے چھُپ کر گئے۔ اور تین دن تک غار میں چھپے رہے ــــــ انہی ناطاقتی کا اظہار ــــــ مدینے جا کے بس گئے۔ اور وہاں حملوں پہ حملے ہونے لگے۔ مقابلوں پہ مقابلے ہونے لگے مگر وہی ناطاقتی، وُہی ہو رہا ہے ــــــ وہی فاقہ کشی ہے ــــــ بیٹی کے سر پہ چادر نہیں بیویاں فاقے کر رہی ہیں ــــــ ناطاقتی ہی ناطاقتی ــــــ مگر یہ منوانا چاہتے ہیں کہ طاقت حق نہیں ہے۔ بلکہ حق طاقت ہے ــــــ وقت گذرتا رہا۔ ناطاقتی کا اظہار ہوتا رہا ــــــ اُحد ہو، بدر ہو، خندق ہو، خیبر ہو، یہاں تک فوجی نقطۂ نظر ہے۔ ان کے پاس ناطاقتی ہوتی تھی ــــــ دشمن کے پاس طاقت ہوتی تھی ــــــ مگر رسولؐ ناطاقتی سے منوانا چاہتے تھے حق کو۔

پھر بھی لوگوں کو یہ خیال رہتا تھا کہ طاقت حق ہے۔ کیونکہ رسولؐ کے پاس ایک خیبر شکن کی طاقت ہے۔ اس لئے انہوں نے خیبر فتح کر لیا۔ ان کے پاس ایک ذوالفقار کی طاقت ہے ــــــ اس لئے انہوں نے فتح کر لیا ــــــ یہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا کہ طاقت حق ہے ــــــ یہ بات اُس وقت بھی تھی اور آج بھی ہے کہ طاقت حق ہے۔

آٹھ نو سال مدینے میں رہ کر رسولؐ مکے گئے۔ اور صلح حدیبیہ کر کے آنا پڑا۔ اس صلح کی تفصیلات اگر آپ دیکھیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں دب کے صلح کی ہے کہ خود ساتھیوں کو صلح میں ہی نہیں رسالت میں بھی شک ہو گیا تھا ــــــ اور وہ شک اللہ جانے گیا بھی یا عمر بھر باقی رہا ــــــ

بہر نوع انہی ناطاقتی کا اظہار کیا ہے اس صلح میں ــــــ

میرے محترم سامعین! رسولؐ مدینے میں ہیں۔ تب وہی ناطاقتی کا اظہار ــــــ دندان مبارک

شہید ہو گئے۔ تب بھی وہی ناطاقتی کا اظہار ــــــ حمزہؑ جیسا چچا شہید ہو گیا۔ وہی ناطاقتی۔
آپ کو گھر سے نکال دیا ــــــ چلے گئے۔ کسی نے آپ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیا۔ خاموش
ہیں۔ کسی نے رستے میں کانٹے بچھا دیئے ــــــ چُپ ہیں۔ یعنی اتنی ناطاقتی کا اظہار
کہ طاقت کے ذریعے نہیں منوانا۔ بلکہ یہ منوانا ہے کہ حق طاقت ہے ناطاقتی
کا پورا مظاہرہ کرتا ہے ــــــ جب تو دس سال گذر گئے۔ اسی عالم میں ــــ
تو ایک دن وہ وقت آیا کہ یہی ناطاقت انسان جو کے سے ہجرت کر کے چلا گیا تھا۔ رات کو چُھپ
کر ــــ وہ دن کے اُجالے میں پوری دُنیاوی طاقت کے ساتھ پھر اسی شہر مکّہ میں واپس آیا۔
اور مکہ فتح کیا۔ فاتحہ مکّہ بنا ــــــ اور مکہ سے نکال دینے والوں کے دم نکل گئے۔
کہ اب کیا بنے گا ــــــ اور جو خون کے پیاسے تھے۔ اُن کے خون خشک ہو گئے۔ کہ
اب کیا بنے گا ــــــ جس کو رات کو گھر سے نکالا تھا۔ وہ دن میں پوری طاقت سے
آیا ــــــ سینکڑوں قبائل ساتھ تھے۔ علم لہرا رہے تھے ــــــ سوار ساتھ تھے
پیادے ساتھ تھے ــــــ اور پوری شان و شوکت سے عبداللہ کے بیٹے کے مکّہ فتح کیا۔
ــــــ اور حضرت ابوسفیان (ان کی ساری سوانح عمری تو مجھے یاد نہیں۔ یہ وہ
بزرگ تھے جو ہر جنگ میں رسالتمآبؐ کے خلاف فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے
بڑے خاندانی بزرگ تھے۔ ان کے خاندانی تعارف کے لئے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ
حضرت ابوسفیان وہ تھے جو یزیدؑ کے بھی دادا تھے۔)
جب رسولؐ فتح مکہ کر رہے تھے۔ اپنی فوج کے ساتھ۔ تو یہ ابوسفیان ایک پہاڑی کی
چوٹی پہ کھڑے تھے ــــــ اور رسولؐ کی آمد دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگے۔
"عبداللہ کے بیٹے میں بڑی طاقت آگئی ہے" اور عباسؓ، رسولؐ کے چچا پاس ہی کھڑے
تھے۔ انہوں نے کہا کمبخت! یہ طاقت نہیں ہے۔ یہ حق ہے" اب بھی تو "طاقت۔ طاقت"
چلا رہا ہے" اُن کے ذہن میں یہی بیٹھا ہوا تھا۔ کہ طاقت حق ہے۔ اور کوئی سنے

ہے ہی نہیں دنیا میں ــــ بس اگر حق کوئی شئے ہے۔ تو وقت طاقت ہے" ــــــــــ

پھر تو ع مکہ فتح ہوگیا۔ اور وہی جنہوں نے گھر سے نکالا تھا۔ وہ قیدی بن کے رسولؐ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ہاتھ اُن کے بندھے ہوئے ہیں۔ رسولؐ کے سامنے کھڑے ہیں ــــــ

اب دنیا کے دنیا کے تمام قوانین کے مطابق۔ اگر رسولؐ حکم دے دیں۔" ان سب کو" قتل کردو۔ انہوں نے ہمارے عزیز قتل کئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ستایا ہے"۔ یہ ٹھیک ہے فاتح کو حق ہے اس بات کا۔ وہ کرسکتا تھا ــــــــ مگر رسولؐ نے کہا" دنیا کے طاقت ور فاتحوں والا کام میں نے نہیں کرنا" بڑے اطمینان سے جب وہ ہاتھ بندھے ہوئے کھڑے تھے رسولؐ کے سامنے تو رسول نے فرمایا

" میں تمہارے لئے فیصلہ کردوں ــــ"

اب اُن کے لبوں پہ جان آئی ہوئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے محمدؐ کے ایک اشارے سے ہم قتل ہوجائیں گے۔ ہم ختم ہوجائیں گے ــــــــ"

اور بہت سے اصحاب رسولؐ اپنے قبضوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

کہ حضور ذرا حکم دیں اور ہم انہیں قتل کریں ــــــــ"

میرے محترم سامعین! ایک دم رسولؐ کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اور آپ نے حکم دیا۔" جاؤ! میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں" بس پھر ۔اُن کے ہاتھ کھل گئے۔ سب کے سب آزاد ہوگئے۔ اب جو وہ آزاد ہوئے۔ تو بڑے شرمندہ۔ اب آ کے کلمہ پڑھنے لگے۔

" یا رسول اللہ! مان گئے۔ ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ہم مسلمان ہوگئے ــــــــ

سامعین! اب جو وہ مانیں گے۔ تو رسولؐ کو حق سمجھ کے نہیں مانیں گے۔ بلکہ رسولؐ کی طاقت سے مرعوب ہو کر مانیں گے ــــــــ وہی طاقت کو حق سمجھا ہے انہوں نے۔ کہ رسولؐ میں آج طاقت ہے۔ لہٰذا آج کلمہ پڑھ

آج حضرت ابوسفیان بھی کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

"قبلہ۔ میں مسلمان ہوگیا ——"

کیوں —— ؟

"طاقت جو تیرے پاس ہے تُو فاتح ہو کے جو آیا ہے —— " طاقت سے کلمہ پڑھا ہے —— مگر بات وہی رہی کہ طاقت حق ہے۔

پھر تو ت رسولؐ فتح کرنے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے —— کعبے کو دیکھا اور فرمایا "کعبہ ہم آگئے —— تو ہمارے انتظار میں تھا نا —— ہم آگئے —— "

کعبہ نے عرض کیا "قبلہ کیا عرض کروں —— آپ تو آگئے۔ مگر میری جان ان سے تو چھڑوائیں جو مجھے گھیرے بیٹھے ہیں —— "

خدا جانے کب سے بیٹھے ہیں اور وہ بھی ایسے بُت بن کے بیٹھے تھے۔ کہ ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے —— اور تین طرح سے بیٹھے تھے۔ کعبے میں بُت —— (۱) کچھ تو کھڑے تھے۔ (۲) کچھ دیواروں سے اٹکے تھے۔ (۳) اور کچھ گڑھے تھے ——

جو کھڑے تھے وہ تو یوں ہی کھڑے کھڑے آئے تھے۔ اُن کا تو کوئی بھروسہ ہی نہیں تھا —— اور جو دیواروں سے اٹکے تھے۔ اُن کا سہارا تھا۔ وہاں چھوٹ جائے تو ختم ہو جائیں —— اور جو گڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑے مغرور تھے۔ کہ ہم یہاں کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے پوجنے والے بھی بڑے مغرور تھے۔ کہ ہمارے بتوں کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ہمارے بُت حرم میں گڑے ہوئے ہیں۔ خانہ کعبہ میں گڑے ہوئے ہیں —— "

نے بندہ نوازا! رسولؐ کعبے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بتوں کی طرف دیکھا۔ بتوں نے پتھرائی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھا ——— "آج کیا ہوگا" ——— عصاء مبارک رسولؐ کے ہاتھ میں تھا ——— ایک بُت کے سر پہ مارتے تھے اور فرماتے تھے "جاء الحق" وہ لرز جاتا تھا ——— پھر فرماتے تھے "وزھق الباطل" وہ ٹوٹ کے گر جاتا تھا ——— جب سارے ٹوٹ چکے تو وہ جو دیواروں میں اُوپر گڑھے ہوئے تھے۔ وہ بڑے مطمئن تھے۔ کہ ——— رسولؐ کا ہاتھ ہم تک نہیں پہنچ سکتا ——— ہم اونچے گڑے ہوئے ہیں ———

اب سامنے تمام مسلمان کھڑے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے بت شکنی کا منظر دیکھ رہے ہیں — رسولؐ نے اُن بتوں کو دیکھا۔ جو دیوار میں گڑے ہوئے تھے۔

اب میں یہاں حضرت علامہ فخر الدین کا فقرہ سناتا ہوں۔ جو انہوں نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ———

جب اُن گڑے ہوئے بتوں کے توڑنے کی باری آئی۔ تو رسولؐ نے مسلمانوں کے مجمع کی طرف دیکھا ——— اور یہ علامہ فخر الدین نے بڑا رازی ہو کے لکھا ہے ———

کہ ——— "اُن تمام مسلمانوں میں سے رسولؐ نے چُن لیا علیؑ کو ———" "یا علیؑ! آگے آؤ ———" علیؑ آگے آ گئے ——— اور عرض کی۔ "حکم فرمایئے! ———"

تو رسولؐ نے فرمایا۔

"یہ بُت جو اُونچے گڑے ہوئے ہیں۔ ذرا انہیں توڑ دو"

"حضور! یہ اُونچے ہیں بہت۔ میرا تو ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچے گا ———"

تو رسولؐ نے فرمایا "دیکھو نا۔ ہم جو کہتے ہیں تمہیں کہ توڑ دو ان بتوں کو۔ دوسروں سے میں کہہ نہیں سکتا۔ چونکہ وہ برسوں ان بتوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھ چکے ہیں۔ اب اگر وہ توڑیں بھی تو انہیں شرم آئے گی ان بتوں سے ——— میں چاہتا ہوں۔ تم توڑ دو چونکہ تمہارا ان سے کوئی واسطہ ہی نہیں ——— اور توڑنے کا طریقہ یہ ہوگا

کہ تم میرے کاندھے پہ کھڑے ہو کے توڑ دو۔۔۔۔۔"

مگر قبلہ۔۔۔۔۔میں! کاندھے پہ۔۔۔۔۔"

"ہاں ہاں۔ میں جو کہتا ہوں۔۔۔۔۔تم میرے کاندھے پہ قدم رکھو۔۔۔۔۔اور توڑ دو"

اور عجیب منظر بن گیا۔۔۔۔۔کہ آخر درجہ کی رسالتؐ جھکنے لگی۔ اور اوّل درجہ کی امامتؑ ابھرنے لگی۔۔۔۔۔رسولؐ پر قدم پہنچے۔۔۔۔۔رسولؐ کا ایک ہاتھ کعبے کی دیوار پر۔۔۔۔۔اور قدم بُت شکن کے دوشِ رسولؐ پر۔۔۔۔۔اور بُت شکن کا نقشہ یہ۔ کہ ایک ہاتھ دیوار پر رکھا ہوا ہے۔۔۔۔۔اور ایک ہاتھ میں بُت کی گردن ہے۔۔۔۔۔اور رسولؐ پوچھتے ہیں۔

"یا علیؑ۔ کہاں ہو۔۔۔۔۔"

"قبلہ۔ کیا بتاؤں۔ کہاں ہوں۔۔۔۔۔آج عرش سے جو چیز کہئے۔ جھک کے اٹھا لوں۔۔۔۔۔اتنا بلند ہو چکا ہوں۔۔۔۔۔"

"شاباش۔ بہت اچھا۔ توڑ دو انہیں۔۔۔۔۔"

علیؑ نے جھٹکا دیا۔ بت ٹوٹے۔ گرے۔ جس طرح کچی شیشیاں ٹوٹ جائیں۔ اس طرح رسولؐ کے قدموں میں وہ بُت ٹوٹ رہے تھے۔۔۔۔۔جب تمام بُت ٹوٹ چکے۔۔۔۔۔تو رسولؐ نے فرمایا۔

"یا علیؑ۔ اُتر آؤ"۔۔۔۔۔مگر علیؑ اب اترتے نہیں۔۔۔۔۔

علیؑ اترو نا۔۔۔۔۔"

"قبلہ۔ اتنا بلند ہونے کے بعد نیچے اُترنے کو جی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔"

"علیؑ اتر آؤ نا۔۔۔۔۔دیکھتے نہیں۔۔۔۔۔دیکھنے والوں کے چہرے اُتر گئے ہیں"

اب علیؑ اُترتے نہیں۔۔۔۔۔کتابوں میں لکھا ہے کہ۔۔۔۔۔

جبرئیلؑ آگئے فوراً۔۔۔۔۔اور آکے اُستاد کو سلام کیا۔۔۔۔۔اور اپنی گود میں

لے کے آرام سے اُتارا ـــــــــ اور جبرئیلؑ نے جو علیؑ کو گود میں لے کے اُتارا ـــــ
اس سے جبرئیل کی شان اور بڑھ گئی۔ جبرئیلؑ کا وقار بڑھ گیا۔ جبرئیل کی حیثیت بڑھ
گئی ـــــ اور یہ مَلک ساری عُمر سے عادی ہے۔ اس بات
کا قرآنِ صامت خدا سے لے کے نبیؐ کے گھر اُتار دے ـــــ
جبرئیلؑ قرآنِ صامت اُتارتے اُتارتے اتنا مشتاق ہوگیا تھا۔ کہ آج
قرآن ناطق نبیؐ سے لیا اور خدا کے گھر پہنچا دیا ـــــــ
بہرنوع مکّہ فتح ہوگیا۔ رسولؐ کا پرچم سارے مکّہ پر لہرانے لگا۔ خانۂ کعبہ پر لہرانے
لگا۔ اذانیں ہونے لگیں۔ اب تمام مسلمان سامنے آبیٹھے۔ حضرت ابی سفیان بھی تشریف
فرما ہیں۔ اور اُن کی زوجۂ محترمہ جناب ہندہ بھی بیٹھی ہیں ـــــ اور بھی سب مسلمان
بیٹھے ہیں۔ کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ سب مسلمان ہو رہے ہیں ـــــــ اور
رسولؐ فرماتے ہیں۔

"آؤ۔ بیٹھو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ تم مُسلمان ہوگئے۔ نیّت کا حال اللہ جانتا ہے۔
بہرنوع۔ تم سب میرے اصحابؓ ہو ـــــــ " ـــــــ اور
رسولؐ کے گرد و پیش سب بیٹھے ہیں ـــــ خدا کے فضل سے اسلام کا بول بالا ہے۔
سارا جزیرۂ عرب مسلمان ہوچکا ہے۔ چاروں طرف اسلام ہی اسلام ہے۔ اور حضرت
ابی سفیان بھی ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے خاندان والے بھی سب بیٹھے ہوتے ہیں
نیّت اور دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ـــــ

بہرنوع سب کے سب مسلمان ہیں۔

توجہ ہے ناحضور! یہاں تک کہ اتنی قربت ہوئی رسولؐ سے حضرت ابی سفیان کی۔ کہ
ان کی ایک صاحبزادی جناب ام حبیبہؓ کا رسولؐ سے عقد ہوا۔ وہ حرمِ رسولؐ میں آئیں۔ وہ
اُم المومنین ہیں۔ ہم مومنوں کی وہ ماں ہے ـــــ ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں۔

عزت و احترام سے ان کا نام لینا ہمارا فرض ہے ـــــــــ حضرت ابی سفیان کی دختر نیک اختر ہیں۔ اور امیر شام معاویہ کی بہن ہیں ـــــــــ اُم حبیبہؓ ان کا نام ہے ـــــــــ اور حضرت ابوسفیان کی دوسری بیٹی کی شادی قبیلہ بنی ثقیف کے سردار سے ہوئی۔ ـــــــــ

اور یہ قبیلہ بنی ثقیف، جو تھا نا عرب میں، حسن بیان، شیر زبان اور شیریں بیان کے اعتبار سے اس کے مقابلے میں پورے عرب میں کوئی اور قبیلہ نہیں تھا۔

عرب کے چار قبیلے، چار خصوصیات میں مشہور تھے۔

۱۔ عزت و عظمت میں "بنی ہاشم" ـــــــــ اور

۲۔ سیاسی تدبیروں میں "بنی امیہ" ـــــــــ

۳۔ بہادری میں "بنی کلاب" ـــــــــ اور

۴۔ حسن میں بنی ثقیف، ـــــــــ اور جو بنی ثقیف کے قبیلہ کا سردار تھا۔ اُس کا نام تھا "ابو مرہ"، جس کے ساتھ ابی سفیان کی دوسری صاحبزادی کی شادی ہوئی تھی ـــــــــ گویا ابو مرہ اور رسالتمآبؐ آپس میں ہم زلف تھے ـــــــــ یہ رشتہ ہوگیا ـــــــــ

ابی سفیان کی ایک صاحبزادی ابو مرہ کے گھر میں بیاہی گئی ـــــــــ اور ایک جناب رسالتمآبؐ کے گھر میں تشریف لائی ـــــــــ جن کا نام تھا ام حبیبہؓ ـــــــــ اور اگر آپ اسلامی کتابیں پڑھیں۔ تو ان کے فضائل بڑے لکھے ہوئے ہیں۔ اور تمام فضائل کا سرنامہ جو فضیلت ہے جناب ام حبیبہؓ کی۔ وہ یہ ہے کہ ایک دن ان کے والد بزرگوار حضرت ابی سفیان انہیں ملنے کے لئے آئے ـــــــــ اور جب آئے اُس حجرے میں جس میں جناب ام حبیبہؓ رہتی تھیں ـــــــــ تو آپ اپنے والد کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں ـــــــــ

"ابا. آؤ۔ بسم اللہ۔ تشریف رکھو ــــــ"

ابی سفیان تشریف لائے ــــــ اور جب بیٹھنے لگے۔ تو ام حبیبہؓ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہرو ــــــ"

وہ دری جو بچھی ہوئی تھی۔ وہ آپ نے تہ کرلی۔ اور زمین پر اشارہ کیا ــــــ

"تشریف رکھئے" ــــــ

ابی سفیان نے کہا "بیٹی ـ میں زمین پہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اگر اس دری پہ بیٹھ جاؤں۔ تو کیا حرج ہے ــــــ"

تو جناب اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا۔

"آپ اس دری پہ نہیں بیٹھ سکتے۔ کیونکہ اس پہ رسولؐ بیٹھا کرتے ہیں ــــــ"

واہ! ام المومنین ـ ام المومنین ہو تو ایسی ہو۔ جو رسولؐ کی جگہ پہ اپنے باپ کو بھی نہ بیٹھنے دے ــــــ یہ ہے جناب اُم حبیبہؓ کے فضائل کا تعارف ــــــ"

حضرت ابی سفیان بڑے خوش تھے دونوں بیٹیاں بڑے گھر میں بیاہی گئیں۔ ہر باپ خوش ہوتا ہے۔ اگر بیٹی کو اچھا رشتہ مل جائے۔ ابوسفیان بھی بہت خوش تھے ــــــ ایک بیٹی محمدؐ کے گھر میں ــــــ ایک بیٹی ابو امرا، کے گھر میں۔ ایک محمدؐ داماد ــــــ ایک سردار بنی ثقیف داماد۔ خدا نے ابو مرا ثقیفی کے گھر ابی سفیان کی صاحبزادی سے صرف ایک بیٹی عطا فرمائی۔ کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔ صرف ایک دختر پیدا ہوئی ــــــ اور اُس دختر کا نام تھا جناب لیلیٰؓ ــــــ لیلیٰ عرب میں شہزادیوں کو کہتے ہیں۔ لیلیٰؓ نام تھا اُس ابو مرا، کی بیٹی کا ــــــ اور لیلیٰؓ جناب ام حبیبہؓ کی بھانجی ہوئی۔ اور جناب رسالتمآبؐ خالو ہوئے لیلیٰؓ کے ــــــ لیلیٰؓ وہاں پیدا ہوئی۔ اور جب لیلیٰؓ جوان ہوئی۔ اور شادی کے قابل ہوئی۔ تو اُن کے

باپ کو رشتے کی تلاش ہوئی ــــــــ آخر نگاہِ انتخاب خاندانِ بنی ہاشم پر پڑی ۔ ـــ اُس نے خاندانِ بنی ہاشم میں سردارِ جوانانِ جنت جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو منتخب کیا۔

چنانچہ جناب لیلیٰؑ سے جناب سید الشہداءؑ کا عقد ہوا۔ اور ابو مُرّا ثقیفی کی بیٹی "لیلیٰؑ حرم سید الشہداءؑ" میں آگئیں

سید الشہداؑ کی پہلی جو حرم محترمہ تھیں۔ وہ تھیں جناب شہربانوؑ

اُن کا انتقال ہو چکا تھا ــــــ اور اُن کے بطنِ طیب سے حضور امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے ــــــ اور لیلیٰؑ کے بطنِ طیب سے خداوند عالم نے پہلے تو ایک لڑکی عطا فرمائی۔ اور اُس کے بعد اللہ نے ایک فرزند عطا فرمایا ــــــ جن کا

نام تھا شہزادہ علی اکبرؑ۔ ــــــ

میرے سامعین! جناب امام زین العابدینؑ جب پیدا ہوئے تھے۔ تو اُس وقت امیر المومنینؑ موجود تھے۔ دادا کی موجودگی میں امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے تھے ــــ ان کی والدہ شہربانوؑ شاہِ ایران کی بیٹی تھیں ــــــ اور جب امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔ تو امام حسین علیہ السلام نے انہیں ایک سفید کپڑے میں لپیٹا اور مسجد میں لے گئے ــــــ محرابِ مسجد میں لٹا کر دو رکعت نماز پڑھی ــــ اور نماز پڑھ کے کہا۔

"خداوندا تو نے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں تیری ہی نذر کرتا ہوں"۔

اور یہ کہہ کے بچے کو وہیں مسجد میں لیٹا چھوڑ کے گھر واپس آگئے۔

حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے آگئے امام زین العابدینؑ کو ــــــ اب امیر المومنین علیہ السلام مسجد میں گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اُٹھا کے دُعا کی۔

"خداوندا! حسینؑ یہ نعمت تیرے سپرد کر گیا۔ میں تجھ سے مانگنے آیا ہوں"

اور علی گود میں لے کے امام زین العابدینؑ کو گھر میں آ گئے ——
اور آ کے آواز دی ——

"زینبؑ بیٹا! میں اسے مانگ کے لایا ہوں خدا سے —— اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اسے تم نے خصوصیت کے ساتھ پرورش کرنا ہے۔ اور زینبؑ! اس کے بدن میں شہنشاہی خون ہے۔ خیال رکھنا باقی بچوں کی طرح اسے نہ پالنا۔ اس کے گہوارے میں نرم گدا بچھایا جائے۔ چونکہ اس میں شہنشاہی خون ہے ——"

اس طرح زینبؑ نے پالنا شروع کیا —— اور جب پیدل چلنے لگے تو امیرالمومنینؑ انگلی پکڑ کے چلتے کہ کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے، کہیں گر نہ جائے۔ جب ذرا اور بڑے ہوئے۔ تو امام حسن مجتبیٰؑ اور امام حسینؑ نے یہ اہتمام کیا امام زین العابدینؑ کے لئے۔ چونکہ اس کے مزاج میں شہنشاہی خون ہے۔ لہٰذا حکم یہ تھا کہ اس کے سامنے کوئی اونچی آواز سے نہ بولے —— شاہی مزاج ہے۔ برداشت نہیں کرے گا اور گھر میں عورتوں کو یہ حکم تھا۔ کہ جب زین العابدینؑ گھر بیٹھے ہوں۔ تو گھر کے اندر بھی کسی کے سر سے چادر نہ اترے —— شاہی غیرت ہے برداشت نہیں کرے گی۔ گویا امام زین العابدینؑ کی اس شان سے پرورش ہو رہی تھی —— اس کے بعد جب لیلیٰؓ کے بطن سے دوسرا فرزند بشکل رسولؐ اللہ نے عطا فرمایا۔ تو امیرالمومنینؑ موجود نہیں تھے —— آخر امام حسینؑ علیہ السلام نے اس بچے کو گود میں اٹھایا۔ —— اور لے جا کے اسی طرح مسجد میں لٹا دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اللہ سے دعا کی ——

"خداوندا! یہ نعمت تو نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں یہ تیری

ہی نذر کرتا ہوں۔ تو ہی مالک ہے اس کا——"

حسینؑ بچے کو لٹا کے چلے آئے ——— اب علیؑ تو تھے نہیں ——— آخر زینبؑ نے برقع پہنا۔ اور مسجد میں تشریف لائیں۔

"خداوندا! حسینؑ تو یہ نعمت تیرے سپرد کر گئے ——— میں مانگنے آئی ہوں" اور اس بیٹے کو جو لیلیٰؑ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جن کا نام آج علی اکبرؑ مشہور ہے اسے زینبؑ لے آئیں———

زینبؑ نے علی اکبرؑ کو پالنا شروع کیا۔ علی اکبرؑ سوتے زینبؑ کے پاس۔ گود میں کھیلتے تو زینبؑ کے پاس——— بھول گئے کہ ماں کون ہے۔ ہر وقت زینبؑ کے ساتھ رہتے۔ چوبیس گھنٹے بی بی زینبؑ کے ساتھ رہتے——— یہاں تک کہ سارے مدینے میں علی اکبرؑ۔ علیؑ ابن زینبؑ مشہور ہو گئے۔ اور اگر گھر میں محلے کی عورتیں آئیں۔ تو زینبؑ اُسے چادر کے دامن میں چھپا لیتیں——— کہیں بچے کو نظر نہ لگ جائے۔ اس شان سے پرورش ہو رہی تھی علی اکبرؑ کی——— زینبؑ کبھی گود میں لے کے حسینؑ کے سامنے آئیں۔ تو حسینؑ مسکرا کے کہتے۔

"زینبؑ! ماشاء اللہ۔ تمہارا بیٹا تو بڑا حسین ہے بڑا سمجھدار ہے۔ ہماری تمنا ہے۔ ہمارا دل چاہتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ تمہارا بیٹا ہم سے کوئی شے مانگے ———" اور زینبؑ جواب میں کہتیں۔

"میرا بیٹا غیرت دار ہے۔ میرے ہوتے کیوں مانگے کسی سے:" یہ بھائی بہن کی باتیں ہوتیں۔ علی اکبرؑ کو کسی شے کی ضرورت ہوتی۔ تو زینبؑ سے مانگتے۔ کوئی شے چاہتے۔ تو زینبؑ سے مانگتے۔ لباس زینبؑ تیار کرتی۔ کھانا زینبؑ تیار کرتی۔ اس شان سے علی اکبر پلتے رہے

ـــــــــ اور

زینبؑ نے یہ تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ کہ چونکہ یہ میرا بیٹا ہے اس کی شادی اس شان سے کروں گی۔ کہ دنیا یاد رکھے گی۔ کہ بنی ہاشم کے شہزادے کی شادی کس شان سے ہوئی تھی ـــــــ بس اٹھارہ سال پورے ہو جائیں۔ انشاء اللہ انیسویں سال شادی کر دوں گی ـــــــ اور

سترہ سال پورے ہوئے۔ اٹھارواں سال شروع ہوا جو سفر شروع ہو گیا ـــــــ زینبؑ بھی سفر میں۔ علی اکبرؑ بھی سفر میں۔ اور سفر بھر یہ عالم رہا۔ کہ زینبؑ کی محمل کے ایک طرف حسینؑ کا گھوڑا ـــــ ایک طرف علی اکبرؑ کا گھوڑا ـــــ زینبؑ کے محمل پہ کبھی علی اکبرؑ کا ہاتھ ـــــ کبھی حسینؑ کا ہاتھ ـــــ پھر بھی زینبؑ باربار کہتی "علی اکبرؑ بیٹا۔ سر پہ کوئی کپڑا ڈال لو ـــــ دھوپ نہ لگ جائے بیٹا۔ سائے میں بیٹھنا۔ گرمی شدید ہے ـــــ بیٹا۔ کھانا میرے سامنے بیٹھ کے کھانا۔ میں خود دیکھوں گی" ـــــ علی اکبرؑ اس ناز و نیاز ہی سے پلتے ہوئے کربلا میں آ گئے

امامؑ نے کربلا کی زمین خریدی۔ تو زینبؑ نے دبی زبان میں امامؑ سے فرمایا۔

"حسینؑ! یہ زمین اگر میرے بیٹے کے نام ہو جائے۔۔۔

تو امامؑ نے فرمایا۔" اسے بھی حصہ ملے گا۔" اس لاڈ سے، پیار سے زینبؑ علی اکبرؑ کی پرورش کر رہی تھیں۔ اُدھر ماں لیلیٰؑ بھی خوش تھیں۔ کہ اللہ نے مجھے علی اکبرؑ جیسا فرزند عطا فرمایا ہے۔

بزرگانِ من!

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں۔ کہ ساتویں محرم الحرام کو کربلا میں پانی بند ہو گیا ـــــــ مگر زینبؑ کے منہ سے ایک دفعہ نہ نکلا کہ میرے عونؑ و محمدؑ

پیاسے ہیں ——— جب گھبرا کے کہا۔ یہی کہا " میرا اکبرؑ پیاسا ہے۔
حسینؑ دیکھتے نہیں۔ میرے اکبرؑ کا چہرہ اُتر گیا ہے۔ میرے اکبرؑ کے ہونٹ خشک
ہیں ———"

آخر نو تاریخ بھی گذر گئی ——— دسویں کی شب آگئی ——— اور
جب دسویں کی شب آئی۔ تو امامؑ اپنے مصلّے سے اُٹھے۔ بیت الشرف میں تشریف
لائے۔ تاکہ دیکھیں کہ مستورات کیا کر رہی ہیں ——— سب سے پہلا خیمہ جناب
زینبؑ کا آیا ——— امامؑ نے دیکھا کہ چراغ روشن ہے۔ عونؑ و محمدؑ سامنے بیٹھے ہیں
اور زینبؑ اُنہیں سمجھا رہی ہے کل کے لئے ——— اُس سے دُوسرا ہی خیمہ تھا
جناب لیلیٰؑ کا ——— امامؑ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ———
لیلیٰؑ بیٹھی ہیں۔ اور علی اکبرؑ کا سر زانو پہ رکھا ہوا ہے ——— ایک
ہاتھ میں شمع روشن کی ہوئی ہے۔ ایک ہاتھ سے اکبرؑ کے بالوں میں
کنگھی کر رہی ہیں۔ شمع سے اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں ——— اور
کہہ رہی ہیں

" علی اکبر بیٹا! تیری ماں کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ تجھے پتہ
ہے میرا رشتہ ہے اُن ظالموں سے ہے ——— اگر کل
تُو کسی وجہ سے بھی پیچھے رہ گیا ——— تو دنیا یہ کہے گی
ماں نے روک لیا ہوگا ——— میری عزت کا سوال
ہے بیٹا! کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ حسینؑ کا بیٹا ہوتا۔ تو
کبھی نہ رُکتا ——— یہ اُس کی اماں کے دودھ کی تاثیر
ہے ——— میرے دُودھ کو بدنام نہ کرنا میرے
لال ———"

بہر نوع یہ باتیں ہو رہی تھیں ماں بیٹے کے درمیان

حضور والا! صبح عاشور میدان شہادت گرم ہو گیا ——— اور صبح سے لے کر دن ڈھلتے تک حسینؑ کے کانوں میں آوازیں آتی رہیں ——— "مولا! میں گر گیا۔

"میرے آقا میں گر گیا ——— "

جس کسی کی بھی لاش اٹھا کے لاتے ہیں امامؑ۔ تو لیلیٰؑ گھبرا کے پوچھتی۔

"میرا اکبرؑ زندہ ہے ابھی ——— ؟" اس لئے نہیں کہ وہ اکبرؑ کی زندگی چاہتی تھی۔ بلکہ یہ سُننا چاہتی تھی کہ "اکبرؑ شہید ہو گیا" تاکہ میں سرخرو ہو جاؤں سیدہؑ کے سامنے ——— اور جب تمام اصحاب حسینؑ ختم ہو گئے۔ اور صرف عزیز باقی رہ گئے۔ تو امامؑ نے آواز دی۔

"اکبرؑ بیٹا!"

"جی قبلہ"

"ادھر آؤ۔ سامنے آؤ ——— " میں حکم دیتا ہوں کہ سب سے پہلے تم میدان میں جاؤ ——— "

بس مولاؑ کا حکم ملنا تھا کہ علی اکبرؑ نے سلام کیا۔ (گھوڑے پہ سوار تو تھے ہی) روانہ ہو گئے ——— ابھی دس بارہ قدم گئے ہوں گے کہ مولاؑ نے آواز دی۔

"اکبرؑ بیٹا۔ ٹھہرو۔ واپس آؤ ——— "

علی اکبرؑ واپس آئے

"گھوڑے سے اُترو"

علی اکبرؑ گھوڑے سے اُترے ——— اب امامؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! پہلے گھر میں جاؤ ——— ماں کو سلام کرو ——— بہنوں سے ملو۔ گھر والوں سے رخصت لو ——— گھر میں ہو کے پھر جانا ——— "

علی اکبرؑ گھر میں آئے ۔ ساتھ ساتھ امامؑ بھی تشریف لائے ۔ دیکھا۔ سامنے ہی صحن میں زینبؑ بیٹھی ہے ــــــ تو امامؑ آ کے کہتے ہیں ــــــ

" زینبؑ! آج اکبرؑ آ رہے ہیں ــــــ آج میں سننا چاہتا ہوں۔ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے۔ آج میں خود سنوں گا۔ آج کیا گفتگو ہوتی ہے۔"

اکبرؑ خیمے میں آئے ــــــ پہلے آ کے لیلیٰ کو سلام کیا۔

" اماں سلام!" ــــــ مگر ماں جواب میں کہتی ہے۔

"تم ابھی زندہ ہو بیٹا! میں تو صبح سے منت مانے بیٹھی ہوں۔ تیری میت آئے۔ بیٹا! اُس کمبخت سے میرا رشتہ ہے ــــــ دیکھنا تیری ماں کو بڑی تشویش ہے اکبرؑ! کہیں ایسا نہ ہو۔ تیری ماں کا دودھ بدنام ہو جائے۔"

" اماں! میں جا رہا ہوں "

" ہاں بیٹا جاؤ۔ خدا حافظ " ــــــ اور علی اکبرؑ ماں کو سلام کر کے پھوپھی زینبؑ کے سلام کو پہنچے ــــــ اور امامؑ بیٹھے دیکھ رہے ہیں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہو گی۔ جاتے ہی اکبرؑ زینبؑ کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئے ــــــ زینبؑ نے پیار کیا۔ اور پوچھا۔

" میرے لال! کیا بات ہے ــــــ"

" اماں کوئی بات نہیں ــــــ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں ــــــ"

" بیٹا! اس وقت کیا مسئلہ تمہیں یاد آ گیا ــــــ"

اماں! آپ کو پتہ ہے ــــــ جب سے میں نے بولنا شروع کیا۔ جو بات پوچھی ہے آپ ہی سے پوچھی ہے ــــــ جو مانگا ہے۔ آپ ہی سے مانگا ہے ــــــ آپ ہی کو ماں سمجھتا ہوں ــــــ اماں! آج ایک مسئلہ ہے۔ وہ بھی آپ ہی بتا دیں ــــــ"

" ہاں بیٹا پوچھو۔ کیا مسئلہ ہے ــــــ؟"

"اماں - میری دادی فاطمہؑ مرتبے میں زیادہ ہیں یا آپ ـــــ؟ آپ دونوں میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے ـــــ دادی فاطمہؑ کا یا آپ کا ـــــ ؟"

جناب زینبؑ کہتی ہیں۔

"بیٹا یہ کیا پوچھ بیٹھے تم ـــــ تم جیسا سمجھ دار نوجوان یہ کیا سوال کر رہا ہے۔ کجا فاطمہؑ ـــــ کجا میں ـــــ میں تو فاطمہؑ کی کنیز ہوں ـــــ"

بس زینبؑ کے منہ سے نکلنا تھا کہ میں کنیز ہوں، ـــــ کہ علی اکبرؑ اُٹھ کے بیٹھ گئے ـــــ اور بیٹھ کے کہتے ہیں ـــــ

"اگر واقعاً فاطمہؑ کا مرتبہ آپ سے زیادہ ہے۔ آپ اُن کی کنیز ہیں۔ جیسا کہ آپ کہتی ہیں ـــــ تو آج کام تو کرو ـــــ"

بیٹا کیا ـــــ ؟ ـــــ کہ

"آج فاطمہؑ کے بیٹے پہ اپنے بیٹے کو قربان تو کردو ـــــ" ـــــ اور اُدھر سے امامؑ نے آواز دی۔

"زینبؑ! میں نہ کہتا تھا۔ کہ آج میں سنوں گا۔ کیا بات ہوتی ہے ـــــ"

اب زینبؑ نے اکبرؑ کو سر سے پیر تک دیکھا ـــــ اور فرمایا۔

"ہاں بیٹا خدا حافظ۔ جاؤ"

دونوں بہن بھائیوں نے ان کے لباس پہنایا ـــــ سر پہ عمامہ باندھا۔ عمامے کا ایک حصہ گردن کے ساتھ "تحت الحنک" کی طرح باندھ دیا۔ علی اکبرؑ کو تیار کیا اور فرمایا۔

"جاؤ بیٹا۔ خدا حافظ"

اب جو روانہ ہونے لگے اکبرؑ۔ تو ایک بہن نے آکر عبا کا دامن پکڑ لیا۔

"اکبرؑ بھائی! جا رہے ہو۔ مجھ سے مل کے جاؤ ـــــ" اسی طرح دوسری بہن ملے۔ اُس سے رخصت ہو کے جانے لگے ـــــ

تو سب سے چھوٹی بہن سکینہ آ کھڑی ہوئی۔ اور کہنے لگی ____

"اکبرؑ بھائی۔ آپ وہاں جا رہے ہیں۔ جہاں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ آپ کے بعد میرے ابا کا کیا بنے گا۔ میرے ابا پہ کیا گذرے گی"۔ اکبرؑ نے گود میں لے کے بچی کو پیار کیا ____ اس سے رخصت ہو کے جانے لگے ____________ (خود فوج یزید اس بات کی ناقل ہے کہ حسینؑ کے خیمے کا پردہ اٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ اٹھتا تھا اور گرتا تھا) ہو یہ رہا تھا کہ سب سے رخصت ہو کر علی اکبرؑ باہر آنا چاہتے تھے۔ کوئی پھوپھی۔ ماں۔ بہنیں پھر آ کے اکبرؑ کا دامن پکڑ لیتی۔ اکبرؑ پھر ٹھہر جاتے ____________ اور

میرے محترم سامعین!

جب کافی دیر ہو گئی۔ تو امامؑ نے فرمایا۔

"بی بیو! مسافر کا راستہ نہ روکو۔ بس اب صبر کرو۔ اکبرؑ کو جانے دو"

اور سب خواتین خاموش ہو گئیں ____________ اب جو اکبرؑ روانہ ہوئے۔ تو ایسا منظر بن گیا۔ کہ حسینؑ جیسا صابر بھی وہ منظر نہ دیکھ سکا۔ اور آنکھوں پہ رومال رکھ کے گھر سے باہر آ گئے۔

منظر کیا بن گیا کہ سب مستورات سے رخصت ہو کر جب اکبرؑ روانہ ہوئے۔ تو ایک آواز آئی کان میں

"اکبرؑ! ہم سے بھی مل کے جاؤ نا"۔ زین العابدینؑ بستر بیماری سے اٹھ کر جھکی ہوئی کمر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہہ رہے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اللہ جانے۔ کیا راز و نیاز کی بھائیوں میں باتیں ہوئی ہوں گی۔ اللہ جانے کیا گفتگو ہوئی ہو گی ____________ بہر نوع بھائی سے رخصت ہو کر اکبرؑ باہر آئے۔ اور امام زین العابدینؑ اپنے اپنے بستر بیماری پہ جا کے بیٹھ گئے۔ اور حکم دیا ____________

"پردہ اٹھا دو ۔ میں اپنے بھائی کا جہاد خود دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اکبرؑ باہر آئے۔

اب حسینؑ نے خود رکاب پکڑ کے علی اکبرؑ کو سوار کیا ـــــــــ علی اکبرؑ سوار ہو گئے۔ تو امامؑ نے فرمایا۔

"جاؤ بیٹا! خدا حافظ"

اب جو اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے۔ تو امامؑ گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اکبرؑ نے گھوڑا روکا۔ اور عرض کی۔

"قبلہ! آپ تکلیف فرما رہے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو میں واپس ہو جاؤں آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں ـــــــ"

مگر آپؑ نے جواب کیا دیا۔

"علی اکبر بیٹا۔ بات یہ ہے۔ تمہیں ہمارے دل کا احساس نہیں۔ اس لئے کہ تمہارے کوئی جوان بیٹا نہیں ـــــــــ جاؤ میرے لال۔ میں یہیں بیٹھا ہوں ـــــ"

یہ کہہ کے حسینؑ وہیں زمین پر بیٹھ گئے ـــ اور ہاتھ اُٹھا کے دعا کی۔

"خداوندا! گواہ رہنا۔ اُس بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ جو صورت و سیرت میں تیرے حبیبؐ سے مشابہ ہے۔ جب میں رسولؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا۔ اسے دیکھ لیا کرتا تھا ـــــ"

حسینؑ بیٹھ گئے ـــــ اکبرؑ میدان میں چلے گئے ـــ جہاد شروع ہو گیا شیرِ خداؑ کے پوتے کا جہاد، حیدرِ کرار کے پوتے کا جہاد۔ مگر

سامعین! دورانِ جہاد نوبت یہ پہنچی کہ گھوڑے کے گلے میں اکبرؑ نے دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔ ـــــــ اور گھوڑا سوار کو لے کے فوجوں میں گھوم رہا ہے۔

آخر گرنے لگے ـــــ اور جب گرنے لگے تو آواز دی۔ "یا ابتا ادرکنی" "بابا میں گھوڑے سے گر رہا ہوں"

حسینؑ نے آواز سُنی بیٹھے ہیں خاموش لیلیٰؑ آ بیٹھیں دروازے پر۔

"حسینؑ! میں سیدانی نہیں ہوں - میرے اندر ہاشمی خون نہیں ہے ـــــــ میں عیرخان کی ہوں ـــــــ اس جوان کی ماں ہوں۔ میری ایک التجا ہے۔ جسے آج پہلی دفعہ کہہ رہی ہوں ـــــــ کہ اگر ہو سکے تو اکبرؑ کی لاش لے آئیں ـــــــ ایک دفعہ زندگی میں مجھے میرے بیٹے سے ملا دو ـــــــ"

حسینؑ اُٹھے ـــــــ میدان میں آئے ـــــــ جب اکبرؑ کی میت ۹ قدم کے فاصلے پہ رہ گئی ـــــــ آکے آواز دی "اُدعونی یا بُنیّ"

"اکبرؑ بیٹا - ہمیں پکارو -

اکبر بیٹا ـــــــ ہمیں آواز دو ـــــــ بیٹا ہمیں آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا - ہمیں راستہ نظر نہیں آتا ـــــــ تم آواز دو - ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں گے ـــــــ"

بیٹے نے وہاں سے آواز دی ـــــــ "

" ـــــــ بابا یہاں ہوں" - ـــــــ اور آواز کے سہارے حسینؑ لاش کے سرہانے پہنچے ـــــــ اور منظر کیا دیکھا؟ بیٹا ایک پاؤں پھیلاتا ہے ایک پاؤں سمیٹتا ہے ـــــــ حسینؑ دیکھتے رہے اس منظر کو ـــــــ پھر بیٹے کو گود میں لیا - اور فرمایا۔

"علی اکبرؑ بیٹا - ہم آگئے۔ ہم آگئے میرے لعل" اور علی اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ امامؑ کو دیکھا ـــــــ اور فرمایا ـــــــ

" بابا جان! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی ـــــــ میرا آخری وقت ہے باباؑ جان "

" ہاں بیٹا ہم آگئے ـــــــ کچھ چاہئے ـــــــ کچھ فرمائش ـــــــ کوئی وصیت" ؟ اکبر وہ بیٹا ہے کہ جس کے باپ کو تمنا تھی کہ "اکبرؑ مجھ سے کچھ مانگے"۔ اور کبھی نہ مانگا - آج بھی حسینؑ کہتے ہیں۔ "بیٹا کچھ مانگو نا ـــــــ" اور اکبرؑ کہتے ہیں۔

"آبا آج مانگتا ہوں ـــــ"

ہاں بیٹا مانگو کیا مانگتے ہو" ـــــ تو علی اکبرؑ نے مانگا کیا ـــــ!

"بابا جان ۔ اگر ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی چاہئے ـــــ" اب حسینؑ کا دل بھر آیا اور بھرائی آواز میں فرماتے ہیں۔

"بیٹا۔ یہ تو ممکن نہیں ـــــ فکر نہ کر۔ ابھی تیرے جد تجھے سیراب کریں گے ـــــ تمہاری دادی تمہیں سیراب کریں گی ـــــ گھبراؤ نہیں میرے لعل ـــــ کچھ اور مانگو ـــــ"

"بابا جان! ایک چیز اور مانگتا ہوں ـــــ وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو۔ تو مجھے گھر لے چلیں۔ میں زندگی میں اپنی اماں سے بات کرنا چاہتا ہوں ـــــ"

"ہاں بیٹا۔ یہ بات ہم پوری کریں گے۔ گھبراؤ نہیں ـــــ"

یہ کہہ کے کیا کیا حسینؑ نے۔ ایک ہاتھ رکھا اکبرؑ کے پیروں کے نیچے۔ اور ایک ہاتھ رکھا گردن کے نیچے ـــــ اور یا علیؑ مدد کہہ کے میت اٹھائی۔

جوان کی میت ۔ بوڑھا باپ۔ ہاتھ تھرتھرائے۔ لاشہ لٹا دیا ـــــ پھر دم لے کے دوبارہ اٹھایا۔ ـــــ اب کے سینے تک اٹھالیا ـــــ پھر ہاتھ لرزے ـــــ پھر لٹا دیا ـــــ اور لٹا کے فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! میں مجبور ہو گیا ہوں۔ تم ذرا سی تکلیف کرو ـــــ تم دونوں ہاتھ میرے گلے میں ڈال دو ـــــ کچھ تم سہارا کرو کچھ میں سہارا کروں ـــــ اس طرح تمہیں لے چلوں گا"

علی اکبرؑ نے ایک ہاتھ ڈال دیا باپ کے گلے میں ـــــ تو حسینؑ نے کہا ـــــ

"بیٹا۔ دونوں ہاتھ ڈال دو ـــــ" اب جو حسینؑ نے کہا تو اکبرؑ نے جواب دیا ـــــ

"بابا جان یہ دوسرا ہاتھ سینے سے ہٹانا نہیں چاہتا۔ میں آپ کو اپنا سینہ دکھانا

نہیں چاہتا ———— "

"بیٹا۔ کوئی بات نہیں ——— ہم دیکھیں گے کیا بات ہے ——— "

اب جو حکم دیا امامؑ نے۔ تو اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا۔ اور حسینؑ نے دیکھا۔

"بس یہ بات تھی بیٹا ———" دیکھا کیا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کے وہیں رہ گیا ہے۔ ایک انچ بھر باہر نکلا ہوا ہے۔ اکبرؑ کا دل برچھی کے ساتھ چھد چکا ہے

مگر حسینؑ کی طاقت کو دیکھو ——— اکبرؑ کی میت لٹائی۔ خود دو زانو بیٹھے۔ ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پہ رکھا ——— ایک ہاتھ سے برچھی پکڑی ——— اور برچھی پکڑ کے منہ آسمان کی طرف کر کے بلند آواز میں آواز دی۔

"نانا رسولؐ اللہ! دادا ابراہیمؑ کو ساتھ لے کے کربلا میں آؤ۔ میرے دونوں بزرگو۔ آ کے دیکھو ——— میں گھبرا نہیں رہا۔ میری آنکھوں پہ پٹیاں نہیں ہیں۔ میرا ہاتھ لرز نہیں رہا۔ میرا بدن کانپ نہیں رہا میں نے اپنے اسماعیلؑ کے ہاتھ نہیں باندھے ہوئے ——— "

اور یہ کہہ کے حسینؑ نے برچھی کو ہلایا۔ برچھی ہلی ——— تو اس میں اکبرؑ کا پھنسا ہوا دل ہلا۔ دل کا ہلنا تھا کہ پورا بدن لرز گیا۔ اکبرؑ کا بدن لرزا۔ تو کربلا کی زمین میں زلزلہ آ گیا۔ کربلا کی زمین میں زلزلہ آیا۔ تو حسینؑ کے خیمے لرز گئے ——— اور خیموں کا لرزنا تھا کہ خیمے کے دروازے کا پردہ گرا ——— اور آواز آئی ———

"حسینؑ ٹھہر۔ مجھے بھی آنے دے۔ حسینؑ! اکیلا یہ لاش نہ اٹھا۔ زینبؑ بھی آ رہی ہے۔ بہن بھائی مل کے یہ کام کریں گے ——— "

حسینؑ نے وہیں سے آواز دی۔

"زینبؑ! میں اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں تیرے پردے پر۔ زینبؑ! تو باہر نہ آنا۔ میں خود اسے لے کر آ رہا ہوں۔"

،ور حسین لاشے کو لے آئے ـــــ اور پُورے احترام سے گھر میں پہنچا دیا ـــــ اور
اکبرؑ نے صرف ـــــ اتنی بات کہی ہے گھر میں آکر۔

" اماں لیلیٰؑ! اب تو خوش ہے نا ـــــ اب تو مطمئن ہے نا؟"

اور لیلیٰؑ بنے جو سجدے میں سر رکھا ہے۔ تو جب تک خیام جل نہیں گئے
لیلیٰؑ کے منہ سے یہی نکلتا رہا۔ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" خداوندا
تیرا شکر ہے ـــــ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی۔

اور حسینؑ نے لاشے کو لے جا کے گنج شہیداں میں رکھا ـــــ اور جب اصغرؑ کی قبر بنائی
ہے حسینؑ نے۔ وہ اکبرؑ کی میت کے بالکل قریب بنائی تھی ـــــ اور اکبرؑ کا ہاتھ پکڑ کے اصغرؑ
کی قبر پر رکھ دیا ـــــ اور اُٹھ کے فرمایا۔

" اکبرؑ بیٹا! چھوٹے بھائی سے ہوشیار رہنا۔ میں اصغرؑ تمہارے
سپرد کرتا ہوں میرے لال! چھوٹے بھائی سے خبردار رہنا ـــــ اور
یہ کہہ کے حسینؑ کھڑے ہو گئے اور اتنا کہا "یا بُنَیَّ علیک الدّنیا بعد الخاز" اے بیٹا! تیرے
بعد یہ دُنیا خاک ہے۔ اور اُس دن کے بعد آج کے دن تک حسینؑ کے ٹوٹے ہوئے دل کا ماتم
کرنے میں ہم ـــــ نوجوانو! تم نے اکبرؑ کا ماتم کرنا ہے۔
سفید ریش بوڑھو! تم نے حسینؑ کی کمر جانی ہے اور
پردہ میں بیٹھنے والی عورتو! تم نے لیلیٰؑ و زینبؑ کو پُرسا دینا ہے۔

ـــــ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" ـــــ

نانا رسولؐ اللہ! دادا ابراہیمؑ کو لے کر آؤ ـــــ

اور دیکھو!
- میں نے آنکھوں پہ پٹی نہیں باندھی ہوئی۔
- میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا۔
- میرا اسماعیلؑ نہیں تڑپ رہا۔ (حسینؑ ابن علیؑ)

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

علی اصغرؑ۔ ایک سپاہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خداوند عالم جلّ جلالہٗ عزّ اسمہٗ کی حمد وثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود و سلام

بزرگوار محترم! آج کی شب میں آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں اس نیّت سے بالکل نہیں آیا کہ آپ کو کوئی تقریر سناؤں۔ یا کوئی گفتگو آپ سے کی جائے۔ اس لئے کہ آج مجلس پڑھنے اور سننے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ آج تو ہمیں بغیر کچھ پڑھے اور سنے، محض ہمارا یہ تصوّر کافی ہے کہ آج کربلا کے میدان میں ایک طرف ظالم و جابر بادشاہ کی ٹڈی دل فوج ہے۔ جس کے ایک ایک سپاہی کے ساتھ ایک ایک سقا موجود ہے جو اُن کے گھوڑوں کے سموں پہ پانی چھڑک رہا ہے اور اُن کے پاس حکومت کی مہیا کردہ ہر قسم کی رسد موجود ہے اور تلواریں تیز کی جا رہی ہیں۔ تیر سے درست کئے جا رہے ہیں۔ کمانیں اور تیر تیار کئے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف ایک چھوٹی سی فوج ہے۔ مگر آپ بتائیں ایمان سے کبھی تاریخ عالم میں بہتّر۷۲ آدمی بھی فوج کہلائے۔ بہتّر۷۲ آدمیوں کی جماعت کو آج تک کسی نے فوج کہا ہے ——— پھر فوج میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب فوج میں بھرتی ہوتی ہے تو جوان کا قد دیکھا جاتا ہے۔ اُس کا سینہ ناپا جاتا ہے۔ اس کی صحت دیکھی جاتی ہے۔ ڈاکٹری معائنے ہوتے ہیں۔ تب جا کے کہیں فوج میں بھرتی ہوتی ہے۔ ——— مگر یہ بہتّر۷۲ کی عجب فوج ہے۔ اس میں نہ قد دیکھا گیا۔ نہ عمر دیکھی گئی۔ نہ کسی کا سینہ ناپا گیا۔ اس میں ڈیڑھ سو برس کا بڈھا بھی بھرتی ہے۔ سوا سو سال کا بوڑھا بھی بھرتی ہے۔ اسی، نوّے سال کے

بوڑھے بھی بھرتی ہیں۔ اس میں تیئس سال کا جوان بھی ہے۔ اٹھارہ سال کے نوجوان بھی ہیں۔ نو دس برس کے بچے بھی ہیں۔ اور حد یہ ہے اس فوج کی کہ اس میں چھ مہینے کا سپاہی بھی ہے۔ بتائیے۔ ایسی فوج کہیں دنیا میں دیکھی ہے آج تک کسی نے ایسا رسالہ، پلٹن دیکھی ہے آج تک جس میں یہ صورت ہو، پھر یہ فوجوں کے لئے رسد کے انتظام ہوتے ہیں۔ اچھے سے اچھا کھانا سپاہیوں کو دیا جاتا ہے۔ اچھے سے اچھا سامان انہیں فراہم کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی فوج کو یہ اندیشہ ہو کہ ہماری رسد بند ہو جائے گی۔ تو وہ فوجیں میدان چھوڑ دیتی ہیں۔ مگر ہماری عجیب فوج ہے کہ تین دن سے رسد بند ہے۔ مگر بیٹھے ہیں۔ کیا مجال ہو کسی کی پیشانی پہ بل آیا ہو۔ کیا مجال جو کسی کی پیشانی پہ شکن آیا ہو کسی کو ذرا گھبراہٹ ہوئی ہو۔

اور آج کی رات کربلا میں بیٹھنے والوں نے دنیا کے سارے اصول بدل دیئے۔ دُنیا کی ساری قدریں بدل دیں۔ دُنیا کے سارے ضابطے بدل دیئے۔ دُنیا کے سارے طریقے بدل دیئے جب سے دنیا بنی ہے اور آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو موت سے نہ ڈرتا ہو۔ ہر شخص موت سے ڈرا۔ یہاں تک کہ انبیاءؑ ڈرے۔ اولیاء ڈرے۔ بڑے بڑے خدا رسیدہ ڈرے۔ بڑے بڑے جرنیل و کرنیل موت سے ڈرے۔ اور جب موت حسینؑ کے لشکر میں آئی۔ تو وہ یہ سمجھ کے آئی تھی کہ جس طرح ساری دنیا مجھ سے ڈرتی ہے۔ یہ بہتّر بھی ڈر جائیں گے۔ مگر موت نے آ کر دیکھا کہ وہ بوڑھوں کے پاس گئی تو انہوں نے اُسے خضاب بنا لیا۔ جوانوں کے پاس گئی تو انہوں نے دوست بنا لیا۔ بچّوں کے پاس گئی تو انہوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اتنی شرمندہ ہوئی ہے موت حسینؑ اور حسینؑ کی فوج سے کہ موت نے عہد کر لیا۔ کہ جہاں حسینؑ ہوگا اور اُس کا نام ہوگا۔ وہاں نہیں جانا۔ ورنہ کبھی کا مرجاتا حسینؑ کا نام۔ اب موت نے عہد کر لیا۔ کہ جہاں حسینؑ اور حسینؑ کا نام ہوگا وہاں نہیں جانا۔

بہرنوع آج رات حسینؑ نے سب سے پہلے مردوں کا امتحان لیا۔ "تم جو میرے ساتھ آئے ہو۔ تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں کہ فاتح خیبر کا بیٹا آیا ہوا ہے۔ میدان فتح ہوگا۔ مالِ غنیمت ملے گا۔

ایسا نہیں ہے۔ میں یہاں مرنے آیا ہوں۔ جو مرنا چاہتا ہو۔ وہ میرے ساتھ رہے اور دیکھو۔ مرنے کے بعد کفن نہیں ملے گا۔ مرنے کے بعد قبر نہیں ملے گی۔ مرنے کے بعد تمہاری عورتیں اور بچے قید ہو جائیں گے۔ تمہارے گھر جلا دیئے جائیں گے۔ تمہارے خاندان تباہ ہو جائیں گے۔ ان تمام تباہیوں اور بربادیوں کو اگر منظور کرتے ہو۔ میرے ساتھ ٹھہرو، ورنہ جا سکتے ہو۔" مگر دنیا نے دیکھا کہ اتنی تباہی کے ہوتے ہوئے اُن جوانوں نے جواب کیا دیا۔

"حسینؑ! اب تو ہم آ بیٹھے ہیں۔ اب تو یہ قدم یہاں سے نہیں ہٹ سکتے۔"

دنیا سمجھ رہی تھی۔ کہ کہہ رہے ہیں شاید کر کے نہ دکھائیں۔ مگر اگلے دن جو صبح ہوئی۔ تو انہوں نے ایک ایک بات سچ کر کے دکھائی۔ ایک ایک بات انہوں نے حق کر کے دکھائی۔ یہ ایک دوسرے کو روک رہے تھے۔ "تو ٹھہر، پہلے میں جاؤں گا۔"

یہ تو مردوں کی شان تھی۔

حسینؑ نے چاہا کہ چلیں جا کر دیکھیں۔ گھر میں مستورات کیا کر رہی ہیں۔ حسینؑ بیت الشرف میں آئے۔ آپؑ نے وہاں عجیب ماجرا دیکھا۔ کہ تمام چاروں طرف خیمے ہیں۔ اُن میں چراغ جلے ہوئے ہیں خیمے آباد ہیں۔ عورتیں بیٹھی ہیں۔ مائیں بیٹوں کے پاس ہیں۔ بہنیں بھائیوں کے پاس ہیں۔ شوہر بیویوں کے پاس ہیں۔ عزیز عزیزوں کے پاس بیٹھے ہیں۔ گھر آباد ہیں۔ اور حسینؑ کی نظر جو آباد گھروں پر پڑی تو سر جھکا کے کہا۔ "خداوندا یہ سادات کا گھر ہے جو آج آباد ہے۔ آج اس میں چراغ روشن ہیں۔ آج یہ گھر بستا ہوا ہے اور اس گھر کی آبادی کی آج آخری رات ہے۔ آج حسینؑ کا گھر آباد ہے۔ اور کل یہ گھر اس طرح آباد نہیں ہو گا۔ کل غریبوں کی رات آئے گی۔ حسینؑ نے وہ آباد گھر دیکھے سب سے پہلے بہن کے خیمے میں دیکھا۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

مولاؑ نے دیکھا۔ زینبؑ بیٹھی ہیں۔ سامنے عونؑ و محمدؑ کو بٹھایا ہوا ہے۔ لباس پہنا دیا ہے تلواریں سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ اور زینبؑ انہیں خیبر و خندق کے واقعات سنا رہی ہیں۔ اور کہہ رہی ہیں۔

"تمہارے نانا حیدر کرار یوں لڑتے تھے۔ تمہارے دادا جعفر طیارؓ کی بہادری کی یہ شان تھی۔ میرے پیارے بچو! تم نے میرا دودھ پیا ہے کل میدانِ جنگ سے تمہاری آواز نہ آئے۔ کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں۔ ہم جعفر طیار کے پوتے ہیں۔ زینبؑ دودھ جب بخشے گی جب یہ فوجیں چلّا اٹھیں کہ یہ علیؑ کے نواسے ہیں۔ یہ جعفر طیارؓ کے پوتے ہیں۔ اور بچوں نے ایک انگڑائی لے کر ماں کے قدموں کی قسم کھا کے کہا۔

"اماں کل اجازت دلا دے۔ اگر ان فوجوں کو کوفے تک نہ بھگا دیں تو دودھ نہ بخشنا۔"

امامؑ نے یہ عزم دیکھا۔ یہ حوصلے دیکھے۔ دل بھر آیا حسینؑ کا۔ آنسو پونچھے۔ آگے بڑھے۔ اگلے خیمے میں دیکھا کہ جناب لیلیٰ خیمے میں بیٹھی ہیں۔ بیٹے کا سر زانو پر رکھا ہے۔ ایک ہاتھ میں شمع روشن ہے۔ ایک ہاتھ سے بیٹے کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں۔ شمع سے علی اکبرؑ کا چہرہ دیکھ رہی ہیں اور فرماتی ہیں۔

"میرے لعل! آج دل بھر کے مجھے اپنی زیارت کر لینے دے۔ کل یہ چاند سا چہرہ خاک اور خون میں بھر جائے گا۔"

امامؑ یہ منظر دیکھ کے آگے بڑھے اور دیکھا کہ جناب امام حسنؑ کی بیوہ نے قاسمؑ کو سامنے بٹھا رکھا ہے۔ اور کہہ رہی ہیں "قاسم بیٹا! آج تیرا باپ حسنؑ موجود نہیں ہے۔ تو مجھ بیوہ کا لعل ہے میں غیر خاندان کی ہوں۔ سیدانی نہیں ہوں۔ میرے دودھ کی عزت رکھنا بیٹا! ایسا نہ ہو کل میرا دودھ بدنام ہو جائے۔"

امامؑ نے یہ منظر بھی دیکھا اور اس کے بعد امامؑ نے کیا دیکھا کہ دروازے پر بڑھیا دائی فضہؓ کھڑی ہے۔

"اماں فضہؓ سلام"

فضہؓ تو رونے لگی۔

"اماں فضہؓ! روتی کیوں ہو"

"حسینؑ خیمے میں جس جس کا بیٹا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو تیار کر رہا ہے۔ اگر آج میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو میں بھی تیار کرتی۔"

یہ سننا تھا کہ حسینؑ تو بے چین ہو گئے۔ فرماتے کیا ہیں۔

"اماں فضہ یہ تُو نے کیا کہہ دیا۔ کل جب میدان میں زینبؑ عونؑ و محمدؑ کو بھیجے، لیلےٰ علی اکبرؑ کو بھیجے۔ قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو بھیجے۔ علی اصغرؑ کی والدہ علی اصغرؑ کو بھیجے تو تُو مجھے اپنا بیٹا کہہ کے بھیج دینا۔ حسینؑ کی قربانی تیری طرف سے ہو گی۔

امامؑ نے یہ منظر بھی دیکھا پھر تھوڑی دیر کے بعد امامؑ کو ایک کونے سے رونے کی آواز آئی۔ حسینؑ نے کہا۔

"یہ کون رو رہا ہے۔"

جا کے دیکھتے کیا ہیں کہ چھ مہینے والے کے گہوارے پر سر رکھے ہوئے اُس کی ماں "رُباب" رو رہی ہے۔ امامؑ قریب جا کے کھڑے ہوئے۔

"رباب! کیا بات ہے، کیا بچہ ختم ہو گیا۔"

نہیں مولا! ابھی زندہ ہے۔"

"پھر رو کیوں رہی ہو رباب!"

"قبلہ! اپنی قسمت کو رو رہی ہوں"۔ حضُور دیکھ رہے ہیں، کہ زینبؑ عونؑ و محمدؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ لیلیٰ علی اکبرؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو تیار کر رہی ہیں۔ کل سب یہ قربانیاں پیش کریں گی۔ اور آپ کی ماں فاطمہؑ کے دربار میں سرخرو ہو کے جائیں گی۔ میں بدنصیب ہوں۔ میرا بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ میں اسے میدان میں نہیں بھیج سکتی۔ یہ سب قربانیاں والی سرخرو ہوں گی، میں شرمندہ ہوں۔

دوسری بات مجھے یہ رُلا رہی ہے کہ آپ ہی نے فرمایا تھا۔ کہ آپ کی شہادت کے بعد ہمارے ہاتھ بندھ جائیں گے۔ تو بچے کو سنبھالے گا کون۔ میں گھبرا رہی ہوں۔ یوں ہی تو تڑپ کے

مرہی جائے گا۔ کاش! یہ دو سال کا ہوتا۔ تو اسے گھٹنوں چلا کر میدان میں لے جاتی۔ میں بڑی مجبور ہوں۔"

امامؑ نے رباب کی یہ گفتگو سنی۔ تو فرمایا "رباب! خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ میں حسینؑ تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل تیرے اصغرؑ کو اکبرؑ سے نہ بڑھا دوں تو حسینؑ نہ کہنا۔ ذرا کل ہونے دے۔ دیکھنا تو سہی کل بنتا کیا ہے۔ اسے ایسا سیراب کروں گا کہ قیامت تک اس کی پیاس کی یاد میں کروڑوں سبیلیں لگ جائیں گی۔ یہ فرات کیا شے ہے۔ اتنی سبیلیں لگ جائیں گی کہ اگر ساری سبیلوں کے پانی اکٹھے ہو جائیں۔ تو ہزار فرات بن جائیں گے اس کی یاد میں۔"

بہر نوع یوم عاشور حسینؑ رباب کے پاس آئے اور فرمانے لگے۔

"رباب! میں اصغرؑ کو لے جاؤں"

رباب خوش ہوگئیں۔ "مولاؑ! بے شک لے جائیں۔ میں تو اسی انتظار میں تھی۔"

رباب نے بچہ حسینؑ کی گود میں دے دیا۔ امامؑ لے کے چلے۔ ابھی دس قدم چلے ہوں گے کہ رباب سامنے آگئی۔

"مولاؑ! ذرا اس بچے کو میری گود میں دے دو۔"

"کیوں رباب دل نہیں چاہتا بھیجنے کو۔"

رباب گھبرا گئی۔

"نہیں قبلہ! تھوڑی دیر کے لئے چاہتی ہوں۔" رباب نے بچے کو گود میں لیا اور لے کے اپنے خیمے میں گئی۔ اور امامؑ انتظار میں صحن میں کھڑے ہیں۔ بہن بھی ساتھ کھڑی ہیں۔ رباب پانچ منٹ کے بعد خیمے سے باہر آئی۔ تو بچے کی شکل کیا تھی کہ نیا کرتا پہنا دیا تھا۔ بال درست کر دیئے تھے۔ آنکھوں میں سرمہ لگا دیا تھا۔ کرتے کی آستینیں الٹ دی تھیں۔ اور بچے کی کمر ایک رومال سے باندھ دی تھی۔ رباب اس شان سے لائی اصغرؑ کو۔

"حسینؑ! اب لے جاؤ میدان میں۔ بچہ ہے تو کیا ہوا۔ ہے تو شبیرِ خدا کا پوتا۔ میں اسے سپاہی بنا کے لائی ہوں۔ بیٹا علی اصغرؑ جاؤ سپاہی بن کے۔"

اب جو امامؑ نے یہ منظر دیکھا تو حسینؑ جیسا صابر انسان کا دل بھی بھر آیا۔ لے لیا گود میں۔ اور میدان کی طرف چلنے لگے ——— رباب پھر آگئی۔

"کیوں رباب! کچھ کہنا ہے۔"

جی ہاں! فیصلہ! میں اپنے بچے سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ آواز دی: "اصغرؑ بیٹا"۔ اور بچے نے آنکھ کھولی۔ ماں کی طرف دیکھا۔ اور ماں کہنی کیا ہے۔

"اصغرؑ بیٹا! تم میدان میں جا رہے ہو۔ تم باپ [illegible] گود میں ہو۔ مجھے پتہ ہے کہ تم دس منٹ بعد اپنی دادی کی گود میں پہنچ جاؤ گے۔ تمہاری [illegible] [خا]تونِ جنت ہیں۔ تم اُن کی گود میں جاؤ گے۔ جا کے امّاں کا سلام کہنا۔ اور اگر دادی [illegible] کہ ماں نے منہ دُھلا کے نہیں بھیجا۔ تو ماں کی شکایت نہ کرنا بیٹے! کہدینا۔ اماں کو [illegible] ہوا ——— اور دوسری بات یہ سُن میرے لعل! تمہارے دادا ساقیِ کوثر ہیں۔ تم ساقیِ کوثر کے پوتے ہو۔ تمہارے دادا تمہیں گود میں لے کے کوثر پہ جائیں گے ——— اور ماں کی یہ بات یاد رکھنا کہ کوثر پہ پہنچ کر بھی حسینؑ سے پہلے پانی نہ پینا۔ اور ایک تیسری وصیت اور ہے اصغرؑ بیٹا! وہ بھی یاد رکھنا کہ مجھے پتہ ہے میدانِ جنگ میں تمہارے تیر لگے گا۔ تم تیر سے شہید ہو گے۔ میں یہیں دروازے پہ کھڑی دیکھ رہی ہوں گی ——— جب تیر لگے تمہارے آکر تو رونا مت تمہاری چھ مہینے کی جان ہے۔ شاید رونا آجائے۔ اصغرؑ بیٹا! رونا مت۔ دشمن کی فوجیں سامنے کھڑی ہیں۔ اگر تم تیر کھا کے روؤ گے تو دشمن یہ کہہ کے ہنسیں گے کہ حسینؑ کا بیٹا تو کبھی نہ روتا۔ یہ رُباب کے دُودھ کی خرابی ہے۔ تیرے رونے سے تیری ماں کا دودھ بدنام ہو گا۔ میرے لعل! میں تو جب جانوں جب تیرے تیر لگے اصغرؑ ہنس دینا۔ جاؤ خدا حافظ۔"

اور حسینؑ لے کے میدان میں آگئے ———

حسینؑ نے اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اُٹھایا۔

"مسلمانو! اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دو۔"

"اصغرؑ بیٹا! میرے کہنے پہ یہ پانی نہیں دیتے۔ تم خود ان سے پانی مانگ لو۔ اور بچے نے ہونٹوں پہ زبان پھیرنا شروع کی ——— اُدھر بچے کی زبان ہونٹوں پہ آئی اِدھر پوری فوج منہ پھیر کے رونے لگی۔

اب جو عمر سعد نے فوج کا یہ نقشہ دیکھا تو اُس نے حرملہ کو بلایا۔

"حرملہ! تو بڑا تیر انداز ہے۔ سارا معاملہ اُلٹ پلٹ ہو جائے گا۔ جلدی سے حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔ اس بچے کو ختم کر دے۔"

حرملہ نے بچے کی طرف دیکھا۔ اپنے بازوؤں کی طاقت کو دیکھا۔ عرب کا مانا ہوا تیر انداز، لوہے کا تیر جس کا وزن بچے کے وزن سے زیادہ تھا؛ کمان میں تیر جوڑا، ایک گھٹنا زمین پہ رکھا۔ کمان کو پوری طرح کھینچا۔ تیر چلانے کا ارادہ کیا۔ اُدھر اصغرؑ کی طرف اشارہ کر کے تیر چلانے کا ارادہ کیا۔ ادھر ہاتھ تھرائے۔ اور تیر کمان ہاتھ سے گر گیا ——— تھوڑی دیر کے بعد پھر تیر لگایا۔ پھر کھینچا۔ چاہا تیر پھینکے ——— ہاتھ تھرائے۔ تیر کمان گر گیا ہاتھ سے ——— جب دو دفعہ یہی ہوا تو سنان ابن انس نامی ایک شخص پاس کھڑا تھا وہ کہتا ہے۔

"حرملہ! تو تو بڑا بہادر تیر انداز تھا۔ کیا اس بچے سے ڈر گیا ——— تیر کیوں نہیں چلتا۔"

تو حرملہ جواب میں کہتا ہے۔

"بچے سے نہیں ڈر گیا ——— جب میں تیر چھوڑتا ہوں تو حسینؑ کے خیمے کا پردہ ہلنے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس بچے کی ماں کھڑی ہے دروازے پہ ——— میرا دل دہل جاتا ہے۔ میرے ہاتھ سے تیر کمان چھوٹ جاتا ہے۔"

اب کے جو تیسری مرتبہ اُس نے تیر جوڑا تو سنانؑ نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ دیا حرملہ کے ـــــــ اُس نے تیر چلا دیا۔

اُدھر سے تیر چلا۔ اِدھر سے رباب نے ذرا پردہ ہٹا کے دیکھا ـــــــ

رباب کو چونکہ اُس کے باپ نے بچپن میں مشق کرائی تھی تیر چلانے کی۔ وہ خوب واقف تھی تیر کے انداز سے ـــــــ تیر کو آتا دیکھ کر رُباب نے کہا۔

"علی اصغرؑ بیٹا! ہشیار"

اصغرؑ بیٹا! خبردار۔

تیر کا رُخ یہ ہے کہ اگر تم آرام سے لیٹے رہو گے باپ کی گود میں تو تیر تمہارے اُوپر سے ہو کر حسینؑ کو لگے گا۔ دیکھنا حسینؑ کو تیر نہ لگنے دینا میرے لعل"

پس ماں کا یہ کہنا تھا کہ ـــــــ

بچّہ جو لیٹا تھا، یا اُٹھ کے بیٹھ گیا۔ اُس کا اٹھنا تھا کہ تیر گلے میں لگا اُدھر گلے میں تیر لگا۔ ادھر بچے نے خیمے کی طرف ہنس کے دیکھا ـــــــ مطلب یہ تھا

"امّاں! دیکھ لے، میں ہنس رہا ہوں، امّاں! میں تیری بات کو پورا کر رہا ہوں"

اور پھر حسینؑ کی طرف بچّے نے دیکھا ـــــــ حسینؑ کی طرف دیکھنے کا مطلب یہ تھا

"بابا بس! یا کوئی اور حکم ہے میرے لئے"

امامؑ نے اصغرؑ کو کلیجے سے لگا لیا۔

چاہا گلے سے تیر کھینچیں۔ بچہ تڑپ گیا۔ پھر تیر کھینچنا چاہا پھر بچہ تڑپ گیا ـــــــ حسینؑ نے زمین پر لٹا دیا اصغرؑ کو۔ اور بچّے سے کہتے ہیں۔

"تم شیرِ خدا کے پوتے ہو۔ عباسؑ جیسے جری کے بھتیجے ہو۔ اکبرؑ جیسے بہادر کے بھائی ہو۔ حسینؑ جیسے صابر کے بیٹے ہو۔

بیٹا! میں تیر کھینچنا چاہتا ہوں۔ میں تو سب جانتا ہوں تم تڑپو نہیں ـــــــ یہ تو

کہا امامؑ نے تو بچہ بالکل خاموش ہو گیا۔ مگر ادھر گلے سے تیر نکلا اُدھر دم نکل گیا۔ اور امامؑ نے لاشہ کلیجے سے لگا لیا۔ اب گھر میں کیسے لے جائیں۔ رُباب کو کیا جا کے دکھائیں۔

سامعین کرام! تلوار سے قبر کھودی۔ بچے کو دفن کیا۔ حسینؑ اپنے دامن کو جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سکینہؑ جو بچی کھڑی تھی دروازے پہ آ کے کہتی ہے۔

"اماں! علی اصغرؑ ختم ہو گئے۔"

ماں کہتی ہے "تم کیسے سمجھی"

کہ" بابا جب گئے تھے تو ہاتھ سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اور آئے ہیں۔ تو ہاتھ کھلے ہیں۔"

اور بزرگو! یہ میرے آخری فقرے ہیں کہ۔ مولاؑ نے علیؑ اصغر کی قبر اس طرح بنائی تھی۔ کہ ایک طرف علی اکبرؑ کی لاش، ایک طرف علیؑ قاسم کی لاش اور بیچ میں اصغرؑ کی قبر۔ اور جب گیارہ محرم کو اسیران آلِ محمدؐ روانہ ہوئے ہیں۔ کربلا سے قید ہو کر اور مستورات اپنے وارثوں کی لاشوں سے گذر رہی ہیں۔ تو رُباب وہاں آ کے اُتری۔ رُباب نے اصغرؑ کی قبر دیکھی۔ اور کچھ نہ کہا سوائے اس کے کہ

ایک ہاتھ اکبرؑ کا اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا۔ ایک ہاتھ قاسمؑ کا اصغرؑ کی قبر پر رکھ دیا۔ اور اتنا کہا۔" دیکھو! تم دونوں بڑے بھائی ہو۔ چھوٹے بھائی سے ہوشیار رہنا۔ ڈراؤنا جنگل ہے کہیں ڈر نہ جائے۔

اصغر بیٹا! گھبرا نہ جانا۔ باپ کی لاش بھی قریب ہے۔ بھائی بھی قریب ہیں۔"

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

شبِ شہیداں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

خداوند عالم عزّ اسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثنا کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پہ درود وسلام

ماتم دارانِ حضور سید الشہدا ! آج حسینؑ اور ان کے معزز ساتھیوں کی زندگی کی آخری رات ہے ——— محرم کی پہلی چاند کو حسینؑ کی سواری آپ لوگوں کے پاس آجاتی ہے اور مولاؑ دس دن آپ کے مہمان رہتے ہیں۔ آپ ان کی مہمان داری کرتے ہیں، ان کی عزاداری کرتے ہیں اور آج مولاؑ کی سواری کے رخصت ہونے کا دن ہے۔ آئندہ ایک سال جو زندہ رہے گا اُسے پھر یہ رات نصیب ہوگی ——— اور میری گفتگو ختم ہونے کے بعد پہلے حضور قمر بنی ہاشم ابوالفضل عباسؑ غازیؑ کا علم برآمد ہوگا اور جب علمدارِ حسینیؑ کا علم برآمد ہوجائے گا تو اس کے بعد شبیہ زری سید الشہداؑ برآمد ہوگی ——— اسی طرح ہر امام باڑے اور عزاخانے میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ علم آگے ہوتا ہے، زری بعد میں آتی ہے۔ علم جناب عباسؑ کا ہے، زری سید الشہداؑ کی ہے ——— گویا عباسؑ غازیؑ آج بھی حسینؑ کے سامنے سینہ سپر ہو کے چل رہے ہیں ——— میں آپ کی خدمت میں آج یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج شہیدانِ کربلا کی زندگی کی آخری رات ہے۔ آج تمام شہدائے کربلا موجود ہیں۔ بہن کے پاس بھائی موجود ہے۔ بیٹی کے پاس باپ موجود ہے ——— آج تیاری ہے آلِ محمدؐ کی ایک عظیم قربانی کے لئے ——— آج کی شام شامِ شہیداں کہلاتی ہے۔ یہ شہیدوں کی رات ہے۔ کل جو رات آئے گی وہ شامِ غریباں کہلائے گی ——— وہ غریبوں کی رات ہوگی۔

محترم بزرگوار ! اللہ کا یہ فرمان ہے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" "دنیا کا ہر انسان

نقصان اُٹھاتا ہے"

زمانے کی گردشیں اس بات کی شاہد ہیں کہ انسان بڑا نقصان اٹھاتا ہے۔ ذرا سی غلطی انسان کو اتنے بڑے نقصان میں پہنچا دیتی ہے کہ پھر اس نقصان کا کوئی اندازہ کر سکتا ہی نہیں ــــــ مگر نقصان سے وہ لوگ بچ جائیں گے اللہ کے فرمان کے مطابق جو "الا الذین اٰمنو" "جن لوگوں میں ایمان ہوگا" جو صاحب ایمان ہیں ــــــ وہ نقصان نہیں اٹھائیں گے۔ وہ ہمیشہ نفع میں رہتے ہیں ــ اس ظاہری دنیاوی نفع ونقصان کو تو صاحب ایمان نقصان ہی نہیں سمجھتے۔ آئندہ زندگی کے نفع پر ان کی نظر ہوتی ہے، اور وہ دنیا کے نقصان سے محفوظ رہتے ہیں جو صاحب ایمان ہیں ــــــ یہ اللہ کا فرمان ہے۔ اسی فرمان کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت بھی شامل کریں۔

"لوگ دل میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ کہہ دیں زبان سے وہ مومن ہیں،" بس وہ مومن ہو گئے ــ؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ صرف مومن کہنے سے وہ مومن نہیں بن سکتے۔ بلکہ ان کے ایمان کا امتحان لیا جائے گا۔ امتحان میں ان کو دیکھا جائے گا کہ وہ مومن ہیں کہ نہیں ــــــ تو آج کی شب اہل ایمان کے امتحان کی شب ہے۔ آج اہل ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔ آج ان کے امتحان کی رات ہے۔ کل تو وہ آجائیں گے میدان میں۔ امتحان ان کا آج کی رات ہے کہ آج وہ اپنے لئے کیا فیصلہ کرتے ہیں وہ اپنے لئے کیا سوچتے ہیں۔ آج کی رات ان کے امتحان کی رات ہے۔

بزرگان من! یقیناً تاریخ عالم کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ کسی سردار نے، کسی بادشاہ نے عین لڑائی کے وقت، عین میدان جنگ میں جب کہ لڑائی سر پر ہو۔ میدان جنگ میں اپنے سپاہیوں سے یہ کہا ہو کہ "تم جا سکتے ہو" ــــ یہ بے مثل مثال صرف کربلا کے ہی بے مثل واقعہ میں ملے گی کہ آج جب یقین ہو گیا کہ کل جنگ لازماً ہوگی۔ اور جنگ کا حال معلوم ہے کہ بہتر بھوکے پیاسے یقیناً قتل ہو جائیں گے۔ قتل ہونے کے بعد وہ ویرانی و بربادی جو ان کے قتل کے بعد ہے وہ سب نظر میں تھی اور جو اصحاب قتل ہوں گے ان کی عورتیں بھی ہیں، ان کے بچے بھی ہیں۔

انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے قتل کے بعد ہماری عورتوں کے ہاتھ بندھ جائیں گے۔ ہمارے یتیم بچوں کے گلے بندھ جائیں گے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے جس قوم سے ہمارا واسطہ ہے وہ ہماری لاشوں کو دفن نہیں کریں گے۔ یہ تمام چیزیں آج ان کے سامنے ہیں ——— ان تمام حالات کے ساتھ آج ان کا سردار اُن سے ایک انوکھی بات کہہ رہا ہے۔ یہ ان کے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے۔

شام کا وقت ہے بہن نے بھائی سے پوچھ لیا۔ "حسینؑ! گھوڑوں کے ٹاپوں کی برابر آوازیں آرہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ سینکڑوں سوار چلے آرہے ہیں — کیا یہ ہماری طرف آرہے ہیں"

حسینؑ نے کہا "نہیں بہن! یہ دشمن کی فوج ہے" زینبؑ نے آسمان کو دیکھا۔ زمین کو دیکھا۔

"یا اللہ! اس بھری دنیا میں کوئی ہے جو محمدؐ کے نواسے کی مدد کو آئے"

امامؑ زینبؑ کو تسلی دیتے ہیں "بہن فکر نہ کر۔ میرے ساتھی بھی ہیں"۔ رات ہوئی۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے۔ آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ غازی کو بلایا۔

"عباسؑ! تم میری چھوٹی سی فوج کے سپہ سالار ہو۔ تم مجھے گن کے بتاؤ کہ اس وقت کتنے سپاہی میری فوج میں موجود ہیں"

قمر بنی ہاشم نے گن کے بتایا۔ "ایک۔ دو۔ تین"

"حضور! میں نے گن لیے۔ اکہتر سپاہی ہیں"

آپ نے فرمایا "بھائی، ایک دفعہ پھر گن" دوبارہ گنا۔

"قبلہ! میں نے گن لیا۔ اکہتر ہیں بمعہ میرے"

آپ نے فرمایا "بھائی ایک دفعہ پھر گن لو"

اب قمر بنی ہاشم سمجھ گئے۔ ضرور گنتی میں کوئی غلطی ہے جب کہ امامؑ بار بار فرما رہے ہیں — اب کے بڑی احتیاط سے گنا۔ جب گنتے گنتے ستر کے قریب پہنچے تو خیمے کا پردہ اٹھا اماں فضہ برآمد ہوئیں اور سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی سی شے لاکر سامنے رکھی۔ اور کہا "عباسؑ! یہ تو گنتی میں رہ گیا تھا — اب تیری فوج مکمل ہو گئی"

عباسؑ نے بچے کو اٹھا کے کلیجے سے لگایا۔ چھ مہینے کا ہے تو کیا ہے، ہے تو حیدرِ کرار کا پوتا ـــ اصغرؑ سپاہی بنے گا اور بچے نے آنکھیں کھول کے چچا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔ بول تو سکتا نہیں، آنکھوں سے کہہ رہا تھا

"چچا جان! کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی قیامت تک کہ علیؑ کا پوتا کس طرح جہاد کرتا ہے"

بہر نوع بچے کو اندر بھیج دیا۔ ماں نے اُسے گہوارے میں لٹا دیا۔ باقی بچے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر خیموں میں گئے۔ ماں نے اپنے بچوں کو کل کے لیے لباس پہنائے ـــــ اور زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کو سامنے بٹھا کے کہا

"بیٹو! تمہیں معلوم ہے کہ تم جعفرِ طیارؑ کے پوتے ہو، حیدرِ کرارؑ کے نواسے ہو اور دیکھونا، کل میدانِ جنگ میں تم نے پہلی دفعہ جانا ہے ـــ تمہارے بچپن سے، ناتجربہ کاری سے میں ڈر رہی ہوں۔ میں جب جانوں کہ تم اپنی زبان سے نہ کہو کہ ہم علیؑ کے نواسے ہیں، جعفرِ طیارؑ کے پوتے ہیں۔ میں دروازے پہ کھڑی ہوں گی۔ میں جب خوش ہوں گی جب فوجیں چلا اٹھیں "یہ علیؑ کے نواسے ہیں۔ یہ جعفرِ طیارؑ کے پوتے ہیں"۔ زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں ـــــ اور قاسمؑ کی ماں قاسمؑ سے کہہ رہی تھی "بیٹا! آج تیرا باپ حسنؑ زندہ نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتا تو مجھے کچھ نہ کہنا پڑتا۔ میں تیری بیوہ ماں ہوں۔ میرا کوئی زور نہیں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ میں بیوہ ماں تجھ سے کہتی ہوں ـــ "کل میرا نام روشن کرنا بیٹے! دنیا یہ نہ کہدے کہ ماں کے دودھ کی خرابی تھی۔ اپنی ماں کے دودھ کی عزت رکھنا میرے لعل! ـــــ لیلیٰ علی اکبرؑ سے بات کر رہی ہے ـــــ ایک ایک خاتون اپنے اپنے عزیز سے گفتگو کر رہی ہے۔

امامؑ نے دیکھا یہ منظر۔ آ کے مصلے پہ بیٹھے ـــ حکم دیا ـــ "بھائی عباسؑ! میرے تمام سپاہیوں کو میرے گرد اکٹھا کرو۔ میں اُن سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔

حکم کی دیر تھی کہ امامؑ کے گرد بہتر سپاہی آ کے بیٹھ گئے ـــ ان میں ۹۰ برس کا بوڑھا بھی

۱۰۰۹ سال کے بچے بھی حسینؑ کی شگی کونسں میں آکر امام کے گرد بیٹھ گئے ـــــ اور ابوتراب کے بیٹے نے زمین کے اوپر مسند لگادی۔ اور امامؑ نے فرمایا

"میرے دوستو! میرے عزیزو! میری جان سے زیادہ پیارے رفیقو! میرے بیٹو! بھتیجو! بھائیو!"

پھر امام نے نام لے لے کے فرمایا

"بھائی حبیبؓ! بھائی زہیرؓ! اور جو بزرگ تھے جیسے حضرت مسلم بن عوسجہؓ وغیرہ۔ انہیں امامؑ نے چچا کہہ کے خطاب فرمایا ـــــ میرے باپ اور نانا کے صحابیوؓ! دیکھو وزمانے کا حال کیا ہے۔ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے اسے صرف میری ذات سے واسطہ ہے۔ تم سے کوئی عداوت نہیں۔ اس وقت رات کا وقت ہے۔ میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔"

یہ حکم نہیں دیا کہ ضرور چلے جاؤ۔ انہیں ان کی مرضی پہ چھوڑ دیا کہ تم میں سے جو جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔" یہ ہو رہا تھا ان کے ایمان کا امتحان ـــــ جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا "جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔" اور وہ سب خاموش بیٹھے رہے۔ کچھ نہیں بولے ـــــ تو مولاؑ نے فرمایا "شاید یہ بات ہے کہ تمہیں جانتے ہوئے یہ خیال ہے کہ وہ ثواب جو تمہیں یہاں شہید ہونے میں ملے گا، اس ثواب سے محروم رہ جاؤ گے۔

"میں حسینؑ! تم سے وعدہ کرتا ہوں اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے وہ تمہیں ضرور دلاؤں گا۔"

انہیں حسینؑ پر یقین تھا۔ اب وہ ثواب کا لالچ بھی ختم ہو گیا۔ اب مولاؑ نے فرمایا "تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے، کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آ گئے۔ اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبیؐ کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں۔ انہیں ساتھ لے جاؤ۔ انہیں ناناؐ کی قبر پہ بٹھا دینا۔ پھر جہاں جس کا جی چاہے چلے جانا۔ اگر کوئی طعنہ دے تو

کہہ دینا کہ زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے۔ نبیؐ کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کے لے آئے تھے۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے۔"

وہ لوگ پھر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا

"میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ آنکھ میں شرم ہے اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے۔ اکبرؑ بیٹا! ذرا چراغ گل کر دو۔"

چراغ گل ہو گیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا

"اب اندھیرا ہے، میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ تم جا سکتے ہو جس نے جانا ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

اب اندھیرے میں آوازیں تو آ رہی ہیں۔ پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] منٹ کے بعد آپ نے حکم دیا کہ "چراغ دوبارہ روشن کیا جائے۔"

اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں یہ فرق آ گیا تھا کہ جتنے جوان تھے انہوں نے گوٹھیاں لگا کے تلواروں کے نیام توڑ دیئے تھے۔ جو بڈھے تھے انہوں نے پگڑیاں اتار کے کمر سے باندھ لیں تھیں کہ کمر سیدھی ہو جائے۔ جو چھوٹے بچے تھے وہ ایڑیاں اٹھا کے کھڑے ہو گئے کہ جوان نظر آنے لگیں ——— یہ فرق ہو گیا تھا ——— حسینؑ نے جوان کی یہ ادا دیکھی تو بے ساختہ منہ سے نکل گیا۔

"میرے جیسے عزیز، میرے جیسے رفیق تو آدمؑ سے آج تک کسی کو نہیں ملے۔ تمہارا نہیں ارادہ جانے کا۔"

اب جو مولاؑ نے فرمایا تو ان کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے مسلم عوسجہؓ اٹھے۔ بوڑھے آدمی تھے۔ علیؑ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ رسولؐ کو دیکھ چکے تھے ——— کھڑے ہوئے تلوار ٹیک کر ——— بدن میں تھوڑا سا لرزا بھی تھا۔ کہنے لگے۔

"حسینؑ! میں نے تیرے نانا کو دیکھا ہے۔ میں تیرے بابا کے ساتھ رہا ہوں۔ تیرے

منہ سے یہی سجتا ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ تیری یہی شان ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ حسینؑ! یہ سچ ہے کہ تجھے ہماری ضرورت بالکل نہیں ——— مگر ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تو ہمارا محتاج نہیں حسینؑ! ہم تیرے محتاج ہیں ——— اگر تو ٹھوکریں مار مار کے بھی اس میدان سے نکال دے پھر ہمیں پلٹ کے آئیں گے حسینؑ! کیونکہ ہم تیرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں تیری ضرورت ہے حسینؑ!

بڈھا آدمی تھا۔ جوش میں فقرے کہے۔ وہیں گر گیا۔ اس کے گرتے ہی حضرت بریرہ ہمدانیؓ کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کے کیا فرمایا

"حسینؑ! ہمیں جانے کو کہتے ہو۔ ہم چلے جائیں ——— ہم چلے جاتے ہیں مگر اپنے گھر سے اچھا گھر بتا دو جہاں ہم چلے جائیں ——— اپنے در سے اچھا در بتا دو جہاں جا بیٹھیں۔ اپنے سے اچھا دربار بتا دو جہاں جا کے بیٹھ جائیں" اور یہ فقرے کہہ کے وہ بھی بے ہوش ہو گیا اور گر گیا ———

اس کے بعد بچپن کا دوست حبیبؓ اٹھا۔ حبیبؓ نے اس طرح بات کی ہے جس طرح بچپن کا دوست بات کرتا ہے۔

"حسینؑ! میں تیرے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ کے چلا جاؤں ——— ایک بات بتا دے اس کے بعد جانے کو کہنا کہ قیامت کے دن اگر تیری اماں نے پوچھ لیا "حبیبؓ! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا" تو کیا جواب دوں گا۔ جواب مجھے بتا دے کہ تیری ماں کو کیا جواب دوں گا ——— پھر چلا جاؤں گا"

یہ کہہ کے حبیبؓ بھی بیٹھ گئے۔ اس طرح جب تمام اصحابؓ باتیں کر کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی ——— عزیزوں کی نمائندگی حضور قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ نے فرمائی۔ جناب عباسؑ وہ شخصیت تھے۔ تقریر نہیں کرتے تھے۔ خاموش رہتے تھے۔ کھڑے ہوئے تقریر کرتے۔ اور صاحبان ذوق! ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر۔ کھڑے ہو گئے ——— بدن پورا لرز رہا ہے۔ تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے ——— ایک مرتبہ کہا

"مولا!" خاموش ہو گئے۔

دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا "یا نانا رسول اللہ"! پھر خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا "میرے سردار!" پھر خاموش ہو گئے ـــ اور خاموش ہو کے ایک دم مڑ گئے نجف کی طرف اور بجائے حسینؑ سے کچھ کہنے ـــ کہنے لگے۔

"یا علیؑ مدد! یا علیؑ! حسینؑ جانے کو کہہ رہے ہیں میں کیا جواب دوں ـــ؟"

امامؑ کو پیار آ گیا۔ اُٹھ کے ایک ایک کے گلے ملے۔ ایک ایک کی پیشانی چومی۔

"میں تم سے بڑا خوش ہوں۔ میں تمہارا بڑا احسان مند ہوں۔ میں تمہارا بڑا شکر گذار ہوں۔ جاؤ۔ اپنے اپنے خیمے میں بیٹھ کر کل کے مرنے کی تیاری کرو۔ مگر ایک کام کرنا۔ اپنے خیمے اکھاڑ لو۔ جہاں جہاں نصب ہیں۔ اور سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگا دو۔ تاکہ اگر رات کی تاریکی میں اس بے حیا فوج نے اچانک حملہ کر دیا تو سادات کی حفاظت ہو سکے۔"

نے ایک دم اپنے خیمے سادات کے چاروں طرف لگا دیئے۔ طنابوں سے طنابیں باندھ لیں۔ اور اس کے بعد امامؑ بیت الشرف میں تشریف لائے ـــ

حسینؑ جو گھر میں آئے۔ بہن کھڑی تھی۔ زینبؑ پوچھتی ہیں "حسینؑ! میں ساری تقریر قنات کے پیچھے کھڑی سن رہی تھی۔ میں نے تیرے دوستوں کی ساری باتیں سُنی ہیں ـــ میں نے بال کھول کے ان کے لئے دعا کی ہے۔

"حسین! یہ بتاؤ ان میں سے کوئی اب چھوڑ کے چلا تو نہیں جائے گا۔ اب ان پہ ہے نا پورا اعتماد"

اب زینبؑ نے جو پوچھا کہ "اعتماد ہے" "کوئی جائے گا تو نہیں"

یہ سوال جو بی بی نے کیا تو پردے کے بالکل پیچھے پہرہ دار کے طور پر حضرت حبیب ہمدانیؓ کھڑے تھے انہوں نے سُن لیا کہ زینبؑ نے یہ پوچھا ہے ـــ رات کا وقت ـــ انہوں نے ایک دم گھبرا کے کہا۔

"حبیبؓ! زہیرؓ!" "جلدی آؤ" "فوراً دوڑو" اب جو انہوں نے آواز دی

گھبرا کے تو سب کے سب دوڑتے ہوئے آ گئے۔ زہیر نے پوچھا "خیریت تو ہے۔"

"خیریت بالکل نہیں۔ ابھی زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا۔ خیمے میں بعد میں جانا۔
پہلے زینبؑ کو یقین دلا کے جاؤ۔"

سب تلواریں نیام سے نکل آئیں اور خیمے کے صحن میں آ گئے

"بی بی! اپنے ہاتھ سے سر کاٹ دے اب یہ واپس نہیں جائیں گے۔" اور اتنا اعتماد تھا
زینبؑ کو اصحابؓ کی وفا کا کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔
عباسؑ کو نہیں پکارا۔ وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے آواز دی تھی

"بھائی حبیبؓ! آؤ نا۔ دیکھو ہم پہ کیا گذر رہی ہے۔"

بہر نوع تمام اصحابِ حسینؑ جا کے اپنے اپنے خیموں میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے وہاں
قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کوئی قرآن پڑھنے لگا۔ کوئی مناجات پڑھنے لگا۔ کوئی دعائیں پڑھنے لگا۔
کل کے مرنے کی تیاری ہونے لگی۔

امام زین العابدینؑ بیماری کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ غشی کا عالم تھا۔ ایک دم غش سے
آفاقہ ہوا، آنکھ کھلی ــــ جو خاتون تیماردار تھی اس سے پوچھا

"یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں؟"

اس بی بی نے کہا

"اصحابؓ کے خیمے سیدانیوں کے خیموں کے چاروں طرف لگ گئے ہیں۔ وہ عبادت کر رہے ہیں۔
ان کی عبادت کی آوازیں آ رہی ہیں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔ میرے بابا! کہاں ہیں؟"

خاتون بولی "وہ باہر جائے نماز پہ بیٹھے ہیں۔"

امام زین العابدینؑ نے فرمایا

"ذرا میرے بابا کو میرا سلام کہو۔ اور کہو کہ بیمار بیٹا کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

امامؑ تشریف لائے۔ امام زین العابدینؑ تعظیم کو اُٹھے۔ حسینؑ نے بٹھا دیا۔ نبض دیکھی۔

"بیٹا! بخار کا کیا حال ہے۔ طبیعت کیسی ہے۔ جلدی جلدی اچھے ہو جاؤ بیٹا! بڑا کام کرنا ہے۔ بیٹا! جلدی تندرست ہو جاؤ تمہارے ذمّے بڑا کام ہے۔"

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں۔

"بابا جان! میں نے اس لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ یہ جو ہمارے اصحابؓ ہیں۔ یہ جو حضورؐ کے دوست ہیں۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ میں ان کا احسان مند ہوں۔ "بابا! ان کی آخری خدمت میں کروں گا۔ میرے ذمّے ہے اور بابا! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں ان میں سے ایک ایک کی قبر پہ کھڑے ہو کر میں کہوں گا کہ "میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ہوں۔ اتنی عزّت ہے ان کی میرے دل میں ——— مگر اس عزّت کے باوجود یہ ہیں تو غیر ——— ان کی آوازیں ہمارے زنانے خیمے میں آرہی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہماری عورتوں کی آوازیں وہاں جا رہی ہوں ——— کیا ان کے خیمے ذرا فاصلے پر نہیں ہو سکتے تاکہ ہماری عورتوں کی آوازیں نہ جائیں وہاں تک ———"

امام زین العابدینؑ کا یہ کہنا تھا کہ حسینؑ یا بیٹھے تھے یا کھڑے ہو گئے ——— پھر بیٹھ گئے۔ پھر کھڑے ہوئے ——— پھر بیٹھے ——— اور کہنے لگے

"بیٹا زین العابدینؑ! آج کی رات تو یونہی رہنے دو ——— کل کی رات جو آئے گی تم جانو اور پردہ جانے ———"

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

جس اُمّت میں آدمؑ، نوحؑ اور ابراہیمؑ جیسے پیغمبر مومنین ہوں ——————— تو اُن مومنین کا ——— امیر المومنینؑ ——— کون ہوگا؟

فاطمہؑ کا چاند

کربلا میں قیامت خیز منظر، آسمان سے آگ برستی ہوئی، زمین کے ذرّے تپتے ہوئے، تمام صحرائے کربلا بے گناہوں کی لاشوں سے بھرا ہوا، جو محض دینِ الٰہی کی حفاظت کیلئے اپنی جان اور اپنی زندگیاں قربان کرکے۔ ریتِ گرم پر لیٹے ہوئے، آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا۔ فاطمہؑ کا چاند، چہرے پر کربلا کی گرد، دل میں عزیزوں کے درد۔ سینے سے بے شیر کا لاشہ لگائے ہوئے۔ سر جھکائے ہوئے خیمے کے دروازے پہ کھڑا ہے اور دردناک آواز میں کہہ رہا ہے

"زینبؑ! کلثومؑ! رقیہ! اماں فضہؓ! تم سب پر میرا آخری سلام"

خواتین دروازے کے قریب آئیں۔ امام کے گرد حلقہ کرلیا۔ سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑلیا۔ زینبؑ سامنے بیٹھ گئیں۔ لیلیٰؑ ایک طرف خاموش کھڑی ہوگئیں۔ ربابؑ دم بخود ہیں۔ خیمے پر اداسی چھائی ہوئی ہے، علم فوج سرنگوں ہو چکا ہے، عباسؑ کے یتیم بچے حسینؑ کی عبا کا دامن پکڑے ہوئے پوچھ رہے ہیں "ہمارے بابا گھر کب آئیں گے"۔ اصحابؓ کے یتیم بچے، ان کی بیوہ عورتیں، حسینؑ کے چاروں طرف بیٹھی کہہ رہی ہیں

"مولاؑ! ساری قربانیاں منظور ہیں" اور حسینؑ کہہ رہے ہیں "زینبؑ بہن! اگر قیامت تک بھی زندہ رہو، ایک روز جدائی ضروری ہے۔ آج تمہارا بھائی حسینؑ تم سے جدا ہو کے رخصت ہو رہا ہے، زینبؑ! مجھے گلے مل کے رخصت کرو۔ دعا کرو۔ خدا مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اس قربانی کو، اس مقصد کو جس مقصد کے لئے مجھے میری ماںؑ نے چکی پیس کر پالا تھا، میرے ناناؐ نے مجھے کاندھے پر سوار کیا تھا، میرے باپ نے سینے پر سُلایا تھا، آج اس مقصد کے پورا کرنے کیلئے خدا توفیق دے

زینبؑ! دعا کرو۔ قاتل کے خنجر کے نیچے میں گھبرا نہ جاؤں، بلکہ

؎ حلق پر تیغ رہے، سینے پہ جلاد رہے،

لب پہ ہو نام تیرا، دل میں تیری یاد رہے

اللہ کی طرف تعلق رہے، خدا سے میرا واسطہ رہے،

خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں، سکینہؑ نے دامن پکڑ لیا۔

"بابا! آپ اس طرف جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا وہ واپس نہیں آیا۔ آج رات کو اگر آپ واپس نہ آئے، تو

بابا جان! سکینہؑ کس کے پاس سوئے گی؟"

"بیٹیا! تم آج رات اپنی اماں کے پاس سونا"۔

"بابا! اماں کے پاس تو چھوٹے بھائی علی اصغر سوتے ہیں۔ میں کیسے سوؤں گی"۔

"نہیں میرے لعل۔ آج سے اصغر میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اماں کے پاس سویا کرنا۔ اور دیکھنا بیٹیا! ضد نہ کرنا۔ بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے۔ پھوپھیاں مجبور رہوں گی۔ زمین پر آرام سے سو جایا کرنا۔

خدا حافظ بہن! اب میں جا رہا ہوں۔ اللہ تمہارا نگہبان ہوگا۔ خدا تمہارا محافظ ہوگا۔ دیکھنا بہن! غصے میں نہ آنا۔ ہر مصیبت کو آرام سے برداشت کرنا۔ اُمت کے حق میں ہر وقت دعا کرنا۔ خداوند عالم ہماری اس قربانی سے دین کی خدمت لے رہا ہے۔ اسلام زندہ رہے، اللہ کا نام زندہ رہے، ہمارے نانا کا دین زندہ رہے۔

زینبؑ! تیری چادر کے زیر سایہ اگر دین کی زندگی ہے تو چادر قربان کر دینے میں دریغ نہ کرنا۔

بہن خدا حافظ! فی امان اللہ! اب میں جا رہا ہوں، اب انشاء اللہ زینبؑ! قیامت میں ملوں گا، ویسے نیزے پہ سوار ہو کے ہر وقت زینبؑ! تیرے ساتھ رہوں گا۔

؎ شبیرؑ یہ آمد ہوئے یوں خیمے کے دَر سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے،

آج حسینؑ نے دنیا سے اپنے تعلق کو منقطع کر دیا ہے۔ سو فیصدی اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہے آج حسینؑ اور خدا کے درمیان کوئی شے حائل نہیں۔ خالق کو اپنے اس بندے پہ ناز ہے، اللہ اپنی صنعت کے اس شاہکار کو دیکھ کر فخر یہ فرشتوں سے کہتا ہے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْن۔ میں جانتا ہوں، انسان کے وہ جوہر جو تم نہیں جانتے۔ تم نے دیکھا۔ میرے اس بندے نے میرے عشق کو کس کمال تک پہنچا دیا۔ میری عبودیت کو کس معراج کو پہنچا دیا۔ آج وہ سجدے کے بل میری خدمت میں آ رہا ہے۔ میں نے اپنی خدائی کا نظام اُس کے سپرد کر دیا۔ میں نے بقائے دوام کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ آج مَیں خود اس کے ماں، باپ اور نانا کو اس عظیم فرزند کی عظیم قربانی پر مبارک باد دوں گا۔"

آج حسینؑ بھی اللہ سے خطاب کر کے فرما رہے۔ خداوندا ؎

ہیں وہ عباسؑ دلاور، وہ حسنؑ کا دلبر	وہ کلیجے پہ دھرے ہاتھ پڑے ہیں اکبرؑ
کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور	میں نے ایک ایک کو قرباں کیا گِن گِن کر

تُو نے دولت جو تھی مجھ خاک نشیں کو سونپی
وہ امانت تیری بندے نے زمیں کو سونپی،

یا اللہ! پہلے کہتا تھا ع "نہ عریاں سرِ خواہر دیکھوں" (پر جو تُو خوش ہو تو)
"زینبؑ کو کھلے سر دیکھوں"

خداوندا! آج میں بالکل تیرے سامنے حاضر ہوں۔ تیری خوشی کے سامنے میرا سر جھکا ہے۔

؎ اگر تجھ کو نہ ہو نسلِ امامت منظور
ذبح عابدؑ کو کروں ہاتھ سے میں تیرے حضور

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

شامِ غریباں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حضرات گرامی! آج بجائے اس وقت درود و سلام پڑھنے کے سارا مجمع بیک زبان ایک دفعہ کہے "انا للہ و انا الیہ راجعون"

اصل حادثۂ کربلا اب شروع ہوا ہے۔ آج کے عصر تک کے کارنامے کی ذمہ داری حسینؑ کے پاس تھی اور عصر کے بعد یہ ذمہ داری حسینؑ سے زینبؑ کی طرف منتقل ہو گئی ہے ــــــ

آپ حضرات نے محرم کا چاند دیکھ کر آج کے عصر تک جتنی مجلسیں کی ہیں، جتنا ماتم کیا ہے وہ شہیدوں کا ماتم تھا اور عصر کے بعد سے اب اسیروں کا ماتم ہے۔

بزرگو، عزیزو اور نوجوانو! اصلی ماتم اب شروع ہوا ہے۔

حضور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

"عصر کے بعد ہمارے خاندان پر جو گذر گئی، نہ کوئی بیان کرنے والا اسے بیان کر سکتا ہے نہ کسی سوچنے والے کے ذہن میں آسکتا ہے اُسے وہی جانتے تھے جن پہ گذر گئی۔"

دنیا کا شریف ترین خاندان، دنیا کا معزز ترین خاندان، آج اس عالم میں پہنچ گیا کہ رات ان کی شامِ شہیداں تھی اور آج ان کی رات شامِ غریباں ہے ــــــ اور جن کا خدا نے، قرآن نے اہل بیتؑ نام رکھا ہے وہ آج دنیا میں بے بیت ہیں۔ ان کا آج کہیں گھر نہیں۔ وہ آج بے گھر ہیں۔ کوئی سوچ نہیں سکتا کہ اُن پہ کیا گذری ــــــ اور جب آخری رخصت کے بعد حسینؑ میدان میں تشریف لائے۔ چلتے وقت جب بالکل اپنے گھوڑے کے قریب آئے اور سوار

ہونے لگے تو اُن کی بچی نے آکے دامن پکڑ لیا۔ سکینہؑ دامن پکڑے کھڑی ہو گئی۔

"بابا جان! جا رہے ہو، بابا! آپ جا رہے ہیں"

"ہاں بیٹیا! میں جا رہا ہوں"

"بابا جان! اگرچہ میں بچی ہوں مگر اتنا میں سمجھ رہی ہوں کہ صبح سے جو گیا ہے، وہ واپس نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے آپ بھی واپس نہیں آئیں گے، پیارے! بابا جان! مجھے یہ بتا دیں کہ رات قریب آ رہی ہے، آپ جا رہے ہیں، جنگل ہے بیابان ہے۔ اگر رات کو میں ڈر گئی تو کس کے پاس سوؤں گی۔ اب میں کس کے سینے پہ سوؤں گی" تو امامؑ نے بچی کو فرمایا کیا۔ "بیٹیا! آج رات اگر تم ڈر جاؤ نا تو اپنی اماں کے پاس سونا۔ اپنی ماں کی گود میں سو جانا" تو بچی جواب میں کہتی ہے۔

"بابا جان! اماں کی گود میں تو بھائی علی اصغر سویا کرتے ہیں، میں کیسے سوؤں گی"

امامؑ نے جواب میں فرمایا

"سکینہؑ بیٹیا! آج رات سے اصغر میرے ساتھ سوئے گا"۔ اور امامؑ رخصت ہو کے میدان میں آ گئے اور دنیا نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہزاروں کے مقابلے میں ایک شکستہ دل انسان ہے۔ اس بے حیا فوج نے یہ طعنہ زنی کی۔

"حسینؑ! نہ اپنے کو تکلیف دو نہ ہمیں تکلیف دو۔ آؤ گھوڑے سے اتر آؤ تاکہ یہ جنگ جلدی ختم ہو جائے"

ان کے یہ طعنے کی آواز خیمے میں زینبؑ نے سنی۔ زینبؑ نے دروازے پہ آکے کہا

"حسینؑ مجھے پتہ ہے، تم نے شہید ہونا ہے، مگر یہ قوم یہ نہ سمجھے کہ مجبور ہو گیا، ذرا پانچ منٹ کے لئے میری اماں کے دودھ کی طاقت بھی دکھا دے"

اور حسینؑ نے تلوار کھینچی۔ جہاد شروع کیا۔ فوج کا پہلا حصہ بھاگ کر نخیلہ تک پہنچا تھا اور حسینؑ فوج کو بھگا کر گھوڑے کو تیزی سے دوڑا کر ایک بلند ٹیلے پہ آتے اور وہاں بلند آواز سے کہتے "انا عبد الرسول اللہ لوگو! میں رسول کا بیٹا ہوں"۔ اور فوراً جواب میں خیمے سے بہن کہتی

"مرحبا یا عبد الرسول اللہ" "شاباش حسینؑ!"

—— اور جنگ ختم ہوئی —— اور حسینؑ فوجوں کے بیچ میں گھر گئے تو زینبؑ یہاں سے آواز دیتی ہے "یا علیؑ مدد!"

حسینؑ کے پاؤں رکابوں سے نکل چکے تھے۔ اور مسلمانوں کی تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حسینؑ کو گھوڑے سے زمین تک آنے میں نو دقیقے لگے۔ اب دقیقے کا ترجمہ آپ چاہے سیکنڈ کرلیں چاہے منٹ کرلیں۔ اتنی دیر کیوں لگ گئی گرنے میں مولا کو —— اس کا بیان یہ بتایا گیا ہے کہ فوجیں قریب آگئیں۔ حسینؑ کی پسلیوں میں برچھیاں لگا دیں۔ حسینؑ دائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے بائیں طرف کر دیتے اور بائیں طرف گرتے تو برچھیوں والے دائیں طرف کر دیتے۔ تو منٹ اسی کشمکش میں گذر ے۔ اس وقت کا واقعہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ جب اس عالم میں گھوڑے سے گر رہے تھے اور گرتے وقت جو بے ساختہ منہ سے نکلا۔ وہ یہ تھا "یا عباسؑ! میں گر گیا"۔ "عباسؑ بھائی آؤ دیکھو نا میں گر رہا ہوں"

اور پھر زمین پر آئے۔ کس طرح؟

زیارت ناحیہ میں امام زمانؑ فرماتے ہیں

"میرا سلام ہو اس شہید پر جو نہ زین پر تھا نہ زمین پر تھا" پھر کہاں تھے —— بدن تیروں پر معلّا ہو گیا اور جب بہن نے دیکھا کہ حسینؑ گھوڑے پر نہیں ہے۔ خالی گھوڑا آ چکا ہے تو اب زینبؑ حسینؑ بن گئی۔ اور کہنے لگیں "سیدانیو! فکر نہ کرو۔ اب میں تمہاری محافظ ہوں" اب میں تمہاری ذمہ دار ہوں، دیکھو! ایسا کرو کوئی بچہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ بچے کے گرنے سے کرتا باندھ دو۔ سیدانیو! تم اپنے برقعے سے برقعہ باندھ دو۔ میں تمہاری محافظ ہوں —— سہمے ہوئے بچے۔ سہمی ہوئی مستورات۔ زینبؑ کھڑی ہیں سامنے —— اور اگلا فقرہ میرے منہ سے نکلتا نہیں صاحبان! لوگ مجھے بھی سید کہتے ہیں۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے، حقیقت کیا ہے —— اس لیے جتنے اس محفل میں سادات ہوں میں اُن سے معافی مانگتے ہوئے

اور جو مومنین ہیں، ان سے معذرت کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ پھر دنیا نے یہ دیکھا کہ زینبؑ دروازے پہ کھڑی تھیں اور بے حیا فوج شور مچاتی ہوئی کہ اب خاندان رسالت کے گھروں کو لوٹ لو، چلی آرہی ہے ——— گھر کا محاصرہ ہوگیا۔ اور خیموں میں آگ لگنے لگی۔ جب ایک خیمہ جل جاتا بیدانیاں دوسرے خیمے میں آجائیں۔ وہ جل جاتا۔ تیسرے خیمے میں آجاتیں۔

اب میں آپ کو یہ واقعہ بھی سنا دوں کہ رات میں نے آپ کو یہ بات کہی تھی۔ "امام زین العابدینؑ نے فرمایا تھا کہ اصحاب کے خیمے ذرا فاصلے پہ ہو جائیں تاکہ ان تک ہماری مستورات کی آواز نہ جائے"——— آج وہی زین العابدینؑ اپنے بستر بیماری پر لیٹے ہوئے ہیں۔ زینبؑ پہنچی — بیٹے کا سر گود میں لیا — گھبراہٹ کا عالم — پریشانی کا وقت ——— اور کہتی ہیں "بیٹا! ذرا اٹھو۔ بیٹا! ذرا آنکھ کھولو" تین چار دفعہ بیٹا کہہ کے پکارا — آنکھ نہ کھولی —— آخر زینبؑ گھبرا کر کہتی ہیں

"امام زمانہ! ذرا اٹھ کے بیٹھو۔

اب جو امام کہہ کے پکارا تو اُٹھ کے بیٹھ گئے۔

"اماں! کیا ہوا"

"بیٹا! ہوا یہ کہ تُو اب امامؑ ہے۔ اور میں تیری امامت میں تجھ سے پہلا مسئلہ پوچھنے آئی ہوں۔ یوں تو تُو میرا بیٹا ہے مگر بحیثیت امامؑ کے میرا بادشاہ ہے۔ مجھے پہلا مسئلہ یہ بتا کہ خیمے سارے جل گئے۔ اب بتا کہ ہم ان جلتے ہوئے خیموں کے ساتھ جل کر مر جائیں یا نامحروں میں باہر نکلیں ———" اور امامؑ نے پہلا مسئلہ یہ بتایا ——— "عَلَیکُنَّ بالصحراء"

"اماں! عورتوں، بچوں کو لے کر اس جنگل میں نکل جاؤ۔ اب پردہ ساقط ہوگیا ہے"

اب حرم حسینؑ جنگل میں ہیں۔ چادریں اتر گئی ہیں۔ بچے ماؤں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ سہمے ہوئے ہیں۔ کربلا کے ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر جا کے بیدانیاں بیٹھ گئی ہیں بچوں کو لے کر ——— رات ہوگئی ہے ——— ایک طرف بے سر کے لاشے ہیں ——— یک طرف

بھرپور فوج ہے ——— ایک طرف بے کس سیدانیاں ہیں ——— بچوں نے رات تک شور مچایا "ہمیں پانی چاہیئے" ——— مگر آج کوئی بچہ کچھ نہیں کہہ رہا ——— سب ماؤں کی گود میں خاموش بیٹھے ہیں ——— یا تو دن کے واقعہ سے سہم گئے ہیں یا یہ سوچتے ہیں "اب کس سے مانگیں" "اب پانی لانے والا کون ہے" ——— خواتین خاموش بیٹھی ہیں ——— امامِ زمانؑ ان کے بیچ میں بیٹھے ہیں اور زینبؑ فرماتی ہیں

"بی بیو! فکر نہ کرو آج رات میں تمہارا پہرہ دونگی۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی"

اس کے بعد روایات بڑی مختلف ہیں ——— میں کونسی بیان کروں اور کونسی نہ کروں۔ ایک یہ بھی روایت ہے کہ زینبؑ پہرہ دے رہی ہیں۔ بیچ میں ساری خواتین بیٹھی ہیں۔ اس پہرے کے عالم میں زینبؑ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک سوار چلا آرہا ہے۔ اور زینبؑ نے یہیں سے آواز دی

"آنے والے ٹھہر۔ آج میرا پہرہ ہے۔ خبردار! آگے نہ آنا" مگر وہ سوار بڑھتا چلا آیا ——— زینبؑ آگے بڑھیں۔ "میں تجھے کہتی ہوں آگے نہ آ" اور یہ کہہ کے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی ——— بس۔ باگ کا پکڑنا تھا کہ سوار نے نقاب اُلٹ دی۔ اور زینبؑ نے پہچان لیا ——— اور سوار نے کہا "بیٹا زینبؑ! میں آیا ہوں" اور زینبؑ نے رکاب پکڑ لی "بابا! اب آئے ہو"

"بابا! اب پہنچے ہو"

اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ آج کی رات کے پہلے حصے میں پانی کی مشک آگئی ——— اب میں اس تحقیق میں کہاں پڑوں کہ پانی کی مشک آنے کی روائتیں کتنی ہیں ——— مختلف روائیتوں کے باوجود نتیجہ یہ ہے کہ پانی کی مشک آگئی ——— کچھ کھانا آگیا ——— وہ زوجۂ حُر لے کر آئیں یا کوئی اور لے کر آیا ——— بہر نوع پانی آگیا ——— میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کربلا کے سب واقعات میں ان سیدانیوں کے لئے سب سے سخت ترین وقت یہی تھا کہ نہیں کہ جب اُن کے

سامنے پانی کی مشک رکھی گئی ـــــــ اُن کے دلوں سے پوچھو۔ ان پہ کیا گذری تھی ـــ ایک نظر پانی کی مشک پر تھی اور ایک ایک بی بی آواز دے رہی تھی "علی اکبرؑ! تم نے مرتے دم ایک گھونٹ پانی مانگا تھا" کوئی کہہ رہی تھی "عباسؑ! واپس آجاؤ۔ پانی کی مشک آگئی" کوئی کہہ رہی تھی "اصغر بیٹا! پانی آگیا۔ اب کیسے پیو گے" ـــ سب سے سخت وقت برداشت کے لئے یہی تھا کہ پانی کی مشک ان کے سامنے رکھی تھی ـــــــ

امام زین العابدینؑ آئے ـــ مشک کا دہانا کھولا ـــ پانی لیا ـــ "پھوپھی اماں! پانی پئیں" اور زینبؑ کہتی ہیں "بیٹا! زین العابدینؑ! میں! یہ پانی!! میں پیوں!!!"

پہلے گلاس میں پانی لے کر سب بی بیوں نے حسینؑ کی فاتحہ پڑھی "حسینؑ! پانی یہ تیری نذر پیش کر رہے ہیں" وہ زینبؑ کو پیش ہوا ـــ زینبؑ نے سکینہؑ کو اٹھایا ـــ "بیٹا سکینہؑ! یہ پانی پیو" سکینہؑ نے بھی انکار کر دیا۔ زینبؑ نے بھی انکار کر دیا ـــــــ امام زین العابدینؑ نے اعجاز کی طاقت سے پھوپھی کو یہ منظر دکھایا کہ زینبؑ نے دیکھ کہ "کوثر کنارہ ہے۔ رسالت مآبؐ بیٹھے ہیں ـــ حیدر کرارؑ بیٹھے ہیں ـــ اور حسن مجتبیٰؑ بیٹھے ہیں ـــــــ اور کربلا کے سارے شہید سامنے کھڑے ہیں ـــــــ حسینؑ بھی کھڑے ہیں اور علیؑ مرتضیٰ ہاتھ میں کوثر کا جام لے کر حسینؑ کو پیش کرتے ہیں اور حسینؑ جواب میں کہتے ہیں

"بابا ـــ ابھی نہیں ـــ ابھی میری زینبؑ پیاسی ہے ـــ بابا ـــ ابھی نہیں ـــ ابھی میرے بچے پیاسے ہیں"

زینبؑ نے یہ منظر دیکھا ـــ زینبؑ نے پانی لے کر کہا

"سکینہؑ بیٹا! پہلے تم پیو"

سکینہؑ نے کہا

"اماں - پہلے آپ"

"نہیں بیٹیا! پہلے بچّوں کو پلاتے ہیں"

بس بھائیو! بچّوں کا نام سنا تھا کہ شہزادی پانی کا وہ ظرف لے کر گنجِ شہیداں کی طرف دوڑی اور بلند آواز سے کہا

"اصغر بھائی! تم میرے چھوٹے بھائی ہو، پہلے تم پانی پیو۔ سکینہ بعد میں پیئے گی"

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

~~:~~

حسینؑ اور خدا کے درمیان آج کوئی شے حائل نہیں۔ خالق کو اپنے اس بندے پہ ناز ہے۔ اللہ اپنی صنعت کے اس شاہکار کو دیکھ کر فخریہ فرشتوں سے کہتا ہے

"اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"

دین بچا ہے اللہ کا ـــ کلمہ پڑھا گیا تو محمدؐ کا۔ اور بہو بیٹیاں قید ہو گئیں تو غریب ابی طالبؑ کی ـــ (خطیبِ آلِ محمد)

فی سبیل اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند عالم عزّ اسمہ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام"

محترم سامعین!

اللہ کا یہ فرمان ہے "جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہو جائیں۔ اُن کو مردہ مت کہو"

اب یہ مردہ مت کہو سے ایک اشتباہ باقی ہے کہ صرف کہنے کی ممانعت ہے۔ کہ مردہ انہیں کہو نہیں۔ ——— اگر ہم دل میں سمجھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ زبان سے صرف کہنے کی ممانعت ہے۔ کہ اُنہیں مردہ کہو نہیں۔ ویسے دل میں ہم اُنہیں مردہ سمجھ لیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ ——— اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے دوبارہ حکم ہوتا ہے "لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء ولکن لا تشعرون" دل میں یہ خیال بھی نہ کرنا جو سبیل اللہ میں قتل ہو جائیں۔ کہ وہ مردہ ہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے انہیں رزق ملتا ہے۔ اور اُن کی حیات ہے اور وہ یقیناً زندہ ہیں ——— مگر تمہیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں۔ وہ زندہ ہیں اور ہمیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں۔ یہ اللہ نے صاف کہہ دیا کہ تمہارے شعور سے باہر ہے اُن کی زندگی۔

ویسے تو ہمارا ایمان ہے کہ ہم میں سے جو بھی مرتا ہے وہ زندہ ہے۔ کافر بھی زندہ ہے۔ مرنے کے بعد جانا کہاں ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ یہی انتقال ہے مومن بھی زندہ ہے۔ منافق بھی زندہ ہے۔ وہ اپنی جگہ زندہ ہے۔ وہ اپنی جگہ زندہ ہے ———

جگہ میں فرق ہے۔ مگر سب زندہ ہیں۔

آپ حضرات نے یہ واقعہ تاریخوں میں پڑھا ہوگا۔ حدیثوں میں سنا ہوگا۔ کہ وہ جو مقتولین بدر تھے۔ "کفار" جب اُن کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈالی گئیں۔ تو رسالتمآبؐ نے اُن سے خطاب فرمایا۔

"تم نے دیکھا نہیں کہ میری بات سچی نکلی" ——— تو کسی نے پوچھ لیا۔

"قبلہ کیا یہ سُن رہے ہیں"

فرمایا "ہاں مردہ سنتے ہیں"

یوں تو ہر ایک زندہ ہوتا ہے۔ اب یہ کہ اُن کی زندگی اور ہماری زندگی میں کیا فرق ہے؟ چونکہ یہ بات ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اس کا ہمیں شعور نہیں ہے ——— اب جب کہ ہمیں شعور نہیں ہے ایک شے کا۔ تو ایک شخص ہے شہید سبیل اللہ میں وہ قتل ہو گیا۔ اُس کی زندگی ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اب ہم اس پر وہ احکام جاری کریں جو زندہ کے ہیں۔ یا وہ احکام جاری کریں۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں ——— شرعاً کیا حکم ہے؟

شرع کا تعلق ہے شعور سے۔ اور زندگی اُن کی ہمارے شعور سے باہر ہے۔

اس لئے ہم مجبور ہیں۔ وہی احکام جاری کرنے پر شہید پر۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں ——— ورنہ اگر اُن کی زندگی ہمارے شعور کی شئے ہوتی۔ تو شہید کو دفن کرنا بھی حرام ہوتا۔ شہید کی بیوہ سے عقد کرنا بھی حرام ہوتا ——— چونکہ یہ ساری چیزیں ہمارے شعور سے باہر کی ہیں۔ ——— تو آج کسی کا یہ کہنا کہ شہید پر روؤ نہیں۔ اس لئے کہ وہ زندہ ہے۔ یہ بے شعوری کی بات ہے۔ ورنہ شعور کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان پر وہی احکام جاری ہوں گے۔ جو بظاہر مردہ کے ہیں۔ ——— بہر نوع وہ زندہ ہیں۔ اُن کی بھی حیات ہے۔ اور وہ یقیناً زندہ ہیں

بزرگانِ من! زندگی اور موت کے بڑے بڑے فلسفے ہیں ——— ایک تو زندگی یہ ہے۔ جو ہماری زندگی چل رہی ہے۔ سانس آرہا ہے۔ زندگی ہے۔ اور جب بند ہو گیا۔

ختم ہو گیا۔ ایک یہ زندگی ہے ——— اور ایک یہ زندگی ہے کہ

ع قاروں ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت

قارون باوجود اتنی دولت ہونے کے مر گیا ——— اور

ع نوشیرواں نہ مُرد کہ نام نکو گذاشت

اور نوشیرواں آج تک زندہ ہے اس لئے کہ وہ نیک نام چھوڑ گیا۔ تو ایک زندگی یہ بھی ہے
نام نیک کی زندگی ——— جس کا نام زندہ ہے بس وہ زندہ ہے۔ ———

اگر زندگی کے لئے یہی شرط ہوتی کہ ہم اپنے سامنے چلتا پھرتا دیکھیں تو زندہ مانیں
تو خدا کو کون زندہ مانتا۔ اُس کے حیّ ہونے کا کون اقرار کرتا ———
اُس کا نام ہی ہم میں زندہ ہیں تو وہ زندہ ہے۔ ورنہ ہم نے کہاں دیکھا ہے اُسے چلتا پھرتا۔
بہر نوع جو اللہ کی حیات ہے۔ وہ بھی ہمارے شعور سے باہر ہے۔ اور جو اللہ
والوں کی حیات ہے وہ بھی ہمارے شعور سے باہر ہے۔

اب اگر دونوں کی حیات یکساں ہو جائے۔ تو معاذ اللہ۔ وہ شریک باری تعالےٰ
ہو جائیں ——— اس شرک سے بچانے کے لئے اللہ نے کہہ دیا "انہیں
رزق ملتا ہے" ——— بس یہ فرق ہے اُن میں اور اللہ میں۔ کہ وہ
رزق کے محتاج ہیں۔ اور اللہ رزق کا محتاج نہیں۔ ——— ورنہ
اُن کی بھی حیات ہے۔ وہ زندہ ہیں۔ اور زندہ رہیں گے۔
مرتے وہ ہیں جو انہیں مارنا چاہیں۔

آج یہاں اس وقت ایک فقرہ کہہ کے اربابِ ذوق کے لئے اس مضمون کو آگے بڑھاتا
ہوں۔ کہ یہ زندگی جو ہے۔ اُن کی ہے جو سبیل اللہ میں مر جائیں ——— اگر کوئی شخص یہ
سمجھے کہ یہ آیت حسینؑ پر بھی صادق آتی ہے تو اس میں ذرا سی مجھے ہچکچاہٹ ہے۔ اور وہ
اس لئے کہ ——— حسینؑ اُن میں نہیں ہیں۔ جو سبیل اللہ میں مر جائیں۔ حسینؑ خود سبیل اللہ ہے

اور اس کے ثبوت کے لئے بہت سی چیزیں ہیں میرے پاس - جو ساری میں اس وقت بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آپ کو صرف ایک حدیث سناتا ہوں۔ اور حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن سے مطابقت کرتی ہو۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ "زندہ وہ ہیں، شہید وہ ہیں جو سبیل اللہ میں مر جائیں" ——— اور حدیث یہ کہتی ہے "من مات علیٰ حب آل محمدؐ مات شہیداً" جو آل محمدؐ کی محبت میں مر جائے۔ وہ شہید ہے ——— معلوم ہوا۔ جب تک آل محمدؐ اور سبیل ایک نہ ہوں۔ جب تک اس حدیث اور آیت کا تطابق نہیں ہوتا ——— حسینؑ اُن میں شامل نہیں ——— حسینؑ تو خود سبیل اللہ ہے حسینؑ کے ساتھ جو مر جائیں۔ وہ زندہ ہیں۔ وہ زندہ رہیں گے۔ حسینؑ تو ہے ہی زندہ، وہ زندہ تھا۔ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

میرے سامعین!

کیا بتاؤں ——— دُنیا کی طبیعتوں کو بدلنا تھا۔ زمانے کے مزاج میں ایک انقلاب اعظم لانا تھا۔ ایک اسلام والے نظام کو دنیا میں عملاً پیش کرنا تھا۔ جن کے لئے اللہ نے حسینؑ کو چُن لیا۔ اور وہ اس کے لئے سامنے آگیا۔

حسینؑ! تجھے تو میں چنتا ہوں اس انقلاب کے لئے۔ اب اپنے مددگار تو چُن لے۔ جن کو تُو ساتھ لے جانا چاہے"

اور اللہ کے چناؤ میں معاذ اللہ کوئی فرق آ ہی نہیں سکتا۔ اُس نے ایسا چُنا حسینؑ کو۔ کہ اس سے بہتر کوئی تھا ہی نہیں ——— مگر حسینؑ نے بھی ایسے چُنے ہیں کہ کیا مجال جس کو جس کام کے لئے چُن لیا۔ اُس نے وہی کچھ نہ کر دکھایا ہو۔ جو اللہ چاہتا تھا۔ اُس نے وُہی کچھ نہ کر دکھایا ہو جو مشیّت الٰہی تھا ———

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حسینؑ تجربے کی بنا پر چُن رہا تھا وہ آدمی۔ کسی کی ساٹھ سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔ کسی کی پچاس سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔ کسی کی بتیس سالہ زندگی کا تجربہ تھا۔

———"نہیں" تجربے کی بنا پر نہیں چن رہا تھا حسینؑ۔ بلکہ اُس علم سے چن رہا تھا۔ جو اللہ نے اُسے دیا تھا —— ورنہ چھ ماہ والے کا کیا تجربہ تھا —— اُسے کس تجربے سے معلوم تھا۔ کہ تیر کھا کے ہنسے گا —— یہ حسینؑ کا علم حضوری اور علم الٰہی تھا۔ جس سے وہ چن رہا تھا ہر ایک کو —— تو حسینؑ نے اپنے ساتھ شہید ہونے کے لئے بہتر چن لئے —— اور اپنے بعد۔ اپنی اس شہادت میں انقلاب اعظم پیدا کرنے کے لئے اپنی بہن زینبؑ کو چن لیا ——

زینبؑ! میں اپنا کام کربلا میں ختم کر دوں گا۔ یہ ایک حصہ ختم ہو گا میرے کام کا۔ دوسرا حصہ جو شروع ہو گا۔ وہ تمہارے سپرد ہے۔ اصل انقلاب تم نے لانا ہے زینبؑ —— اور

میرے محترم سامعین! آج گیارہ محرم کو زینبؑ کے پاس انقلاب کا چارج ہے۔ اور آج زینبؑ حسینی فوج کی کمانڈر انچیف بنی ہوئی ہے کربلا میں۔ اور قیدی کا لفظ تو کہتے ہوئے میری زبان ڈرتی ہے —— ہر نوع زغنہ اعدا میں گھرے ہوئے بے بس مجبور قیدی کربلا سے روانہ ہو گئے —— اور اُن ظالموں کی سنگدلی سمجھیں۔ بے حیائی سمجھیں۔ کہ اُن بے بس مجبور قیدیوں کو اُدھر لائے ہیں۔ جہاں ان کے وارثوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ اور یہ تاریخ کا فقرہ ہے کسی مقتل کی بات نہیں ہے —— کہ جس وقت اُونٹوں پہ سوار قیدی سامنے اُن لاشوں کے پہنچے ہیں تو امام زین العابدینؑ کی نظر اپنے والد بزرگوار کے جسد مبارک پر پڑی۔ اور باپ کے جسم کو جو بیٹے نے دیکھا ہے تو فقرہ یہی ہے تاریخ کا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا —— ۔ اب وارثِ خاندانِ رسالت جناب زینبؑ نے یہ دیکھا کہ زین العابدینؑ کے چہرے کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا ہے۔ تو وہ سمجھ گئیں کہ یہی عالم اس پہ ایک منٹ اور طاری رہا۔ تو ہو سکتا ہے کہ زندگی ختم ہو جائے۔ برداشت نہ کر سکے اس صدمے کو —— تو فوری طور پہ حسینؑ کی لاش سے زین العابدینؑ کی توجہ ہٹانے کے لئے زینبؑ نے فوری عمل کیا کیا۔ کہا ——

اُونٹ سے اپنے آپ کو گرا دیا ــــــــ اب یہ لفظ میں نے کہہ دیا اور آپ نے سُن لیا۔ کہ "زینبؑ نے اپنے آپ کو کھڑے اُونٹ سے گرا دیا ــــ"
کسی سوار سے پُوچھیں۔ جو گھوڑے سے گرتا ہو۔ کسی اور ایسے آدمی سے پوچھیں جو کسی اُونچی جگہ سے گرا ہو ــــ گرنے والے کی فطرت یہ ہے۔ کہ جب وہ گرنے لگتا ہے۔ تو اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے پہلے ہاتھوں کو زمین پہ رکھتا ہے ــــــــ اب زینبؑ نے جو گرایا اُونٹ سے اپنے آپ کو۔ تو ہاتھوں سے کس طرح سہارا لیا۔ ہاتھوں سے اپنے آپ کو کس طرح سنبھالا ــــ؟ ــــ ہاتھوں کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہیں۔
آج سے ایک مدت پہلے میرا اپنا یہ خیال تھا۔ کہ شاید ہاتھ باندھنے والی روائتیں جو ہیں۔ ممکن ہے رونے کے لئے ہم نے بنالی ہوں ــــ
مگر جب میں نے امام زمانؑ کی زیارت ناحیہ پڑھی۔ تو اُس میں ہاتھ بندھنے کا ذکر تھا ــــ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ضرور بندھے ہوں گے۔ پھر یہ تشویش ہوئی کہ کس طرح بندھے تھے۔ بازو بندھے تھے۔ کلائیاں بندھی تھیں۔ کس طرح بندھے تھے۔ تو اس کے متعلق بھی امام زمانؑ ہی نے فرمایا کہ ــــــ
"میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے ــــ" اب اس عالم میں زینبؑ نے اپنے آپ کو کھڑے اُونٹ سے گرایا ــــ تو امام زین العابدینؑ یا تو اپنے باپ کے لاشے کو دیکھ رہے تھے۔ یا ایک دم مڑ کے پھوپھی کی طرف "پھوپھی! یہ کیا ہوا ــــ" تو زینبؑ بلا وقفہ اُٹھ کے کھڑی ہوگئیں اور کہتی کیا ہیں ــــــ
"بیٹا زین العابدینؑ! میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ تمہارے پہرے دار نہ

کیا ہو گیا۔ لاوارثوں کے وارث! کیا تم مرنا چاہتے ہو ـــــــ پھر ہمارا وارث کون ہو گا ـــــــ"

تو امامؑ جواب میں کہتے ہیں:-

"اماں! کیوں نہ مر جائے وہ جوان بیٹا۔ جو اپنے باپ کی محبت کو اس عالم میں چھوڑ جائے۔"

وہاں زینبؑ نے تقریر فرمائی:-

"بیٹا! دل شکستہ نہ ہو۔ گھبرا نہیں۔ تیرے باپ کی قبر بنے گی۔ یہاں حسینؑ کا روضہ بنے گا۔ یہاں حسینؑ کا شہر آباد ہو گا۔ روئے زمین کے انسان تیرے باپ کی زیارت کو آئیں گے۔ یہاں حسینؑ کا دربار لگے گا ـــــــ" زینبؑ نے یہ تقریر فرمائی ـــــــ اور

اس کے بعد تمام اونٹ بیٹھ گئے۔ قیدی اتر آئے ـــــــ ایک ایک خاتون اپنے وارث پہ اپنے بیٹے پہ۔ اپنے عزیز پہ جا کر الوداعی رونا رو رہی تھی۔ رخصت ہو رہی تھی ـــــــ اور زینبؑ حسینؑ کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ لیلیٰ علی اکبرؑ کی لاش پہ آ کھڑی ہوئیں۔ قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کے پاس آ گئی ـــــــ ہر خاتون جس سے جس کا لگاؤ تھا۔ رو رہی تھی۔

تو زینبؑ یہ کہہ رہی ہوں گی کہ یہ میرے اپنے تصور کی بات ہے،

حسینؑ! میں لاشے پہ رونے نہیں آئی ـــــــ میں یہ کہنے آئی ہوں۔

شاباش حسینؑ! تو نے میری اماں کے دودھ کی عزت رکھ لی۔

تو نے میرے نانا کی لاج رکھ لی حسینؑ!

تو نے میرے باپ کی آبرو رکھ لی حسینؑ!

تو نے اپنے بڑے بھائی کی عزت رکھ لی حسینؑ!

شاباش حسینؑ !

تو اپنا کام کر چکا۔ اب میری باری ہے ــــــ

تو کربلا فتح کر چکا تجھے کربلا کی فتح مبارک ہو حسینؑ ! ــــــ

حسینؑ ! اب میں شام فتح کرنے جا رہی ہوں ــــــ

حسینؑ ! جب تو کربلا میں جہاد کر رہا تھا۔ میں خیمے میں بیٹھی اپنے سر کے بال کھول کر تیری فوج کے لئے دُعا کرتی رہی ــــــ

اب میں جا رہی ہوں فوج لے کے شام فتح کرنے ــــــ

اب بتا حسینؑ ! میں کیا کروں ــــــ اگر ہو سکے حسینؑ ! تو میری فوج کا معائنہ تو کر کے دیکھ ــــــ اس فوج کو لے کے جا رہی ہوں ــــــ

اتنی بڑی سلطنت کو مٹانے کے لئے اس فوج کو لے کر جا رہی ہوں

اور ــــــ

افواجِ قاہرہ زینبیہؑ کا معائنہ کرنے کے لیے حسینؑ نیزے پہ سوار ہو گئے اور زینبؑ نے اپنی فوج کو دو صفوں میں کھڑا کر دیا ــــــ ایک صف میں بیوہ عورتیں۔ ایک صف میں یتیم بچے۔

"حسین ! دیکھ یہ فوج ہے جس سے دُنیا کی بڑی سلطنت کو فتح کرنے جا رہی ہوں" چونسٹھ[64] عورتیں۔ اور اڑتالیس[48] یتیم بچے۔ قیدی ہوئے کھڑے ہیں ــــــ

"حسینؑ ! ذرا ان کی وردی تو دیکھ لے ــــــ"

وردی کیا ہے ــــــ سر کھلے ہوئے ہیں ــــــ ہاتھ بندھے ہیں۔

"حسینؑ ! اس فوج کے ساتھ جا رہی ہوں یزیدی حکومت کو فتح کرنے ــــــ"

میرے محترم سامعین ! جب قافلہ آلِ رسولؐ کربلا سے روانہ ہوا تو اُس وقت اُن کے قیدیوں کی تعداد تھی ــــــ چونسٹھ[64] عورتیں اور اڑتالیس[48] یتیم بچے ــــــ تعداد کو

ایک بار پھر سُن لو۔ چونسٹھ عورتیں اور اڑتالیس یتیم بچے جب کربلا سے چلے تھے ـــــــ

قبلہ! آپ بزرگ ہیں۔ آپ ہی سے فریاد کر سکتا ہوں۔ یا پھر اللہ سے فریاد ہے کہ ہمارے قیدیوں کی تعداد تھی چونسٹھ عورتیں۔ اور اڑتالیس یتیم بچے جب کربلا سے روانہ ہوئے ـــــــ اور جب شام میں یزید کے سامنے پہنچے تو کل بارہ تھے ـــــــ

اب میں کس سے پوچھوں۔ باقی کہاں گئے۔ اب میں کہاں تلاش کروں۔ کہ ہمارے باقی کہاں گئے ـــــــ؟

پھر لوٹ ان قیدیوں کو لے کے زینبؑ روانہ ہوئی ـــــــ اور کوفے کے دروازے پہ پہنچ گئی ـــــــ کوفے کا دروازہ زینبؑ کا پہچانا ہوا دروازہ تھا۔ اسی دروازے سے اُس دن بھی داخل ہوئی تھی۔ جب باپ یہاں بادشاہ تھا۔ اُس وقت زینبؑ شہزادی کی حیثیت سے آئی تھی ـــــــ وہی دروازہ پھر سامنے آ گیا اور زینبؑ نے پہچان لیا۔

"اُوں! یہ وہ دروازہ ہے" ـــــــ اور اتنا کہہ دیا ـــــــ

"اس دروازہ سے ہم نہیں جائیں گے ـــــــ"

اُدھر فوج کا اصرار کہ زینبؑ! تمہیں جانا پڑے گا۔ اور اِدھر زینبؑ کا فرمان کہ ہم نہیں جائیں گے ـــــــ تو شمر آ کھڑا ہوا سامنے۔ زینبؑ! تمہیں جانا پڑے گا زینبؑ! تم بھولتی ہو ـــــــ آج تم کوفے کی شہزادی نہیں ہو۔ بلکہ جارٗں نیب ی ہو ـــــــ تمہیں چلنا پڑے گا۔ اب جو ہونے لگی ردّ و قدح ـــــــ تو زینبؑ کی گود میں جو بچی بیٹھی تھی تین سال کی ـــــــ وہ کہتی ہے

"اماں!" ـــــــ تو زینبؑ نے جواب دیا

"کیوں بیٹیا!" ـــــــ

"میں نے سنا ہے۔ پچھلے زمانے میں کوئی صالحؑ نامی پیغمبر تھے۔

"ہاں بیٹیا تھے"

"ان کا کوئی ناقہ تھا"

"ہاں بیٹیا"

"اس اونٹنی کو قوم نے قتل کر دیا تھا۔ تو پھر اس اونٹنی کے بچے نے پہاڑ پہ چڑھ کے فریاد کی تھی ——— اور اس قوم پہ عذاب آگیا تھا ———"

"ہاں بیٹیا۔ ٹھیک ہے ——— مگر تم کیا چاہتی ہو ———"

"اماں! کیا میں اس ناقہ صالحؑ کے بچے سے کم ہوں ——— تو مجھے اجازت دے۔ میں خدا سے فریاد کرتی ہوں ——— یہ قوم ہمیں تباہ کر رہی ہے ———"

بس بچی کا یہ کہنا تھا کہ وہ نیزہ جس پہ امامؑ کا سر سوار تھا ——— ایک دم جھک گیا ——— اور سر بہن کے سامنے آگیا۔

"زینبؑ بہن! میری خاطر۔ آؤ نا۔ اسی دروازے سے ———

کوئی بات نہیں بہن ——— اللہ یہ مشکل بھی آسان کر دے گا۔

آؤ۔ اسی دروازے سے چلو زینب: ———"

زینبؑ نے سر جھکا دیا ———

"حسینؑ! اگر تیری یہی مرضی ہے تو مجھے کیا اعتراض ———" اور

معزز سامعین! قافلۂ اسیران کربلا جب بالکل دروازے کے قریب پہنچا ——— تو ایک دم کان میں ایک مانوس آواز آئی۔ جیسے اپنوں میں سے کسی کی آواز ہوتی ہو۔

"السلام علیک یا بنا رسول اللہ"

زینبؑ گھبرائی۔ "دشمنوں کے اس مجمع میں اس پیارے کس نے میرے بھائی کو سلام کیا ———" چہرے سے بال ہٹائے ——— ادھر دیکھا ——— ادھر دیکھا ———

کون سلام کر رہا ہے ———— تو دوبارہ آواز آئی ————

"السلام علیک یابنت رسول اللہ" "اے رسولؐ کی بیٹی! میرا سلام ہو ———"

زینبؑ نے اب جو نظر اُٹھا کے دیکھا ——— دیکھتی کیا ہیں ————

دروازے پہ بے سر کی لاش لٹکی ہوئی ہے ۔ اور اُس شہید کی لاش سے سلام کی آواز

آرہی ہے ————

زینبؑ نے فوراً پہچان لیا

"کون! بھائی مسلمؑ "

"ہاں زینبؑ! تمہارا سفیر! دروازے پہ تمہارے استقبال کو حاضر ہے"

اور سامعین! کوفے کی گلیوں اور بازاروں سے گذرتا ہوا۔ ان بے بس و مجبور قیدیوں

کا قافلہ ———— دربار ابن زیادؑ میں پہنچ گیا ———— جب دربار ابنِ زیادؑ میں

یہ قافلہ پہنچا۔ تو ابنِ زیادؑ نے کافی دیر کے بعد کہا۔ کہ جو قیدی ہم نے قید کرلئے تھے تاکہ وہ

حسینؑ کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اُن میں ایک مختار نامی قیدی ہے ——— اُسے یہاں

دربار میں حاضر کرو ———— چنانچہ مختار دربار میں آگیا۔ پیروں میں بیڑیاں پڑی

ہوئی ہیں۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ اور ابنِ زیادؑ بڑے غرور و تکبر سے بولا ————

"مختار! ہم نے تمہیں اس لئے قید کیا تھا کہ تم کہیں حسینؑ کی حمایت کو نہ چلے جاؤ۔

حسینؑ آگئے ہیں کوفے میں ——— اب کیا ارادہ ہے ———"

مختار نے کہا "خدا نے اگر اس قید سے رہا کر دیا۔ تو میں جاؤں گا حسینؑ کی مدد کو"

ابن زیادؑ نے کہا۔ ادھر آؤ۔ دیکھو یہ حسینؑ ہیں"————

اب جو مختار نے حسینؑ کا سر دیکھا تو اُسی قید کے عالم میں ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی کی تلوار کے

قبضہ پہ ہاتھ ڈال دیا ———— بس مختار نے قبضہ میں ہاتھ ڈالا ——— اُدھر سے

امام زین العابدینؑ نے ہاتھ سے اشارہ کیا ————

"مختار۔ لڑائی نہ کرنا۔ میرے ساتھ پھوپھیاں اور بہنیں آئی ہوئی ہیں
میرے ساتھ پردہ دار خواتین آئی ہوئی ہیں ——— " اور ———
ابن زیاد نے مختار کو دوبارہ قید خانے میں بھیج دیا ——— اور جب کافی دیر ہوگئی۔
قیدیوں کو کھڑے کھڑے ابن زیاد کے دربار میں ——— اور دنیا نے یہ انقلاب اعظم دیکھا
کہ تخت پر ابن زیادؑ اور سامنے زمین پر قیدی امام زین العابدینؑ ——— اب ابن زیادؑ
نے کافی دیر کے بعد بڑے تکبر و غرور کے ساتھ سر اٹھایا ——— اور سر اٹھا کے کہتا ہے
شمر سے ———

"یہ قیدی ہیں! "

"ہاں۔ یہ ہیں "

ان قیدیوں میں یہ بچی کون ہے ——— ؟"
تو شمرؑ کہتا ہے بڑھ کے

"یہی تو ہے حسینؑ کی وہ بچی۔ جس سے حسینؑ بہت پیار کرتے تھے۔ سکینہ بنت الحسینؑ
یہی ہے ——— "

"اچھا یہ بچی ہے اسے میرے سامنے لاؤ"
شمرؑ نے قیدیوں سے بڑھا کے بچی کو سامنے کر دیا۔ اب ابن زیادؑ پوچھتا ہے۔
"بچی! تیرا نام کیا ہے ——— ؟"
وہ جواب نہیں دیتی ——— آخر اس نے بیمار بھائی کی طرف دیکھا۔ کیا حکم ہے۔ تو بھائی نے
اشارہ کیا۔ بات کرو بیٹا "
اب بچی نے بات کی۔
"میرا نام تو فاطمہؑ ہے ——— مجھے پیار میں سکینہ کہتے ہیں ——— "
مگر بات اس طرح کی کہ زبان میں لکنت آگئی ———

اب ابن زیاد پوچھتا ہے۔

"بچی۔ تمہاری زبان میں لکنت کیوں ہے ——"

"میرا گلا اتنا مضبوط بندھا ہوا ہے کہ میں بول نہیں سکتی ——"

ابن زیاد کہتا ہے کہ اس بچی کا گلا کھول دو —— اور گلا کھول دیا گیا —— چند منٹ تک گلے کو سہلایا گیا —— جب ذرا ٹھیک ہوا۔ اب وہ پوچھتا ہے۔ ——

"ہاں۔ بچی۔ تیرا کیا نام ہے؟"

"مجھے سکینہ بنت الحسینؑ کہتے ہیں۔"

"تم نے یہ دونوں ہاتھ اپنے منہ پہ کیوں رکھے ہوئے ہیں؟"

"میری پھوپھیوں، ماؤں کے بال ہیں۔ اُن سے انہوں نے چہرا چھپا لیا ہے۔ میرے بال چھوٹے تھے۔ میں نے ہاتھوں سے چھپا لیا ہے —— ہم خاندان رسالت کی بچیاں ہیں۔ ہمارے گھر سے دنیا نے پردہ سیکھا ہے ——"

اب اُس ظالم نے پوچھا۔

"بچی تیرے ہونٹ کیوں خشک ہیں؟"

"کافی عرصے سے میں نے سیر ہو کے پانی نہیں پیا ——"

"کیوں نہیں پیا ——"

"کربلا میں پانی ملا نہیں —— اور میرا سقا پانی لینے گیا تھا۔ وہ واپس آیا نہیں!"

"کہاں گیا تمہارا سقا ——؟"

"وہ تو مجھ سے فرات کہہ کے گیا تھا —— اماں کہتی ہیں کہ وہ کوثر پہ چلا گیا ——"

اس کے بعد ابن زیادؔ پوچھتا ہے۔

"بچی! اگر تیرے باپ حسینؑ زندہ ہوتے۔ تو یہ بتا وہ تیری کیا خاطر کرتے ——"

تو بچی نے پورے بچپن کے لہجے میں کہا۔

"صبح کے وقت میرے باپ مجھے گود میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے تازہ خرمے کھلایا کرتے تھے ـــــــــ"

اب ابن زیادؔ کے ظلم کی یہ آخری منزل ہے۔ وہ نت کہتا گیا ہے۔

"بچی۔ میں نے تیرے لئے تازہ خرمے منگائے ہیں۔ تو کھائے گی"؟

بچّی نے پھر بھائی کو دیکھا۔ بھائی نے پھر اشارہ کیا ـــــــــ

بچّی نے کہا ـــــــــ

"ہاں" ـــــــــ اور سکینہؑ آگے بڑھی۔ تو ابنِ زیاد نے کہا ـــــــــ

"لیجئے۔ اس طشت میں تازہ خرمے ہیں"

اب بچّی نے جو بیٹھ کے اُٹھایا رومال۔ تو رُومال اُٹھاتے ہی گر پڑی۔

"بابا! تم یہاں ہو۔ میں تمہیں تین دن سے تلاش کر رہی ہوں" یہ کہہ کے گر گئی طشت پہ ـــــــــ اور اُدھر بچّی گری۔ اور اِدھر ابن زیادؔ کی سنگ دلی اور بڑھی ـــــــــ اور وہ کہتا ہے۔

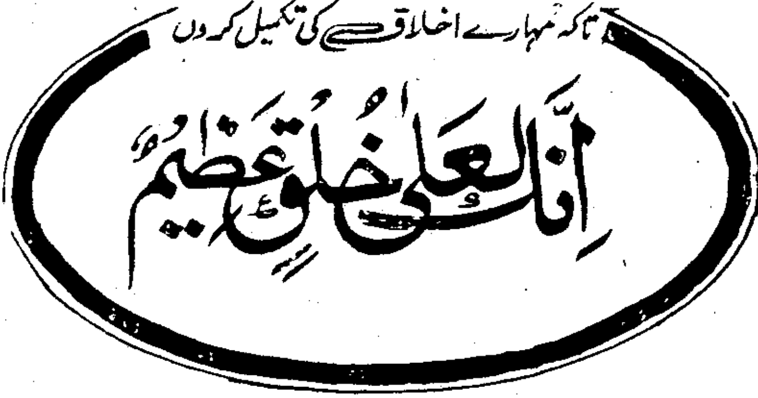
"بچّی! یُوں نہیں ـــــــــ تم خاندانِ رسالت نے دُنیا میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ ہم حقّ کا خاندان ہیں۔ ـــــــــ ہم صاحبِ اعجاز ہیں ـــــــــ ہم معجزہ دکھاتے ہیں ـــــــــ میں تو جب جانوں۔ جب حسینؑ کا سر خود اُٹھ کے تیرے پاس آ جائے ـــــــــ" اب جو ابن زیادؔ نے طعن کی بات کی تو بچّی جوش میں آکے چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور پیچھے ہٹ کے اُس نے پھٹا ہوا کُرتا پھیلا دیا۔

"بابا جان! خاندان کی عزّت کا سوال ہے ـــ تیری سکینہؑ کی محبّت کا سوال ہے آ میری گود میں۔ اور حسینؑ کا سر بیٹی کو پکارتا ہوا گود میں آ گیا۔ اور کوفہ شہر میں زلزلہ آ گیا۔ امام زین العابدینؑ نے بڑھ کے بہن سے سر لیا۔

"سکینہؑ بس۔ ورنہ قیامت آ جائے گی۔ ابھی تو کروڑہا انسان پیدا ہوں گے جو تیری قید کو روئیں گے سکینہؑ۔ ایسی کروڑہا تیری ہم سن بچیاں ہوں گی جو رات دن تیری یتیمی کا ماتم کریں گی۔

اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ راجِعُون ؕ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے
تاکہ تمہارے اخلاق کی تکمیل کر دوں



پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ نے پوری نوع انسانی کو راہ ہدایت دکھائی اور انسانیت کو اس کے شرف سے بہرہ ور کیا۔ ہادی اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل انسان کی گردن میں کئی جھوٹے خداؤں کی غلامی کا طوق ہوتا تھا۔ اور چہار سُو ظلم و ناانصافی اور عصیاں کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے یہ ہے وہ حالت کہ یکایک غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ہادی اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت اور تمام عالمین کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے وَمَا ارسلناک الا رحمۃ اللعالمین حضور نے اپنی پاکیزہ اور ارفع تعلیمات کے ذریعے زندگی کا نیا تصور پیش اللہ کی واحدنیت اور انسان کی برابری کی تعلیم دی قبائلی نسبی اور خاندانی بڑائی کے انسانیت کش نظریے بیخ و بنیاد اکھاڑ کر عظمت اور بڑائی کا معیار اچھے اعمال اور اچھے اخلاق پر رکھی اور ظلم و ناانصافی کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا ـــــ آپ کے اثر انگیز ارشادات اور حیات افروز واعظ کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں کے دشمن بھائی بھائی بن گئے اور غریبوں کمزوروں اور زیردستوں کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار ٹوٹ گئی ـــــ زخمی اور غلام روحوں کو عظمت اور مسرت کے نئے افق نظر آئے

ظالم و جابر حکمرانوں کا تسلط ختم ہونے پر انسانی ذات اور شخصیت کو نشو و نما کے نئے مواقع اور اسباب میسر آئے ــــ جہالت کی جگہ علم و عرفان نے لے لی اور افلاس و محکومی کے بدلے غنا اور آزادی کی روشنی پھیلنے لگی۔

ہادیٔ اعظم کی تعلیم نے پوری انسانیت کا رخ بدل دیا اور کرۂ ارضی پر حریت و مساوات کا نیا سورج طلوع ہوا۔ کالے گورے اور عربی و عجمی کی تفریق ختم ہو کر اقوام و ملل اخوت اور وحدت کے روح پرور رشتے میں منسلک ہوگئیں ــــ سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حُسنِ اخلاق کے وہ جوہر دکھائے کہ تمام اہلِ عرب عش عش کر اُٹھے اور آپ کو صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے جن میں اپنے پرائے اور دوست دشمن سب ہی شامل تھے ــــ اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ درج کرتا چلوں ــــ

جب نبی اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مکے کے لوگ آپ کے خلاف ہو گئے ــــ آپ جب بازاروں اور گلیوں سے گزرتے تو آپ پر پتھر مارتے اور کوڑا کرکٹ پھینک دیتے۔ ایک بوڑھی عورت کا یہ معمول تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر کے نیچے سے گزرتے تو وہ آپ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتی۔ آپ نگاہ اُٹھا کر دیکھتے اور مسکراتے ہوئے سر اور کپڑے جھاڑ لیتے ــــ ایک دفعہ آپ اس بوڑھی عورت کے گھر کے نیچے سے گزر رہے تھے کہ اس دن کوڑا کرکٹ آپ پر نہ پھینکا گیا۔ آپ حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کہ ضرور کوئی وجہ ہے کہ آج اُس بوڑھی عورت نے کوڑا نہیں پھینکا۔ آپ نے اُس کے گھر کا رُخ کیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا میں ہوں محمد ــــ اُس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ بڑھیا کئی روز سے بیمار پڑی تھی ــــ آپ نے پوچھا اے عورت کیا ماجرا ہے۔ اُس نے ڈرتے ہوئے کہا کہ میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ میرا کوئی سہارا نہیں۔ میں نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا پیا ــــ آپ نے

اس عورت کو تسلی دی اور کہا کہ تو فکر نہ کر میں تیری خدمت کروں گا۔ آپؐ نے اُسے دوا لا کر دی۔ کھانا کھلایا۔ پانی پلایا اور اجازت لے کر چلے گئے۔ اسی طرح کئی روز اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ عورت بالکل تندرست ہوگئی اور معافی مانگنے لگی کہ مجھے معاف کر دیں۔ حضورؐ نے اُسے معاف کر دیا اور وہ عورت آپؐ کے اخلاق دیکھ کر مسلمان ہوگئی۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اقدس کا یہ حقیقی پہلو ہے جس میں آپؐ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے ممتاز نظر آتی ہے۔ کلام معجز نظام کا اعلان پکار کر کہتا تھا۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (نعرہ) — جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو۔ حضورؐ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے۔ اخلاق و عمل کا جو نقشہ آپ دوسروں کو سکھاتے تھے خود اس کا عملی پیکر بن جاتے تھے۔

[illegible] نے پوچھا — تم قرآن نہیں پڑھتے؟ — کان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن — آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے؟ — قرآن مجید دشمنوں، منافقین اور اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی کی نسبت گویا ہے — إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (اے محمدؐ تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو)۔ تاریخ لکھتی ہے کہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے پندرہ برس تک آپؐ کے حرم میں رہیں زوجیت سے مشرف ہو کر ہمدم و دمساز رہیں۔ آغاز نبوت میں آپؐ کو ان الفاظ سے تسلی دیتی ہیں — "ہرگز نہیں خدا کی قسم۔ خدا آپؐ کو غمگین نہ کرے گا۔ آپؐ رحم کرتے ہیں۔ مقروض کا بار اُٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ حضور اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے متعلق فرماتی ہیں کہ سرورِ کونین کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی ۔۔۔ بُرائی کے بدلے بُرائی نہ کرتے بلکہ درگزر فرماتے تھے ۔ آپؐ نے کسی سے ذاتی معاملے میں کبھی انتقام نہیں لیا ۔۔۔ آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی ۔۔۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام لونڈی کو ۔۔ کسی عورت کو ۔۔۔ کسی خادم کو ۔۔۔ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ۔ آپؐ نے کبھی کسی درخواست رد نہیں فرمائی ۔۔۔ چہ جائیکہ وہ ناجائز نہ ہو ۔۔۔ آپؐ جب گھر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے مسکراتے ہوئے ۔۔۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے ۔۔۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے ۔۔۔ رات کی تنہائیوں اور خصوصی اوقات میں اپنے دشمنوں کی اصلاح کے لئے دعائیں فرماتے ۔۔۔ آپؐ نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہ کی ۔۔۔ آپؐ حُسنِ اخلاق کے مجسم پیکر تھے ۔۔۔ آپؐ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاق کے وہ مایۂ ناز نمونہ چھوڑے ہیں جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ رہیں گے ۔۔۔ آپؐ نے ہمسایوں سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرمائی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمسائے کے بہت حقوق ہوتے ہیں یہاں تک کہ ہمسایہ رشتے دار سے بھی زیادہ عزیز ہے ۔۔۔

ہمارے سرکار اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم عمل تھے ۔ اپنا کام خود اپنے دست مبارک سے کیا کرتے تھے ۔۔۔ سرکارِ دوعالمؐ اپنے پھٹے پرانے کپڑے خود سی لیتے ۔۔۔ بکریاں کا دودھ خود دوھ لیتے ۔۔۔ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے ۔۔۔ جھاڑو خود دے لیتے ۔۔۔ غرض گھر کا ہر کام خود کر لیتے تھے ۔۔۔ حضور اکرمؐ نے ہمیشہ مساوات، بھائی چارے اور سادگی کا درس دیا ۔ آپؐ نے بے جا صرف اور فضول خرچی سے منع کیا اور فرمایا میانہ روی اختیار کرو ۔۔۔ حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ عفو و درگزر کی تلقین فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ مسلمانوں کے لئے بہتر ہے کہ دشمن کو معاف کر دے اگر کسی سے

غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اُسے درگزر کر دے۔ غصّے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔ جس نے اپنے غصّے پر قابو رکھا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنوں کو معاف کر دیا تھا اور یہاں تک کہ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کروانے والی عورت ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔

تجارت میں آپؐ نے عملی طور پر حصّہ لیا اور اس کے ساتھ ساتھ آپؐ نے تجارت کے فضائل اور اصول بیان فرمائے۔ مسلمانوں کو تجارت کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ سچا امانتدار تاجر قیامت میں انبیاء اور سچے لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ آپ نے تجارت کے غلط طریقوں سے منع فرمایا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہ گار ہے۔ ملاوٹ کی مذمت کرتے ہوئے کہا جس نے دھوکا دیا وہ میری اُمت میں سے نہیں۔

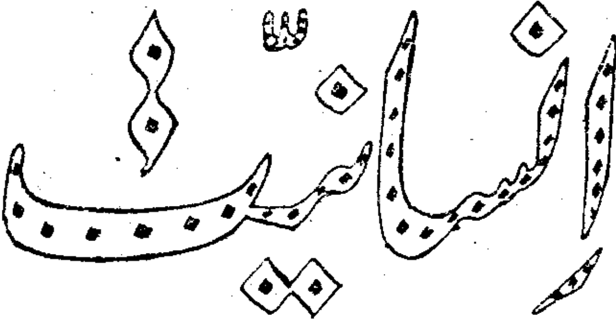
قربان جائیے اس محسنِ انسانیت اور رحمت اللعالمین کے جنہوں نے عملی طور پہ مزدوری فرما کر مزدوروں کے حوصلے بلند کر دیئے اور معاشرے میں ان کو باعزت مقام دلوایا۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں حصّہ لے کر آپؐ نے پتھر۔ مٹی اور گارا اٹھانے والوں کی رہنمائی کی صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم سے زیادہ پتھر حضور اکرمؐ نے اٹھائے تاکہ آنے والا مزدور آپؐ کا اُسوۂ حسنہ دیکھ کر احساس فرض کا حامل بنے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا علم کو طلب کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔ گہوارے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو۔ ایک اور مقام پر تمام مسلمانوں پر علمِ دین کا طلب کرنا فرض قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ تمہارے اخلاق کو مکمل کر دوں۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہمیشہ بچوں سے پیار تھا و بچوں سے محبت

اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرماتے ۔۔۔ آپ کو بچوں سے اتنا پیار تھا کہ آپ جب کبھی بچوں کے قریب سے گزرتے تو کمال شفقت سے ان کو سلام کرنے میں پہل کرتے ۔۔۔ آپ کا ارشاد ہے کہ والدین اپنے بچوں کو جو سب سے قیمتی اور اعلیٰ تحفہ دے سکتے ہیں وہ بچوں کی اچھی تربیت اور اچھی عادتیں پیدا کرنے کا تحفہ ہے ۔ آپؐ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا ۔۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو خدا کی راہ میں خیرات کرنے کی تلقین کرتے تھے ۔۔۔ حضرت اُم سلمیٰؓ فرماتی ہیں ۔ کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں رنجیدہ تشریف لائے میں نے رنجیدگی کا سبب پوچھا ۔ آپؐ نے فرمایا اُم سلمیٰ ! کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی تھی وہ میرے بستر پر پڑے رہ گئے تھے ۔ خیرات کرنے میں دیر ہو گئی۔

دُنیا سے رحلت کے وقت جب آپ بیمار تھے تو آپ کو خیال آیا کہ چند اشرفیاں گھر میں موجود ہیں ۔ آپؐ نے انہیں خیرات کا حکم دیا ۔۔۔ فرمایا جلدی کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رخصت ہو کر جب اپنے رب سے ملوں تو اس وقت میرے گھر میں اشرفیاں موجود ہوں۔





یہ شہادت ہے اُس انساں کی کہ اب حشر تلک
آسمانوں سے صدا آئے گی انسان انسان

یہ میری خوش قسمتی سمجھیں یا یہ کہ میری زندگی کا رُخ اس طرف مُڑ گیا ـــــ خدا جانے کیا قصہ ہوا کہ تقریباً ساری ہی زندگی اس طرح سٹیج پہ کچھ نہ کچھ بولتے گذر گئی اور چھوٹے بڑے ہر قسم کے مجمعوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور کی ـــــ زیادہ تر میری گفتگو کا موضوع یہی تذکرۂ محمدؐ و آل محمدؐ رہا ـــــ اور اسی مناسبت سے شاید ان طلبا نے بھی مجھے حکم دیا کہ یہاں آکر کچھ عرض کر دوں ـــــ بہت ہی ڈرا ـــــ یہاں میں اتنا ڈر رہا تھا آتا ہوا کہ مجھے دو تین طالب علم پکڑ کے لائے ہیں ـــــ ایک بے پڑھا لکھا آدمی مدرسے میں آتے ہوئے ڈرتا ہے ـــــ مجھے بڑا ڈر لگا کہ یہاں آکے میں کیا کہوں ـــــ طلبہ کا مجمع ہے ـــــ اہلِ علم کا جھرمٹ ہے ـــــ بال کی کھال نکالنے والوں کا مجمع ہے۔ ہر بات کو سوچنے سمجھنے والوں کا اجتماع ہے ـــــ ستاروں کو قید کرنے والوں کا مجمع ہے حکمت کی نہریں جاری کرنے والوں کا مجمع ہے ـــــ سائنس کے دریا بہانے والوں کا مجمع ہے ـــــ چاند پہ کمندیں پھینکنے والوں کا اجتماع ہے ـــــ ذروں کا جگر پھاڑ کے قیامت ڈھانے والوں کا مجمع ہے ـــــ دنیا بھر کے سائنس اور عقل و فلسفے اور منطق کو دل میں سمونے والوں کا مجمع ہے ـــــ ، جوان دل، جوان سماعت

ـــــ اور کہنے والا از کار رفتہ بوڑھا آدمی ـــــ بھلا میرا آپ کا کیا ربط؟ کیا جوڑ؟ میں جس زمانے کی آپ سے بات کروں گا وہ زمانہ آپ سے کبھی کا پرانا ہو گیا ـــــ نئی بات مجھے آتی نہیں ـــــ اگر پرانے یونیورسٹی کیمپس میں کوئی بلاتا تو چلا جاتا ـــــ نیو کیمپس میں پرانا آدمی ـــــ تو بھائی میرے ذہن میں تو کوئی بات تم سے کہنے کے لئے ہے نہیں ـــــ نہ کوئی موضوع ہے ایسا جو تمہارے سامنے بیان کیا جائے نہ کوئی گفتگو ـــــ بڑے ہی شوق سے بے خودی کے عالم میں وہ سن رہا تھا جو باتیں یہاں ہو رہی تھیں ـــــ بڑی اچھی

شاعری، بہترین نثر کی گفتگو ــــ میرا دل لگا ہوا تھا کہ سنتا رہا ہوں ــــ اچانک حکم ہوا کہ تو بھی کھڑا ہو کے کچھ بول ــــ اب یہ طلبہ خود بہتر جانتے ہیں کہ اپنی محفل میں کتنا ہی چہکنے والا ہو طالب علم، جب سبق سنانے کا موقع آتا ہے تو بات اور ہو جاتی ہے ــــ اب میں اتنے استادوں کے سامنے سبق سنانے کھڑا ہوا ہوں ــــ کہیں بھول جاؤں، کہیں غلطی ہو جائے ــــ کہیں اور کوئی بات ہو جائے تو میں کیا کہوں ؟ کیا بات کروں ؟ بہر کیف ایک مذہبی ماحول میں گفتگو کرنے والا آدمی اپنی بات مذہبی طور سے ہی شروع کرتا ہے ــــ پتہ نہیں آپ کو میرا مذہبی طرز پسند بھی آئے گا یا نہیں؟ ــــ ہیں وہی مذہبی باتیں جو میں کیا کرتا ہوں۔

مسلمان بچو ! ــــ مسلمان بچو میں نے اس لئے کہا ہے کہ اس مجمع کے سامنے مجھے یہ ثابت کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ اسلام کوئی بڑا اچھا مذہب ہے ــــ اس لئے کہ یہاں سبھی مسلمان ہیں ــــ تمہیں اسلام کی خوبی بتانے کی کیا ضرورت ہے ــــ ہو نا ! مسلمان؟ آپ تو سب ہیں ہی مسلمان، خدا کے فضل سے ــــ اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اللہ نے آپ کو پیدا ہی مسلمان کیا ــــ یہ اللہ کا فضل ہے نا ــــ اگر اللہ کسی مسلمان کی بجائے کسی عیسائی یا یہودی کے گھر میں پیدا کر دیتا ــــ ہو سکتا ہے ہم وہی ہوتے ــــ اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ۔ کیوں بھئی یہی ہے نا؟ ایسا تو ایک آدھ آدمی کہیں کوئی ہوتا ہے ــــ جو پیدا کہیں ہو ــــ عیسائی وغیرہ کے گھر اور اپنی تحقیق سے مسلمان ہو ــــ یہ بہت کم مثالیں ہوتی ہیں ــــ عام طور پر مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے لہٰذا مسلمان ہیں ــــ اور ایک اور مشکل بنتی ہے ۔ ــــ تمہیں تو اندازہ نہیں اس بات کا کہ میں پیدا ہوا مسلمان کے گھر میں ــــ لہٰذا ہوں میں مسلمان ــــ اگر خدا نخواستہ خدا نخواستہ، توبہ، توبہ ــــ ایسا ہو نہ کبھی ــــ اگر میں ہو جاؤں عیسائی ــــ اور پکا کٹر عیسائی بنوں ــــ بڑا ہی

مرتد عیسائی ہوں ـــــ مگر ساری زندگی عیسائیوں کو مجھ پہ شبہ رہے گا کہ ممکن ہے جاسوس
ہو ـــــ ہوسکتا ہے مسلمانوں کا جاسوس ہو ـــــ ہوسکتا ہے مسلمانوں نے
جاسوس کر کے بھیجا ہو ـــــ انہیں مجھ پہ یقین ہی نہیں آئے گا ـــــ جب بیٹھا کریں
گے آپس میں چار عیسائی کہیں گے ـــــ ہو نہ ہو "وہی ہے" ـــــ
یہی کہا کریں گے ـــــ قسمیں کھاؤں ـــــ لاکھ اقرار کر دوں ـــــ کچھ بھی کہدوں ـــــ
مگر وہ کہیں گے "اونہوں ہے وہی" ـــــ تو کیوں شبہ رہے گا مجھ پر مسلمان ہونے
کا ساری زندگی، باوجود میرے تردید کرنے کے ـــــ چونکہ میں پیدا ہو گیا ہوں مسلمان کے
گھر میں ـــــ سمجھے ـــــ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص جس کے گھر میں پیدا ہوا
یہ کچھ قدرتی سی بات ہے وہ لاکھ کہے کہ میں وہ نہیں ہوں مگر جس
گھر میں پیدا ہو جائے ـــــ اس پر شبہ رہتا ہے ساری زندگی ـــــ ہو نہ ہو وہی
ہے ـــــ جس گھر میں جو پیدا ہو گیا ـــــ تو یہ بات ہے بھائی ـــــ ہمیں خدا
نے مسلمان گھر میں پیدا کر دیا ـــــ ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہم مسلمانوں کا یہ ..
ایمان ہے کہ اللہ نے جب اس کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور یہ میں پڑھے لکھے
حضرات کے سامنے پھر کہدوں کہ یہ جو الفاظ ہم استعمال کریں گے گفتگو میں ـــــ خدا
سے متعلق، رسولؐ سے متعلق تو یہ الفاظ ہیں جو ہماری عقل کی رسائی میں بڑے اچھے
الفاظ ہیں ـــــ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صحیح معنوں میں ان کی شان کے مطابق بھی ہیں جن
کا ہم ذکر کر رہے ہیں ـــــ اللہ کے لئے الفاظ ہمارے پاس ہیں ـــــ جن سے ہم
اللہ کا ذکر کر سکیں ـــــ بس اللہ کے لئے ایک ہی لفظ ہمارے پاس ہے ـــــ
کیا؟ کہ بس اللہ ـــــ اللہ کیا ہے؟ اللہ بھئی اللہ کیا ہے ـــــ ؟ اللہ
ـــــ آگے؟ کہ اللہ ہی اللہ خیر صلا ـــــ بس اللہ ـــــ اللہ کیا ہے؟ اللہ ـــــ
اور کوئی لفظ ابھی تک ہے ہی نہیں ہمارے پاس اللہ کے لئے سوائے اللہ کے ـــــ

اور بڑے سے بڑے علمائے اعلام ـــــ بڑے بڑے علمائے کرام بھی جب اللہ کی بات کرتے ہیں منبر پر کھڑے ہو کے ـــــ تو وہ یہی کہتے ہیں کہ مسلمانو! اللہ ـــــ ارے بھئی اللہ تو ہے، کیا کریں اللہ کو ـــــ تو کہتے ہیں ـــــ مسلمانو! اللہ سے ڈرو ـــــ سنا ہے یا نہیں تم نے؟ اللہ سے ڈرو ـــــ سنا ہے نا؟ مسلمانو! ڈرو اللہ سے ـــ عالم کا وعظ، قبلہ و کعبہ کا فرمان، مولانا کا ارشاد ـــــ ہم بیٹھے ہیں سامنے ـــــ بھئی اللہ سے ڈرو ـــــ اور ڈرو اللہ سے ـــــ اللہ سے ڈرو ـــــ ایک دفعہ سنا، دو دفعہ، چار دفعہ، دس دفعہ ـــــ آخر بار بار مولوی صاحب نے اللہ سے جو ڈرایا

تو پتا چلتا ہے ـــــ اللہ کے ڈر کا تو مجھے پتہ ہے ـــــ یہ تو اتنے ڈر گئے ہیں اللہ سے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہو، ڈر کے مارے نہیں جاتے ـــــ مولوی صاحب جو کہتے ہیں، اللہ سے ڈرو ـــــ رستہ چلے جا رہے ہیں، سامنے مسجد آ جائے ـــــ جھکا کے گذرتے ہیں ـــــ بھئی جھکا کے کیوں گذرے ـــــ کہ بھئی مسجد سامنے ہے ـــ بھئی؟ کہ اللہ سے ڈرو ـــــ مولوی صاحب نے کہا تھا ـــــ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں ـــ تو اللہ سے ڈرا ڈرا کے، ڈرا ڈرا کے ـــــ ایمان سے ہم لوگوں کا برا حال ہوا ہوا ہے ـــ اور کوئی ہم میں سے جرأت کر کے مولوی صاحب نہیں کہتا ـــــ مولوی صاحب، اللہ سے ڈرو ـــــ کیوں اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈرا رہے ہو، خواہ مخواہ کے لئے ـــــ بھلا اللہ سے ڈرنا بھی کوئی انسانیت ہے؟ ـــــ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈرانا بھی کوئی بات ہے ـــــ بس ڈرا رہے ہیں ـــــ کیوں بھائیو: ڈر تو اردو زبان کا لفظ ہے۔ ڈر کے معنی ہیں بچنا ـــــ کس سے بچنا؟ اس سے بچنا، جس سے اندیشہ ہو ستانے کا ـــــ جس سے اندیشہ ہو دکھ پہنچانے کا ـــــ جس سے اندیشہ ہو اذیت پہنچانے کا ـــــ اب بتاؤ اللہ کوئی سانپ ہے؟ بچھو ہے؟ کیا ہے؟ جو اس سے ڈریں ـــــ ہمیں ستاتا

ہے؟ ہمیں نقصان پہنچاتا ہے؟ ہم پہ ظلم کرتا ہے؟ ہمیں اذیت دیتا ہے؟؟؟
پھر ڈرو کیوں اللہ سے ـــــ بولو بھئی ـــــ کہتے ہیں ڈرو ـــــ کیوں ڈرو ـــــ
کیا وجہ ہے ڈرنے کی؟ کیا اللہ ہم پہ مہربان نہیں ـــــ اللہ ہمیں پیار نہیں کرتا ـــــ
اللہ ہم سے محبت نہیں کرتا ـــــ اللہ کو ہم سے پیار نہیں ـــــ ہم سے زیادہ ہم سے
پیار نہیں ہے اللہ کو ـــــ اللہ جیسا پیارا، اللہ جیسا محبوب، اللہ جیسا اچھا ـــــ
اللہ جیسا حسین ـــــ اللہ جیسا معشوق ـــــ اس سے ڈرا ڈرا کے مار دیا لوگوں کو
ـــــ کہ اس سے ڈرو ـــــ اللہ سے ـــــ یاد رکھو میرے محترم بھائیو، بچو، عزیزو
ـــــ اگر کوئی مولوی صاحب کہیں تو بے شک میرا نام لے دینا ـــــ گناہ میرے ذمے
ـــــ اللہ سے مت ڈرو ـــــ سمجھے ـــــ اللہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے ـــــ اللہ ڈراؤنی
شے نہیں ہے ـــــ اللہ ظالم نہیں ہے ـــــ اللہ ستاتا نہیں ہے ـــــ دیکھو
بچو، اللہ محبوب ہے، اللہ معشوق ہے، اللہ پیارا ہے ـــــ اللہ حسین ہے۔
سمجھے جب وہ حسین ہے، وہ محبوب ہے ـــــ وہ پیارا ہے ـــــ اس لئے اس میں
ادائیں بھی بڑی ہیں۔ اور اس کی اداؤں میں ایک بڑی ادا یہ بھی ہے کہ وہ ذرا روٹھ جاتا
ہے ـــــ تو ڈرو اس بات سے کہ اللہ کہیں تم سے روٹھ نہ جائے ـــــ کہیں ناراض
نہ ہو جائے ـــــ یہ تو مسلمہ بات ہے کہ جتنا بڑا حسین ہوگا، اتنا ہی بڑا نازک
مزاج ہوگا ـــــ جتنا بڑا حسین ہے اللہ، اتنا ہی بڑا نازک مزاج ہے ـــــ ذرا
سی بات پہ روٹھ جاتا ہے ـــــ ہر وقت ڈرتے رہو کہ کہیں روٹھ نہ جائے ـــــ
اگر روٹھ گیا تو پھر "یار مناون اوکھا" ـــــ پھر اُسے منانا بڑا مشکل ہوگا ـــــ
تو اللہ سے اس بات سے ڈرو کہ کہیں وہ تم سے روٹھ نہ جائے اور دیکھو میری بات
سنو عزیزو! ـــــ اللہ کو یاد رکھو ـــــ سمجھے ـــــ اللہ کو یاد رکھو ـــــ
مولوی صاحبان ہمارے سامنے ترجمہ کرتے ہیں۔ اذکر اللہ ـــــ اللہ کو یاد کرو ـــــ

تو میں کہتا ہوں ۔ مولوی صاحبان جانے بھی دو ــــ یہ ترجمہ عربی کا نہیں ہے ــــ اللہ کو یاد کرو ــــ یاد کرو میں کوئی سواد ہی نہیں ــــ یاد کرو میں کوئی لطافت ہی نہیں ــــ سن رہے ہو نا بھئی میری بات ؟ پکی بات ؟ جب سننے سے تمہارا دل بھر جائے کہہ دینا میں اسی وقت بیٹھ جاؤنگا ــــ جب تک سنتے رہو گے میں تمہیں سناتا رہوں گا ــــ تم بھی کیا یاد کرو گے کسی نے سنائی تھیں ــــ جب تک سنتے رہو گے میں سناتا رہونگا تو دیکھو بھائی یہ ترجمہ غلط ہے ــــ اللہ کو یاد کرو ــــ یاد کرو کو اگر زندگی میں ایک دفعہ یاد کرلو تو یاد کرو پورا ہوگیا ــــ عید کے دن کہدیا ــــ یا اللہ ــــ یاد کرو پورا ہوگیا ــــ باقی سال یاد نہ کرو بے شک ــــ یہ کون سی بات ہے ــــ چاہے کسی وقت بھی یاد نہ کرو ــــ کوئی بات ہی نہیں ــــ اللہ کو ایک دفعہ بھی کہدیا ۔ "یا اللہ" ــــ یاد کرو پورا ہوگیا ــــ باقی سال یاد نہ کرو ــــ بے شک یہ کون سی بات ہے ــــ چاہے کسی وقت بھی یاد نہ کرو کوئی بات ہی نہیں ــــ اللہ کو ایک دفعہ بھی کہدیا اللہ ــــ یاد کرو پورا ہوگیا ــــ اللہ ہم سے یاد کرو کا مطالبہ نہیں کرتا ــــ اللہ کہتا ہے ــــ فَاذْكُرُونِي ۔ ــــ کیا معنی ؟ اللہ کو یاد رکھو۔ اب تم خود بتاؤ پڑھے لکھے بچو ــــ یاد کرو اور یاد رکھو میں کوئی فرق ہے کہ نہیں ــــ بولو بھئی اللہ کو یاد کرو اور بات ہے ــــ اللہ کو یاد رکھو ــــ اب سوچو کوئی فرق ہے یا نہیں اس میں ہے نا فرق ؟ اور پھر آیت کا اگر تیور دیکھو ــــ آیت کا اگر لہجہ دیکھو پھر ترجمہ کرو تو یہ ترجمہ بنے گا اس کا اللہ کو یاد رکھو، ورنہ یاد رکھو پھر یہ ترجمہ بنتا ہے اور ترجمہ ہی نہیں بنتا کوئی ــــ تو اللہ ہمیں یاد ہے ــــ ہم اسے یاد رکھتے ہیں اور اللہ کا ہی ذکر کرتے ہیں محفل یہی، مجلس ہیں مسلمانوں کی ــــ تو میرے بھائیو! ــــ اللہ نے ارادہ کیا کہ کائنات کو پیدا کرے تو اس نے کائنات کو پیدا کرنے میں ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق ــــ اس کے دلائل کے لئے اسوقت وقت نہیں

چونکہ سب مسلمان مانتے ہیں اوّل مخلوق جو پیدا کی ـــــ وہ تھا نورِ حضورِ سرورِ کائنات ؐ
کیوں مسلمانو! ہمارا یہ ایمان ہے یا نہیں؟ ہم مانتے ہیں یا نہیں ـــ اوّل مخلوق ـــ پہلی
شے جو اللہ نے بنائی ـــ سب سے پہلے جو بنایا ـــ وہ تھا حضور رسالت مآبؐ کا
نور ـــ سمجھے نا حضور؟ اور جب نورِ حضور کائنات بنا دیا نا! ـــ تو اس اکیلے نے
گوارا نہ کیا کہ میں بھی اکیلا اور بنا ہوا بھی رہے اکیلا ـــ لہٰذا اسے کے چاروں طرف
"چار چاند" لگا دیئے ـــ تاکہ یہ چار، پانچ ہو جائیں ـــ میں اکیلا رہوں۔
اب جب یہ چار "پانچ" ہو گئے تو اور ترقی کی ـــ انہیں بارہ چودہ بنا دیا ـــ جب بارہ
چودہ بن گئے تو اللہ نے ایک یونیورسٹی کھول دی کہ بیکار بیٹھ کے کیا کرو گے ـــ
یونیورسٹی کھل جاتے ـــ تم تعلیم دیا کرو ـــ تم پڑھایا کرو ـــ اور ایک لاکھ
چوبیس ہزار طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل کر دیئے ـــ اور محمدؐ ہو گئے اس کے
وائس چانسلر ـــ اور بارہ چودہ ہو گئے پروفیسر اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پڑھنے
بیٹھ گئے ـــ جو طالب علم پاس ہوتا رہا، ڈگری ملتی رہی عہدے کے آتا رہا ـــ
کسی کو زمین پہ پانی بہانا سکھا دیا اور آگیا ـــ کسی کو آگ کو گلزار بنانا سکھا دیا اور آ
گیا ـــ کسی کو وائرلیس پہ بات کرنے کا طریقہ سکھا کر کلیم بنا سکھا دیا اور آگیا ـــ کسی کو
موت سے ٹکر لے کے ہمیشہ جینا سکھا دیا اور آگیا ـــ غرض اپنا اپنا پڑھ کے سارے
شاگرد آتے رہے ـــ توجہ ہے نا صاحبان ـــ جب ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو کے
آگئے اور سب اپنا اپنا کام کر گئے تو اللہ نے اساتذہ کرام کی طرف دیکھا ـــ جو چودہ
پڑھانے والے تھے اور جوان کے راس و رئیس تھے ـــ حضور محمد مصطفیٰؐ ـــ ان کی
طرف دیکھا ـــ اور دیکھ کے یہ کہا ہوگا ـــ ہوگا لفظ یاد رکھنا ـــ یہ ہوگا
لفظ میں آپ کے ڈر کے مارے کہہ رہا ہوں ـــ کہیں پوچھنے لگو کہ یہ کس کتاب
میں لکھا ہے ـــ کتاب میں نہیں، یہ میرے دل کی کتاب میں لکھا ہے ـــ یہ کہا ہوگا۔

___ کہ محمدؐ سنتے بھی ہو ___ شاگرد تو اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے ___ اب اگر مناسب سمجھیں تو آپ خود چلے جائیں ذرا ___ کیوں کیا خیال ہے؟ جاؤ گے؟ جانا ہے؟ کیوں محمدؐ جاؤ گے؟ جانا ہے؟ ہیں؟ کیا بات ہے؟ جاؤ گے؟ دیکھو محمدؐ! سنو، اگر باقی نبیوں کی طرح تم بھی نبی ہوتے تو حکماً بھیجتا ___ جاؤ ___ محبوب جو ہوئے ___ اِس لئے پوچھتا ہوں ___ جانا ہے؟ جاؤ گے؟ کیا خیال ہے؟ جانا ہے؟ اچھا جانا ہے ہو ___ بسم اللہ تشریف لے جاؤ ___ بہت اچھا تمہاری مرضی ہم تو تمہاری مرضی دیکھتے ہیں ___ چلے جاؤ ___ ہیں؟؟ مگر یہ کیا؟ تم تو اداس ہو گئے ___ محمدؐ اداس نہ ہو ___ اگر وہاں کبھی دل گھبرا جایا کرے تو مل جایا کرنا ___ جاؤ؟ پوچھا جا کے اب کریں کیا ___ کہ اب جا کے ___ اب تک جو سوا لاکھ پڑھتے تھے وہ پرانی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے ___ تم مکے میں جا کے ___ ایک جنگل میں بالکل ریگستان میں نیو کیمپس قائم کر دینا ___ بالکل نئی یونیورسٹی قائم کر دینا ___ اب کے ایک بالکل نئی یونیورسٹی قائم ہو جائے نیا کیمپس بن جائے ___ دنیا بھی کیا یاد کرے گی کہ پڑھنے کا طرز بدل گیا ___ انداز بدل گیا ___ بالکل نیو کیمپس قائم کر دو وہاں جا کے ___ سمجھے ___ بہت اچھا ___ تم اس یونیورسٹی کے ہو گے انچارج اور آگے طلبہ تمہارے آئیں گے ___ انہیں پڑھایا کرنا ___ بالکل نیو کیمپس قائم کر دینا وہاں جا کے ___ بہت اچھا ___ اب چلے وہاں سے ___ جا رہے ہو؟ کہ ہاں ___ اور یہ بغل میں کیا ہے؟ کہ یہ میری کتاب ہے ___ اسے پڑھ پڑھ کے دنیا کو پڑھاؤں گا یونیورسٹی میں ___ اچھا تم ایک کام کرو ___ کتاب یہیں چھوڑ جاؤ ___ تم خود جاؤ ___ کہ اگر کتاب یہاں رہ گئی تو وہاں پڑھاؤں گا کیا ___ کہ واہ محمدؐ ___ تو اتنی بات بھی تم مجھ سے پوچھتے ہو ___ دیکھو جب بڑے آدمیوں کے بچے گھر سے کالج آتے ہیں تو ان کی بغل میں بستے نہیں ہوتے ___ ان کے نوکر پیچھے بستہ لے کر آتے

ہاں ـــــ آپ تشریف لے چلیں ـــ آپ کی یہ کتاب آپ کا ذکر جبرائیل لے کر
حاضر ہو گا ـــــ آپ تشریف لے چلیں کتاب وہ لے کر آئے گا ـــــ جائیں آپ
اور دیکھو ایک بات سنو ـــــ جہاں میں تمہیں بھیج رہا ہوں نا! وہاں جا کر بتانا کے
ـــــ وہاں جا کے بالکل نہ پڑھنا ـــ وہاں پڑھو گے تو میری توہین ہو جائے
گی ـــ کہا اچھا ـــ تم مجھے ایک بات بتاؤ ـــ تم جو مجھے الاسرار سے ... ہو کار ہیں
چھٹکے بڑی عزت سے اور مجھ سے کہا ـــ زیدی صاحب ایک آدھ ورق کر دو ـــــ
اب زیدی صاحب کھڑے ہوتے ہیں انکار کرتے ـــ جیب میں سے نکال کے
جیب سے پڑھنا شروع کر دیا ـــ آپ نے بسم اللہ ـــ کتاب کھول کر
دیکھتے رہے ـــ ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ ـــ زیدی صاحب نے پڑھ کر ـــ
... ہاتھ سے ٹھہرنے اور انتظار کرنے کا اشارہ ـــ آپ پڑھتا کچھ ـــ تیسری
... کتاب پڑھ ... ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ ـــ ... ذرا
پیچھے ہٹ جاؤ پڑھ لوں ـــ سارے لڑکے اٹھ کر چلے گئے ـــ جتنی کیفیں چلے گئے
ـــ کہ اس پاگل مولوی کو کون مانے جو یہاں آ کے بیٹھے ـــ اب وقت بڑی جلدی
جلدی گزر رہا ہے اور انتظار کا وقت قریب آ رہا ہے ـــ اسی لیے یہ بات
ختم کر دی ہے ـــ پھر ... یہاں آ کے مکتب کھول لیا ـــ دیکھو یوں کرو ـــ
بچے زیادہ قائم ... تھوڑا سا درس رکھنا ـــ اپنے گھر والوں
کو پہلے جمع کرو ـــ پہلے ان سے تعلیم شروع کرو ـــ جب وہ ...
پھر اور قوم سے بات کرنا ـــ ...
اپنے اقربا کو اکٹھے کر کے قرآن والے ـــ پھر اوروں سے بات کرنا ـــ جب اچھا
... کلاس ... طالب علموں کی شکل ـــ جو ... اپنے گھر لے
گئے ـــ وہ آ کے بیٹھ گئے جناب پڑھنے لگے ـــ ... خیال

نہیں ـــــ طالب علمی میں سن و سال نہیں دیکھا جاتا ـــــ پڑھنے کے شوق میں بچہ بھی پڑھ سکتا ہے ـــــ بوڑھا بھی پڑھ سکتا ہے ـــــ یہ اور بات ہے کہ بچے کا ذہن تیز ہوتا ہے ـــــ اب مجھے اتنا اچھا یاد نہیں ہو سکتا جتنا تمہیں یاد ہو سکتا ہے۔ ـــــ تو جناب اس میں رسولؐ کا سارا خاندان اکٹھا ہو کے بیٹھ گیا ـــــ چالیس آدمی بیٹھ گئے ـــــ بھئی تمہیں کیوں بلایا ہے ـــــ کہ میں نے ایک نئی تعلیم گاہ قائم کی ہے۔ میں اس میں درس دینا چاہتا ہوں ـــــ اگر میرا علم تم نے پڑھ لیا اور سمجھ گئے تو ساری دنیا کی حکومت تمہارے قدموں میں ہوگی اور عاقبت کی نجات تمہارے پاس ہوگی ـــــ میں ایسی چیز تمہیں بتانے کے لئے آیا ہوں ـــــ کہ اچھا بتاؤ ـــــ تو میرے محترم سامعین ـــــ اللہ تمہیں سلامت رکھے ـــــ محمد مصطفٰے جیسا معلم اعظم اور اس کی پہلی کلاس ـــــ پہلی کلاس میں اتنے بڑے معلم کی تقریر ـــــ پہلی گفتگو ـــــ تمام طلب گوشِ ہوش کھولے بیٹھے تھے سننے کے لئے کہ دیکھیں کیا کہتا ہے ـــــ مگر معلم اتنا عالمگیر معلم تھا کہ وہ صرف اس جماعت کا معلم نہیں تھا بلکہ عالمین کا معلم تھا ـــــ عالم کی ہر شے کا معلم تھا ـــــ اُدھر اس نے تقریر کرنے کے لئے گلا صاف کیا ـــــ "۔۔۔ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں" ـــــ اُدھر اس نے کہا ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں ـــــ ادھر کائنات کی ہر شے سراپا گوش بن گئی سننے کے لئے ـــــ سمجھے نا حضور؛ درختوں کا پتہ پتہ کان ہو گیا سننے کے لئے ـــــ ہر ذرہ دوش ہوا پہ سوار ہو گیا سننے کے لئے ـــــ فلک نے ستاروں کی عینک لگالی سننے کے لئے ـــــ چلتا ہوا سورج ٹھہر گیا سننے کے لئے ـــــ چاند کے سینے پہ داغ پڑ گیا سننے کے لئے ـــــ سوا لاکھ انبیاء آسمانِ اوّل پہ اُتر آئے سننے کے لئے ـــــ اللہ نے کہا ـــــ ماشاء اللہ ـــــ قدرت نے کہا سبحان اللہ ـــــ فطرت نے کہا ـــــ بسم اللہ ـــــ اور محمدؐ نے تقریر شروع کی زلفِ الہام کو نشانہ ہونے لگا ـــــ شہپرِ جبرئیلؑ کو جنبش ہونے لگی ـــــ اور تقریر میں

فرمایا کہ میں تمہارے لئے خیرِ دنیا اور آخرت لے کے آیا ہوں ـــــ بولو ایسا کون
شاگرد ہے جو میرے علم کو اچھی طرح سمجھ کر اس معاملے میں میرا ساتھ دے اور میرے
بعد میری درسگاہ کا پرنسپل بنے ـــــ بولو کون ہے؟ بس اِدھر اعلان ہوا
ـــــ خیرِ دنیا اور آخرت کا پیغام لایا ہوں ـــــ چالیس کے چالیس سامعین
خاموش بیٹھے رہے ـــــ مگر ـــــ دنیا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ـــــ عالم کی
چلتی ہوئی نبضیں رُک گئیں ـــــ جب رسولؐ کی آواز پہ لبیک کہنے کے لئے، کونے
سے ایک دس سال کا بچہ اُٹھا ـــــ سمجھے نا حضور؟ پوری بچپن کی ادا ـــــ پیروں پہ
مٹی پڑی ہوئی ـــــ کُرتے کے بٹن کھُلے ہوئے ـــــ جیبوں میں خُرمے بھرے ہوئے
پوری بچپن کی ادا سے کونے سے ایک بچہ اُٹھا ـــــ قبلہ ذرا اب کے فرماؤ کیا کہا
ہے؟ ـــــ یہ اب کے فرماؤ اس لئے کہا تھا کہ کام تو بچے ہی کریں گے آپ کا ـــــ قربانی
دیں گے ـــــ مر مٹیں گے ـــــ مگر پہلے ہمیں سمجھا دیں کہ چاہتے کیا ہیں؟ بے سمجھے بوجھے
ساتھ ہو لینا عقلمندوں کا کام نہیں ـــــ پہلے ہم سمجھ لیں کہ کیا کہہ رہے ہو ـــــ ہماری
سمجھ میں بھی تو آ جائے آپ چاہتے کیا ہیں ـــــ ہاں حضور ذرا اب کے فرمائیں آپ چاہتے
کیا ہیں؟ کہ بیٹا، بچے، برخوردار ـــــ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کون ہے جو اس معاملے میں
میرا ساتھ دے گا ـــــ بس یہ کہنا تھا کہ کون ساتھ دے گا ـــــ بچے نے ایڑیاں اُٹھا
کے کہا ـــــ انا ناصرک یارسول اللہ ـــــ اے اللہ کے رسولؐ میں تیرا ناصر
ہوں ـــــ میں تیری مدد کروں گا ـــــ " بیٹا ـــــ یہ بچوں کا کھیل نہیں " " قبلہ میں جان
پہ کھیل کے کہہ رہا ہوں " ـــــ " بیٹا یہ بڑا مشکل کام ہے " ـــــ کہ " آقا علیجاہ ـــــ میں
مشکلکشا جو ہوا " ـــــ مشکل کام سمجھ کے کہہ رہا ہوں کہ میں تیرا ساتھ دوں گا ـــــ
یا محمدؐ نہیں ـــــ اگر یا محمدؐ کہہ کے وعدہ کرتا تو زندگی بھر وعدہ تھا ـــــ
یا رسول اللہ، میں تیری نصرت کروں گا " ـــــ گویا جب تک تیری رسالت ہے، میری

نصرت ہے ـــــ جہاں جہاں تیری رسالت ہے، وہاں وہاں میری نصرت ہوگی
میں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا ـــــ گویا آج سے دُنیا متعارف ہوئی "علی
سے ـــــ وہ چالیس آدمیوں کا مجمع جو رسولؐ کی تقریر سن رہا تھا اس بچے کی طرف دیکھنے لگا
ـــــ رسولؐ نے مسکرا کے کہا "میں بھی یہی چاہتا تھا ـــ کہ مجھ سے نظر ہٹے تو اس پہ آکے
رُکے" ـــ دیکھو یہ بچہ کیا کہتا ہے ـــ آج عالم بچہ ـــ عالم بچے ـــ اس
بچے کی تقلید میں جس نے معلّم اعظم کے فرمان پہ وعدہ کیا تھا ـــ میں تیرا ساتھ دوں گا
ـــــ آج اس کا ذکر کرنے کے لئے سے کیمپس میں بچے اکٹھے ہیں ـــــ یہ دیکھنے کے لئے کہ
اس دس سالہ بچے نے جو وعدہ کیا تھا کہ تیری تعلیم پر عمل کروں گا ـــــ آیا اس نے کس کس
طرح عمل کیا ـــ کہیں عمل میں نقل تو نہیں ہوا ـــ کہیں عمل میں ہچکچایا تو نہیں ـــ کہیں عمل
میں گھبرایا تو نہیں ـــ کہیں عمل میں پریشان تو نہیں ہوا ـــ افسوس کہ وقت نہیں اتنا
کہ ساری چیزیں بیان کی جائیں ـــــ اور وقت ہے بھی اتنا تو وقت ختم ہو جائے امام وقت
کا ذکر ختم نہیں ہوگا ـــــ یہ وقت اس قابل ہی نہیں کہ اس کو سمو سکے اپنے اندر ـــ سمجھے ـــ
ہاں یہ اور بات ہے کہ کبھی وجد میں آ کر اس کا ذکر سننے کے لئے گیا ہوا سورج پلٹ کے
آجائے ـــــ یہ بات اور ہے ـــ ورنہ یہ وقت ختم ہو جائے گا ذکر ختم نہیں ہوگا ـــ
وعدہ کر لیا اس نے کہ میں آپ کی تعلیم پہ عمل کروں گا ـــ اور دنیا میں تک مسلمان بچوں کو سبق
دے گیا کہ مسلمان بچو! ـــــ اپنے معلّم کی بات کو اچھی طرح سمجھ لو ـــــ اپنے بزرگ کی
بات کو اچھی طرح سمجھ لو ـــــ جو وہ تم سے کام لینا چاہتا ہے اسے اچھی طرح سے سمجھ
لو ـــــ اس کے ہر پہلو پہ غور کر لو ـــــ اس کو اچھے طریقے سے اپنے ذہن میں بٹھا
لو ـــــ اور جب تمہاری سمجھ میں آجائے تو آنکھیں بند کر کے نہیں ـــــ سوچ کے
ـــــ سمجھ کے، غور کر کے ـــــ پھر اس سے وعدہ کرو تو عمل میں رکاوٹ نہ ہونے پائے
ـــــ عمل میں ہچکچاہٹ نہ ہونے پائے ـــــ عمل میں کچھ رکنا نہیں ـــ پھر عمل اس

طرح کرو آنکھیں بند کر کے کہ دنیا حیران رہ جائے ـــــ کہ اس طرح عمل کیا جاتا ہے ـــــ
تو بیٹھو ایک بات اور پھر بات ختم ـــــ وقت گذر جائے گا اور میں بیٹھ جاؤں گا ـــــ
وعدہ کیا تا عمل کا ؛ تو اس طرح آنکھیں بند کر کے عمل کیا ـــــ جب سمجھ گیا تھا تعلیم
کیا ہے ـــــ جب سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے ۔ جب سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے
منوانا کیا چاہتا ہے ـــــ یہ سوچ سمجھ کر وعدہ کیا تھا تو عمل اس طرح کیا بھائیو ـــــ تو
بچو سُن رہے ہو بات کو؟ سن رہے ہو ؟ پکی بات ہے ؟ شاباش ـــــ سن رہے
ہیں بڑے غور سے بچے ـــــ یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ ایک سفید داڑھی والے کی
بات کو نوجوان سن رہے ہیں ـــــ نہیں تو دو تین مرتبہ میرے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے
جب میں تم جیسے لڑکوں میں چلا گیا تقریر کرنے ـــــ تو ان بچوں نے کہا " بابا بہہ وی جا ـــــ
کیسے بندے نوں گل کرن دے " ـــــ یہ تو اتفاق ایسا ہے کہ تم میری بات سُن رہے ہو ـــــ
آج تم نے مجھے بندہ سمجھ لیا ہے ـــــ سوچ سمجھ کے جب وعدہ کیا کہ میں تیری نصرت کرونگا ـــــ
اس کے ہر مع لہجہ اور ما علیہ پر نظر ڈال کے وعدہ کیا کہ میں تیری نصرت کرونگا ـــــ
یونہی اندھی تقلید نہیں ـــــ آنکھیں بند کر کے نہیں یونہی ساتھ دوڑ پڑے والی بات
نہیں ـــــ سوچ سمجھ کے وعدہ کیا تھا میں تیری نصرت کرونگا ـــــ اس سمجھ کے
وعدے کا اثر یہ تھا کہ اس وعدے کے تیرہ سال بعد جبکہ رسولؐ کا سن ہے ترپن (۵۳) سال
کا ـــــ کیا سن ہے رسولؐ کا بھئی ؛ ترپن (۵۳) سال کا ـــــ کیوں بھئی ترپن (۵۳) سال کا سن
پختہ عمر ہے یا نہیں ؛ ہیں ؛ تجربے کی عمر ہے یا نہیں ؛ دنیا کا سب کچھ ، جہاندیدگی پوری
ہے یا نہیں ؛ ترپن (۵۳) سال کا رسول شام کے وقت ، اپنے گھر کے اندر کھڑے ہو کر یہ کہہ
رہا ہے ایک اُنیس سال کے نوخیز نوجوان سے ـــــ جتنے اس محفل میں اٹھارہ انیس سال
کے نوجوان ہیں وہ میری بات غور سے سُنیں ـــــ ایک اٹھارہ اُنیس سال کے نوجوان
سے ، ترپن (۵۳) سال کا رسولؐ کہہ رہا ہے یہ ، کھڑا ہو کے ـــــ بیٹا ، برخوردار آج میرے

گھر میں خطرہ ہے ـــــ بڑا سخت خطرہ ہے ـــ تو بتاؤ بچو جب گھر کا بزرگ خطرہ بتائے تو بچے کے دل پر کیا گذرے گی ـــــ ہیں؟ ـــــ وہ بھی ڈرا ہوگا یا نہیں؟ وہ بھی گھبرایا ہوگا یا نہیں ـــــ خطرہ ہے قبلہ ـــــ اور جب اتنا تجربہ کار بزرگ کہہ رہا ہے خطرہ ہے تو بچہ بھی گھبرایا ہوگا ـــ اس انیس سالہ بچے نے گھبرا کے پوچھا ـــــ قبلہ خطرہ ہے؟ ـــ کہ ہاں بیٹا خطرہ ہے ـــ "واقعی خطرہ ہے؟" ـــ کہ بہت ہی خطرہ ہے ـــ خطرہ ہے؟؟ ـــــ کہ یقیناً خطرہ ہے ـــ پھر قبلہ کیا پروگرام ہوگا ـــــ میں گھر چھوڑ کے جا رہا ہوں ـــ کیوں؟ ـــ خطرہ ہے ـــ اچھا قبلہ، میں کیا کروں؟ کہ تم یہیں رہو ـــــ کیوں؟ ـــ خطرہ ہے ـــــ سمجھے آپ اب بتاؤ بچو ـــــ اگر وہ لڑکا یہ کہہ دے کہ میں تو نہیں رہتا ـــــ تو کسی اخلاقی ضابطے میں، اس کا یہ انکار کرنا بری بات ہے؟ وہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ جب خطرہ ہے تو میں بھی نہیں رہتا ـــــ مگر دنیا حیران ہوگئی یہ سن کے جب اس بچے نے کہا کہ خطرہ ہے؟ کہ ہاں بہت خطرہ ہے ـــ پھر ـــــ کہ میں جا رہا ہوں ـــــ اور میں ـــ! کہ تم یہیں رہو ـــ کہ اچھا میں یہیں ہوں ـــ آپ جائیں ـــــ خطرہ ـــ خطرہ ہے ـــ تو ہوا کرے ـــ میں یہیں ہوں ـــ حیرت میں آگئی ساری دنیا کہ یہ بچہ کیا کہہ رہا ہے؟ ـــ تو اسے اسوقت یہ بتایا گیا کہ اس نے سوچ سمجھ کر وعدہ کیا تھا ـــ نصرت کا ـــــ اسی لئے یہ کہہ رہا ہے ـــ کہ میں یہیں رہونگا ـــــ رسولؐ جانے لگے تو اس بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا گھر میں خطرہ ہے ـــ خطرہ بڑا ہے ـــــ بہت ہی خطرہ ہے ـــ لہٰذا چوکس نہ رہنا کیوں؟ خطرہ ہے ـــــ ہوشیار نہ رہنا ـــ کیوں؟ ـــ خطرہ ہے ـــــ خبردار نہ رہنا ـــ کیوں؟ خطرہ ہے ـــ بے خبر سو جانا ـــ کیوں؟ خطرہ ہے ـــ ہے نا عجیب بات ـــــ بالکل بے خبر سو جانا ـــــ اس لئے کہ خطرہ ہے ـــ سمجھے حضور ـــــ

اس نے کہا لیجئے قبلہ میں سو گیا ـــــ اپنے بستر پہ لیٹ گیا ـــ کہ ٹھہرو تمہارے بستر پہ خطرہ نہیں ـــ میرے بستر پہ لیٹو کہ خطرہ یہاں ہے ـــ اب خطرے کا مرکز سمٹ کے بستر رہ گیا تھا ـــ یہاں لیٹو ـــ وہاں لیٹ گیا ـــ یہاں سو جاؤں ؟ کہ نہیں ایسے نہیں ـــ اگر میرے بستر پہ تم، تم ہو کے سوئے تو خطرہ نہیں ـــ میرے بستر پہ تم، ہم بن کے سوؤ ـــ ہیں ؟ لیٹو ـــ لٹایا

اپنی چادر اوڑھا دی ـــ اپنے عمامہ سرہانے رکھ دیا ـــ اپنے نعلین قریب قریب رکھ دیئے ـــ اپنی تلوار پاس رکھ دی ـــ تاکہ دیکھنے والے، سونے والے کو جانے والا سمجھیں ـــ ہیں ـــ سو جاؤ ـــ سو گئے ؟ سو گئے ـــ صبح تک کروٹ نہیں لی بستر کی سلوٹ گواہ ہے ـــ اسی طرح آرام سے سوتا رہا ـــ ساری رات سوتا رہا ـــ یہ ہے سوچ سمجھ کر کسی اسکیم کو ـــ پھر اس پر نصرت کا وعدہ کرنے کا نتیجہ ـــ بے سوچے سمجھے، بغیر سوچے ہوئے وعدہ کر لینے سے یہ استقامت پیدا نہیں ہوتی ـــ خوب سمجھ لو کہ ہم نے کیا کام کرنا ہے پھر وعدہ کرو تو اتنا پکا وعدہ کرو ـــ سو گیا آرام کے ساتھ ـــ سو گیا یا نہیں ؟ اور اللہ نے کیا کیا ـــ رات کو سونا دیکھ کر اللہ نے ـــ لو جی یہ آخری فقرے ـــ سونا دیکھ کر اللہ نے ـــ کیوں بچو اللہ بھی کبھی سوتا ہے ـــ ہیں ؟ نہیں سونا !!! اے لو ـــ اللہ تو کبھی سوتا ہی نہیں ـــ کبھی نہ سونے والے نے آج کا سونا جو دیکھا ـــ تو اس نے کہا محمدؐ یہ بڑا کھرا سونا ہے ـــ بڑا بہترین سونا ہے ـــ میں نے اسے پرکھ کے دیکھا ہے ـــ بہت ہی بہترین سونا ہے ـــ اس میں کوئی غیل وغش نہیں ـــ یہ سونا میں خرید نہ لوں ؟ یہ سونا میں خرید لوں ـــ محمدؐ ـــ تم درمیانی بن کے یہ سونا مجھے خرید وا دو ـــ محمدؐ تھے کہیں اور ـــ سونے والا تھا کہیں اور ـــ وہیں سے آواز دی ـــ سونے والے ـــ

کہ "جناب عالی!" ـــ دہی سوتے میں کہا ـــ سونے والے ـــ ہاں کیا ہے؟
ـــ سونا بیچتے ہو؟ ـــ "جی ہاں" ـــ "کیا لوگے؟" ـــ "قبلہ کیا دوگے؟" ـــ
خریدتا کون ہے؟ کہ کبھی نہ سونے والا اللہ خریدار ہے ـــ اچھا! ـــ اللہ خریدار
ہے؟ ـــ پھر بیچتے ہو؟ کہ بیچتا ہوں ـــ کیا قیمت لوگے؟ کہ قبلہ بات سنو۔
جب اللہ جیسا خریدار ہو تو قیمت پہ جھگڑا کرنا خلاف تہذیب ہے ـــ اللہ سے کہدو
کہ سونا میرا حاضر ہے، قیمت میں جو اس کی مرضی ہے وہ دیدے ـــ جو، مرضی
ہے دیدے ـــ بس مرضی قیمت ہے ـــ سونا حاضر ہے ـــ اللہ نے کہا
ـــ "منظور" ـــ سودا ہوگیا ـــ کہ قبلہ یہ مرضی ملے گی کب؟ کہ قیامت میں
ـــ قیامت کا ادھار؟ ـــ بیعانہ مل جائے تاکہ سودا پکا ہوجائے ـــ اللہ نے
بیعانے میں جنت دے دی ـــ جنت تیری قیمت نہیں ـــ یہ بیعانہ ہے ـــ
جنت پہ قبضہ کرلیا ـــ سمجھے نا حضور ـــ ہوئی جو شادی تو وہی جنت ـــ جو اُس
دن بیعانے میں ملی تھی ـــ منہ دکھائی میں بیوی کو دے دی ـــ خریدی تھی شوہر نے
ـــ خاتونِ جنت کہلاتی ہے بیوی ـــ بیوی نے بچوں کے نام کردی ـــ رسولؐ
نے رجسٹری کردی ـــ انتقال کی ـــ الحسن والحسین سید
شباب اہل الجنۃ ـــ باپ نے خریدی ـــ ماں ملکہ بنی ـــ حسنینؑ
مالک بنے ـــ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اللہ نے جنت کے صدر دروازے
پہ یہ نام لکھ کر لگا دیئے ۔ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ حسینؑ
انشاءاللہ ـــ نیو کیمپس کے نوجوانو! ـــ تم چلنا جنت میں ـــ چلوگے یا
نہیں؟ ہیں!؟ جاؤ گے نا؟ ـــ (آوازیں انشاءاللہ) ـــ انشا اللہ کی کیا بات
ہے ـــ جائیں گے ـــ وہاں ضرور جانا ہے ـــ وہاں جاؤ گے ـــ مجھے بھی
آواز دے لینا ـــ سواد آجائے گا ـــ جب دروازے پہ یہ نام لکھے دیکھیں

گئے تو ــــــ اگر کسی فرشتے نے روکا بھی تو کہدینا " فرشتے ہٹ جا ہمارا وقت ضائع نہ کر ــــ یہ نام نہیں دیکھتا ــــــ اندر تو محفل ہو رہی ہو گی ــــــ زیدی تقریر کر رہا ہو گا ــــ چلو چلیں اندر" ــــــ انشاء اللہ یہ نام دیکھ کے ہم فوراً پہنچ جائیں گے ــــــ

تمہاری محفلوں کو اللہ قبول کرے ــــ تمہارے اندر تقویت دین عطا فرمائے ــــــ دینی محفلیں منعقد کرنے کا تم میں شوق اور شعور پیدا کرے ــــ جب کوئی دینی محفل منعقد کیا کرو اگر میری صحت ٹھیک ہو تو مجھے ضرور بلایا کرو ــــ آج تو بیماری کے عالم میں، میں نے چند منٹ آپ سے باتیں کرلی ہیں ــــ مجھے بلایا کرو ضرور ــــ خدا تمہیں خوش رکھے ــــــ اللہ تمہیں سلامت رکھے ــــ خوب سوچ کے سمجھ کے ــــ غور کرکے ــــ ذہن میں بٹھا کے ــــ ہر پہلو اور نشیب وفراز کو دیکھ کر جو عزم کرلو پھر اس پر بنیان مرصوص کی طرح جم جاؤ سمجھے؛ بے سوچے سمجھے قدم اٹھانا ــــ حیدری جوانوں کی شان نہیں ہے ــــــ اللہ تمہیں سلامت رکھے ــــــ خدا تمہیں خوش رکھے ــــــ خدا حافظ ــــــ فی امان اللہ ــــــ

(۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ ۔ ایس۔ٹی۔سی نیو کیمپس" پنجاب یونیورسٹی" لاہور کے طلبا سے خطاب)

موت و حیات

عنوان

فضائل — موت و حیات

مصائب — امام موسیٰ کاظمؑ

کبھی گزرا ہوں جو بغداد کے بازاروں سے
لاشیں زہر کے ابھرنے لگیں دیواروں سے

سید جعفر طاہر

محترم سامعین! جب سے دنیا بنی ہے اور جب تک دنیا رہے گی، اس آسمان کے نیچے ــــ اس زمین کے اوپر، نہ حسینؑ جیسا کوئی شہنشاہ ہوا، نہ ہوگا ــــ یہ سب سے بڑا شہنشاہ ہے جس کا حسینؑ نام ہے ــــ سب سے بڑا بادشاہ ہے جس کا حسینؑ نام ہے ــــ اگر آپ یہ کہیں کہ ہمارے باقی آئمہؑ بھی بادشاہ تھے... باقی رسول بھی بادشاہ تھے، تو انہیں بادشاہت یا حکومت اللہ نے ازراہِ کرم عطا فرمائی تھی اور حسینؑ نے شہنشاہی قیمت دے کر لی تھی ــــ اس نے کسی کا احسان نہیں رکھا ــــ اس نے ہر شے کی قیمت ادا کر لی ہے ــــ دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ ہے حسینؑ ــــ سب سے بڑا بے مثل بندہ ہے حسینؑ سب سے بڑا بے نظیر بندہ ہے حسینؑ مجھے بتاؤ سامعینِ کرام ــــ تم مجھے بتاتے رہو میں بولتا رہوں ــــ یہ بتاؤ کہ حسینؑ کا نانا تمام رسولوں میں بے مثل ہے کہ نہیں؟ بولو بھئی؟ بے مثل ہے ــــ تمام رسولوں میں حسینؑ کا نانا بے مثل ہے ــــ اور تمام ولیوں میں حسینؑ کا باپ، بولو بھئی؟ بے مثل ہے ــــ اور تمام دنیا کی عورتوں میں حسینؑ کی ماں بے مثل ہے ــــ اور ساری دنیا کے بھائیوں میں حسینؑ کا بھائی حسنؑ؟ بولو بھئی بے مثل ہے ــــ اور ذرا سوچ کے بتانا ــــ ساری دنیا کی بہنوں میں حسینؑ کی بہن بولو بھئی۔ بے مثل ہے ــــ دنیا بھر کے بیٹوں میں حسینؑ کے بیٹے؟ بے مثل ــــ دنیا بھر کے شیر خواروں میں حسینؑ کا شیر خوار؟ دنیا بھر کی بیٹیوں میں حسینؑ کی بیٹی؟ ــــ دنیا بھر کی فوجوں میں حسینؑ کی فوج؟ ــــ دنیا بھر کے دوستوں میں حسینؑ کے دوست؟ دنیا بھر کے دشمنوں میں حسینؑ کے دشمن؟ بولو بھئی بے مثل ہے یا نہیں؟ حسینؑ کی ساری زندگی بے مثل ہے، حسینؑ کی موت بے مثل ہے؟ حسینؑ کی نماز بے مثل

ہے ـــــ حسینؑ کی یادگار بے مثل ہے ـــ حسینؑ کا یہ دربار بے مثل ہے ؟ جہاں ان بے مثالیاں اکٹھی ہو جائیں اس بندے کے لئے بے تکلف کہہ دو ـــ حسینؑ لیس کمثلہ شیئ تو وہ انسان ہے کہ تیری مثل کہیں ہے ہی نہیں ؟ نہ اللہ کی کہیں مثل ہے، نہ حسینؑ کی کہیں مثل ہے ـــ اس کی اللہ ہونے میں مثال نہیں، اس کی بندہ ہونے میں مثل نہیں ـــ ایسے بے مثل شہنشاہ کے دربار میں تم آکے بیٹھے ہو ـــ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اتنے بڑے شہنشاہ اعظم کے دربار میں آئے ـــ اللہ تمہیں سلامت رکھے، خدا تمہیں خوش رکھے ـــ اللہ تمہارے آنے کو قبول فرمائے ـــ اب میں تمہیں [illegible] اور عرض کر دوں حسینؑ کی شہنشاہی کی ـــ حسینؑ کے دربار میں آنے کی ـــ حسینؑ کی خدمت میں پہنچنے کی ـــ دیکھو بھائیو ـــ دیکھو عزیزو ـــ کیو ہمیں حسینؑ سے محبت ہے ـــ ہے ؟؟ ہیں ؟ ؟ ہے نا ؟ حسینؑ سے محبت ضرور ہے ـــ آپ کو حسینؑ سے محبت ہے ـــ یقیناً ہے ـــ آپ نے کیوں کی ہے یہ محبت حسینؑ سے ـــ بولو بھئی ـــ یہ حسینؑ سے محبت آپ نے کیوں کی ہے اس کا جواب دو مجھے ـــ ہم نے کی نہیں محبت ـــ محبت کی نہیں جاتی ـــ محبت ہو جاتی ہے ـــ ہمیں حسینؑ سے محبت ہو گئی ہے ـــ ہم نے کی نہیں ہے ـــ اس لئے کہ حسینؑ بندہ ہی ایسا ہے کہ اس سے محبت ہو جائے ـــ اس سے ہمیں محبت ہو گئی ہے ـــ ہے نا حسینؑ سے محبت ـــ کیوں بھئی ہے حسینؑ سے محبت ؟ ـــ آج اس کی محبت کا یہ اثر ہے کہ لاہور شہر میں ایک معروف سڑک حسینؑ کے نام پر رکی ہوئی ہے ـــ رکی ہوئی ہے یا نہیں ؟ پولیس کھڑی ہے ـــ ادھر بھی، ادھر بھی ـــ میں آیا تو میں نے دیکھا ادھر بھی پولیس کھڑی تھی، ادھر بھی پولیس کھڑی تھی ـــ میں نے پوچھا پولیس کے جوانو ! کیوں کھڑے ہو ؟ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو ؟ کہ بھئی آج حسینؑ کا دربار لگا ہوا ہے ـــ ہم اس انتظام کے لئے کھڑے ہیں کہ کوئی خرابی پیدا کرنے والا نہ آ جائے

کوئی گڑبڑ کرنے والا نہ آجائے ــــــ بس پولیس نے مجھے یہ بیان کیا اور وہیں مجلس ہوگئی کہ ــــــ واہ اے حسینؑ ــــــ واہ ــــــ آج پولیس اس لئے کھڑی ہے کہ تیرے دربار میں بدنظمی نہ ہو اور ایک دن پولیس اس لئے کھڑی تھی دربار میں کہ بازار والو آؤ آج حسینؑ کی بہن آرہی ہے ــــــ بازار والو ــــــ آؤ ــــــ دیکھو حسینؑ کا کنبہ آرہا ہے۔ اُس دن بھی پولیس بازار میں تھی ــــــ آج بھی پولیس بازار میں ہے ــــــ اُس دن بھی مجمع تھا، آج بھی مجمع ہے ــــــ اس مجمع کا انداز اور تھا اس مجمع کا انداز اور ہے۔

ــــــ محترم بھائیو ــــــ کربلا کے میدان میں جہاں حسینؑ جیسا عظیم بادشاہ آیا تھا ــــــ وہاں اس کے ساتھ اس کی بہن بھی آئی تھی ــــــ حسینؑ کی بہن بھی تھی کربلا میں ــــــ اور میں یہ کہا کرتا ہوں کہ کربلا کا اصل ہیرو زینبؑ تھی ــــــ اس کے گرد گھوم رہا تھا تمام کردار کربلا کا ــــــ دونوں بہن بھائی کربلا میں آکے بیٹھ گئے ــــــ روز رات کو بہن بھائی آپس میں باتیں کیا کرتے ــــــ جب پچھلی رات ہوتی تو زینبؑ بلاتی، آؤ حسینؑ باتیں کریں ــــــ اللہ جانے پھر موقع ملے گا یا نہیں بھائی بہن کو بات کرنے کا ــــــ بات کیا ہوتی؟ ــــــ زینبؑ کہتی حسینؑ! تو نے جب سے اس جنگل میں آکے خیمے لگائے ہیں مجھے روزانہ رات کو خیمے کے پیچھے سے کسی خاتون کے رونے کی آوازیں آتی ہیں ــــــ اللہ جانے کون روتا ہے ــــــ امامؑ فرماتے ہیں، بہن! پہچاننے کی کوشش کرنا ــــــ یہ میری اماں روتی ہے ــــــ پہلے دونوں بہن بھائی اماں کے رونے کی باتیں کرتے ــــــ پھر آپس میں بیٹھ کے گفتگو کرتے ــــــ زینبؑ پوچھتی، حسینؑ ارادہ کیا ہے؟ کربلا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ــــــ چاہتے کیا ہو؟ تو حسینؑ کہتے ــــــ زینبؑ میں ــــــ اللہ کے نام کو دنیا میں زندہ رکھنے کے لئے ــــــ اللہ کی اذان کو قائم رکھنے کے لئے ــــــ اللہ کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے میں اپنی جان دینا چاہتا ہوں ــــــ میں مرجانا چاہتا ہوں ــــــ ذرا غور سے فقرہ سننا دوستو ــــــ "حسینؑ کیا کہا تم نے؟ تم مرنا چاہتے ہو"

کہ ہاں میں مرنا چاہتا ہوں ــــ ذرا غور سے فقرہ سننا دوستو ــــ حسینؑ کیا کہا تم نے؛ تم مرنا چاہتے ہو؟ کہ ہاں میں مرنا چاہتا ہوں ــــ میں آیا ہی اسی لئے ہوں کربلا میں ــــ کہ مر جاؤں گا مگر اللہ کا نام نہیں مٹنے دونگا ــــ تو زینبؑ نے مسکرا کے کہا اے حسینؑ سن ــــ تو بھی علیؑ کا بیٹا، میں بھی علیؑ کی بیٹی ــــ جو خون تیری رگوں میں وہی میری رگوں میں ــــ جو جوش تجھ میں وہی مجھ میں ــــ جو تیرا نانا وہی میرا نانا ــــ جو تیرا باپ وہی میرا باپ ــــ جو تیری ماں وہی میری ماں، بس فرق اتنا ہے کہ تیرے سر پہ بابا کا عمامہ ہے ــــ یہ دیکھ میرے سر پہ اماں کی چادر ہے ــــ میں بھی وہی ہوں حسینؑ جو تو ہے ــــ تو تُو ارادہ کر چکا مرنے کا؟ ــــ ہاں بہن! میں نے ارادہ کر لیا ــــ مگر میری بات سن لے ــــ بے شک حسینؑ تو مر جا ــــ اپنے ارادے کو پورا کر لے میرا بھی زینبؑ نام ہے ــــ حسینؑ میں تجھے قیامت تک نہیں مرنے دوں گی ــــ اگر گلی گلی، کوچے کوچے، بازار بازار، تیرے دربار نہ لگوا دیئے تو زینبؑ نہ کہنا ــــ میں دنیا بھر میں تیرے دربار لگوا دوں گی ــــ ساری دنیا سے حسینؑ حسینؑ کرا دوں گی ــــ یہ زینبؑ نے تہیہ کیا ــــ چنانچہ آج یہ زینبؑ کا اقبال ہے کہ اتنا بڑا دربار یہاں لگا ہوا ہے یہ زینبؑ نے کام کیا تھا ــــ

میرے محترم بزرگو ــــ! دسویں کے عصر تک حسینؑ کا کارنامہ تھا ــــ اس وقت حسینؑ اپنا کام کر رہے تھے ــــ عصر تک حسینؑ نے کیا، جو کچھ کیا ــــ پھر عصر تک حسینؑ اپنا کام کر کے اپنے مفتوحہ علاقے میں آرام سے سو گئے ــــ حسینؑ تو سو گئے ــــ اب چارج زینبؑ نے سنبھال لیا ــــ لاشے پہ رونے نہیں آئی تھی ــــ آئندہ زندگی کا چارج لینے آئی تھی کہ حسینؑ اب میں چارج لے رہی ہوں ــــ چنانچہ زینبؑ نے چارج لیا ــــ حسینؑ میں اپنی فوج لے کر شام جا رہی ہوں ــــ اگر دنیا کے سب سے بڑے ہز مجسٹی نے دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کے نام کو گالی نہ بنوا دوں تو زینبؑ نہ کہنا ــــ

لے حسینؑ میں جا رہی ہوں شام ـــــ لو بھائیو! چند فقرے سن لو ـ ـ خدا تمہیں سلامت رکھے ـــــ زینبؑ گیارہ تاریخ کو تیار ہو گئی شام جانے کے لئے ـــــ اور زینبؑ نے اپنی فوج کو لائن میں کھڑا کر دیا ـــــ حسینؑ اگر مناسب سمجھے تو ذرا میری فوج کا معائنہ کر لے، جو فوج لے کے جا رہی ہوں اتنی بڑی سلطنت فتح کرنے ـــــ اور حسینؑ، افواجِ قاہرۂ زینبیہ کا کا معائنہ کرنے کے لئے نیزے پہ سوار ہوئے ـــــ زینبؑ کی فوج دیکھی ـــــ ایک لائن میں بیوہ عورتیں ـــــ ایک صف میں یتیم بچے ـــــ چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس بچے ـــــ یاد رکھنا نوجوانو ـــــ گیارہ محرم کو کربلا میں کتنے تھے؟ چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس بچے ـــــ ایک لائن میں عورتیں کھڑی تھیں ـــــ ایک لائن میں بچے کھڑے تھے ـــــ حسینؑ نے زینبؑ کی فوج کو دیکھا ـــــ ماشاء اللہ زینبؑ بڑی عجیب فوج ہے ـــــ کہ حسینؑ ذرا میری فوج کی وردی بھی دیکھو ـــــ اب جو فوج کی وردی دیکھی تو حسینؑ نے نیزے پہ آنکھیں بند کر لیں ـــــ وہ دیکھ نہ سکے۔ ـــــ وردی کیا تھی؟ گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے، سر کھلے ہوئے ـــــ یہ زینبؑ کی فوج کی وردی تھی ـــــ اس فوج کو لے کے جا رہی ہوں یزید کو فتح کرنے حسینؑ ـــــ زینبؑ گیارہ کو روانہ ہو گئی ـــــ فوج میں سپاہی کتنے تھے؟ چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس بچے یتیم، جنہیں لے کے چلی ہے کربلا سے زینبؑ ـــــ جلدی کربلا سے ـــــ روانہ ہو گئی ـــــ ایک فقرہ کہہ کے آگے بڑھوں ـــــ چونسٹھ عورتیں، اڑتالیس بچے لے کے چلی کربلا سے ـــــ میرے بھائیو، میرے عزیزو ـــــ میرے بزرگو، میرے دوستو، جب پہنچی ہے شام میں یزید کے سامنے ـــــ تو بچے عورتیں سب مل کے کل بارہ تھے ـــــ یہ بتاؤ کہاں تلاش کریں! باقی کہاں گئے؟ ہماری چونسٹھ عورتیں کہاں گئیں؟ ہمارے بچے کہاں رہ گئے؟ یہاں سے وہاں تک اس راستے میں قبریں بنی ہوئی ہیں ـــــ اگر کوئی جائے اس راستے سے جس سے اہلِ بیتؑ گئے تھے ـــــ کہیں بچوں کی قبریں، کہیں خواتین،

کی قبریں ـــ اس طرح پہنچی ـــ کوفے کی منزل طے کی، شام کے ملک میں پہنچی ـــ شام کے شہر دمشق میں داخل ہوئی۔ ـــ جہاں جہاں بیٹھے ہو بھئی ـــ دمشق بڑا شہر ہے ـــ پوری طرح آراستہ کیا گیا اس شہر کو ـــ کہ آج زینبؑ نے گذرنا ہے ـــ شہر سجایا گیا ـــ بازار آراستہ کئے گئے ـــ حکومت کا حکم ہے کہ کوئی آدمی آج گھر میں نہ بیٹھے ـــ عورتیں چھتوں پر، بازاروں میں، دکانوں کے تھڑوں پر ـــ بچے بڑے ـــ بیچ میں سے آلِ محمدؐ کا قافلہ گذرا ـــ آگے آگے نیزوں پہ سر، پیچھے پیچھے قیدی ـــ کبھی اِس بازار میں ـــ کبھی اُس بازار میں ـــ تقریباً ایک ہفتہ دمشق شہر کے مختلف بازاروں میں ان کو پھرایا گیا ـــ اس ایک ہفتے تک یزید اپنا دربار بناتا اور سجاتا رہا ـــ پنڈال بنایا گیا ـــ قناتیں لگائیں گئیں ـــ سائبان لگائے گئے ـــ تمام دنیا کے سفیر اور امراء بلائے گئے اپنی حکومت کے امراء بلائے گئے ـــ سات سو کرسیاں بچھائی گئیں ـــ نیچے فرش پہ آدمی بٹھائے گئے ـــ جب دربار پوری طرح آراستہ ہو گیا تب حکم ہوا کہ قیدیوں کو لے کر آؤ ـــ اب قیدی دربار میں آئے ـــ سن رہے ہو نا بھئی؟ قیدی دربار میں آئے ـــ اور اس مجلس میں جتنے سیّد بیٹھے ہیں، ان سے پوری معافی کے بعد ـــ میں اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دربار میں زینبؑ کی طلب ہو گئی ـــ زینبؑ کو دربار میں بلایا گیا ـــ پنڈال بنا ہوا تھا ـــ عظیم الشان پنڈال تھا ـــ سات سو کرسیاں لگی ہوئی تھیں، سینکڑوں آدمی فرش پہ بیٹھے تھے اور اس کے صدر گیٹ سے لے کے دو دو فرلانگ تک دو طرفہ قناتیں تھیں ـــ ان قناتوں کے ساتھ اندر کی طرف ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے تھے تاکہ بچے اور عورتیں جب ان سپاہیوں کے بیچ سے گذریں تو اتنے ڈر جائیں کہ جب یزید کے سامنے آئیں تو فوراً سجدہ کریں ـــ بے سہارا عورتیں، سہمے ہوئے بچے ـــ جب پہنچے امام زین العابدینؑ ان قناتوں کے

کے قریب قافلہ کو لے کے اور یہاں سے وہاں تک سپاہی کھڑے ہوئے دیکھے — تو آپ نے فرمایا — پھوپھی اماں کیا ارادہ ہے؟ — زینبؑ نے کہا — "بیٹا ڈرو نہیں — میں تمہارے آگے چلتی ہوں، تم میرے ساتھ آ جاؤ" — زینبؑ آگے امامؑ پیچھے — جس سپاہی کے قریب سے گزرتیں وہ تھر تھر کانپتا، تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی — یہ سارا راستہ طے کیا — جب بالکل پنڈال کے دروازے پہ پہنچے اور اندر کی جھلک دیکھی کہ سات سو کرسی پہ بیٹھے ہوئے ہیں لوگ — یزید بیچ بیٹھا ہے — یہ منظر دیکھ کے کہتے ہیں — "پھپھی! اب تو اندر جانے کی میری ہمت نہیں ہے — مجھ سے اب نہیں جایا جاتا اندر — میں اب نہیں جاؤں گا" — امامؑ نے فرمایا — "اماں جو آپ کی مرضی" — زینبؑ رکی ہی تھیں دروازے پہ — کہ ایک شخص طشت میں حسینؑ کا سر لے کے گزرا — سر جو زینبؑ کے قریب سے گزرا — زینبؑ کو دیکھا — سر کے لب ہلے — "زینبؑ میری خاطر آؤ — کوئی بات نہیں — میں جو ساتھ ہوں" — دربار میں چلی گئیں — ایک طرف سر رکھ دیا گیا — ایک طرف قیدی کھڑے ہو گئے — بچے ہیں — بڑے ہیں — سب کھڑے ہیں — دو تین گھنٹے گزر گئے قیدیوں کو کھڑے کھڑے — نہ ان سے کوئی بات کرتا ہے — مسلمانو! میری بات غور سے سننا — جب دو تین گھنٹے کے بعد اپنے شغل سے فارغ ہوا تو یزید پوچھتا ہے — "یہ ہیں قیدی؟ کہاں —؟ ان قیدیوں میں فاطمہؑ کی بیٹی کون سی ہے؟ — ان قیدیوں میں — فاطمہ کی بیٹی کونسی ہے؟ — اس کے جواب میں کوئی اور نہ بولا — بس ایک دم فاطمہؑ کی بیٹی آگے بڑھی — اور — پورے جوش سے کہتی ہے —

"او ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے ذلیل بچے خبردار! اس نجس زبان سے میری ماں کا نام نہ لینا" — اتنا بڑا سخت جواب سن کر — یزید گھبرا گیا — شہنشاہیت

رخصت ہوگئی ــــ چہرے پہ پسینہ آگیا ــــ حواس گم ہوگئے ــــ پریشان ہوگیا ــــ اور پریشان ہو کے کہتا ہے ــــ زینبؑ! تم نے بڑے جوش میں بات کہی" ــــ لعین: میں کیا کہوں، میرا تو سارا جوش و طاقت کربلا میں رہ گئی ــــ مگر یاد رکھ ــــ تیرے دربار میں آکر مجھے حسینؑ کی موت بھی بھول گئی ــــ یہاں وہ مصیبت مجھ پہ گذری ہے" ــــ یہ شریفوں کے سننے کی بات ہے ــــ یزید کہتا ہے ــــ "یہاں کیا مصیبت گذری، کہ اس سے بڑھ کر بھی اور کوئی مصیبت ہوگی کہ میں زینبؑ ــــ اور تجھ سے بات کروں ــــ بتا اس سے بڑھ کے کیا مصیبت ہوگی کہ میں تیرے ساتھ بات کر رہی ہوں"؟ ــــ اب تو وہ بالکل ہی گھبرا گیا ــــ یہ دو چار فقرے بی بی نے کہے ــــ دربار تھا دور تک لگا ہوا ــــ دربار کے اُدھر ــــ کونے میں ــــ رسولؐ کا ابو درداؑ صحابی، ــــ نابینا ــــ وہ بھی بیٹھا تھا ایک کرسی پہ ــــ اُس نے اپنے ساتھ والے سے پوچھا ــــ بھائی میں تو نابینا ہوگیا ــــ مجھے سمجھ نہیں آئی ــــ یہ قصہ کیا ہے ــــ یہ علیؑ کہاں سے آگئے؟ یہ بالکل علیؑ کی آواز ہے ــــ میں نے پہچان لیا یہ علیؑ بول رہے ہیں ــــ اُس کے ساتھی نے کہا ــــ بابا یہ علیؑ نہیں ــــ کہ پھر علیؑ کا کوئی بیٹا ہوگا؟ حسینؑ ہے؟ عباسؑ ہے؟ کون بول رہا ہے؟ اس ساتھ والے نے دبایا "بابا چپ کا رہ ــــ علیؑ کا بیٹا نہیں، علیؑ کی بیٹی ہے" ــــ اب تو بڈھے صحابی نے بے چین ہو کے کہا ــــ کون سی بیٹی، کہ علیؑ کی بڑی بیٹی، زینبؑ ــــ" ہیں!!! ــــ زینبؑ دربار میں کیسے آگئی؟ ــــ وہ دربار میں کیوں آگئی؟" ــــ تو ساتھی نے کہا ــــ" بابا خود آئی ہی نہیں، ننگے سر بھی ہے اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں"۔ بس یہ سننا تھا کہ رسولؐ کا صحابی بے چین ہو کے اپنی کرسی سے اٹھا اور وہیں سے اُس نے آواز دی ــــ

زینبؑ ڈرنا مت، میں آرہا ہوں ــــ زینبؑ گھبرانا نہیں، میں آرہا ہوں ــــ میں تیرے نانا کا صحابی ہوں زینبؑ ــــ میں آرہا ہوں زینبؑ ــــ گھبرانا نہیں" ــــ یہ کہہ کے

جو بڑھا صحابی چلا وہاں سے ـــــ نابینا تھا ـــــ کرسیوں سے ٹکراتا ہوا ـــــ
بیٹھنے والوں سے ٹکراتا ہوا ـــــ دربار کا نقشہ درہم برہم ہوگیا ـــــ لوگ اٹھ کے کھڑے
ہوگئے ـــــ اس بڈھے کو آتا دیکھ کے ـــــ جب سب لوگ کھڑے ہو گئے
ـــــ دربار منتشر ہوگیا ـــــ تو زینبؑ آگے بڑھ کر ذرا اونچی جگہ کھڑی ہوگئی ـــــ
اور اونچی جگہ کھڑے ہو کے سر کے جھٹکے سے چہرے کے بال ہٹائے ـــــ تو یہ میرے
بیان کا آخری فقرہ ہے دوستو ـــــ بال ہٹا کے چہرے سے پوچھتی ہے ـــــ
اے دربار والو ـــــ اے ہمارے چاروں طرف کھڑے ہونے والو ـــــ یہ بتاؤ تم ہندو
ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ـــــ اوعیسائی ہو؟ مجوسی ہو؟ یہودی ہو؟ کیا ہو؟ انہوں نے
کہا نہیں، ہم سب مسلمان ہیں ـــــ سات آٹھ سو آوازیں برابر آئیں ـــــ کہ ہم سب
مسلمان ہیں ـــــ سُنا ہے نا ـــــ آٹھ سو آوازیں ـــــ ہم سب مسلمان ہیں ـــــ
"مسلمان ہو؟" "کس کا کلمہ پڑھتے ہو؟" ـــــ ایک ہزار آوازیں بیک وقت آئیں کہ
محمدؐ کا ـــــ اُدھر انہوں نے محمدؐ کا نام لیا ـــــ ادھر بی بی نے کہا
محمدؐ کا کلمہ پڑھنے والے بے غیرتو ـــــ سامنے آؤ اور محمدؐ کی بیٹی کا تماشا
دیکھو ـــــ آؤ محمدؐ کی بہو بیٹیوں کا تماشا دیکھو ـــــ او بے غیرتو آؤ ـــــ محمدؐ
کی بیٹیوں کے کھلے سر دیکھو ـــــ لوگ دیواروں سے سر مار رہے تھے ـــــ
زینبؑ ہمیں پتہ نہیں تھا ـــــ ہمیں علم نہیں تھا ـــــ اور اس کے بعد یزید کو دربار
کرنا میسر نہ ہوا ـــــ یہ اس کا آخری دربار تھا ـــــ اتنی بڑی فتح حاصل کی جو آج تک
فتح ہے ـــــ اب یہ سارے مجمع سے میں کہہ رہا ہوں ـــــ جانتے ہو تم محمدؐ کے
بچوں کی عزاداری کے لئے آئے ہو ـــــ تم محمدؐ کے بیٹوں کی عزاداری کے لئے
آئے ہو ـــــ تم محمدؐ کے بچوں کو رونے کے لئے آئے ہو ـــــ جس نے مجلس
کی ہے اس کا شکریہ ـــــ اس نے صفِ ماتم بچھا دی محمدؐ کے بچوں کے لئے

آنے والو خدا انہیں اجرِ عظیم دے ـــــ خدا انہیں اسکا بڑا ثواب دے ـــــ
تم رونے کے لئے آگئے ـــــ دیکھو بیٹا ہنسے بولنے کے لئے، تماشے کے لئے،
سارا سارا دن گذار دینا اور بات ہے اور رونے کے لئے گھر سے آکے بیٹھنا اور
بات ہے ـــ یہ تمہاری محبت کی دلیل ہے ـــ تم سے محمدؐ خوش ہیں ـــــ
محمدؐ کا اللہ خوش ہے ـــ اگر کوئی عملِ نیک ہے تمہارے نامۂ اعمال میں تو بس یہی رونا
ہے ـــ یہی مجلس ہے ـــ اللہ اسے قبول کرے ـــ خدا اسے منظور کرے ـــــ
خدا ان گھروں کو آباد رکھے جہاں فاطمہؑ کے اجڑے ہوئے گھر کا ذکر ہوتا ہے ـــ سیدو،
خدا شاہد ہے، ہمارا گھر ایسا اجڑا کہ دنیا میں کسی کا گھر ایسے نہ اُجڑا ـــ ہم ایسے برباد
ہوئے اس دنیا میں کہ اس طرح کوئی برباد نہ ہوا ـــ ہم ایسے ویران ہوئے، کوئی
ایسا ویران نہ ہوا ـــ ہماری قبروں سے قبریں نہ ملیں ـــ گھر سے گھر نہ ملے ـــ کوئی
کربلا ہے، کوئی کاظمین ہے، کوئی نجف میں ہے ـــ جب وہاں سمائی نہ ہوئی تو کوئی ـ
بی بی لاہور میں ہے ـــ ہم اُجڑ گئے ـــ برباد ہوگئے ـــ ایسا کوئی گھر تباہ نہ ہوا
جیسا ہمارا گھر تباہ ہوا ـــ ایسا کوئی گھر برباد نہ ہوا جیسا ہمارا گھر برباد ہوا ـــــ
فاطمہؑ کے گھر کی بربادی پہ رونے والو اللہ تمہارے گھروں کو آباد رکھے ـــ اللہ تمہارے
بچوں کو بڑی ترقی دے ـــ اللہ تمہارے بچوں کو سلامت رکھے ـــ تمہیں سب کو
خوش رکھے ـــ بحق محمدؐ و آل محمدؐ ـــ میں آپ حضرات کا ایک دفعہ پھر شکریہ
ادا کردوں آپ تشریف لائے ـــ آپ کے آنے کا میں بڑا شکر گذار ہوں ـــ پولیس
کے جوانو تمہارے انتظام کا بھی شکریہ، فوج کے جوانو، تم لاریوں میں بیٹھ کے آئے
ہو ـــ تمہارا بھی بہت شکریہ ـــ بچو ـــ بڑو ـــ جس طرح بھی تم آئے ہو تمہارا
شکریہ ـــ دیکھو بیٹا ـــ سفید داڑھی کے بوڑھے، کمر جھکی ہوئی ـــ لکڑی
ٹیکتے چلے آرہے ہیں ـــ بابا کہاں جا رہے ہو؟ کہ فاطمہؑ کے بیٹوں کو رونے

—— عورتیں برقعہ پہنے ہوئے، بچّے اٹھائے ہوئے چلی آرہی ہیں —— بی بی کہاں جا رہی ہیں —— بی بی کہاں جارہی ہے؟ کہ بی بیؑ کے بچّوں کو رونے جارہی ہوں —— اس سے بڑھ کے کوئی عبادت نہیں دُنیا میں —— اللہ تمہاری اس عبادت کو قبول کرے اللہ تمہاری اس سعی کو مشکور کرے —— اللہ تمہاری اس مجلس کو قبول کرے —— بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ —— آمین ———

—— o O o ——

موت و حیات

عنوان

فضائل :- موت و حیات

مصائب :- امام موسیٰ کاظمؑ

کبھی گزرا ہوں جو بغداد کے بازاروں سے
لاشیں زندہ کے ابھرنے لگیں دیواروں سے

سید جعفر طاہر

حضرات! کافی دیر سے آپ مجلسِ عزا میں تشریف فرما ہیں ـــــ میں سمجھتا ہوں کہ اتنی دیر تک بیٹھنے سے اب آپ حضرات کافی تھک چکے ہوں گے ـــــ اور میں کوئی مجلس پڑھنے اس وقت حاضر نہیں ہوا آپ کی خدمت میں ـــــ بلکہ اختتامِ مجلس پر شکریہ کے الفاظ ادا کرنے حاضر ہوا ہوں ـــــ میری آواز پہنچ رہی نا جناب؟ (ابھی یہ آواز نہیں جا رہی بیٹا) اچھا اب جا رہی ہے آواز ـــــ دیکھو میرے معزز سامعین! میں جو بھی بات کر رہا ہوں میرے اور آپ کے درمیان یہ ذاتِ شریف وسیلہ ہے ـــــ یہ چاہیں تو میری آواز پہنچائیں چاہیں تو نہ پہنچائیں ـــــ اگر وسیلہ ٹھیک ہو تو کام ٹھیک ہوتا ہے ـــــ وسیلہ غلط ہو تو کام غلط ہو جاتا ہے ـــــ اس وسیلے (لاؤڈ سپیکر) کا اس لئے اعتبار نہیں کہ یہ کرائے کا وسیلہ ہے ـــــ بہر نوع ـــــ خدا کرے یہ کام دیتا رہے ـــــ خدا کرے یہ آپ تک میری آواز پہنچاتا رہے ـــــ ہاں تو میں اس عرض سے آغاز کرتا ہوں کہ ہر انسان تین چیزوں سے مل کر انسان بنتا ہے ـــــ ایک جزو کا نام ہے ـــــ روح، ایک جزو کا نام ہے ـــــ نفس ـــــ نفسِ ناطقہ ـــــ روح و نفس و جسم ان تینوں چیزوں کے مجموعے سے انسان، انسان بنتا ہے ـــــ میری بات پہ غور فرمایا آپ نے ـــــ آپ اور ہم سب ان تین چیزوں سے مل کر بنتے ہیں ـــــ ایک جسم ہے ـــــ ایک روح ہے ـــــ ایک نفسِ ناطقہ ہے ـــــ پوری توجہ ہے نا صاحبان ـــــ جسم جو ہے ـــــ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں ـــــ اس کے سنتا ہے چار جزو ہیں ـــــ سنتا ہے ـــــ میں نے اس لئے کہا کہ اصلی بات ڈاکٹر صاحبان اور کئی حضرات جانتے ہیں ـــــ ہم ملا لوگ تو سنی سنائی بات کرتے ہیں ـــــ سنا ہے کہ جسم

سے کے چار جزو ہیں چار عناصر ہیں کیا کیا ہیں وہ چار عناصر بھئی ؟
جن سے جسم بنتا ہے وہ اربعہ عناصر کیا ہیں ؟ آگ ، پانی ، مٹی ، ہوا
لو جی میں بوڑھا ہوگیا چار کے نام ہی یاد نہیں اللہ جانے کیا کیا ہیں
ان چار سے انسان کا جسم بنا ہے۔ ایک آگ ایک کیا؟ پانی
ایک کیا ؟ مٹی ایک کیا ؟ ہوا یہ چار جب آپ کے بادا
آدمؑ بنے تھے وہ بھی انہی چار سے بنے تھے تو فرشتوں نے دیکھ کے کہا تھا
کہ یا اللہ یہ پُتلا جو ان چار سے بنا ہے ضرور فساد کرے گا کیوں فساد
کرے گا ؟ کہ یہ ایسے چار اکٹھے ہوئے ہیں جن کا خاندان مختلف ، قبیلہ مختلف ،
نسل الگ ، قوم الگ ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں بے جوڑ ا ،
چار کب تک اکٹھے رہیں گے بہر نوع ہم ان چار سے مل کر بنے ہیں
اب آپ نے کہا ہے کہ آپ کے جزو چار ہیں مجھے تو یاد نہیں ایک
آگ ایک پانی ، ایک مٹی ، ایک ہوا مگر جس سے میں پوچھتا ہوں کہ
بھئی تم کون ہو کہ جی میں تو خاکی بندہ ہوں کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں ہوائی بندہ ہوں
حالانکہ آپ کہتے ہیں کہ ہوا بھی ہے ہمارے اندر کوئی نہیں کہتا میں تو
جناب آبی بندہ ہوں کسی نے اپنے آپ کو ناری نہیں کہا آج تک لڑنے
کو تو چار اور نام لینے کو ایک بہر نوع ان سے ہمارا جسم بن گیا دوسرا
جزو ہے ہمارا نفس اس کے بھی اجزا ہیں وہ بڑی لمبی تشریح ہے ،
وہ سناؤں تو وقت بڑا لگے گا اس کے بھی اجزاء ہیں وہ بڑی لمبی
تشریح ہے اسی طرح رُوح ہے ۔ میرے محترم بھائیو جسم کو بھی غذا کی ضرورت
ہے ، نفس کو بھی غذا کی ضرورت ہے روح کو بھی غذا کی ضرورت ہے
یہ تینوں چیزیں زندہ رہیں تو جسم زندہ رہتا ہے اگر کوئی انسان روح

کو تو بہت غذا دے دے اور جسم کو تباہ کر دے ــــــ اُس نے وَن تھرڈ انسانیت تباہ کر دی ــــــ اور اگر کوئی جسم کو پالتا ہے تو یہ بھی غلط۔ ہر چیز کو پالنا چاہیئے ــــــ اب یہ بتایئے کہ یہ جو موت آتی ہے ــــــ جو انسان مرتا ہے ــــــ وہ کیا شے ہے؟ کیوں بھئی کیا چیز ہے وہ؟ موت کیا ہے؟ بولو نا بھئی، موت کیا ہے؟ آپ اس لیئے نہیں بتا رہے کہ جو بتا رہے ہیں انہوں نے ابھی موت کو دیکھا نہیں۔ جنہوں نے دیکھ لیا وہ آ کے بتاتے نہیں ــــــ اس لئے پتہ ہی نہیں چلتا کہ موت کیا ہے ــــــ ہے ایسی ضروری چیز موت ــــــ ایسی ضروری چیز ــــــ کہ جو اللہ کو نہیں مانتے ــــــ وہ موت کو مانتے ہیں ــــــ اتنی ضروری ہے ــــــ اور انسان کے ساتھ تو ایسی چپٹی ہوئی ہے موت ــــــ انسان ہی نہیں، ہر شے کے ساتھ ــــــ معاف کرنا بھائیو ــــــ ابھی ہمارے جناب جسٹس صاحب تقریر کر رہے تھے ــــــ اللہ جانے وہ مجلس میں ہیں یا چلے گئے ــــــ اگر وہ ہوتے تو میں اُن سے پوچھتا کہ ہم نے کیا گناہ کر لیا ــــــ ہم نے کیا جُرم کر لیا ــــــ اس دُنیا میں آنا کوئی ایسا گناہ ہو گیا ہم سے کہ چاہے یہاں ایک سانس لو چاہے لاکھ سال کی عمر پاؤ ــــــ سزائے موت ضروری ہے ــــــ حرام ہے کہ اور کوئی سزا ہوتی ہو ــــــ جیل وغیرہ کی ــــــ سیدھی سزائے موت ہوتی ہے ــــــ آئے ہو تو مرنا پڑے گا ــــــ سمجھے ــــــ جانا پڑے گا ــــــ چاہے مر جاؤ، مرنا پڑے گا ــــــ لازمی مرنا پڑے گا ــــــ خوشی سے نہیں جاؤ گے ــــــ چار بندے اٹھا کے لے جائیں گے ــــــ بہر حال مرنا پڑے گا ــــــ یہ مرتی کیا شے ہے ــــــ جسم جو ہے انسان کا ــــــ یہ تو ہے ہی مرا ہوا ــــــ یہ کبھی زندہ ہوتا ہی نہیں ــــــ یہ جسم جسے کہتے ہیں ــــــ اور روح جس چیز کا نام ہے ــــــ وہ ہمیشہ، جب پیدا ہو چکی، وہ زندہ ہے اور زندہ ہی رہے گی ــــــ روح نے مرنا نہیں، جسم نے جینا نہیں ــــــ پھر مرتی کیا شے ہے

اس کی تشریح ہمارے خالق نے کی ـــــ کہ نہ جسم کو موت ہے نہ روح کو موت ہے
ـــــ روح ہمیشہ زندہ رہے گی ـــــ جسم میں زندگی ہے ہی نہیں ـــــ لہٰذا موت
کا سوال ہی نہیں ـــــ مرتی کیا شے ہے ـــــ اس نے بتایا ـــــ کہ سنو، مرتی کیا
شے ہے؛ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت وہ تیسرا جزو جو نفس ہے وہ موت کو
چکھتا ہے ـــــ مرتا وہ بھی نہیں ـــــ کیا دلیل ہوگی نہیں مرتا؟ مرنے والے چکھا
نہیں کرتے ـــــ موت کو چکھتا ہے وہ ـــــ نفس موت کو چکھتا ہے ـــــ مرتا
وہ بھی نہیں ـــــ زندہ رہتا ہے ـــــ پھر زندہ کس طرح رہتی ہیں یہ چیزیں
ان کے زندہ رہنے کے بڑے طریقے ہیں قبلہ ـــــ جسم الگ ہوگیا ـــــ نفس الگ
ہوگیا ـــــ روح الگ ہوگئی ـــــ جسم مٹی میں مل گیا ـــــ نفسِ ناطقہ عالم برزخ میں
چلا گیا اور روح جو تھی وہ کہاں گئی ـــــ وہ "یاد" بنی ـــــ فقرہ مرا بار رکھنا ـــــ
مرنے والے کا جسم مٹی میں گیا ـــــ نفس عام برزخ میں گیا ـــــ جسم مٹی میں چلا جاتا
ہے۔ اور روح یاد بن کے چاہنے والوں کے دل میں سما جاتی ہے ـــــ اسے یاد رکھتے
ہیں اور وہ یاد رہتا ہے ـــــ توجہ ہے نا صاحبان ـــــ یہ روح کی شان ہے ـــــ
اور میں اس گفتگو کو مختصر کروں ـــــ موت و حیات کی گفتگو تو بڑی لمبی، طویل ہے
ـــــ کہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ، جن کے ہم غلام ہیں اور جن کے اوپر ہمارا ایمان
ہے ـــــ جن کی تعلیم کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں ـــــ انہوں نے موت و حیات
کے انداز و فلسفے ہی بدل دیئے سارے ـــــ بہر نوع، حضرات محمدؐ و آل محمدؐ
نے اس کی شان ہی عجیب بیان کی ہے ـــــ وہ دو جملے میں حضرات محمدؐ و آل محمدؐ
کی شان میں کہدوں ـــــ تو حضراتِ محمدؐ و آل محمدؐ اپنا تعارف کیا کراتے ہیں؟ کہ
کہ محمدؐ فرماتے ہیں ـــــ کہ میں محمدؐ اور آل محمدؐ ہم سب ایک نور سے

ہیں ـــــ کیوں بھئی یہ سنا ہے کہ نہیں؟ ٹھیک ہے نا؟ کہا ہے نا انہوں نے؟ تو برابر ہو گئے نا؟ جب ایک نور سے ہیں تو ہو گئے نا سب برابر؟ انہوں نے کہا نا؟ ہیں تو ایک ہی نُور سے ـــــ مگر اتنا اچھا فقرہ کہا ـــــ یہ خطاب کیا ہے آلِ محمدؐ کے فردِ اعلیٰ، علیؑ کو ـــــ یا علیؑ تو اور میں ایک نور سے ہیں ـــــ تو علیؑ کا سینہ تن گیا ہوگا نا یہ سُن کے کہ میں جب ایک نُور سے ہوں تو برابر ہو گیا ـــــ سمجھے نا جناب ـــــ اگلا فقرہ فرمایا ـــــ انا شمسٌ وانتك القمر۔ نور تو ایک ہی ہے میں شمس ہوں تو قمر ہے۔ میری بدولت تو روشن ہے فرق ہو گیا یا نہیں ہو گیا؟ اب شمس و قمر میں کیا فرق ہے قبلہ؟ رسولؐ شمس ہیں، علیؑ قمر ہیں ـــــ شمس و قمر میں فرق یہ ہے ـــــ کیوں بھئی کبھی آپ نے یہ جھگڑا سنا ہے کہ کل شمس نکلا تھا یا نہیں؟ کیوں بھئی کبھی جھگڑا سنا ہے ـــــ کیوں بھئی کل سورج ہوا تھا یا نہیں ـــــ سُنا ہے؟ نہیں نا؟ سورج میں سب متفق رہتے ہیں ـــــ چاند کی باری آئی تو اختلاف ہو گیا ـــــ ہوتا ہے یا نہیں؟ اختلاف ـــــ بتاؤ آج چاند ہوا یا نہیں؟ اختلاف ہوتا ہے یا نہیں ـــــ اللہ جانے چاند ہوا یا نہیں؟ ـــــ پھر اختلاف ہوتا کب تک ہے؟ پہلی کو جھگڑا ہوا پتہ نہیں آج پہلی ہے یا دوسری؟ دوسری کو جھگڑا ہوا ـــــ تیسری کو جھگڑا ہوا ـــــ تیسری تک جھگڑ کے سب خاموش ہو گئے ـــــ کہ بھئی خاموش رہو ـــــ چاند کا فیصلہ چودھویں پہ ہوگا ـــــ جب چودھواں آئے گا اب پتہ چلے گا کہ تاریخ کیا ہے؟ چودھویں تک چاند میں جھگڑا ہوتا ہے ـــــ ہے یا نہیں ایسا ہی؟ ـــــ جہاں چاند ہے وہیں کہیں سورج بھی ہے ـــــ مگر کبھی آج تک آپ نے سنا کہ بھئی آج سفر نہ کرنا ـــــ میاں آج شمس در عقرب ہے ـــــ سُنا ہے کبھی؟ آج سورج عقرب میں ہے ـــــ سنا ہے کبھی آپ نے؟ اور قمر در عقرب؟ سُنتے ہو یا نہیں؟ عقرب

کیا ہے؟ ___ کچھ ستارے ہیں منحوس ___ سُنا ہے ___ جب تک سورج رہتا ہے ___ یہ منحوس نامراد اللہ جانے کہاں چھپے رہتے ہیں ___ جہاں قمر کا زمانہ آیا عقرب بھی آگیا ___ کیا ہوا جی، قمر در عقرب ہے ___ یہ ہوتا ہے قمر در عقرب ہوتا ہے ___ یہ کتنے دن رہتا ہے قمر در عقرب؟ ___ کتنے دن؟ صرف تین دن ___ قمر در عقرب صرف تین دن رہتا ہے ___ جہاں تین دن گذرے ___ اے لو ___ قمر در عقرب ختم ہوگیا ___ یہی قمر در عقرب ہے ___ چاند یہ ___ سمجھ میں آرہا ہے نا صاحبان ___ اب تمہیں پتے کی ایک اور بات بتادوں ___ اُسے بڑے غور سے سُننا ___ اور اس کے بعد میں اپنا بیان ختم کر دونگا ___ سورج میں ایک صفت اور ہے ___ وہ طلوع بھی ہوتا ہے اور غروب بھی ہوتا ہے ___ یہ صفت ہے یا نہیں شمس کی ___ غروب بھی ہوتا ہے، طلوع بھی ہوتا ہے ___ کیوں بھئی سورج نکلتا بھی ہے صبح کو اور شام کو غروب بھی ہوتا ہے ___ ہے نا یہ صفت شمس کی ___ فرق یہ ہے کہ جب شمس طلوع کرتا ہے تو بند دروازے کھل جاتے ہیں ___ یہی ہوتا ہے نا؟ بند دوکانیں کھل جاتی ہیں ___ کاروبار جاری ہو جاتا ہے ___ لوگ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں ___ تمام دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے ___ یہ شمس کے چمکنے کا زمانہ ہے ___ اور جب شمس غروب ہوتا ہے ___ کھلے دروازے بند ہو جاتے ہیں ___ کاروبار بند ہو جاتے ہیں ___ جب تک شمس کا وجود ہے اس وقت تک سچوں کا دور ہوتا ہے ___ جہاں شمس غروب ہوگیا اب چور کی باری آجاتی ہے ___ یہ میں شمس کی بات کر رہا ہوں ___ کوئی اور خیال اپنے دل میں نہ لانا ___ یہ ہے شمس کی حالت ___ تو میرے محترم سامعین ___ شمس کے طلوع سے دُنیا کو فائدہ ___ شمس کے طلوع سے دُنیا آباد ___ شمس کے آباد ہونے سے دنیا میں آبادی ___ جہاں شمس غروب ہوا ایسا اندھیرا آجاتا ہے کہ بس کیا

بتاؤں ـــــ پورا اندھیرا ہوتا ہے ـــــ آپ کہیں گے ستارے جو ہیں ـــــ ہزاروں ستارے اسی شمس کی روشنی کی بدولت چمکتے ہیں ـــــ مگر اس کا پہچان کون کرے کہ ان میں منحوس کتنے اور نیک کتنے ـــــ اصلی حیات کا مرکز شمس ہے ـــــ اصلی زندگی کا مرکز شمس ہے ـــــ اصلی توانائی کا مرکز شمس ہے ـــــ یہ طلوع رہے تو اس کی شان اور ہوتی ہے غروب ہو جائے تو دنیا میں اندھیرا آ جاتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے قبلہ ـــــ کبھی کبھی اس کو گرہن بھی لگ جاتا ہے ـــــ آپ نے بھی دیکھا ہوگا سورج کو گرہن لگتے ہوئے ـــــ ہوتا ہے، مگر گرہن لگ جاتا ہے یہ بھی ہوتا ہے ـــــ چنانچہ جب بھی ہمارے کسی امام کی شہادت ہوئی ہے ـــــ اس دن سورج کو ضرور گرہن لگا تھا ـــــ ضرور لگا تھا ـــــ جب بھی شہادت ہوئی ہے ـــــ آج حضور امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے ـــــ امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کی تاریخ ہے آج صاحبان ـــــ آج آپ کے امام کی شہادت کی تاریخ ہے ـــــ سب ہے نا؟ اور آج آپ شمس کا چہلم بھی کر رہے ہیں ـــــ گویا امامؑ کی شہادت بھی ہے اور شمس کا گرہن بھی ـــــ ضرور گرہن ہوتا ہے شمس کو امامؑ کی شہادت کے دن۔

میرے محترم بزرگو، بھائیو، عزیزو ـــــ میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں یہ کہہ کے آپ حضرات میں سے سینکڑوں ایسے ہونگے ـــــ ان سامعین میں ـــــ جنہوں نے چند دن پہلے شمس کا جنازہ دیکھا ہوگا ـــــ دیکھا تھا نا؟ ـــــ کیوں بچو دیکھا تھا؟ کتنے آدمی تھے؟ کوئی کتنا تھوڑا ہی تھا آپ جیسے ہزاروں آدمی تھے۔ اتنا بڑا جنازہ تھا یا نہیں؟ جنازہ دیکھا تھا نا؟ اور اس جنازے کے مقابلے میں آپ یہ جنازہ بھی دیکھ لیں ذرا کہ آپ کا امامؑ قید خانے میں زہر سے شہید ہو گیا ـــــ گھر میں نہیں ـــــ بال بچوں میں نہیں ـــــ قید خانے میں ـــــ جب

امامؑ کی شہادت ہو گئی ـــــ چار مزدور جنازہ اٹھا کے دجلے کے پل پہ رکھ آئے

صرف چار مزدور ـــــ آج کے دن ایسا جنازہ بھی اٹھا تھا ـــــ سمجھے حضور والا ـــــ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ آج ہم چار مزدوروں والے جنازے کا واسطہ دے کر اپنی اموات کے لئے دعا کرتے ہیں ـــــ کہ خداوندا اس غریب جنازے کے صدقہ میں ہمارے والوں پہ رحم فرما ـــــ ان کے درجات کو عالی کر ـــــ ان کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا ـــــ ان کو بارہ امامؑ کی خدمت میں پہنچا ـــــ یہ امام کی خدمت کرتے رہے ساری عمر ـــــ اور یہ ان کی خدمت میں پہنچیں گے جن کی خدمت کرتے رہے ـــــ اور مظفر علی شمسی میں چالیس سال سے تیرا واقف تھا ـــــ میں نے تجھے خدمتِ آلِ محمدؐ کرتے دیکھا آلِ محمدؐ اپنے خادموں کو کبھی مایوس نہیں کرتے ـــــ ایک سیکنڈ کا خدمت کرنے والا حُر اگر حضرت حُر بن سکتا ہے ـــــ تو چالیس سال کے خادم ـــــ تو خدا جانے کیا بنا دیں اسے ـــــ یہ تو بہتر جانتے ہیں ـــــ خدا ان کے جوار میں جگہ دے ـــــ ان کی خدمت میں پہنچائے ـــــ آؤ سب مل کے دُعا کریں ـــــ دُعا کا وقت ہے ـــــ یہ شہادتِ امامؑ کا دن ہے ـــــ سب مل کے پکارو ـــــ یا اللہ، ہم تیرے دربار میں، تیرے اولیاء کے دربار میں ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں ـــــ ہم بھکاری حاضر ہیں ـــــ ہمیں یہ بھیک عطا فرما کہ ہمارے سب کے گناہوں کو معاف کر دے ـــــ ہماری اموات پہ رحم فرما ـــــ ہمارے جانے والوں کے درجات کو عالی کر ـــــ ہم جو باقی ہیں۔ ہمیں توفیقاتِ خیر عطا فرما ـــــ ہم میں آپس میں اتحاد و اتفاق عطا کر ـــــ ہم سب ایک دوسرے کے جاں نثار ہو کے رہیں ـــــ اللہ دینِ آلِ محمدؐ کی حمایت فرمائے اور کلمہ دینِ آلِ محمدؐ کی حفاظت فرمائے بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ـــــ

ان دعائیہ فقروں اور آپ کے شکریہ کے بعد میں آپ حضرات سے رخصت ہوتا

ہوں ـــــ اب ایک نعرہ لگاؤ پھر فاتحہ پڑھنا ـــــ نعرۂ تکبیر ـــــ نعرہ رسالت نعرۂ حیدری ـــــ کلمۂ ولایت ـــــ کلمہ ولایت ـــــ شاباش ـــــ نعرۂ تکبیر ـــــ نعرۂ رسالت ـــــ نعرۂ حیدری ـــــ کلمۂ ولایت ـــــ اسے پکا یاد رکھنا ـــــ ولایت کا کلمہ ہے ـــــ جو دیسی کے عادی ہیں وہ ولایت سے مانوس نہیں ہوتے ـــــ دیسی وہ ہوتی ہے جو خود بنالیں ـــــ خود بنانے والوں کو کیا پتہ کہ ولایت میں کیا لطف ہے ؟ آپ کلمۂ ولایت کو بالکل یاد رکھیں سمجھے ـــــ خدا انہیں خوش رکھے ـــــ یہ کلمے اسی طرح قائم و دائم رہیں ـــــ

بحق محمدؐ و آل محمدؐ

(۲۱ جولائی ۷۰ء بختیار لیبر ہال نسبت روڈ ۔ لاہور
بر موقع جہلم جناب مظفر علی صاحب شمسی مرحوم)

باب الحوائج

امام موسیٰ کاظمؑ

بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کو عطیات ملتے ہیں ــ ان کے کئی نام ہیں ــ بڑوں میں اللہ بھی ہے ــ ہے اللہ بھی تو بڑا ــ ہے نا؟ ــ اس کی طرف سے بھی عطیات ملتے ہیں۔ ان کے کئی نام ہیں ــ جو اللہ کی طرف سے عطیے ملتے ہیں وہ بعد میں بتاؤں گا ــ پہلے عام بات بتاؤں آپ کو ــ کہ آپ کی صبح سے شام تک ایک مزدور نے مزدوری کی اُسے جو مزدوری ملتی ہے عطیہ عوض کہلاتی ہے ــ اس کا نام ہے عطیہ عوض ــ یہ بدلہ ہے اس کی محنت کا ــ خوب سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات کو ــ اگر اس کی مزدوری جو طے ہوئی ہے آپ نے جو طے کی ہے ایک دو آنہ زیادہ دے دیا جائے ــ یہ کہلاتا ہے فضل ــ سمجھے آپ ــ یہ اس پر فضل ہے ــ یہ جو زیادہ دے دیا ہے یہ کہلاتا ہے فضل ــ اور اگر مزدوری نہیں کی ویسے ہی کوئی کام آپ کا کر دیا ــ باقاعدہ مزدور نہیں تھا ویسے ہی کوئی کام کر دیا آپ کا ــ تو اگر آپ نے کچھ دیا تو وہ نہ مزدوری ہے نہ وہ فضل ہے ــ اسے کہتے ہیں انعام ــ توجہ ہے نا صاحبان ــ وہ کہلاتا ہے انعام۔ اور اگر کسی نے اُس پر ترس کھا کے کچھ دے دیا ــ فاقہ کش تھا بیچارہ ــ ٹھٹھر رہا تھا ــ کپڑا نہیں تھا ــ تو ایسے دینے کو کہتے ہیں ــ کرم ــ ایسا دینے والا کہلاتا ہے کریم ــ توجہ ہے نا صاحبان! ــ

بقول پنجابیوں کے "رج کے پیا" خوب پیا۔ جب پیٹ بھر گیا۔ چھوٹے چھوٹے ننھے ننھے ہونٹوں میں زبان مضبوطی سے پکڑ لی ۔۔۔ بھئی چھوڑ دبھی ۔۔۔ اسی طرح گھر تک پہنچے ۔۔۔ رسولؐ کی گود میں علیؑ ہیں ۔۔۔ گھر والے سب اکٹھے ۔۔ ابی طالب بھی ہیں ۔۔۔ بچے نے آنکھوں آنکھوں میں سب بزرگوں کو گواہ بنایا ۔۔۔ کہ محمدؐ پیدا ہوتے ہی مجھے "زبان" دے چکے ہیں ۔۔۔ اب اس ذکر سے بھی ہماری عبادت ہوگئی ۔۔۔

اب تمام لوگ پوچھنے لگے محمدؐ بچہ کس شکل کا ہے ۔۔۔ محمدؐ خاموش ۔۔۔ آخر گھر کے مالک نے "وحی" کے ذریعے بتلایا ۔ محمدؐ ۔۔ کہہ دو ۔۔ ہاتھ ۔۔۔ "یداللہ ہے ۔۔ آنکھ "عین اللہ" ہے ۔۔۔ زبان ۔۔۔ لسان اللہ ہے ۔۔۔ جسم ۔۔۔ جسد اللہ ہے ۔۔ یہ عجیب بات ہے ۔۔ علیؑ کا ہاتھ ۔۔۔ اللہ کا ہاتھ ۔۔ علیؑ کا چہرہ ۔۔۔ اللہ کا چہرہ ۔۔ علیؑ کا جسم ۔۔۔ اللہ کا جسم ۔۔ علیؑ کی زبان ۔۔ اللہ کی زبان ۔۔۔ تو ارباب ذوق کے لئے ایک فقرہ کہتا ہوں ۔۔۔ کہ الگ الگ اجزا کرو تو اللہ ۔۔۔ اور اتنے اللہ اکٹھے ہو جائیں تو علیؑ ۔۔۔ عجیب بندہ آگیا ۔۔ جیسے آج تک علیؑ والے اللہ کہتے ہیں اور اللہ والے علیؑ کہتے ہیں ۔۔۔ سمجھ میں آیا کہ کیوں سمجھ رہے ہیں کہ ایسے کا ذکر عبادت ہے کہ نہیں ۔۔ تو میں عرض کر رہا تھا ۔۔۔ علیؑ نے محمدؐ کی زبان سے دودھ پیا ۔۔۔ جو علیؑ سے بچ رہا تھا ۔ وہ بچوں نے "باپ کا مال" سمجھ کے پیا ۔ کس کی زبان سے باپ کا مال سمجھ کے بچوں نے پیا ۔۔ بچوں کی بات اور تھی علیؑ کی بات اور تھی ۔۔۔ علیؑ ایک دفعہ دوش رسولؐ پر سوار ہوئے اور تم نے کہا سبحان اللہ ۔۔۔ اور بچوں نے اس کو کھیل کا میدان بنا دیا ۔

جب دیکھو کاندھے پہ سوار ۔۔۔ رسولؐ مسجد میں جا رہے ہیں ۔۔ یہ کندھے پہ سوار ۔۔۔ مگر وہ بچے ننھے ہی اس قابل ۔۔ کہ بچے راکب بنیں اور رسولؐ مرکب بنے ۔۔ اب وہ کہیں ۔۔ مہار چاہیے ۔۔ رسولؐ نے زلفیں پکڑا دیں ۔۔ جیسا یہ باگ ہے ۔۔۔ اب بچوں کے ہاتھ میں رسولؐ کی زلفیں نہیں تھیں بلکہ باگ تھی اور باگ کے معنی یہ ہیں ۔۔۔

موڑ دیں مُڑ جائے ـــ جدھر پھیر دیں پھر جائے ـــ رسالت کی باگ ان بچوں کے ہاتھ میں تھی اور میں کہنا یہ چاہتا ہوں ـــ کہ اتنی بڑی رسالتوں کی باگیں سنبھالنا ان کے لئے "بچوں کا کھیل" تھا ـــ یہ بچوں کی شان تھی اس انداز سے پرورش پائی تھی بچوں نے ـــ جس طرح پلے تھے یہ بچے ـــ تین چار سال کے ہوئے تو رسولؐ گود میں لے کے بیٹھ گئے ـــ بچو ـــ عزیزو ـــ میں نے تمہیں بڑے پیار سے پالا ہے ـــ بڑی محبت سے پالا ہے ـــ جی ہاں قبلہ ـــ آپ نے بڑا پیار کیا ہے ـــ اگر میرے دین پہ کبھی وقت آگیا تو کیا کرو گے ـــ اب بچوں کے تیور دیکھنے کے قابل تھے ـــ رسول بھی رو پڑے دیکھ کر ـــ بچوں نے کھڑے ہو کر انگڑائی لی ـــ تو قبا کے بند ٹوٹ گئے ـــ نانا پرواہ نہ کر ـــ گھر لٹا دیں گے ـــ بچے کٹا دیں گے ـــ تیرے دین پر حرف نہیں آنے دیں گے ـــ اور اگر ہمارا یقین نہ آئے ـــ تو تم خود جنت سے آ کر دیکھ لینا ـــ مومنین! آج محرم کی آٹھ تاریخ ہے اور رسول جنت سے کربلا آتے ہوئے ہیں ـــ اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ بچوں نے کیا کرنا ہے ـــ آج انہوں نے دیکھنا ہے کہ بچوں نے کیا کیا ہے ـــ وہ فرض ادا کر رہے ہیں ـــ رسولؐ دیکھ رہے ہیں ـــ مگر حسینؑ چاہے کچھ بھی کریں ـ آخر رسولؐ کے نواسے ہیں ـــ آخر علیؑ کے بیٹے ہیں ـــ آخر فاطمہؑ کے بیٹے ہیں ـــ حسینؑ کی بات تو حسینؑ کے ساتھ رہی ـــ اگر زینبؑ کا کوئی کمال ہے ـ تو زینبؑ کی بات قبلہ زینبؑ کے ساتھ ہے ـــ کہاں فاطمہؑ کی بیٹی ـــ کہاں علیؑ کی بیٹی ـــ اس کی شان بھی بھی تھی ـــ جو اُس نے کیا ـــ میں تو کہتا ہوں حسینؑ ایسا عظیم بار سر پہ ہے جو اُس سے چھوڑ گیا ـــ اُسے حسینؑ بنا دیا ـــ حسینؑ نے بہتر حسینؑ بنا دیئے ـــ خاندان کی نہ پوچھو ـــ حسینؑ اور زینبؑ کی نہ پوچھو ـــ غیروں کو دیکھو اُن کے جذبے کیا تھے ـــ انہیں دیکھ دیکھ کے رسولؐ قربان ہو رہے تھے ـــ اُنہیں

دیکھ کے رسولؐ فدا ہو رہے تھے ـــــ میرے بھائیو ! میرے عزیزو ! حسینؑ کے ساتھ غیر بھی تھے نا؟ ایک صحابی شہید ہو گیا ـــــ "جنادہ" ـــــ اس کا نام تھا ـــــ حسینؑ لاشے پہ گئے اٹھا کے گنجِ شہیداں میں رکھا ـــــ خیمے کی طرف جو دیکھا تو خیمے کا پردہ اٹھا ایک نو دس سال کا بچہ دوڑتا ہوا نکلا ـــــ حسینؑ نے آواز دی ـــــ آلِ محمدؐ ـــــ اس بچے کو روکو ـــــ یہ میدان میں کہاں آرہا ہے ـــــ اتنے میں وہ بچہ میدان کے قریب آگیا ـــــ کمر سے تلوار بندھی ہوئی ـــــ بچہ چھوٹا تھا ـــــ تلوار تھی بڑی وہ گھسٹتی ہوئی آرہی تھی ـــــ حسینؑ نے بڑھ کے بچے کو گود میں اٹھا لیا ـــــ کہاں جا رہے ہو ـــــ قبلہ مرنے جا رہا ہوں ـــــ میں دشمنوں سے لڑوں گا ـــــ میرے بیٹے تم کس کے بیٹے ہو؟ ہوں اسی جنادہ کا جو ابھی مرا ہے ـــــ تمہارا باپ مرا ہے ـــــ تو یتیم ہوا ہے ـــــ اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھ ـــــ تو بچہ کہتا ہے ـــــ یہ کمر اماں نے باندھی ہے ـــــ یہ تلوار مری اماں نے خود باندھی ہے ـــــ میری اماں نے کہا ہے ـــــ بیٹیا جا کر مر جاؤ ـــــ یہ سن کر قربان ہو گئے حسینؑ ـــــ یہ غیروں کے عزائم تھے ـــــ قبلہ میں نے تمہیں، ہر مجلس میں حسینؑ کے دوستوں کی ادائیں سنائی ہیں ـــــ یہ غیروں کی ادائیں تھیں اگر مناسب سمجھو تو بات کہہ دوں ـــــ اپنوں کی ـــــ آلِ محمدؐ اجڑ گئے ـــــ سب کچھ لٹ گیا ـــــ خیر ـــــ میرے نوجوانو ـــــ آج آلِ محمدؐ بے سہارا ہیں ـــــ جو لوگ حسینؑ کے خاندان کے نہ تھے ـــــ مگر حسینؑ کے پاس آکر حسینؑ بن گئے ـــــ خدا گواہ ہے کمال کر دکھایا ہے ـــــ کہو اکبرؑ کی ماں ـــــ سیدانی تو نہیں تھی مگر ایمان سے کمال کر دیا ـــــ حد کر دی ـــــ اکبرؑ کی لاش آئی ہوئی ہے ـــــ اور حسینؑ کہتے ہیں ـــــ اس کی ماں کو بلاؤ ـــــ اپنے بچے کی لاش پر آئے تڑپے جواب یہ لا ـــــ کہ قبلہ نماز پڑھ رہی ہے ـــــ امامؑ نے پوچھا ـــــ لیلیٰ کیا نماز پڑھ رہی ہے ـــــ کہا مولا ! شکرانے کی نماز پڑھ رہی تھی ـــــ میری کمائی نیک راہ پہ لٹ گئی ـــــ آلیلیٰ

اپنے بیٹے کی لاش کو آکر دیکھ ۔ پانچ منٹ گزر گئے ۔ خیمے سے لیلیٰ نہیں آئی ۔ اب جو گئے نا! دیکھنے ۔ دیکھا کہ لیلیٰ خیمے میں گھوم رہی ہے ۔ زینبؑ نے آواز دی ۔ اکبرؑ کی ماں ۔ باہر آؤ ۔ کہا حسینؑ کی بہن مجھے خیمے کا دروازہ نظر نہیں آ رہا ۔ مجھے در نظر نہیں آتا ۔ ہاتھ پکڑ کے لائیے ۔ قاسمؑ کی ماں تو سیدانی نہیں تھی ۔ یہ غیروں کا کمال تھا ۔ دو چار فقرے سن لو ۔ میرے جوان بیٹو ۔! میں تمہیں روتا نہیں دیکھ سکتا ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت خوش رہو ۔ مگر معاف کرنا ۔ میری کہانی ہی ایسی ہے ۔ اس لئے میں تمہیں جان کے نہیں رلاتا ۔ ربابؑ بھی اسی گھر میں ہے ۔ غیر خاندان کی ہے نا ! یمن کے رئیس کی بیٹی ہے سیدانی نہیں ہے ۔ غیر خاندان کی ہے ۔ ساری شہادتوں کے بعد حسینؑ خیمے میں آئے ۔ بہن زینبؑ میری ساری قربانیاں قبول ہو گئیں ۔ کسی کے بدلے دنبہ نہیں آیا ۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کوئی نذرانہ پیش کروں ۔ اللہ کے سامنے ۔ کوئی نذرانہ پیش کرنے کے لئے کوئی شے ہے ۔ زینبؑ نے کہا ۔ کہ میرے پاس تو دو "ہیرے" تھے ختم ہو گئے ۔ لیلیٰ نے کہا ۔ میرا تو اٹھارہ سال کا شب چراغ تھا ۔ گل ہو گیا ۔ فردہ نے کہا کہ میرا واحد سہارا قاسمؑ تھا ۔ وہ بھی "تقسیم" ہو گیا ۔ ہم سب خالی ہاتھ ہیں ۔ ایک کونے میں سے رباب کی آواز آئی ۔ حسینؑ ! ذرا سی نیلم کی کمی میرے پاس ہے ۔ ایک نیلم کا نگینہ ہے میرے پاس اگر تیرے کام آئے تو اسے لے لے ۔ کہا ربابؑ اسے لے جاؤں ۔ کہا لے جاؤ ۔ جہاں جہاں صاحبو ! ہو میری بات سنو ۔ حسینؑ چلے آئے ۔ آگے آگے حسینؑ پیچھے پیچھے ربابؑ ۔ جب خیمے کے دروازے پہ پہنچے ۔ ربابؑ نے کہا ۔ مولاؑ ذرا ٹھہرنا ۔ ذرا یہ بچہ مجھے گود میں دینا ۔ رباب نے دو منٹ گود میں لیا ۔ اور اصغرؑ کی بہن سکینہؑ کو ساتھ لیا ۔ دونوں کو لے کر خیمے میں آگئی وہاں ، جہاں زینبؑ تھیں ۔ حسینؑ دزینبؑ

کو دیکھ کر کہا۔ سن حسینؑ ۔۔۔ سن زینبؑ ۔۔۔ تم فاطمہؑ کے بیٹے بیٹی ہو ۔۔۔ میں غیر خاندان کی ہوں ۔۔۔ تمہارے گھرانے میں آئی تو فاطمہؑ کی بہو کہلائی ۔۔۔ تم نے مجھے بڑی عزت بخشی ۔۔۔ تمہارے گھرانے سے مجھے یہ دو لعل ملے ۔۔۔ ایک سکینہؑ ایک اصغرؑ ۔۔۔ میں تھوڑی دیر میں لاوارث ہوں گی ۔۔۔ نہ میکے ہوں گے نہ سسرال ۔۔۔ میں تمہاری امانت سنبھال نہیں سکتی ۔۔۔ لہٰذا یہ تمہارے سپرد ۔۔۔ یہ کہہ کر سکینہؑ کو بٹھا دیا زینبؑ کی گود میں ۔۔۔ اصغرؑ کو دے دیا حسینؑ کی گود میں ۔۔۔ زینبؑ تو جانے اور سکینہؑ جانے ۔۔۔ حسینؑ تو جانے اور اصغرؑ جانے ۔۔۔ دونوں کو سپرد کر دیا ۔۔۔ حسینؑ اصغرؑ کو لے گئے ۔ سکینہؑ کو زینبؑ لے گئی ۔۔۔ سکینہؑ پہ وہاں کیا گذری ۔۔۔ اس پر کیا گزر گئی ۔۔۔ اگر ہمت ہے تو سن لو دو چار لفظ ۔۔۔ کیوں بھئی نوجوانو ۔۔۔! تم میں ہے ہمت اس قصہ کو سننے کی ۔۔۔ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں میں تو پڑھ لیتا ہوں ۔۔۔ جوانوں کے خون میں گرمی ہوتی ہے ۔۔۔ حیدرآباد (سندھ) میں میں نے سکینہؑ کی شہادت پڑھی تھی کئی نوجوانوں نے چاقو مار لئے تھے ۔۔۔ بچو! بھائیو! ۔۔۔ سکینہؑ ۔ زینبؑ کے ساتھ اور تیرہ محرم ہے ۔۔۔ اور ابن زیادؒ کے دربار میں کھڑی ہے ۔ ابن زیاد نے پوچھا ۔ کہ یہ بچی کون ہے ۔۔۔ بتایا گیا ۔ کہ یہ حسینؑ کی بیٹی ہے ۔ حسینؑ نے اسے بڑا پیار ہے ۔۔۔ کہنے لگا بچی آگے آؤ ۔۔۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔ بچی نے بھائی کو دیکھا ۔ پھوپھی کو دیکھا ۔۔۔ نامحرم سے بات کی اجازت ہے ۔۔۔ پھوپھی نے بھائی نے اجازت دی ۔۔۔ بچی نے بات کی ۔۔۔ سنو گے بھائی ۔۔۔ بات اس طرح کی کہ لب ہل رہے تھے آواز نہیں آ رہی تھی ۔۔۔ بڑی دیر تک لب ہلتے رہے آواز نہیں آئی ۔۔۔ ابن زیاد کہتا ہے کہ مجھے آواز نہیں آتی ۔۔۔ تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا ۔۔۔ کہ بچی تو بول رہی ہے مگر اس کا گلا اتنا مضبوط بندھا ہوا ہے کہ اس کی آواز نہیں نکل رہی ۔۔۔ اس کا گلا کھلوایا گیا ۔۔۔ پانچ منٹ تک بچی گلے کو سہلاتی

رہی ۔۔۔ جب حواس ٹھیک ہوئے تو ابن زیاد نے پوچھا ۔۔۔ کہ تیرا نام کیا ۔۔۔ کہا فاطمہؑ نام ہے مگر باپ مجھے پیار سے سکینہ کہتے تھے ۔۔۔ بچی اگر اس وقت حسینؑ زندہ ہوتے تو تجھے کیا کھلاتے ۔۔۔ بچی نے کہا کہ بابا مجھے تازہ خرمے کھلایا کرتے تھے ۔۔۔ سنو گے نا میرے بھائیو! اجازت ہے کہہ دوں لفظ ۔۔۔ اجازت ہے ۔۔۔ اجازت ہو تو بتا دوں ۔۔۔ وہ بے حیا خبیث کہتا ہے ۔۔۔ بچی ۔۔۔ میں نے تازہ خرمے منگائے ہیں کھائے گی ۔۔۔ اس پہ بچی نے بھائی کو، پھوپھی کو دیکھا ۔۔۔ اشارہ کیا ۔۔۔ کہہ دو ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ کہا لے آؤ ۔۔۔ بچی کے آگے طشت لایا گیا ۔۔۔ رومال اٹھایا گیا ۔۔۔ کوفہ میں زلزلہ آ گیا ۔۔۔ بچی ہائے بابا کہہ کے گر پڑی ۔۔۔ ابھی بات ختم نہیں ۔۔۔ سکینہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمہارا خاندان معجز ہے ۔۔۔ میں تو تب جانوں کہ حسینؑ کا سر خود تیری گود میں آئے۔ یہ سننا تھا کہ جوش آ گیا ۔ جلال آ گیا ۔۔۔ حیدر کی پوتی کو ۔۔۔ سر کو چھوڑ کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی ۔۔۔ اور پھٹا ہوا کرتہ پھیلا دیا ۔۔۔ بابا جان ۔۔۔ میری محبت کا واسطہ ۔۔۔ پھوپھی زینبؑ کی قید کا واسطہ ۔۔۔ بابا میری عزت کا سوال ہے ۔۔۔ مجھے دربار میں شرمندہ نہ کرنا۔ حسینؑ کا سر اُڑ کر سکینہ کی گود میں آ گیا ۔۔۔ کوفہ کے بام و در لرز گئے ۔۔۔ زلزلہ آ گیا ۔۔۔ آج کی مجلس کو میں اپنی طرف سے آپ کی طرف سے بانیانِ مجلس کی طرف سے حضرت سکینہؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ شہزادی ہماری حاضری کو قبول فرما شہزادی ہم کربلا میں ہوتے تو تجھے قید نہ ہونے دیتے ۔۔۔ دربدر نہ ہونے دیتے ۔۔۔ اپنے باپ اور دادا سے ہماری سفارش کرنا کہ خدا ان گھروں کو آباد رکھے ۔۔۔ جن میں سادات کے اُجڑے گھروں کا ماتم ہوتا ہے ۔۔۔ خدا تم سب کو سلامت رکھے ۔۔۔ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

آلِ ابی طالب

عنوان

فضائل — آلِ ابی طالبؑ

مصائب — شہزادہ علی اکبرؑ

ہیں آخری سلام کو اکبرؑ جھکے ہوئے
نقشہ کھنچا ہوا ہے رکوعِ رسولؐ کا

زکی سیورکوٹی

خداوندعالم کی حمد وثنا اور حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام پر درود وسلام کے بعد میں اس طرح گزارش کرتا ہوں کہ اللہ اپنے علم وفضل کے مطابق اپنا جو کام لینا چاہتا ہے، کسی انسان سے۔ اس کام کے مطابق آدمی وہ خود چن لیتا ہے اس سے ہم نے یہ کام لینا ہے۔ اس سے یہ کام لینا ہے۔ انسان، خدا خود انسانوں میں سے چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے۔ سمجھ رہے ہیں نا صاحبان۔ اللہ کے یہاں الیکشن نہیں، اللہ کے ہاں سلیکشن ہے۔ آپ میں انگریزی لفظوں کے معنی تو جانتا نہیں سنتے ہوتے ہیں نے کہہ دیئے ہیں۔ ہم لوگ کرتے ہیں الیکشن اور اللہ کرتا ہے سلیکشن۔ ہم بہت سے مل کے چنتے ہیں ایک کو اور اللہ چنتا ہے بہت سوں میں سے ایک کو۔ سلیکشن کا ترجمہ چننا اور الیکشن کا ترجمہ ہے چھانٹنا۔ جو بندہ سلیکشن سے آتے وُہ چنا ہوا ہوتا ہے۔ جو الیکشن سے آئے وہ چھٹا ہوا ہوتا ہے۔ بہر نوع اللہ چن لیتا ہے اپنے کام کے لئے اس آدمی کو جسے وُہ موزوں سمجھتا ہے توجہ ہے نا صاحبان۔ اور اس بڑی مختصر سی تمہید کے بعد میں اپنی مجلس شروع کرتا ہوں تاکہ تھوڑے وقت میں ختم ہو۔

میرے محترم سامعین! اللہ نے اپنا کام لینے کے لئے جس خاندان کو چن لیا وہ خاندان بنی ہاشم کہلاتا ہے اس خاندان کو اللہ نے چن لیا تھا۔ اس لئے کہ اس خاندان سے وُہ اپنا کام لینا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ خاندان۔ اللہ نے چن لیا۔ اور اس بنی ہاشم کے خاندان میں سے بھی ہر فرد سے کام نہیں لیا بلکہ اس خاندان کا جو فرد جس کام کے لئے موزوں ہوا وہ کام اللہ اس فرد سے لیتا رہا۔ عبدالمطلب سے کعبے کی حفاظت کا کام لیا جب ابرھہ آیا تھا ہاتھی لے کر۔ اور عبدالمطلب کے بعد ان کے جانشین حضرت ابوطالبؑ سے جن کا نام نامی ہے عمرانؑ کنیت ہے ابوطالبؑ۔

جن کے خطابات ہیں بیضۃ البلا، شیخ البطحا، سیّد القوم۔ یہ ان کے خطابات ہیں۔
سب سے پہلے عرب میں لفظ سیّد، جناب ابوطالبؑ کے لئے استعمال ہوا اور
آج تک ان کی نسل کے ساتھ یہ لفظ مشہور ہوگیا۔ جناب ابوطالبؑ سے بھی کام لیا
اللہ نے۔ اور یہ کام ابی طالبؑ کے سپرد ہوا کہ میرے رسولؐ کو جو میری اس تمام مخلوق ہیں
ہیں سے سب سے زیادہ معزز اور قیمتی ہے، اے ابوطالب اس کو ہم تیرے سپرد کرتے
ہیں۔ تم اسے پالو اور پرورش کرو۔ توجہ فرمائی نا صاحبان۔ اللہ نے اپنی سب
سے قیمتی شے سپرد کردی ابوطالبؑ - یہ فقرہ آپ نے سن لیا۔ اسکی ذرا سی تشریح
کردوں آپ سے۔ میرے ہاتھ میں یہ ململ کا رومال ہے۔ پتہ نہیں آٹھ آنے کا ہے،
چھ آنے کا ہے۔ ایسا ہی کچھ ہوگا چھ چار آنے کا۔ میں چاہتا ہوں یہ رومال کسی کے
سپرد کردوں۔ اب اتنا مجمع ہے میرے سامنے۔ سب ماشاء اللہ مومن ہیں۔
میں نے یونہی ہاتھ بڑھا کے ایک آدمی کو دے دیا رومال۔ اب مجلس کے بعد پوچھتا
پھرتا ہوں۔ بھئی میرا رومال کس کے پاس تھا، کہاں ہے؟ کون لے گیا وہ رومال میرا؟
لوگ کہیں گے زیدی صاحب، تم نے خود غلطی کی۔ کسی جانے پہچانے کو دینا تھا۔
کسی ایماندار کے سپرد کرنا تھا۔ کسی شریف آدمی کے سپرد کرنا تھا۔ جب ایک کپڑے کا
رومال سپرد کرتے ہوئے جان پہچان دیکھنی پڑتی ہے۔ شرافت دیکھنا پڑتی ہے، ایمانداری
دیکھنا پڑتی ہے تو اللہ نے محمدؐ جیسی قیمتی شے سپرد کرتے وقت یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ یہ
بندہ شریف ہے یا نہیں؟ ایماندار ہے یا نہیں؟ اور اللہ جسے اتنا ایماندار سمجھے کہ محمدؐ
جیسی شے سپرد کرے، ایسے ایماندار کو بے ایمان کہنا، بے ایمانی ہے کہ نہیں؟ بہرنوع
یہ تو کام اللہ نے ابی طالبؑ کو دیا، اور ابی طالبؑ نے اپنی گود میں نبوت کو بھی پالا، امامت
کو بھی پالا۔ گویا زیر دامن ابی طالبؑ پل کر نبوت آخری نبوت بن گئی، اور امامت پہلی
امامت بن گئی۔ ابی طالبؑ کی پرورش کے بعد۔ تو یہ کام اللہ ابی طالب سے لے رہا تھا

اور آج تک خدا کا کام نسلِ ابی طالبؑ کے سپرد ہے اور اللہ کی بگڑی بنانے کے لیئے
آج بھی ابی طالبؑ کا کنبہ دنیا میں زندہ ہے اور قائم ہے۔ یہ کام اللہ نے ابی طالبؑ کے
سپرد کیا۔ میری بات پہ توجہ ہے نا صاحبان۔ بڑی مختصر مختصر بات۔ ادھر ابی طالبؑ
تھے قابل کہ آتے ہی سامنے شیطان آگیا۔ ابراہیم کے آتے ہی سامنے نمرود آگیا۔
موسیٰ کے سامنے فرعون آگیا۔ اس خاندان بنی ہاشم کے مقابلے پر خاندان بھی۔۔؟؟
وہی آگیا جو آپ کہہ رہے ہیں۔ یہ خاندان آگیا۔ اس خاندان میں
بھی بہت بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے۔ بڑے بزرگ آدمی پیدا ہوئے، ایک صاحب
فرماتے تھے کہ جتنے بڑے آدمی پیدا ہوئے سب اس خاندان میں ہوئے۔ وہی خاندان
جس کا نام آپ لے رہے ہیں" بنی ہاشم میں کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں ہوا" —
میں نے کہا بالکل۔ بنی ہاشم میں تو جو پیدا ہوا بچہ پیدا ہوا۔ امیہ کے خاندان
میں جو پیدا ہوا بڑا پیدا ہوا۔ یہ خاندان بنی ہاشم کے مقابلے کا خاندان ہو گیا۔
وہ دن تھے تو یہ رات تھے۔ اس خاندان میں بھی بڑے بڑے آدمی تھے۔ اس خاندان میں
بھی بڑے بڑے آدمی تھے۔ اس خاندان کے بڑے آدمیوں میں سے ایک بڑے آدمی کا نام
لیتا ہوں وہ تھے حضرت ابی سفیان۔ نام سنا ہے نا آپ نے۔ حضرت میں نے
اس لیئے کہا کہ بڑے حضرت تھے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کے فضائل بھی بیان کر دوں۔
حضرت ابوسفیان کے۔ سنیں گے آپ؟ فضائل پڑھوں؟ لو صاحبان اس ایک جملے
پر فضائل ختم کرتا ہوں یہ یزید کے بھی دادا تھے۔ یہ ان کے فضائل ہیں۔ یزید کے
دادا جان۔ حضرت ابوسفیان۔ یہ اس خاندان میں پیدا ہوئے۔ جتنی جنگیں
رسالت مآبؐ سے ہوئیں ان سب جنگوں میں کفر کی فوج کے سپہ سالار یہی حضرت
سفیان ہوا کرتے تھے۔ توجہ ہے نا صاحبان۔ مکہ کی فتح کے بعد اسلام کا اعلان کر
دیا اور یہ بدلنے لگے یہ میرے محترم سامعین بڑے غور سے سننا شروع کرنا اب میں

مطالب کی بات سناتا ہوں آپ کو تاکہ اپنے وقت میں مجلس بھی ختم ہو جائے اور بات بھی
ختم ہو جائے ۔ اس حضرت سفیان کے تین چار بیٹے تھے ۔ جن میں سے ایک شہرۂ آفاق
بیٹا ۔ وہ ہے امیر شام ۔ یزید کے والد بزرگوار ۔ یہ ان کا شہرۂ آفاق بیٹا ہے
ابوسفیان کا ۔ سمجھے حضور ۔ نام یاد نہیں ، ہوگا کوئی ۔ نامور بیٹے تھے ۔ اور
جناب کئی بیٹیاں بھی تھیں ان کی ۔ اس وقت اس مجلس میں مجھے آپ کی فرمائش
پوری کرنے کے لیے ، مجلس سنانے کے لئے ان کی دو بیٹیوں کا ذکر کرتا ہوں ۔ حضرت
ابوسفیان کی دو بیٹیوں کا تذکرہ آپ کو سنانا ہے ۔ یہ آپ سنیں ۔ اور غور سے سنیں ۔
ان کے دو بیٹیاں تھیں ۔ ایک کا نام تھا اُمِ حبیبہ ، ایک کا نام تھا جادیہ ۔ یاد رہیگا
آپ کو ۔ ایک امِ حبیبہ ، ایک جادیہ ۔ یہ جو حضرت ابوسفیان کی بیٹی تھی نا امِ حبیبہ ،
ان کی شادی ہوئی تھی حضور سرورِ کائناتؐ سے ۔ ابوسفیان کی بیٹی اور ہم مومنوں کی
ماں ، جناب امِ حبیبہ ۔ امِ حبیبہ ہماری ماں تھیں ۔ ان کے باپ سے ہمارا کیا رشتہ
ہوا ؟ سنو گے ؟ کس نے مجھ سے پوچھا ، امِ حبیبہ تو تمہاری ماں ہیں ، ان کے باپ سے
کیا رشتہ ہے ۔ میں نے کہا ۔ نا... نا ۔ بہر نوع یہ امِ حبیبہ حرم رسولؐ ہیں ، امِ المومنین
ہیں ۔ واجب الاحترام ہیں ۔ رسولؐ کی بیوی ہونے کی حیثیت سے اور ہم مومنوں
کی ماں ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کی بڑی عزت ہے ماں ہونے کی حیثیت سے ۔
سمجھے نا آپ ؟ ان کے فضائل کتابوں میں بھرے پڑے ہیں بحیثیت امِ المومنین کے مگر
سب سے بڑی فضیلت ان کی جو مسلمانوں نے کتابوں میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ جناب امِ حبیبہ
ایک دن رسولؐ کے گھر بیٹھی تھیں ، ان کے باپ ابوسفیان ان سے ملنے آئے ۔ مسلمان تھے نا
۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ شادی ہوئی تھی ۔ جب انہوں نے حجرے میں قدم رکھا ۔ آ کے
کہا بیٹی خیریت تو ہے ؟ جب باپ آتا ہے ملنے ۔ تو بیٹی نے دری جو بچھی تھی وہ سمیٹ
دی ۔ زمین پہ اشارہ کیا ابا بیٹھو ۔ تشریف رکھو ۔ کہا دیکھو امِ حبیبہ تم نے ہماری

توہین کی ہے۔ جانتی ہو ہم کون ہیں؟ ہم عرب کے بے تاج بادشاہ ہیں — ہم لاکھوں فوجیں لیکر آئے تھے مقابلے کے لئے — دنیا ہمارا کلمہ پڑھتی ہے۔ ہمیں دیکھ کر شیطان تک بھاگتا ہے — تم نے ہمیں کیا سمجھا ہے — یہ دری کیوں سمیٹ دی — ہمیں بیٹھنے نہیں دیا۔ ام حبیبہ نے بڑے ادب سے کہا کہ جناب بات یہ ہے کہ یہ دری وہ ہے جس پر رسولؐ بیٹھتے ہیں۔ اس پر آپ اس طرح نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ واقعہ لکھ کر مسلمان مورخ یہ لکھتے ہیں کہ یہ ہے اس کے کامل الایمان ہونے کی دلیل — یہ ہے اس کے ام المومنین ہونے کی دلیل — میں بھی یہ ہی کہتا ہوں کہ واہ ام حبیبہ، ام المومنین ہو تو ایسی ہو کہ رسولؐ کی جگہ پہ باپ کو نہ بیٹھنے دے — یہ ہے شان ام المومنین — سمجھ رہے ہو نا عزادارو — اور میرے محترم سامعین اللہ آپ کو سلامت رکھے اور خوش رکھے میں ایک بات آپ سے بیچ میں ضمناً کہنا چاہتا ہوں چونکہ جلدی ختم [illegible] ہے اور بات لمبی کرنی ہے — آپ پوچھیں گے کہ کس کتاب میں ہے کہیں نہیں — حوالہ کہاں ہے؟ کہیں نہیں — میں اپنے دل کی بات کہہ رہا ہوں جسے جی چاہے دیتا ہوں — اگر اس پر کوئی اعتراض ہے تو وہ کہہ سکتا ہے — یہ بہت [illegible] کی بات ہے کہ قیامت کے دن ایران کا شہنشاہ نوشیرواں، جس کے لئے کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جہنم میں جہنم کا ایندھن ہونے کے — اللہ اسے ایسا پنکھا عطا فرمائے گا۔ جو آگ کو اس سے دور رکھے گا۔ یہ اسے عدالت کا صلہ ملے گا۔ یہ تو کتابوں کی بات ہے، اور میں اپنی بات کہتا ہوں — [illegible] کیا ہے؟ جب فرشتے لے جارہے ہونگے اسے جہنم میں، یہ میری ذاتی بات ہے اور یہ جاتے جاتے کہے گا کہ جہنم میں تو میں چلا جاؤنگا، پر جانے سے پہلے میں ذرا اپنے نواسے سے ملنا چاہتا ہوں — اس کے نواسے تھے زین العابدینؑ زین العابدینؑ سے اس کا آمنا سامنا ہو جائے گا اور یہ زین العابدینؑ سے کہے گا۔ تم میرے نواسے ہو — فرشتے خود ٹھہر جائیں گے۔ اسکو جہنم میں [illegible] اللہ جس کو بچانا چاہتا ہے اس کے گھر نواسہ پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے گھر نواسہ نہ ہو اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ یہ جناب امّ حبیبہ کی بات آپ کے ذہن میں آگئی۔ اب اسے یوں پلٹ کے
دوسری مہارت کا قصہ سناؤں۔ جس طرح عرب بنی ہاشم شرافت میں مشہور تھے۔ اور ان کا مقابل
خاندان سیاست میں مشہور تھا۔ یہ لفظ میں نے احتیاطاً کہا ہے، سیاست میں۔ اسی طرح عرب
میں ایک خاندان تھا جو حسن میں مشہور تھا۔ اس کا نام تھا خاندان بنی ثقیف۔ یاد ہے کہ
آپ کو خاندان بنی ثقیف حسن میں مشہور تھے۔ اور خاندان بنی کلاب یہ شجاعت میں مشہور تھا۔
یہ عرب کے مشہور خاندان تھے۔ اگر بہادر کا نام لو تو بنی کلاب سمجھے جاتے تھے۔ اگر حسین کہو تو
بنی ثقیف سمجھے جاتے تھے۔ اگر شریف کہو تو بنی ہاشم گنے جاتے تھے۔ اگر مکار کہو تو....
پھر وہ..... یہ تھے مشہور عرب کے خاندان۔ تو بنی ثقیف کے خاندان کا رئیس اور چودھری
شیخ تھا اس کا ابو مرہ نام تھا۔ ابو مرہ ثقفی۔ حضرت ابوسفیان کی دوسری بیٹی،
ام حبیبہ کی سگی بہن۔ ابو مرہ ثقفی سے بیاہی ہوئی تھی تو ابو مرہ ثقفی، خاندان ثقیف
کا سردار اور رسالتمآبؐ آپس میں کیا ہوئے بھئی۔ بولو۔ ہم زلف ہوئے۔ آپس میں ہم زلف
ہوئے۔ ایک بہن ابو مرہ ثقفی کے گھر میں تھیں اور ایک بہن جناب رسالتمآبؐ کے گھر
میں۔ آپ گھبرا تو نہیں گئے میری اس بات سے۔ سُن لیجئے ہونا غور سے۔ رسالتمآبؐ
کے گھر تو کوئی اولاد نہیں ہوئی جناب ام حبیبہ سے۔ ابو مرہ ثقفی کے گھر جو ابوسفیان کی
صاحبزادی تھی ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ سمجھے نا۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی ابو مرہ ثقفی
کے گھر۔ ابوسفیان کی بیٹی، امیر شام کی بہن، ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام تھا لیلیٰ۔
اب یاد رکھیں گے نا۔ لیلیٰ ابو مرہ ثقفی کی بیٹی، ابوسفیان کی نواسی، امیر شام کی بھانجی
تھیں۔ یہ یزید کی کیا ہوئیں؟ بولو نا؟ بولو بھئی۔ امیر شام کی بھانجی تھیں، یہ یزید کی
پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حقیقی پھوپھی زاد بہن، جناب لیلیٰ۔ یہ ہوئیں جناب لیلیٰ۔
اب یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آگئی نا۔ ابو مرہ ثقفی کی جو لڑکی تھی ان کا ابوسفیان سے
کیا رشتہ تھا بھئی؟ نواسی کا۔ امیر شام کی کیا تھیں وہ؟ بھانجی۔ یزید کی کیا تھیں؟

دھوکھی زاد بہن ۔کس خاندان سے تھیں ۔ بنو ثقیف سے ۔ بنو ثقیف کی صفت کس بات کی تھی ۔؟ حسن وجمال کی ۔ تو لیلیٰ اپنے زمانے میں رئیس بنی ثقیف کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے ان تمام خوبیوں کی مالک تھیں جو اس خاندان کی تھیں ۔سمجھ میں آرہا ہے نا صاحبان کے ۔ جب یہ جوان ہوئیں لیلیٰ تو ان کے باپ کو شادی کی فکر ہوئی ۔ اس نے چاہا کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کروں ۔ جہاں جہاں بیٹھے ہیں بڑے غور سے سننا بات کو ۔ وہ اپنے گھوڑے یا ناقے پہ سوار ہوا حضور اور مدینے آیا ۔ وہاں مدینے کی مسجد میں حضور سید الشہداء امام حسینؑ سے اس کی ملاقات ہوئی اس ابو مرّہ ثقفی کی ۔۔ امام حسین علیہ السلام سے وہ ملا ۔ آکے خدمت میں امام حسینؑ کی وہ بیٹھ گیا اور بیٹھ کے عرض کیا اس نے کہ قبلہ میں ایک دفعہ آپ کے نانا کے پاس بھی آیا تھا ۔ میں نے آپ کے نانا سے ایک حدیث سُنی تھی وہ مجھے پوری طرح یاد نہیں رہی ۔ میں آپ کو وہ سناتا ہوں ۔ اگر کہیں بھی بھول جاؤں تو قبلہ آپ اس کی تصحیح کر دیں ۔ آپ نے کہا ہاں سناؤ کیا ہے ؟ اس نے کہا آپ کے نانا نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تمہیں کو مشکل پیش آئے تو ایسے شخص کے پاس جانا مشکل کو حل کرانے کے لئے جو تمہارے علاقے میں تمہاری دسترس میں سب سے زیادہ عالم ہو ۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے ۔ وہ حدیث جو آپؐ نے فرمائی تھی ؟ ۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تجھے صحیح یاد ہے ۔ یہی کہا تھا میرے ناناؐ نے ۔۔ اس نے کہا کہ قبلہ آگے بھی ہے ۔ کہا ہاں کیا ؟ کہ آگے فرمایا تھا آپ کے ناناؐ نے کہ اگر عالم تمہیں نہ مل سکے تو ایسے شخص کے پاس جانا جو حسب اور نسب میں سب سے زیادہ شریف ہو ۔ اس نے کہا ٹھیک ہے ؟ آپؐ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے ۔ تو نے ٹھیک کہا ۔ اس نے کہا حضور آگے یہ کہا تھا کہ اگر حسب نسب والا نہ ملے تو ایسے بندے کے پاس جانا جو سب سے زیادہ حسین ہو تیری نظروں میں ۔ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے ۔

بالکل ٹھیک ۔ کہا حضور مجھے ایک کام ہے ۔ میں ایسے آدمی کے پاس بیٹھا ہوں جو علم میں بھی سب سے زیادہ ہے ، حسب نسب میں بھی سب سے بہتر ہے ، حسن میں بھی سب سے

بہتر ہے ۔ یہ تینوں صفتیں ہیں ۔ میری مشکل آپ حل کریں گے ۔ سُن لیا آپ نے ۔ آپؑ نے اس کی یہ بات سُن کے اب اس سے یہ سوال کیا کہ ہم تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ۔ اُس نے کہا قبلہ فرمائیے کیا پوچھنا ہے ؟ کہ یہ بتلاؤ کہ دُنیا میں سب سے بڑا آدمی کونسا ہے ؟ میری بات کو آپ حضرات سمجھ رہے ہیں ۔ اُس نے کہا حضور، سب سے بڑا آدمی دنیا میں وہ ہے جس کے پاس علم مع حلم کے ۔ علم نہیں ۔ علم مع حلم کے ۔ اس کے ساتھ بے صبری ہو تو یہ علم کی توہین ہے ۔ علم ہو مع حلم کے ۔ آپؑ نے فرمایا بے شک تم نے ٹھیک کہا ۔ اچھا ۔ اور اگر یہ نہ ہو کسی کے پاس پھر ؟ کہ قبلہ اس سے دوسرے نمبر پہ آدمی وُہ ہے جس کے پاس دولت ہو مع سخاوت کے ۔ آپ نے فرمایا ۔ اچھا بالکل ٹھیک کہا ۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ۔ کہ حضور تیسرے نمبر پر آدمی وُہ ہے ۔ جس کے پاس فقیری ہو مع قناعت کے ۔ آپؑ نے فرمایا شاباش بالکل ٹھیک کہا تم نے ۔ بالکل درست ہے ۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو کہ حضور اس آدمی کو مر جانا چاہیئے ۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ۔ آپ نے ٹھیک کہا ۔ تو نے بالکل صحیح جواب دیئے ۔ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو ہم سے ۔؟ کیا مانگنے آئے ہو ۔ اس نے کہا مانگوں ؟ کہ ہاں ۔ میری بات قبول فرمائیں گے ۔ کہ بالکل ۔ کہ حضور مجھے خدا نے ایک لڑکی دی ہے ۔ میں خاندان ثقیف کا رئیس ہوں ۔ میرے اور کوئی اولاد نہیں ۔ میں حضور کی خدمت میں اس سے آیا ہوں ۔ میری تمنا یہ ہے کہ جیسی میری لڑکی ہے ، داماد میرا وُہ ہو کہ میں دنیا کے سامنے فخر سے کہہ سکوں کہ آؤ دیکھو یہ ہے میرا داماد ۔ آپؑ نے فرمایا تم کیسے چاہتے ہو ؟ کہ حضور اگر میری لڑکی کو قبول فرما لیں ۔ آپؑ نے فرمایا منظور ہے ۔ چنانچہ لیلیٰ کا عقد حضور سید الشہداء سے ہوا ۔ توجہ فرمائیے صاحبان ۔ بات یہ میری غور فرما رہے ہیں نا حضور ۔ سید الشہداء کی پہلی بیوی جو تھیں والدہ امام زین العابدینؑ وہ ایران کی شہزادی تھیں ۔ پھر عقد ہوا آپ کا لیلیٰ سے ۔ یہ قبیلہ بنی ثقیف کے سردار کی بیٹی تھیں ۔ پھر عقد ہوا آپ کا رُباب سے جو قبیلہ کندہ کے ایک رئیس امراؤ القیس کی بیٹی

تھیں۔ بہر نوع حضور۔ اس وقت میرا مطلب یہ سنانا تھا۔ یہ بات یاد رہے گی نا آپ کو۔
یاد رکھو گے نا اس کہانی کو۔ انشاءاللہ یاد رہے گی لیلیٰ کا عقد ہو گیا حضور سید الشہداء کے
ساتھ۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ اب میری کہانی غور سے
سنتے رہنا۔ تاکہ وقت میں بات بھی ختم ہو سکے۔ اور آپ بھی سن لیں۔ میرے محترم
سامعین اور وہ محترم حضرات جو دھوپ میں بیٹھے ہیں مجھے کا بڑا احساس ہے۔
مگر میں دھوپ میں بیٹھنے والو تم سے یہ بات کہتا ہوں۔ تم تھوڑی دیر بیٹھو گے۔ پھر اسکے
بعد اٹھ کے گھر چلے جاؤ گے۔ اور حسینؑ کی شہزادی فاطمہ کبراؑ پورے چھ سال دھوپ میں
بیٹھی۔ چھ سال تک دھوپ میں بیٹھی رہی۔ پورے چھ سال۔ بہر نوع۔ یہ غم حسینؑ
دھوپ اور سایوں کو مٹا دیتا ہے۔ ساری چیزیں ختم کر دیتا ہے۔ تو میرے محترم سامعین!
حضور سید الشہداء کو خدا نے جب پہلا بیٹا امام زین العابدینؑ عطا فرمایا پہلا فرزند تھا سید الشہداءؑ کا
امام زین العابدینؑ۔ تو آپ نے اپنے بیٹے کا نام علیؑ رکھا۔ اور بچے کو قطعۂ رومال میں لپیٹ کر
مسجد میں لے آئے۔ وہاں مسجد میں لٹا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی امامؑ
نے۔ خداوندا یہ نعمت تو نے مجھے دی تھی۔ میں تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے
مسجد میں لٹا چھوڑ کر بچے کو، گھر آ گئے۔ جب زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے،
امیرالمومنینؑ اسوقت دنیا میں موجود تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوا۔ مسجد میں گئے۔ دو رکعت
نماز پڑھی۔ خداوندا حسینؑ تو تیرے سپرد کر گیا۔ میں مانگنے آیا ہوں۔ امام زین العابدینؑ
کو جناب امیرؑ لے آئے ساتھ اور کہا کہ میں نے اسے خدا سے مانگ لیا ہے۔ میں پالونگا۔
یہ میرا بیٹا بن کے رہے گا۔ میں پرورش کروں گا اس کی۔ یہ تو امام زین العابدینؑ کی بات
ہو گئی۔ اب تفصیل میں جاؤں تو بڑی دیر ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کے گھر بیٹیاں ہوئیں
اس کے بعد جب دوسرا بیٹا پیدا ہوا جسے آپ علی اکبرؑ کہتے ہیں تو یہ بطن جناب سیدہ لیلیٰ سے
پیدا ہوا۔ جناب علی اکبرؑ جو لیلیٰ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ بتاؤں علی اکبرؑ کا یہ پد

سے کیا رشتہ تھا۔ بولو۔ لیلیٰ تھی نا پھوپھی زاد بہن۔ علی اکبرؑ کیا ہوئے۔ یاد رکھنا اس بات کو۔ علی اکبرؑ کیا ہوئے یزید کے۔ ہیں؟ بھانجے۔ سمجھ رہے ہونا صاحبان۔ اور دوسرا بچہ لیلیٰ کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ہے فاطمہ صغراؑ۔ ہیں۔ فاطمہ صغراؑ کیا ہوئیں یزید کی۔؟۔ بولو نا بھئی؟ بھانجی۔ یاد رکھو گے اس بات کو۔ اس بات کو تم نے یاد رکھا تو ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا۔ جب حسینؑ جانے لگے کربلا تو آپ نے حکم دیا فاطمہ صغراؑ ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اسے ہم ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ پوچھا بیبیوں نے کیوں؟ کہ یہ یزید کی بھانجی ہوتی ہیں۔ اگر یہ قید ہو کے دربار یزید میں گئی اور یزید نے بھانجی کے رشتے کی وجہ سے اسے قیدیوں سے جدا کر دیا۔ محل میں بھیج دیا۔ نیک نیتی سے بھانجی سمجھ کے۔ بھیج دیا محل میں۔ قیامت تک ہمارے دشمن ہمارے شیعوں کو یہ طعنہ دیا کریں گے۔ اس لیئے اس لڑکی کو لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ اسے ہم نہیں لے جائیں گے اب سمجھے آپ فاطمہ صغراؑ کو کیوں چھوڑا تھا۔ ورنہ بیماری حسینؑ کے لیئے کیا شے ہے۔ اب آپ ذہن میں آگئی بات۔ جب شہزادہ علی اکبرؑ پیدا ہوئے۔ دوسرے فرزند تو حسب عادت حسینؑ نے اس بیٹے کو بھی لے جا کر مسجد میں لٹا دیا۔ وہی دو رکعت نماز پڑھی۔ وہی دعا کی خداوندا تو نے یہ نعمت مجھے دی تھی۔ میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اس وقت امیرالمومنین تو تھے نہیں۔ حسینؑ تو مسجد میں لٹا کے چلے آئے۔ اور برقعہ پہن کر زینبؑ گئیں مسجد میں۔ اور جا کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور بچے کو اٹھا لیا۔ خداوندا اسے میں مانگتی ہوں علی اکبرؑ زینب لے آئیں مانگ کے۔ اچھا تم جانو اور تمہارا بچہ جانے۔ جناب علی اکبرؑ، زینبؑ کی گود میں پلے۔ زینبؑ کی گود میں پرورش پائی، زینبؑ کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ جس طرح امام زین العابدینؑ، علی ابن حسینؑ کہلاتے ہیں۔ علی اکبرؑ، علی ابن زینبؑ مشہور ہو گئے۔ زینبؑ کا بیٹا علی اکبرؑ۔ زینبؑ کے بیٹے مشہور ہو گئے۔ اٹھتا زینبؑ کے ساتھ کھاتا پیتا زینبؑ کے ساتھ۔ گود میں زینبؑ کی۔ اگر کوئی شے مانگنی تو زینبؑ سے۔ کوئی

مند کرنی ہتو جناب زینبؑ سے ۔ بالکل سو فیصد اس شہزادہ کا تعلق جناب زینبؑ سے تھا۔ میری بات سن رہے ہیں صاحبان ۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے ۔ امام حسینؑ اکثر زینبؑ سے کہا کرتے تھے بہن میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارا بیٹا مجھ سے بھی کوئی شے مانگے۔ زینبؑ جواب میں کہتیں۔ میرا بیٹا غیرت دار ہے ۔ وہ کیوں مانگے ۔ میں موجود ہوں ۔کبھی علی اکبرؑ نے حسینؑ سے کوئی سوال نہ کیا ۔ حسینؑ کے دل میں یہ تمنا تھی کہ یہ مجھ سے کچھ مانگے۔مجھ سے کوئی سوال کرے ۔ مگر سب مانگتا زینبؑ سے ۔ جو سوال کرتا زینبؑ سے ۔ جو عرض کرتا زینبؑ سے ۔ ان کا نام ہی قبیلہ دُنیا میں علی ابن زینبؑ مشہور تھا ۔ کون ہیں علی اکبرؑ۔ زینبؑ کے بیٹے ہیں ۔حسینؑ کے بیٹے نہیں کہلاتے تھے۔ علی ابن زینبؑ کہلاتے تھے ، باہر جانے لگتے تھے نا گھر سے تو زینبؑ بازو پکڑ کے دُعائیں کرتی تھی ، میرے بچے کو کسی کی نظر نہ لگ جائے ۔ مشہور عربی کا محاورہ ہے ۔علی اکبرؑ سے زینبؑ کہا کرتی تھی کہ بیٹا اس طرح نہ چلا کر ، یہ بالکل علیؑ کی چال ہے ، ادھر اُدھر چلا کر ۔ اس طرح باتی تھیں ۔ سترھواں سال تھا کہ مدینے سے روانہ ہوگئے چلے ۔ سنوگے ۔ اور آپ سنیں گے تو حیران ہوں گے ۔ حیران کیا اس خاندان کی ساری باتیں ایسی ہیں ۔ جب آل محمدؐ ، خواتین ، مدینے میں سوار ہونے اپنی سواریوں پہ تو اسوقت عصر کا وقت تھا ۔ ۲۸ رجب تھی ۔ سنوگے مسلمانو ۔ ایک ایک ناقہ آتا تھا دروازے پہ ۔ اور آواز آتی تھی " مادر قاسمؑ کی سواری حاضر ہے " ۔ اور مادر قاسمؑ آتی تھیں ۔ قاسمؑ سلام کرکے انہیں سوار کراتے تھے ۔ پھر آواز آتی تھی فلاں خاتون ۔ فلاں خاتون ، اور اس خاتون کے متعلقین سوار کراتے ۔ سب سے آخر میں کالے پردوں والی محمل دروازے پہ آئی ، ناقہ بٹھایا گیا ۔ اسوقت سیدالشہداءؑ مسجد میں بیٹھے تھے ۔ اصحاب رسولؐ سے گفتگو فرما رہے تھے ۔ آپ نے پاس بیٹھنے والوں سے فرمایا ۔ بھائیو ذرا مجھے اجازت دو میں خود کھڑے ہو کر زینبؑ کو سوار کراؤں گا ۔ امامؑ خود تشریف لائے اور قمر بنی ہاشمؑ نے آواز دی ۔ محلے والو ، اب زینبؑ سوار ہو رہی ہے ۔ اور دیکھو کوئی شخص

سواری پہ چڑھ کر زمین سے نہ گذرنے پائے۔ کوئی آدمی چھت پر نہ چڑھنے پائے۔ محفل میں شور نہ ہو۔ خبردار جو کسی نے کوئی ایسی بات کی۔ اس طرح ایک ایک خاتون سوار ہو رہی تھی امام خود آئے بہن کو سوار کرانے۔ جب آپ آئے ہیں سوار کرانے بہن کو ایک بازو زینبؑ کا حسینؑ نے ایک بازو علی اکبرؑ نے ہاتھ میں لیا۔ اس طرح دروازے تک آئے۔ اور جب دروازے پہ پہنچے ہیں اس طرح تو یہ پہلا موقعہ ہے کہ زینبؑ نے اپنی زندگی میں علی اکبرؑ سے کہا کہ بیٹا میرا بازو چھوڑ دو۔ علی اکبرؑ نے چھوڑ دیا۔ پھر حسینؑ سے کہا آپ بھی چھوڑ دیں۔ انہوں نے بھی چھوڑ دیا۔ بہن کیا بات ہے؟ کہ بس میری منشا یہی ہے مجھے سوار کرانے کے لئے زین العابدینؑ کو بھیجو۔ اور حضور امام زین العابدینؑ آ گئے۔ کہا بیٹا تم مجھے خود سوار کراؤ میرا تمہارا ساتھ ہے۔ سوار ہو گئے روانگی ہو گئی۔ اور سید الشہدا نے حکم دیا کہ میرے باپ کے گھوڑوں میں سے جو سب سے شریف ترین گھوڑا ہو وہ زین العابدینؑ کی سواری کے لئے مخصوص کیا جائے۔ خاص طور پر زین بنایا گیا تھا۔ امام زین العابدینؑ کے لئے۔ نہایت نرم و نازک تھا۔ تاکہ سوار ہو کر کوئی تکلیف نہ ہو۔ گھوڑے کو خاص طور پہ سکھایا گیا تھا کہ وہ اشارے کے مطابق چلے۔ لوگوں نے عرض کیا قبلہ۔ آپ اور بیٹوں کی پرواہ نہیں کرتے زین العابدینؑ کی بڑی پرواہ کرتے ہیں۔ امام نے جواب میں فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ اس کی ماں ایران کی شہزادی تھیں۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے۔ اس کا مزاج شہنشاہی ہے۔ یہ کوئی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا شاہی مزاج ہے۔ شاہی مزاج تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ شاہی مزاج کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور بات آ گئی زبان پہ۔ وہ بھی کیا چلوں۔ جب زبان پہ بات آ گئی ہے تو تمہیں سنا دوں۔ گھر میں یہ حکم تھا۔ اب سننا ذرا غور سے۔ گھر میں یہ حکم تھا مستورات سے سید الشہدا امام حسینؑ کا کہ دیکھو بیبیو۔ دیکھو میری بہنو۔ گھر کے اندر جب زین العابدینؑ بیٹھے ہوں تو گھر کے اندر کبھی کسی کا سر نہ کھلنے پائے۔ میرے

بیٹے کا شاہی مزاج ہے یہ برداشت نہ کر سکے گا۔ اس کا شاہی مزاج اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس محفل میں میری، جتنے نوجوان بیٹھے ہیں ۔ ہمارے خون میں اب وہ ولولہ نہیں رہا۔ ہمارے خون میں اب وہ حرارت نہیں رہی ہے ۔ نوجوانوں سے معافی مانگ کر ۔ ان کے خون میں گرمی ہوتی ہے نوجوانوں کے۔ ان سے میں معافی چاہ کر یہ بات سنانا چاہتا ہوں ۔ نوجوانو! ذرا غور سے سننا میری بات کو ۔ تمہارے خون میں گرمی ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ میں بھی نوجوان تھا۔ آج سے اکیس سال پہلے کی بات ہے اور میں دکن گیا تھا۔ وہاں میں نے یہ واقعہ پڑھا جو ابھی تمہیں سناتا ہوں تو نوجوانوں نے چاقو مار لیے تھے ۔ پھر میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اس واقعہ کو ۔ اب میں اسے نرم کر کے پڑھتا ہوں ۔ نوجوانوں سے ڈر کے ۔ امام زین العابدینؑ کا واقعہ تمہیں سناتا ہوں ۔ امام زین العابدینؑ روانہ ہوئے مدینے سے تو بالکل ۲۲ سال کے تندرست جوان شہزادہ ۔ امامؑ نے چہرے پر نقاب ڈلوا دی ۔ اور کسی کے نہیں ۔ لوگوں نے کہا قبلہ ان کے چہرے پر نقاب کیوں ڈلوا دی ۔ فرمایا یہ شہزادہ ہے ۔ اس کے بدن میں شاہی خون ہے اور شاہی خون بازاروں میں بے نقاب نہیں چل سکتا ۔ میں کس طرح تمہیں وہ منظر سناؤں ۔ باپ کے ساتھ ساتھ گھوڑے پر زین العابدین سوار ۔ کربلا پہنچے ۔ حسینؑ سے دوسرے نمبر کا انسان امام زین العابدینؑ ۔ چوتھا امام ۔ وہی اعزاز تھا جو حسینؑ کے دوسرے نمبر کا ہونا چاہیے ۔ توجہ ہے نا صاحبان ۔ میرے محترم سامعین، نویں تاریخ آئی محرم کی ۔ نو کی شام کو امام زین العابدینؑ کو بخار ہوا ۔ یہ غشی کب تک رہی؟ دسویں کی شام تک ۔ اللہ نے یہ انتظام کیا تھا ۔ اسواسطے یہ غشی مسلط کر دی تھی کہ امام کی ھل من ناصر کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچے ۔ ورنہ جہاد فرض ہو جاتا اور امامت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ۔ جب بخار ہوا ۔ آپ اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے تھے بخار انتہا کا تھا ۔ غشی کا عالم اور ایک سندھی خاتون جو آپ کی ماں کے ساتھ گئیں تھیں،

شہربانو کے ۔ وہ آپ کی دایہ تھیں ۔ تیمار دار تھیں ۔ اسے امام زین العابدینؑ کی اَماں کہتے تھے۔ وہ پاس بیٹھی تھیں ۔ جب رات کے نو دس بجے تو آپ نے سُنا ۔ سید الشہداؑ نے اپنے خیمے میں اپنے ساتھیوں کو بلا کے ایک کانفرنس کی اور اس میں یہ فرمایا ۔ آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہ تم جا سکتے ہو ۔ سُنا ہے نا آپ نے؟ یہ نہیں کہا تم جاؤ ۔ اگر کہتے جاؤ ۔ پھر وہ رُک نہ سکتے ۔ پھر انہیں جانا پڑتا ۔ یہ نہیں کہا ، یہ کہا کہ تم جا سکتے ہو ۔ تمہاری مرضی ۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نہیں جائیں گے ۔ جو آپ نے سُنا ہے ۔ تو امامؑ نے فرمایا ۔ اچھا تم ایک کام کرو ۔ اپنے خیمے اکھاڑو جہاں جہاں لگے ٹھہرے ہیں ۔ اور سب انہوں کے خیموں کے چاروں طرف لگاؤ ۔ سن رہے ہو ۔ تاکہ سادات کے خیموں کی رات میں حفاظت ہو سکے ۔ اور یہ بے حیا فوج اگر رات میں حملہ کرنا چاہے تو ان سادات کی حفاظت ہو سکے ۔ چنانچہ سب اصحاب کے خیمے اکھڑ کے چاروں طرف لگ گئے ۔ میری بات سُن رہے ہو نا غور سے ۔ انہوں نے اپنے خیموں میں بیٹھ کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا ۔ مناجاتیں پڑھنا شروع کر دیں ۔ مذہب اہلبیتؑ کے قصیدے پڑھنا شروع کر دیئے ۔ مرنے کی عید ہو رہی تھی ۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ کیسی مبارک ہو ۔ کل مرنا ہے ۔ رات کے ایک بجے کا وقت اور ان کے خیموں سے آوازیں آ رہی تھیں قرآن کی ۔ حدیث کی ، مناجاتوں کی ۔ تم تیار ہونا ۔ اب بات جو میں کہنا چاہتا ہوں ۔ جب ان کی آوازیں بلند ہوئیں ۔ خیموں میں قرآن پڑھنے کی ۔ مناجات پڑھنے کی اسوقت امام زین العابدینؑ کو غشی سے آفاقہ ہوا ۔ آپ ذرا بیدار ہوئے ۔ بیدار ہو کے پوچھا اپنے تیمار دار سے کہ کس کی آواز میں سُن رہا ہوں ۔ تو خاتون نے کہا کہ جو ہمارے اصحاب ہیں ۔ جو ہمارے جانثار ہیں ۔ وہ اپنے خیموں میں قرآن پڑھ رہے ہیں ۔ دعائیں مانگ رہے ہیں ۔ ان کی آواز آ رہی ہے یہ ۔ آپ نے فرمایا اچھا ۔ اور میرے آبا کہاں ہیں ۔ کہ وہ وہاں مصلّے پہ بیٹھے ہیں ۔ کہ تم جاؤ اور میرے آبا کو یہ کہو کہ بیٹے کو غشی سے افاقہ ہے

اور آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس خاتون نے آکے امام کو سلام پہنچایا۔ امام مقتلے سے اٹھے اور سیدھے بیمار کے خیمے میں گئے۔ امام زین العابدینؑ تعظیم کو اٹھے۔ امام نے بٹھا دیا۔ نبض دیکھی۔ پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔ بیٹا بخار کا کیا حال ہے؟ طبیعت کیسی ہے؟ بیٹا جلدی جلدی اچھے ہو جاؤ۔ بڑا کام کرنا ہے۔ میں مومنین کو یہ بات کہتا ہوں۔ جس کسی کو پریشانی ہو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ چھوٹی سی دعا ہے۔ کتابوں میں لکھی ہے۔ وہ دعا تعلیم کی۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو امامؑ نے پوچھا۔ بیٹا تم نے مجھے کیوں یاد کیا تھا اس وقت۔ کہ آبا ایک بات عرض کرنی ہے۔ ہاں کہو بیٹا۔ یہ جو ہمارے اصحاب ہیں۔ یہ جو ہماری فوج ہے۔ جو ہمارے سپاہی ہیں۔ جو ہمارے مددگار ہیں۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ میں قیامت تک ان کا احسان مند رہوں گا۔ ان کے ہم شکرگزار ہیں۔ اور آبا ان کی آخری خدمت جو ہے دفن کی وہ تو میں کروں گا۔ اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کی قبر پہ کھڑا ہو کے میں کھونگا۔ میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ہوں۔ تم ہمارے محسن ہو۔ تم نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔ ہاں بیٹا ٹھیک کہتے ہو یہ ہمارے بڑے محسن ہیں۔ کہ قبلہ ان تمام باتوں کے باوجود میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ بات ہے یہ سب کچھ صحیح مگر ہیں تو نامحرم۔ ان کی آواز ہمارے زنانے خیموں میں آتی ہے۔ ممکن ہے ہماری عورتوں کی آواز وہاں جا رہی ہو۔ ان کے خیمے ذرا فاصلے پہ نہیں ہو سکتے۔ یہ کہنا تھا کہ امامؑ بیٹھے تھے۔ اٹھے۔ سید الشہداء پھر بیٹھے۔ پھر اٹھے۔ پانچ چھ مرتبہ کبھی اٹھے، کبھی بیٹھے۔ گھبرا کے کہتے ہیں بیٹے سے، بیٹا زین العابدینؑ۔ آج کی رات تو یونہی رہنے دو۔ کل جو رات آئے گی، تم جانو اور خیمے۔ ایک دفعہ پھر غش آ گیا امام زین العابدینؑ کو۔ اس غش سے کہ آنا قہ ہوا یہ پھر بتاؤں گا۔ اب آرام آرام سے سنتے چلیں کہانی کی طرح۔ اور میرے عزیز جو معین ہر سال میں حاضر ہوتا ہوں۔ پتہ نہیں اگلے سال آتا ہو۔ ممکن ہے یہ میرا آخری زیارت ہو۔ میں آپ سے بڑے خلوص سے یہ معافی مانگتا ہوں۔ یہ میں آپ کو اپنے گھر کی کہانی سنا رہا ہوں۔ میں شرمندہ ہوتا ہوں، مجبوری بن گئی۔

کہانی ایسی ہے میں کیا کروں۔ دل نہیں چاہتا سنانے کو۔ مگر کہانی ایسی ہے۔ بات کو میری سنو گے؟ امامؑ کی فوج میں جو موذن تھے ان کا نام تھا حجاج ابن سعود۔ جب صبح ہوئی تو وہ اذان کے لیئے اٹھے۔ امامؑ نے فرمایا۔ حجاج بھائی آج تم اذان نہ کہو۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اور آپ نے فرمایا علی اکبر بیٹا آج تم اذان کہو۔ شہزادہ علی اکبر نے اذان کہی۔ اُدھر کہا اللہ اکبر۔ ادھر لوگوں کے کانوں میں رسُول کی آواز گونجی اور تمام خواتین خیموں سے نکل کر باہر آگئیں۔ اور زینبؑ نے حکم دیا بی بیو خاموشی سے اذان سنو۔ اس کے بعد یہ آواز نہ سُن سکو گی۔ اذان ہوئی۔ نماز ہوئی۔ اور اس کے بعد امامؑ نے تیاری کی، رخصت ہوئے۔ میدان میں آگئے۔ میں مختصر کرتا جا رہا ہوں اب بات کو۔ چند لمحوں میں تیاری ہونے لگی میدان کی۔ اور سید الشہداؑ کے کان میں آواز آتی رہی۔ مولا میں گر گیا۔ میرے آقا میں گر گیا۔ اور ہر آواز پہ امامؑ جاتے رہے۔ جب تقریباً قریب قریب پچاس لاشیں حسینؑ اٹھا چکے تو اسوقت ایک بج گیا۔ پچاس لاشیں اٹھانے کے بعد۔ حسینؑ کے صحابیوں میں ایک صحابی تھے مسیّب کے رہنے والے۔ سعیدؓ نام تھا۔ بڈھے آدمی تھے۔ وہ آئے مولاؑ کے سامنے اور کہنے لگے قبلہ ظہر کا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ خدا تجھے نمازیوں میں محشور کرے ظہر کا وقت ہے۔ کیا چاہتا ہے تو سعید؟ کہ قبلہ یہ میری آخری نماز ہے۔ میں آپکے ساتھ جماعت سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ چند ساتھی جو باقی رہ گئے تھے بیٹھ کے سب نے تیمّم کیا اور آپؑ نے فرمایا اس فوج سے کہدو کہ چند منٹ کے لیئے تیر روک دے۔ ہم یہ جماعت کی آخری نماز پڑھ لیں۔ فوج نے تیر نہ روکے۔ صف بن گئی۔ اور یہ سعیدؓ صف میں سے نکلے، جنہوں نے نماز کا کہا تھا۔ کہا مولاؑ آپ نماز پڑھائیں میں سامنے کھڑا ہوں۔ کہ کیوں؟ کہ میں آپ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا۔ ادھر سے تیر آتے رہے۔ اُدھر یہ سعیدؓ پسلیوں پہ تیر روکتا رہا۔ تمام تیر گھس گئے بدن میں۔ اِدھر امام نے سلام پھیرا۔ اِدھر یہ گرا گود میں معہ ان تیروں کے۔ اور گر کر پوچھتا ہے ھل وفیتُ یابن رسول اللہ۔

رسولؐ کے بیٹے آپ مجھ سے راضی ہیں ۔ میری نماز ہوگئی ہے قبلہ؟ اور امام جواب میں فرماتے ہیں انتَ اماِمی فی الجنۃ سعیدؓ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں ۔ جب میں جنت میں جاؤں گا تو میرے آگے آگے چلے گا ۔ سعیدؓ نے فرمائش کی ۔ قبلہ اگر میں وہاں آگے چلوں گا تو میری ایک فرمائش ہے ۔ کیا؟ کہ یہ تیر میرے بدن سے نہ نکالنا ۔ میں ان تیروں سمیت تیرے نانا کے سلام کو جاؤں گا ۔ اسی طرح جنت میں جاؤں گا ان تیروں سمیت اور اس کے بعد سعیدؓ گود میں لیٹے ہیں ۔ ایک دم کہنے لگے قبلہ یہ کسی نے میرا سر اپنی گود میں لے لیا ہے ۔ امامؑ نے فرمایا سعیدؓ میرا سلام کہو یہ میرے ناناؐ آگئے ہیں ۔ قبلہ یہ کوئی میرے سینے پہ ہاتھ پھیر رہا ہے کہ میرے بابا حیدر کرارؑ ہیں ۔ یہ کوئی میرے ہاتھ دبا رہا ہے ۔ کہا یہ میرے بھائی حسنؑ آگئے ۔ اور ایک دفعہ گھبرا کے سعیدؓ نے کہا یہ میرے پیروں کے پاس کوئی آگیا ۔ امامؑ نے فرمایا سعیدؓ ذرا پاؤں ہٹادو میری اماں آگئیں ۔ میری اماں ہیں ۔ اور میرے معزز سامعین! سعیدؓ کی شہادت ہوگئی ۔ اس واقعہ کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں نظم کیا ہے انہوں نے نماز کی بجائے یہ کام کیا تھا ۔ اس بات کو مولانا روم مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

نمازِ ظاہری ذکر و سجود است ، ؛ نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

یہ ذکر اور سجدے ، یہ ظاہری نماز ہے ، وہ عاشقوں کی نماز تھی جو تیر کھا کے گرے ،

میں نے جب کربلائے معلّٰی میں محرّم کیا تھا نا بھائی تو دسویں محرّم کو ہزاروں قافلے ماتمی آئے تھے ۔ ایک دروازے سے آتے تھے تو دوسرے سے نکل جاتے تھے ۔ ایک مجھے ظہر کے وقت ایک قافلہ آیا ۔ بچپن میں جوانوں کا ۔ کرتے انہوں نے اتارے ہوئے تھے ۔

حسینؑ حسینؑ ۔ ماتم کرتے ہوئے حرم میں داخل ہوئے ۔ اور تمام لوگوں نے انہیں راستہ دے دیا ۔ وہ آکے ضریح کے چاروں طرف کھڑے ہوگئے ۔ ایک ہاتھ سے ضریح پکڑلی اور ایک ہاتھ سے ماتم شروع کردیا ۔ تمام حرم میں کہرام مچا ہوا تھا ۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا کہ یہ سعیدؓ ، جنہوں نے نماز پڑھائی تھی ۔ یہ اسکی اولاد میں سے یہ ہر سال

ظہر کے وقت آتے ہیں یہاں۔ اب ان کا نوحہ سنو یہ کیا نوحہ پڑھ رہے ہیں ۔ اور وہ نوحہ ہیں
کہہ رہے تھے ۔ حسینؑ ظہر کا وقت ہے اٹھو۔ سعیدؓ کی اولاد حاضر ہے ۔ اور اسی نماز
کے وقت حضرت حبیبؓ بھی شہید ہو گئے۔ اصحاب سب شہید ہو گئے۔ اب باری
اولاد کی آ گئی۔ اور مولا، آقا کی آواز آنی بند ہو گئی۔ اب صرف اولاد باقی رہ گئی
بنی ہاشم کی۔ جب باقی رہ گئے صرف تو امامؑ نے جوان کے سامنے کھڑے ہوئے تھے مسلم کے بچے
عقیل کے بچے ۔ حضرت مسلم کے بھائی جناب عباس چاروں بھائی سمیت، جناب امیرؑ
کے دوسرے صاحبزادے، امام حسنؑ کے بیٹے، یعنی اولاد بنی ہاشم۔ یہ سامنے کھڑے ہوئے
امام نے ایک نظر سب پر ڈال کر اور خود فرمایا " بسم اللہ یا بنیہ " ان سب سے پہلے بیٹا علی اکبرؑ
تم جاؤ میدان میں۔ میں یہ نہیں گوارا کرتا کہ دوسرے بچے شہید ہو جائیں اور میرا بیٹا بچ جائے
سب سے پہلے تم جاؤ بیٹا۔ بس اس حکم کا ہونا تھا علی اکبرؑ روانہ ہو گئے۔ ابھی دس بیس
قدم گئے ہوں گے کہ امام نے آواز دی واپس آؤ۔ علی اکبر واپس آئے۔ حکم؟ کہ جانے سے
پہلے خیمہ میں جاؤ۔ ماں کو سلام کرو، پھوپھی سے ملو۔ بہنوں سے رخصت ہو۔ پھر جاؤ۔
علی اکبرؑ نے گھوڑا وہیں چھوڑا۔ اتر کے گھوڑے سے خیمے میں گئے، اور امامؑ ساتھ گئے۔
امامؑ ساتھ گئے۔ سنو جہاں جہاں بیٹھے ہو۔ سب سے پہلے ماں کے پاس گئے لیلیٰ کے۔
اور جا کے سلام کیا۔ اماں سلام۔ جو جو مستورات میری بات سن رہی ہوں عورتیں، وہ
بھی سن لیں۔ اور مرد بھی سن لیں کہ لیلیٰ جواب کیا دیتی ہے؟ لیلیٰ کہتی کیا ہے سلام کے جواب
میں۔ اکبر بیٹا تم ابھی زندہ ہو؟ میں تو منت مانے بیٹھی ہوں میرا لال کہ تیری میت آئے
تو شکریے کی نماز پڑھوں۔ سنو علی اکبرؑ بیٹا۔ میرا معاملہ بڑا نازک ہے بیٹا۔ میرا اس
کم بخت سے رشتہ ہے یزید سے۔ تجھے پتہ ہے یا نہیں؟ اگر تو کسی سے پیچھے رہ گیا چاہے
کسی اور وجہ سے رہ جائے۔ کہیں دنیا یہ نہ کہہ دے کہ ماں نے روک لیا ہو گا۔ بیٹا تیری
ماں کی عزت کا سوال ہے۔ جلدی جا۔ اور بیٹے نے کہا اماں میں جا رہا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔

یہ کہہ کے آئے پھوپھی کے پاس - باپ نے فرمایا زینبؑ سے بہن زینبؑ ، اکبرؑ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں - یہ کچھ بات کرنے آئے ہیں - آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے - زینبؑ ذرا سنبھل کر بات کرنا آج - علی اکبرؑ گئے - اماں سلام زینبؑ نے دعائیں دیں - لیٹ گئے - گود میں سر رکھ دیا پھوپھی کے - اور پھوپھی نے پیار سے سر پہ ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا - امامؑ دیکھ رہے ہیں کہ بات کیا ہوگی - بات کیا کی بیٹے نے اماں - بیٹا - میں نے ساری عمر کبھی کوئی بات پوچھی تو آپ سے - کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ سے - سیکھا تو آپ سے - کوئی سوال کیا تو آپ سے - آج میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں - اور زینبؑ کہتی ہے ہاں بیٹا پوچھو کیا پوچھنا ہے - کرو سوال - کہ اماں یہ بتلاؤ کہ خدا کی نظروں میں آپ کا مرتبہ زیادہ ہے یا دادی فاطمہؑ کا - اور زینبؑ جواب میں کہتی ہے کہ بیٹا - اتنے سمجھ دار ہو کے یہ کیا پوچھ رہے ہو - میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں - میں کیا - فاطمہؑ کیا - جب زینبؑ نے یہ کہا تو اٹھ کے بیٹھ گئے ، اور بیٹھ کے کہتے ہیں اماں - اگر یہ بات ہے کہ دادی فاطمہؑ کا مرتبہ بہت زیادہ ہے آپ سے تو آج ایک کام تو کر دو - کیا بیٹا ؟ کہ آج فاطمہؑ کے بیٹے پر اپنے بیٹے کو قربان کر دو - اور امامؑ نے فرمایا - زینبؑ میں نہ کہتا تھا ذرا سنبھل کے بات کرنا - اب بتاؤ کیا جواب دو گی ؟ زینبؑ نے سر جھکا لیا - اور دونوں بہن بھائیوں نے کھڑے ہو کر لباس پہنایا اور اکبرؑ کو رخصت کیا - خیمے سے - خود فوجِ یزید اس بات کی راوی ہے - ہم غور سے دیکھ رہے تھے - حسینؑ کے خیمے کا پردہ کبھی اٹھتا ، کبھی گرتا تھا - بڑی دیر لگ گئی - تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ علی اکبرؑ رخصت ہو کے گھر سے جب باہر نکلنے لگتے ہیں کبھی کوئی بہن آ کے دامن پکڑ لیتی ہے - کبھی کوئی پھوپھی روک لیتی ہے - کبھی چچی روک لیتی ہے - جب بڑی دیر ہو گئی تو امامؑ نے فرمایا - بی بیو مسافر کا راستہ نہ روکو - اکبرؑ کو جانے دو - بی بیاں دم بخود ہو گئیں - علی اکبرؑ آخری مرتبہ روانہ ہوئے - تو جہاں ہمارا [illegible]

تماجو۔ اب تک جو چلے ہیں آخری مرتبہ تو ایسا منظر بن گیا کہ حسینؑ جیسا صابر بھی آنکھوں پہ رومال رکھ کے باہر آگیا۔ دیکھ نہ سکا اس منظر کو۔ وہ یہ تھا کہ اکبرؑ روانہ ہوئے کانوں میں ایک آواز آئی۔ اکبر ہم سے نہیں ملنا۔ اب جو مڑ کے دیکھا تو بیمار بھائی چلا آرہا تھا۔ اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ اب یہ منظر حسینؑ بھی نہ دیکھ سکے۔ باہر آئے۔ اور بس بھائیو اب میں مختصر کر دوں۔ میں بھی تھک گیا ہوں۔ بھائی سے رخصت ہو کے علی اکبرؑ باہر آئے۔ کس کس بات کو کیوں [illegible] نوجوانو تم نے ماتم کرنا ہے اور میرا ذاتی ایمان ہے کہ جس صفر کی چہلم کی مجلس میں چاہے وہ کہیں بھی ہو دو معصوم ضرور آتے ہیں۔ ایک امام زین العابدینؑ اور ایک جناب زینبؑ۔ اور بی بی زینبؑ سے آپ کی سفارش ہے کہ بی بی آج یہ شاندار چراغ میں مجلس ہو رہی ہے۔ میں ان سادات کی اجازت سے جنہوں نے یہ مجلس کی ہے۔ یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم تیرے علی اکبرؑ کا چہلم کر رہے ہیں تا کہ ہماری یہ جبس ابدی مجلس ہو جائے۔ باہر نکلے اور امام نے خود گھوڑے کی رکاب پکڑ کے سوار کرایا۔ سوار ہوئے۔ چلے۔ پیچھے پیچھے حسینؑ اور آگے آگے اکبرؑ۔ جب دس بیس قدم چلے۔ گھوڑا رکا۔ بابا میں نہ جاؤں؟ آپ کیوں آرہے ہیں۔ حسینؑ نے بس ایک جواب دیا۔ علی اکبرؑ بیٹا، تمہیں میرے دل کا اندازہ نہیں۔ تمہارے کوئی جوان بیٹا ہوا نہیں۔ حسینؑ بیٹھ گئے۔ اکبر چلے گئے۔ اب میں اپنی وہ مختصر گفتگو [illegible] دوں۔ اکبرؑ میدان میں، حسینؑ ریت کے ٹیلے پر۔ زینبؑ دروازے پر۔ لیلیٰ مصلّے پر۔ [illegible] کی نظر زینبؑ پر۔ زینبؑ کی نظر حسینؑ پر۔ حسینؑ کی نظر اکبرؑ پر۔ اکبر کی نظر [illegible] پر۔ سن رہے ہو نا میری بات کو؟ اور مختصر [illegible] گھوڑے سے پہنچے اکبر گھوڑے سے گرے، حسینؑ ٹیلے سے گرے۔ زینبؑ دروازے پر گریں۔ لیلیٰ [illegible] میں گریں۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ اٹھے۔ میدان میں آئے۔ جب علی اکبرؑ کی میت

نو دس قدم کے فاصلے پر رہ گئی۔ تو کھڑے ہو کر آواز دی۔ اکبرؑ بیٹا، ہمیں پکار دو، ہمیں آواز دو۔ ہم تمہاری آواز کے سہارے تم تک پہنچ جائیں گے۔ ہمیں بیٹا رستہ نظر نہیں آ رہا۔ ہماری آنکھیں کام نہیں کر رہیں بیٹا۔ اور اکبرؑ نے آواز دی "ادرکنی یا ابتاہ" بابا میں یہاں ہوں۔ پہنچے۔ لاش کو دیکھا۔ اکبرؑ تڑپ رہے تھے۔ جوان کا تڑپنا جو باپ نے دیکھا۔ گھبرا گئے۔ میں نے کہا تھا یہ لفظ تو۔ اب تمہیں میں خدائے سخن ابوالکلام انیسؔ کا ایک شعر سناتا ہوں۔ جب بیٹے کو تڑپتے دیکھا تو حسینؑ نے کیا کہا۔ اس کو انیسؔ نے نظم کیا ہے۔ تڑپتے دیکھ کر علی اکبرؑ کو حسینؑ کیا فرماتے ہیں؟ کہ بیٹا ؎

بے چین ہو تم دل میرا گھبراتا ہے بیٹا

تم بے چین ہو میرا دل گھبرا رہا ہے

مر جاؤ کہ اب صبر میں فرق آتا ہے بیٹا

بیٹھ گئے۔ لاشے کو گود میں لیا۔ اکبرؑ ہم آ گئے۔ بابا آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ سنو گے جوانو۔ حسینؑ نے ہزاروں دفعہ کہا ہے زندگی میں کہ اکبرؑ ہم سے کچھ مانگو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم کچھ مانگو۔ آج پہلا موقع ہے کہ اکبرؑ کہتے ہیں، بابا میں ایک چیز مانگتا ہوں۔ حسینؑ کی تمنا ہے ساری عمر کی۔ حسینؑ نے کہا مانگو بیٹا کیا مانگتا ہے۔ پہلی مرتبہ مانگا ہے بیٹے نے۔ کیا؟ بابا ایک شے چاہئیے۔ کیا میرے لال؟ ایک گھونٹ پانی کا۔ مانگا بھی تو کیا مانگا۔ حسینؑ نے آسمان کو دیکھا اور کہا بیٹا یہ تو ممکن نہیں۔ اور کوئی شے مانگو میرے لال۔ بابا اور شے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے خیمے میں لے چلو تاکہ میں اپنی اماں سے جا کے بات کر سکوں۔ ہاں یہ بات، ہم کریں گے۔ لو اب میں ختم کر رہا ہوں گفتگو کو۔ توجہ سے سننا جوانو۔ تم نے آج جوانوں کا ماتم کرنا ہے یہاں۔ امامؑ نے لاش اٹھائی۔ ہاتھ کانپے۔ لاش گرنے لگی۔ لٹائی، دوبارہ اٹھائی۔ سہ بارہ اٹھائی۔ جب جوان کی میت بوڑھے باپ سے نہ اٹھ سکی، تو باپ نے فرمایا اکبرؑ بیٹا یوں کرو۔ دونوں ہاتھ میرے

گلے میں ڈال لو۔ کچھ تم سہارا کرو۔ کچھ میں سہارا دوں۔ اکبرؑ نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ باپ نے فرمایا، بیٹا دونوں ہاتھ۔ کہ آبا میں بایاں ہاتھ اپنے سینے سے ہٹانا نہیں چاہتا۔ مولا نے کہا کیا بات ہے؟ میں اپنا سینہ آپ کو دکھانا نہیں چاہتا آبا۔ نہیں میرے لال دکھاؤ کیا بات ہے؟ امامؑ نے حکم دیا۔ اکبرؑ نے ہاتھ ہٹایا۔ حسینؑ نے دیکھا۔ کیا دیکھا۔؟ کہ برچھی ٹوٹ کے وہیں لگی ہوئی ہے۔ ایک انچ باہر نکلی ہوئی ہے۔ حسینؑ نے کہا یہ بات تھی بیٹا۔ گھبراؤ نہیں بیٹا۔ لٹایا بیٹے کو۔ ایک ہاتھ رکھا سینے پہ، ایک ہاتھ سے پکڑی برچھی اور بلند آواز سے کہا۔ نانا رسول اللہ، دادا ابراہیمؑ کو ساتھ لے کر کربلا میں آؤ، اور آ کے دیکھو میری آنکھوں پہ پٹی نہیں ہے۔ میرا ہاتھ نہیں کانپ رہا۔ آ کے دیکھو تو سہی۔ یہ کہہ کے جو برچھی ہلائی۔ برچھی ہلی تو اس میں چھدا ہوا اکبرؑ کا دل ہلا۔ دل ہلا تو سارا بدن کانپا۔ بدن کانپا تو کربلا کی زمین کانپی۔ کربلا کی زمین لرزی تو حسینؑ کے خیمے لرزے۔ خیموں کا لرزنا تھا کہ دروازے سے آواز آئی۔ بھیا کرنے دے۔ دونوں مل کے یہ کام کریں گے۔ اکیلا نہ کر حسینؑ۔ زینبؑ کی آواز حسینؑ نے سنی کہ باہر آنا چاہتی ہے۔ ادھر حسینؑ نے مڑ کے حکم دیا کہ بحیثیت امامؑ کے حکم دیتا ہوں علی اکبرؑ کے گھوڑے دروازے پہ جا کے زینبؑ کو روک دے۔ امامؑ نے کہا۔ سنتے ہی گھوڑا دروازے پہ پہنچا، تاکہ زینبؑ دروازے پہ رک جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو زینبؑ دروازے سے باہر آ جائے۔ اور حسینؑ نے لاش اٹھائی اور لے کے روانہ ہوئے۔ بس کیا بچو یہ میری گفتگو کا اختتام تھا۔ یہاں بات میں نے ختم کر دی۔ نوجوانوں تم نے ماتم کرنا ہے آج۔ کرنا ہے نا؟ بولو بھئی۔ ایک دفعہ میرے سامنے تو سینے پہ ہاتھ مار کے کہو یا حسینؑ۔ یا حسینؑ۔

انسان اور انسانیت

میں آج گفتگو یہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی خاص مقصد کے لئے خلق فرمایا ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے اور سب سے بڑی بات اللہ ہم سے چاہتا ہے ــــ وہ یہ ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے ــــ تو ہم میں انسانیت ہو ــ جسے اُس نے انسان بنایا ہے۔ وہ دُنیا میں انسان بن کے رہے ــ فرشتہ بننا ہمارا یہ بھی اُس کا مقصد نہیں اور ہمارا حیوان بن جانا یہ بھی اُس کی منشیت کے خلاف ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان ــ "انسان" ہی بن کر دُنیا میں رہے سمجھے نا ــ! حضور ــــ میرے محترم سامعین میں آسان ترین الفاظ میں آپ سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے لئے حیوان بننا انتہائی آسان ہے ــــ فرشتہ بننا انتہائی آسان ہے۔ اگر کوئی ذات مشکل ترین ہے ہمارے لئے تو وہ انسان بننا ہے ــــ مثلاً خدانخواستہ اگر ہم ابھی حیوان بننا چاہیں ــــ تو یہ مشکل بات نہیں ــــ انسان کو بھی بھوک لگتی ہے ــــ اور حیوان کو بھی بھوک لگتی ہے ــــ اس بھوک کے معاملے میں ہم مشترک ہوتے یا نہیں ــــ اب فرق کیا ہے ــــ کہ حیوان کو بھوک لگی۔ وہ گھر سے چلا بھوک میں ــــ اس کے سامنے جو آیا وہ کھا گیا۔ اُس نے یہ نہیں سوچا "اپنا" ہے یا پرایا ــــ جائز ہے یا ناجائز ــــ مناسب ہے یا نامناسب ــــ اس نے کھا لیا یہی اُس کا مقصد ہے ــــ بغیر کسی سے پوچھے ــــ اور اگر میں بھی اسی طرح اپنی بھوک کا انتظام کروں اور کھا جاؤں اور نہ سوچوں کہ جائز ہے یا ناجائز ـ

مناسب ہے یا نامناسب ــــ آپ نے چارہ منگایا تھا ــــ اپنے جانور کے لئے کھا گیا ہمسائے کا جانور ــــ آپ نے اُس کے چار ڈنڈے مارے ــــ دیکھنے والے اس کے حمایتی ہو گئے ــــ ارے بھائی جانے بھی دو حیوان ہے بیچارہ ــــ سارا چارہ کھا گیا۔ پھر بھی اس کے حمایتی ــــ سارا کھیت کھا گیا پھر بھی اُس کے حمایتی ــــ ہمارا پورا باغ ہضم کر گیا پھر بھی اُس کے حمایتی ــــ تو حیوان بننا بڑا ہی آسان ہے ــــ فرشتہ بننا بڑا ہی آسان ہے ــــ آپنے بازاروں میں تو کئی "ولی اللہ" دیکھے ہوں گے ــــ ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ فرشتہ نظر آ رہا ہے۔ ولی نظر آ رہا ہے ــــ یہ انسان بھی کتنا عجیب ہے کہ اگر ماننے پہ آ جائے تو "بازاری" کو ــــ ولی ــــ مان لے نہ ماننے پہ اَڑ جائے تو علیؑ کو ولی نہ مانے ــــ نہ اللہ انسان کا حیوان بننا پسند کرتا ہے نہ فرشتہ بننا پسند کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے انسان ــــ انسان بن ــــ آرام سے رہ ــــ اچھا لباس پہنو ــــ اچھی خوراک کھاؤ ــــ خوشبو لگاؤ ــــ نماز پڑھو ــــ اور امن سے زندگی بسر کرو ــــ یہ چاہتا ہے اللہ آپ سے ــــ یہ نہیں کہ ساری رات بلند آواز سے چیختا ہے ــــ نیند آتی نہیں ــــ بیکاری کا مشغلہ ہے ــــ بلند آواز سے چیخے جا رہا ہے کہ "میرے مولا بُلا لو مدینے مجھے" ــ اب مولا کو کیا غرض پڑی ہے بُلانے کی ــــ اب مولا کے پاس بھی جانا ہے تو مولا ہی کو کہا جا رہا ہے کہ خود ہی بُلائے ــــ خود جاؤ ــــ ہمسایوں کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے ــــ تم خود جانے کی تیاری کرو ــــ خود ارادہ کرو ــــ تو بُلائے صبح کی نماز قم میں پڑھو ــــ ظہر کی نماز مشہد میں پڑھو ــــ عصر کی نماز کاظمین میں پڑھو ــــ مغرب کی نماز کربلا میں پڑھو ــــ عشاء کی نماز نجف میں پڑھو ــــ پھر اُسے بلانے کا مزا بھی آئے ــــ حلال کماؤ ــــ حلال کھاؤ ــــ آرام سے رہو ــــ مگر یہ عادت انسان میں پیدا ہو گئی ہے ــــ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد ــــ وہ لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

—— ہے تو لمبی چوڑی —— تاریخ کی بات —— یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد —— اُن کے بیٹوں کی نسل دُنیا میں پھیل گئی —— اُن کے بڑے بیٹے کا نام تھا —— سام —— دوسرے بیٹے کا نام تھا —— یافث —— ایک سام دوسرے یافث اور تیسرے تھے —— حام —— "سام —— حام —— یافث" —— سام چونکہ بڑے بیٹے تھے لہٰذا سام کے بیٹے نے حکومت سنبھالی —— یافث اور حام کی اولاد اس کی رعایا ہو گئی —— صرف اس لئے سام کی اولاد نے حکومت سنبھالی کہ وہ بڑے بیٹے کی اولاد تھے —— چونکہ سو پچاس برس اسی طرح گزر گئے تو یافث اور حام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دُنیا میں پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ رعایا بن کے رہیں —— اور سام کی اولاد یہ سمجھ بیٹھی کہ ہم دُنیا میں پیدا ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ حکومت کریں —— تو ہر وہ حکومت جو بغیر کسی دلیل کے محض "بڑے پن" کے دوسرے پہ قابض ہو جائے تو وہ آج بھی "سامراج" کہلاتی ہے

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انسان کو دنیا میں انسان ہی بن کر رہنا چاہیے —— یہ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے لہٰذا انسان ہی بن کر رہیے —— آپ حضرات کی خدمت میں ایک نقطہ پیش کرتا ہے اور نقطے کی حیثیت بھی بڑی ہے —— اسے پڑھنے کے لئے احتیاط کی ضرورت ہے —— ایک نقطے کے بدلنے سے خدا "جدا" ہو جاتا ہے ——

تو عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انتخاب کا ترجمہ بنتا ہے چھانٹنا —— چُننا نہیں ہے۔ اور چُننے کے لئے ہے اصطفیٰ۔ اس کا اصطفیٰ ہوتا ہے جو چُنا ہوا ہوتا ہے —— اور جس کا انتخاب ہوتا "چھٹا" ہوا ہوتا ہے —— اور اللہ کے چُنے ہوئے میں معاذ اللہ کوئی شبہ ہو سکتا ہی نہیں غلطی کا شائبہ تک نہیں۔ اگر چُنے ہوئے میں ذرا سی بھی غلطی نکل آئے تو وہ چُننے والے کی بھی غلطی ہے —— اور اگر غلطی نکل آئے تو یا اُس میں خرابی ہے یا چُننے والے نے غلط چُنا —— ایک بات ہے اگر آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے —— کہ ایک شخص نے بڑی خوبصورت کوٹھی بنوائی —— عظیم الشان —— لاکھوں روپیہ خرچ کیا

اس کے بنانے میں ــــ اس میں ایک بڑا قیمتی کمرہ بھی بنوایا ــــ بھلا سا نام ہوتا ہے ــــ بتائیں آپ پتہ نہیں اس کا کیا نام ہے ــــ ڈرائنگ روم ــــ ہاں ــــ یہی ہے ــــ ڈرائنگ روم ــــ ہاں اس کا نام ڈرائنگ روم اس لئے کہ غریب لوگ اس کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں ــــ اسے سجایا گیا ــــ امریکہ سے تحفے منگوائے ــــ ایران سے قالین منگوائے ــــ ہر ملک سے کچھ نہ کچھ منگوایا لاکھوں روپے لگائے۔ شہرت ہوگئی ــــ کوٹھی بنی ــــ ڈرائنگ روم تو سبحان اللہ ــــ اب جو شور مچ گیا نا ــــ عام ــــ ایک نابینا بھی چلا گیا ــــ جاتے ہی چیزوں سے ٹکراتا گیا ــــ لاحول ولا ــــ "اب نظر خود کو نہیں آتا" ــــ اگر آنکھ ہوتی تو جلوہ دیکھتا ــــ خرابی چیز میں نہ تھی دیکھنے میں خرابی تھی ــــ تو صاحبان! آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک کسی میں کوئی عیب ہو سکتا ہی نہیں ان میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں ــــ کبھی بھول ان سے ہو سکتی ہی نہیں یہ ناممکن ہے۔ نہ ان میں معاذ اللہ کوئی خرابی ہو سکتی ہے ــــ نبی ہر شئے کا علم رکھتا ہے۔ یہ خالق کا تخلیقی کمال ہیں اور اس کے کمال میں نقص بتانا یہ اپنی بے ہنری بتانا ہے ــــ یہ جہالت کی دلیل ہے۔ سارے انبیاء کا بادشاہ نبی تھا ہمارا نبیؐ ــــ اب کئی صاحبان بتاتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی اس کے پاس جبرائیلؑ نے آکر وحی سنائی ــــ تو وہ ڈر گیا۔ جبرائیلؑ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا ڈر گیا ــــ ڈرے ہوئے گھر آئے آکر بیوی سے کہا ــــ ام المومنین کو بتایا ــــ کہ مجھے آج یہ واقعہ پیش آیا ــــ وہ بیچاری اسے اپنے بھائی کے گھر لے گئی ــــ اور اُن کے بھائی کا نام تھا " ورقہ" اُس " ورقہ" نے سارا قصہ سُنا اور کہا کہ " واقعی سچ مچ ہے" کہا کہ " ہاں" کہ پھر تو تم نبیؐ ہو گئے ہو ــــ اچھا تو یہ بات ہے ــــ کہ ــــ ہاں ــــ اب ایک فقرہ کہتا ہوں صاحبانِ ذوق کے لئے کہ ــــ اب بتایئے کہ [illegible] ب ام الکتاب ــــ اُس نبی کو سمجھائے گا کون ــــ ایک ورقہ ــــ اُسے سمجھا رہا ہے ایک ورقہ ــــ اُس کا علم کجا ــــ اُس کا علم کجا ــــ اُس

کی تعلیم کجا ___ اُس کی عقل کجا ___ جس درجے پر وہ فائز ہوتے ہیں وہاں تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہمارا فہم ان تک پہنچ نہیں سکتا ___ وہ انسان بنانے کے لئے آتے ہیں ہم بننے کے لئے آئے ہیں ___ انسان کو انسان بنانے کے ان کے پاس مختلف طریقے ہوتے ہیں ___ وہ انسان کو انسان بناتے ہیں پاس بٹھا کے ___ محبت کر کے ___ پیار کر کے ___ سمجھا کے ___ کہیں دور سے جلا کے ___ جتنے ذرائع ہو سکتے ہیں سمجھانے کے وہ استعمال کرتے ہیں ___ دیکھو اگر تم انسان بننا چاہتے ہو تو اس طرح کرو۔ کہ مجھے تمام کام کرتے ہوئے دیکھتے چلو ___ میں جس طرح نماز پڑھتا ہوں مجھے دیکھ کر ویسی ہی پڑھو۔ اب جو دیکھا ہے۔ اس میں سب کچھ آتا ہے نماز پڑھنا کس طرح ___ کھڑا کس طرح ہوتا ہے ___ رکوع کس طرح کرتا ہے ___ سجدہ کس طرح کرتا ہے۔

دیکھو ___ کس کو ___ رسول کو ___ دن میں پانچ دفعہ دیکھا ___ اب اندازہ لگا لو کہ زندگی میں کتنی ہزار دفعہ دیکھا ہوگا۔ کتنی ہزار دفعہ دیکھی ہوئی لاکھوں صحابیوں کی نماز ___ آج تک وہ نماز متنازعہ ہے کہ کس طرح پڑھی جائے ___ کوئی ہاتھ باندھ کے پڑھتا ہے ___ کوئی ہاتھ کھول کے پڑھتا ہے ___ اس نماز کو جس کو ہزاروں مرتبہ صحابہ نے دیکھا اس کا پتہ نہیں ہے کہ ہاتھ کھول کر پڑھنی ہے یا باندھ کر پڑھنی ہے۔ ___ اگر رسولؐ نے ہاتھ باندھ کر پڑھی تھی تو کھولنا غلط اور اگر ہاتھ کھول کر پڑھی تھی تو ہاتھ باندھنا غلط ___ اور یہ فیصلہ نہیں کر سکے مسلمان ___ ہاتھ باندھنے والے کو ہاتھ کھولنے والے کہہ رہے ہیں اور ہاتھ کھولنے والے کو ہاتھ باندھنے والے غلط کہہ رہے ہیں ___ دونوں نمازی ایک دوسرے ہی کو بُرا کہہ رہے ہیں ___ اور جو نہ باندھتے ہیں نہ کھولتے ہیں ___ انہیں کوئی پوچھنے والا ہے ہی نہیں ___ جو ہزاروں مرتبہ دیکھی ہوئی نماز کا مسلمان فیصلہ نہ کر سکے ___ کہ ہاتھ کھول کر پڑھی تھی یا کہ باندھ

کھول کر پڑھی تھی ــــ اب بتائیں ایمان سے ــــ کہ جس قوم کو اپنے رسولؐ کے لاکھوں دفعہ دیکھے ہوئے ہاتھ یاد نہیں رہے اُس قوم کو اگر ایک دفعہ کے اُٹھائے ہوئے ہاتھ یاد نہ رہیں تو کون سی بڑی بات ہے ــــ "تو اللہ نے ہمارے لئے رسول اس لئے بھیجے کہ اے رسولؐ انہیں انسان بناؤ ــــ انہیں نماز روزہ سکھاؤ ــــ انہیں جینے کا طریقہ سکھاؤ انہیں بَسنے کا سلیقہ سکھاؤ بھائی بھائی کے تعلق بتاؤ رشتہ داروں کے حقوق بتاؤ یہاں تک کہ سوا لاکھ تک انبیا بھیجے ــــ صرف سمجھانے کے لئے ــــ ایک لاکھ چوبیس ہزار تک تو کتابوں میں تعداد ملتی ہے ــــ یا اللہ جب انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ــــ اس کے بعد جو ہم پیدا ہوئے ــــ ہمارا کیا قصور ہے ــــ پہلے لوگوں میں تو سمجھانے والے نبی موجود تھے اور ہم نے کون سا قصور کیا ــــ اب کیا بنے گا ــــ اللہ کہتا ہے کہ میں نے نبوت ختم کی ہے ہدایت تو ختم نہیں کی ــــ نبوت الگ بات ہے ہدایت الگ بات ہے ــــ قبلہ! ہدایت کیسے قائم ہے؟ اب اس بات کی وضاحت کرتا ہوں یہ اپنی بات ہے۔ یہ ہمارے یو۔ پی کی بات ہے۔ یہ ہمارے ہاں طریقہ ہے ــــ کہ ہمارے ہاں ایک درخت ہوتا ہے "آم" اس کثرت سے کہ "عام" بس عام ــــ آم ــــ "عام" تھے اور ہم یو۔ پی والوں کو اتنا پیار تھا ــــ آم سے کہ یہ جی نہیں چاہتا تھا کہ یہ پھل ہمارے ملک سے باہر نکلے ــــ اسے اپنے علاقے میں محدود رکھنے کے لئے ہم نے اس کی ٹانگیں توڑ کے اُسے لنگڑا کر دیا ــــ مگر اُسے لنگڑا بنا دینے کے باوجود ــــ وہ لاہور میں بک رہا ہے ــــ کراچی میں بک رہا ہے ــــ نامراد تو یہاں کیسے آگیا ــــ تجھے تو "وہاں" کے لئے چھوڑ آئے تھے ــــ تو صاحبانِ ذوق ــــ جس کا دل "گھر" میں نہ لگے اُسے کون روکے ــــ یہ آم کی بات تھی ــــ بالکل مختصر کرتا ہوں حضورِ والا! ــــ خیر ــــ آم ہوا کرتے تھے ہمارے علاقے میں۔ بعض بڑے اچھے بڑے میٹھے ہوتے تھے اور بعض ذرا ترش ــــ حالانکہ ہوتے ایک ہی

"باغ" کے تھے ___ بعض میں تو مٹھاس بہت زیادہ تھی اور کئی بڑے ترش ___ حالانکہ وہ "میٹھے" آم کے دائیں بائیں اکثر ہوا کرتے تھے مگر تاثیر وہ نہ تھی ___ ذرا غور سے سنا اور کوئی بات یاد نہ رہے گی تو یہ آم کی بات یاد رہے گی ___ خدا تمہیں سلامت رکھے ___ اب آم میں ہر سال میوہ آتا تھا ___ کئی سال گزر گئے ___ سالہا سال بیت گئے ___ اب کیا ہو گیا ___ اب "فصل" نہیں ہو گی ___ اس کی دلیل کیا ہے ___ کہ یہ "بافصل" ہے۔ جب "فصل" ختم ہوئی تو اب ہو گیا "بلافصل" ___ پریشان ہو گئے کہ اتنا قیمتی پھلدار درخت ___ فصل آتی نہیں ___ اسے کیسے باقی رکھا جائے ___ تو مالی نے جاننے والے نے کہا ___ کہ اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں ___ اسے "بلافصل" ہو جانے دو اسے ختم ہو جانے دو ___ ایک آم کا پودا ___ اس کی جنس کا پودا ___ آم ہی کا پودا ___ اُسے گھر میں اُگاؤ ___ اور جب تمہارے گھر میں اُگا ہوا پودا ذرا "سیانا" ہو جائے نا! تو اُسے ختم ہونے والے درخت کے نیچے رکھ دو ___ اور اُس جیسی آب و ہوا ہی میں اُسے رہنے دو اور اس ختم ہونے والے کی ایک شاخ اس پودے ساتھ پیوند کر دو ___ اور اگر پیوند ہو جائے پکا تو شاخ کو کاٹ دو ___ کہ پودا اس قلم کو لے کر پھر اپنے گھر چلا جائے ___ نیا درخت تیار ہو جائے ___ باغِ عالم میں شجرِ نبوت نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بہاریں دیکھیں ___ اور نبوت کا شجر جب بلافصل جو ہوا ___ تو اللہ نے اُسی جنس کا ___ جس جنس کی نبوت تھی ___ ایک پودا اپنے گھر اُگایا ___ پودا اتنا زوردار تھا کہ گملے میں شگاف آ گیا ___ اب جو اللہ کے گھر میں اُگا ہوا نبوت کا پودا ___ اُسی جنس کا ___ اب جو ذرا پر پرزے نکلے ___ تو اُسے ختم ہونے والے شجرِ نبوت کی آغوش میں دے دیا ___ آب و ہوا بھی ویسی ہی مل سکے اور ذرا سنبھل جائے ___ اب اس آب و ہوا میں جب ذرا شاداب ہوا ___ تو اُس ختم ہونے والے شجرِ نبوت کی ایک ہری بھری شاخ ___ کا پیوند لگ گیا ___ اور یہ پودا اس شاخ کو لے کر اپنے

گھر آ گیا ـــــ وہ ''ختم'' ہونے والا تھا قیامت تک کے لئے ''قائم'' ہو گیا۔ میرے محترم سامعین! ـــ اب ادھر ایک نیا درخت تیار ہو گیا ـــ ختم ہونے والے درخت کا نام آپ ''نبوت'' رکھ دیں ـــ ''قائم'' رہنے والے کا نام ''امامت'' رکھ دیں ـــ جنس دونوں کی ایک ہے ـــ معصوم کی معصوم سے ہوئی قلم تبدیلی جنابِ والا! اب نئی شئے تیار ہو گئی ـــ نبوت کے پلنے کا انداز اور تھا ـــ امامت کے پلنے کا انداز اور تھا ـــ اب جو درخت بنا ہے ـــ نبوت و امامت کے اِتصال سے ـــ اس کے جو ثمر ہوں گے اُن میں نبوت کا اثر بھی ہو گا امامت کا اثر بھی ہو گا ـــ اسے میں مختصر کرتا ہوں حضور والا! ـــ اس نئے درخت پہ ثمر آنا شروع ہو گئے ـــ بالکل مختصر کر دیا ہے میں نے اپنی بات کو ـــ ثمر آنے شروع ہو گئے اس درخت پر۔ میرے سامعین! اس نئے شجر پہ پہلا ثمر جو آیا ہے ـــ وہ تو ہرا ہی پک گیا ـــ وہ ہرا ہی پک گیا۔ ـــ اور دوسرا ثمر جو آیا وہ سرخ ہو گیا ـــ اور باغیوں میں بٹ گیا ـــ جب دو ثمر آ چکے ایک حسنؑ اور ایک حسینؑ ـــ کائنات کئی دفعہ ختم ہو ـــ اور پھر بنے ـــ مگر کسی ماں باپ کے حسنؑ حسینؑ جیسے بیٹے نہ ہوں گے ـــ علیؑ کی لاکھ فضیلتیں سہی ـــ سیّدہ کے لاکھ شرف سہی ـــ مگر جب یہ کہا جاتا ہے ـــ حسنینؑ کا ابا ـــ حسنینؑ کی اماں ـــ ان کی شان ہی اور ہو جاتی ہے ـــ کہاں کسی کی ایسی اولاد ـــ کہاں کسی کے ایسے بیٹے ـــ کِسے نصیب میں ملے ـــ اب اس شجر میں جو ثمر آیا حسنؑ اور حسینؑ کے بعد ـــ اُس کی شان ہی اور تھی ـــ اور علیؑ نے اس ''ثمر'' کو سفید رومال میں لپیٹا ـــ لپیٹ کے رسولؐ کے سامنے لے آئے ـــ قبلہ حضور نے یہ ''نعمت'' فرمائی ہے ـــ رسولؐ نے علیؑ کو دیکھا ـــ باپ کو دیکھا پھر بیٹی کو دیکھا ـــ اور فرماتے ہیں کہ یہ تو اپنے باپ کی زینت ہے ـــ علیؑ کو بڑا پیار ہے ـــ بے انتہا پیار ہے اس ''نعمت'' سے ـــ جس کا نام زینب ہے ـــ جب بھی باہر سے گھر میں آتے

تھے ـــــ پہلی بات پوچھتے تھے میری زینب بیٹی کہاں ہے ـــــ باپ کے ساتھ بیٹھ کے کھانا کھاتی ـــــ باپ کی گود میں کھیلتی ـــــ سیّدہ فرمایا کرتیں ـــــ یا علیؑ ہے تو بیٹی مگر مجھ سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہے ـــــ باپ کی گود میں اکثر سو جاتی ـــــ ہر وقت باپ کا ہی خیال رہتا ـــــ اور علیؑ سیّدہ سے کہتے کہ فاطمہؑ مجھے اس بیٹے کو اٹھا کے اتنا سکون ملتا ہے میں اتنا مانوس ہوں اس بیٹی سے کہ بیان سے باہر ہے ـــــ اب حضور ـــــ پیدل چلنے لگی ـــــ زینب بیٹی ـــــ باپ کے ساتھ ٹہلا کرو ـــــ معصوم پیدل چلنے کی عادت ڈالنے لگے تو خاندان کے افراد پریشان ہو گئے ـــــ جب چار سال کی تھی کہ ماں کا سایہ سر سے اُٹھا ماں نے وصیت کیا کی ننھی بیٹی سے ـــــ کہ ہے تو زینب ـــــ ہے تو بیٹی ـــــ یہ حسنؑ اور حسینؑ تیرے بڑے بھائی ہیں ـــــ اب میں جا رہی ہوں ـــــ اب یہ بِن ماں کے ہو رہے ہیں ان سے اتنا پیار کرنا کہ انہیں ماں یاد نہ آئے ـــــ اب بھائیوں نے کیا کیا جب بھی حسنؑ یا حسینؑ گھر میں آتے زینب کو سلام کا موقع نہیں دیا ـــــ بلکہ پہلے کہہ دیا گھر میں داخل ہوتے ہی ـــــ بہن سلام ـــــ اب میرے معزز سامعین یہ شریف ترین خاندان زمانے کا ـــــ روانہ ہو رہا ہے مدینے سے ـــــ روانہ ہوتے مدینے سے ـــــ اٹھائیس رجب تھی ـــــ آدھی رات کا وقت تھا ـــــ سادانیوں کی محملیں اور ناقے دروازے کے ساتھ آ کے بٹھائے جا رہے تھے ـــــ ایک ناقہ بیٹھتا اور خاندان کے نوجوان آواز دیتے ـــــ محلے والو ـــــ ہوشیار فلاں خاتون سوار ہو رہی ہے ـــــ وہ خاتون سوار ہو جاتی ـــــ ناقہ چلا جاتا ـــــ سب کے بعد سیاہ پردے لگے ہوئے ناقہ آیا دروازے پہ ـــــ اور آ کر بٹھایا گیا اور قمر بنی ہاشمؑ نے آ کر آواز دی ـــــ محلے والو ـــــ کوئی شخص باہر نہ نکلے ـــــ کوئی سوار ہو کر نہ گزرے ـــــ دروازے بند ہوں ـــــ کوئی بچہ شور نہ مچائے ـــــ اب بنتِ علیؑ سوار [illegible] ـــــ اُدھر [illegible]

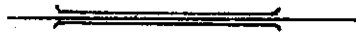
میں ہیں رشتہ داروں میں ہیں ـــــ حسینؑ اٹھے ـــــ بھائیو اب اجازت دینا ـــــ میں خود جا کے ذرا زینبؑ کو سوار کرادوں ـــــ امام آئے ـــــ بہن کو سوار کرایا۔ ایک بازو حسینؑ کے ہاتھ میں ایک بازو علی اکبرؑ کے ہاتھ میں ـــــ عونؑ و محمدؑ نعلین سنبھالے ہوتے ـــــ عباسؑ نے محمل کا پردہ اُٹھایا ـــــ اب جو محمل کے قریب آئیں ـــــ تو فرماتی کیا ہیں ـــــ حسینؑ بھائی میرا بازو چھوڑ دو ـــــ اکبرؑ بیٹے میرا ہاتھ چھوڑ دو ـــــ امامؑ فرماتے ہیں ـــــ بہن کیا بات ہے ـــــ کچھ نہیں ذرا میرے بیٹے زین العابدینؑ کو آواز دو ـــــ زین العابدینؑ آ گئے ـــــ زین العابدینؑ بیٹا زینبؑ کو تم سوار کراؤ ـــــ اور سوار ہو گئیں ـــــ جناب زینبؑ ـــــ اور عبداللہ ابن جعفر طیارؑ محمل کے پاس خاموش کھڑے ہیں ـــــ صرف اتنا کہا کہ "خدا حافظ" ـــــ

میرے محترم سامعین میں بات کو مختصر کرتا ہوں ـــــ یہ لوگ مکے پہنچے ـــــ اور جب مکے سے حسینؑ روانہ ہوئے ـــــ تو شہر مکہ سے نکل کے یہ قافلہ ایک میل پہنچا ہوگا ـــــ کہ ایک آواز آئی ـــــ حسینؑ ٹھہرو ـــــ اور حسینؑ ٹھہر گئے قافلہ ٹھہر گیا ـــــ گھوڑے کو روک کر حسینؑ نے آواز کی طرف دھیان دیتے ہوئے قافلے میں کہا کہ عباسؑ بھائی دیکھو کس کی آواز ہے ـــــ حضور نے اُدھر دیکھ کے کہا ـــــ غالباً عبداللہ آرہے ہیں ـــــ شوہر حضرت زینبؑ ـــــ مکے سے ـــــ سب لوگ اُتر گئے ـــــ عبداللہ آ گئے ـــــ آئے کس شان سے ـــــ ایک ہاتھ عونؑ کے کندھے پہ اور ایک ہاتھ محمدؑ کے کندھے پہ ـــــ پہنچے ـــــ اماؑم نے فرمایا کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی ـــــ میں تو ابھی مل کے آیا تھا ـــــ حسینؑ ایک کام رہ گیا تھا ـــــ ایک بات رہ گئی تھی ـــــ اور عونؑ و محمدؑ سے کہا کہ بچو! مجھے اس محمل کے قریب لے چلو ـــــ جہاں تمہاری اماں بیٹھی ہے ـــــ عونؑ و محمدؑ لائے ناقہ بٹھایا گیا ـــــ عبداللہ مخاطب ہوئے ـــــ علیؑ کی بیٹی جا رہی ہو ـــــ اور زینبؑ جواب

میں کہتی ہیں ـــــ ابن عم تیری اجازت نہ ہو تو اتر آؤں ـــ میں تو تیری اجازت سے جا رہی ہوں ـــ مگر یاد رکھنا کہ حسینؑ کے بغیر زینب کا جنازہ اُٹھے گا ـــ میں روکتا کب ہوں ـــ میں تو تاکید کرنے آیا ہوں کہ جاؤ تو ضرور مگر زہراؑ کی بیٹی تو جعفر طیار سے رئیس کی بہو ہے اور سفر کا معاملہ ہے ـــ ملک عراق کا سفر ہے ۔ حسینؑ جیسی قیمتی شے تیرے ساتھ ہے ـــ خالی ہاتھ جا رہی ہو ـــ اگر کہیں حسینؑ پہ مصیبت بن گئی ـــ اور مصیبت کو ٹالنے کے لئے اگر صدقہ دینا پڑا ـــ تو کیا کرو گی تم خالی ہاتھ جا رہی ہو ـــ اور عونؑ و محمدؑ کے زینبؑ کے ہاتھ میں دے کے کہا کہ یہ دونوں بچے حاضر ہیں ـــ انہیں بھائی کا صدقہ کر دینا ـــ اپنی طرف سے صدقہ کر دینا ـــ اب زینب نے بیٹوں کو باقی زندگی عون و محمد کہہ کے نہیں پکارا ـــ بھائی کا صدقہ کہہ کے پکارا ـــ

معزز سامعین کرام: ـــ رات کے ایک بجے کا وقت ـــ امام مصلے پہ بیٹھے ہوئے ہیں ۔ کہ اتنے میں جناب فضہ آئیں فرماتی ہیں حسینؑ ـــ بہن نے یاد کیا ہے ـــ حسینؑ آئے ـــ کیا دیکھتے ہیں ـــ زینبؑ کے ایک طرف عونؑ کھڑے ہیں ـــ ایک طرف محمدؑ کھڑے ہیں ـــ حسینؑ نے آتے ہی کہا ـــ زینبؑ سلام ـــ فرماتی ہیں حسینؑ تھوڑی دیر کیلئے مجھے بہن نہ کہنا ـــ تجھے میں نے بھائی سمجھ کے اب نہیں بلایا ـــ میری بات سنو ـــ تم ہو حیدرؑ کے بیٹے ـــ میں ہوں جعفر طیار کی بہو ـــ آج میں حیدر کے بیٹے سے جعفرؑ کے پوتوں کے لئے شہادت کی بھیک مانگتی ہوں ـــ اور بھائیو قصہ ختم ہوتا ہے ـــ بات ختم کرتا ہوں ـــ صبح ہوئی ـــ ایک ایک شہید کی لاش آتی رہی خیمے میں ـــ اور زینب پوچھتی رہی کہ ابھی عونؑ و محمدؑ زندہ ہیں ـــ ابھی عونؑ و محمدؑ کی لاشیں نہیں آئیں ـــ بچے گھر میں آ گئے اماں سلام ـــ ہائیں ابھی تم زندہ ہو ـــ میں تو صبح سے مصلےٰ بچھائے بیٹھی ہوں کہ تمہاری لاشیں آئیں اور میں سرخرو

ہو جاؤں۔۔۔ تم ابھی تک میدان میں نہیں گئے۔۔۔ دروازے تک آئی۔۔۔ بچے میدان میں گئے۔۔۔ لڑتے رہے۔۔۔ خیموں سے صدا بلند ہوئی کہ زینب کے بچے شہید ہو گئے۔۔۔ کہا زینبؑ کہاں ہے۔۔۔ رک گئے۔۔۔ دیکھا کہ سجدے میں ہیں امام لاشیں لے کے آئے۔۔۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔۔ اب جو ماں آئی بیٹوں کی لاشوں پر بیٹھ گئی۔۔۔ بیٹھی ہی تھی کہ چھوٹے کے لب ہلے۔۔۔ کیا کہنا چاہتا ہے۔۔۔ بچہ کہہ رہا تھا۔۔۔ اماں اب تو تُو راضی ہو گئی ہے نا! ہم پیاسے تھے۔۔۔ ورنہ بڑی دیر اور دیر تک لڑتے۔۔۔ اور زینب سر کے بال چوم کر۔۔۔ ماتھے کے زخم چوم کر کہہ رہی ہیں کہ میرے پیارے بیٹو! اگر کبھی جھڑکا ہو تو معاف کر دینا۔۔۔ عونؑ و محمدؑ۔۔۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔۔۔ اب میری ایک اور بات یاد رکھنا ابھی تھوڑی دیر بعد تم اپنے نانا حیدر کرار کے پاس پہنچو گے۔۔۔ کوثر کے کنارے۔۔۔ اگر ساقی کوثر۔۔۔ کوثر کے کنارے تمہیں پانی پلائے تو میرے پیارے بچو!۔۔۔ ماں کی بات ضرور یاد رکھنا۔۔۔ کوثر پہ جا کے بھی حسینؑ سے پہلے پانی نہیں پینا۔۔۔ جی بھر کے رو لو۔۔۔ ان کی ماں کو کسی نے نہیں رونے دیا۔۔۔ جی بھر کے رو لو۔۔۔ یہ زینب کے بچوں کی مجلس ہے۔۔۔ اب میں پردہ نشین خواتین سے کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری مجالس دن کو ہوتی رہیں۔۔۔ جب تمہاری مجلس ہو تو تمام اکٹھی ہو کر سر کے بال کھول دینا اور زینب کو عونؑ و محمدؑ کا پرسہ دینا۔۔۔ زینب ہم تیرے بچوں کو رونے آئی ہیں۔۔۔ اللہ آپ کی مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔۔۔



منشاءِ غریبان

صاحبان ـــــ مختصر سی گفتگو کو پورے غور اور توجہ سے سُنیں تاکہ آپ کو وہ بات یاد رہے جو میں کہنا چاہتا ہوں ـــــ میں آج کی یہ گفتگو اس بات سے شروع کرتا ہوں کہ جتنے بھی انبیاءؑ دُنیا میں تشریف لائے ـــــ جن کی تعداد کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں لگا ہے ـــــ شہرت عام یہ ہے کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ـــــ یہ شہرتِ عام ہے ـــــ یہ نہیں کہ یہ تعداد طے شُدہ ہے ـــــ یہ ایک شہرتِ عام ہے ـــــ پھر ان تمام انبیاء میں سے بعض کا ذکر قرآن میں ہے اور اکثر و بیشتر کا تذکرہ نہیں ـــــ مگر ایک بات ان سارے انبیاء کے متعلق مشترک طور پر قرآن میں موجود ہے ـــــ کہ ان انبیاءؑ نے اپنے تشریف لانے اور ہدایت فرمانے کا مقصد یہ بیان کیا ہے، بزبان قرآن ـــــ بزبان خدا ـــــ وما علینا الا البلاغ ـــــ ہم اس لئے دنیا میں آئے ہیں کہ اے دُنیا والو تمہارے سامنے حق کی، اور حکمِ خدا کی تبلیغ کریں ـــــ یہ بیان کرتے کرتے ـــــ کرتے کرتے ـــــ جب نبوّت چلتے چلتے خاتم النبیینؐ پر پہنچی ـــــ ان سے بھی لوگوں نے پوچھا کیا آپ بھی اسی طرح نبی ہیں جس طرح وہ تھے؟ ـــــ آپ بھی تبلیغ ہی کے لئے آئے ہیں؟ جس طرح وہ آئے تھے ـــــ تو آپ نے فرمایا نہ ـــــ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا ـــــ میرا مقصد بلاغ نہیں ہے ـــــ بلاغ کے معنی یہ ہیں کہ بالکل سلجھے ہوئے انداز میں کسی بات کو کسی سے کہدیا جائے ـــــ اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کا ذمہ دار وہ کہنے والا نہیں ہے ـــــ اسے تبلیغ کہتے ہیں ـــــ سمجھ میں آیا نہ آپ کے ـــــ آپ کا کیا مقصد ہے؛ تبلیغ؛ کہ نہ میں تبلیغ کے لئے نہیں آیا ـــــ میرے اللہ نے میرے آنے کا مقصد تبلیغ کے علاوہ مقرر کیا ہے ـــــ کیا؛ کہ یُعلِمُھم الکتاب الحکمۃ ـــــ میرا مقصد تبلیغ نہیں تعلیم ہے۔

تعلیم چیز اور ہے، تبلیغ چیز اور ہے ــــ میں مبلغ نہیں ہوں میں معلم ہوں ــــ
سمجھ میں آیا یا صاحبان کے؟ یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی جا رہی ہے ــــ ایک
یہ بڑا فرق ہے، باقی انبیاء میں اور ہمارے نبیؐ میں کہ وہ سب مبلغ تھے، ہمارا رسولؐ معلم
تھا ــــ سمجھ رہے ہونا حضور والا ــــ مبلغ کے لئے کوئی لمبے چوڑے علم کی ضرورت
نہیں ــــ مگر معلم کے لئے ــــ جس چیز کی وہ تعلیم دے رہا ہے اس کی ہر جزئیات
تک کی مہارت ضروری ہے ــــ مبلغ کا کام ہے کہہ دینا ــــ اور معلم کا کام ہے
سمجھا دینا ــــ دونوں میں لحاظ بڑا مشکل ہے ــــ اس لئے کہ مبلغ کے سامنے
بھی اور معلم کے سامنے بھی جو مجمع آئے گا اس میں ذہین ہوں گے ــــ کچھ کم ذہن کے
ہوں گے ــــ کوئی کند ذہن ہوں گے ــــ کوئی توجہ کرنے والے ہوں گے ــــ
کوئی کھلاڑی ہوں گے ــــ تو مبلغ نے بات کہہ دی کند ذہن سن رہے ہیں ــــ
توجہ والے توجہ دے رہے ہیں ــــ مگر معلم کو اس طرح بات کرنی پڑے گی کہ ہر
طبقے کے آدمی کے ذہن میں وہ بات بیٹھ جائے ــــ گویا اس کا کام ہے سمجھانا ــــ
تو اتنا فرق تو یہ ہو جائیگا مبلغ اور معلم میں کہ مبلغ کہے گا کہ بھائی ذرا جو سمجھ دار ہیں۔ وہ
آگے آجائیں اور جو نا سمجھ ہیں وہ پیچھے بیٹھیں ــــ مگر معلم کا کام ہے سمجھانا ــــ
وہ یہ نہیں کہے گا ــــ وہ تو یہ کرے گا کہ بھئی وہ جو ذرا نا سمجھ ہیں جن کی سمجھ ذرا
کمزور ہے وہ ذرا اور قریب آجائیں ــــ سمجھے حضور ــــ یہ بیّن فرق ہے ــــ
مبلغ میں اور معلم میں ــــ اگر یہ بات آپ لوگوں کے ذہن میں آگئی ہے اور یقیناً آ
گئی ہوگی ــــ کہ ہمارے نبیؐ کا کام ہے تعلیم ــــ اُن کا کام ہے تبلیغ ــــ بس
کئی دفعہ آپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں ــــ آپ ان باتوں کو سرسری سمجھ کر بھول جاتے
ہیں ــــ نظر انداز کر دیتے ہیں ــــ مگر یہ بھولنے کی باتیں نہیں ــــ انہی کے اندر ساری
بات ہے ــــ یہی سارا فلسفہ اور منطق ہیں ــــ کہ تعلیم کا قاعدہ یہ ہے ــــ لفظ قاعدہ

یاد رکھنا ــــ کہ جب بچہ مدرسے میں داخل ہو تو اسے پہلی کتاب جو دی جاتی ہے وہ قاعدہ ہے ــــ تعلیم کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لفظ بچے بتایا جائے اس کے سامنے اس لفظ کی ایک تصویر بھی بنا دی جائے ــ یہ طریقۂ تعلیم ہے ــــ الف سے آم، تو آم کی ایک تصویر بھی ہو ــ سمجھے ــــ اور س سے سانپ ــــ سانپ کی ایک ــــ تصویر بھی ہو ــــ ش سے شیر، شیر کی ایک تصویر بھی ہو ــــ تاکہ ادھر بچے ذہن میں ہو شیر، اُدھر بچے کے دماغ میں ہو شیر کی تصویر ــــ دونوں چیزیں جب ذہن میں ہوں تب مقصدِ تعلیم پورا ہوتا ہے ــــ اگر یہ تصویر کا قاعدہ کسی بچے نے پڑھا ہے، اُسے یہ تو یاد ہے ش سے شیر ــــ شیر کی تصویر نہیں دیکھی اس نے ــــ وہ باپ کے ساتھ گیا لاہور ــــ ابا مجھے چڑیا گھر دکھا دے چل کے ــــ ابا اسے چڑیا گھر لے گیا ــــ بچے نے پوچھا ــ ابا یہ کیا ہے؟ کہ بیٹے یہ شیر کا پنجرہ ہے ــــ اب یہ تو یاد تھا اسے ش سے شیر ــ تصویر نہیں دیکھی تھی اس نے شیر کی ــــ وہ شیر کا پنجرہ دیکھنے لگا ــــ چڑیا گھر والوں کا شیر مر گیا تھا ــــ انہوں نے خالی پنجرہ دیکھ کر اس میں ایک گدھا بند کر رکھا تھا ــــ اس بچے نے شیر کی تصویر نہیں دیکھی تھی ــــ وہ شیر کی جگہ بیٹھا دیکھ کے گدھے کو شیر سمجھ بیٹھا ــــ اگر کبھی وہ ش سے شیر کی تصویر بھی دیکھ چکا ہوتا تو لاکھ اس کا باپ بھی کہتا کہ بیٹا یہ شیر ہے ــــ وہ کہتا "ابا کیوں جھوٹ مارتا ہے ــــ میں تو شروع میں ہی دیکھ چکا ہوں ــــ شیر کی تصویر ــــ یہ تو کوئی اور ہے جو شیر کی جگہ آ گیا ہے ــــ سمجھ میں آیا ــــ تو قاعدہ یہ ہے تعلیم کا ــــ جو بات کہی جائے اس کی تصویر بھی ساتھ ہو ــــ دیکھو جو میں کہہ رہا ہوں یہ اس کی تصویر ہے ــــ دیکھو یہ کہہ رہا ہوں، یہ اس کی تصویر ہے ــــ سمجھے نا حضور، تصویر سے قطع نظر کرنے والے طالب علموں نے دھوکا کھا لینا ہے اور نظر میں اگر کتاب اور تصویر دونوں رہیں تو طالب علم کبھی دھوکا کھا سکتا ہی نہیں ــــ اسے کبھی مغالطہ لگ سکتا ہی نہیں ــــ

میری بات اچھی طرح ذہن میں آگئی نا آپ کے؟ ــــ خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا میرا مطلب یہ تھا کہ رسولؐ کا کام ہے ــــ ہمارے رسولؐ کا کام ہے ــــ کہ وہ مبلّغ نہیں ہے بلکہ معلّم ہے ــــ معلّم تعلیم دیتا ہے ــــ تو تعلیم کے لئے سارے لوازمات تعلیم رسولؐ کے پاس موجود ہیں ــــ رسولؐ خود معلّم ہے ــــ اس کا ماحول جو ہے وہ درسگاہ ہے ــــ اس میں آنے والے جو ہیں وہ طلبہ ہیں ــــ سمجھے؟ ــــ ان کا امتحان بھی ہوتا ہے ــــ ان کو پاس فیل کی ڈگری بھی ملتی ہے ــــ کوئی اس میں مڈل پاس کرتا ہے ــــ کوئی میٹرک تک چلتا ہے ــــ کوئی ایف اے تک چلتا ہے ــــ کوئی بی۔اے تک جاتا ہے ــــ کوئی ایم۔اے تک پڑھتا ہے ــــ کوئی پی۔ایچ۔ڈی ہو جاتا ہے ــــ یہ ضروری نہیں کہ کالج میں جتنے داخل ہوں سب یکساں ہوتے ہیں ــــ دماغ کے اختلاف کے مطابق کوئی ڈاکٹر ہو گیا ــــ کوئی وکیل ہو گیا ــــ کوئی انجینئر ہو گیا ــــ کو جرنیل کرنیل ہو گیا ــــ اب ہر ایک سے توقع رکھیں کہ وہ اچھا جرنیل ہے، یہ غلط ہے ــــ ہر ایک سے یہ توقع رکھیں کہ وہ اچھا ڈاکٹر بنے، یہ غلط ہے ــــ جیسا جیسا جس کا دماغ ــــ جیسی جیسی جس کی طبیعت، ویسا وہ بن جاتا ہے ــــ کوئی اچھا تاجر بن گیا ــــ کوئی اچھا سمگلر بن گیا ــــ مزاج جیسا ہے، اسی طرح ــــ کوئی اچھا بلیک مارکیٹیا بن گیا ــــ تو غرض جیسا جیسا جس کا دماغ ہے ویسے ویسے وہ بن جاتا ہیں ــــ طلبہ ــــ سارے، انجام کار یکساں نہیں بنتے ــــ تو رسولؐ ہیں معلّم ــــ ان کا جو ماحول ہے وہ ہے درسگاہ ــــ اس میں داخل ہونے والے ہیں ــــ طلبہ اور لطف یہ کہ فیس کوئی نہیں ــــ آؤ بھی بسم اللہ داخل ہو جاؤ ــــ پھر طلبہ کے لئے عمر کی قید بھی نہیں۔ جس عمر کا طالب علم آنا چاہے ــــ آؤ بسم اللہ تشریف لاؤ، بیٹھ جاؤ پھر کسی وطن، کسی علاقے کی قید بھی نہیں ــــ کوئی کوٹہ مقرر نہیں ہے کہ ایران سے اتنے اور عرب کے اتنے اور روم کے اتنے ــــ جہاں کا جو آجائے ــــ ڈھائی سو برس والا، بسم اللہ

ہے — یہ — سو برس کا ہے — بسم اللہ تم بھی آجاؤ — یہ صاحب ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں — بسم اللہ تم بھی آجاؤ — کوئی قید نہیں — جیسا جیسا طالب علم ہے، آ رہا ہے، اس کے مطابق اسے پڑھایا جائے گا — تو اس طرح یہ درسگاہ ہے — خوب سمجھ میں آ رہی ہے نا بات صاحبان کے؟ — یہ کالج ہے — یہ درسگاہ ہے — جس میں مختلف جماعتوں میں مختلف ملکوں اور طبیعتوں کے طلبہ داخل ہیں اور اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق وہ علم حاصل کر رہے ہیں — معلم ذرہ برابر بھی کوتاہی کسی کے پڑھانے میں نہیں کرتا — سب پہ یکساں توجہ کرتا ہے۔ یکساں سب سے سلوک کرتا ہے — سب سے مہربانی سے پیش آتا ہے — یہ اور بات ہے کہ گھر جا کے اپنے بچوں کو ٹیوشن کے طور پر بھی پڑھا دیتا ہے — بانی مدرسے ہیں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہے — مدرسے میں سب کو یکساں طور پر پڑھاتا ہے — یہ ہمارا رسولؐ معلم ہے — جب معلم ہے — درسگاہ ہے — کالج ہے — تو اس میں درجات بھی ہیں — یہ میٹرک ہے — یہ ایف اے ہے — یہ بی۔ اے ہے — تو اس کے درجات جو ہیں — وہ جو سلیبس کی کتاب ہے اس درس گاہ کی — جہاں نصاب تعلیم اس کا مقرر کیا ہے وہاں اس کے درجات بھی مقرر کئے ہیں — پہلی کلاس یہ ہے — دوسری یہ ہے — تیسری یہ ہے — چوتھی یہ ہے — سمجھے — وہ کلاسیں جہاں مقرر ہوتی ہیں — وہ آیت میں آپ کو سنا کر پھر مجلس شروع کرتا ہوں — اب آپ حضرات نے میری بات پہ غور کر لیا ہے اچھی طرح سے؟ ہوں — آگئے نا مدرسے میں — آگئے تم؟ امتحان دینا پڑے گا — یہ نہیں ہوگا کہ چھ مہینے میرا سر کھپاؤ اور امتحان کے وقت بھاگ جاؤ — یہ نہیں ہوسکتا — یہ غلط ہے — امتحان بھی دینا پڑے گا اگر آگئے تو — سال بھر بیٹھے رہے کہ یہ پڑھاؤ اور جب میں امتحان کے لئے لے جاؤں تو بھاگ جاؤ — یہ نہیں ہو سکتا

___ امتحان بھی دینا پڑے گا ___ سمجھے حضور؛ اور یہ امتحان بڑی نامراد شے ہے
___ یہ بچے جو امتحان دیتے ہیں ان سے پوچھو ___ بڑی ہی نامراد شے ہے یہ امتحان
___ امتحان کے سنٹر سے بڑھ کر کوئی جیل نہیں ہے ___ کوئی خطرناک جگہ نہیں
جتنا امتحان کا سنٹر خطرناک ہوتا ہے، جتنا وہ جیل بُری ہوتی ہے ___ امتحان بڑی سخت
چیز ہے ___ یاد رکھو دوستو ___ میری بات کو بھولنا نہیں ___ ان باتوں کو یاد رکھنا
___ امتحان انسان کا بھی ہوتا ہے ___ امتحان حیوانوں کا بھی ہوتا ہے ___ درختوں کا بھی
ہوتا ہے ___ پتھروں کا بھی ہوتا ہے ___ آپ زمیندار ہیں ___ آپ تو گندم کا
امتحان لیتے ہیں ___ یہ کس قسم کا ہے؟ اور یہ کس قسم کا؟ ___ تب اسے کاشت کرتے
ہیں ___ روئی کا، کپاس کا امتحان لے کر ___ کون سی؟ کس قسم کی ہے؟ تب اسے
کاشت کرتے ہیں یا نہیں ___ پتھروں کا امتحان بھی ہوتا ہے ___ حیوانوں کا بھی ___
ضلع سرگودھا میں وہ کیا نام ہے؟ ڈپو ___ کیا نام ہے اس کا؟؟ ___ مونا ڈپو ___
اس میں گھوڑے پلتے ہیں ___ فوج کے لئے ___ تو ہر سال جو گھوڑے تیار ہوتے
ہیں نا ___ وہ جاتے ہیں فوج میں ___ یہ نہیں کہ جتنے گھوڑے مونا ڈپو میں تیار ہوئے
وہ فوج میں چلے گئے سارے ___ ایک ماہر آ کے ان کا امتحان لیتا ہے گھوڑوں کا
___ بڑے بڑے تیار، تندرست، اعلیٰ درجے کے گھوڑے، بچھرے سامنے کھڑے
ہیں ___ اس نے ان میں سے دس چھانٹ لیئے ___ باقی ان فٹ کر دیئے ___
وہ تو بڑے خوبصورت، شاندار تھے ___ یہ کیوں ان فٹ کئے تم نے؟ ___ کہ
ہمارا معیار ہے امتحان کا؛ ہم نے انہیں فوج میں لے جانا ہے ___ ہم نے ان سے
توپیں کھنچوانی ہیں ___ تو ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ فوج میں جو گھوڑا لے جاؤ جو توپ
کھینچ کے میدان میں لے جائے ___ چاہے گولے برسیں ___ چاہے ہوائی جہاز
اوپر سے بم باری کریں ___ چاہے کچھ ہو ___ وہ کہیں توپ لے کے بھاگ نہ جائے

— سینہ سپر ہونا چاہیے اس کو — کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری توپ ہی کو لے کر بھاگ جائے نامراد — دوسرے یہ کہ جنگ کے میدان میں ہمیں ہفتوں، مہینوں خندقوں میں رہنا پڑتا ہے — دشمن کو پتہ نہ چلے کہ ہم کہاں ہیں — وہیں ان گھوڑوں کو ہمارے ساتھ رہنا پڑتا ہے — یہ صفت ہواس ہیں کہ اگر کہیں دشمن کے خطرے سے چھپنا پڑے تو کہیں ہنہنانے نہ لگ جائے — ایسے گھوڑے بداصل ہوتے ہیں نامراد — اسی بات ان کا امتحان ہوتا ہے — تو ہر چیز کا امتحان ہے — رسولؐ کا ایک مکتب ہے — کالج ہے — مدرسہ ہے — حضورؐ معلم ہیں — دنیا ان کی طالب علم ہے — اس کی کلاسیں ہیں — یہ پہلی ہے، یہ دوسری ہے، یہ تیسری ہے — اب یہ اللہ کی توفیق ہے کہ جس کلاس کا کوئی پہلے پاس کرے — ان کلاسوں کی جو ترتیب سلیبس میں ہے وہ یوں ہے — بھائی — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط والعصر ان الانسان لفی خسر ۞ پہلی کلاس — اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمنوا، دوسری کلاس — وعملوا الصالحات تیسری کلاس — وتواصوا بالحق، چوتھی کلاس — وتواصوا بالصبر، پانچویں کلاس — اب دیکھنا یہ ہے کہ کون انسان کس کلاس میں کامیاب ہوتا ہے — کون داخل ہونے والا کس کلاس . . . . ؟ ان الانسان لفی خسر — ہنسنا نہیں — کہیں ایسا نہ ہو کہ طالب علم تو بڑا پرانا ہو اور خسر سے ہی راضی ہو جائے یہ پہلی کلاس ہے — ان الانسان لفی خسر — بالکل پہلی کلاس ہے — اس میں تم داخل ہوئے آکے — اس میں تم سب نقصان میں ہو — سب گھاٹے میں ہو — یہ گھاٹا کیا ہے انسان کو؟ — نقصان کیا ہے انسان کو؟ اس میں بڑی تفصیلیں ہیں فیصلہ — یہ ساری تفصیلات آپ کے سامنے بیان کرنے کے لئے بڑا وقت چاہیے کہ انسان کہاں کہاں، کس کس طرح نقصان میں ہے — گھاٹے میں رہتا ہے — یہ وہ کلاس ہے جس میں سب شامل ہیں — "لفی خسر" والی — اب اس کلاس کو پاس کیا

کسی نے آگے کلاس آئی ـــــ ان الذین آمنوا ـــــ یہ ہے گویا کچی کلاس ـــــ اب تم امنوا بن گئے ـــــ آمنو کے معنی کیا ہیں؟ تمہارے مزاج میں، تمہاری طبیعتوں میں، تمہارے اخلاق میں، تمہاری عادات میں امن پسندی پیدا ہو ـــــ یہ ہے امن ـــــ آمنو، کوئی ایسی شے نہیں جو آسمان سے برستی ہو ـــــ کوئی لباس نہیں جو آدمی کو پہنا دیا جاتا ہو ـــــ کوئی اور رنگ نہیں جو آدمی پر چڑھا دیا جاتا ہو ـــــ آمنو کا لفظ 'ایمان' سے اور ایمان کا لفظ " امن " سے بنا ہے ـــــ یعنی اب تم میں جھگڑا فساد نہیں رہا ـــــ لڑائی فساد نہیں رہا ـــــ خواہ مخواہ کو الجھنا نہیں رہا ـــــ اب تم امن پسند بن گئے ہو یا نہیں ـــــ سمجھے نا حضور؟ اب امن والی کلاس کا جو معلّم ہو گا وہ خود ایسا ہو کہ اس امن میں اس درجے پہ پہنچ چکا ہو کہ امن قائم رکھنے کے لئے باوجود طاقت کے دنیا بھڑکاتی رہے ـ کچھ بھی کہتی رہے، مگر وہ امن کی خاطر اپنے حقوق کو چھوڑ کر خاموش بیٹھ جائے ـــــ ایسا امن پسند، کُل ایمان کہلا کر امنو کا مصداق بن جاتا ہے ـــــ ایسا ہی معلّم دوسروں کو امن سکھا سکتا ہے ـــــ تم آمنو کلاس پاس کر چکے ـــــ اس لئے تمہارا نام آج سے ہو گا ـــــ امیر المومنین ـــــ یہ مومنین کی کلاس تمہیں مبارک ہو ـــــ امیر تو چھوٹی سی چیز ہے، یہ اور بلند ہو گا ـــــ یہ نہیں کہ امیر المومنین پہ جا کے بات ختم ہو گئی ـــــ سمجھے حضور ـــــ اب تم آمنو کلاس کو پڑھانا ـــــ تم ہو امیر المومنین ـــــ اس کے بعد کیا ہو گا ـــــ اس کے بعد ہے ـــــ عمل الصالحات ـــــ محض پر امن بن کے بیٹھ جانا ہی کافی نہیں ـــــ آرام سے بیٹھے ہیں ـــــ کہدیا کہ امن ہے ـــــ گھر بیٹھے ہیں بڑے حوصلے سے ـــــ کیا ہے؟ کہ امن ہے ـــــ یہ امن نہیں ـــــ سمجھ میں آیا نہ آپ کے ـــــ کسی کے گھر میں آگ لگ رہی ہے ـــــ اندر بیٹھے ہیں ـــــ ہم تو نہیں جاتے ـــــ کہ کیا ہے؟ ـــــ جی امن ہے ـــــ گھر دوسرے کا جلے، تم آرام سے بیٹھو، اس کا نام امن رکھو ـــــ یہ ہے دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور

سب سے بڑی ذلالت ــــ اپنا گھر جل رہا ہو اور ہائے نہ کرے آدمی یہ اور بات ہے۔
گھر کسی کا جلے، صبر ہم کریں ــــ کیا ہے جی؛ امن ہے ــــ یہ بات دنیا کی سب
سے بڑی ذلالت ہے ــــ سمجھے نا حضور والا ــــ تو امن یہی نہیں ہے کہ جی آرام سے بیٹھے
ہیں کیا ہے جی؛ امن ہے ــــ غلط ہے ــــ اسے امن نہیں کہتے ــــ توجہ ہے نا حضورِ
والا ــــ اسے امن نہیں کہتے ــــ امن کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ عمل الصالحات
بھی ہوں۔ تم ہاتھ پاؤں توڑ کے نہ بیٹھ جانا بلکہ جو نیک کام ہیں وہ بھی کرتے رہنا ــــ
اب یہ جو نیک کام کا لفظ ہے نا ــــ یہ بڑا مشکل لفظ ہے ــــ حضور ــــ ہر آدمی کے
مزاج کے مطابق نیک کام کا معیار الگ الگ ہوتا ہے ــــ نیک کام ہر ایک کے نزدیک
الگ الگ ہے ــــ ایک کام ایک کیلئے نیک اور عبادت ہے وہی کام دوسرے کے لئے
بد اور بدعت ہے ــــ نیک کا معیار الگ الگ ہے ــــ سمجھے؛ ــــ کوئی کسی بات کو
نیک سمجھتا ہے، کوئی کسی بات کو ــــ کلاس کے لڑکے بیٹھے ہیں ــــ ایک نے کہا
چل یار دوڑیں ــــ سیر تفریح کرلیں ــــ اس کے نزدیک بہت کمال ہے یہ کہ کلاس
سے بھاگ کے کھیلا جائے ــــ کھیل رہے ہیں ــــ کسی کے نزدیک یہ نیکی ہے۔ وہ بیٹھ
کے پڑھ رہے ہیں ــــ اپنی اپنی بات ہے ــــ اصل میں نیکی کا معیار ــــ
اگر ہم اپنی عقل سے فیصلہ کرنا شروع کردیں تو پھر نیکی ایسا عجوبہ بن جائے کہ دنیا میں کہیں
اس کا وجود نہ پایا جائے ــــ ہر ایک الگ الگ شئے کو نیکی سمجھے گا ــــ کوئی کسی بات
کو، کوئی کسی بات کو ــــ ایک مصیبت بن جائے گی یا نہیں ــــ لہٰذا ضروری ہے کہ
نیکی کے کام کو طے کرنے کے لئے کہ عمل الصالحات کیا شئے ہے ــــ یہ طے کرنے کے
لئے معلّم ہی کی طرف رجوع کیا جائے ــــ جناب آپ فیصلہ کریں کہ یہ ــــ اس کا معیار
کیا ہے ــــ ہمارے کرنے سے نہیں ــــ ہم تو اپنے اپنے مزاج کے مطابق صالحات
بنائیں گے۔ آپ بتائیں کہ عمل صالح کیا ہے؛ تاکہ ہم ایمان کے بعد وہ عمل صالح کریں ــــ

اور چونکہ آپ معلّم ہیں ـــ لہٰذا جو عمل صالح آپ ہمیں بتائیں ـــ وہ محض بتائیں ہی نہیں ـــ اس لئے کہ آپ مبلّغ نہیں ہیں ـــ وہ کر کے دکھائیں ـــ آپ نرے مبلغ ہی نہیں جو صرف بتائیں ـــ آپ معلّم ہیں ـــ عمل صالح ہمیں کر کے دکھائیں ـــ اس نے کہا اچھا ـــ ٹھہرو ـــ آؤ ـــ تمہیں کر کے دکھاتا ہوں ـــ تم دیکھتے رہنا ـــ چونکہ یہ عمل کا معاملہ ہے، یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ـــ قول کا معاملہ سننے سے تعلق رکھتا ہے جو میں کہوں اسے سُن لو اور جو عمل ہے اسے دیکھو ـــ سمجھے ـــ تمہیں دیکھنا پڑے گا ـــ اب میں تمہیں عمل صالح دکھاتا ہوں ـــ دیکھو ـــ اے ـــ اے ـــ یہ ہے عمل صالح ـــ دیکھو اِسے ـــ نماز سُن کے نہ پڑھنا ـــ میں نے کہدیا نماز پڑھو ـــ تم نے پڑھ لی نا؟ صلوا کما رأیتمونی ـــ دیکھو مجھے میں کس طرح نماز پڑھتا ہوں ـــ دیکھو ـــ آؤ دیکھو ـــ نماز عمل صالح جب بنے گی، جب مجھے دیکھ دیکھ کر میرے طریقے سے نماز پڑھو گے ـــ دیکھتے رہو اچھی طرح ـــ دیکھ رہے ہو ـــ ہیں؟ دیکھ رہے ہونا؟؟ دیکھو کہاں نماز ٹوٹتی ہے ـــ کہاں نماز مکمل ہوتی ہے ـــ دیکھتے رہو ـــ اگر نماز پڑھتے ہوئے ایک آدمی نے گھڑی کو چابی دینا شروع کر دی ـــ ٹوٹ گئی ـــ یہ زائد عمل ہے ـــ اس سے غلط ہو جائے گا ـــ نماز پڑھتے پڑھتے کسی روتے ہوئے بچے کے سر پہ ہاتھ پھیر دیا ـــ نماز ٹوٹ گئی نا؟ یہ غلط ہے ـــ ایسا نہیں ہو سکتا ـــ پھر اگر ان افعال سے نماز ٹوٹتی ہے، کسی معلّم نے بتایا ہے ـــ تو یہ دیکھتے رہو کہ کہاں نہیں ٹوٹتی ـــ اگر بچے کے سر پہ ہاتھ پھیر دو تو ٹوٹ گئی ـــ اور بچے کو گھنٹہ بھر کر یہ بٹھائے رکھو تو نہیں ٹوٹتی ـــ یہ معلّم بتاتا ہے ـــ ہمارے کالج کا ـــ سمجھے ـــ تمہارے فیصلے سے نہیں ہو گا ـــ یہ معلّم بتائے گا کہ عمل صالحات ہیں کیا شے؟ کہاں نماز میں نقص آتا ہے کہاں نماز پوری ہوتی ہے ـــ یہ معلّم سمجھاتا ہے ـــ سمجھے ـــ کسی سے عداوت نہ کرو ـــ کسی سے جھگڑا نہ کرو ـــ تمہیں کوئی حق نہیں کسی کو بُرا یا بھلا کہنے کا ـــ

معلم کو دیکھو جا کے وہ کیا کہتا ہے ــــ وہ کہتا ہے نماز پڑھو ــــ اور نماز کی مقبولیت کے لئے درود شریف پڑھو ــــ پڑھونا درود شریف ــــ اللھم صل علی محمدٍ وآل محمد والاصحاب محمدٍ ــــ یہی درود شریف ہے ــــ کیا نماز میں یہی درود شریف پڑھوگے ــــ نہ وہاں تو نہیں پڑھنا ــــ کیوں؟ ــــ کہ نماز نہیں ہوگی ــــ کہ وہاں کتنی پڑھنی ہے ــــ کہ بس الا آل محمدٍ تک ــــ اور نماز کے بعد ــــ پھر الاصحاب محمدٍ اور نماز میں اگر اصحاب محمد کہہ دو تو نماز نہیں ہوگی ــــ اور اگر آلِ محمد نہ کہو تو نماز نہیں ہونے کی ــــ یہ عملِ صالح بتایا ــــ کہ دیکھو ہم کسی کو برا کہتے ــــ مگر آل اور اصحاب میں یہ فرق ہے کہ آل کا نام نہ لینے سے نماز غلط اور اصحاب کا نام لینے سے نماز غلط ــــ اگر وہاں اصحاب کہہ دو تو نماز غلط ــــ آل نہ کہو تو نماز ہوگی ــــ نہیں ــــ یہ عملِ صالح ہے جو ہمیں بتایا ــــ دیکھو اِدھر آؤ ــــ جس طرح میں عمل کر دوں اسی طرح عمل صالح بنتے ہیں ــــ تمہارے لئے یہ قانون ہے اللہ کا ــــ کیا؟ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ــــ یاد رکھو مسلمانوں، اتنے ادب سے رہنا رسولؐ کے سامنے کہ تمہاری آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے ــــ جس آواز سے بول رہا ہے ــــ اگر تم بولو تو اس کی آواز سے کم آواز میں بولنا ــــ خبردار اس کی آواز سے تمہاری آواز بلند نہ ہونے پائے ــــ رسولؐ کے ساتھ تمہارا برتاؤ ــــ کجہر بعضکم بعضاً ــــ نہ ہو ــــ جس طرح تم آپس میں ملتے ہو اس طرح نہ ملنا کہ گلے مل رہے ہیں ــــ ہاتھ ملا رہے ہیں ــــ نہ ــــ اس کا فرق رکھنا ــــ رسولؐ کا یہ ہے تمہارے لئے، مسلمانوں کے لئے حکم ــــ کہ اگر تم رسولؐ کو سامنے آتا دیکھو تو چاہے تم نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہے ہو ــــ یہ حکم ہے ــــ نماز پڑھ رہے ہو اور رسولؐ نے آواز دی ــــ اِدھر آؤ ــــ فوراً ــــ اگر تم نے نماز کی وجہ سے اس کی تعمیل نہ کی تو مر گئے، کفر ہے ــــ فوراً ــــ رسولؐ کے جواب میں ــــ یہ ہمیں حکم ہے ــــ سمجھے حضور ــــ

یہ عمل صالح ہے ہمارے لئے ــــ یہ ہمارا عمل صالح ہے ــــ مگر ہم رسولؐ کا عمل صالح کیا دیکھ رہے ہیں ــــ کہ ہم تو آواز اونچی نہیں کر سکتے ــــ اس کے بلانے پہ نہ بولیں تو کفر ہو جائے اس کے آگے چل پڑیں تو کفر ہو جائے ــــ اس کے سامنے بے ادبی سے بیٹھیں کفر ہو جائے ــــ اس کے گھر میں جھانکنا مت ــــ خبردار ــــ کفر ہو جائے گا ــــ اگر وہ تمہیں کھانے پہ بلائے اس کے برتنوں کو نہ دیکھنا کہ یہ کس چیز کا ہے ــــ یہ کس چیز کا ہے نہ دیکھنا ــــ کفر ہو جائے گا ــــ جس فرش پہ وہ بیٹھا ہے ــــ اس پہ نیچے کے ادب سے بیٹھو ورنہ کفر ہو جائے گا ــــ یہی ہوا تھا نا کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ــــ ام المومنین رسولؐ کی زوجہ محترمہ ــــ حضرت ابوسفیان کی بیٹی ــــ امیر معاویہ کی حقیقی بہن ــــ یزید کی سگی پھوپھی ــــ جناب ام حبیبہؓ رسولؐ کی حرم محرم تھیں ــــ رسولؐ کی بیوی تھیں ام حبیبہؓ ــــ سمجھ گئے ہونا حضور ــــ وہ جو رسولؐ کے گھر میں تھیں جناب ام حبیبہؓ ــــ ان کے باپ ابوسفیان اپنی بیٹی سے ملنے آئے رسولؐ کے گھر ــــ آئے ــــ بیٹی نے سلام کیا ــــ کھڑے ہو کے تعظیم کی ــــ باپ تھے ــــ جب بیٹھنے لگے تو کہا ابا ذرا ٹھہرنا ــــ اب جو دری بچھی تھی، لپیٹ لی ــــ بسم اللہ ابا تشریف رکھو ــــ زمین پہ ــــ تو ابوسفیان نے بڑے رعب سے کہا ــــ ام حبیبہ جانتی ہو میں کون ہوں ــــ میں عرب کا بے تاج بادشاہ ہوں ــــ میں لاکھوں فوجیں اکٹھی کرلاتا ہوں محمدؐ کے مقابلہ میں ــــ عرب میں میری دھاک بیٹھی ہوئی ہے ــــ تو مجھے اس بچھی ہوئی دری پہ نہیں بیٹھنے دیتی ــــ ام حبیبہؓ نے کہا ــــ یہ رسولؐ کے بیٹھنے کی ہے ــــ تم چاہے کچھ بھی سہی نہیں بیٹھ سکتے ــــ آج مسلمانوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وجد آتے ہیں ــــ لوگوں کو ــــ کہ واہ ام حبیبہؓ کیا کہنے تیرے ــــ ام المومنین ہو تو ایسی ہو ــــ کہ نہیں بیٹھنے دیا۔ باپ کو رسولؐ کی جگہ پہ ــــ ام المومنین ہو تو ایسی ہو ــــ جو رسولؐ کی جگہ باپ کو نہ بیٹھنے دے ــــ ام المومنین کی یہ شان ہے ــــ یہ اس کا احترام کہو ــــ یہ عمل صالح ہے

ہمارے واسطے ــــ میں زیادہ تشریح میں نہیں جاتا ــــ مگر ادھر تو رسولؐ کا یہ احترام کہ اس کی جگہ کوئی نہ بیٹھے ــــ کہیں اس کی بچھی ہوئی دری پہ کوئی نہ بیٹھ جائے ــــ اس کے سامنے کوئی اونچا بولے نہیں ــــ اپنی آواز نہ دو ــــ اس کے سلام کا طریقہ بھی اور ہونا چاہیے۔ دیکھو اس کو پکارنا نہ جب وہ گھر میں ہو ــــ یہ کرنا ــــ اور ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہی رسولؐ ایک بچی کو دیکھ کر فوراً سر جھکائے تعظیم کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی تعلیم ہے جو ہمیں سکھائی ــــ یہ عمل صالح ہے جو ہمیں سکھایا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو اسے عمل صالح کہتے ہیں۔ تیسری نمازوں پہ نہ اکڑنا ــــ تیسرے روزوں پہ ناز نہ کرنا ــــ تیسرے قرآن پڑھنے پہ نہ اکڑنا داڑھی بڑھانے پہ ناز نہ کرنا ــــ دیکھو یہ عمل صالح بھی سیکھو ــــ یہ دو سال کی بچی ہے ــــ ڈھائی سال کی بچی ہے یہ آرہی ہے اور دیکھو ــــ اے ــــ اے ــــ یہ دیکھو ــــ ہیں رسولؐ اس کی تعظیم کو کھڑا ہوں ــــ یہ دیکھتے رہنا ــــ کہیں ایسا نہیں ہوا ــــ گھر میں ــــ صحن میں ــــ کمرے میں ــــ باورچی خانے میں کہیں ایسا نہیں ہوا کہ رسولؐ بیٹھے ہوں بیٹی آئی ہو اور فوراً تعظیم کو نہ اٹھے ہوں۔ اسی وقت تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے ــــ اور یہ رسولؐ اٹھتے تھے تعظیم کو تو جو پاس بیٹھی ہیں ــــ امہات المومنین یا اصحاب ــــ ان کی مجال ہے جو وہ نہ اٹھتے ہوں ــــ وہ یقیناً اٹھتے ہوں گے ــــ یہ عمل صالح ہے ــــ یہ تیسری کلاس ہے رسولؐ کے مکتب کی ــــ کہ عمل صالح بھی ہونا چاہیئے جو رسولؐ نے بنایا ہے ــــ کہ دیکھو ــــ اے ــــ اے ــــ یہ عمل صالح ہے ــــ اور جب عمل صالح کا امتحان بھی پاس کر لو گے جب اس امتحان میں تم پورے اتر جاؤ گے تو پھر تمہاری اگلی کلاس آئے گی تواصو بالحق ــــ کہ اب حق کا دامن بھی پکڑو ــــ اب یہ کلاس آئے گی ــــ سمجھے نا حضور ــــ اور جب حق کی کلاس میں پاس ہو جاؤ گے تو پھر تواصو بالصبر ــــ والی بات آئے گی ــــ یعنی صبر کی ــــ بس یہ آخری کلاس ہے ــــ تواصو بالصبر جو ہے ــــ یہ بالکل آخری کلاس ہے ــــ سمجھ میں

آ گئی نا صاحبان کے ـــــ بس یہی جو بات تھی نہ آج کی وہ یہیں ختم ہو گئی ـــــ یہ مدرسے کا تعارف تھا آپ سے ـــــ یہ جو مجالس ہیں یہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ یہ امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں ہیں یہ مجلسیں ـــــ یہ سب سے بڑا عزادار کربلا کی عزاداری کے سلسلہ میں یہ مجلسیں ہیں اور بعض لفظوں میں اور ناموں میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ ان ناموں سے ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہے ـــــ مثلاً اگر رستم کا نام لو تو خود بخود تصور آتا ہے عدالت کا ـــــ اور زین العابدینؑ ـــــ کچھ نہ کہو بالکل، خود بخود تصور آتا ہے انتہائی مظلومیت کا ـــــ دُنیا کے سب سے بڑے مظلومِ اعظم کی یادگار میں یہ مجلسیں ہیں ـــــ اور میں بلا خوف تردید پوری ذمہ داری سے یہ کہتا ہوں کہ تواصو بالصبر کے امتحان میں جتنا یہ انسان کامل کامیاب ہوا ـــــ جسے زین العابدینؑ کہتے ہیں نہ اس سے پہلے کوئی ہو سکا نہ بعد میں ـــــ تواصو بالصبر کے امتحان میں یاد رکھو کہ زین العابدینؑ کا ذکر نامکمل ہے ـــــ جس طرح خدا کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ نامکمل ہے، بغیر محمد رسول اللہ کے اسی طرح ذکر زین العابدینؑ نامکمل ہے جب تک اس کی شریکِ صبر، زینبؑ کا ذکر نہ ہو ـــــ سمجھے ـــــ زینبؑ، شریک حسینؑ نہیں ـــــ شریک زین العابدینؑ ہے ـــــ کربلا کے معرکے کی ہیرو ہے ـــــ مرکزی کردار ہیں یہ دونوں پھوپھی بھتیجے ـــــ اور حسینؑ کے ساتھ شریک نہیں ہے ـــــ حسینؑ کے زمانے میں تو پردے میں بیٹھی تھی ـــــ حسینؑ میدان میں لڑ رہے تھے ـــــ شریکِ زندگی ہے، شریکِ عمل ہے تو زین العابدینؑ کی ـــــ یہ امام زین العابدینؑ کی شریک عمل ہے ـــــ حسینؑ کی شریکِ کار نہیں ـــــ اور جب تک حسینؑ کا سر نیزے پہ نہیں آیا، زینبؑ کا قدم خیمے سے باہر نہیں نکلا ـــــ بالکل آیا ہی نہیں ـــــ حسینؑ نے کہا ہی تھا کہ بہن میری ایک بات یاد رکھنا ـــــ بس گھر سے باہر نہ آنا ـــــ کہ حسینؑ نہ آؤ نگی نہ آؤ نگی ـــــ کہہ جو دیا تجھ سے کہ نہیں آؤں گی ـــــ اگر اس حکم کے بعد زینبؑ

گھر سے باہر ایک قدم بھی رکھ دیتی تو آج یہ بات مشہور رہوتی کہ جناب عورتوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ باوجود سمجھانے کے گھر سے نکل آتی ہیں، اسی لئے زینبؑ نکل آئی ـــــ نہ بالکل نہیں ـــــ اکبرؑ، شہید ہو یا عونؑ و محمدؑ ـــــ چاہے حسینؑ خود کیوں نہ شہید ہوں ـــــ کہہ جو گئے ہیں، گھر سے باہر نہیں آنا ـــــ بس نہیں آنا زینبؑ تو شریکِ عمل ہے امام زین العابدین علیہ السلام کی ـــــ سمجھے حضور ـــــ جس وقت حسینؑ اپنا کام ختم کر چکے تو اس نے آکر جگایا ہے امام زین العابدینؑ کو ـــــ بیٹا اُٹھو ـــــ تم غور نہیں کرتے ـــــ قُم یا بُنَیَّا ـــــ بیٹا اٹھو ـــــ پتہ نہیں کتنی دفعہ پکارا ہے بیٹا بیٹا کہہ کے ـــــ بیٹا اٹھو ـــــ امامؑ نے آنکھ نہیں کھولی بیٹا کہہ کے پکارتی رہیں ـــــ سمجھ گئیں ـــــ ایک دم جوش میں آکے کہتی ہیں ـــــ قُم یا امامِ زماننا ـــــ میرے زمانے کے علیؑ اٹھ میری مدد کر ـــــ اے امام زمانہ اُٹھ ـــــ اب بیٹا نہیں کہا ـــــ اب امامؑ کہا ـــــ امام کہہ کے جو پکارا فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے ـــــ اب یہ ذمہ داری ہے ـــــ کہ "اماں کیا کہہ رہی ہو؟" ـــــ کہ بیٹا تو اس وقت زمانے کا امام ہے" ـــــ اس فقرے سے ہی سمجھ گئے کہ کیا ہو گیا ـــــ بیٹھ گئے اُٹھ کے ـــــ ذرا خیال نہیں کہ بیماری ہے یا تکلیف ہے ـــــ اُٹھ کے بیٹھ گئے ـــــ " اچھا اماں! میں امام ہوں؟ " کہ ہاں بیٹا تو امام ہے امام زمانؑ ہے اور میں تیری پھوپھی زینبؑ ہوں ـــــ اماں میں نے پہچان لیا ـــــ کہ بیٹا تو تو مجھے پہچانتا ہی ہے ـــــ ضرورت تو مجھے ہے تجھے پہچاننے کی ـــــ ورنہ میں جاہلیت کی موت مر جاؤں گی ـــــ بیٹا اگر تجھے نہ پہچانا ـــــ تجھے ضرور پہچاننا ہے ـــــ تو زمانے کا امام ہے ـــــ اماں تم سے بہتر معرفتِ امام کسی کو نہیں بیٹا یہ تو بات ہو چکی ـــــ اب میں تجھ سے بحیثیت امامؑ کے یہ حکم لینا چاہتی ہوں کہ جن خیموں سے حسینؑ کہہ گئے تھے باہر نہ آنا وہ سب جل گئے ـــــ جن خیموں سے باہر نہ

آپ نے کو حسینؑ نے منع کیا تھا وہ خیمے کچھ جل گئے کچھ جل رہے ہیں ـــــ اب میرے ساتھ یتیم بچے ہیں ـــــ بیوہ عورتیں ہیں اور بیٹا یہ بھی سن لے کہ میں بڑی شرمندہ ہو رہی ہوں ان عورتوں سے ـــــ کسی کا شوہر مرگیا ہے ـــــ کسی کا بھائی مرگیا ہے ۔ یہ غیر خاندانوں کی ہیں میں ان سے شرمندہ ہوں ـــــ ہماری حمایت میں یہ سب تباہ ہوگئیں ـــــ میں ان میں سے ایک ایک کو سمجھا رہی ہوں ـــــ بی بیو، تمہارا بڑا احسان ہے ـــــ اور بیٹا سب سے زیادہ شرم مجھے اپنی بھرجائیوں سے آتی ہے ـــــ بڑے بڑے گھرانے کی خواتین ہیں ـــــ ہمارے گھر میں ان کی شادیاں ہوئی تھیں ـــــ میں ان کے سامنے بڑی شرمندہ ہو رہی ہوں ـــــ وہ کیا سوچتی ہوں گی کہ فاطمہؑ کی بہو بن کے یہی حال ہونا تھا ـــــ بیٹا میں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں تو زمانے کا امام ہے ـــــ مشکل کشا ہے ـــــ میں تجھ سے حکم لینا چاہتی ہوں ـــــ دل میرا بڑا گھبرا گیا ہے ـــــ آخر خاتون ہوں ـــــ میرا دل بڑا گھبرا گیا ہے ـــــ تو امام زمانہ ہے ـــــ حکم دے کہ ان سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لے کر تیرے حکم کی دیر ہے ان ہی خیموں میں جل کے مرجاؤں ـــــ میں ذرا دریغ نہیں کرونگی اس بات سے ـــــ حکم دے جل کے مرجاؤں؟ کیا کروں بتا؟ میں آپ کو کیا بتاؤں اس وقت امام زین العابدینؑ پہ کیا گذر گئی ـــــ اس کا اندازہ دنیا کا کوئی انسان کرسکتا ہی نہیں، جب آپ نے پھوپھی کو حکم دیا ہے ـــــ علیکنّا بالصحرا ـــــ اماں بحیثیت امام میں یہ حکم دیتا ہوں کہ ان سب کو لے کے خیموں سے باہر آجاؤ ـــــ کوئی بچہ جل نہ جائے ـــــ باہر نکل جاؤ ـــــ اس حکم کے دینے وقت جو گذری ہے امام زین العابدینؑ پہ اس کا اندازہ کوئی کرسکتا ہی نہیں ـــــ کہ کیا گذری اس وقت ـــــ اور نکل گئے ـــــ اور میرے محترم سامعین یہ سب ہماری باتیں ہیں، ہم جو آپ سے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں جلا ہوا خیمہ کسی نے دے دیا تھا ـــــ یہ غلط ہے ـــــ جھوٹ ہے ـــــ ان کے خیمے کا ایک ایک

ذرہ جل گیا تھا ـــــ ـــــ جب نکل گئیں نا باہر ـــ جب باہر آگئیں ـــ
آ کے ریت کے ٹیلوں پہ بیٹھ گئیں ـــ اب ان کے سامنے کیا تھا ـــ ان مستورات
کے ایک طرف جلے ہوئے خیموں کی راکھ اور ایک طرف بے سر کے لاشے ـــ کبھی ادھر
دیکھ رہی تھیں، کبھی ادھر دیکھ رہی تھیں اور اٹھارہ بھائیوں کی بہن بیٹھی ہوئی یہ سوچ رہی
تھی کہ کیا ہو گیا ـــ کیا ہو گیا؟ یہ سوچ رہی تھی اٹھارہ بھائیوں کی بہن اور رات ہو گئی
ـــ اور آپ یقین فرمائیں کہ وہ بچے جو شب عاشور ساری رات روتے رہے ـــ آج
نہیں روتے، ایک بچہ نہیں روتا ـــ سب ماؤں کی گود میں چپ ـــ یا دن کے
حادثہ سے سہم گئے۔ ـــ اتنے ڈر گئے بچے کہ سہمے ہوئے تھے ـــ یا اس لئے نہیں
روتے کہ ہم رو کے کیا کر سکتے ہیں ـــ کون مدد کو آئے گا؟ کسے پکاریں ہم ـــ
سب بچے سہمے ہوئے ہیں ـــ بالکل سہمے ہوئے ہیں ـــ اب ٹیلوں کی آڑ میں جو
مستورات بیٹھی ہیں ـــ چار کسی ٹیلے کی آڑ میں، دس کسی ٹیلے کی آڑ میں ـــ جہاں
جہاں کسی کو جگہ ملی گئی وہ بیٹھتی گئی بے چاری ـــ سُن رہے ہو نا بھئی ـــ اور جب
رات ـــ تو امام زمانہ اپنی جگہ سے اُٹھے ـــ حضرت امام زین العابدینؑ ـــ
ایک ایک ٹیلے کے قریب گئے جہاں وہ خواتین بیٹھی تھیں ـــ پوچھا جا کے کہ کون ہے؟
کہ فلاں صحابی کی بیوہ ہے ـــ فلاں شہید ہونے والے کی بہن ہے ـــ فلاں شہید
ہونے والے کی ماں ہے ـــ اس کے قریب کھڑے ہو کے کہتے ـــ بہن تیرے مرنے
والے کا بڑا افسوس ہے ـــ میں تیرا احسان مند ہوں ـــ میں تیرا شکر گذار ہوں ـــ
اور جب ایک ایک بی بی کو امامؑ نے پُرسا دے دیا تو یہ سب اکٹھی ہو گئیں امامؑ کے دربار میں
اور سب نے یک وقت، بیک زبان ہو کے کہا ـــ اسی کو بین کہتے ہیں جو مل کر گریہ
کیا جائے ـــ تو سب نے یک زبان ہو کے کہا کہ ـــ زین العابدینؑ ـــ تیرے
بھرے گھر کے اجڑ جانے کا بڑا افسوس ہے ـــ تو آپ نے دُعا مانگی ـــ

اُن سب کا شکریہ ادا کیا ــــ اور سجدے میں سر رکھدیا اور سبحان ربی الاعلیٰ کی آواز
کربلا کی فضا میں گونجی اور صبح تک گونجتی رہی ــــ جب صبح صادق طلوع ہوئی تو فوج یزید
خود اس بات کی قائل ہے کہ ہم سب نے اپنے کان سے سُنا کہ کوئی غیبی آواز آرہی تھی ــــ
ارفعَ راسُکَ انتَ سیّد الساجدین ــــ اس عالم میں سجدہ کرنے والے تو سارے
سجدہ کرنے والوں کا بادشاہ ہے ــ بس اب تو سر اٹھالے ــــ سمجھے ــــ اور یہ
بات اور آپ کو بتاتا چلوں کہ رات کے دس بجے جب پُرسہ داری ہوچکی ــــ بچے سہمے
ہوئے بیٹھے تھے، امام نے فرمایا اماں ــ اب ان بچوں کے لئے خوراک کا بندوبست بھی
ہونا چاہیئے ــــ کوئی کھانے پینے کی چیز ــــ سمجھے حضور ــــ حضورؑ نے کہا ــــ
بی بی نے دیکھا ــــ اپنے ہی جلے ہوئے خیموں میں ایک مشک بچ گئی تھی ــــ بی بی خود
وہ مشک لے کر فرات پہ گئیں اور وہاں سے وہ مشک بھر کے لائیں ــــ اور جب مشک لا
رہی تھیں بھر کے تو کہہ رہی تھیں ــــ عباسؑ برا نہ کہنا ــــ تم سب نے مل کر جو کام کئے ہیں
وہ سب میں کر رہی ہوں ــــ میں اب پانی لے جا رہی ہوں ــــ ان ننھے بچوں کیلئے
لے کے آئیں ــــ ان بچوں نے پانی پیا ــــ اس وقت سے امام زین العابدینؑ کی
زندگی اور زینبؑ کی زندگی شروع ہوگئی ــــ ان دونوں کا تذکرہ جب تک ساتھ
ساتھ نہ ہو ــــ جب تک ذکر مکمل ہوتا ہی نہیں ــــ انشاءاللہ العزیز، بشرط خیریت بشرط
زندگی، اگر میں زندہ رہا تو آپ کو ان دونوں کا مفصل ذکر سناؤنگا ــــ اور اس
تذکرے کا انعام میں نے انہی سے لینا ہے ــــ امام زین العابدینؑ سے ــــ ان سے انعام
لینا ہے ــــ اور آپ سے یہ کہنا ہے کہ آپ میری ان سے سفارش کردیں ــــ آپ [illegible]
ہیں ــــ مومنین ہیں ــــ مولا زین العابدینؑ چالیس سال ہوگئے تیرے دروازے
پہ صدا لگاتے ہوئے کوئی اور دروازہ نہیں دیکھا تیرے دروازہ کے بغیر ــــ دُنیا تو گذر
گئی ہے اور گذر جائے گی ــــ عاقبت میں تو ہی سہارا ہے اور انجام تمہارے

بات ہے یہ تم دونوں پھوپھی بھتیجوں کے ہاتھ ہے۔ میں نے پنجاب بلکہ مغربی پاکستان کے گاؤں گاؤں میں زینبؑ کا ذکر پہنچا دیا ہے۔ لوگ زینبؑ سے آشنا نہیں تھے۔ لوگوں کو زینبؑ کا پتہ نہیں تھا۔ آج لوگوں کو پتہ چل گیا کہ زینبؑ کے ذکر کے بغیر یہ ذکر نامکمل ہے۔ باقی انشاء اللہ کل بشرط زندگی۔ آج اتنی ہی بات۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ تمہیں اس ذکر کی برکات سے نوازے

بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ آمین

—— ۲ / اپریل ۱۹۷۰ء کوٹ کرم شاہ (پیر محل) ۔



اضافہ شکریہ

فضائل — اضافۂ شکریہ

مصائب — دربار شام

باطل کو کچلنے کیلئے شام کی جانب
زینبؑ نہیں شبیرؑ کی تحریک چلی ہے

افسر عباس زیدی

چونکہ میں بوجہ اپنی بیماری اور کمزوری کے مختصر وقت میں پڑھتا ہوں۔ زیادہ لمبی تقریر اب مجھ سے نہیں ہوتی۔ کسی زمانے میں دو اڑھائی گھنٹے پڑھ کے مجھے پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ پڑھا بھی ہے یا نہیں۔ اب دس پندرہ منٹ کے بعد تھک جاتا ہوں۔ تو اگر ایسا مضمون شروع کردوں جو تھوڑے وقت میں پورا نہ ہو سکے تو پھر سامعین بھی بے لطف و بے حظ ہوتے ہیں اور مجھے بھی کوئی لطف نہیں آتا۔ اب میں کوشش کرتا ہوں اس بات کی کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو تھوڑے وقت میں پوری ہو سکے۔ تو بزرگانِ من۔ ایک بڑا پرانا مضمون تھا جو میں کبھی پڑھا کرتا تھا۔ ابھی جب میں یہاں آیا تو ذاکر صاحب پڑھ رہے تھے۔ مجھے وہ بات یاد آگئی۔ پہلے وہ میرے ذہن سے نکل چکی تھی۔ وہ ابھی مجھے یاد آگئی ہے۔ وہی میں شروع کر رہا ہوں۔ وہ مضمون ایسا ہے اسے جہاں ختم کر دو وہیں ختم ہے۔ جہاں شروع کر دو وہیں شروع ہے۔ وہ اس طرح کا ہے۔ آپ میری بات کو غور سے سنیں۔ اور میں آپ کو وہ سناتا ہوں۔

اس مضمون کی جو میں شروع کر رہا ہوں۔ جو تمہید ہے وہ شروع ہوتی ہے انسان سے۔ کہ انسان کے اندر انسان کے پیدا کرنے والے نے کتنی طاقتیں، قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں۔ گویا اس چیز سے شروع ہوتا ہے یہ مضمون کہ انسان میں خود کتنی صلاحیتیں، کتنی طاقتیں، کتنی قوتیں اور کتنے کام کرنے کے جذبے، خود انسان کے اندر، انسان کے خالق نے رکھے ہیں۔ اور پڑھے لکھے حضرات میں یہاں ایک لفظ کہہ کے آگے بڑھتا ہوں کہ انسان کے اندر ودیعت کردہ صلاحیتیں اور طاقتیں جن کا انسان کو خود علم نہیں کہ مجھ میں کتنی طاقتیں ہیں، ان ساری انسانی طاقتوں کے

۔۔۔ یہ شکریہ نعمت میں مل رہا تھا ـــ وہ سید الساجدینؑ تھا اور زین العابدین بھی تھا جو اللہ نے شکریہ نعمت میں عطا فرمایا ـــ اب جب یہ نعمت مل گئی سید الساجدینؑ، زین العابدینؑ والی تو رسولؐ نے کہا لاؤ وہ بھی شکریہ ادا کر دیں ـــ اس کا شکریہ ادا کیا تو اللہ نے کہا محمدؐ سنتے بھی ہو، اس شکریے میں ہم تمہیں محمدؐ ہی نہ دے دیں؛ محمدؐ کے شکریے میں محمدؐ مل گیا جس کو آپ محمد باقرؑ کہتے ہیں ـــ سمجھے حضور ـــ اس نے کہا ـــ یا اللہ تیرا شکر۔ اس نے کہا اچھا ـــ یہ لسان صدق سے شکریہ ہے نا؛ تمہیں صادق نہ دے دیں ـــ اللہ نے جعفر صادقؑ دے دیا ـــ شکریے ملتے جا رہے ہیں ـــ رسولؐ کا شکر چلتا رہا، اللہ کا اضافہ چلتا رہا ـــ چلتے چلتے جب گیارہویں پہ پہنچے ـــ اب تو اللہ کو اپنے خزانے کا جائزہ لینا پڑا ـــ یہ تو شکر ختم ہی نہیں ہوتا ـــ یہ تو مجھے اضافہ کرنا پڑے گا ـــ کہا محمدؐ! سنتے بھی ہو ـــ اب بالمقطع طے کر لو ـــ بار بار نہیں ـــ گیارہویں تک تو ہم دیتے رہے ـــ آج سے بالمقطع سودا کر لو ـــ کر کیا؛ تمہارا شکریہ دائم رہے ہمارا اضافہ "قائم" رہے ـــ آج یہ چیز ہو جائے ـــ ہمارا عطیہ قائم ہو اور تمہارا شکریہ دائم ہو ـــ جاؤ ہم تمہیں یہ چیز عطا کرتے ہیں ـــ تو جب ہے نا صاحبان؛ بہت اچھا یا اللہ دے دے ـــ اب ایسا عطیہ دوں گا، جو قیامت تک قائم رہے گا ـــ سمجھے نا حضور ـــ

میرے محترم سامعین ـــ میں شور کوٹ پھر کبھی آؤں گا یا نہیں ـــ ویسے ہی زندگی کا بھروسہ نہیں اور ہم تو اس منزل پہ پہنچ گئے ہیں جہاں بھروسہ رہا ہی نہیں لہٰذا کیوں نہ چلتے وقت آپ کو یہ بات کہتا جاؤں کہ خدا کا شکر ادا کرو ـــ اللہ کا احسان مانو ـــ مانو گے؛ کہ خدا نے تمہیں قائمؑ جیسا امام دیا ـــ ماشا اللہ چشم بد دور ـــ مومنین خدا تمہیں مبارک کرے کہ تم بے امام نہیں ہو ـــ اللہ نے تمہیں امام عطا فرمایا ہے ـــ تمہارا امام قائمؑ جیسا ہے ـــ ہے نا؛ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ـــ محمدؐ، اللہ کا رسول ہے ـــ "تھا" ـــ تو نہیں ـــ اور بارہواں امام؛ ہمارا امام ہے ـــ "تھا" تو نہیں ـــ ہمارا امام ہے ـــ

محل اور موقع کے مطابق عمل میں لانے کا نام اسلام ہے۔ سمجھے۔ اسلام انسان کی کسی طاقت کو معطل نہیں کرتا۔ بلکہ انسان کی طاقتوں کو صحیح طریقے سے استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے۔ اسلام، طاقتوں کے تعطل کا نام نہیں۔۔ وہ طاقتیں جو انسان کے اندر ہیں انہیں صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام۔۔ گھبرا تو نہیں رہے۔ یہ ذرا خشک ہو گیا ہے نا مضمون۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ تو میرے محترم سامعین ایک بات اور بھی کرتا چلوں آپ سے۔ یہ علم لغت کی بات ہے۔ زبان کی۔ آپ میری پہلی بات سن لی ہے جواب تک میں نے کہی ہے۔ انسان کے اندر بے شمار طاقتیں اور قوتیں انسان کے خالق نے ودیعت کر دی ہیں۔ اتنی طاقتیں ہیں انسان میں کہ انسان ان طاقتوں کو گن ہی نہیں سکتا۔ اور ان تمام طاقتوں کو جو خالق نے انسان میں رکھی ہیں صحیح طور پر استعمال میں لانے کا نام اسلام ہے۔ توجہ فرمائی نا آپ نے۔ کسی طاقت کو معطل کرنا اسلام نہیں۔ ان طاقتوں کو صحیح استعمال کرنے کا نام اسلام ہے۔ اسے میں علم لغت یعنی زبان کے اعتبار سے ایک بات آپ سے عرض کرتا چلوں کہ عربی زبان میں طاقت کے کمال کو کہتے ہیں ملکہ۔۔ سنا ہے فلاں شخص کو اس کام میں ملکہ حاصل ہے۔ ملکہ کے معنی یہ ہیں کہ پوری طاقت حاصل ہے۔ تو عربی زبان میں ملکہ کا لفظ طاقت کے عروج کو کہتے ہیں۔ خوب۔ میری بات پر غور کیا آپ نے۔ اسی ملکے کو آپ مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو کل ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کے تابع ہو جاؤ۔۔ دنیا کی جتنی قوتیں اور فورسز تھیں ان سب کو حکم ہوا کہ تم انسان کے تابع ہو جاؤ۔ تمام طاقتیں ان کے تابع ہو گئیں۔ صرف ایک نفس انسانی کی طاقت تھی جو شیطان بن کے باغی ہو گئی۔ سمجھے نا حضور!۔ اور جو اس طاقت پر کبھی غالب ہو جائے۔ اپنے نفس انسانی کی طاقت پر۔۔ باقی طاقتوں پر غالب ہونے والا غالب کہلاتا ہے اور جو اپنے نفس

کی طاقت پہ غالب ہو جائے وہ غالب علی کل غالب کہلاتا ہے۔ جو اپنے اوپر بھی غالب ہو جائے ۔ بہر نوع تمام طاقتوں کا منبع و مرکز ہے یہ انسان ۔ ان طاقتوں کو صحیح استعمال کرنا یہ ہے اسلام ۔

اس تمہید کے بعد میں رُخ بدل کے آپ سے آسان طریقے سے بات کروں۔ جہاں اور ہزاروں طاقتیں انسان میں ہیں ۔ وہاں یہ بھی ایک طاقت ہے انسان میں ۔ وہ کسی حد پہ جا کر رُکنا پسند نہیں کرتا ۔ یہ بھی ایک طاقت ہے ۔ کسی حد پہ پہنچ کر بھی وہ رُکنا پسند نہیں کرتا ۔ یہ بھی انسان میں ایک طاقت ہے ۔ سمجھے نا حضور ۔ یہ نہ سمجھیں کہ انسان چاند پہ جا کر رُک جائے گا ۔ وہاں سے کوشش کرے گا کہیں اور جانے کی ۔ یہ کسی حد پہ بھی رُکنا پسند نہ کرنا ۔ کسی بھی حد پہ جا کر نہ رکنا یہ بھی انسان کی ایک طاقت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے ۔ توجہ ہے نا میرے محترم سامعین ۔ مثال کے طور پہ جو کبھی میں آپ کو سمجھایا کرتا تھا ۔ اور اب سمجھاتا ہوں ۔ ایک بچہ مجھے کہتا ہے زیدی صاحب مجھے نوکر کرا دو ۔ کتنی نوکری چاہیئے بیٹا ۔ کہ یہی دس بیس پچاس روپے کی مل جائے گذارہ ہو جائے گا ۔ آپ نے اسے سو روپے کی نوکری دلا دی ۔ اس سے پوچھو بھائی بس ۔ جی ہاں ۔ آں ... سوا سو روپے ہو جائیں ۔ اچھا اس کے ڈیڑھ سو ہو گئے ۔ کہ بھئی بس ۔ کہ ... آں ... جناب دو سو روپے ہو جائیں ۔ اس کے آپ نے ہزار روپے ماہوار کرا دیئے ۔ کہ بس ؟ کہ آں ... آں ... دو ہزار ... کیا مجال جو کسی جگہ رُکتا ہو انسان ۔ یہ طاقت انسان میں ہے یا نہیں بھئی ۔ ہے ۔ سمجھ میں آرہی ہے نا بات شاباش ۔ تو میرے محترم سامعین اسے تم پچاس ہزار روپے ماہوار دے دو ۔ کہ بس ؟ کہ ابھی کچھ اور ۔ اسے آپ ایک ضلع دے دیں سالم ، کہ بس ۔ ؟ ابھی اور ۔ کیا مجال جو اس کی ابھی اور ختم ہو جائے ۔ یہ انسان میں طاقت ہے یا نہیں ۔ اگر آپ نے اس چیز کو ذہن میں رکھا ۔ بڑا اچھا عنوان ہے تقریر کا ۔ اگر ذہن میں

رہا تو۔ کہ ابھی اور، کی طاقت ہر انسان میں موجود ہے۔ آپ، مجھ میں، سب میں یہ ہے۔ اور۔۔۔اور ۔۔۔ ابھی اور۔۔۔ کہیں بھی پہنچ کے اور اور ابھی اور۔ اکثر میں یہ کہا کرتا تھا اور اب بھی یہ کہتا ہوں کہ اس ابھی اور جذبے نے انسان کو بڑھا بڑھا کے خدا بنا دیا۔ انسان جو خدا بن گیا نا، یہ ابھی اور میں تھا۔ سردار بنا۔ ابھی اور بڑا سردار بنا، ابھی اور۔ بادشاہ بنا، ابھی اور۔ شہنشاہ بنا، ابھی اور۔ ملک آگئے، ابھی اور۔ اور اور خدا بن گیا اب خدا بن کے اس نے بس نہیں کی۔ یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا بنوں کہ موت آگئی۔ اگر موت نہ آتی تو یہ کچھ اور بنتا۔ یہ موت نے آکے روک دیا۔ ورنہ خدا بن کے سوچ رہا تھا کہ ابھی وہ اور کیا بنے۔ آپ یقین فرمائیں یہ خدا بننے والے پاگل نہیں تھے۔ احمق نہیں تھے۔ پتہ تھا انہیں کہ خدا نہیں ہیں۔ یہ ان میں ابھی اور کا جذبہ تھا۔ جو انہیں خدا بنوا رہا تھا۔ ورنہ وہ کوئی احمق یا پاگل تھوڑے تھے۔ جانتے تھے کہ ہم خدا نہیں ہیں۔ مگر اس ابھی اور، والے جذبے نے بنوا دیا۔ اور ایک چیز نے اس کے سمندِ نازک پر مہمیز کر دی کہ پاس بیٹھنے والے جو تھے، انہوں نے کہا کہ حضور بجا۔ اس نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ دو چیزیں انسان کا دماغ خراب کرتی ہیں۔ ایک اس کا جذبہ" ابھی اور ایک پاس بیٹھنے والوں کا کہنا کہ حضور بالکل درست ہے۔ حضور بالکل بجا ہے۔ وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ گویا اب بے جا ہمارے پاس ہے ہی نہیں۔ جو بک دیا وہ بجا ہے۔ یہ پاس بیٹھنے والے بنا دیتے ہیں۔ بیچارے نمرود نے، بیچارے فرعون نے ہزاروں دفعہ کہا کہ بابا ہم نہیں بنتے خدا، ہم خدا نہیں ہیں۔ مگر پاس بیٹھنے والوں نے کہا کہ نہیں تمہیں بننا پڑے گا۔ بن گئے۔ بنا جو دیا۔ ان میں" اور" کا جذبہ تو تھا ہی۔ لوگوں نے بنا دیا۔ بن گئے۔ شروع شروع میں تو انکار کرتے تھے۔ پھر بن گئے۔

[illegible] ہر انسان میں" ابھی اور" کا جذبہ موجود ہے۔ آپ میں ہے نا" ابھی اور" کا جذبہ [illegible] ؟ آپ لوگوں میں" ابھی اور" کا جذبہ ہے۔۔۔؟

یہ انسان کی عادت ہے جو کثرتِ استعمال سے فطرت بن جاتی ہے ــــ یہ انسان کی فطرت نہیں عادت ہے ــــ تو اس کی توجیہات علماء نے بہت کی ہیں کہ یہ انسان کی ابھی اور کی علت کیوں ہے ؟ تو اس کی ایک سیدھی سی بات میں آپ کو بتا دوں ــــ انسان میں جو ہوس ہے "ابھی اور کی" اس ہوس کا مرکز ہے انسان کا دماغ ــــ دل میں ہوس نہیں ہوتی، دماغ میں ہوس ہوتی ہے ــــ دماغ انسان کے سر میں ہے ــــ اور انسان کا سر ہے پیالے کی شکل کا ــــ یہ پیالہ ہے اُلٹا ــــ دیکھو نا، اُلٹا پیالہ ہے یا نہیں؟ اور اُلٹے پیالے میں چاہے تم سمندر بھر دو، یہ خالی رہے گا ــــ اس لئے ابھی اور چلاتا ہے ــــ جب قبر میں جائیگا ــــ کیڑے کھائیں گے، اُلٹا پیالہ سیدھا ہوگا ــــ تب اگر اور نہ کہے تو نہ کہے ــــ یہاں تو کہتا ہی رہے گا ــــ جب تک یہ پیالہ اُلٹا ہے ــــ انسان کا یہ جذبہ ابھی اور رہے گا ــــ اور یاد رکھو جتنی جنگیں، جتنی لڑائیاں، جتنی مقدمے بازیاں، جتنے فساد، جتنے جھگڑے دنیا میں ہو رہے ہیں ــــ ان سب کا اگر آپ کھوج لگائیں تو نتیجہ یہی "ابھی اور" کا ہی نکلے گا ــــ یہ سارا جذبہ ابھی اور ہے جو انسان کو لڑائیوں، جھگڑوں اور فساد پہ آمادہ کر دیتا ہے ــــ یہ جذبہ ہے ابھی اور کا ــــ اب میں دوسری طرف رُخ بدلتا ہوں اس بات کا ــــ

میرے محترم سامعین! جس خدا نے ہمارے اندر "ابھی اور" کا جذبہ پیدا کیا ہے اور جس خدا نے ہمیں فتنہ و فساد سے منع کیا ہے ــــ ایک طرف ابھی اور پیدا کر دیا ــــ ایک طرف کہہ دیا خبردار فساد نہ کرنا ــــ سمندر میں پھینک کے کہنا کہ [illegible] ہمارا سخت امتحان ہے کہ نہیں؟ ہم اسی خدا سے پوچھتے ہیں کہ ایسا [illegible] اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے ــ اور دنیا میں فساد بھی نہ ہو ــــ [illegible] کے [illegible] اسے میں نے مختصر کیا ہے بات کو ــــ اللہ نے کہا لو بتاتا ہوں میں تمہیں طریقہ ــــ جس سے تمہارا ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے ــ اور فساد بھی نہ ہو ــــ آپ گھبرائے نہیں اس بات پہ ــــ ہیں ــــ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ دس بیس آدمی میری بات بڑی غور سے

سزا بے ہیں) ـــــ باقیوں کا مجھے پتہ نہیں ـــــ ابھی اور کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فساد بھی نہ ہو ـــــ اس کا طریقہ اللہ نے یہ بتایا کہ سنو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، اگر تمہیں میرے وعدے پر یقین ہو ـــــ پتہ نہیں اللہ کے وعدے پر لوگوں کو یقین ہے کہ نہیں ـــــ یہ مجھے پتہ نہیں ـــــ کیوں بھئی آپ کو یقین ہے؟ ہیں؟ اللہ کے وعدے پہ یقین ہے؟ پتہ نہیں ہے یا نہیں ـــــ اپنے دل کی گہرائیوں میں سوچ کے مجھے جواب دو ـــــ اللہ کے وعدے پہ یقین ہے؟ ہیں؟ ویسے ہی نا کہہ دینا سچ سچ بتانا ـــــ ہے نا یقین اللہ کے وعدے پہ ـــــ یقین ہے تو وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اللہ ـــــ کہ اگر تم ابھی اور کا جذبہ پورا کرنا چاہتے ہو ـــــ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ـ لان شکرتم لازیدنکم ـــــ اگر ایک نعمت کے ملنے پر تم شکر ادا کرو گے میں اللہ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں اور اضافہ کروں گا ـــــ تمہارے جذبہ ابھی اور کا میرا ذمہ رہا ـــــ اور چونکہ اضافہ میرے ذمہ ہے، میری عطا لامحدود ہے ـــــ تمہارا ابھی اور نھک جائیگا میری عطا نہیں تھکے گی ـ میرے ذمہ ڈالو اس بات کو ـــــ میں تمہیں عطا کروں گا ـــــ تمہارا اور کا جذبہ میں پورا کروں گا، نعمت کا شکر تم ادا کرو ـــــ ابھی اور، میں تمہیں دیتا رہوں گا ـــــ توجہ ہے نا صاحبان ـــــ قبلہ بڑے اختصار کے ساتھ چلنا پڑ رہا ہے ـــــ بات بھی ہو جائے اور میں تھک بھی گیا ہوں ـــــ اب مثلاً اس نے نعمت دی ہے ہمیں آنکھوں کی ـــــ اس کا شکر ادا کرو ـــــ اس کا شکریہ نہیں ہے کہ آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا ـــ یا اللہ تیرا شکر ہے ـــــ یہ لفظوں کے شکر سے اللہ مطمئن نہیں ہوتا ـــ شکر کے معنی ہیں اس کی ہر دی ہوئی طاقت کو اسی طرح استعمال کرو جس طرح وہ چاہتا ہے ـــــ بس یہ ہے اس کا شکر ـــــ آنکھوں سے دیکھو ـــــ لازماً دیکھو ـــــ ضرور دیکھو ـــــ انہیں بند نہ کرنا ـــــ یہ بند کرنا تو کفرانِ نعمت ہے ـــ آنکھیں بند کر کے کوئی بیٹھا رہے ـــــ مگر وہاں دیکھو جہاں وہ چاہتا ہے ـــــ وہاں مت دیکھو جہاں وہ نہیں چاہتا ـــــ ابھی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ کے وعدے پہ یقین ہے ـــــ

آپ اپنی آنکھوں سے وہ تو نہیں دیکھنے جہاں وہ چاہتا ہے کہ نہ دیکھو ـــ یہ کفرانِ نعمت ہو جائے گا ـــ آپ کے شہر میں نہیں ـــ تو بہ توبہ یہ تو مسلمانوں کی بستی ہے ـــ لاہور جیسے شہروں میں جاکے دیکھیں قطاریں لگی ہوئی ہیں دیکھنے کے لئے ـــ سڑک پر ٹریفک رکا ہوا ہے ـــ قطاریں لگی ہوئی ہیں ـــ دیکھنے کے لئے ـــ قطار کیوں لگی ہوئی ہے، کہ ہم نے ٹکٹ لینا ہے دیکھنے کے لئے ـــ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جنت کا ٹکٹ بک رہا ہے ـــ ٹوٹے پڑ رہے ہیں ایک دوسرے کے اوپر دیکھنے کیلئے ـــ سارا دن کا غبار، بیس مزدوری کی پانچ روپے کما کے لائے ـــ تین روپے کا ٹکٹ لے لیا، ایک روپے کی سگریٹ پی لی ـــ وہاں دیکھنے کے لئے ـــ آٹھ آنے کا کچھ کھا لیا وہاں دیکھنے کے لئے ـــ تین چار آنے لے کر گھر آئے ـــ بیوی بچوں نے کھانے کے لئے مانگا ـــ وہاں ہیں نہیں پیسے ـــ وہ تو خرچ کر آئے تھے ـــ صبح کو جلوس نکال لیا زندہ باد مُردہ باد برکت نہیں ـــ ہائے او کمیونسٹ ہو جاؤ ـــ اللہ کو بھول جاؤ ـــ برکت نہیں رہی ـــ برکت کا رونا رونے والو ـــ کبھی اپنی حرکت بھی دیکھی ـــ کمائی کے پیسے تو وہاں ضائع کر آئے ـــ یہاں یہ کر لیا ـــ اللہ نے کب منع کیا ہے دیکھنے کو ضرور دیکھو ـــ مگر وہ دیکھو جو وہ چاہتا ہے ـــ وہ مت دیکھو جو وہ نہیں چاہتا ـــ بزرگانِ من! پیروں سے چلو ـــ پیر چلنے کے لئے ہیں ضرور چلو ـــ کون کہتا ہے کہ نہ چلو ـــ اِدھر چلو جدھر وہ چلانا چاہتا ہے ـــ اگر تم پیروں سے پورا کام لو ـــ دوڑو، بھاگو ـــ بلندیوں پہ چڑھ جاؤ، پہاڑوں پہ چڑھ جاؤ ـــ اگر ہماری مرضی کے خلاف ہو تو ہم کیا کریں ـــ چلو اُدھر جدھر ہم چلانا چاہتے ہیں ـــ سمجھے ـــ ہاتھوں سے ضرور کام لو، انہیں معطّل نہ کرو ـــ یہ خدا کی نعمت ہے ـــ اسے باندھ کے رکھنا کفرانِ نعمت ہے ـــ ان سے کام لو، ہاتھوں سے ـــ یہ تمہارے کام کے لئے پیدا کئے ہیں ـــ اللہ نے تمہیں ہاتھ دیئے ہیں انہیں معطّل نہ کرو ـــ انہیں خراب نہ کرو ـــ وہ کام کرو جو اللہ چاہتا

ہے ـــ ورنہ یہ زبان بڑی نامراد شے ہے قبلہ ـــ سمجھے ـــ اس کی بڑی احتیاط رکھنا ـــ سارے اعضاء میں سب سے زیادہ خطرناک شے ہے ـــ زبان ـــ اسی لئے اللہ نے اسے حوالات میں بند رکھا ـــ دانتوں کا پہرا سامنے کھڑا کیا ـــ حضور ـــ ہونٹوں کے پھاٹک لگائے ـــ دھن کے قفل میں بند کیا ـــ کہیں بے موقع گھر سے نہ نکل آئے ورنہ فساد ہوگا ـــ یہ گھر کے اندر رہے ـــ " اگر یہ کہیں گھر سے نکل آئی بے موقع تو جنگ ہوگی فساد ہوگا ـــ لڑائی ہوگی " ـــ جو گھر میں رہنے کے لئے ہے وہ گھر ہی میں رہے تو ٹھیک ہے ـــ اللہ یہی چاہتا ہے ـــ زبان کی پوری احتیاط رکھنا ـــ ورنہ کیا فائدہ فساد ہوگا خواہ مخواہ کے لئے ـــ ہے ناصاحبان ـــ ہمارے یو۔پی میں محاورہ تھا ـــ ہمارے دیہات میں ـــ کہ " آدمی کا سر اٹھ کے صبح، آدمی کی زبان سے کہتا ہے ہاتھ جوڑ کے کہ دیکھنا زبان تو تو بول کے اندر چلی جائے گی میری شامت آئے گی ذرا خیال رکھنا " ـــ یہ بات ہے حضور ـــ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے زبان اسے ضرور استعمال کرو، ضرور بولو ـــ مگر وہ بولو جو وہ چاہتا ہے، وہ مت بولو جو وہ نہیں چاہتا سمجھے ـــ تو اللہ کی نعمت کا شکر یہ ہے جو اس کے منشاء کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کرے ـــ تو یہ ہے ناصاحبان ! ـــ یہ تو ہوگیا میرا وعظ ـــ اگر آپ گھبرائے نہیں تو اب میں اس کا پھر رُخ بدلوں تقریر کا ـــ اسے مختصر کرنا ہے ساری بات کو ـــ یہ آیت جو ہے کہ شکر کروگے تو نعمت میں اضافہ ہوگا یہ کس پہ نازل ہوتی ہے ـــ یہ آیت مجھ پہ، آپ پہ، ہم پہ نازل ہوئی ـــ ہیں ـــ اللہ چاہتا تو ہم پر بھی کوئی آیت نازل کر دیتا ؟ نہیں، قطعاً نہیں ـــ اللہ چاہے بھی تو نہیں کر سکتا ـــ اللہ ایسی بات چاہتا ہی نہیں جو نہ ہو ـــ ہاں اللہ کیوں چاہے ایسی بات جو نہ ہو ـــ تو یاد رکھو میرے بزرگو اللہ جیسا قادر مطلق جس کی قدرت میں کوئی شک نہیں ہم تک پہنچنے کے لئے رسولؐ کو وسیلہ بناتا ہے ۔ تو ہم اللہ تک بے وسیلہ کیسے پہنچیں ـــ جب اللہ ہم تک بے

وسیلے کے نہ پہنچا تو وسیلہ ہونا عیب کی بات نہیں ہے ۔ سمجھے نا ۔ خیر یہ الگ مضمون ہو جائے گا۔ اسے میں چھوڑتا ہوں ۔

تو یہ آیت نازل ہوئی رسولؐ پر کہ ۔ تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کر دوں گا۔ یہ بتاؤ اس آیت کی تعمیل رسولؐ نے بھی کی یا نہیں ۔ شکر کیا ہوگا انہوں نے ۔ ہیں ۔ اور شکر کر کے ۔ اللہ نے اپنے حسب وعدہ اضافہ کر لوں ۔ اللہ کا وعدہ ہے ۔ اب چاروں طرف نظر ڈال ۔ جتنی نعمتیں اللہ نے دی تھیں رسول کو، وہ پہلے ہی دن اتنی حد کی دے دی تھیں ان میں اضافے کی گنجائش ہی نہیں تھی ۔ اب رسولؐ سوچیں کہ اس کا شکر کر کے اضافہ کس شے کا کر دوں ۔ میرے پاس جو نعمتیں ہیں وہ پہلے ہی اس حد کی ہیں اس میں اضافہ ہو سکتا ہی نہیں ۔ بتاؤ بیٹی، اللہ نے رسولؐ کو سیادت دی تھی ۔ اس سے بڑھیا اور کوئی سیادت ہو سکتی تھی ۔ شرافت دی تھی اس سے بڑھ کر شرافت ہو سکتی ہے؟ خلق دیا تھا ۔ اس سے بڑھ کر کوئی خلق ہو سکتا ہے ۔ انسانیت دی تھی اس سے بڑھ کر کوئی انسانیت ہو سکتی ہے ۔ سب سے بڑی نعمت رسالت دی تھی ۔ وہ پہلے ہی ایسی دی تھی کہ ختم کر بیٹھا ۔ اور رہے ہی نہ تھی اس کے پاس ۔ کس چیز کا شکریہ ادا کرے جو اس میں اضافہ ہو جائے توجہ ہے نا صاحبان؟ جہاں جہاں بیٹھے ہو صاحبانِ ذوق ۔ ایک نعمت تھی رسولؐ کے پاس ایسی کہ جس کا شکریہ ادا کر کے وہ اس میں اضافہ کر سکتے تھے ۔ اضافہ بھی طولی نہیں، عرضی ۔ ایک اضافہ عرضی ہوتا ہے ایک طولی ۔ طولی تو اضافہ ختم ہو چکا تھا ۔ عرضی اضافہ اس میں کر سکتے تھے ۔ وہ کیا تھی ۔ وہ تھی نعمتِ عصمت ۔ توجہ ہے نا صاحبان ۔ اللہ نے رسولؐ کو معصوم بنایا تھا یا نہیں ۔ نعمتِ عصمت ۔ یہ عصمت جو ہے میرے بھائیو ۔ یہ کلیۂ مشکک ہے ۔ کلیۂ مشکک اسے کہتے ہیں جو ہر جگہ یکساں نہ ہو ۔ اسے کہتے ہیں کلیۂ مشکک ۔ جس طرح ہے لفظ سفید ۔ تو بتاؤ یہ میرے کرتے کا کیا رنگ ہے؟ سفید ۔ اور یہ جو کرتا پہنے ہوئے ہیں اس کا رنگ کیا ہے؟ ۔ سفید ۔ کیا دونوں کا رنگ یکساں ہے؟ حالانکہ دونوں سفید ہیں ۔ اور یہ رنگ کیا ہے؟ سفید ۔ حالانکہ یہ سب سفید ہیں ۔ مگر کہیں زیادہ ہے کہیں کم

بوایں گے سب کو سفید ـــ اسی طرح عصمت ہے سب معصوم ہیں، کہیں زیادہ کہیں کم ـــ آدمؑ کی عصمت اور ہے عیسیٰؑ کی عصمت اور ہے، محمدؐ کی عصمت اور ہے ـ آپ آدمؑ کی عصمت کا قیاس محمدؐ کی عصمت پہ نہ کریں ـ وہاں ترک اولیٰ کی گنجائش ہے، یہاں نہیں ہے ـــ اسے اُردو زبان میں یوں ادا کرو کہ انبیاء کی عصمت میں اور چودہ معصوم کی عصمت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء وہی کام کرتے ہیں جو ٹھیک ہو، غلط کام کرتے ہی نہیں ـــ وہی کرتے ہیں جو ٹھیک ہو ـ پہلے وہ تلاش کرتے ہیں ٹھیک ـــ پھر کرتے ہیں ـــ اور چودہ معصومؑ جو کردیں وہ ٹھیک ہوجاتا ہے ـ بس یہ فرق ہے ان کی عصمت میں ـــ سمجھے حضور! وہ پہلے ٹھیک تلاش کر کے کرتے ہیں ـ یہ جو کردیں وہ ٹھیک ہے ـ جو کہہ دیں وہ ٹھیک ہے ـــ جو کردیں وہ ٹھیک ہے ـــ توجہ ہے ناصاحبان عصمت، اللہ نے دی نبی رسولؐ کو ـــ اس عصمت کا شکریہ ادا کرنا تھا رسولؐ کو ـــ اس عصمت کا شکریہ ادا کرنا تھا ـ پوری توجہ صاحبان شکریہ زبان سے نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ تیرا شکریہ ہے ـ شکریہ کے معنی میں نے ابھی بتائے ہیں ـــ اس طرح برتو جس طرح اللہ چاہتا ہے ـ تو رسولؐ نے عصمت کو اس شان سے برتا کہ دشمن سے دشمن بھی مان گیا کہ صادق ہے اور امین ہے ـــ یہ عصمت کی نعمت کو برتنا تھا ـ اسی صداقت اور امانت کے مجموعے کو عصمت کہتے ہیں ـ اور کیا ہے؟ افعال میں عصمت ہو تو امین ہے ـــ قول میں عصمت ہو تو صادق ہے ـــ قول، فعل کی عصمت کو صداقت وامانت کہتے ہیں ـ گویا دنیا مان گئی کہ معصوم ہے ـــ ابھی رسولؐ نہیں کہا تھا ـــ یہ نعمتِ عصمت کا استعمال تھا یا نہیں تھا ـــ توجہ ہے ناصاحبان ـــ بات کو نہ بڑھاؤں مختصر رکھوں ـــ دیر نہ ہو جائے ـــ چالیس سال مسلسل نعمتِ عصمت کا اس انداز سے شکریہ ادا کیا کہ کائنات مان گئی ـــ وہ دشمن مان گئے کہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے ـــ اتنا شکریہ جس نے ادا کیا ہو عصمت کا ـــ اللہ کہتا ہے وعدہ اس میں اضافہ کرنا چاہیئے یا نہیں ـــ عصمت میں ـ اب رسول کی عصمت اتنی ہے ـــ طولاً تو اس میں اضافہ ہو نہیں سکتا ـ عرضاً ہو سکتا ہے ـــ اللہ نے کہا میں حبیب اپنے اضافے کے وعدے کو پورا کرتا ہوں اس طرح ـــ تو اپنی عصمت کا شکریہ ادا کر ـ میں اس شکریے میں اضافے کے طور پر تجھے ایک اور عصمت عطا کرتا ہوں جس کا نام ہے ـ فاطمہؑ گویا سیدہ طاہرہ بیٹی جو رسولؐ کو ملی ہے، شکریۂ عصمت کے اضافے میں ملی ہے ـــ اور

بیٹیوں کی بات اور ہے، اس بیٹی کی بات اور ہے ــــ اگر رسولؐ کے تھیں بھی اور بیٹیاں، اس جھگڑے میں نہیں پڑتا ــــ وہ تھیں یا نہیں تھیں ــــ کوئی کہتا ہے چار تھیں ــــ میں کہتا ہوں چار سو بیس ہوں، چلو ــــ جھگڑے کی کیا بات ہے؟ چار کروڑ تھیں ــــ مگر شکریۂ عصمت کے اضافے میں جو بیٹی ملی اس کا نام ہے۔ فاطمہؑ ــــ یہ رسولؐ کو شکریۂ عصمت کے اضافے میں ملی ہے۔ اس کا نام ہے فاطمہؑ ــــ توجہ ہے ناصاحبان ــــ اور چونکہ شکریۂ عصمت میں اضافہ ہو کے ملی ہے ــــ لہٰذا اس کی عصمت کی شان اور ہے، محمدؐ کی عصمت کی شان اور ہے ــــ آپ کہیں گے کہ عورتوں میں مریم بھی معصومہ تھی ــــ وہ تو تھیں مگر ان کی عصمت کسی شکریہ میں نہیں ملی تھی اُس کو ــــ عطیۂ الٰہی تھا اس میں ــــ عصمت کی اتنی ہی مقدار تھی کہ بس ایک پُشت چل کے عیسیٰؑ تک ختم ہو گئی۔ ــــ اور یہ شکریۂ عصمت میں ملی ہوئی عصمت تھی جو سیدہ کی شکل میں ملی تھی ــــ توجہ ہے ناصاحبان! ــــ اور یہ شرف اللہ نے اس شکریۂ عصمت کو عطا کیا تھا کہ قیامت تک اس کی پیدا ہونے والی نسل معصوم تو نہیں ہوگی مگر بے حکومت کے "شاہ" کہلائے گی ــــ ہے یا نہیں حضورِ والا؟ ــــ کہلاتی ہے کہ نہیں کہلاتی؟ بغیر سرداری کے سید کہلائے گی ــــ دُنیا اُن کے پیر چھونا فخر سمجھے گی ــــ یہ اس لئے کہ شکریۂ عصمت کا صلہ ہے حضورِ والا۔ ــــ اگر پیسے پاس ہوں گے تو امیر کہلائیں گے، کچھ نہیں ہوگا تو پہنچے ہوئے فقیر کہلائیں گے ــــ مر جائیں گے تو پیر کہلائیں گے ــــ یہ شرف یاد ہے شکریۂ عصمت کا ــــ تو سیدہ طاہرہ، عصمت کے شکریئے کے طور پر ملی ہے۔

میرے محترم سامعین! ــــ اب رسولؐ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کروں، تاکہ اللہ اور اضافہ کرے اب فاطمہؑ کی نعمت کا کس طرح شکریہ ادا کیا اُس نے ــــ بڑے اختصار کے ساتھ بات کرتا ہوں ــــ بیٹی چلی آرہی ہے ــــ اگر نری بیٹی ہوتی تو بیٹھے رہتے ــــ چونکہ اضافۂ شکر تھا لہٰذا اس کے لئے شکریہ یوں ادا کیا!

کر بیٹی کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ــــ تعظیم کو اٹھنا اس نعمت کا شکریہ تھا ۔ اللہ نے دیکھا ۔ تم نے اس نعمت کا شکریہ ادا کیا ــــ لاؤ ہم نعمت کا اور اضافہ کر دیں ۔ فاطمہؑ کی تعظیم کے لئے اٹھے ــــ اللہ نے ایک نعمت حسنؑ کی شکل میں دے دی ، لو ــــ یہ شکریہ نعمت کا سلسلہ ہے جو ہم نہیں ادا کرتے ہیں ــــ توجہ ہے نا صاحبان ــــ اب یہ فاطمہؑ والے شکریہ میں اضافہ ہو کر حسنؑ والی نعمت ملی ــــ پوری توجہ صاحبان ــــ رسولؐ نے کہا لاؤ اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کر دوں گا ــــ اس کا شکریہ کس طرح ادا کیا ۔ نماز پڑھانے جا رہے تھے عید کی ــــ حسنؑ جو نعمت کا شکریہ ملا تھا اسے بٹھا رکھا تھا کندھے پر ــــ زلفیں اسے پکڑا رکھی تھیں ــــ لو بیٹا چلو ــــ یہ ہے شکریہ نعمتِ حسنؑ جو مجمعِ عام میں رسولؐ ادا کر رہے تھے ــــ اللہ کو یہ ادا پسند آگئی ــــ محمدؐ تو نے حسنؑ کی نعمت کا خوب شکریہ ادا کیا ــــ ہم اضافہ کر کے تمہیں حسینؑ دے دیں ۔ اللہ نے اضافہ کر کے حسینؑ دے دیا ــــ حسینؑ جو نعمت ملی ــــ کہ اس کا بھی شکریہ ادا کر دوں گا ــــ فاطمہؑ کا شکریہ محض تعظیم کر کے ــــ حسنؑ کی نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ نماز کو جاتے وقت کندھے پہ بٹھا لیا ــــ نماز کو جاتے ہوئے ، نماز میں نہیں ــــ نماز کو جاتے ہوئے ــــ حسینؑ نامی نعمت ملی تو شکریے کا انداز بڑھ گیا ــــ اسے جاتے ہوئے نہیں ــــ عین نماز میں ، سمجھے ــــ سجدہ میں یہ شکریہ ادا ہو رہا تھا ــــ اور فقرہ میں کہتا ہوں صاحبانِ ذوق ــــ یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے ــــ حسینؑ کی نعمت کا جو شکریہ ادا کیا ــــ وہ عین نماز میں ــــ نماز میں بھی رکوع میں نہیں ، قیام میں نہیں ــــ سجدے میں پشت پہ بٹھا لیا حسینؑ کو ــــ یہ حسینؑ نامی نعمت کا شکریہ تھا ــــ کہاں شکریہ ادا ہوا ؟ سجدہ میں ــــ کہاں ؟ عبادت میں ــــ چونکہ اس شکریہ میں عبادت اور سجدہ دونوں شامل ہیں ــــ اب جو اضافہ بھی ہوگا اس میں سجدہ بھی ہوگا اور عبادت بھی ہوگی ــــ لہٰذا حسینی نعمت کے شکریے میں جو ملا وہ سید الساجدین بھی تھا اور زین العابدین بھی

خدا ہے، رسولؐ ہے، ہمارا امام ہے ـــ اسی لئے ہمارا وجود ہے ـــ دُنیا نے ہمیں 'تھا' کرنے کی کوشش کی ـــ مگر نہیں ـــ 'ہم ہیں' ـــ اور ہیں اسی لئے کہ ہمارا وارث ہے، ہمارا امام ہے ـــ یہ شعبان کا مہینہ ہے حضور ـــ اور شعبان کی مناسبت سے یہ دو چار جملے آپ کے کہہ دوں کہ خدا کے فضل سے ہمارا امام ہے ـــ بولو ـــ ہے ـــ اسی امام کے ہونے کی وجہ سے ہم دنیا کے سامنے سینہ تان کے کہتے ہیں کہ دنیا والو کیا یاد کرو گے ہم ہیں امامیہ ـــ اور کوئی فرقہ دنیا امامیہ نہیں ـــ ہم ہیں امامیہ ـــ سمجھے ـــ امامیہ؟ کے کیا معنی؟ امام والا ـــ جیسے لاہوریا ـــ امامیہ، امام والا ـــ سمجھے ـــ ہم ہیں امامیہ ـــ اور کوئی دنیا میں امامیہ نہیں ـــ ہم ہیں امامیہ ـــ وجہ اس کی یہ ہے کہ بے امام تو کوئی انسان نہیں دنیا کا ـــ کسی سے آپ پوچھیں کہ بھئی مسلمان! بتا تیرا امام کون ہے ـــ؟ وہ بڑے ادب سے کہے گا ـــ ماشاء اللہ چشم بد دُور ـــ میرے امام فلاں بزرگ رحمۃ اللہ علیہ تھے ـــ سمجھے ـــ کہ بھئی تمہارا امام کون ہے؟ ـــ کہ میرے امام فلاں بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 'تھے' ـــ کوئی اپنے امام کے ساتھ سوائے 'تھے' کے نہیں کہتا ـــ یہ ہم ہیں کہ سینہ تان کے کہتے ہیں کہ کوئی ہم سے پوچھ کے دیکھے ـــ "ہمارا امام 'ہے'" ـــ دُنیا کے امام 'تھے' ـــ "ہمارا امام 'ہے'" ـــ اس لئے ہم امامیہ ہیں ـــ دنیا کے لئے امامیہ نہیں کہ ان کے امام 'تھے' ـــ ہمارا امام ہے ـــ توجہ ہے نا صاحبان ـــ اور یہ شکریہ نعمتِ رسولؐ میں چلا ہوا ہے ـــ اس نے کبھی ختم نہیں ہونا ـــ ہمارا امام خدا کے فضل و کرم سے ہے ـــ ہمارا امام ہے ـــ موجود ہے ـــ کہاں ہے؟ غائب ـــ ویسے ہر جگہ ہے ـــ غائب ہے ـــ اس کی غیبت کا فقرہ سن لو اور پھر میں بیٹھ جاؤں گا قبلہ ـــ حضور امام علی نقی علیہ السلام ہمارے دسویں امام کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ امام جو آخری امام ہوگا ـــ جو دائم و قائم ہوگا، ذرا اس کی صفت تو بیان کریں کہ کس شان کا ہوگا ـــ اب جناب لطافت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں ـــ جنہیں ان لطافتوں کا لطف ہے

بیان کرنے والی ہو معصوم کی زبان ـــ امام بیان والا ہو ـــ امام کی فضیلت ہو ـــ پھر اس کے اندر کتنی لطافتیں ہونگی ـــ یہ دہی جانتے ہیں ـــ ہم تو اس کا اُردو ترجمہ بھی نہیں کر سکتے صحیح ـــ امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں ـــ ہمارے امام کے متعلق کیا پوچھتے ہو اپنے امام کی شان ـــ

صاحب الدعوۃ النبویہ وصولت الحیدریہ

تمہارا امامؑ اسی طرح دین کی دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جد رسولؐ دعوت دیتا تھا۔ وصولت الحیدریہ ـــ اس کا اقبال حیدر کرارؑ جیسا ہے ـــ وعصمت الفاطمیہ، اس کی عصمت فاطمہ زہراؑ جیسی ہے ـــ وحلم الحسنیۃ، حسنؑ جیسا اس کا حلم ہے۔ وشجاعت الحسینیۃ، اور حسینؑ جیسی اس کی شجاعت ہے ـــ اور چلتے چلتے ـــ آپ صفت بیان کرتے کرتے گیارہویں پہ پہنچے ـــ والھیبۃ العسکریہ، حسن عسکریؑ جیسی اس کی ہیبت ہے ـــ یہاں آکے آپ نے رُک کے فرمایا ـــ تم اُس کی غیبت پوچھتے ہو ـــ والغیبۃ الالہیۃ ـــ اللہ جیسی اس کی غیبت ہے ـــ اب بتاؤ اللہ کسی جزیرے یا غار میں غائب ہے ـــ اللہ کسی مکان میں غائب ہے ـــ اللہ ہر جگہ ہے اور غائب ہے ـــ اسی طرح وہ ہمارا امامؑ خدا کے فضل سے ہر جگہ ہے اور غائب ہے ـــ اس مجلس میں بھی موجود ہے ـــ ہو نہ ہو ہے ـــ اور یہ مجلسیں کیوں کرتے ہو؟ یہ جلسے کیوں کرتے ہو ـــ یہ اتنا خرچ کیوں کرتے ہو ـــ مولوی صاحبان کی اتنی خوشامدیں کیوں کرتے ہو ـــ پڑھنے والوں کی اتنی خوشامدیں کیوں کرتے ہو ـــ تمہاری کیا غرض وابستہ ہے ان سے ـــ تمہارا کیا کام وابستہ ہے ان سے؟ ہے یا نہیں؟ محض اس لئے کہ تمہیں یقین ہے کہ ہمارا امام ہے اور اس کو راضی کرنے کے لئے یہ اس کے دربار لگاتے ہیں ـــ کہ ہمارا مولاؑ ہمارا امام ہم سے راضی ہو جائے ـــ ہم یہ تصور کر کے بیٹھتے ہیں مجلس میں کہ ہمارا امام یہاں بیٹھا ہے اور ہم سب اس کی رعایا اس کے سامنے حاضر ہیں کہ مولاؑ تیرے سامنے تیرا دربار لگوانے

تکے لئے تیری رعایا نے یہ سب کچھ خرچ کیا ہے ۔۔۔ لوگوں کو بلایا ہے ۔۔۔ مولویوں کی خوشامد کی ہے ۔۔۔ تیرا ذکر سننے کے لئے ۔۔۔ ہم تجھے تیرے بزرگوں کا پرسہ دیتے ہیں ۔۔۔ اور تیرے سامنے تیرے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں ۔۔۔ اصل سامع مجلس وہی ہے ۔۔۔ اسی تصور کی وجہ سے میں نے عمر بھر کبھی بیٹھ کے نہ پڑھا ۔۔۔ میرا ایمان ہے کہ وہ میرا مولا موجود ہے ۔۔۔ اس کے ہوتے میں کرسی پہ بیٹھ جاؤں یہ بڑی گستاخی ہوگی ۔۔۔ یہ اس کی شان کے خلاف بات ہے حضور ۔۔۔ اسی لئے کبھی بیٹھ کے نہ پڑھا آج تک ۔۔۔ اب تو اس قابل ہو گیا ہوں کہ مولا بیمار ہوا تو کیا ۔۔۔ پہلے دونوں پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا تھا ۔۔۔ اب تیری بارگاہ میں ایک پاؤں سے کھڑا ہو کے پڑھتا ہوں ۔۔۔ تو اسے قبول فرما ۔۔۔ ہمارا مولاؑ موجود ہے ۔۔۔ لو بھائیو! گفتگو ختم ہوتی ہے ۔۔۔ گرمی کا وقت ہے ۔۔۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا ۔۔۔ کربلائی سعی میں مجلس تھی ۔۔۔ ایک عالم بیان کر رہے تھے اور وہ کہتے تھے کہ جب تم مجلس منعقد کرتے ہو اس میں امام زمانؑ آکے بیٹھتے ہیں تو تم یہ تصور کر کے پڑھا کرو کہ تم امام کو سنا رہے ہو اور اس کے طفیل میں یہ مجمع بھی سن رہا ہے ۔۔۔ اصل میں امامؑ کو سنا رہے ہیں ۔۔۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جب تم امامؑ کے سامنے مصائب پڑھو ۔۔۔ بے شک حسینؑ کی شہادت پڑھ دینا کوئی پرواہ نہیں ۔۔۔ امام سن کے رو دیتے ہیں ۔۔۔ تم علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دینا پرواہ نہیں ۔۔۔ علی اصغرؑ کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں ۔۔۔ عباسؑ کی شہادت پڑھ دینا کوئی بات نہیں ۔۔۔ امامؑ ان باتوں کو سن لیتے ہیں ۔۔۔ مگر ایک بات کی احتیاط کرنا ۔۔۔ کیونکہ امام موجود ہوتے ہیں ۔ کہ ذرا سوچ سمجھ کے پڑھنا وہ چیز ایسی ہے جسے سن کے امامؑ بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔۔۔ ہاں امام بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔۔۔ پھر فرشتے آکے ان کے پاؤں ملتے ہیں ۔۔۔ ان کی دادی آکے ان کے سر کو گود میں لیتی ہیں ۔۔۔ پھر انہیں غش سے افاقہ ہوتا ہے ۔۔۔ کیا؟ ۔۔۔ اس کے سامنے زینبؑ کی قید نہ پڑھ دینا ۔۔۔ کیونکہ اس کے

لئے ناقابلِ برداشت ہے ـــ وہ ہر شہادت کو سُن لیتا ہے ـــ زینبؑ کی قید برداشت نہیں کرتا ـــ یہ چیز اس کے لئے قابلِ برداشت نہیں ہے ـــ یہ چیز ذرا سنبھل کے پڑھنا ـــ یہ چیز ذرا سوچ کے پڑھنا ـــ یہ شے وہ نہیں برداشت کر سکتا ـــ اسے ذرا سوچ کے پڑھنا ـــ زینبؑ کی قید بڑی مشکل شے ہے ـــ اسے ذرا خوب سنبھل کے پڑھنا ـــ اسے پڑھتے وقت ذاکر کو، مولوی کو بڑی احتیاط کرنی چاہیئے امام سن رہا ہے۔ زینبؑ کی قید پڑھنی ہے ـــ امامؑ سن رہا ہے ـــ میرے محترم بھائیو! امامؑ نے ہمیں بتایا ہے، ہمیں تجربہ نہیں تھا ـــ امام کے دو جملے کہہ کے میں بیٹھتا ہوں ـــ امام نے بتایا ہے ہمیں ـــ ہمیں کیا خبر تھی ـــ ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے ـــ ایسا کون ظالم بے حیا ہوگا دنیا میں جو بے قصور سیدانیوں کے ہاتھ باندھ دے ـــ یہ کیسے ہو سکتا ہے ـــ شاہ صاحب میں خود قید ہوا تھا ـــ میں اپنی بھگتی ہوئی بتاتا ہوں ـــ رات کے دو بجے تھے ـــ ۹ / ر جنوری سردی کی رات تھی۔ تقریباً پانچسو آدمی پولیس کا مجھے گرفتار کرنے آیا ـــ پانچسو آدمی ـــ سارے محلے کا محاصرہ تھا۔ چھتوں پہ پولیس تھی ـــ ایک ہنگامہ تھا اور سارا محلہ سہما تھا ـــ خدا جانے کیا ہونا ہے؟ ـــ کیا بات ہے؟ کیا قصہ ہے؟ جب مجھے گرفتار کیا انہوں نے مجھے کار میں بٹھایا ـــ تو کسی سپاہی نے ایس۔پی۔ سے کہا۔ جناب ہتھکڑی لگاؤں ـــ تو اس نے کہا خبردار بکواس بند کرو ـــ کیوں شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو ـــ اس کا یہ کہنا تھا کہ میں نے کہا ـــ ایس۔پی صاحب کاش تم کربلا میں کھڑے ہوتے ـــ بجائے یہاں کے وہاں کہہ دیتے کیوں شریف آدمیوں کو پریشان کرتے ہو ـــ میرے ساتھ یہ ہوا ـــ اور جس دن میں گرفتار ہوا تھا بھائی ـــ یہ بھی میں آپ کو بتا دوں ـــ وہ تاریخ وہ تھی جس تاریخ کو ہارون کی فوج نے محاصرہ کر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا۔ بالکل وہی تاریخ تھی جس دن مجھے گرفتار کیا تھا۔ بہر نوع چلے گئے ـــ سیدانیوں کے ہاتھ بندھ گئے

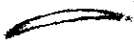
۔۔ مجھے یہ خیال رہا، فکر لگا ۔۔ کہ ہاتھ بندھ گئے ۔۔ کہ ہاں بے ضرر سیدانیوں کے تو ہمارے ذاکر، مولوی، ہم سب یہ سوچتے رہے کہ ہاتھ پتہ نہیں کس طرح بندھے تھے ۔۔ پتہ نہیں بازو بندھے تھے ہے نا ۔

شامیاں بستند بازو زینب و کلثوم را

پتہ نہیں ہاتھ کس طرح بندھے تھے ۔ یہ امامؑ نے مرثیہ میں فرمایا ۔۔ امام کا فرمان ہے یہ ۔۔ کسی ذاکر کی بات نہیں کہ روایت غلط ہے ۔۔ یہ امامؑ نے فرمایا ہے کہ میرا سلام ہو ۔۔ میری دادی زینبؑ پر ۔۔ تم سب بھی سلام کر لو ۔۔ ہمارا سب کا، مولاؑ نہیں دادی زینبؑ کو سلام ۔۔ ان کا فقرہ ہے یہ ۔۔ ہمارا نہیں ۔۔ میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جس کے دونوں ہاتھ جس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے ۔۔ امامؑ نے بتایا تھا ہمیں ۔۔ اس کے ہاتھ ۔۔ یہ بات ہمیں امامؑ نے بتائی کہ اس طرح میری دادی کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے ۔۔ کربلا میں ہاتھ بندھ گئے ۔۔ اور جب دمشق کے شہر میں پہنچے ہیں ۔۔ زائروں کو، تمام زائر جو جاتے ہیں وہ تقریباً کربلا کے ساتھ شام بھی جاتے ہیں ۔۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں جو نری کربلا کی زیارت کر کے چلا آتے اس کی زیارت قبول ہی نہیں ہوتی جو زینبؑ کے سلام کو نہ جائے ۔۔ اب تو جاتے ہیں زائر وہاں کوئی خاص فرق نہیں ہے ۔۔ جاتے ہیں بی بیؑ کے سلام کے لئے ۔۔ حضور جو شہر آج ہے نا دِمشق کا، اُس زمانے میں نہیں تھا ۔۔ اس زمانے میں تو پرانا شہر تھا ۔۔ جو اب بھی اندر ہے ۔۔ باہر تو نیا شہر ہے ۔۔ اندر کی طرف وہ پرانا شہر اب بھی ہے ۔۔ اس زمانے کا شہر تھا ۔ جس میں بی بی گئی تھی ۔۔ اور یہ فقرہ بھی آپ سے کہہ دوں، سادات عظام مجھے معاف کرنا ۔۔ مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑھتے ہیں ۔۔ ساری گلیاں سڑکیں ملا کے تقریباً ڈھائی میل بن جاتا ہے ۔۔ اس میں بی بیؑ گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے پیدل گئیں ۔ یہ مجھے کہنا پڑتا ہے ورنہ اس وقت بی بی کے ہاتھ گردن سے بندھے

ہوئے تھے ــــ اور جب بی بی کو طاغوتی طاقت کے سامنے پیش کیا گیا تو بھی ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور شام کے زائرون نے دیکھی ہوگی وہ جگہ جہاں جا کے یہ سادات کھڑے کر دیئے گئے ـ وہاں ایک لکڑی کا چبوترہ سا بنا دیا گیا ہے ــــ یہ جگہ تھی جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے آ کے ــــ جگہ محفوظ رکھی ہے ــــ جہاں وہ کھڑے تھے اور سامنے طشت میں بھائی کا سر رکھا تھا اور یہاں وہ کھڑی تھیں اور ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے ــــ میں اپنی بات ختم کرتا ہوں ــــ بیٹی سُن رہے ہو ــــ خدا تمہاری عزت کی حفاظت کرے ــــ جو نقرہ میں نے کہنا تھا وہ یہ تھا ــــ ہائے کیا بتاؤں ــــ کھڑے تھے اس طرح ــــ کوئی مصیبت تھی ایسی جو اُن پہ نہ گذر گئی ہو ــــ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "میری دادی پہ وہ مصائب گذر گئے کہ جنہیں نہ کوئی سوچ سکتا ہے ــــ نہ سمجھ سکتا ہے ــــ انہی کو پتہ تھا ان پہ کیا گذر گئی ــــ نہ کوئی دماغ انہیں ذہن میں لا سکتا ہے ــــ نہ سمجھ سکتا ہے۔" امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ــــ کوئی مصیبت تھی ایسی جو ان پہ نہ گذری ہو ــــ اور یزید کے دربار میں کھڑی تھیں ــــ یہ نقرہ میں نے کہنا تھا آخری اب ــــ اور میرے عزیز ڈھائی تین گھنٹے گذر گئے کھڑے کھڑے اور یزید اتنا مشغول ہے اپنے نشۂ فتح میں ــــ قیدیوں سے بات نہیں کرتا ــــ اور یہ کھڑے تھے ــــ چھوٹی بچیوں کے پاؤں میں ورم آ گئے تھے ــــ پیدل چل کے آنا اور کھڑے رہنا ــــ اور زمانے کا امامؑ بالکل خاموش کھڑا ہے ــــ بی بیؑ خاموش کھڑی ہیں اور گردن سے سیدانیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ــــ سب کھڑے ہیں ــــ جہاں جناب ربابؑ جو ساتھ کھڑی تھیں وہاں امام حسنؑ کی بیوہ جناب قاسمؑ کی والدہ ساتھ تھیں صرف فاطمہؑ کی بہوؤں میں یہ دو بہوئیں تھیں قید میں ــــ ایک علی اصغر کی والدہ اور ایک قاسمؑ کی والدہ ــــ جناب لیلیٰؑ جو تھیں علی اکبرؑ کی والدہ ــــ ان کا راستے میں انتقال ہو گیا تھا ــــ وہ شام تک پہنچی ہی نہیں تھیں ــــ یہ دو بہوئیں

۔ تھیں انہوں نے سر جھکا رکھے تھے ۔۔۔ اور انہوں بالکل سر نہ اٹھائے ۔۔۔ اور بی بیؑ نے امام زین العابدینؑ سے کہا تھا دربار سے آکے ۔ کہ بیٹا مجھے کھا گئی یہ بات کہ میری بھاوجیں کھڑی تھیں اور ان کے پیکے کے لوگ کرسیوں پہ بیٹھے تھے ۔ وہ کیا کہتے تھے کہ کس خاندان میں بیاہی گئی ہیں ہماری لڑکیاں ۔۔۔ مجھے شرم کھا رہی تھی ۔۔۔ یہ لوگ کیا کہتے ہوں گے ۔۔۔ تو اس وقت یزید نے ڈھائی تین گھنٹے کے بعد ٹوکا ہے انہیں اور کہا کہ ان قیدیوں کے نام بتاؤ یہ کون کون ہیں ؟ کیا ہیں ؟ یہ چیزیں غور کرنے کی ہیں قبلہ ۔۔۔ انہیں دنیا کے لوگوں کو بتاؤ ۔۔۔ انہیں عام کرو ۔۔۔ اور پڑھے لکھے حضرات کو بتاؤ کہ دُنیا کی ہر تکلیف اور مصیبت اٹھائے ہوئے ۔۔۔ کہتی کیا ہے اس وقت ۔۔۔ فقرہ کیا اُس کی زبان سے نکلا ہے ۔۔۔ یہی تو میں کہتا ہوں ۔۔۔ یا اللہ یاد رکھ تیری قدرت تو ہے ہی بے انتہا ۔۔۔ پر ایسے بندے بھی نہیں ہوں گے ۔۔۔ یہ کمال بھی نہیں ہوگا ۔۔۔ کہتی کیا ہیں ؟ ۔۔۔ الحمد اللہ الذی اکرمنا ۔۔۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ عزت عطا کی ۔۔۔ قبلہ کوئی اور ہوتا تو کہتا کہ واہ اللہ میاں ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں ۔۔۔ تیرے نام پہ ہم مر گئے اور تو نے ہماری خبر نہ لی ۔۔۔ وہاں یہ کہہ کے کہ ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ خدا نے ہمیں یہ عزت دی ۔۔۔ بی بیؑ نے منوا دیا کہ خدا ہے، خدا کوئی ہے ۔۔۔ یہ زینبؑ کا احسان ہے کہ آج دُنیا خدا کو مان رہی ہے ۔۔۔ ان حالات میں منوایا کہ خدا ہے اور اگر یہ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اضافہ کروں گا ۔۔۔ زینبؑ کے اس شکریہ پہ مجھے نہیں معلوم کہ کیا اضافہ ہوگا ۔۔۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے یہ عزت عطا فرمائی ۔۔۔ جس نے ہمیں یہ شرف عطا فرمایا ۔۔۔ جس نے ہمیں یہ شان عطا فرمائی ۔۔۔ ہاتھ بندھے ، ظالم کے دربار میں ایک خاتون یہ کہہ رہی ہے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں یہ عزت عطا فرمائی کہ ہم اس کے دین کے محافظ ہیں ۔۔۔ اس کی حفاظت میں یہاں قید ہوئے کھڑے ہیں اور ہم خدا کا شکر ادا



بکتے ہیں ــــ جو مومنین یہاں موجود ہیں یا اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ان شکر گذاروں کے حق کا شناسا بنایا ــ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی معرفت ہمیں دی ــ ان کا ذکر کرنے اور ان کی مجالس برپا کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائی ــ بس بھائیو اللہ تمہیں سلامت رکھے ــ خدا تمہیں خوش رکھے ــ میرا بیان ختم ــ زندگی رہی۔ تو انشاء اللہ پھر کبھی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

شور کوٹ شہر
۸ ر اکتوبر ۱۹۷۱ء

حسینیت

عنوان

فضائل حسینیت

مصائب دربارِ شام

دربارِ میرِ شام کا منظر عجیب ہے
زینبؑ کو مِل رہی ہے وراثت بتولؑ کی

اختر چنیوٹی

عظمتِ حسین علیہ السلام

اسلام اور انسانیت مترادف لفظ ہیں ـــــ خلاق عالم کی قدرتِ کاملہ نے انسان کو عجیب و غریب صفات سے متصف کر کے صحنِ عالم میں بھیجا ہے ـــــ نیابت اللہ و خلافتِ ارضی کا امانت دار ـــــ انسان جہاں عزت و شان کی اعلیٰ منازل پر فائز ہے اور تمام مخلوق عالم من جانب اللہ انسان کی اطاعت پر مجبور اور معلول ہے ۔ کرہ ہائے آسمانی کی عظمت سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ چیز تک انسان کی مطیع ۔ خدمت گذار اور تابع فرمان ہے ـــــ انسان نے عقلِ خدا داد کی طاقت سے قوائے عالم کو مسخر و تابع بنا کر "وسخر لکم مافی الارض جمیعاً" کی عملی تفسیر اپنے بے پناہ عزم و ارادہ سے مکمل کر دی ہے ـــــ اور صنفِ انسانی اس تسخیر کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف و مشغول ہے مگر یہ انسان جہاں اعلیٰ صفات برگزیدہ اخلاق اور تخلقوا باخلاق اللہ کا نمونہ کامل ہے اس کے ساتھ ہی شر کی مخفی طاقتیں بھی انسانی جد و جہد کے ساتھ مشغول عمل ہیں ـــــ مجموعہ خلقتِ انسانی شر کی طاقتوں کے ساتھ باوجود ملکی صفات ہونے کے اکثر و بیشتر سپر انداختہ و سرنگوں ہو جاتا ہے ۔ طاغوتی لشکر ہمیشہ انسانی ضمیر کو شکست دینے پر آمادۂ پیکار و رزم رہتا ہے ۔ ـــــ خداوند عالم نے اپنی رحمتِ کاملہ سے انسان کو طاغوتی طاقتوں کی یلغار سے محفوظ ہونے کا انتظام فرماتا رہتا ہے ـــــ انبیاء و رُسل کے سلسلہ عالیہ اور دماغ انسانی میں عقل و دور اندیشی کی مشعل اسی لئے ہے کہ ان قدرتی طاقتوں سے مدد لے کر انسان "اسفل السافلین" کی دلدل سے نکل کر "منا بنی آدم" کی معراج کو پہنچے ۔ یاد رکھئے

ـــــ قانونِ اسلام اسی ہدایت الٰہی و توفیقِ غیبی کا نام ہے اسلام انسان کی انفرادی و اجتماعی و نوعی و شخصی اصلاح و درستی کا ذمہ دار ہے۔ اسلام کی تعلیم اور اس پر عمل تہذیب، اخلاق۔ تدبیرِ منزل سیاستِ مدن وہ زریں اور قیمتی اصول اپنے دامنِ رحمت میں لئے ہوئے ہے کہ جس نے آنکھ جھپکنے میں ایک وحشی محض قوم کو معلم اخلاق و استادِ انسانیت بنا دیا تھا ـــــ اسلام کی فطری آسان سہل مزاج انسانی تعلیم و تبلیغ نے دشت و صحرا۔ بحر و بر۔ کوہ و وادی میں اسلام زندہ باد کی غلغلہ آواز بلند کرادی تھی۔ پیغمبرِ اسلام کی عظیم شخصیت اور پیغامِ اسلام کی جاذبیت ہر خشک و تر۔ بلند و پست یگانے و بیگانے سے کلمہ پڑھوانے میں کامیاب ہوگئی۔ عرب کا فرزندِ صحرا اس فطرت سے جلد مانوس ہوگیا اور ہادیٔ اعظم اس پیغامِ مکمل کو اتمام تک پہنچاکر نعیم دائمی کی طرف انتقال فرماگیا ـــــ آپ میری بات سمجھ بھی رہے ہیں ناصاحبا ـــــ بات ذرا دور چلی گئی ـــــ تو میں عرض کر رہا تھا ـــــ وہ ہادی انتقال فرما گیا مگر اتنی عظیم الشان تعلیم اور آخری خدائی پیغام کو دنیا کے ذہن نشین کرانے کے لئے ابھی اور عصمت پوش معلمین الٰہی کی ضرورت تھی ـــــ جو اپنے علم و عمل سے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مومنِ کامل بنادیں ـــــ ابھی لوحِ دماغ پر اسلام کا نقش سادہ ہی تھا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج اور فتوحات ملکی کی ہوائے نخوت نے اسلام کی سادگی کی جگہ لے لی ـــــ خلافتِ راشدہ تک ظاہری لباس کسی قدر جسم اسلام پر باقی رہا۔ مگر اس دور کے بعد ملوکیت و استبداد پوری شان سے جلوہ گر ہوگیا ـــــ قصرِ حکومت اسلامی تعلیم اور خدا کی بجائے "السلطان ظل اللہ" کے نعروں سے گونجنے لگا ـــــ اسلام کے نام پر وہ وہ بدعتیں ہوئیں کہ کفر بھی جن سے شرما جائے۔ زبان و دل کی ہم آہنگی رخصت ہوگئی۔ نفاق نے ایمان کا روپ دھار لیا ـــــ احکامِ الٰہی کا مضحکہ ہونے لگا ـــــ زبانی دعوائے اسلام عین ایمان بن گیا ـــــ اعمالِ صالح کی

ضرورت بے ضرورت ہوگئی علماء راہزن اور ذمہ داران مذہب دین فروش بن گئے۔
تہذیب انسانی نے سر پیٹ لیا۔ قانون الٰہی بالائے طاق رکھ دیا گیا۔۔۔

یہ سب کچھ بانیٔ اسلام کے صرف چند سال بعد حریم خلافت سے اُٹھی ہوئی نخوت و غرور۔ بداعمالی و سفاکی کی سیاہ آندھی چراغ حرم کو بجھاتی ہوئی۔۔ شمع دین و ملت کو گُل کرتی ہوئی دنیائے اسلام پر چھاگئی۔۔۔۔ آئین الٰہی بحکم خلیفہ
غرق مے ناب ہوگیا۔۔۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ بداخلاقی ۔۔۔ اخلاق، بے دینی ۔۔۔ دین، بے ایمانی ۔۔۔ ایمان، بے حیائی ۔۔۔ عفت ۔۔۔ انکار معبود عبادت ہوگیا تھا۔۔۔ ایسی حالت میں زبانوں پر مہریں لگ گئیں اور قوائے عمل مفلوج ہوگئے ۔۔۔ آخر غیرت خداوندی نے اس نازک دور کے لئے جب کہ کفر اسلام بن کر ہم رنگ زمین دام میں دنیا کو پھنسا رہا تھا اپنے قاعدہ جاریہ کے مطابق توفیق الٰہی و تائید غیبی کو بشکل حسینؑ دنیا کے سامنے پیش کیا ۔۔۔ کون حسینؑ ؟ جو ابی طالبؑ محافظ رسولؐ کا اور خدیجۃ الکبریٰ محسنۂ اسلام کا نواسہ ۔۔۔ فاطمہؑ بنت اسد کا نبیرۂ جلیل اور آب وحی میں دُھلی ہوئی زبان رسالت چوسنے والا۔ اسلام کے فاتح اعظم اسد اللہ علی ابن ابی طالبؑ کا فرزند میدان عمل میں آیا ۔۔۔ چونکہ رنگ الحاد زیادہ گہرا ہوگیا تھا ۔۔۔ عوام دین کے نام پر بے دین ہو رہے تھے ۔۔۔ اور شر ۔۔۔ خیر کا لبادہ اوڑھ کر شرارت پھیلا رہا تھا اس لئے اس کو روکنے کے لئے اہم ترین اقدام کی ضرورت تھی ۔۔۔ کسی مصلوب کے ہاتھوں میں ٹھکی ہوئی چند کیلیں اور محض کسی نبی زادے کا چھری کے نیچے آجانا اس انقلاب اعظم کو روک نہ سکتا تھا ۔۔۔ ضرورت تھی کہ اس بڑی ہنگامی مصیبت کو مصیبت اعظمیٰ سے روکا جائے اور اس تخریبی انقلاب کو ذبح عظیم سے دبایا جائے ۔۔۔ سمجھے نا میرے محترم سامعین ۔۔۔ فرزند رسولؐ اسی دن کے لئے آغوش رسالت میں پل کر پروان

چڑھا تھا حسینؑ کی عظیم القدر قربانی نے خیر و شر میں حدِ فاصل قائم کر دی ——— ایمان و بے ایمانی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ سلامت فکر و دماغ از سرِ نو پیدا کی ——— علماء میں اجتہاد اور عوام میں طاغوتی طاقتوں کے خلاف جذبۂ جہاد پیدا کیا اور آج تک جو اسلام کے نام پر کسی قدر نیکی دنیا میں موجود ہے وہ اسی بطلِ جلیل کی شہادتِ عظمیٰ کا صدقہ ہے۔ مگر آج پھر دین کا نام تہذیب ——— اور اسلام دشمنی کا نام خدمتِ دین ہو گیا ہے علما بے عمل حکام بے عدل اور عوام شتر بے مہار بن گئے ہیں اور کلمہ گویوں کے خلاف فتویٰ کفر و اجتہاد ہے۔ آج زمانے کے بے شمار یزید دین کو ختم کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں ——— اتحاد و اتفاقِ اسلامی عنقا ہو گیا ہے پابندیِ احکام الٰہی کا نام حماقت اور خدا و رسولؐ کے احکام دفتر پارینہ بن گئے ہیں ——— مسلمان کہلانے والے معاشرت میں یہود۔ تمدن میں ہنود چک دمک میں عیسائی اور برادر کشی و فتنہ پروری میں شہرۂ آفاق ہو چکے ہیں۔ روحِ مذہب فنا ہو چکی ہے کچھ آثار رسم و رواج آثارِ قدیمہ کے طور پر حائل بہ انہدام باقی ہیں ——— اور بس آج بھی ایمان کی روح ہدایت کی تڑپ ——— توفیق الٰہی و تائید ایزدی کی ضرورت مشعلِ عقل و خرد ہاتھ میں لے کر حسینؑ کے رُخِ زیبا تلاش کر رہی ہے اس زمانے کا حسینؑ پردہ غیب سے آئے تو پھر دنیا عدل و انصاف سے پُر ہو جائے ؎

آج پھر تیری زمانے کو ضرورت ہے حسینؑ

حضرت قائم آلِ محمدؐ علیہ السلام



يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِـٔـُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

خدائے بزرگ و برتر کی نعمتیں اور رحمتیں مخلوق پر بے حد و بے شمار ہیں ـــــ انسانی طاقت ان کے شمار اور ادائے شکر سے عاجز و قاصر ہے ان لامتناہی نعمات میں سب سے عظیم نعمت حضور ختمی مرتبت کا وجود سراپا رحمت ہے ـــــ یہ اتنا بڑا خدائی انعام جس نے مخلوق کے عرفان و معرفت کے سلسلے خلقیّت کی سرحد سے ملا دیئے ـــــ عالمین کے رب سے آشنا کیا ـــــ طاغوتی طاقتوں کو ہمیشہ کے لئے شکست دی اور پورا صحن عالم خدائے بزرگ کی باجبروت شہنشاہی کا کلمہ پڑھنے لگا ـــ دستورِ دنیا کے مطابق شرارِ بولہبی نے چراغ مصطفویؐ کو خاموش کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ـــــ سمجھے نا صاحبان ـــــ مگر ارادۂ الٰہی اس بات پر تُل گیا کہ اس نوری شمع کو مخالف آندھیوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے ـــــ چنانچہ قادر مطلق نے یہ بارہ حجابِ نور جن سے چھن کر شعاعِ محمدیؐ تاقیامت نور پاش رہے گی ـــــ اس انداز سے بنائے کہ اُن کے اوّل کا جو انداز ہے وہی آخری کا ناز ہے ـــــ اگر اوّل کے سر پر تاجِ ولایت ہے تو آخری کے پیکر موزوں میں خلعت دوام ہدایت ہے ـــــ ذاتِ محمدیؐ تتمّۂ رسالت ہے تو یہ بارہ بروجِ ہدایت آخری گردشِ آفتابِ امامت ہیں ـــــ یہی وہ خدا کا نور ہے جو بشریّت میں علمی اور عملی طور پر مظہرِ کمالاتِ اُلوہیت ہے ـــــ

یہ سلسلہ قبل ازل سے شروع ہو کر آخیرِ ابد تک دائم و قائم ہے ـــــ خلاقِ عالم نے ایک ایسی جماعت پیدا کی ہے جن کے دل و دماغ ان عصمت پوشش ذواتِ قدسیہ کے انوارِ مودّت سے جگمگا رہے ہیں اور اس جماعت پہ یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ محبتِ محمد و آلِ محمد کو دنیا کی ہر متاع سے زیادہ عزیز اور عاقبت میں واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اور اپنا جان و مال اور اولاد ـ عزت ـ آبرو سب تنے اُن کے عشق میں قربان کرنا سب سے بڑی سعادت جانتے ہیں اُن کی خوشی میں خوشی اور اُن کے غم میں غم منانا یہی ان کا ایمان ہے اور اسی پہ اُن کے دین و دُنیا کی حیات کا دار و مدار ہے ـــــ سن رہے ہیں نا صاحبان آپ میری بات ـــــ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ پاکستان کے عظیم تاریخی شہر لاہور میں پورا رجب کا مہینہ حضورِ تاجدارِ ولایت کی پُرشکوہ آمد کے جشن ہائے مسرت سے جگمگاتا رہا ـــــ پوری فضا نعرہ ہائے حیدری کی آسمانی فضاؤں میں گونجتی رہی ـــــ اور دلائے ساقیِ کوثر کے متوالے تشنگانِ معرفت کو مے خانۂ الست کے ساغر پلاتے رہے ـــــ برقی روشنیوں میں دلوں کا نور دونوں مل کر دین و دنیا کی برکت سے صاحبانِ توفیق کو مالا مال کرتے رہے ـــــ ابھی ماہ رجب کی ایمان افروز فضا صحنِ عالم میں ضیا پاشی کر رہی تھی کہ اچانک اُفق پہ ماہ مبارک شعبان کا ہلال نمودار ہوا ـــــ شعبان وہ مہینہ ہے کہ اس کی کوئی تاریخ بھی جانثارانِ آلِ محمد کے لئے یومِ غم نہیں ـــــ تیسری شعبان شہید اعظمؑ کی ولادت کی عید ہے ـــــ اور اُس پُرمسرت تقریب میں خوشی کے آنسو آجانا تقاضائے محبت ہے ـــــ چار شعبان سے پوری دنیائے مودّت چودھویں بدرِ کامل کے لئے سراپا انتظار ہوتی ہے ـــــ تو صاحبان اُدھر آسمان پہ چاند بڑھتا ہے اِدھر ماہتابِ برجِ عصمت کے شوقِ دید میں اہلِ ایمان کے چہروں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہے ـــــ زندہ دلانِ لاہور حدیثِ عشق سننے کے لئے معتبر "راوی" کی تلاش میں قصروں سے

نکل پڑے ہیں اور مسرت و کامرانی کے لمحات گزرنے کے لئے آٹھ امامِ عشریٰ کے متوالے کامران کی بارہ دری میں راوی کے قدموں میں ہمہ تن گوش ہو کر جا بیٹھے اور مردِ قلندر کی عاشقانہ کاوشوں نے جنگل کو منگل کر دیا ——— بابِ مدینۃ العلم کے آستانۂ اقدس پر سر جھکانے والوں کو مسلسل بارہ دروازے نظر آئے —— ہر دروازہ جنت کا باب اور حلِ مشکلات کے لئے حلِ فتح —— بابِ محمدی سے عباسی دروازے تک نور کا سماں تھا —— فطرت نکھر گئی تھی —— فضائیں نسیمِ بادِ بہاری انداز سے جگمگا گئیں ——— راوی کا پل سراطِ مستقیم کا راہبر بن گیا ——— اور ایک ویران درختوں کا جھرمٹ دیکھتے ہی دیکھتے رشکِ فردوسِ بریں ہو گیا ——— حورانِ جنت ——— جنت کے دریچوں سے محوِ نظارہ ——— چشمۂ کوثر امواج راوی سے ہم آغوشی کے لئے بے چین ——— ملائکانِ عرش و کرسی اپنے منصبی امور چھوڑ کر زمین پر شہنشاہِ ارض و سماء کے استقبال کے لئے حاضر ہو گئے ——— کائنات کا ذرہ ذرہ اشرفِ المخلوقات کے رب کی تسبیح پڑھنے لگا ——— راوی کا کنارہ رشکِ عرشِ بریں ہو گیا ——— پوری فضا روحانیت سے معمور ہو گئی ——— کہیں نعرہ ہائے درود و سلام ——— کسی طرف رکوع و سجود و تسبیح و تہلیل کی فضا کہیں سے یا صاحب العصر والزمان ادرکنی کا نورانی اور روحانی ورد ——— ایک طرف نوجوانانِ ملت کی محفلِ قصیدہ خوانی کا شباب دوسری طرف علمائے اعلام کا عرفانی خطاب اور حدِ نظر تک پھیلے ہوئے مجمع کی نگاہوں کا مرکز ——— اس میخانے کا ساقی خاکساری میں غلامِ ابوتراب ——— شہرت میں نواب ابن نواب ——— عالم کے لئے باعثِ برکت و فرخ فال ——— محفلِ اہلِ ایمان کے لئے مردِ با اقبال ——— میں نے بھی جا کر عرض کیا ——— آج یہ کیا منظر ہے کہ جس کے نظارے سے چودھویں کا چاند ادب و سکوت کے ساتھ محو ہے ——— دنیا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

—— اور عالم کی نبضیں حدِ اعتدال پہ آگئی ہیں پوری کائنات ایک دوسرے سے گلے مل کر فرحتِ مسرت سے جھوم کر یہ مژدۂ جانفزا سنا رہی ہے ؎

ہوئی کعبے میں اذانِ صبح کا تارہ چمکا

بارھواں برجِ امامت کا ستارہ چمکا

سفینۂ آلِ محمدؐ میں سوار ہونے والے اپنی نجات کے عریضے لے کر کشتیِ ایمان میں سپرد کرنے کے لئے پورے ادب و احترام سے کھڑے ہیں میں نے بھی ادب سے عرض کیا —حضور عالم پناہ ؟ صبح کے وقت ادا کر کے فریضۂ ساقی پیش کر دے ابھی میرا بھی عریضہ ساقی مومنین عالم کو عموماً اور راہ ور کو خصوصاً جشن ولادت مبارک ہو اور اس ولادت کی برکت سے یملأ اللہ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً —— اللّٰھم صلِ علیٰ محمدٍ وآلِ محمد

عشقِ خُدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

محترم سامعین!

مجھ سے پہلے میرے ایک عزیز پروفیسر سید محسن رضا صاحب یہاں وعظ فرما رہے تھے۔ ساری تقریر تو مجھے یاد نہیں رہی۔ اتنا یاد ہے کہ وہ کچھ "نور" کے بارے میں کہہ رہے تھے ۔ لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ آج آپ کے سامنے نور ہی کے موضوع پر تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔

حضرات! ویسے تو ہمارا سب کا یہ ایمان ہے کہ تمام انبیاء کرام معصوم اور نور تھے مگر ایک طبقۂ فکر کا یہ خیال ہے کہ وہ نور نہیں تھے۔ اللہ جانے اُن کی بات صحیح ہے یا ہماری درست ہے۔

ایک دفعہ بہاولپور میں اس بات پر مناظرہ ہو گیا کہ حضور رسالتمآبؐ نور تھے یا خاک؟۔ چنانچہ جو نور کے منکر تھے انہوں نے مناظرہ رکوانے کے لئے نواب بہاولپور کو ایک درخواست لکھی۔

"حضور پر نور۔ نواب بہاولپور! آپ بتائیں کہ رسولؐ نور تھے یا خاک؟"

اب اُن سے پوچھیے کہ بہاولپور کا نواب تو پُر نور اور رسولؐ بے نور۔ کیوں؟

ہم نے کہا "کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے پتہ چل جائے کہ رسولؐ نور نہیں تھے۔"

انہوں نے کہا۔ حدیث ہم بتاتے ہیں۔ حدیث بھی وہ جس کا راوی حضرت عثمان ذوالنورین ہے۔

بھئی! ذوالنورین کیوں کہتے ہو؟

جواب دیا، "تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عثمان کے گھر رسولؐ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ چونکہ رسولؐ کی لڑکیاں تھیں لہٰذا نور تھیں" اب ان سے کوئی پوچھے، کہ جب باپ بے نور تھا تو بیٹیاں کیسے نُور بن گیئں — بہر نوع مولوی صاحبان میں ایسے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ بے کاری کا مشغلہ ہے۔ چلو اور نہیں تو مناظرہ ہی کرلو — جس طرح ایک رات ہندوستان کی تمام چمگادڑیں ایک پرانے برگد کے درخت پر اکٹھی ہوگیئں اور اپنی اس کانفرنس کا صدر ایک بڈھے اُلو کو بنالیا۔ کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ ہوا تھا کہ سورج نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو ہمیں بھی نظر آتا۔" اب آپ لاکھ دلیلیں دیں کہ سورج ہے مگر ان کی کانفرنس جو فیصلہ کرچکی ہے وہ درست ہے — بہر نوع ایسے جھگڑے چلتے رہتے ہیں اور بے نور آنکھیں بوجہ اپنی بے نوری کے، نور سے منکر رہتی ہیں۔

سامعین! اصطلاحی لفظوں میں نور کے معنیٰ ہیں "حسین"۔ "حسین" ایسا لفظ ہے جس کے معانی آج تک متعین ہی نہیں ہوسکے۔ اس لئے کہ ہر شخص کے مزاج کے مطابق "حسین" علیحدہ ہے۔ ہر آدمی کا حسین الگ الگ ہے۔ مجنوں کی نظر میں کالی لیلیٰ حسین تھی۔ ایران کا حسین اور ہے۔ افغان کا حسین اور ہے۔ حبشیوں کا حسین اور ہے۔ ہم ہندوستانیوں کا حسین اور ہے اور ان شاعروں کا حسین اور ہے۔ شاعروں کے سارے دیوان تعریفِ حسن میں بھرے پڑے ہیں۔ اب اُن سے کوئی پوچھے۔

"شاعرو! تمہارے حسین میں کیا حسن ہے؟

شاعر جواب دیتے ہیں۔ حضور! ہمارے حسین کا قد سرو کی طرح ہے۔ اس کی گردن صراحی ہے۔ اُس کے رخسار دو انگارے ہیں۔ اُس کی آنکھیں ہرن کی سی ہیں۔ اس کی پلکیں

تیر ہیں۔ اس کی بھنویں تلوار ہیں۔ اُس کی زلفیں کالے ناگ ہیں۔"

سامعین! اگر آپ مناسب سمجھیں تو آنکھیں بند کریں اور شاعروں کے اس حسین کا تصور کریں۔ ایک سرو کا درخت۔ اوپر رکھیں صراحی۔ اس میں لگائیں دو ہرن کی آنکھیں۔ دو تلواروں کو باندھ دیں۔ دس بیس تیر لٹکا دیں اور ساتھ ہی ایک کالا ناگ لٹکا دیں ـــــ بتایئے ایک بلا بن گئی یا ایک حسین بنے گا؟

جب ہی تو میں کہتا ہوں " دنیا والو! بنایا نہ کرو۔ تم حسین بناتے ہو مگر وہ بلا بن جاتی ہے" اگر عقلِ انسانی حسین کے معانی بیان کر سکتی ہے تو وہ صرف یہ ہیں " بے عیب" گویا جو کسی کو بے عیب سمجھے وہ اس کا حسین ہے ـــ اب اگر حسین کے معنی ہیں " بے عیب" تو بتاؤ ـ سوائے اللہ کے دنیا میں کوئی بے عیب ہے؟ چونکہ اللہ حسین ہے لہٰذا بے عیب ہے۔

مسلمانو! تمہارے رسولؐ میں کوئی عیب ہے؟ ہرگز نہیں" جب رسولؐ بے عیب ہے تو پھر ہے نا حسینؐ۔ ہے نا نورؐ ـ چونکہ نور کے معنی ہیں حسین لہٰذا حسین کے معنیٰ ہیں " بے عیب" ـــ مگر رسولؐ میں اور کچھ نہیں تو حادث ہونے کا عیب تو ہے۔ قدیم تو نہیں رسول۔ مخلوق تو ہے نا ـ صرف اللہ وہ ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ گویا اصلی بے عیب اگر دنیا میں کوئی شے ہے تو وہ اللہ ہے۔ اصلی حسین اگر دنیا میں کوئی شے ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ ہے۔

سامعین!

یاد رکھو! ہر حسین کا فطری خواہش و تقاضا یہ ہے کہ میرا چاہنے والا بھی کوئی ہو۔ حسُن اداس ہو جاتا ہے، حسُن غمگین ہو جاتا ہے۔ حسُن مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اگر حسُن کا کوئی چاہنے والا نہ ہو ـ گویا حسُن فطرتاً یہ چاہتا ہے کہ جس حیثیت کا میں حسین ہوں اسی حیثیت کا میرا کوئی چاہنے والا ہو ـ اب اگر اللہ حسین ہے تو فطرتِ حسُن کے مطابق اللہ کا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی میرا چاہنے والا بھی ہو۔ مگر اس حیثیت کا عاشق ہو جس حیثیت کا

ہیں حسین ہوں۔ گویا اللہ کا حسن بے تاب رہے گا۔ جب تک اللہ کے حسن کے مطابق اُسے عشق نہ مل جائے ـــــ لہٰذا اللہ نے چاہا کہ اپنے حسن کو نمایاں کروں۔

"میرے حسن کو کوئی پہچانے۔ میرے حسن کا کوئی عاشق ہو"

چنانچہ اللہ نے اپنے حسن کا پہلا عاشق آدم کو بنایا۔

"آدم! ہم سے عشق کروگے؟"

آدم نے کہا۔ "کریں گے۔"

"تم آج سے ہمارے عاشق؟"

"ہاں۔ عاشق" ـــ جب آدم نے کہا "میں عاشق ہوں" تو معشوق نے شرط لگا دی "نہیں کو نے جانا۔ چوتھے کونے نہ جانا" ۔ مگر آدم چوتھے کونے چلے گئے ـ اللہ نے کہا "بس اتنا ہی عشق ہے۔ ایک درخت کی خاطر معشوق کی بات نہ مانی۔ جاؤ زمین پہ تمہارے عشق کو میں نے آزما کے دیکھ لیا۔ میرے حسن کے مطابق تمہارا عشق نہیں ہے۔"

اب اللہ نے کہا "کوئی اور عاشق ہے جو میرے حسن کے مطابق عشق کر کے دکھائے؟"

چنانچہ ایک عاشق نے کمر ہمت باندھی۔

"خداوندا میں تیرے حسن کے مطابق عشق کروں گا۔"

اللہ نے کہا "شاباش۔ میرے حسن کے مطابق عشق کر کے دکھاؤ"

چنانچہ اس عاشق نے تقریباً نو سو سال منازلِ عشق طے کیں۔ ریاضتیں کیں۔ محنتیں کیں پتھر کھائے۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ اللہ سے عشق کی مکمل مشق کی اور جب اپنے نزدیک عشق کامل ہو گیا تو اللہ نے کہا۔

"میرے چاہنے والے! ہمارے عشق کا امتحان دو۔"

کیا؟

"کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اور دیکھو کسی نالائق کو آواز نہ دینا" چنانچہ وہ بیٹھ گیا

اور مجبوراً نالائق کو بیٹا سمجھ کے آواز دے دی

اللہ نے کہا "بس اتنی سی بات ---" چنانچہ نو سو سال کا عشق ایک امتحان میں ناکام ہوگیا اور زمین شرم سے پانی پانی ہوگئی - پھر ایک اور بندے نے کمر ہمت باندھ لی، "خداوندا - میں تجھے عشق کر کے دکھاؤں گا - تو بھی کیا یاد کرے گا کہ کوئی عاشق ملا تھا"

اللہ نے کہا:

"اچھا آجاؤ میدان میں"

بہر نوع - اُس نے امتحانِ عشق دینا شروع کیا - پہلا امتحان میدان یہ تھا کہ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اللہ گواہ ہے - ابراہیمؑ نے وہ امتحان دیا کہ لطف آگیا - اللہ کا عاشق جب کرین سے جھٹکا دے کر آگ میں پھینکا گیا تو آپ بتائیں جب وہ فضا میں آ رہا تھا - آگ تک ابھی پہنچا نہیں تھا - کرین سے چل پڑا تھا - جب فضا میں تھا تو پورا بے بس تھا یا نہیں؟ - "بے بس" ایسی بے بسی کے عالم میں تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی کافی ہے - اگر کوئی شے اُس کے ہاتھ آجاتی تو وہ اُسے اپنے بچانے کے لئے پکڑ لیتا یا نہیں؟ "پکڑ لیتا" اس بے بسی کے عالم میں جبرئیل جیسا قوی فرشتہ اُس کے پاس آیا اور گود میں لے لیا۔

"ابراہیمؑ آگ میں جا رہے ہو؟"

"ہاں"

بچالوں - مدد کروں؟ --- ابراہیمؑ نے جواب دیا۔

"مدد تو مجھے ضرور چاہیئے - مگر تم سے نہیں - جاؤ، ہٹو، میرا رستہ چھوڑ دو"

جبرئیل سر جھکائے سدرہ پہ آکے بیٹھ گئے - اللہ نے پوچھا۔

"جبرئیل کیسا مزاج ہے؟"

جبرئیل نے کہا "خداوندا - کیا بتاؤں - عجیب بندہ ہے - ایسے موقع پر مجھے جھڑک دیا:

اللہ نے کہا "جبرئیل ! یہ امتحانِ عشق تھا۔ میں نہ کہتا تھا کہ انی اعلم مالا تعلمون
اب چونکہ اس بندے نے عشق کی اس ادا کو دکھایا ہے لہٰذا اس کا انعام یہ ہے کہ عشق و
آگ دونوں ٹکرائیں گے ۔ دیکھتے ہیں عشق کی آگ قوی ہے یا یہ آگ ؟ چنانچہ آتشِ عشق
نے اس آگ کو بھی گلزار بنادیا۔ بہرنوع : اللہ نے امتحان لیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا
" ابراہیمؑ ! شاباش ۔ تم تو میرے عشق میں پورے اترے ۔ ذرا ایک امتحان اور
بھی دے دو۔"

" خداوندا ۔ کیا ؟
" اپنے بیٹے کو ہمارے عشق پہ قربان کردو۔"
" خداوندا ۔ یہ بھی کوئی بات ہے ۔ میں ابھی اپنے بیٹے کو تیرے عشق میں ذبح کئے
دیتا ہوں۔ چنانچہ بیٹے کے گلے پہ چھری تو رکھ دی ۔ اللہ کے حکم کے مطابق عشق میدان میں
آگیا ۔ مگر کیا بتاؤں عین وقت پہ اچھے خاصے عاشق کی آنکھوں پہ کیا پٹی بندھ گئی ۔"
اللہ نے کہا
" ابراہیمؑ ! تم میرے عاشق نہیں ۔ دوست ہو ۔"
بہرنوع ۔ اس کے بعد ایک اور زوردار انسان میدانِ عشق میں کود پڑا۔
" میرے اللہ ! میں تجھ سے عشق کروں گا ۔"
سامعین !
کوئی عاشق یہ گوارہ نہیں کرسکتا کہ کوئی میرے محبوب کا مقابلہ کرے ۔ چنانچہ اتفاقاً
تختِ مصر پہ بیٹھنے والا فرعون، موسیٰؑ کے محبوب کا تمسخر اڑا رہا تھا مگر عاشق زوردار تھا ڈنڈا
لے کر پہنچ گیا۔
" تو ہے جو میرے اللہ کا مقابلہ کررہا ہے ؟
" ہاں ۔ میں ہوں "

"شرم نہیں آتی ؟

" نہیں آتی"

"کیا یاد کرے گا؟"

یاد کیا کروں گا۔ بس میں اللہ ہوں"۔

اب جو فرعون نے یہ کہا تو موسیٰؑ کو غصہ آگیا اور پکڑ کر دریا ئے نیل میں وہ غوطے دیئے ہیں کہ "مصری" تھا گھل کے رہ گیا ۔۔ بہر نوع یہ اللہ کے عشق کا کمال تھا۔ موسیٰؑ کے بعد اللہ نے چاہا کہ کوئی اور عشق ملے جو میرے عشق کو کمال تک پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ تشریف لے آئے۔

"عیسیٰ! ہمارے حسن کے مقابلے کا عشق پیش کرو گے ؟

" ہاں خداوندا ۔ میں عشق کرنے آیا ہوں۔ مجھ میں بڑا کمال ہے"

" عیسیٰ! تم میں کیا کمال ہے ؟

" خداوندا ۔ مجھ میں بڑا کمال ہے۔ مجھ میں بڑی خوبیاں ہیں"

مگر جب امتحانِ عشق کی باری آئی تو گھبرا کے کہا۔

" خداوندا۔ بات یہ ہے کہ اب تو واپس بلالے۔ پھر سہی۔"

چنانچہ اللہ نے عیسیٰ کو واپس بلالیا۔ اب ان کے بعد حضور خاتم الانبیاءؐ تشریف لائے۔ محمدؐ اور اللہ کی راز و نیاز کی باتیں بہت پرانی تھیں۔

اللہ نے محمدؐ سے یہ نہیں کہا "ہم سے عشق کرو گے یا نہیں؟" بلکہ محمدؐ نے خود کہہ دیا۔

" خداوندا ۔ وہ وقت تو گذر گیا ۔۔ اب میں امتحان عشق دیتا ہوں۔ اگر تیرے حسن کے مطابق عشق پیش نہ کیا تو اپنا کلمہ پڑھوانا چھوڑ دوں گا اور اگر تیرے حسن کے مطابق عشق پیش کر دیا تو تجھے بھی میرا کلمہ پڑھنا پڑے گا ۔"

اللہ نے کہا " محمد! تم تو بڑے زبردست عاشق ہو"

"ہاں - زبردست عاشق ہوں - اللہ سن !

چونکہ میں ایک نہیں ہوں ، پانچ کا مجموعہ مِل کے "محمدؐ" بنا ہوں۔ لہٰذا

اگر میں نے امتحان دے دیا تو تُو کہے گا۔

" باقی چار رہ گئے -"

تو یوں کرتے ہیں میرے اللہ ! جو سب سے چھوٹا ہو اُسے اپنے

عشق میں آزمالے۔ اگر اس نے تیرے حسن کے مقابلے میں عشق دکھایا

پھر تو تُو مان جائے گا نا -" پھر تو تُو قائل ہو جائے گا -"

بس بھائیو !

حبیب اللہ نے کہہ دیا " ہے کوئی جو میرے حسن کے مقابلے میں عشق پیش کرے

تو پر آور زدہ آغوشِ محمدؐ سے ایک بچہ اٹھا۔

" خداوندا --- نام ہے میرا حسینؑ -- تو ہے حسین اور میں ہوں حسینؑ - اب تیرا

میرا مقابلہ ہے - حسن میں تو کامل اور عشق میں ، میں کامل۔ تُو حسن کی انتہا۔ میں عشق

کی انتہا --- نہ تیرے حسن کی کوئی حد نہ میرے عشق کی کوئی حد۔

میرے اللہ !

"میں تیرے حسن کے مقابلے کا عشق دکھاتا ہوں۔ بتا کیا چاہتا ہے" ؟

اللہ نے پوچھا " حسینؑ۔ وطن چھوڑنا آسان بات ہے ؟

فرمایا "نہیں۔ مشکل بات ہے۔ جس زمین پہ گھٹنوں چلے ہوں۔ کھیل کے جوان ہوئے

ہوں اُسے چھوڑ دینا آسان بات نہیں -- مگر تیرے عشق پہ سب کچھ چھوڑ دیا "

" حسینؑ ! پردیس میں جانا پڑے گا "

" ہاں ! پردیس میں جا رہا ہوں "

اللہ نے کہا حسینؑ ! جنگل میں جانا ہو گا "

"ہاں میں جنگل میں جا رہا ہوں۔ تو اپنا امتحان لے۔ اگر تجھ سے" بس یہ نہ کہلوا دوں تو حسینؑ نہ کہنا"

"حسینؑ! تیرے سامنے پانی ہے"

"ہاں ہے"

"حسینؑ! پیاسا رہنا پڑے گا"

"ہاں پیاسے رہیں گے"

آج حسینؑ اور عشق میں ضد پڑ گئی۔ اُدھر اللہ کا بے پناہ حسن ہے۔ ادھر بندے کا بے پناہ عشق ہے۔

اللہ نے پوچھا

"حسینؑ! بولو۔ بیٹے کے معاملے میں امتحان دو گے"؟

ہاں ــ ایک نہیں ــ دو بیٹے ــ

دیکھ میرے اللہ! تیرے اسماعیل سے زیادہ شاندار ہے میرا بیٹا۔

اور دیکھو!

میں اس کے کلیجے سے برچھی کھینچ رہا ہوں ــ

اچھی طرح دیکھ لے میرے اللہ!

میری آنکھوں پر کوئی پٹی تو نہیں بندھی ہوئی ــ میرا ہاتھ تو نہیں لرز رہا ــ میرے لبوں پہ مسکراہٹ ہے یا نہیں ــ میرے اللہ اچھی طرح دیکھ لے ــ کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ کے دل میں جذباتِ محبت تھے ہی نہیں ــ جذباتِ محبت دبا کے عشق دکھا رہا ہوں ــ جذباتِ محبت تو اتنے ہیں کہ کالی داڑھی سفید ہو گئی اور جذباتِ [illegible] ہے کہ بیٹے کے برچھی کھینچ رہا ہوں۔

بہر نوع! حسینؑ نے جب عشق کی ساری منزلیں طے کر لیں تو اللہ نے کہا۔

"حسینؑ! تُو نے تو کمال کر دیا۔"

حسینؑ نے جواب دیا "میرے اللہ! ابھی کیا کمال تُو نے دیکھا ہے۔ دیکھ تو سہی میرا کمال کیا ہونا ہے۔"

"حسینؑ: میں تو جب جانوں تیرا عشق کامل ہے جب زینبؑ ننگے سر ہو جائے۔"

بس یہاں آ کے حسینؑ ذرا چُپ ہوا ہی تھا کہ "پدر نا تواند پسر تمام کند"

زین العابدینؑ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔

"خداوندا — اس معاملہ میں، میں امتحان دوں گا۔ بے شک میرے سامنے زینبؑ ننگے سر ہو جائے۔ بے شک میری بہنیں ننگے سر ہو جائیں بے شک میری ماں ننگے سر ہو جائے۔"

بہر نوع! زین العابدین نے کہہ دیا "خداوندا! میں تیرے حسن کے مطابق عشق پیش کروں گا۔"

آج زین العابدینؑ قیدی بن کے جا رہا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں بھی ہیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی بھی ہے۔ گلے میں طوق بھی ہے۔ ننگے سر ماں بہنوں کے اونٹوں کی مہار بھی ہاتھ میں ہے۔ مگر اوّل وقت پہ نماز بھی ہے۔ اُدھر نماز کا اوّل وقت ہے اِدھر وہی قیدی ہتھکڑی بیڑی کے ساتھ اونٹوں کی قطار پکڑے ہوئے اذان کہہ رہا ہے۔ قدرت نے جب یہ نماز دیکھی تو اللہ جیسا معبود کہہ اٹھا "تو سیّد الساجدین ہے۔" جب رات بھر اس قیدی کی عبادت دیکھی تو معبود مان گیا "تُو زین العابدین ہے۔"

ادھر زین العابدینؑ کہتے ہیں:۔

"خداوندا۔ تو نے میرا عشق دیکھا۔ میرا بھائی۔ میرا قوتِ بازو۔ میرا جوان بھائی علی اکبرؑ میدان میں گیا۔ باپ نے ابراہیمؑ والا صبر دکھایا۔

خداوند! ذرا میرا صبر بھی دیکھ لے"۔

سامعین!

یوم عاشور جب علی اکبرؑ میدان میں تشریف لائے تو امام زین العابدینؑ نے حکم دیا۔ "میرے خیمے کا پردہ اٹھادو۔ میں اپنے بھائی کا جہاد دیکھنا چاہتا ہوں"۔ چنانچہ خیمے کا پردہ اٹھادیا گیا۔ آپ تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ اکبرؑ میدان میں جہاد کر رہے تھے اور جب اکبرؑ کے سینے پہ برچھی لگی تو امام زین العابدینؑ نے اپنی آنکھوں سے برچھی لگتی دیکھی، اکبرؑ نے بعد میں پکارا ہے۔ زین العابدینؑ نے پہلے آواز دی "بابا اکبرؑ زخمی ہو گیا" اسی دوران حصین ابن میرنے وہ برچھی پکڑ کے کھینچی۔ جوان ہڈیوں میں پھنسی ہوئی برچھی۔ اس نے جھٹکا دے کے کھینچی تو برچھی کا پھل وہیں ٹوٹ کے رہ گیا اور اس کی چوب خون سے تر ہو کر اس کے ہاتھ میں آگئی تو اس نے خون آلود چوب بلند کر کے آواز دی۔

"حسینؑ! زین العابدینؑ!

"دیکھو یہ علی اکبرؑ کا خون ہے"

گویا علی اکبرؑ کو قتل کرنے سے بھی یہ زیادہ شقاوت تھی جو باپ، بھائی کو اس طرح خون دکھایا ــــ اس موقعہ پہ زین العابدینؑ نے حکم دیا۔ "خیمے کا پردہ گرادو"

بس بھائیو!

اب ایک واقعہ اور سن لو۔ جب زین العابدینؑ قید سے رہا ہو کر مدینہ پہنچے تو یزیدؑ نے ایک لشکر بھیجا جس نے مدینے کو لوٹا۔ پھر وہی لشکر مکہ لوٹنے آیا۔ جب انہوں نے مکہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو یزید کے مرنے کی اطلاع آگئی۔ اور یزیدؑ کی موت کی خبر سن کے وہ فوج اپنے سردار کو چھوڑ کر بھاگ گئی اس وقت اس فوج کا سردار حصین ابن نمیرؑ قاتل شہزادہ علی اکبرؑ ــــ اب وہ اکیلا رہ گیا۔ مدینے کو لوٹا تھا۔ مکہ پر ظلم کیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ اگر ان لوگوں کے ہاتھ آگیا تو اللہ جانے کیا سزا دیں گے ــــ چنانچہ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔

تاکہ یہاں سے کسی طرح نکل کر شام پہنچ جائے ۔ مگر کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ آخر بھوک پیاس سے مرنے لگا۔ پانی کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ دیکھا کہ سامنے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ قریب گیا۔ پوچھا۔

یہ کس کے خیمے ہیں ؟ ۔ کسی نے کہا "امام زین العابدینؑ کے"

اب جو اُس نے امام زین العابدینؑ کا نام سُنا تو کربلا کا واقعہ یاد آگیا ۔ سوچنے لگا۔ "انہیں تو میں نے بہت ستایا ہے۔ اگر ان کے ہاتھ آگیا تو اللہ جانے مجھے کیا سزا دیں گے۔" وہیں سے واپس لوٹنے لگا۔ ابھی چند قدم چلا ہی تھا کہ اُس کے کان میں بڑی شیریں اور پیاری آواز آئی۔

"بھائی عرب ! واپس آؤ ۔ کیوں جا رہے ہو ؟

وہ واپس آیا۔ دیکھا تو امام زین العابدینؑ سامنے کھڑے ہیں۔ دل میں خوش ہوا کہ امامؑ نے مجھے پہچانا نہیں ۔ آخر کچھ دیر بعد وہ ظالم بولا۔

" قبلہ مجھے بھوک لگی ہے"

امامؑ نے فرمایا ۔ "ہاں بیٹھو ۔"

جب وہ بیٹھ گیا تو امامؑ نے اپنے باورچی کو حکم دیا۔

بھائی عرب کے لئے گرم روٹی لاؤ ۔ ٹھنڈا پانی لاؤ ۔"

پہلے اُسے کھانا کھلایا ۔ پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر کے پانی پلایا ۔ جب وہ خوب سیر ہو کے کھا چکا تو اسے نیند آگئی ۔ سو گیا ۔ اب جو تین چار گھنٹے بعد اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے سوچا "اب تک تو کسی نے مجھے پہچانا نہیں اگر پہچان لیا تو قتل کر دیں گے۔ بہتر ہے فوراً چلا جاؤں۔" چنانچہ ایک دم آنکھ کھلتے ہی چل پڑا ۔ ابھی تھوڑی دور چلا ہی تھا کہ امامؑ نے آواز دی۔

ٹھہرو کہاں جا رہے ہو ؟

"جناب مجھے جلدی ہے"

امامؑ نے فرمایا " اچھا یوں کرو۔ میری سواری کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے لو۔ تین چار دن کا کھانا ساتھ باندھ لو۔ پانی کی مشک بھی رکھ لو تاکہ تمہیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

اب جو امامؑ نے یہ فرمایا تو حصین ابن نمیرؔ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"حضور! شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔"

امامؑ نے فرمایا۔ " میں نے پہچان لیا ہے۔ تُو حصین ابنِ نمیرؔ ہے نا۔"

بس اب جو اُس نے اپنا نام سُنا تو تھر تھر کانپنے لگا۔

"قبلہ وہی ہوں"

امامؑ نے فرمایا:۔

" ڈرو مت ۔ گھبراؤ مت۔ کربلا میں ہم تمہارے مہمان تھے۔ آج تم ہمارے مہمان ہو۔"

سامعین! یہ فرق ہے آلِ محمدؐ میں اور ہم میں ۔ اُن کا عشق اللہ سے ہے ۔ بس اس عشق کو دیکھ کے اللہ پکار اُٹھا۔

"اے نفسِ مطمئنہ!

تم نے میرے عشق کا کمال کر دیا۔"

شجاعت
اور
ملوکیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند عالم عز اسمہ جل جلالہ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؑ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی!

اللہ نے انسان میں جو طاقتیں ودیعت کی ہیں ان میں اسے متضاد طاقتوں کا مالک بنایا ہے اور انسان کی خوبی ہی یہی ہے کہ اس میں بیک وقت متضاد طاقتیں موجود ہیں۔ گویا انسان انتہائی مہربان و رحیم بھی ہے اور انتہائی بے رحم بھی ہے۔ انتہائی عادل و منصف بھی ہے اور انتہائی ظالم بھی ہے۔ انتہائی کمزور بھی ہے اور انتہائی طاقتور بھی ہے۔ انتہائی جاہل بھی ہے اور بہترین عالم بھی ہے۔ انسان اگر اپنی عزت و شرافت پہ آ جائے تو فرشتوں سے سجدہ کرواتا ہے اور اگر اپنی خباثت پہ اتر آئے تو پتھروں کو خود سجدہ کرتا ہے۔ کہاں انسان کا یہ شرف کہ فرشتے اسے سجدہ کریں اور کہاں اس کی یہ پستی کہ وہ خود پتھروں سے مانگنا شروع کر دے یا گنگا کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔

اہلِ لاہور! آپ تو پنجاب میں رہنے والے ہیں۔ آپ نے تو [illegible] ہیں اور [illegible] سے واسطہ رکھا ہے مگر ہندوستان میں جا کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ تقریباً بیس کروڑ انسانوں کی زبانیں گنگا کو ماتا کہتے کہتے گھس رہی ہیں۔ ادھر گنگا جی بہ رہی

بیٹھی کو بغیر بچے ہوئے، "ماں بن بیٹھی ہوں۔" اس سے بہتر اور کیا ہے۔ بہر نوع پورے بیس کروڑ ہندوؤں نے "گنگا اماں" کہہ کر گنگا کا دماغ خراب کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سال "اماں" کو غصہ چڑھ آتا تو سیلاب آ جاتا اور اپنے ہی بچوں کو بہالے جاتی۔ بچے لاکھ کہہ رہے ہیں "اماں! جانے بھی دو" مگر اماں کو غصہ آیا ہوا ہے۔ چنانچہ "اماں" کی یہ حالت دیکھ کر بچے رات دن دعائیں مانگتے ہیں۔

"یا اللہ! اماں کو غصہ نہ آئے!

اماں کناروں سے باہر نہ نکلے۔" اس لئے کہ "اماں گھر سے نکلی نہیں تو بچوں کی خیر نہیں۔"

آج سے ایک عرصہ پہلے انگریز قوم ہمارے ملک میں آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ گنگا میں سیلاب کیوں آتا ہے؛ چونکہ گنگا اماں بن کے بیکار بیٹھی ہے (اور یہ بیکاری کا مشغلہ ہے کہ چلو اور نہیں تو کناروں سے ہی اچھل پڑو۔ لہٰذا انگریزوں نے جگہ جگہ نہریں کاٹ کاٹ کے چکیاں لگا دیں۔ اب جو "اماں" کو چکی پیسنا پڑی تو بگڑا ہوا دماغ صحیح ہو گیا۔ بہرنوع! انسان کی عزت تو یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے اس کے تابع فرمان ہے۔ جبرئیل جیسا فرشتہ اس کا غلام ہے۔ گویا اگر انسان بلندی پر پہنچنا چاہے تو کعبہ کو نین اس کے نعلین کو چھوئے اور اگر پستی پہ گرنا چاہے تو پتھر کو سجدہ کرے۔ انسانی فطرت میں یہ عجیب تضاد ہے۔

سامعین! بات سے بات نکلتی ہے اور سلسلۂ گفتگو بڑھتا جاتا ہے۔ آپ ایمان سے بتائیں کہ کون احمق انسان ایسا ہوگا جو بسلامتیٔ ہوش و حواس پتھر کو خدا کہتا ہو۔ جی "نہیں" مگر بڑے بڑے عقلمند کہہ رہے ہیں کہ پتھر کو سجدہ کرو، اور عقل مند بھی وہ جو اگر اسمبلی میں تقریر کریں تو دنیا کو حیران کر دیں، سیاسی گفتگو کریں تو ساری دنیا کو چکر میں ڈال دیں اور اگر کچھ نہ چاہیں تو پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ جائیں۔ یا تو عقل کی وہ تیزی یا دماغ کی یہ خرابی۔ اب اگر ان سے کوئی پوچھے "تمہاری عقل پر کیا پردہ پڑ گیا کہ تم ان پتھروں کو پوجتے ہو!" تو وہ جواب دیتے ہیں: "تمہاری عقل خراب ہے؛ کون کہتا ہے کہ ہم پتھر پوجتے ہیں۔ ہم تو ٹھاکر پوجتے ہیں۔ ہم تو پرماتما کو پوجتے ہیں۔ ہم تو پرماتما کو پوجتے ہیں۔"

پھر تم نے پتھر کیوں سامنے رکھا ہوا ہے؟

وہ جواب دیتے ہیں، یہ پتھر ہمارا وسیلہ ہے۔

ہم نے پوچھا "پتھر کو کیوں وسیلہ بنایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا" ہم گنہگار ہیں۔ پتھر بے گناہ ہے۔ وسیلہ وہی بن سکتا ہے جو بیگناہ ہو۔ اب تو میں بھی چپ ہو گیا کہ گنہگار سے تو پتھر ہی کو وسیلہ بنانا بہتر ہے۔ بہر نوع انسانی فطرت کی یہ عادت ہے کہ ہر انسان خواہ وہ بڈھا ہو یا جوان۔ نادان ہو یا بچہ اُسے ضد ہوتی ہے ٹوکنے والے سے اور پیار ہوتا ہے نہ ٹوکنے والے سے۔ اب چونکہ اللہ بھی ٹوکتا ہے لہٰذا انسان نے سوچا کہ چھوڑو ایسے اللہ کو جو ٹوکتا ہو۔ کیوں نہ ہم ایسا اللہ بنائیں جو ٹوکتا نہ ہو۔ چنانچہ بتوں کو اللہ بنالیا جو کسی کو ٹوکتے ہی نہیں تھے۔ پوجو تو داد نہیں کہتے۔ توڑ دو تو بُرا نہیں کہتے۔ لہٰذا یہ نہ ٹوکنے والے اللہ اچھے ہیں ـــ سامعین! اگر چند پشتیں نہ ٹوکنے والے کو پوجتے گذر جائیں اور جب ایسی دو چیزیں سامنے آئیں گی۔ ایک ہر ٹوکنے والی۔ ایک ہو نہ ٹوکنے والی۔ تو بت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی کہ ہمیں نہ ٹوکنے والی کافی ہے۔ چونکہ عمر بھر نہ ٹوکنے والی کو پوجتا رہا اس لئے ٹوکنے والے سے نفرت ہو گئی۔ بہر نوع انسان اپنے اعمال و افعال سے فرشتہ بھی ہے اور ذلیل و خوار بھی ہے۔

محترم سامعین! انسان کے اندر خدا نے ایک شے رکھ دی ہے جسے "عقل" کہتے ہیں۔ عقل ایک ایسی شے ہے جسے ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ میں سب سے زیادہ ہے۔ اپنی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور لفظ" اپنا" ہی میں بڑا پیار ہے۔ اپنا گھر، اپنا کنبہ، اپنا قبیلہ، اپنا خاندان، اپنی اولاد۔ اپنا مذہب۔ اپنا وطن۔ گویا جہاں لفظ اپنا آجائے بڑا پیار آتا ہے۔

ضلع جھنگ کے ایک گاؤں میں چند دیہاتی اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔" اپنوں" کی بات ہو رہی تھی۔ ایک نے کہا" ساڈے بابا سائیں بڑے چنگے لوگ تھے"۔

کیا چنگائی تھی؟ ـــ" اکیلے چوری کردے ہوندے سن ہیشتی۔ اک دہاڑے چوری

کرن گئے تھے اور بے ایمان جاگ رہے تھے۔

سامعین! آپ نے ہنس کے ٹال دیا اور میری ساری زندگی کا محور یہی بات ہے۔ بابا اپنا تھا۔ اس لئے باوجود چور ہونے کے وہ جنتی تھا اور گھر والے چونکہ جاگ رہے تھے وہ بے ایمان بن گئے۔ ــــــ یہ ہے اپنوں کی طرف داری کی بات کہ جسے "اپنا" بنا لیا وہ اگر چور بھی ہے تو جنتی ہے اور جو گھر والے تھے وہ اگر جاگ بھی رہے ہیں ....

بہر نوع انسان اپنے سے زیادہ عقل مند کسی کو سمجھتا ہی نہیں چاہے وہ، جتنا ہی بے عقل کیوں نہ ہو۔

یاد رکھو، سامعین!

اگر واقعاً انسان میں عقل ہے اور اس کے افعال و عادات، اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اگر عقل کے ماتحت ہے تو یہ انسانیت ہے۔ اور اگر عقل کے خلاف ہے تو انسانیت نہیں ہے۔ نرا کھانا پینا یا گھر بنانا، یہ تو عقل نہیں ہے۔ صرف ان باتوں کو عقل کہا جائے تو آپ ایمان سے بتائیں کہ انسانی خوراک میں اب تک سب سے اعلیٰ شئے کیا آئی ہے؟ "شہد"۔ شہد سے بہتر غذا آج تک انسان نے ایجاد ہی نہیں کی۔ ہم نے شہد کھایا اور ذرا ہونٹوں پہ لگا رہنے دیا۔ ہو گئے اکڑے ہوئے کہ ہم نے شہد کھایا ہے۔ انسانوں کے سامنے تو اکڑ لیا مگر مکھی نے جو دیکھا تو کہا۔ میری قے کھا کے اکڑ رہا ہے۔

بہر نوع! شہد کھایا تو مکھی کی خیرات، مکھن کھایا تو بھینس کی خیرات اور اونی لباس پہنا تو بھیڑ نے بُرا منایا کہ میرے بدن کا اُترن ــــ یہ تو ہے انسانی خوراک و لباس کا عالم۔

انسانو! اگر مکان بنانے پہ ناز کرو کہ ہم نے تاج محل بنا لیا جس کے لئے سینکڑوں انجینئرز بلوائے ہوں گے۔ ہزاروں نقشہ نویس منگوائے ہوں گے۔ لاکھوں کاریگر اور مزدور آئے ہوں گے۔ کروڑوں اینٹ پتھر مصالحہ اکٹھا کیا ہوگا۔ تب جا کے یہ مکان بنا ہوگا۔ یہ تو ہمارے مکان بنانے کی شان ہے؛ مگر ایک ننھی سی جان، ذرا سا قد۔ چھوٹی سی حیثیت۔ ۔ بے حقیقت سی مکھی، جب مکان بنانے کا

ارادہ کرتی ہے ۔ تو اللہ پر توکل کیا۔ نہ کسی انجنیئر سے نقشہ بنوایا نہ کسی مزدور کو بلایا۔ نہ کسی معمار کو آواز دی۔ نہ کسی کاریگر کو پکارا۔ گھر بیٹھ کے کہا۔

"اے پیدا کرنے والے! میں ننھی سی مکھی ایک مکان بنانا چاہتی ہوں۔ تو میری مدد فرما۔" چنانچہ اللہ نے وحی کی روشنی دے دی۔ وحی کی مشعل ہاتھ میں لے کر مکھی گھر سے نکلی۔ باغ میں پہنچی۔ باغیوں کی طرح باغ کو پامال نہ کیا۔ باغ کی ایک ایک کلی میں کھو گئی۔ ایک ایک کلی چومی۔ ایک ایک پتے کو پیار کیا۔ ایک ایک شاخ کو سلام کیا۔ ایک ایک درخت پہ جا کے بیٹھی۔ ایک ایک پھول سے گفتگو کی۔ اور تمام پھولوں میں سے ایک پھول کا انتخاب کیا۔ قریب جا کے سلام کیا۔ اس ادا سے سلام کیا کہ پھول جواب میں مسکرایا۔ اور جب مسکرایا تو منہ کھول دیا اور یہ چپکے سے پھول کی گود میں جا کے بیٹھ گئی۔ مکھی پھول سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہی اور پھول ہنستا رہا۔ عارضِ گل پہ خراش نہ آنے دیا۔ دامنِ گل پہ گرد نہ پڑنے دی۔ چنانچہ پھول مسکراتا رہا اور یہ اپنے گھر کا مصالحہ بھی جمع کرتی رہی اور خوراک بھی اکٹھی کرتی رہی۔ پھر ایسا گھر بنایا کہ بنا رہے تو بے کار اور اگر ٹوٹ جائے تو ہمارے لیے "فی شفاء اللہ"

بہرنوع۔ صرف مکان و عمارت بنانے سے عقل نہیں آتی۔ عقل کے معنیٰ یہ ہیں کہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور یہ سوچ لے کہ عقل اس وقت کیا چاہتی ہے وہ اصل انسانیت ہے ۔ اگر عقل یہ چاہتی ہو کہ اس وقت تلوار چلانی ہے تو پھر تلوار اتنی چلائے کہ اس کی چلائی ہوئی تلوار کو قلعوں کے در نہ روکیں۔ پہلوانوں کے سر نہ روکیں۔ حد یہ کہ جبرئیلؑ کے پر نہ روکیں۔ اور اگر عقل کہہ دے "نہیں" اب تلوار بند کرنی ہے" تو بڑے بڑے بزدل اگر گلے میں رسی ڈال لیں تو پرواہ نہیں ۔ اگر عقل کہے کہ اب جاگتے رہنا ہے تو ساری رات جاگ کے گذر جائے اور "لیلۃ الہریر" دنیا کی تاریخی رات بن جائے۔ اور اگر عقل کہے کہ اب سونا ہے تو ساری رات سو کے گذر جائے تو صبح تک کروٹ نہ لی جائے ۔ اگر عقل کہے کہ روٹی کھانی ہے تو کھالی جائے اور اگر عقل کہے کہ بچوں کو فاقے سے سُلا دو اور اپنی روٹیاں یتیموں مسکینوں میں

بانٹ دو گویا فطرت عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کام کرو جو عقل کے مطابق ہو۔

میرے بھائیو! فلسفہ اخلاق کی اصطلاح میں عقل کے مطابق نقل و حرکت کو شجاعت کہتے ہیں چاہے وہ گھر کے اندر ہو یا گھر سے باہر ہو ۔ لڑنے جھگڑنے کو شجاعت نہیں کہتے۔ مالک الملک بننے کو شجاعت نہیں کہتے بلکہ عقل کے مطابق عمل کرنے کو شجاعت کہتے ہیں۔

یاد رکھو! عقل کی باتیں اور ہیں۔ دنیا پہ قبضہ کرنے کی باتیں اور ہیں۔ دنیا پہ تو قبضہ اس طرح ہوتا ہے کہ ۔ رات کو میں سو رہا تھا۔ ایک شخص دبے پاؤں کالی چادر اوڑھے رات کی تاریکی میں میرے کمرے میں گھس آیا اور میری ٹوپی چرا کرلے گیا۔ بتاؤ جو آدمی میری ٹوپی لے گیا وہ کون ہے؟ "چور"۔ اگر وہ چور پکڑا جاتا تو آپ بھی اس کی پٹائی کرتے۔ پولیس بھی رپٹا نذر لیتی۔ اور عدالت بھی سزا دیتی۔ مگر اُسے سزا نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ گویا گورنمنٹ سزا اس بات کی دیتی ہے کہ چور پکڑا کیوں گیا۔ صرف پکڑے جانے کی سزا دی جاتی ہے۔ نہ پکڑا جاتا تو ہمارا دوست بھی تھا۔ ہمارا بھائی بھی تھا۔ گویا پاس بھی بیٹھنا اور چوری بھی کرتا۔ بہر نوع وہ چور پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اگلے دن پھر آگیا۔ اور میرا اکبس اٹھا کرلے گیا۔ اسی طرح اور تین چار چوریاں کرنے کے بعد وہ پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے دس بیس آدمیوں کا ایک گروہ بنالیا۔ اب تو اس کے پاس چاقو وغیرہ بھی آگیا۔ پستول بھی لے لیا۔ سڑک پہ کھڑا ہوگیا۔ ادھر سے کوئی گذرا تو دو طمانچے مارے اور سب کچھ چھین لیا۔ اب وہ کیا کہلائے گا؟ "ڈاکو" گویا جو چور پکڑا نہ جائے اس کی ترقی یافتہ شکل کو ڈاکو کہتے ہیں ۔ دس میں اور ڈاکے ڈالے ۔ اب بھی وہ نہ پکڑا گیا۔ ہزار دو ہزار کا گروہ بنالیا تو وہ اشتہاری ڈاکو بن گیا۔ اب بھی وہ پکڑا نہ گیا۔ اس کا حوصلہ اور بڑھا۔ چنانچہ اس نے دس بیس ہزار ساتھیوں کو اکٹھا کرلیا۔ کہیں سے اسلحہ بھی لے لیا۔ اور ایک شہر پہ ٹوٹ پڑا۔ وہاں کی پولیس کو مارا۔ شہریوں کو قتل کیا اور قبضہ کر کے وہاں کے گورنمنٹ ہاؤس پہ بیٹھ گیا ۔ اب وہ کیا کہلائے گا؟ "اعلیٰ حضرت" ظلِ سبحانی گویا چور جو پکڑا نہ جائے ۔ اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ ظلِ سبحانی بھی ہے اور فاتح اعظم بھی ہے۔

چونکہ عمر بھر پکڑا نہ گیا لہٰذا فاتح اعظم ہے ۔ ہماری کیا مجال کہ ہم اُسے چور کہیں ۔ یوں بنتی ہے ملوکیت ۔ یوں بنتی ہے شہنشاہیت ۔ یوں بنتا ہے تخت و تاج ۔ تخت و تاج کوئی آسمان سے نہیں برستا ۔ قتل و غارت اور غضب شدہ تخت کو کہتے ہیں ۔

" یہ ہمیں خدا نے عطا کیا ہے ۔ یہ ہمیں اللہ نے بخشا ہے "

سامعین ! مصیبت بن گئی ہے کہ " خدا نے عطا کیا ہے " کا لفظ بھی مولویوں نے سکھا دیا ۔

ایک تھانیدار کے گھر مولوی صاحب کی دعوت تھی ۔ مولوی صاحب کے اعزاز میں پچاس آدمی اور بلوائے گئے ۔ پچاس قسم کے کھانے ۔ یہاں سے وہاں تک دستر خوان ۔ اب جو مولوی صاحب نے دستر خوان دیکھا تو فرمایا ۔ ماشاءاللہ ۔ دین زندہ ہے ۔ اسلام خطرے میں نہیں ہے "

بہر نوع ! مولوی صاحب بہت خوش ہوئے اور پوچھنے لگے ۔

" تھانیدار صاحب ! آپ کی تنخواہ کیا ہے ۔

قبلہ ! گذارا ہوتا ہے ۔ تین بیٹے ہیں ۔ بڑا بیٹا یورپ میں پڑھتا ہے ۔ اسے ایک ہزار ماہوار بھیجتا ہوں ۔ دوسرا گورنمنٹ کالج میں پڑھتا ہے ۔ تین چار سو روپیہ وہ خرچ کر ڈالتا ہے تیسرا سکول میں پڑھتا ہے ۔ سو روپیہ وہ خرچ کر دیتا ہے ۔ والدین زندہ ہیں ۔ دو سو روپیہ انہیں بھیج دیتا ہوں ۔ اور تقریباً پچاس روپیہ ماہوار گھوڑے کا خرچ ہے " تقریباً تین ہزار روپے کا خرچ بتا دیا اور ساتھ ہی کہہ دیا " قبلہ ! " تنخواہ تقریباً دو سو روپیہ ہے "

مولوی صاحب نے فرمایا ۔ " ماشاءاللہ ۔ اللہ فضل کرے گا " بس اس سے لوگوں کو ہمت ہو گئی کہ وہ اس تخت و تاج اور آمدنی کو اللہ کا فضل کہنے لگے ۔ حالانکہ ایک چور کی ترقی یافتہ شکل کو ملوکیت کہتے ہیں ۔

سامعین ! ایک حقیقی واقعہ سماعت فرمائیے گا ۔ جب کابل کا امان اللہ امیر تھا ۔ وہ اعلیٰ حضرت تھا ۔ یورپ گیا ۔ بیوی (ثریا) ساتھ تھی ۔ وہاں جا کے وہ اڑنے لگی تو پر کٹ گئے ۔ " فارغ البال ہو گئے ۔ واپس آئی تو بچہ سقہ شور مچا کر ایک دن کے لئے تخت کابل پہ

بیٹھا جب وہ شور مچا رہا تھا تو زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے TITE PAGE پر ایک نظم لکھی تھی کہ جس میں اس کی بے پناہ برائیاں کیں۔ نظم کا ایک مصرعہ ملاحظہ ہو ؎

خدا کی شان ہے سقے کا بچہ مقابل ہے محمد زائیوں سے

اگلے دن جب یہ خبر آئی کہ وہ بادشاہ ہو گیا تو اسی زمیندار اخبار کے (TITEL PAGE) پر بچہ سقہ کی شاہانہ تصویر تھی اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا "اعلیٰ حضرت حضور پُر نور" گویا بچے سقہ کو حضور پُر نور وہ کہہ رہے تھے جو رسولؐ کے نور ہونے کے قائل نہیں تھے۔ بہر نوع وہ حضور پُر نور ہو گیا۔ اس کے بعد جنرل نادر آیا۔ اس نے بچے سقہ کو باہر نکال دیا۔ اب یہ اداریہ لکھا گیا: "اچھا ہوا ایک بدمعاش کو قتل کر دیا گیا" اب جنرل نادر اعلیٰ حضرت بنا دیئے گئے اقبال نے بھی ایک قصیدہ جنرل نادر کی شان میں لکھ کر بھیج دیا۔ چونکہ نادر امان اللہ کا نوکر تھا لہٰذا اسی کی طرف سے "بچے سقہ کے خلاف لڑا۔ فتح ہوئی تو خود تخت پر بیٹھ گیا۔ ادھر اقبال نے قصیدہ مدح میں لکھ دیا۔ سارا قصیدہ تو مجھے یاد نہیں ہے۔ ایک شعر سناتا ہوں (بچو! ترجمہ تم خود کرنا) ؎

قتل کردی کافرِ زندیق را (تو نے کافر زندیق (بچے سقہ) کو قتل کر دیا۔

زندہ کردی سنتِ صدیق را (تو نے سنتِ صدیق زندہ کر دی۔

ہم بھی بہت خوش ہوئے کہ جنرل نادر نے سنتِ صدیق زندہ کر دی۔ پھر یہ تشویش ہوئی کہ سنتِ صدیق کس طرح زندہ کی گئی۔ رات بھر سوچا۔ دن چڑھے سمجھ آئی کہ جنرل نادر امان اللہ کا نوکر تھا۔ اس کی طرف سے لڑا اور فتح ہونے پر خود تخت پر بیٹھ گیا۔ گویا مالک کے تخت پہ بیٹھنا سنتِ صدیق ہے۔ بہر نوع جو چور پکڑا نہ جائے وہ اعلیٰ حضرت بھی ہے ظلِ سبحانی بھی ہے اور حضور پُر نور بھی ہے۔ اگر عقل کے مطابق عمل ہو تو شجاعت کہلاتی ہے ورنہ وہ چوری ہے۔ اور چوری کی ترقی یافتہ شکل کو ملوکیت کہتے ہیں۔

محترم سامعین! میں یہاں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں کہ نوجوان بچے مجھ سے فرمائش کرتے ہیں

" زیدی صاحب! خیبر سناؤ۔ خندق سناؤ"!

میں کہتا ہوں " بچو! تمہارا گرم خون ہے۔ لڑائی میں تمہیں لطف آتا ہے۔ مگر میں بڈھا آدمی ہوں مجھ سے خندق وخیبر اب بیان نہیں ہو سکتا۔ چونکہ خیبر اور سفید داڑھی کا آپس میں کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا عزت اسی میں ہے کہ خاموش بیٹھا رہوں۔ اگر میں تمہارے کہنے پہ خیبر شروع بھی کر بیٹھوں تو بیچ میں سے چھوڑ کر آنا پڑے گا۔ پھر کیا فائدہ۔ بچو! تم ہی میرا مذاق اڑاؤ گے " بابا! جب چھوڑ کر آ ہی جانا تھا تو گیا ہی کیوں تھا"۔ بہرنوع خیبر کی جنگ ہو یا خندق کی، اُحد کی لڑائی ہو یا بدر کی۔ اگر عقل کے مطابق تلوار چل رہی ہے تو شجاعت ہے ورنہ بیکار ہے۔

اب بتاؤ! جس علیؑ کو رسولؐ " اسد اللہ" کہتا ہو۔ جسے محمدؐ " ید اللہ" کہتا ہو۔ اس کا کوئی عمل انسانی عقل سے اِدھر اُدھر تھا؟ ہرگز نہیں" مومن بھائیو! تمہارے سینے فخر سے تن نہیں جاتے جب تمہارے سامنے کوئی کہتا ہے۔ " علیؑ وہ ہے جس نے خیبر فتح کیا۔ علیؑ وہ ہے جس نے خندق فتح کیا"؟ ہمیں غرور پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی ہمیں شیعیانِ علیؑ کہتا ہے۔ گویا علیؑ ہمارے غرور کا سامان ہے۔ خدا گواہ ہے۔ ہمارا جی چاہتا ہے دنیا کو کوئی شے نہ سمجھیں۔ تختِ جم کو ٹھوکر مار دیں۔ جب ہم یا علیؑ کہتے ہیں اُس وقت ہمارا سرور ہی کچھ اور ہوتا ہے، ہماری شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علیؑ وہ ہے جس نے خیبر کی چولیں ہلا دیں۔ علیؑ وہ ہے جس نے خندق کی گرد اڑا دی۔ اتنا بہادر انسان اتنا شجاع انسان، بتاؤ! چشمِ فلک نے علیؑ جیسا انسان دیکھا ہے؟۔ " ہرگز نہیں"

سامعین! میں تم سے نہیں پوچھتا۔ علیؑ سے پوچھتا ہوں۔ یا علیؑ!

میرا ایمان ہے کہ آپ سے زیادہ بہادر انسان دنیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا۔ آپ سے زیادہ شجاع انسان چشمِ افلاک نے آج تک نہیں دیکھا۔ " یا علیؑ" کہنے کو میں اسمِ اعظم سمجھتا ہوں۔ مگر میرے مولاؑ! میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ خیبر کا فتح کرنا ایک طرف۔ خندق کا فتح کرنا ایک طرف۔ بسترِ نبیؐ پہ بے خطر سو جانا ایک طرف۔ ان سب شجاعتوں کو ایک پلے میں رکھو اور دوسرے پلے میں تین دن کی پیاس میں گرمی کے موسم میں دریا میں جا کر پیاسے نکل آنا۔ اِس

کی مثال پوری کائنات کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ — مگر ایک بہادر دنیا میں ایسا بھی گذرا ہے جس نے تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود دریا میں جاکے پانی نہ پیا۔ اتنا قابل جرنیل جس نے بہتر ۷۲ کو لاکھوں سے لڑا دیا۔ اتنا قابل سپاہی جس اکیلے کے اوپر پورے کنبہ کا ڈھارس تھا۔

نویں محرم کا دن۔ عصر کا وقت اور امامؑ نماز سے فارغ ہو کر مصلّے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ عالم محویت ہے کہ اچانک بے حیا فوج نے حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی گرد سیدانیوں کے خیموں میں آنے لگی — سیدانیاں "نادِ علیؑ" دم کرکے بچّوں کو لے کر خیموں میں دم بخود کھڑی ہیں۔ جب وہ کافی قریب آگئے تو حسینؑ سرکار کے کمانڈر انچیف نے عرض کی۔

مولاؑ!

مولاؑ نے نظر اٹھائی — " بھائی عباس کیا بات ہے ؟

آقا! فوج سیدانیوں کے خیموں کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ میرے سپاہی تیار کھڑے ہیں ہمارے لئے کیا حکم ہے ؟ عباسؑ اسی انتظار میں ہیں کہ مولا فرمائیں گے — "روک دو"

مگر مولاؑ نے حکم دیا — عباسؑ بھائی! میں حکم دیتا ہوں۔ تم خود اس فوج کے سامنے جاؤ اور اُن سے کہدو میرا امامؑ ایک رات کی مہلت چاہتا ہے۔ اب جو حسینؑ نے یہ فرمایا تو عباسؑ نے گھبرا کر پوچھا

" مولاؑ! میں اب ان سے مہلت مانگوں ؟

" ہاں میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ تم خود جاکے ان سے مہلت مانگو"

عباسؑ نے سر جھکا دیا۔ نیام سے تلوار نکال کے رکھ دی۔ گھوڑے پہ سوار ہوا۔ سر جھکا ہوا۔ مہلت مانگنے جا رہا ہے۔ ابھی چند قدم چلے ہی ہوں گے کہ امامؑ نے فرمایا! حبیبؓ! زہیرؓ کو ساتھ لے کر احتیاطاً تم بھی چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کسی بات پر میرے بھائی کو غصّہ آجائے۔ چنانچہ دونوں بزرگ صحابی بھی ساتھ ہو لئے۔ دائیں طرف حبیبؓ۔ بائیں طرف زہیرؓ تھے اور درمیان میں اپنے وقت کا حیدرِ کرارؑ — فوج کے سامنے پہنچ کر گھوڑا روک کر فرمایا۔ " چچا حبیبؓ! مہلت والی بات تم ہی کہہ دو۔ مجھ سے کہا نہیں جاتا"

شہزادے! مولاؑ نے آپ کو حکم دیا ہے ۔"

عباسؑ آگے بڑھے۔ سر جھکا ہوا۔ بدن پسینہ میں تر۔ دل دھڑک رہا ہے۔ بدن کانپ رہا ہے۔ ہونٹ لرز رہے ہیں۔ بھرائی آواز میں فرمایا۔ "عمر سعد! میرے امامؑ نے ایک رات کی مہلت ......" بس اتنا ہی فقرہ کہا۔ مانگنے کا لفظ نہیں بولا۔ پھر نوع اُس فوج نے مشورہ کیا اور مہلت ہو گئی ۔ واپس لوٹے۔ بیچ میں قمر بنی ہاشمؑ اور داہنے بائیں حبیبؓ و زہیرؓ تھوڑی دور چلے تھے کہ دونوں بڈھے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ حبیبؓ نے زہیرؓ سے کہا۔

"زہیرؓ! تمہیں یاد ہے نا۔ جب اس نوجوان کی ماں سے علیؑ نے عقد کیا تھا۔؟"

زہیرؓ نے جواب دیا "ہاں حبیبؓ"

حبیبؓ نے کہا زہیرؓ! عقد کے بعد علیؑ نے کہا تھا کہ اس خاتون کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوگا وہ میری بہادری کا وارث ہوگا۔"

زہیرؓ نے کہا "ہاں ۔ مجھے یاد ہے۔"

دونوں بڈھوں نے جو یہ بات کہی تو وقت کے حیدرِ کرارؑ نے ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹنے لگیں اور گھوڑا رک کے فرماتے ہیں۔

"حبیبؓ! زہیرؓ! یہ قصہ سنا کے مجھے بہادری کا جوش نہ دلاؤ۔ میں ٹھہرا ہوں۔ تم دونوں مولاؑ کے پاس جاؤ اور مجھے لڑنے کی اجازت دلا دو۔ اگر صبح سے پہلے کوفے کے دارالامارے پر حسینؑ کا جھنڈا نہ لہرا دوں تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا۔"

عباسؑ نے یہ فقرہ جو پورے جوش میں کہا تو امامؑ نے سن لیا۔ وہیں سے آواز دی "کس نے میرے شیر کو غصہ دلا دیا۔ عباسؑ بھائی آؤ۔ میں انتظار کر رہا ہوں" امامؑ نے بھائی کے گلے میں اپنی باہیں ڈال دیں۔ سینے سے لگایا۔ پیشانی چومی۔

میرے پیارے بھائی ۔۔ کیا بات ہوئی؟ مولاؑ! کوئی بات نہیں تیرا تابع فرمان ہوں۔ جو تو حکم دے گا تعمیل ہوگی۔"

سامعین! میں اپنے بیان کو ان لفظوں پہ آکر ختم کرتا ہوں کہ جب دونوں بھائی بیت الشرف میں تشریف لائے تو زینبؑ نے پوچھ لیا۔

"عباسؑ بھائی! کیا فیصلہ ہوا؟"

عباسؑ تو چپ رہے۔ حسینؑ نے کہا "کل تک کی مہلت ــــ"

زینبؑ نے رات کو گھر کی تمام عورتوں کی کانفرنس بلالی۔ جب تمام عورتیں آچکیں تو بی بی اُن سے کہتی ہے۔

"بی بیو! مجھے جانتی ہو۔ میں علیؑ کی بیٹی ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری چادر کی میں ضامن ہوں"

عورتوں نے کہا۔ "بی بی! تیرے وعدے کے بعد ہم بے فکر ہیں"۔ بات ختم ہوئی۔ رات ڈھل گئی صبح عاشور ہوئی۔ دوپہر ڈھلا۔ حسینؑ جب علم لے کر خالی آئے تو وہی زینبؑ عورتوں سے کہہ رہی تھی۔

"بی بیو! میں نے رات جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ اب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ جس بھروسے پہ کہا تھا وہ ختم ہوگیا۔ میرا بھائی عباسؑ مارا گیا"

سامعین! فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں عقل کی اس نقل و حرکت کو شجاعت کہتے ہیں۔ تین دن کی بھوک پیاس کے باوجود دریا میں جاکے پیاسے نکل آنا وہ عمل ہے جسے آج تک چشمِ فلک نے کہیں نہیں دیکھا۔ مگر اللہ کے چُنے ہوئے بندوں نے کربلا میں عملاً کردکھایا جس پہ قدرت نے بڑھ کر ان بندوں کا چوم لیا اور فرمایا۔

"اے نفسِ مطمئنہ!

دنیا نے تمہاری شجاعت دیکھ لی ہے۔ تم نے وہی کردکھایا جو اللہ چاہتا تھا۔"

اللہ سے ڈرو

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند جل جلالہ و عز اسمہ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام!

حضراتِ گرامی قدر! اللہ کا یہ فرمان ہے "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اے رسولؐ! میرے ان بندوں سے کہہ دو، ان تک یہ پیغام میرا پہنچا دو۔ کہ اگر تمہیں خدا سے پیار ہے، اگر تمہیں خدا سے محبت ہے ——— ماشاء اللہ! مجمع تو کافی ہے اتنے بڑے مجمع سے میں پوچھ رہا ہوں۔ "آپ کو خدا سے محبت ہے۔ کیوں بھئی! خدا سے محبت ہے" ؟ ———

بات یہ ہے حضور! مجھے پتہ ہے کہ آپ اس محبت کے جواب میں ہچکچا کیوں گئے۔ آپ نے "ہاں" کیوں نہیں کہا ایک دم۔ اس لئے شاید آپ نے ہاں نہیں کہا کہ ساری عمر گذر گئی آپ کی۔ اور میری بھی۔ علمائے کرام کی زبانی یہ سنتے ہوئے کہ "اے اپنا نذارد۔ اللہ سے ڈرو" اور اتنا ڈرایا ہے اللہ سے ہمیں ان اللہ والوں نے کہ "محبت" میں ہاں کہتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں ——— جو آدمی اٹھتا ہے یہی کہتا ہے "اللہ سے ڈرو" اور کوئی ان ڈرانے والوں سے یہ نہیں کہتا۔ کہ "تم بھی اللہ سے ڈرو" کیوں اللہ کے بندوں کو اللہ سے ڈراتے ہو ——— مگر ہر ایک یہی کہہ رہا ہے۔ "اللہ سے ڈرو" اور اتنا ڈرایا ہے اللہ سے ہمیں ان اللہ والوں نے کہ بوڑھوں کا تو میں کچھ کہتا نہیں۔ آج کی جوان پود اتنی ڈر گئی ہے کہ جہاں کہیں اللہ کا نام ہو وہاں نہیں جاتے۔ جہاں اللہ کا ذکر ہو۔ وہاں نہیں جاتے ——— اگر جا رہے ہوں اور سامنے مسجد آجائے تو فوراً راستہ

کاٹ کے گذریں گے۔ ڈر کے مارے کہ مولوی صاحب جو کہتے ہیں کہ "اللہ سے ڈرو"!
مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اللہ کوئی ظالم شے ہے جو اُس سے ڈرو۔ وہ
کوئی ڈراؤنی شے ہے جو اُس سے ڈرو۔ وہ کوئی ستاتا ہے جو
اُس سے ڈرو۔ وہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے جو اُس سے ڈرو۔
مگر کہنا ہر ایک یہی ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اور ڈرا ڈرا کے اللہ سے
آج ہمارے دل اتنے کمزور کر دیئے ہیں۔ کہ ہم سچ مچ اللہ سے
ڈرنے لگے۔

آج میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں۔ اللہ جانے میری یہ بات کسی کو پسند آئے گی یا نہیں۔ میں اپنی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔ کہ "اللہ سے مت ڈرو" اللہ کوئی ڈرنے کی شے ہے۔ اللہ تو محبوب ہے۔ اللہ تو بڑی پیاری شے ہے۔ اللہ تو بہت ہی محبت کرنے کے قابل شے ہے۔ اللہ سے تو پیار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ وہ ہم سے ہم پر زیادہ مہربان ہے۔ اُسے ہم سے اتنا پیار ہے۔ کہ ہماری ضرورت کی چیزیں جو ہم سے پہلے مہیا کر دے۔ ہم دُنیا میں آئے نہیں تھے۔ ہمیں سانس کی ضرورت تھی، ہوا پہلے پیدا کر دی۔ ہمیں بسنے کی ضرورت تھی۔ زمین پہلے پیدا کر دی۔ جس نے ماں باپ جیسے مہربان ہمیں دیئے۔ جس نے پرورش کے سارے سامان مہیا کئے۔ جو دُنیا میں ہماری حفاظت کرتا ہے۔ جو چوبیس گھنٹے ہمارے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ہم سوتے ہیں۔ وہ کبھی سوتا نہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں۔ وہ کبھی بھولتا نہیں۔ ہم اُسے پکارتے ہیں۔ وہ فوراً ہمیں جواب دیتا ہے۔ وہ ہم سے بات کرتا ہے۔ وہ ہماری دعائیں سُنتا ہے۔ ہماری التجائیں سُنتا ہے۔ ایسا پیارا اور محبوب اللہ۔ ایسے پیارے اللہ سے ڈرو کیوں۔ اُس سے پیار کرو۔ اُس سے محبت کرو۔ اُس سے الفت کرو۔ اور یہ جو تمہیں کہا جاتا ہے "اللہ سے ڈرو" اس کے معنی یہ ہیں چونکہ وہ محبوب ہے چونکہ اُس سے محبت ہے۔ ڈرو اس بات سے کہ وہ محبوب کہیں رُوٹھ نہ جائے۔ اور اگر تمہیں یہ اندیشہ

ہو جائے گا۔ کہ وہ روٹھ گیا ہے تو اس رُوٹھے ہوئے کو منانے کا طریقہ یہ ہے: "وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" سچوں کا ساتھ دو، وہ راضی ہو جائے گا۔"

بہر نوع اللہ کو ہم سے محبت ہے۔ اور اللہ فرماتا ہے: "رسولؐ! ان سے کہہ دو۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ تم مجھے چاہتے ہو۔ تمہیں مجھ سے پیار ہے۔ تو تم ایسا کرو۔ کہ محبت ہے تمہیں۔ اللہ سے اور پیروی کرو تم رسولؐ کی۔ اتباع کرو تم رسولؐ کا۔ حکم مانو تم رسولؐ کا "یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" نتیجہ اس کا یہ ہوگا۔ کہ "اللہ کو بھی تم سے پیار ہوگا۔ اللہ کو بھی تم سے محبت ہو جائے گی جس طرح تمہیں اللہ سے محبت ہے اُس طرح اللہ کو بھی تم سے محبت ہو جائے گی۔

میرے سامعین! اب آپ ہی بتائیں کہ ہم اللہ سے محبت کریں۔ یہ مرتبہ زیادہ ہے۔ یا اللہ ہم سے محبت کرے یہ مرتبہ زیادہ ہے ——— ؟ بہر نوع اللہ فرماتا ہے کہ تم رسولؐ کی پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ خداوند عالم تم سے پیار کرے گا۔

ہمارا سب کا دل چاہتا ہے کہ ہم اللہ کے قریب ہو جائیں۔ چونکہ اللہ سے محبت ہے۔ صبح سو کے اٹھتے ہیں۔ نیند آنکھوں میں بھری ہوتی ہے۔ اور اُسی نیند کے عالم میں باوضو ہو کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ "قربةً الی اللہ" اس لئے سامنے کھڑا ہوں کہ اللہ سے قربت حاصل ہو جائے۔" اس سے ہمیں محبت ہے۔ اس کے ہم قریب ہو جائیں۔ اور لطف یہ آتا ہے۔

نمازی بھائیو!

ہم رات کو سوئے۔ صبح کو اُٹھے۔ آنکھ میں نیند بھری ہوئی ہے۔ اُٹھ کے وضو کیا۔ اب جی چاہتا ہے کہ اللہ سے بات کریں۔ چونکہ اُس سے ہمیں محبت ہے۔ اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہر طرف اللہ ہے۔ کائنات میں جدھر رخ اٹھا کے دیکھو اللہ ہے۔ ہر طرف اللہ ہے۔ شمال میں بھی اللہ ہے، جنوب میں بھی اللہ ہے، مشرق میں بھی اللہ ہے۔ مغرب میں بھی اللہ ہے، چاروں

طرف اللہ ہے، پھر جدھر چاہو نماز پڑھ لو۔ لیکن اللہ کہتا ہے "نہیں" اگر تمہیں ہم سے پیار ہے تو رسولؐ کی پیروی کرو۔ جب تک رسولؐ کی پیروی نہیں کرو گے یہ تم سے بات تک نہیں کرے گا جب چاروں سے ایک کو قبلہ نہیں بناؤ گے میں نماز نہیں قبول کروں گا۔ میرے رسولؐ کو دیکھو وہ کس طرح نماز پڑھتا ہے۔ وہ کس طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ اگر تم بھی اُسی طرح نماز پڑھو گے تو اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا۔ تم اللہ کے قریب ہو جاؤ گے۔

اب ہم نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اللہ کے قریب ہو گئے۔ اس ادا سے اللہ نے ہم سے گفتگو کی ہے۔ اس پیار سے اللہ نے ہم سے بات کی ہے کہ ہمیں بھی لطف آگیا۔ اور اللہ کو تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتا۔

ہم نے جا کے اللہ سے کہا کیا؟ ہم کھڑے ہو گئے جا کے اللہ کے سامنے کیوں کہ ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ شہنشاہوں کے شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایسے عالم میں جب اتنی بڑی ہستی سے بات کرنا ہو۔ تو بات کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنا بڑی گستاخی ہے بڑی بے ادبی ہے۔ ادب سے۔ آرام سے کھڑے رہو۔ نظر اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔ کانوں تک لے جاؤ اور کہو ——— "اللہ اکبر" یا اللہ تجھ سے بڑا کوئی نہیں مگر یہ بات کہنا ہاتھ اٹھا کے۔ یعنی اللہ سے یہ اقرار کرنا کہ "اب ہم تیرے سامنے کھڑے ہیں، ہم نے دنیا کی ہر شے سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب دنیا کی کسی چیز سے ہمارا واسطہ نہیں رہا۔"

اللہ نے کہا "بولو ——— کیا کہنا چاہتے ہو" تو ہم نے کہا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو بڑا رحمٰن و رحیم ہے تو رب العالمین۔

ہے۔ تو یوم الدین کا مالک ہے۔ تو ہمیں صراط مستقیم پہ قائم رکھ۔"
اللہ نے کہا "سبحان اللہ! کیسی اچھی بات کہی ہے تم نے۔ یہ باتیں
تونے کہاں سے سیکھ لیں؟"
ہم نے کہا۔ حضور! ہم نے ایک کتاب میں پڑھی تھیں۔" اللہ نے
کہا "اس کتاب کی کوئی اور بات بھی تمہیں یاد ہے؟" ہم نے بسم اللہ
پڑھ کے ایک سورۃ اور پڑھ دی۔" اور جب
سورۃ پڑھ دی۔ تو اللہ کی عظمت دل میں پیدا ہوئی۔ فوراً سر جھکا کے
کہا "سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم تو کتنا عظیم ہے جو مجھ جیسے
حقیر کی سنتا ہے۔" اب جو سر جھکا کے سر اٹھایا۔ تو اللہ نے فوراً اپنی
گفتگو کی رسید دے دی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدَہ سن لیا اللہ نے
بندے جو تو نے حمد کی ———— پھر ہم نے اس شکریے میں کہ اس
نے ہم جیسے حقیروں کی بات سن لی۔ سجدے میں سر رکھ دیا۔
سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی تو کتنا اعلیٰ ہے۔ کہ مجھ جیسے ادنیٰ کی بھی سن لی
سجدہ کیا۔
اب اللہ نے پیار سے کہا "بندے! تو میرے سامنے کھڑا بھی رہا۔ سر
بھی جھکایا۔ تو نے سجدہ بھی کیا۔ تھک گیا ہوگا۔ بیٹھ جا ————"
چنانچہ ہم سجدہ کر کے بیٹھ گئے۔ اور ہم نے سوچا کہ "اس نے بیٹھنے
کا موقع دیا ہے ———— اتنا مہربان ہے۔ اس وقت
کو ضائع نہ کرو۔ اب بھی کچھ مانگ لو۔"
اب ہم نے بیٹھ کے مانگا کیا! نہ اولاد مانگی۔ نہ رزق مانگا۔ نہ دولت
مانگی۔ نہ مال مانگا۔ پھر کیا مانگا "اَستَغفِرُ اللّٰہَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیہ

خداوندا! اٹھا لیا ہے تو گناہ بھی معاف کر دے۔" گنہگار ہو کے بیٹھنا اچھا نہیں معلوم نہیں ہوتا۔" اور اس استغفار کے شکریے میں ایک سجدہ اور کر لیا۔ "خداوندا! ایک سجدہ اور کرتا ہوں" پھر اٹھ کے کھڑے ہو گئے

یہی ہے گفتگو جو نمازی اللہ سے کرتا ہے۔ پھر اللہ سے پیار، محبّت کی باتیں ہونے لگیں۔ پھر سر جھکا کے اُسے عظیم کہا۔ پھر اس نے رسید دی۔ سمع اللہ کہہ کے۔ پھر ہم نے سجدے میں سر رکھ کے سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ کہا۔ جب دو سجدے کر لیے خدا کے سامنے تو اللہ نے کہا "بندے تو نے مجھ سے باتیں کی ہیں۔ تو نے مجھ سے گفتگو کی ہے۔ تیرا میرے ساتھ پیار ہوا ہے۔ مگر یہ بتا کسی فرضی، خیالی وہمی اللہ کی تو تو نے عبادت نہیں کی۔"

اب ہم نے دوسری رکعت کے دو سجدے ادا کر کے بیٹھ کے اللہ سے گفتگو کی۔"

"میرے اللہ! میں نے کسی فضول اللہ بات نہیں کی۔"

"پھر کس سے کی۔" اللہ نے پوچھا

میں نے فوراً کہہ دیا" اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

"میں نے اس اللہ سے بات کی ہے جو لا الٰہ الا اللہ ہے۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے"

اللہ نے کہا۔ شاباش! تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں لا الٰہ الا اللہ ہوں۔" تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں واحد و لاشریک ہوں" میں نے عرض کی۔ کہ مجھے تو خاک بھی پتہ نہیں تھا مجھے تو یہ بات ایک بندے نے بتائی ہے۔"

اللہ نے پوچھا" کون بندہ!"

میں نے فوراً کہہ دیا "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

"مجھے تو یہ بات محمدؐ نے بتائی ہے۔ جو تیرا عبد بھی تھا اور رسولؐ بھی تھا۔"

اللہ نے پوچھا "محمدؐ کو دیکھا ہے؟"

میں نے کہا "نہیں"

"پھر تجھے کیا خبر کہ محمدؐ نے بتائی ہے؟"

میں نے عرض کی "میرے پالنے والے۔ محمدؐ کی بتائی ہوئی یہ بات مجھ تک کچھ لوگوں نے پہنچائی ہے۔"

تو اللہ نے کہا "ان کا نام بھی تو لے جنہوں نے یہ بات تجھ تک پہنچائی ہے۔"

میں نے فوراً کہا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

اب جو کہا تو اللہ سے بات ہو گئی۔ قرب ہو گیا، پیار ہو گیا۔

میرے محترم سامعین! کسی کا جی نہیں چاہتا اللہ سے پیار کرنے کو۔ کس کا نہیں چاہتا بڑی ہستی سے پیار کرنے کو۔ اگر گورنمنٹ ہاؤس جا کے گورنر سے بات کر آئے تو چار دن گھر والوں سے بات نہیں کرتے۔ اور اگر صدر سے کو ہوں ملا آئے۔ تو بستی والے سے بات نہیں کرتے۔

مگر یہ اللہ کا پیار ہے کہ وہ روزانہ پانچ مرتبہ بلاتا ہے "آؤ آ کے مجھ سے بات کرو" "آؤ مجھ سے گفتگو کرو" کوئی چپڑاسی تمہیں نہیں روکے گا، کوئی دربان تمہیں نہیں روکے گا۔ کوئی نقیب تمہیں نہیں روکے گا۔ کوئی دربان تم سے رشوت نہیں لے گا۔"

اور سنتے بھی ہو، اگر میرے گھر آنے کی تمہیں فرصت نہ ہو، تم مجھے اپنے گھر پکارو۔ میں آؤں گا۔ تم میرے ساتھ بات کرو، میرے ساتھ گفتگو کرو۔ اور پھر دیکھو ایسے محو ہو جانا مجھ سے بات کرنے میں کہ دنیا کا ہوش نہ رہے۔ کوئی شے یاد نہ رہے بس میں ہوں اور تم ہو۔

اس ادا سے بات کرنا کہ لبِ بام ہوں، یا تم ہو۔ یہاں تک، کہ میرے ساتھ بات کرتے وقت اگر تمہارے پیر میں لگا ہوا تیر بھی کھینچ لیا جائے۔ تو تمہیں پتہ نہ چلے۔ اس سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔

نماز و ندا۔ یہ "تیر" والی بات تو ہم نے سن لی۔ مگر جس کے پیر سے تیر کھینچا گیا۔ اور اسے پتہ نہیں چلا تھا۔ اس کی یہ بات بھی تو ہم نے سنی ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور نماز کے عالم میں سائل نے آواز دی۔ اور سائل کی آواز سنی۔ اور ہاتھ سے انگوٹھی دے دی۔ یا تو اتنی بے خبری، نماز میں اتنی محویت کہ تیر کھینچ گیا اور پتہ نہ چلا۔ یا سائل کی آواز بھی سن لی۔"

اللہ نے کہا "دیکھو۔ تم کسی بات کو غور سے نہیں سنتے۔ اس لئے اعتراض کرتے ہو۔ کون کہتا ہے کہ اس نے سائل کی بات سنی تھی۔ تمہیں کس نے بہکا دیا۔ کہ اس نے سائل کی گفتگو سنی تھی۔ تم نے اچھی طرح سے سارا قصّہ پڑھا نہیں۔ تم نے سارے قصّے پر غور نہیں کیا —— بات یہ ہے۔ نماز ہو رہی تھی۔ سائل مسجد کے دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ اس نے نمازیوں سے خیرات مانگی۔ وہ مانگتا رہا۔ کسی نے نہ دی۔ اس لئے کہ جو زکوٰۃ دینے والا تھا۔ وہ سن ہی نہیں رہا تھا سائل کی گفتگو۔ وہ نماز میں مشغول تھا۔ وہ اللہ کے سامنے کھڑا تھا" —— جب سائل کو کچھ نہ ملا۔ تو اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کے کہا "یا اللہ! میں تیرے رسولؐ کی مسجد سے محروم جا رہا ہوں" جب تک سائل مسجد والوں سے مانگتا رہا۔ اس نے کچھ نہ سنا۔ اور جب اللہ سے دعا کی۔ اور جو اللہ کے ساتھ پہنچا ہوا تھا اس نے سن لی۔ اور اگر آپ میری زبان میں سننا چاہیں، تو یوں سمجھو۔ جب سائل نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے کہا "بھئی یہ نماز میں مشغول ہیں۔ اور یہ دیکھا نہیں کرتا ہے۔ اللہ کی [illegible]

ہے تو اللہ کے ہاتھ سے ہے۔" اللہ نے اپنے ہاتھ سے زکوٰۃ دے دی۔ پھر نوع یہ اللہ سے پیار کی باتیں ہیں۔ اللہ سے محبت کی باتیں ہیں۔ جو اللہ سے پیار کرے اللہ اسے محبوب بنا لیتا ہے۔ اللہ اُسے پیار کرتا ہے مگر

میرے محترم سامعین! محبت جو ہے پیار جو ہے، یہ بڑی مشکل منزل ہے۔ بڑی کٹھن منزل ہے چاہے وہ کسی سے ہو۔ اور شاعر نے تو کہا ہے کہ

پہلی ہے عشق بشر عشق خدا مشکل ہے"

محبوب یہ چاہتا نہیں کہ "جب مجھ سے محبت ہو۔ تو کوئی اور بھی دل میں آئے" یہی اللہ چاہتا ہے کہ جب مجھ سے محبت ہے تو پھر تیرے دل میں میں رہوں گا۔ اور کوئی نہ آئے" اور یہی ہے نا حدیث قدسی کا مفہوم:

میں نہ زمینوں میں رہتا ہوں، نہ آسمانوں میں رہتا ہوں۔ میں تو اپنے چاہنے والوں کے دل میں رہتا ہوں"

سمجھے نا صاحبان! اللہ آپ لوگوں کے دل میں رہتا ہے مگر اس دل میں رہنے والی بات کو ذرا یوں بھی دل میں سوچو اللہ کا گھر ہے تمہارے دل میں اللہ نے اپنا گھر بنایا ہے تمہارے دل میں۔ خوب سمجھ لو اچھی طرح سے سوچ لو کہ اللہ نے اپنا گھر بنایا ہے تمہارے دل میں۔ اور تمہارا گھر بھی اللہ نے ایک بنایا ہے جس کا نام ہے۔ "جنّت" جنت تمہارا گھر ہے اور تمہارا دل اللہ کا گھر ہے جنت میں تم بسو گے۔ اور تمہارے دل میں اللہ بستا ہے۔

اب کسی مولوی سے مت پوچھو "ہمیں جنت ملے گی یا نہیں" کسی پیر سے مت پوچھو

ہمیں جنّت ملے گی یا نہیں"؟ یہ تو معاملے کی بات ہے کہ اللہ کا گھر تمہارا دل ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور تمہارا گھر جنّت ہے جو اللہ کے پاس ہے۔ تم اگر اللہ کے گھر میں کسی اور کو بساؤ گے۔ اللہ تمہارے گھر میں کسی اور کو بسا دے گا۔ اور اگر تم اللہ کے گھر میں اللہ ہی کو رکھو گے تو اللہ بھی تمہارے گھر میں تمہیں رکھے گا۔ اگر تم اللہ کے گھر کو تنگ نظری سے یا بدخلقی سے اللہ کے گھر کو تنگ رکھو گے۔ تو اللہ جنّت میں تنگ سا مکان دے گا۔ اگر خوش اخلاقی سے فیاضی سے اللہ کے گھر کو کشادہ رکھو گے۔ تو وہاں تمہیں کشادہ مکان ملے گا۔ اگر گناہ کر کرکے اللہ کے گھر میں اندھیرا رکھو گے۔ تو تمہیں اللہ اندھیرا مکان دے گا۔ اگر نیکیاں کر کے اس میں چراغ روشن کرو گے۔ تو اللہ تمہیں روشن مکان دے گا۔ جیسا کہ اللہ کے گھر کو رکھو گے۔ ویسا ہی اللہ تمہیں گھر دے گا۔

پھر تو یہ اللہ کا گھر تمہارے پاس ہے۔ اسے تم آراستہ کرو۔ اور اُسے آراستہ کرنے کے لیے اللہ نے بطورِ ماڈل "بطورِ نمونہ" اپنا ایک گھر بنایا ہے مکہ میں "جو بیت اللہ" ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر اُسے سجاؤ۔

فقرہ میں کہتا ہوں صاحبان! سمجھ تم لینا۔ یہاں سمجھ نہ آئے۔ تو گھر جا کر سمجھ لینا) جس طرح اللہ نے اس گھر کو سجایا ہے۔ اسی طرح تم اس گھر کو سجا لو۔ جس طرح اس گھر کو آراستہ کیا ہے۔ اسی طرح تم اس گھر کو آراستہ کرو۔ دنیا کے ہاتھوں نے بنوائے ہوئے اس گھر سے نکلوا دیئے تھے اسی طرح دنیا کے بتائے ہوئے اس گھر سے نکال دو۔ جیسے اس نے گھر میں بلا لیا تھا۔ اسی طرح اُسے اس گھر میں بلا لو — بس گھر سج گیا۔ یہی طریقہ ہے اس گھر کے سجانے کا۔ ایسا اچھا ہوا گھر ملے گا جنّت میں کہ لطف آجائے گا۔ اللہ نے دل گھر اسی لیے بنوایا تھا۔ اور رکھوایا بھی اپنے خلیل بندے سے تھا جس سے اللہ کو پیار تھا جس سے اللہ کو محبت تھی

جسے اللہ پسند کرتا تھا۔ اور خلیل کو حکم ہوا تھا۔ کہ میرا گھر تو بنا دو اور دیکھنا اگر مزدور چاہیے۔ تو بیٹے اسمعیل کو ... کھنا اور مددگار چاہیے۔ تو جبرئیل کو بھیج دوں گا۔ اور نقشہ چاہیے ... خود بنا کے بھیج دوں گا"

ابراہیم کو خدا کا گھر بنانے کا حکم ہو گیا۔ اب خدا ہاؤس بنے گا۔ ہم نے کراچی میں گورنمنٹ ہاؤس دیکھا تھا جس میں تقریباً پانچ سو کمبے بس جائیں۔ جب ہماری گورنمنٹ کا اتنا بڑا گورنمنٹ ہاؤس ہے تو خدا کا خدا ہاؤس کتنا بڑا ہوگا؟ آخر ہم نے عرض کی

"یا اللہ! کتنا بڑا گھر بنوایا ہے:"

اللہ نے فرمایا "بڑے گھر کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ میں نے ابراہیم سے کہہ دیا تھا میرا گورنمنٹ ہاؤس بس اتنا بڑا ہو۔ جس میں بوقت ضرورت ایک عورت لیٹ سکے بس اتنا گھر بن جائے اور ابراہیمؑ نے وہ گھر بنانا شروع کر دیا۔ ایک رو رو لگاتے اور رونے والا رونا مانگنے "خداوندا میں تیرا گھر بنا رہا ہوں۔

اللہ نے کہا: "ہاں بھئی! بنا رہے ہو"

"میرے اللہ! میری اولاد کو یہ دینا۔ میری تربت کو یہ دینا۔ میرے بچوں کو یہ دینا"

اور جب گھر بن کے تیار ہو تو ابراہیمؑ نے عرض کی۔

"خداوندا معائنہ کر لے گھر تیار ہے" اور اعلیٰ حضرت نے معائنہ کیا "ٹھیک ہے" بہت اچھا بنایا مگر ایک کام کر ـــــ طواف کرنے والوں کے لئے اس میں اعتکاف کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک بھی کر" اب خدا کے گھر کو پاک کرنے کا حکم تھا۔ بیگار میں دنیا بھر کے "سقے" پکڑے گئے ہوں گے۔ مگر وہاں ہم نے دیکھا کہ ابراہیمؑ خدا کے گھر کو کس طرح پاک کر رہے ہیں۔ جتنے پتھر کعبے کی دیواروں میں لگائے گئے تھے۔ ایک ایک پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ "سبحان اللہ" دوسرے پر ہاتھ رکھا سبحان اللہ تیسرے پر ہاتھ رکھا "سبحان اللہ" جب ساروں پتھروں پر سبحان اللہ کہہ دیا۔ تو اللہ نے کہا،

بس میرا گھر پاک ہوگیا" گویا ابراہیمؑ نے کعبے کی دیواروں کے ایک ایک پتھر پہ "سُبحان اللہ" کہہ کے تمام پتھروں کو تسبیح کا دانہ بنادیا۔ اور جب دیوار دانۂ تسبیح بن گئی تو امامؑ کو خود ہی راستہ مل جائے گا۔ امامؑ کے بغیر تسبیح مکمل ہوسکتی ہی نہیں۔

ہر نوعِ مومن کا دل گھر ہے اللہ کا اور مومن کا گھر جنّت ہے" اللہ کے پاس۔ تم اللہ کے گھر کو پاک صاف رکھو گے تو اللہ تمہارے گھر کو پاک رکھے گا۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی توجہ خصوصی ہم سے ہٹ جائے تو ہماری بقاء فنا میں بدل جائے گی۔ ہمیں اپنی زندگی میں اور اس زندگی کے بعد کی زندگی میں ان کی بہت ضرورت ہے۔ ہماری زندگی۔ ہماری خوشی، ہمارا غم۔ ان کے لئے ہے۔ ہم جیئں گے تو آلِ محمدؐ کی مودّت میں ——— اور مریں گے تو آلِ محمدؐ کی مودّت میں۔ آلِ محمدؐ کی مودّت کے بغیر ہمارا گذارا ہوسکتا ہی نہیں۔

میرے محترم سامعین! میرا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔ کہ عشرہ محرم الحرام کی یہ مجالس بنام ہیں۔ آلِ محمدؐ کی مودّت میں۔ جو انھوں نے اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دی ——— اور اللہ کے حاکم الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے حسینؑ اپنے عزیزوں و جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے ——— ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنی شروع کیں ——— اور جب تمام گواہیاں ختم ہوگئیں ——— تو خود بنفسِ نفیس آگے بڑھے۔ اور شہادتِ عظمیٰ کا انعام لینے کے لئے سرِ مبارک جھکادیا ——— اللہ نے کہا۔ کیا چاہتے ہو؟ ——— نبوّت تو پہلے ختم کرچکا ——— امامت پہلے دے چکا ——— رحمت تمہاری والدہ کا حصہ تھی وہ مل چکی ——— رضا تمہارے باپ کو حاصل ہوئی ——— اب ایک شئے میرے پاس باقی ہے ——— اور وہ شہادتِ کبریٰ ہے ——— اور وہ تم لے لو ——— چنانچہ انعام دیا گیا ——— اور فرمایا گیا ———

"حسینؑ! آج سے جتنے میرے گھر ہیں۔ اتنے ہی تیرے گھر ہوں گے۔ جہاں جہاں میرا تذکرہ ہوگا ——— وہاں وہاں تیرا تذکرہ ہوگا ———"

چنانچہ یزیدؔ کے خلاف ڈگری ہوئی۔ وہ ذلیل و خوار ہوا۔ اور حضور امام حسینؑ کا نام عالم میں روشن ہوا۔

اللہ ہمیں مودّت محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے ـــــ اور میں آپ سے اتنا عرض کرتا ہوں کہ عشرۂ محرّم الحرام کا آغاز ہو چکا ہے اور دس دن حضور سیّد الشہداء کی سواری آپ لوگوں کی مہمان ٹھہرتی ہے۔ آپ ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں پورے ادب و احترام سے مجالس سماعت فرمائیں۔ یہ درس ہے ان بے کفن شہیدوں کا جو حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے آئے ہیں۔

بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

جب چیز ہو ایک ـــــ دعویدار ہوں دو

ایک ہو ـــ جھوٹا ـــــ ایک ہو ـــ سچّا

اگر

اس شے کے بگڑنے کا اندیشہ ہو جائے

تو

سچّا

گھر بیٹھ جاتا ہے

اللہ گواہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوند عالم کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمد وآل محمدؐ پر درود وسلام"

بزرگان محترم!

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حضور محمدؐ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا ہادی عطا فرمایا ہے ـــــ وہی ہمارے ہادی ہیں اور وہی ہمارے رسولؐ ہیں اور ہم ان کے ادنیٰ غلام ہیں ـــــ چونکہ رسولؐ پیدا ہی رسولؐ ہوتا ہے۔ نبی پیدا ہی نبی ہوتا ہے ـــ یہ نہیں کہ بعد میں کوئی ترقی کرکے پڑھ لکھ کے، محنت وریاضت کرکے وہ رسولؐ یا نبی بنتا ہے ـــــ نبی کو خدا پیدا ہی نبی کرتا ہے ـــــ تو جب حضورؐ پیدا ہوئے وہ اس وقت بھی نبی تھے ـــ جب اس دنیا میں نہیں تھے اس وقت بھی نبی تھے۔ جب یہ دنیا نہیں تھی، جب بھی نبی تھے ـــ جب یہ کائنات پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ اس وقت بھی نبی تھے ـــــ اور جب وقت کا لفظ ہی دنیا میں نہیں آیا تھا ـــ جب بھی نبی تھے ـــ جب کوئی وقت نہیں تھا ـــ جب بھی نبی تھے ـــــ اب اگر کوئی مجھ سے پوچھے "کب نبی تھے ـــ" حضورؐ جب سے نبی تھے جب لفظ "کب" نہیں پیدا ہوتا تھا ـــ بس وہ نبی تھے ـــ اور

اگر ان کی نبوت کی شہادت کسی نبی سے ہم لینا چاہیں ـــ تو ہمارے ابو البشر کے باپ جناب آدمؑ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں کب سے نبی تھے ـــ ہم ابھی مٹی اور پانی ہی میں تھا اور یہ نبی تھے ـــ" تو وہ نبی بنے۔ بلکہ نبی تھے ـــــ انہوں نے

چالیس سال تک اپنی نبوّت کا اعلان نہیں فرمایا ـــــ البتہ ! اپنے عمل سے، اپنی گفتگو سے اپنے طور و طریق سے ان لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھا دیا کہ

"یہ شخص نہ جھوٹ بولتا ہے نہ خیانت کرتا ہے یہ صادق بھی ہے۔ اور امین بھی ہے۔ اس کی ہر بات سچی ہے۔ اس کا ہر عمل درست ہے۔ جو یہ کرتا ہے "ٹھیک" ـــــ جو یہ کہتا ہے "ٹھیک" ـــــ اور یہ ماننے کون تھے ـــــ عرب کے نہ ماننے والے، جن کی صفت تھی کسی بات کو نہ ماننا۔ وہ مانتے تھے ـــــ وہ عرب! انہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومت کو نہ مانا۔ اور وہ فرزند صحرا! جو اتنا آزاد تھا کہ ریت کے ٹیلوں پر بیٹھ کر حکومت کے تخت کا مذاق اڑاتا تھا۔ اور آزادی کے ساتھ عرب کی کھلی فضا میں اپنی آزادی کے پرچم لہراتا ـــ کسی حکومت و سلطنت کو خاطر میں نہ لاتا تھا ـــ کسی فوج اور رسالے کو نظر میں نہ لاتا تھا۔ وہ ان نہ ماننے والوں کے بیچ میں ہے ـــ اور وہی نہ ماننے والے یہ مان گئے کہ یہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے ـــــ اور چالیس سال میں مسلسل یہ منوانے کے بعد جب رسولؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ "میں رسولؐ ہوں" ـــــ تو بات ذرا کچھ اور ہو گئی

وہی لوگ جو پاس بیٹھتے تھے۔ انہیں پاس نہ رہا۔ جن سے خون کا رشتہ تھا وہ لہو کے پیاسے ہو گئے جو گلے ملتے تھے۔ انہیں گلا پیدا ہو گیا ـــ جن سے پیار تھا وہ دور ہٹنے لگے ـــ جن کے دل موم کی طرح نرم تھے ـــ وہ سنگدل ہو کے پتھر مارنے لگے ـــ جو پھول کی طرح کھلتے تھے۔ وہ کانٹے بچھانے لگے ـــ جن کے ساتھ دوستی تھی۔ وہ دشمنی کے ساتھ پیش آنے لگے جن کے منہ مسکراتے تھے۔ وہ منہ بنانے لگے۔ جن کی عزت بڑھا دی تھی۔ وہ ذلیل کرنے کے درپے ہو گئے ـــ جن کے گھر بنا دیتے تھے۔ وہ گھر سے بے گھر کرنے کو تیار ہو گئے ـــ جو اپنے تھے۔ وہ غیر بن گئے۔ جو ادھر تھے

وہ اُدھر چلے گئے جو یہاں تھے وہ وہاں جا بیٹھے ـــــــــــــــــــ غرض
تمام کائنات اکٹھی ہو گئی۔ ایک اکیلے انسان کے مقابلے میں ـــــ دنیا بھر کے دولت والے
مال والے ـــ زر والے ـــ خزانے والے ـــ حکومت والے ـــ سلطنت والے
قبیلے والے ـــ خاندان والے ـــ زور والے ـــ ہمت والے۔ اِدھر والے
اُدھر والے ـــــــــــــــــــــــــــــــ غرض
ایک طرف ساری خدائی ـــــ اور کملی والا ایک طرف اکیلے کا اکیلا نمائندہ ـــــــ
اور اتنا بے بس نمائندہ! نہ سر پہ باپ کا سایہ، نہ اُستاد کا سایہ، نہ مربّی کا سایہ، نہ خاندان
کا سایہ، نہ کسی محافظ کا سایہ ـــــ حد یہ کہ نہ اپنا سایہ ـــــ اتنا بے سایہ انسان پوری
ہمت و استقلال سے میدان میں جم کے کہتا ہے "میں رسول ہوں"
مجھے اللہ نے رسولؐ بنایا ہے ـــــ آج نہیں تو کل تمہیں ماننا پڑے گا ـــــ اگر تم
سے اپنا کلمہ نہ پڑھوا دوں ـــــ تو آمنہ کا لعل نہ کہنا ـــ تمہیں ماننا پڑے گا ـــــ اور
یہ خدا جو تم نے بنا کے اٹھائے ہیں ـــــ یہ جو تم نے اپنے ہاتھ سے گھڑ لئے ہیں
ـــــ یہ تمہارے ہبل و منات، ـــــ تمہارے ہاتھوں سے نہ تڑوا دوں۔
تو عبداللہ کا بیٹا نہ کہنا۔

میرے سامعین!

محمدؐ نے دعویٰ کر دیا کہ "میں رسولؐ ہوں" ـــــ بس یہ کہنا تھا کہ میں رسولؐ
ہوں، ـــ ایک آگ، لگ گئی عرب میں ـــــ وہ دلیلیں دیتا ہے اپنے رسولؐ ہونے
کی ـــــ مگر عرب نہیں مانتے ـــــــ آخر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

"کافر کہتے ہیں کہ تو رسولؐ نہیں" ـــــــ انہیں جواب میں یہ کہہ دے
کہ اللہ میرے رسولؐ ہونے کا گواہ ہے"

کیوں سامعین!

ایمان سے بتانا ——— میں جو یہاں منبر پہ بیٹھا ہوں آپ کے سامنے
اگر میں یہ کہہ دوں کہ "میں نبی ہوں ——— آپ کیا کہیں گے؟ ———
یہی کہو گے نا ——— "ہم نہیں مانتے" ——— تو میں پوچھوں گا ——— "بھئی
کیوں نہیں مانتے ———"

"بس ، ہم نہیں مانتے ———" ——— تو میں کہتا ہوں جناب! میرے نبی
ہونے کی دلیل یہ ہے ——— کہ میرے نبی ہونے کا اللہ گواہ ہے ———"
اب میں نے اللہ کی گواہی پیش کر دی ——— اور آپ لوگوں نے اس
ہنسی میں ٹال دیا اس بات کو ——— دیکھو ، یہ اللہ کو گواہ کرتا ہے ، اب
اللہ کی گواہی لینے کون جائے ——— کون پوچھے اللہ سے کہ تو گواہ
ہے یا نہیں ——— اور نہ ہی اتنے مجمع میں سے کوئی اللہ کے گھر جانے
کو تیار ہے ——— اور اگر کسی کو زبردستی بھیج دو اور چلا جائے ———
تو وہ آ کے بتانا نہیں کہ اللہ نے کیا کہا ہے ——— اور یہ اللہ کے
گھر جانے کا جو رستہ ہے نا - یہ ہے ون وے (ONE WAY) ہے
قدرت کی ٹریفک کا ——— انسان آتا بھی اکیلا ہے ———
اور جاتا بھی اکیلا ہے ——— اللہ کے پاس جانے کے بعد کوئی آتا
ہی نہیں کہ اللہ نے کیا کہا ہے ——— تو اللہ کی گواہی کس طرح مانے
کوئی - کہ اللہ گواہ ہے ———

میرے محترم سامعین!

اللہ کے گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ
اگر دنیا میں کسی شخص کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے
——— تو سمجھو یہ اللہ کی گواہی ہے - اس کا اللہ گواہ ہے ——— ویسے اللہ زبان سے آ کے

کچھ نہیں کہتا ــــ اگر کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے۔ تو یہ اللہ کی گواہی ہے ــــ اور ناممکن بھی وہ جو عادتاً ناممکن ہو ــــ وہ ممکن ہو جائے۔ تو یہ اللہ کی گواہی ہے ــــــــ اور یہ ہمارے رسولؐ کی کوئی نئی بات نہیں تھی ــــ اس سے پہلے بھی بے گناہ اور معصوم ہستیاں اپنی عصمت کو ثابت کرنے کے لیے "اللہ کو گواہ" کرتی رہی ہیں ــــــ اور اللہ ناممکن کو ممکن بنا کر ان کی گواہی دیتا رہا ہے

مثال کے طور پر میں آپ سے عرض کروں کہ آج سے ۲۰۰۷ سال پہلے ایسا ہی ایک واقعہ پیش آ گیا تھا۔ کہ جناب مریمؑ کی عصمت خطرے میں تھی۔

ایک معصوم خاتون، ایک عبادت خانے میں رہنے والی خاتون، جو اللہ کی مہمان ہو کے رہتی تھی ــــ اور جب وہ اپنی گود میں ایک بچہ لے کے عبادت خانے سے باہر آئیں ــــ تو دنیا کے لیے اجنبی بات تھی ــــ اب لوگوں نے چاروں طرف سے آ کے گھیر لیا ــــ اور پوچھنے لگے۔

"مریمؑ! یہ بچہ گود میں کہاں سے آیا ــــ؟

(بنادُ۔ میرے محترم بھائیو! ان کا پوچھنا کوئی بے جا بات تو نہیں تھی۔ انہیں حق تھا پوچھنے کا ــــ کہ تم جو رہتی تھی خدا کے گھر میں ــــ تو یہ بچہ کہاں سے آیا ــــ) ــــ اب مریمؑ بیچاری کیا کہے ــــ وہ خود بڑی پریشان و گھبرائی ہوئی، گود میں بچہ لیے ہوئے۔ کہنے لگیں،

"میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میری بے گناہی کا میرا اللہ گواہ ہے ــــ

اب اللہ کس طرح گواہی دے ــــ؟

اللہ نے کہا ــــ میں گواہی دوں گا ــــ میری گواہی کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی ناممکن بات ممکن ہو جائے تو سمجھ لو کہ اللہ نے گواہی دی ہے ــــ اور اللہ نے مریمؑ کی پاکبازی کی بھی گواہی دے دی ــــــــ اور وہ کیسے!

کہ ایک دو گھنٹے کا بچہ۔ جس کا بولنا عادتاً ناممکن ہے اس کو ممکن بنا دیا ــــ

اور برخوردار نے پورے شباب میں بلند آواز سے کہا

"میں عبداللہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب عطا کی ہے ——— اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے ——— " ——— اور

سب اعتراض کرنے والے واپس چلے گئے ——— مریمؑ کو اطمینان ہوگیا ——— اور اگر ان جانے والوں کو روک کر کوئی یہ پوچھے ——— وہ نالائقو ——— تمہیں کیا ہوگیا ——— یہ تم نے کیا کیا ——— تم تو یہ کہہ رہے تھے کہ مریمؑ نے گناہ کیا ہے ——— مریمؑ نے قصور کیا ہے تم تو مریمؑ کی عصمت کے خلاف بات کر رہے تھے ——— اور گواہ جواب میں یہ نہیں کہتا "میری ماں بے خطا ہے" ——— "میری ماں معصوم ہے" ——— بلکہ وہ جواب میں یہ کہتا ہے کہ ——— "میں نبی ہوں" ——— تمہارا سوال یہ تھا کہ مریمؑ گنہگار ہے ——— اور وہ گواہ کہتا ہے کہ "میں نبی ہوں ——— " ——— اور تم خاموش ہو گئے - — — —

تو وہ یہودی جواب میں کہتے ہیں

"جناب خاموش نہ ہوں تو کیا کریں ——— ہم نے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں ——— ان میں لکھا ہے کہ جو بچہ نبی ہونا ہے اس کے ماں باپ گنہگار نہیں ہوتے ——— "

برخوردار بات ختم ہوئی۔ بچے نے بڑاں کے گواہی دے دی ——— اور ——— اگر آپ اجازت دیں ——— تو بطور معترضہ کے طور پہ ایک واقعہ آپ کو سناتا جاؤں ——— کہ جب ہمارے رسولؐ کا نواسہ خدا کے گھر میں پیدا ہوا ——— اور رسولؐ اسے لینے گئے خدا کے گھر سے ——— اور گود میں لیا جا کے بچّے کو ——— تو بچّے کی ماں نے یہ بات کہی ———

"محمد!

یہ بچّہ جیئے گا نہیں ——— "

کیوں؟ ——— رسولؐ نے پوچھا

تو بچّے کی ماں نے کہا۔

"اس میں زندہ رہنے کے آثار ہی ہی نہیں ــــ بچے کی جو زندہ رہنے کی علامتیں ہیں وہ اس میں ہیں ہی نہیں ـــ تین دن ہو گئے ایک تو اس نے آنکھ ہی نہیں کھولی دودھ بھی نہیں پیا ـــ اور تین دن ہو گئے یہ رویا ہی نہیں ـــ یہی زندہ رہنے کی علامتیں ہیں ـــــ نہ دودھ پیتا ہے، نہ روتا ہے اور نہ ہی آنکھیں کھولتا ہے یہ کیا زندہ رہے گا ـــــ"

رسولؐ نے بچے کو سینے سے لگایا اور فرمایا

"برخوردار ـــ تم نے آنکھ کیوں نہیں کھولی"

"جناب ۔ میں جس گھر میں پیدا ہوا ہوں ۔ اس کے طاقوں میں جھوٹے خدا رکھے ہیں ـــ اگر میں آنکھ کھولتا تو اُن سے نظر لڑ جاتی ـــ اور نظر لڑ جاتی تو ہو سکتا ہے توڑتے ہوئے مروت آجاتی ـــ اس لئے میں نے آنکھ نہیں کھولی ـــ اب آپ آ گئے ہیں ـــ تو لیجئے ۔ آنکھ کھول دی ــــــــــــــــــــــــــ"

اب رسولؐ نے پوچھا

"بچے ۔ ایک بات اور بتاؤ ـــ آنکھ تو تم نے کھول دی ـــــ مگر تم روئے کیوں نہیں ــــ"

"حضورؐ ۔ جی تو میرا بہت چاہا رونے کو ـــ مگر کعبہ میں میری ماں تھی ــــــ اور میں دوسرا اُس کا ساتھی تھا ـــ اور کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا ـــ اور ساتھی ہوتے ہوئے رونا مجھے پسند نہ آیا"

پھر رسولؐ نے پوچھا

"بچے ۔ تم نے اپنی ماں کا دودھ کیوں نہیں پیا ــــ"

"قبلہ ۔ بڑے زور کی بھوک لگی ہوئی تھی ــــ"

"ہاں ۔ بھوک لگی ہوئی تھی تو دودھ پی لیتے ــــ"

"قبلہ ۔ دودھ کیوں پی لیتا ـــــ بھوک تو ہے مجھے ـــ مگر آپ نے مجھے گواہ کر کے بلایا ہے ـــــ میں خود تو نہیں آیا ۔ آپ کا گواہ ہو کر آیا ہوں ــــــ اور جب گواہ ہو کر

آیا ہوں ـــــ تو دنیا کے وکیلوں سے پوچھ لو۔ کہ گواہ کا خرچ خوراک "مدعی" کے ذمہ ہوتا ہے ـــــ
لہذا آپ میری خوراک کا انتظام کریں تو میں پیئوں گا ـــــ"

رسولؐ نے اپنی انگشتِ مبارک دہن میں داخل کی ـــــ اُس سے دودھ جاری ہوا ـــــ
بچے نے منہ پھیر دیا ـــــ رسولؐ سمجھ گئے کہ گواہ ذرا تر مال چاہتا ہے ـــــ لہذا آپ نے ہاتھوں
پہ بلند کیا ـــــ اور اپنی زبانِ مبارک دہن میں داخل کردی ـــــ اب زبان سے جو دودھ جاری
ہوا تو خوب پیٹ بھر کے پیا ـــــ اور جب پی چکے۔ پیٹ بھر گیا۔ تو ننھے ننھے، پیارے
ہونٹوں سے زبان مضبوط پکڑ لی ـــــ

اب رسولؐ اشارے سے کہتے ہیں

"چھوڑو بھی ـــــ"

اور بچہ آنکھوں سے کہتا ہے

"ٹھہرو بھی ـــــ"

"پی چکے"

ہاں ـــــ پی چکے ـــــ"

پیٹ بھر گیا ـــــ"

ہاں۔ بھر گیا"

"اب ذرا زبان چھوڑو"

"نہیں چھوڑتا ـــــ"

اسی طرح رسولؐ کی زبان دہن میں لئے ہوئے گھر آ گئے ـــــ گھر کے بزرگوں نے
دیکھ لیا ـــــ تو
بچے نے آنکھوں آنکھوں میں بزرگوں سے اشارہ کیا "خاندان کے بزرگو! گواہ رہنا ـــــ
میرے پیدا ہوتے ہی محمدؐ مجھے "زبان" دے چکے ہیں" ـــــ

بہرنوع۔ یہ ایک ایسا ناممکن ہے جو ممکن ہوگیا ہے ـــــ اسے دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ اس میں خدا کا ہاتھ ہے ـــــ اس میں خدا کی گواہی ہے ـــــ

سامعین!

ایک دفعہ میں نے یہ بات مجلس میں کہہ دی ـــــ سننے والوں نے کہا ـــــ "بالکل جھوٹ ہے۔ غلط ہے" "تمہیں شرم نہیں آتی۔ منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتے ہو"

تو میں نے کہا

"حضور! جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولے اُس کے برابر کا کوئی بُرا ہے ہی نہیں ـــــ جھوٹ تو نہیں کہتا ہوں میں ـــــ"

"پھر صاحب! بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تین دن کا بچہ بولنا شروع کر دے ـــــ" ـــــ تو اب ان کو کون سمجھائے کہ جب اللہ گواہی دینا چاہتا ہے تو ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے ـــــ کسی کو یقین نہ آئے تو مریم سے پوچھ لے ـــــ جس کے ایک گھنٹہ بھر کے بچہ نے بول کے گواہی دے دی کہ "میں اللہ کا نبی ہوں ـــــ اور کتاب ساتھ لے کر آیا ہوں"

میرے محترم سامعین!

بتائیے۔ جذبات میں انسان کے اندر سب سے قوی جذبہ جو ہے۔ وہ جذبۂ غم ہے ـــــ غم سے بڑا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں ـــــ غم ایسی چیز ہے جو انسان کی صحت پہ اثر کرتا ہے۔ زندگی پہ اثر کرتا ہے ـــــ سب سے قوی جذبہ ہے جذبۂ غم ـــــ

مگر دنیا کا دستور یہ ہے کہ وہ اس جذبۂ غم کو مٹا دیتی ہے ـــــ وہی باپ! جو بیٹے کی محبت پہ آج مرنے کو تیار تھا۔ مگر مہینے بھر کے بعد جا کر دیکھو۔ تو وہ بھول ہی چکا ہوگا ـــــ سال کے بعد جا کر دیکھو تو یاد ہی نہیں رہا۔ گویا دنیا کا دستور ہے کہ وہ جذبۂ غم کو بہت جلد مٹا دیتی ہے۔

اور ایک طرف تو دنیا کا قانون یہ ہے کہ غم کو مٹائے ـــــ پھر اگر دنیا کے اس قانون کے ساتھ کچھ دنیاوی حکومتیں بھی شامل ہو جائیں ـــ اور غم کو مٹانا چاہیں ـــــ تو ایسا غم تو مٹ جانا چاہیئے مگر اتنی مٹانے کی طاقتوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی غم نہ مٹے ـــ تو ناممکن کا ممکن ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے۔ اس میں اللہ کا ہاتھ ہے ـــــ ورنہ اگر اللہ کا ہاتھ نہ ہوتا تو یہ مٹ جاتا ـــ اتنی طاقتوں کے باوجود کسی غم کا زندہ رہنا۔ یہ اللہ کا ہاتھ ہے ـــ اس کی حیثیت کی اللہ گواہی دیتا ہے ـــ

اور کربلا کا سارا واقعہ تو ہے ہی سارا اللہ کا ہاتھ ـــــ اگر اللہ کا ہاتھ اس میں نہ ہوتا ـــ تو یہ ناممکن باتیں ممکن نہ ہوتیں ـــــ یہ اللہ کا ہاتھ ہے بس ـــــــ ورنہ کس انسان میں یہ طاقت ہے۔ کس انسان میں یہ قوت ہے جب تک اللہ کا ہاتھ نہ ہو۔ کہ ایک بوڑھا باپ، اپنے جوان بیٹے کی میت اٹھائے ـــــ اور ہنس پڑے ـــــ یہ انسان کا کام ہے ہنس کے میت اٹھانی۔؟ یہ ماؤں کا کام ہے کہ بیٹوں کو کفن پہنا دیں مرنے کے لیے۔ اور رات بھر منتیں مانتی رہیں کہ صبح میرے بیٹے کی میت آئے ـــــــ؟ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہو رہا تھا ـــــــ

میرے سامعین!

ذرا غور کریں۔ ایک ایسا شخص! جس میں علیؑ کی طاقت ہے ـــــ علیؑ کی قوت ہے۔ اور اپنے زمانے کا حیدر کرارؑ ہے۔ اپنے زمانے کا علیؑ ہے ـــــــــــــــــــــــ

اور حسینؑ حکم دیتے ہیں اپنے زمانے کے علیؑ کو

"بھائی عباسؑ! میں تمہیں حکم دیتا ہوں ـــــ"

عباسؑ! حسینی فوج کا سپہ سالار ہے۔ سپاہی ہے۔ اور سپاہی کا مزاج ہی کچھ اور ہوتا ہے سپاہی کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں ـــــ اور اُدھر دشمن کی فوج ہے کہ بڑھتی چلی آ رہی ہے نویں محرم کی شام ہے ـــــ اور حسینؑ حکم دیتے ہیں۔ کہ اس بڑھتی ہوئی فوج کو روکو نہیں۔ بلکہ جا کر کہو

"حسینؑ تم سے ایک رات کی مہلت چاہتا ہے ـــ"

دنیا تو سمجھتی ہے ــــ یہ ناممکن ہے کہ عباسؑ جیسا آدمی اور غصہ کو روک لے ــــ مگر ناممکن کا ممکن ہونا ہی تو اللہ کا ہاتھ ہے ــــ اور ادھر حسینؑ نے عباسؑ کو حکم دیا کہ انہیں جا کے کہو

"ہمیں ایک رات کی مہلت دو۔"

عباسؑ نے اتنا جواب دیا

"مولاؑ! میں ــــ ان سے مہلت مانگوں!"

اور مولاؑ نے جواب میں کہا

"ہاں ــــ میں تمہیں حکم دیتا ہوں ــــ"

"بہت اچھا"

تلوار کھول کے دیں رکھ دی۔ گھوڑے پہ سوار ہوئے ــــ امامؑ نے احتیاطاً حضرت حبیب ابن مظاہرؓ اور حضرت زہیرؓ کو حکم دیا کہ تم دونوں بوڑھے بھی ساتھ جاؤ ــــ کہیں ایسا نہ ہو ــــ کہ عباسؑ کو کسی بات پہ غصہ آ جائے۔ کسی پہ جلال آ جائے ــــ

اب دائیں بائیں حبیبؓ اور زہیرؓ ــــ اور بیچ میں گھوڑے پر اپنے وقت کا حیدر کرارؑ ــــ فوج کے سامنے پہنچا ــــ گھوڑا رکا ــــ فوجیں بھی رک گئیں ــــ اور سر جھکا کے حبیبؓ سے کہتے ہیں

چچا حبیبؓ! وہ مہلت والی بات تم کہہ دینا ــــ مجھ سے نہیں کہا جاتا ــــ"

اور جب حبیبؓ نے کہا

"عباسؑ! آپ کے لئے حکم ہے مولاؑ کا ــــ"

تو سر جھکا کے۔ زبان میں لکنت۔ اور خاموشی سے کہتا ہے

"میرے مولاؑ کا حکم ہے ــــ ایک رات کی مہلت چاہیئے ــــــــ"

یہ کہتے ہی عباسؑ پسینے میں تر ہو گئے ــــ بدن میں لرزہ آگیا ــــ پورا بدن کانپ رہا تھا۔

اور فوج نے کہہ دیا

"مہلت ہے"

اب جو واپس لوٹے تو حبیبؓ و زہیرؓ دونوں بوڑھے آپس میں باتیں کرنے لگے ــــــــ

حبیبؓ نے زہیرؓ سے پوچھا

"زہیرؓ!

تمہیں یاد ہے نا ــــ جب اس جوان کی والدہ سے علیؑ کا نکاح ہوا تھا ــــ تو ہم دونوں نکاح

میں شامل تھے اس وقت ــــــــ"

زہیرؓ نے کہا

"ہاں ــــ مجھے یاد ہے"

اب حبیبؓ بولا

"زہیرؓ! نکاح کے وقت بھلا علیؑ نے کیا کہا تھا ــــــــ

یہی کہا تھا نا ــــ کہ اس خاتون کے بطن سے جو میرا بیٹا ہوگا ــــ وہ میری

شجاعت کا وارث ہوگا ــــ"

اب وہ بڈھا زہیر کہنے لگا

"ہاں ــــ بالکل یہی بات تھی"

حبیبؓ و زہیرؓ نے تو آپس میں یہ بات کی۔ اور قمر بنی ہاشم جناب عباس غازیؑ نے سُن کے گھوڑے

کی باگ روک لی ــــ اور ایک انگڑائی جو لی تو گھوڑے کی رکابیں ٹوٹ گئیں۔ اور بھرائی

آواز میں فرماتے ہیں

"چچا حبیبؓ!

ایسی باتیں کر کے مجھے شجاعت کا جوش دلا رہے ہو ـــــ لو۔ میں یہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم دونوں جاؤ ـــــ اور مولاؑ سے مجھے اجازت لادو ـــــ اگر کل سورج نکلنے سے پہلے کوفہ کے دارالامارہ پر حسینؑ کا علم نہ لہرا دوں۔ تو علیؑ کا بیٹا نہ کہنا ـــــ"

عباسؑ نے یہ فقرہ جو پورے جوش میں کہا۔ تو امامؑ یہاں سے اُٹھے ـــــ تیزی سے پہنچے۔ اور تینوں بزرگ گھوڑوں سے اتر آئے امامؑ کو آتا دیکھ کر ـــــ اور حسینؑ نے آ کے بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اور فرمایا

"میرے پیارے بھائی!

کیا بات ہے ـــــ تمہیں غصہ کیوں آ گیا ـــــ" ـــــ

"قبلہ!

میری کیا مجال ہے کہ تیرے حکم کے بعد غصہ کروں ـــــ یہ کچھ کہہ رہے تھے۔ میں نے بات کر دی ـــــ"

اور حسینؑ، بھائی کے گلے میں باہیں ڈالے ہوئے خیمے میں لے آئے ـــــ اور دنیا نے دیکھا کہ اللہ نے اپنی گواہی دے کر کس طرح ہر نا ممکن کو ممکن بنا دیا ـــــ یہ مجالس یہ عزاداری ختم ہو جاتی۔ اگر اسمیں اللہ کا ہاتھ نہ ہوتا ـــــ انہوں نے اللہ کے مالک الملک ہونے کی شہادت دی ـــــ اور اللہ نے ان کی شہادت کی گواہی دے دی۔

اور سامعین!

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے اللہ نے آگ گلزار کر دی ـــــ اس میں اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ جانے ہوئی ہوگی یا نہیں ـــــ تو میں عرض کرتا ہوں

پرانی بات کی کیا بات ہے ـــــ تم آج ہی جا کے دیکھ لو ـــــ

آج بھی مجلس کے بعد آگ پہ ماتم ہوگا ۔۔۔۔ وہاں بھی گلزار ہوئی تھی۔
یہاں بھی دیکھ لیا ۔۔۔۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ جانے کیا کہا ہوگا
جس سے آگ گلزار ہوگئی تھی ۔۔۔۔ ہمیں جو فقرہ یاد ہے ۔۔۔۔ وہ
ہم کہدیں گے۔ اور وہ یہ کہ ایک دفعہ کہا
"ہائے حسینؑ" ۔۔۔۔ آگ بجھ گئی ۔۔۔۔

سامعین!

"ہائے حسینؑ" کہنے سے یہ آگ بجھ کیوں جاتی ہے ۔۔۔۔
حسینؑ کا نام سن کے آگ شرما جاتی ہے ۔۔۔۔ جہاں حسینؑ کا نام لیا۔
آگ کو شرم آگئی ۔۔۔۔

بات کیا ہے ۔۔۔۔؟

آگ جانتی ہے کہ میں وہی آگ ہوں نا ۔۔۔۔ جس نے حسینؑ
کے خیمے جلائے تھے ۔۔۔۔ اس لئے یہ نامراد آگ شرما
جاتی ہے ۔۔۔۔ اور

سامعین!

وہاں صرف مردوں نے جاکر آگ پہ ماتم دیکھنا ہے
۔۔۔۔ اس لئے کہ مستورات کے لئے وہاں پردے کا کوئی
انتظام نہیں ہے ۔۔۔۔ اور وہ اس لئے بھی کہ ۔۔۔۔
پردہ نشین عورتیں آگ کو دیکھ چکی ہیں ۔۔۔۔ کربلا میں اُن پہ
گذر چکا ہے واقعہ ۔۔۔۔

اور مردوں نے چونکہ آگ میں جلتے خیمے دیکھے نہیں جب
خیموں میں آگ لگی تھی ۔۔۔۔ مرد نہیں تھے ۔۔۔۔ عورتیں دیکھ چکی ہیں۔۔۔۔

لہٰذا صرف مرد ہی جائیں گے آگ پہ ماتم دیکھنے کے لئے ——

اللہ ہمیں مودت محمد و آلِ محمد عطا فرمائے — اور ہم ان کی مودت میں جئیں
اور ان کی مودت ہی میں مریں۔

بحق محمد و آلِ محمد
"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"
(اللھم صلی علیٰ محمد و آلِ محمد)

~.:.~

اے آلِ محمد!

اچھے غلاموں کو "اپنا" کہنا تو ہر آقا کا
کام ہے ——————

تمہاری شان تو یہی ہے کہ ہم جیسے
گنہگاروں کو "اپنا" کہدو۔

(خطیبِ آلِ محمد)

معرفتِ امامؑ

(شہادت حضرت سعیدؓ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"خداوند عالم عزّ اسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام"

حضرات گرامی!

اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے پاس آج ذریعۂ علم دو چیزیں ہیں ـــ ایک کتابِ خدا۔ ایک حدیثِ رسولؐ۔ جسے کتاب و سنت کہا جاتا ہے

کتاب کے متعلق تو تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ـــ اختلاف معانی میں ہو جاتا ہے۔ ورنہ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے۔ اُسے دنیا کے تمام مسلمان مانتے ہیں ـــــــ اور سب کا ایمان ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور کتاب اللہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ سب کا ایمان ہے کہ یہ کتاب اللہ ہے اور خدا کا کلام ہے ـــــــ اس میں کوئی شک و شبہ ہے ہی نہیں ـــــــ

اور حدیث رسولؐ جو ہے۔ وہ حضور رسالت مآبؐ کا فرمان ہے ـــ اللہ کی کتاب کی تشریح و توضیح ہے۔ جسے "حدیث" کہتے ہیں ـــــ اور جہاں تک حدیثوں کا تعلق ہے ـــ اس میں مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا قوی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط ہے ـــ یہ حدیث ہے یا نہیں ہے ـــــ یہاں تک اختلاف برداشت ہو سکتا ہے ـــ

یہ ایک تحقیق ہے ـــــ اور انسان کو تحقیق کرنی چاہیئے کہ واقعاً یہ رسولؐ نے فرمایا ہے یا نہیں ـــــ مگر ان اصول و قواعد کے مطابق جو کسی حدیث کو پرکھنے کے لئے علمائے حدیث نے معین کیئے ہیں ـــــ اور ان اصول کے مطابق جب یہ طے ہو جائے ، کہ واقعاً یہ رسول کا فرمان ہے ـــــ تو پھر اس کا نہ ماننا وہی ہے جیسے کتابِ خدا کا نہ ماننا ـــــ گویا یہاں تک تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ہے بھی کہ نہیں ـــــ مگر جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ واقعاً یہ حضورؐ نے فرمایا ہے ـــــ تو پھر اس میں شک کرنا یا نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسا کتابِ خدا کا نہ ماننا ـــــ اس لئے کہ حدیث جو ہے ۔ اصل میں یہ تفسیر ہے ۔ تاویل ہے ۔ تعبیر ہے کتابِ خدا کی ـــــ اس سے انکار کرنا گویا کتابِ خدا سے انکار کرنا ہے ۔

اور مختصر سے لفظوں میں یہ بات بھی سناتا جاؤں کہ کتابِ خدا (میری مراد ہے ، صرف "قرآن" ، ورنہ کتابِ خدا اور بھی ہیں) ـــــ آج روئے زمین پر ایسی کتاب ہے ، جس کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ "لَا رَیْبَ فِیْہِ" "اس کتاب میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں ـــــ " ورنہ دنیا کی کسی کتاب پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "لَا رَیْبَ فِیْہِ" ہے ـــــ یہ صرف اس کتاب کی خصوصیت ہے جو اعلان کرتی ہے اس بات کا کہ "لَا رَیْبَ فِیْہِ" "اس میں ریب" ہو سکتا ہی نہیں ـــــ اس میں کوئی شک ہو سکتا ہی نہیں ـــــ اس کی بات کبھی غلط ہو سکتی ہی نہیں اس کا مصنّف وہ ہے جو کبھی غلط بات کہہ سکتا ہی نہیں ـــــ اور اس ساری کائنات کا پیدا کرنا ـــــ یہ خدا کا فعل ہے ـــــ اور "قرآن" خدا کا قول ہے ـــــ اور یہ کبھی ہو سکتا ہی نہیں کہ ایک حکیم مطلق کے قول و فعل میں اختلاف ہو ـــــ جو قول ہے وہی فعل ہے ـــــ جو فعل ہے وہی قول ہے ـــــ اور اگر کہیں غلطی نظر آ جائے ۔ تو یہ سمجھیئے ۔ یہ ہماری سمجھ کی غلطی ہے ۔ ورنہ غلطی نہیں ہے ۔

سامعین ! ایک شخص سے کسی نے کہا ـــــ "تیری آنکھیں ٹیڑھی ہیں ،
تجھے ایک کے دو نظر آتے ہیں "

تو اس نے کہا

"بالکل غلط۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تو ایک کا ایک ہی نظر آتا ہے ــــــ اگر مجھے ایک کے دو نظر آتے تو چاند مجھے چار کیوں نہ نظر آتے ــــــ دو ہیں۔ دو ہی نظر آتے ہیں ــــــ"

بھائیو ــــــ اس بات کا علاج نہیں کسی کے پاس ــــ یہ ہماری نظر کی غلطی ہے ــــ ہمارے سمجھنے کی غلطی ہے ــــ ورنہ کتاب میں تو کوئی "ریب" ہو سکتا ہی نہیں۔

اب یہ خود عقل انسانی بتاتی ہے ــــ کہ اگر کتاب ایسی ہے کہ "لاریب فیہ" ہے ــــ جس میں "ریب" ہو سکتا ہی نہیں ــــــ تو اس کا مفسر بھی وہ ہونا چاہیئے ــــ جس کی صفت ہو "لا عیب فیہ"، جو نہ غلطی کرنے والا انسان ہو ــــ " ــــ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ غلطی کرنے والا انسان مفسر بن بیٹھے اس کتاب کا جس میں "ریب" ہے ہی نہیں ــــــ "لا ریب فیہ" کا مفسر بھی وہی ہو جو "لا عیب فیہ" ہو ــــ جس سے کبھی غلطی ہو سکتی ہی نہ ہو ــــ ایسا مفسر ہونا چاہیئے "کتاب اللہ" کا ــــــ

حضور والا!

لوگ کہتے ہیں کہ انسان میں عقل ہے اور حیوان میں عقل نہیں ہے ــــــ حالانکہ یہ غلط ہے ــــ حیوان بھی بڑا عقل مند ہوتا ہے ــــ بلکہ بہت سے حیوان تو انسانوں سے زیادہ عقل مند ہیں ــــ بہت سے حیوان دنیا میں ایسے ہیں جو انسانوں سے زیادہ عقل مند ہیں ــــــ اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو میں ابھی مثال دیتا ہوں آپ کے سامنے ــــــ کسی لمبے چوڑے قد کے حیوان کی نہیں ــــ بلکہ ایک ننھا سا حیوان ــــ ایک چھوٹی سی جان ــــ دیکھنے میں بے حقیقت ــــ مگر انسانوں سے زیادہ ذی عقل ــــ اسے کہتے ہیں "شہد کی مکھی"۔

ساری دنیا کے انسان مل کے ذرا مقابلہ تو کر دیکھیں اس شہد کی مکھی کی عقل کا ــــ کتنی عقلمند ہے یہ ــــ آپ بھی گھر بناتے ہیں ــــ دو منزلی، پانچ منزلی، دس منزلی، بیس منزلی ہم نے کوٹھی بنائی ــــ مگر اس کے بنانے میں سینکڑوں معماروں کی خوشامد کرنا پڑی ــــ اور خدا جانے ہزاروں مصیبتیں ہیں ــــ جب جا کے کہیں عمارت بنی ــــ گھر تیار ہوا ــــ مگر شہد کی مکھی ــــ ایک ننھی سی جان! جب یہ گھر بنانے پہ آتی ہے ــــ تو یہ کس شان سے گھر بناتی ہے ــــ اس کو نہ کسی معمار کی خوشامد کرنا پڑی۔ نہ کسی انجینیئر کی خوشامد کرنا پڑی۔ نہ کسی نقشہ نویس کی خوشامد کرنا پڑی

اپنے گھر سے اڑی ــــ سیدھی باغ میں پہنچی ــــ (مگر باغیوں کی طرح نہیں ــــ وفاداروں کی طرح)ــــ سب پھولوں کو دیکھا ــــ ہر پھول پہ پھُولی نہ سمائی ــــ ہر پہ نہیں ــــ سمجھ گئی گلستاں پھولوں میں سے انتخاب کیا کہ ــــ "میرے قابل کونسا ہے" ــــ یہ سب ایک ہی باغ کے پھُول ــــ مگر ایک باغ میں ہونے سے شہد کی مکھی ہر پھول پہ نہیں بیٹھتی ــــ وہ دیکھتی ہے ــــ "میرے لئے مناسب کونسا ہے" اور پھر وہ مناسب پھُول کے پاس پہنچتی ہے ــــ اور جا کے پھُول کو ستاتی نہیں ــــ اُسے پریشان نہیں کرتی ــــ اس کی پتّیاں نہیں بکھیرتی ــــ اس کی موت نہیں لاتی ــــ بلکہ بڑے ادب سے پھول کے قریب جا کے کہتی ہے

"سلام علیکم"

اور پھول کہتا ہے جواب میں ــــ "علیکم السلام"

بس پھُول کا منہ کھُلا اور یہ گود میں بیٹھ گئی ــــ اور گود میں بیٹھ

کے آرام سے گفتگو شروع کر دی۔ اور اس نو را کے ساتھ بات کرتی ہے پھول سے ـــ کہ یہ بات کرتی رہی اور پھول سنتا رہا ـــ یہ اپنی خوراک جمع کرتی رہی پھول کو پتہ بھی نہ چلا ـــ عارضِ گل پہ خراش بھی نہ آیا ـــ دامنِ گل پہ گرد بھی نہ پڑی ـــ اور اس نے اپنی شے اکٹھی بھی کر لی ـــ اب گھر لے کے آ گئی ـــ اور ایسا عجیب گھر بنایا کہ گھر کا گھر بھی بنتا رہا اور خوراک کا ذخیرہ بھی اکٹھا ہوتا رہا ـــ اگر ہمارا بنایا ہوا گھر ٹوٹ جائے تو ملبے کا ڈھیر ـــ اور اس کا بنایا ہوا گھر ٹوٹ جائے تو ـــ "لوگوں کے لئے شفا بھی ہے اور لذت بھی ہے"

اب بتاؤ!

شہد کی مکھی تم سے زیادہ ہوشیار ہے یا نہیں ـــ

تو آپ کہیں گے ـــ "ہوشیار نہیں ہے ـــ"

"بات کیا ہے!ـــ کہ وہ جو گھر بناتی ہے "ـــ"

اللہ اُسے "وحی" کہتا ہے ـــ اور ہم جو بناتے ہیں ـــ ہم اپنی عقل سے بناتے ہیں ـــ وہ بناتی ہے "وحی" سے ـــ اور ہم بناتے ہیں اپنی عقل سے ـــ

بس یہاں سے پتہ چلتا ہے ـــ کہ اپنے بنائے ہوؤں اور "وحی" کے بنائے ہوؤں میں کیا فرق ہے ـــ جو "وحی" سے بنے۔ اُن کی کیا شان ہے ـــ اور جو ہم بنائیں ان میں کیا مصیبت ہے ـــ اور ایسا عظیم گھر بن کے تیار ہوتا ہے ـــ اب بتاؤ! شہد کی مکھی ذی عقل ہے کہ نہیں ـــ اس کے عقل مند ہونے میں آپ کو انکار تو نہیں ـــ

بہر نوع۔ یہ سب جانور عقل مند ہیں۔ ان میں بھی عقل ہے۔ ان میں بھی سمجھ ہے۔ جو ان سے مروت سے پیش آئے۔ اس سے پیار کرتے ہیں ـــ اور جو ڈنڈا لے کر مارنے بھاگے ـــ

تو فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ اچھوں سے محبت اور بُروں سے نفرت کا مادہ ان میں بھی موجود ہے ـــــــ اور جس راستے سے ایک دفعہ گذر جائیں۔ کیا مجال جو اس راستے کو بھول جائیں۔ ہم چاہے بھول جائیں ـــــ مگر وہ اُسی راستے پہ چلیں گے۔ اور اگر خطرہ سامنے آجائے ـــ تو وہیں رُک جائیں گے ـــ کیا مجال جو آگے بڑھ جائیں ـــــ مالک کی حفاظت اور اطاعت بڑی شان کے ساتھ کرتے ہیں ـــــــ

یہاں تک کہ دنیا کا نجس ترین جانور ہے کُتا، ـــ اور کُتے کو اسلام نے بڑا ہی نجس جانور قرار دیا ہے ـــ مگر اس نجس جانور کی شرافت بھی آپ نے دیکھی ہوگی ـــــــ اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے ـــــ غیر کو آنے نہیں دیتا ـــــ یہ کُتا مگر اس میں بھی یہ خوبیاں ہیں ـــــــ صرف اس لئے پالنے سے روک دیا ہے۔ کہ اس میں ایک عیب ہے ـــــــ اور وہ یہ۔ کہ "غیر کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ اور اپنی جنس کو کاٹنے کو دوڑتا ہے"ـــ اگر تم اسے گھر میں پالو گے تو کہیں تمہیں یہ عادت نہ پڑ جائے۔ کہ "اپنے بھائیوں سے لڑو ـــ اور غیر کی خوشامد کرو ـــ" ـــــ یہ عیب ہے ان میں ـــ ورنہ جناب ـــ بڑا اچھا جانور ہے ـــــ ساری عقل مندیاں ہیں اس میں ـــــ سارے شعور ہیں اس میں ـــــ۔

انسان تو خواہ مخواہ اکڑتا ہے کہ مجھ میں عقل ہے ـــــ حالانکہ اس سے زیادہ ان حیوانوں میں عقل ہے ـــــ فرق کیا ہے ـــــ انسان ناطق ہے ـــ اور حیوان بیچارہ ناطق نہیں ـــــــ

اب ناطق کے معنیٰ کیا ہیں ـــــــ؟

بولنے والا ـــــ "ـــــ یہ غلط ہے ـــــ وہ بھی بولتا ہے ـــ یہ اور بات ہے کہ آپ ان کی بولی نہیں سمجھتے ـــــ اور آپ کے نہ سمجھنے سے تو ان کی بولی میں کوئی فرق نہیں آیا ـــــ جس طرح انسان، انسان کی بولی نہیں سمجھتا ـــ ابھی بیان کرچکا ہوں:

ہچینی زبان بولنے لگے ـــــ حالانکہ وہ انسان ہے ـــ بول رہا ہے ـــــ مگر
آپ کیا کہیں گے۔

"میاں۔ بیٹھ جا۔ کیا "چیں چیں" شروع کر دی"

ـــــ حالانکہ انسان ہے ـــ بول رہا ہے ـــ مگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ـ
جب انسان، انسان کی زبان نہیں سمجھ سکتا ـــ تو حیوان کی بھی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے
ـــ ورنہ حیوان بولتے ہیں ـــ یہ غلط بات ہے کہ وہ نہیں بولتے ـــ حیوان بولتے ہیں
ـــ نطق اُن میں بھی ہے ـــ اگر اُن میں نُطق نہ ہوتا۔ تو قرآن میں یہ لفظ نہ ہوتا کہ
"ہم نے سلیمانؑ کو "منطق طائر" سکھائی ہے ـــ" ـــ طائروں کا نطق سمجھنا سکھایا
ہے ـــــ صاحبان! دیکھیئے۔ جانور کا بولنا میں قرآن سے بتاتا ہوں ـ کہ جانور
بولتا ہے ـــ اور جانور بھی ایک ننھا سا جانور "چیونٹی" ـــ ہے نا ننھا سا جانور ـــ
مگر بولتا ہے ـــ قرآن میں بھی موجود ہے کہ بولتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے کہ "

" بولی ایک چیونٹی "

کیا کہا بول کے اس چیونٹی نے اپنی باقی برادری سے کہ "اپنے اپنے گھروں میں چلے
جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کی فوج تمہیں کچل دے اپنے پیروں کے نیچے ـــ" ـــ
ـــ اب اس کی بولی حضرت سلیمانؑ نے سمجھ لی تو انہوں نے حکم دیا
"اس چیونٹی کو گرفتار کر کے لے آؤ"

اب چیونٹی کی گرفتاری کے آرڈر ہو گئے ـــــ مگر
صاحبان!

تم ہی ایمان سے کہو۔ اگر ملزم چیونٹی ہو۔ تو پولیس کونسی گئی ہو گی

اُسے پکڑنے کے لئے ـــــــ کوئی مچھّر وغیرہ بھیج دیا ہوگا کہ

"جاؤ۔ چیونٹی کو گرفتار کر کے لے آؤ ـــــــ"

اور چیونٹی بیچاری کے ہاتھ پاؤں باندھ کے حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کر دیا گیا ـــــــ اب ننھی سی جان ـــــــ ذرا سا دل ـــــــ اس کا دل تو دھک دھک کرنے لگا ـــــــ

اتنے بڑے شہنشاہ کے سامنے ایک بیچاری چھوٹی جان "چیونٹی" ملزم کی حیثیت سے کھڑی ہے۔

سلیمانؑ نے کہا

"یہاں لاؤ ـــــــ" ـــــــ اور چیونٹی آگئی ـــــــ

"بولو ـــــــ تم مجھے ظالم سمجھتی ہو ـــــــ" حضرت سلیمانؑ نے غصّہ میں پوچھا ـــــــ

"نہیں جناب" چیونٹی نے بڑی عاجزی سے جواب دیا ـــــــ

اب سلیمانؑ فرماتے ہیں

"چیونٹی!

تم سمجھتی ہو کہ مجھے نظر نہیں آتا کہ تم چل رہی ہو"

"جناب آتا ہے"

"پھر تم نے کیوں کہا ـــــــ اپنی برادری سے کہ ہٹ جاؤ۔ سلیمانؑ کہیں تمہیں کچل نہ دیں ـــــــ ہم راستے میں کچلتے ہیں کسی کو ـــــــ تم نے یہ بات کیوں کہی ـــــــ"

چیونٹی نے عرض کی

"حضورؑ۔ گذارش یہ ہے ـــــــ کہ ذرا میرے ہوش و حواس ٹھیک ہو لینے دیں۔ پھر جواب دوں گی ـــــــ"

جب چیونٹی کے ذرا ہوش و حواس ٹھیک ہوئے ـــــــ تو بولی

"قبلہ!

گذارش یہ ہے۔ کہ ہماری نماز کا وقت تھا۔ اور ہماری ساری برادری آپ کی فوج کا تماشہ

بکنے لگی ـــــ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں تماشے میں نماز نہ قضا ہو جائے ـــ اس لئے میں نے انہیں ڈرا کے ہٹا لیا تھا ـــ کہ نماز ان کی قضا نہ ہو جائے ـــــ ہماری عبادت ضائع نہ چلی جائے ـــ "

"اچھا ـــ یہ بات تھی" ـــــ اب سلیمانؑ بہت خوش ہوئے

"شاباش . تم نے بڑا اچھا کیا ہے ـــ تم بہت اچھی ہو چیونٹی ـــ "

اب سلیمانؑ نے چیونٹی کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پہ بٹھا لیا . اور ہتھیلی پہ بٹھا کے فرمایا

"چیونٹی ! تم نے بڑا اچھا کیا ہے ـــ ہم تم سے بہت خوش ہوئے ـــ "

اب ذرا چیونٹی کی بھی جان میں جان آگئی ـــــ اور حضرت سلیمانؑ چیونٹی کو ہاتھ کی ہتھیلی پہ بٹھا کے کہنے لگے

"چیونٹی ! تم بہت ہوشیار ہو ـــ ایک بات بتاؤ ـــ تم بہتر ہو یا میں ـــ ؟"

سامعین !

چشم بدور . آپ پڑھے لکھے حضرات تشریف فرما ہیں ـــ ایک بات بتاؤں ـــ کہ اگر چیونٹی یہ کہدے سلیمانؑ سے کہ ـــ "آپ بہتر ہیں" ـــ تو یہ سلیمانؑ کی توہین نہیں ـــــ کہ کون سلیمانؑ ؟ ـــ جو چیونٹی سے بہتر ہے "

اسی لئے تو کہتا ہوں کہ جب مقابلہ کیا کرو تو کسی مقابلے والے سے کیا کرو .

اب سلیمانؑ کو انتظار ہے کہ چیونٹی کیا جواب دیتی ہے .

سلیمانؑ پوچھتے ہیں

"چیونٹی ! بولو نا ـــ "

"قبلہ کیا بتاؤں ـــــ " اگر یہ بتاؤں کہ آپ مجھ سے بہتر ہیں ـــــ تو مجھ سے بہتر ہونا بھی کوئی بات ہے ـــ "

"پھر کچھ تو کہو"

"قبلہ . اگر آپ مجبور ہی کرتے ہیں ـــ تو ایک بات کہتی ہوں ـــ کہ اس وقت

آپ کو کیا شے اٹھائے ہوئے ہے ——"

سلیمانؑ نے کہا

"ہوا" —— ہوا کے اوپر میرا تخت ہے ——"

اب چیونٹی نے کہا

"عالی جاہ! آپ کو تو اٹھائے ہوئے ہے "ہوا" —— اور مجھے کیا اُٹھائے ہوئے ہے ——"

سلیمانؑ نے کہا

"میرا ہاتھ" —————————— تو چیونٹی بولی ——

"اب قبلہ آپ ہی بتائیں —— وہ بہتر ہے جسے ہوا اٹھائے ہوئے ہے یا وہ بہتر ہے جسے نبیؑ اٹھائے ہوئے ہے ——"

سلیمانؑ بہت خوش ہوئے —— اور واپسی پر اُسے چھوڑ دیا جہاں سے اُسے اٹھایا تھا اور یہ بات چیونٹی کی طرح آج تک کئی کتابوں میں آگئی —— بات تو چیونٹی کی تھی —— مگر ہمارے دلوں میں آج بھی چیونٹی کی چال کی طرح چل رہی ہے —— کہ اگر نبی کسی کو اٹھالے —— چاہے وہ چیونٹی ہی کیوں نہ ہو —— اس کی بات ہی اور ہے۔ اس کی شان ہی اور ہے —— اس کا انداز ہی اور ہے —— اس کا وقار ہی اور ہے ——

اب اس کے مقابلے کا ایک واقعہ اور سُن لیجیے۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ جناب حضرت سلمان فارسیؓ چلے جا رہے تھے مدینے سے باہر ایک جنگل میں —— اتفاق سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں یہ چیونٹیاں اپنے دَل سے نکل آئیں —— تو سلمان فارسیؓ نے اس دَل کو دیکھ کر کہا ——

"پاک ہے وہ ذات جو ان کی تعداد کو جانتی ہے ——"

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا

"سلمانؑ! توبہ کر ــــــ یہ کیا کہہ دیا تو نے ــــــ بلکہ یوں کہو کہ وہ پاک ہے، وہ ذات جس نے انہیں پیدا کیا ہے" ــــــ اور رہی تعداد! وہ تو میں بھی جانتا ہوں ــــــ اور تری تعداد ہی نہیں جانتا ــــــ بلکہ یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے ہیں ــــــ ان میں جوڑا کتنے ہیں۔ ان میں فرد کتنے ہیں ــــــ یہ کہاں جا رہے ہیں اور کہاں سے آ رہے ہیں ــــــ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں ــــــ "اور سلمانؓ! ادھر آؤ ــــــ تجھے بتا دوں۔ تو بھی سمجھ لے ــــــ"

آپ نے سلمانؓ کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا ــــ اور سلمانؓ سمجھنے لگا چیونٹی کی بات ــــ تو ان چیونٹیوں کا سردار اپنی برادری سے یہ کہہ رہا تھا

"جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکل کے باہر آؤ ــــــ"

سامعین!

حضرت سلیمانؑ کے وقت چیونٹی اپنی برادری سے کہہ رہی تھی ــــ "اپنے گھروں میں جاؤ"، اور وہ اس لئے کہہ رہی تھی کہ کہیں عبادت میں فرق نہ آجائے ــــ اس لئے "اپنے گھروں میں جاؤ" ــــــ

اور یہاں جناب امیرؑ کے وقت چیونٹی کا سردار اپنی برادری سے کہہ رہا ہے کہ

"جلدی جلدی اپنے گھروں سے نکل کے باہر آؤ۔ کیونکہ وہ آگیا ہے ــــ جس کا چہرہ دیکھنا ــــ عبادت ہے ــــ" ــــــ

پھر تو یہ جانور بھی عقل مند ہیں ــــ ان میں بھی شعور ہے ــــ یہ بھی سمجھتے ہیں ــــ بولتے ہیں ــــ یہ اور بات ہے کہ ہمیں ان کی اس سمجھ کا شعور نہیں ہے۔ ورنہ وہ بولتے۔ ان میں بھی شعور ہے ــــ اور ان ہی چیزوں سے قدرت اپنے مظہر کا تعارف کرواتی ہے ــــ یہ گواہی ہے قدرت کے مظہر کی ــــ حالانکہ بظاہر یہ ناممکن ہے کہ ہم ان جانوروں کی عقل و شعور

کو انسانی عقل کے برابر سمجھیں ـــــ مگر جب خدا چاہتا ہے تو اپنی قدرت کی گواہی دینے کے لئے وہ ان جانوروں کی عقل و شعور کا تعارف کرواتا ہے ـــــ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی قدرت کیا ہے ـــــ اس کا شاہکار کیا ہے

میرے سامعین !

جب کسی ناممکن بات کو ممکن کر دکھانا ہو۔ تو اللہ اپنی قدرت کے ذریعہ اس کی گواہی دیتا ہے ـــــ اور اللہ والے اس گواہی کی ضمنی ٹھہرنے کے لئے اپنی شہادت پیش کر دیتے ہیں۔ لفظِ شہادت کے معنیٰ بھی یہی ہیں جو گواہی کے معنیٰ ہیں ـــــ

اب آج ہمارے رسولؐ کا نگینہ کربلا میں بیٹھا ہوا ہے ـــــ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے حسینؑ ابن علیؑ اپنے عزیزوں و جانثاروں کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں ـــــ ساتویں تک مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی ـــــ دسویں محرم کو گواہیاں پیش کرنا شروع کر دیں ـــــ اور خاندانِ رسول گواہی دے رہا ہے کہ

"لوگو !

جو کچھ ہمارے جدنے کہا ہے ـــــ جو کچھ اللہ نے کہا ہے ـ جو کچھ کتاب اللہ نے کہا ہے ـــــ وہ بالکل حق ہے ـــــ اس میں کوئی غلطی نہیں ـ اور اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی ـــــ تو ہم اتنی بڑی قربانی نہ دیتے ـ ہم اسکی گواہی دینے آئے ہیں ـ ہم اس کی شہادت دینے آئے ہیں ـــــ

اور لطف یہ ہے میرے پیارے بھائی ۔

سینکڑوں آدمی ساتھ ہیں سبق سکھ اور مو ٗ انہیں فرماتے کیا ہیں۔

۔بھائیو! میں مرجاؤں گا ـــــ جو میرے ۔ا ہوں گے وہ بھی مریں گے ۔ کفن نہیں ملے گا ـــــ قبر نہیں ملے گی ـــــ کہ بچے قید ہو جائیں گے ـــــ عورتوں کے سر پر چادر نہیں رہے گی ـــــ اگر یہ مصیبت منظور ہو تو

میرے ساتھ ٹھہرو ۔۔۔۔۔ ورنہ جاؤ ۔۔۔۔۔"

سینکڑوں آدمی چلے گئے ۔۔۔۔ سینکڑوں آدمی واپس بھیج دیئے ۔۔۔۔ اچھے خاصے جوان بہادر۔ جن کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی ۔ ان سب کو مولاؑ نے واپس بھیج دیا ۔۔۔۔ آخر چھٹ کے بہتر رہ گئے ۔

اب پوچھے کوئی ۔ "مولاؑ !

وہ واپس کیوں بھیج رہے ہو ۔۔۔۔"

مولاؑ فرمائیں گے

"مجھے اُن کی ضرورت نہیں ۔۔۔۔"

اب جو کئی منزلوں سے حسینؑ کے ساتھ تھے۔ انہیں تو مولاؑ واپس بھیج رہے ہیں ۔۔۔۔ اور اپنے گھر بیٹھا ہے "حبیبؓ"، اُسے خط لکھ رہے ہیں کہ آجاؤ۔

آپ نے غور فرمایا ۔ اگر ضرورت تھی اپنے مددگاروں کی تو انہیں کیوں بھیج دیا ۔۔۔۔ اور ضرورت نہیں تھی تو اُسے کیوں بلا رہے ہیں ۔۔۔۔ تو حسینؑ فرماتے ہیں

"سنو !

میں لڑنے نہیں جا رہا ہوں۔ جو انہیں ساتھ رکھوں ۔۔۔ میں شہادت کے لئے جا رہا ہوں ۔۔۔ مجھے وہ آدمی چاہیئے جو گواہ بن سکتا ہو ۔۔۔۔ اور یہ جو میرے ساتھ تھے ۔ یہ گواہ نہیں بن سکتے تھے ۔۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں تھی ۔۔۔۔ مجھے حبیبؓ کی ضرورت ہے جو گواہ بن سکتا ہے۔ جو شہادت دے سکتا ہے۔"

بس بھائیو !

میری گفتگو یہاں آکے ختم ہوتی ہے کہ کس شان سے حبیبؓ و سعیدؓ نے شہادت دی ۔۔۔۔ یہ حبیبؓ اور سعیدؓ دو بزرگ تھے کربلا میں حسینؑ کے ساتھ ۔۔۔۔ اور ہم طور پر یہ

مشہور ہوگیا ہے کہ حبیبؓ بہت بوڑھے تھے ـــــ حالانکہ حبیبؓ تو امام حسینؑ کے ہم سن تھے۔
وہ تو مولاؑ کے بچپن کے دوست تھے ـــــــــــــ اور حضرت سعیدؓ بہت بوڑھے
تھے ـــــ ان کی عمر کربلا میں کوئی توّے سال کے قریب تھی ـــــ اور جب دن کے
ایک بجے تک کربلا میں شہادت کا بازار گرم رہا۔ اور چند آدمی باقی رہ گئے ـــــ اس
وقت پہ حبیبؓ اور سعیدؓ سامنے آئے مولاؑ کے۔ اور عرض کی۔

"مولاؑ!
ظہر کا وقت ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ آخری نماز حضورؑ کی جماعت کے ساتھ پڑھیں ـــــ"
آپؑ نے فرمایا۔
"خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ تم نے اس وقت نماز کو یاد کیا ہے ـــــ تم اس فوج کو
کہدو! کہ ذرا دیر کے لیئے ٹھہر جائے۔ تاکہ ہم آرام سے نماز پڑھ لیں۔"
اور حبیبؓ نے یہ بات کہی جا کے ـــــ اس فوج نے کوئی گستاخانہ جواب
دیا ـــــــــ اور حبیبؓ تو وہیں شہید ہو گئے
سعیدؓ نے آکے کہا
"مولاؑ!
حبیبؓ تو شہید ہوگیا ـــــ میں موجود ہوں ـــــ آپؑ نماز شروع کریں ـــــ میں آپ کے
سامنے کھڑا ہوں ـــــ آپؑ نماز شروع کریں ـــــ اور جب تک نماز ختم نہیں ہوگی۔
میں آپ تک کوئی تیر نہیں آنے دوں گا ـــــــــ"
سامعین! توّے برس کا بڈھا آدمی۔ سعیدؓ کھڑا ہو گیا حضورؑ کے سامنے ـــــ اور
نماز شروع ہوگئی ـــــ جو تیر ادھر سے آتا۔ سعیدؓ اُسے اپنی بڈھی پسلیوں پہ روک دیتا۔
پسلیاں ٹوٹ گئیں ـــــ تیر گھُس گئے سینے میں ـــــ اور ادھر امامؑ نے سلام پھیرا
ادھر یہ گود میں جا گرا ـــــ اور گر کے گود میں پوچھا کیا ہے "ھل وفیتُ یا ابن رسول اللہ

"اے رسولؐ کے بیٹے! آپ میری اس کارگذاری سے خوش ہیں"

تو امامؑ نے جواب میں یہ فرمایا

"یا سعیدؓ! انتَ اَمَامی فی الجنہ۔

"سعید! انشاءاللہ جنّت میں تُو میرے آگے آگے چلے گا ــــــ"

قیامت کے دن جب میں جنّت میں جاؤں گا ــــ تو تُو میرے آگے آگے چلے گا ــــ

اور جب میں ناناؐ کے، باباؑ کے سلام کو جاؤں گا تب بھی تُو میرے آگے آگے ہوگا" ــــ

تو سعیدؓ کیا التجا کرتا ہے

"مولاؑ! اگر یہ بات ہے۔ تو میری ایک گذارش ہے ــ کہ میرے بدن سے تیر نہ نکالنا۔

میں تیرے ناناؐ اور باباؑ کے سامنے اسی طرح جانا چاہتا ہوں ــــ"

اور یہ کہہ کے موت کا پسینہ آگیا ــــ آخر بڈھا آدمی تھا۔ اُسی موت کے پسینے میں کہتا ہے

"مولاؑ!

کسی نے میرا سر اپنی گود میں لیا ہے ــ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے ــــ"

تو امامؑ فرماتے ہیں

"سعیدؓ!

میرا سلام کہو ــــ یہ میرے نانا رسولؐ اللہ ہیں۔

"مولاؑ!

کوئی میرے بازو دبا رہا ہے ــــ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے ــــ"

مولاؑ نے فرمایا

"سعیدؓ! یہ میرے بابا حیدر کرّارؑ ہیں"

"قبلہؑ! کوئی میرے سینے پہ ہوا جھل رہا ہے ــــ"

تو امامؑ نے فرمایا

"یہ میرے بھائی حسنؑ ہیں ـــــ"

اور سنو گے یہی آخری فقرہ !

سعیدؓ نے کہا

"مولا کوئی میرے پیروں کے قریب بھی ہے ـــــ"

تو امامؑ نے فرمایا

"سعیدؓ ! ذرا پیر ہٹا لے ـــــ یہ میری "اماں" آگئی ہیں ـــــ"

اسے کہتے ہیں قبلہ ! معرفتِ امامؑ

اسے کہتے ہیں امامؑ کا پہچاننا ـــ

اللہ آپ کو، مجھے، سب کو وہ نظر عطا فرمائے جس سے ہم اپنے امامؑ کو، اپنے آقا ورہبر کو، اپنے مولاؑ وسردار کو، اپنے پیر کو پہچان سکیں۔

"بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

"اللھم صلی علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ

ـــ ... ـــ

آلِ محمدؐ !

تمہارا قصور صرف یہی ہے کہ تم اتنے اچھے کیوں ہو۔

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

شامِ شہیداںؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سیّدزادو!

آج تم اپنے گریبان چاک کر کے زمین پہ بیٹھ جاؤ۔ آج سیدانیاں سر کھول کے زمین پر بیٹھ جائیں۔ آج کی رات ہمارے گھروں میں روشنی نہیں جلنی چاہیئے آج حسینؑ کی زندگی کی آخری رات ہے۔ کل اس وقت دنیا میں حسینؑ نہیں ہوگا۔

" مولاؑ تیری غربت کی حد ہوگئی۔ آج رات بھی تو نے مانگ کے لی ہے۔

مولاؑ ہم نے تیرا جلوس نکالا۔ بازاروں میں ماتم کیا۔

مولاؑ! ہم اللہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا وطن عید کو یاد نہیں آتا۔ مگر جب محرم کا چاند دیکھتے ہیں تو اپنا وطن یاد آجاتا ہے۔

مولاؑ! آج جب ہم تیرا جلوس لے کر آرہے تھے تو سوچا جلوس کہاں لے جائیں؟ آخر عقل نے کہا۔

" آج کہیں نہیں جانا۔ آج خیمۂ سادات کے سامنے بیٹھ جانا ہے

بھائیو!

آج نویں محرم کو سادات کا خیمہ آباد ہے۔ بیٹی کے پاس باپ موجود ہے۔ بہن کے پاس بھائی موجود ہے۔ بیوی کے پاس شوہر موجود ہے اور عزیزوں کے پاس عزیز موجود ہیں۔ گویا آج شہیدوں کی رات ہے اور کل رات جو آئے گی وہ غریبوں کی رات ہوگی۔
—— لہٰذا میں آج آپ کے سامنے مجلس پڑھنے نہیں آیا ہوں بلکہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ لوگ اس طرح زمین پہ کیوں بیٹھے ہیں۔ تمہارے سر کیوں ننگے ہیں۔ تمہارے گریبان کیوں چاک ہیں۔ تم ماتم کیوں کر رہے ہو تم پہ کیا گزری؟

بھائیو!

میں تو یہ کہنے آیا ہوں کہ نہ ہمارا کوئی جوان رہا نہ بچہ۔ نہ ہمارے بوڑھے رہے۔ نہ ہمارا گھر رہا — لوگوں نے ہمارے کپڑے کے گھر بھی جلا دیئے۔ آج ہمارا بھرا ہوا گھر تباہ ہو گیا۔ آج ہم زمین پہ بیٹھے ہوئے گریہ کر رہے ہیں۔

سامعین!

تم سب مل کر ایک دفعہ آواز تو دو ——

حسینؑ

کربلا والے حسینؑ!

شہنشاہ حسینؑ!

تیرے دروازے پہ بھکاری حاضر ہوئے ہیں حسینؑ!

نو دن تک تیرا ماتم کیا ہے حسینؑ!

آج تیرے ماتم کو الوداع کہنے آئے ہیں حسینؑ!

حسینؑ! تیری مہمانی نہ کر سکے۔ دل بھر کے تیری عزاداری نہ کر سکے۔

حسینؑ! اگر زندہ رہ گئے تو اگلے سال پھر یہ غم منائیں گے — اگر مر گئے تو ——

مولاؑ! یہ ہمارا آخری سلام قبول فرما۔

مولا! ہماری پریشانیاں رفع فرما

مولا! ہمارا ملک محفوظ رہے — مولا کو تو ہم نے پکار لیا ہے۔ اب ایک آواز اور دو۔

"بی بی زینبؑ! آج شام شہیداں ہے۔ تیری پریشانی پہ ہماری جان قربان۔

بی بی! آج شام ہی سے تُو نے چادر نہیں اوڑھی۔

بی بی! ہماری عورتیں، ہمارے بچے تیری پریشانی پہ قربان ہیں

ہم سب تجھے پُرسا دینے آئے ہیں۔

(خصوصاً چھوٹے بچے مِل کے پکاریں)

"بی بی سکینہؑ! تمہارے غلام حاضر ہیں۔

کل صبح تُو یتیم ہو جاؤ گی سکینہؑ!

آج دِل بھر کے باپ سے مل لے سکینہؑ!

ہمارے ماں باپ تیری یتیمی پہ قربان ہیں سکینہؑ!

بس بھائیو!

میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ

یوم عاشور۔ جب تمام عزیز و اقارب جام شہادت پی چکے تو حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے۔ زہراؑ کا چاند۔ چہرے پہ کربلا کی گرد۔ دل میں عزیزوں کے درد سے بھرائی آواز میں کہہ رہا ہے۔

"زینبؑ!

آج تمہارا بھائی تم سے جُدا ہو کے رُخصت ہو رہا ہے۔

بہن! مجھے گلے مل کے رخصت کرو۔ اور دعا کرو کہ خدا مجھے اتنی

طاقت دے کہ میں اِس مقصد کو جس کے لئے مجھے میری اماں نے چکی پیس کے پالا تھا۔ نانا نے کاندھے پہ سوار کیا تھا۔ باپؑ نے سینے پہ سلایا تھا۔ آج اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے خدا مجھے توفیق دے ۔ خدا حافظ بہن! میں جا رہا ہوں"

سکینہؑ نے عبا کا دامن پکڑ لیا۔

"بابا! آپ وہاں جا رہے ہیں جہاں صبح سے جو گیا ہے واپس نہیں آیا ۔ اگر آپ آج رات کو واپس نہ آئے تو بابا جان! سکینہؑ کس کے پاس سوئے گی!

"بیٹا! تم آج رات سے اپنی اماں کے پاس سونا"

بابا! اماں کے پاس تو چھوٹے بھائی علی اصغرؑ سوتے ہیں۔ میں کیسے سوؤں گی؟

"نہیں۔ میرے لال! آج سے علی اصغرؑ میرے پاس سویا کرے گا۔ تم اپنی اماں کے پاس سو جایا کرنا ۔ اور دیکھنا بٹیا! ضد نہ کرنا۔ بیمار بھائی کے ہاتھ بندھے ہوں گے پھوپھیاں مجبور ہوں گی مگر تم آرام سے زمین پر سو جایا کرنا"

"اچھا زینبؑ!

خدا حافظ۔ میں جا رہا ہوں"

شبیرؑ برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

شہادتِ عظمیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضراتِ گرامی!

آج کی مجلس کا افتتاح کرنے کے لیے بجائے درود و سلام کے سب حضرات متفق آواز سے ایک دفعہ کہہ دیں۔ "اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون"

میرے محترم سامعین!

آج میرے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ میں آپ کے سامنے مقصدِ شہادتِ عظمیٰ بیان کروں۔ لہٰذا میں آپ کے سامنے اور خدا اور رسولؐ کے حضور میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ موضوع وہ ہے جسے اللہ یا اللہ کا رسولؐ بیان کر سکتا ہے۔ شہادتِ عظمیٰ بیان کرنا میرے بس سے باہر کی بات ہے۔ سمندر کو قطرے میں سمونا، دریا کو کوزے میں بند کرنا، اور کائنات میں پھیلی ہوئی حقانیت کو چند لفظوں کی قید میں لانا میرے امکان کی بات نہیں ہے۔ بہرنوع اُس روایتی بڑھیا کی طرح جو اپنا کاتا ہوا سوت لے کر خریدارانِ یوسفؑ میں شامل ہو گئی تھی، میں بھی حسینؑ کے نام لیواؤں میں نام لکھوانے کے لیے حاضر ہو گیا ہوں۔

میرے بزرگو!

یاد رکھو! جس نظام کا نام اسلام ہے۔ جس ضابطے کا نام اسلام ہے جس آئین کا نام اسلام ہے۔ جس قانون کا نام اسلام ہے۔ انسانی زندگی کے جس پروگرام کا نام اسلام

جو ہماری زبان پر ہر وقت رائج ہے۔ جسے ہم ہر وقت اپنے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ اس اسلام نے اقتدارِ اعلیٰ، حاکمیت اور مالکیت اللہ کے لئے مخصوص کر دی ہے۔ گویا۔

اسلامی ضابطے میں مالک ہے "اللہ"

حاکم ہے "اللہ"

سلطنت ہے اللہ کی

حکومت ہے اللہ کی

بادشاہت ہے اللہ کی ـــ گویا۔

اللہ اور صرف اللہ کی حاکمیت کے اقرار کو اسلام کہتے ہیں۔

سامعین! ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء تشریف لائے اُن کا اقتدار۔ ان کی طاقت و قوت ایسی تھی جن کے سامنے ساری دنیا سرنگوں تھی۔ بتائیے موسیٰؑ کے عصا کے سامنے فرعونی طاقت کا سر جھک گیا تھا یا نہیں؟

ابراہیمؑ نے آگ کو گلزار بنا کر نمرودی نخوت کو شکست دے دی تھی یا نہیں؟ عیسیٰؑ نے مُردے جلا کر اپنے زمانے کے زندہ مخالفوں کے دل کے چراغ بجھا دیئے تھے یا نہیں؟ اور محمدؐ نے معجزے دکھا کر ابو جہل جیسوں کی جہالت کو ملیا میٹ کر دیا تھا یا نہیں؟ ہر نبی نے اپنے اقتدار سے تمام دنیا سے کلمہ پڑھوایا تھا یا نہیں؟ ـــ مگر کسی نبی نے یہ نہیں کہا کہ "میں مالک ہوں" بلکہ ہر ایک یہی کہتا رہا۔ "میں مالک کا نمائندہ ہوں" یہاں تک کہ ختم الانبیاءؐ کے بعد حکومتیں آئیں۔ سب سے پہلے اسلامی حکومتوں نے اپنے حاکم کے لئے لفظ "خلیفہ" تجویز کیا۔ گویا اس سے پہلے لفظ "خلیفہ" انسانی لغت میں تھا ہی نہیں یہ لفظ اسلام نے پیش کیا ہے۔ خلیفہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ حاکم کوئی اور ہے یہ صرف نمائندہ ہے۔ مالک کوئی اور ہے۔ یہ شخص صرف نمائندہ ہے لہٰذا خلیفہ کو مالکیت حاصل نہیں تھی

اور رسولؐ کا وہ آخری خطبہ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا۔

" آج قیصر و کسریٰ کی حکومتیں میرے پیر کے نیچے ہیں اب ملوکیت کا راج ختم ہوگیا ہے۔ اب حاکمیت ختم ہوگئی ہے۔ اب سوائے اللہ کے کوئی مالک نہیں ہے"۔

اس نظریہ سے مسلمان زندہ تھا۔ اسلام زندہ تھا۔

محترم سامعین!

(ہو سکتا ہے کہ الفاظ کی کوتاہی میرے اُس مقصد کو واضح نہ کر سکے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ کا علم و ذہن میری کہی ہوئی بات کو خود ٹھیک کرے گا۔) رسولؐ فرما کر چلے گئے۔ اب رسولؐ کے بعد آنے والوں نے لفظ "خلیفہ" سے یہ بتادیا کہ بنانے والا کوئی اور ہے۔ ہم صرف اُس کے نمائندہ ہیں۔ گویا جب تک خلافت اپنی سربراہی کا اعلان کرتی رہی "راشدہ" کہلائی۔ ہدایت یافتہ کہلائی ــــ اور جب خلافت نے یہ کہنا شروع کردیا کہ "ہم بھی کچھ ہیں" تو وہ خلافت "راشدہ" نہ رہی بلکہ "ملوکیت" بن گئی۔

حضورِ والا! زمانے کا انقلاب کہو یا دنیا کی گردش کہو کہ شام کے ملک (دمشق) میں ایک البیلا نوجوان تختِ شاہی پہ بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے باپ کے تخت پہ قدم رکھا۔ وہ اپنے آپ کو کسی کا احسان مند نہیں سمجھتا۔ تخت کو اپنے باپ کا مال سمجھ کے بیٹھا ہوا ہے۔ جوانی کی عمر۔ شعر و شراب میں پلا ہوا شہزادہ۔ بے شمار سلطنت۔ بے اندازہ دولت کروڑوں انسان حضور و سرکار کہنے والے۔ خزانہ اشرفیوں سے بھرپور۔ فوج کا جائزہ لیا تو بیشمار سپاہی۔ اسلحہ کا جائزہ لیا تو بے تعداد اسلحہ۔ اور اپنی رعایا کی مردم شماری کرائی تو اُس زمانے کی بارہ کروڑ آبادی اس کی رعایا تھی جو اُسے اعلیٰ حضرت ظلِّ سبحانی، جہاں پناہ، جی حضور، جی سرکار کہنے والے موجود تھے۔

اب بتاؤ! جب بارہ کروڑ انسان اُسے جہاں پناہ، جی حضور، کہہ رہا تھا تو اگر اُس کے

دماغ میں غرور پیدا ہو بھی جائے تو ممکن ہے اگر کسی اور کو یہ اسباب فراہم ہوتے تو وہ بھی مغرور ہو جاتا۔ گویا یزیدؔ بھی مغرور ہو گیا۔

اُس نے کہا " آج بارہ کروڑ انسان مجھے جہاں پناہ مان رہے ہیں۔ میرے پاس دولت ہے، خزانہ ہے۔ کوئی ایسا بھی ہے جو مجھے نہیں مانتا ؟

یزیدؔ کو بتایا گیا کہ ایک شخص ہے جو تمہیں اور تمہاری حاکمیت کو نہیں مانتا ؟

یزیدؔ نے پوچھا " کیا اُس کے پاس مجھ سے زیادہ فوج ہے ؟

" نہیں "

" مجھ سے زیادہ خزانہ ہے ؟ "

" نہیں "

" مجھ سے زیادہ اسلحہ ہے ؟ " — " نہیں "

" پھر وہ کون ہے ؟ "

" ایک مزدور باپ کا مزدور بیٹا۔ چکی پیسنے والی ماں کا ایک بچہ۔ پیوندوں کا لباس پہننے والا ایک فقیر۔ بوریا پہ بیٹھنے والا ایک قلندر۔ نانے کی قبر پہ چراغ جلانے والا ایک مجاور۔ وہ مجھے تسلیم نہیں کرتا "

یزیدؔ نے کہا " نہیں " اس سے ہماری حکومت کی اطاعت قبول کرائی جائے اور ہماری بیعت لی جائے۔

حضرات! اگر بارہ کروڑ انسان کسی شخص کی بیعت کر لیں (اُس زمانے میں بیعت وہی شے تھی جو اس زمانے میں ووٹ ہے) اگر کسی کو بارہ کروڑ ووٹ مل جائیں اور ایک آدمی کا ووٹ نہ بھی ملے تو اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی — مگر بارہ کروڑ ووٹ لینے کے بعد ایک انسان کے ووٹ پہ ضد کر کے یزیدؔ نے یہ نادانستہ طور پہ بتا دیا کہ بارہ کروڑ ایک طرف اور یہ اکیلا ایک طرف ہے۔ گویا اس اکیلے میں اتنا وزن ہے کہ اگر اس نے "ہاں" نہ کہی تو

یہ بارہ کروڑ ناکام ہوجائیں گے۔ پوری دنیائے اسلام کا فیصلہ ایک طرف ہے اور اس اکیلے کا فیصلہ ایک طرف ہے۔

محترم سامعین! یزید کا اعلان یہ نہیں تھا "میں خلیفہ ہوں"

اگر یہی اعلان ہوتا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ مگر یزید کا اعلان یہ تھا کہ "میں مالک الملک ہوں"

اب بتائیے۔ رسولؐ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پلنے والا حسینؑ، حیدر کرارؑ کی گود میں پلنے والا حسینؑ، فاطمہؑ کا دودھ پینے والا حسینؑ، جبرئیل کے پروں پہ سونے والا حسینؑ، اللہ سے ناز برداری کرنے والا حسینؑ، جنت سے لباس منگوا کر پہننے والا حسینؑ، جنت کے میوے کھا کر پلنے والا حسینؑ؛

اللہ کے ہوتے ہوئے کسی اور کا مالک ہونا برداشت کرے گا؟ "نہیں"

اُدھر اللہ کہتا ہے۔ "اللھم مالک الملک" صرف اللہ مالک ہے۔

اِدھر یزید مسخرہ کہتا ہے "نہیں، میں مالک ہوں"

حضرات! آپ دانشوروں سے پوچھ رہا ہوں۔

اللہ کہتا ہے ــــ "میں مالک الملک ہوں" مگر یزید کہتا ہے ــــ "نہیں، میں مالک الملک ہوں"۔

اب بتاؤ۔ مقابلہ کس کا ہو گیا؟ اللہ اور یزیدؒ کا۔

اگر یزیدؒ کہتا

"میں فرزندِ رسولؐ ہوں۔ میں امام معصوم ہوں" تب تو یزیدؒ کا حسینؑ سے مقابلہ تھا۔ مگر یزیدؒ براہِ راست کہتا ہے "میں مالک الملک ہوں"

۔ معلوم ہوا کہ یزیدؒ کا مقابلہ براہِ راست اللہ سے ہے ــــ اب اگر اس مقابلے میں یزیدؒ جیت جائے تو ہارے گا کون؟

" اللہ" اور اگر یزید ہار جائے تو جیتے گا کون ؛

" اللہ" ۔ گویا ہار جیت ہے اللہ اور یزید کی ۔

حسینؑ کا تو یزید سے مقابلہ ہی نہیں تھا۔

اللہ نے کہا ۔

" یہ روز کا جھگڑا ہے ۔ کبھی فرعون مسخرہ میرے سامنے آ بیٹھتا ہے ۔ کبھی نمرود مسخرہ میرے مقابل آ بیٹھتا ہے ۔ کبھی ابلیس میرے مقابلے میں آ جاتا ہے ۔ آج میں اس روز روز کے جھگڑے کو ختم کرنا چاہتا ہوں ۔

اللہ نے کہا ۔

سُن یزیدؑ ! اگر تم مالک الملک ہو تو اپنے مالک ہونے کا ثبوت لے کر کسی میدان میں آ جاؤ ۔ اِدھر میں ثبوت لے کر آؤں گا کہ میں مالک الملک ہوں "

گویا یزیدؑ اپنے مالک الملک ہونے کا ثبوت لے کر بطور گواہ میدانِ کربلا میں آ گیا ۔

" اللہ ! دیکھ لے ۔ میں مالک ہوں

میری فوج دیکھ ۔ میں مالک ہوں

میرا اسلحہ دیکھ ۔ میں مالک ہوں

میری سلطنت کی سطوت دیکھ ۔ میں مالک ہوں "

اب جو یزیدؑ نے یہ کہا تو اللہ نے آواز دی ۔

" ہے کوئی اِس بھری دنیا میں جو میرے مالک ہونے کی گواہی دے ۔ مگر یہ سوچ لے کہ مدعی اللہ ہے ۔ لہٰذا گواہ کوئی کم حیثیت کا نہ ہو "

اُدھر اللہ نے اعلان کیا کہ

" ہے کوئی جو میرے مالک الملک ہونے کی گواہی دے ؛

ادھر سردارِ جوانانِ جنت کو جوش آ گیا ۔

حسینؑ نے کہا۔

"خداوندا۔ میں گواہی دوں گا کہ تُو مالک الملک ہے۔ میں گواہی دوں گا کہ ملکیت تیری ہے۔ میں دنیا کو بتاؤں گا کہ یزید مسخرہ جھوٹ بولتا ہے۔"

اللہ نے کہا۔

"حسینؑ! اگر تم واقعتاً گواہی دینا چاہتے ہو تو دیکھو!
میدانِ کربلا عدالت گاہ بن چکا ہے۔ یزیدؔ اپنے گواہ لے کر آگیا ہے۔
حسینؑ! تم بھی اپنے گواہ لے کر آؤ اور میرے مالک الملک ہونے کی گواہی دو۔"

چنانچہ حسینؑ اپنے گواہ لے کر کربلا کے لئے روانہ ہوگیا۔ جتنی دستاویزیں اپنی گواہی کے لئے ضروری تھیں۔ وہ بھی ساتھ لے کر مدینے سے چل پڑا۔

سامعین!

بتاؤ۔ حسینؑ مدینے سے کربلا کی طرف کیوں چل پڑا۔
لڑنے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ مرنے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ کسی کو مارنے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ کسی کا ملک چھیننے کے لئے؟۔ "نہیں"۔ کسی کی سلطنت چھیننے کے لئے؟۔ "نہیں"

پھر بتاؤ۔ کیوں جا رہا تھا!

حسینؑ، خدا کے مقدمے میں گواہی دینے کے لئے جا رہا تھا۔ بلکہ یوں کہیئے "حسینؑ کربلا میں "شہادت" کے لئے جا رہا تھا"۔ چونکہ شہادت کے معانی گواہی دینا ہے لہٰذا! حسینؑ کربلا میں اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے جا رہا تھا۔

حسینؑ! کربلا کیوں جا رہے ہو؟۔

• شہادت کے لئے۔ میری گواہی پہ اللہ مالک الملک ہے:

اسی لئے حسینؑ کے جلوس نکلتے ہیں تاکہ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی تازہ ہوتی رہے۔ جو اس جلوس کو روکے گا۔ گویا اللہ کی مالکیت کو روک رہا ہے ۔ بہرنوع حسینؑ اللہ کے مالک الملک ہونے کی گواہی دینے کے لئے جو دستاویزی گواہیاں ضروری تھیں۔ وہ بھی ساتھ لے کر کربلا میں تشریف لارہے ہیں۔

حسینؑ نے بہن کو آواز دی۔

زینبؑ! تم بھی چلو۔"

حسینؑ!

میں عورت ذات۔ تم عدالت میں گواہی دینے جارہے ہو۔ مجھے کیوں ساتھ لے جارہے ہو؟۔

حسینؑ نے کہا۔

" زینبؑ! جب کربلا میں، میں مقدمہ جیت جاؤں گا۔ اللہ کی مالکیت منوالوں گا۔ اور یزیدؔ ہار جائے گا تو تم شام میں جاکر یزیدؔ کی حکومت کے خلاف ڈگری کا اجرا کروا کے اس کی حکومت کو نیلام کروا دینا۔ تم یزیدؔ کی شہنشاہی کو گالی بنا دینا۔"

چنانچہ بہن بھی ساتھ چل پڑی۔ گواہ بھی ساتھ چل پڑے اور اللہ کے مالک الملک ہونے کی شہادت دینے والا کربلا میں تین محرم کو آکے بیٹھ گیا۔ تین سے لے کر سات تک مثل کا معائنہ کرتا رہا۔ سات سے اتنا مشغول ہوا کہ نہ کھانے کی فرصت نہ پینے کا ہوش۔ دسویں کو مقدمہ پیش ہوگیا۔ حسینؑ نے گواہی دینا شروع کردی۔ ایک ایک دستاویز گواہی میں پیش کرتا رہا۔

" خداوندا۔ تیرے مالک الملک ہونے کی گواہی میں میرا اکبرؑ موجود ہے۔ میرا قاسمؑ موجود ہے۔ میرا بھائی عباسؑ موجود ہے۔ میرا نو وارد مہمان حُرؑ موجود ہے ـــــ

یہ سب گواہی دیں گے۔ ان کی شہادت ہوگی۔

سامعین!

جب اکہتر شہادتیں ہوچکیں تو خدا مقدمہ جیت گیا۔

"حسینؑ!" میں مقدمہ جیت گیا ہوں۔ تیری ساری گواہیاں قبول ہوچکی ہیں۔ اب میری حاکمیت مستحکم ہوگئی ہے۔"

حسینؑ نے کہا "خداوندا جیت گیا۔"

"ہاں جیت گیا"

"خداوندا۔ تیرے دربار میں شہادت دینے کے لیے اب میں خود آرہا ہوں"

حسینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے۔ بہن کو سلام کیا۔

بہن زینبؑ! سلام

زینبؑ نے جواب دیا "حسینؑ! سلام

زینبؑ! مبارک"

"حسینؑ! خیر مبارک"

بہن! میری تمام گواہیاں قبول ہوگئیں۔ میرا عباسؑ بھی منظور۔ قاسمؑ بھی منظور۔ اکبرؑ بھی منظور۔ میرا نو وارد مہمان حُرؑ بھی منظور۔ میرے دوست بھی منظور۔

بہن! میں تو مقدمہ جیت گیا ہوں۔ اسلام کامیاب ہوگیا ہے۔"

زینبؑ نے پوچھ لیا۔

"حسینؑ! اسلام نے تجھے کیا انعام دیا ہے؟

حسینؑ نے جواب دیا۔" اسلام نے مجھے یہ انعام دیا ہے کہ "حسینؑ تو نے اللہ کو مالک منوا کے اسلام کی عظمت رکھ لی۔ اب اسلام کا تجھ سے یہ وعدہ ہے۔

" حسینؑ! یاد رکھو! اسلام تجھ سے وعدہ کرتا ہے۔

جس دل میں حسینؑ ! تو نہیں ہوگا وہاں میں نہیں ہوں گا۔
جس گھر میں حسینؑ ! تو نہیں ہوگا وہاں میں نہیں ہوں گا۔
جس علاقے میں حسینؑ تو نہیں ہوگا۔ وہاں میں نہیں ہوں گا"
"اسلام نے تو مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے"
زینبؑ نے پوچھا۔
"حسینؑ ! خدا تمہیں کیا انعام دے گا؟
بہن ! اپنا انعام لینے کے لئے خدا کے دربار میں میں خود جا رہا ہوں۔
بہن ! سجدے کے بل جاؤں گا۔
زینبؑ ! اتنے بڑے دربار میں جانا ہے۔ خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔
کوئی تحفہ لے جانا چاہتا ہوں۔
زینبؑ بہن ! کوئی تحفہ ہے تیرے پاس؟
زینبؑ نے کہا "حسینؑ ! میرے پاس تو دو لعل تھے وہ ختم ہو گئے"
"قاسمؑ کی ماں ! تیرے پاس کوئی تحفہ ہے؟"
"حسینؑ ! میرے پاس تو ایک ہی زمرد تھا جو ختم ہو گیا"
"اکبرؑ کی ماں ! تیرے پاس کوئی تحفہ ہے؟"
"حسینؑ ! میرے پاس تو ایک ہی شب چراغ تھا وہ بھی ختم ہو گیا"
حسینؑ ابھی پوچھ ہی رہے تھے کہ ایک کونے سے آواز آئی۔
"حسینؑ ! ہیرے کی ایک چھوٹی سی کنی میرے پاس ہے۔ اگر تحفہ کے لئے کام آئے تو لے جاؤ"
چنانچہ حسینؑ نے چھ مہینے والے کو ہاتھ پہ اٹھا لیا۔
"خداوندا۔ شہادتیں تو ہو چکیں۔ اب یہ تحفہ لایا ہوں"

چنانچہ اللہ کے حضور میں حسینؑ نے تحفہ پیش کر دیا۔ دفن کر کے گھر آئے، بہن نے پوچھا
"حسینؑ! تمہارا تحفہ منظور ہوا؟"
"ہاں بہن! میرا تحفہ بھی منظور ہو گیا"
بہن! اب میں خود جا رہا ہوں۔ ذرا مجھے اپنے ہاتھ سے لباس بھی پہنا دے"
سامعین!
ایک مغالطہ وردِ زبانِ عام ہے جسے میں دور کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ذاکرین اکثر یہ پڑھتے ہیں کہ حسینؑ نے زینبؑ سے کہا۔
"بہن مجھے پرانے کپڑے پہنا دو"
حالانکہ غلط ہے۔ خدا کی قسم! میں نے کربلا کی ساری تاریخ پڑھ ڈالی مگر کہیں نہیں پڑھا کہ حسینؑ نے پرانے کپڑے پہنے ہوں۔ بلکہ میں نے تو یہ پڑھا ہے کہ حسینؑ نے کہا۔
"زینبؑ! آج میں پرانے کپڑے نہیں پہنوں گا۔ آج میں شہنشاہ بن کے جا رہا ہوں مجھے آج بہترین لباس پہنا دو۔"
چنانچہ ناناؐ کے معراج والا عمامہ حسینؑ نے سر پہ باندھا۔ اپنی اماں کی چادر سے کمر باندھی۔ جعفرِ طیارؑ کی شہپر کمر سے لگائی۔ حمزہؑ کی زرہ پہنی۔ حیدرِ کرارؑ کی تلوار لٹکائی اور حسنؑ مجتبےٰ کے نعلین پہنے۔ گویا آج حسینؑ نے بزرگوں کا لباس زیبِ تن فرمایا اور بہن سے کہا۔
"زینبؑ خدا حافظ! اب میں جا رہا ہوں۔" چنانچہ سر سے پیر تک بزرگوں کا لباس تھا اس لئے زینبؑ نے جو اُس وقت تاریخی فقرے کہے ہیں وہ آج تک فضا میں گونج رہے ہیں۔

جب حسینؑ اپنے بزرگوں کا لباس پہن کر چلے تو زینبؑ نے کہا۔
"بی بیو! آؤ۔ دیکھو۔ آج میرے نانا رسول اللہ جا رہے ہیں۔ آج میرے بابا حیدرِ کرارؑ جا رہے ہیں۔ آج میری اماں فاطمہؑ رخصت ہو رہی ہے۔ آج بھائی حسنؑ جا رہے ہیں

آج میرے سارے بزرگوں کا سایہ میرے سر سے اٹھ رہا ہے"

بہر نوع! حسینؑ میدان میں تشریف لائے۔

مولاؑ جس وقت فوج کے سامنے پہنچے ہیں تو اُس بے حیا فوج نے طنز کیا۔

" حسینؑ! اب تو بالکل تنہا ہے۔ تیرے سارے عزیز مر چکے ہیں۔ اب ہمیں کیوں تکلیف دیتا ہے۔ گھوڑے سے نیچے اُتر آؤ۔ تاکہ جلدی تیرا خاتمہ کر کے جنگ ختم کی جائے"

اب جو فوج نے یہ طنز کیا تو حیدر کرارؑ کی بیٹی کو جوش آ گیا اور وہیں دروازے سے آواز دی۔

" حسینؑ! یہ تجھے مجبور سمجھتے ہیں۔ زینبؑ چاہتی ہے، ذرا تھوڑی دیر کے لئے میری اماں کے دودھ کی طاقت بھی دکھا دے"

حسینؑ نے جواب دیا۔

" اچھا بہن! اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہوگا"

چنانچہ حسینؑ نے بسم اللہ کہہ کے تلوار نکالی۔ نخلیہ تک فوج کو بھگاتے ہوئے پہنچے تو فوج کا پچھلا دستہ کوفے کے بازاروں سے ٹکراتا اور جب حسینؑ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نخلیہ سے واپس کربلا آئے تو ایک بلند ٹیلے پہ چڑھ کے بلند آواز سے کہتے۔

" یا ایہا الناس! انا ابن رسول اللہ!

لوگو! میں رسولؐ کا بیٹا ہوں"

زینبؑ فوراً جواب میں کہتی ہیں " مرحبا یا بن رسول اللہ!

" شاباش۔ اے رسولؐ کے بیٹے"

بہر نوع! حسینؑ نے اس شان سے تین حملے کئے اور حملوں کا انداز یہ تھا

آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا

فرزندِ رسولؐ نے اس طرح جہاد کیا۔ دورانِ جہاد اللہ کی طرف سے غائبی آواز آگئی۔
"حسینؑ! شجاعت دنیا نے دیکھ لی ہے۔ اب آجا ہمارے پاس۔
اے نفسِ مطمئنہ! آجا ہمارے پاس"
حسینؑ نے گھوڑے کی باگ اس کے کاندھوں پہ رکھ دی اور فرمایا۔
"ذوالجناح"!
یہ تیری میری آخری ملاقات ہے ۔ اب میں اللہ کے ہاں جا رہا ہوں۔"
آؤ تیرو — آجاؤ
دشمن کی تلوارو — آجاؤ
دشمن کے نیزو — آجاؤ
امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے۔
"میرے جد کے زخم کوئی گن ہی نہیں سکتا"
مولاؑ فرماتے ہیں جتنے قرآن میں حرف ہیں اتنے ہی میرے جد کے بدن پہ زخم تھے۔
گویا اتنے زخم کھا کے جب مولاؑ زمین پہ گرنے لگے تو گھوڑے نے پاؤں جھکا دیئے۔
امامِ زمانؑ زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں۔
"میرا سلام ہو اس شہید پر جو نہ زین پہ تھا نہ زمین پر تھا"
لوگوں نے پوچھا "مولا پھر کہاں تھا"
فرمایا "گھوڑے سے گر گیا تیروں پہ رہ گیا
بہرحال۔ حسینؑ کا بدن کافی دیر تک تیروں پہ معلق رہا۔ مولاؑ نے زور دیا تو ادھر کے تیر ادھر نکل گئے — اور
حسینؑ نے سجدے میں سر رکھ دیا "سبحان ربی الاعلیٰ"
"خداوندا۔ گواہ رہنا۔ میں تیرے اعلیٰ ہونے کی گواہی دے

رہا ہوں۔ میں تیرے اعلیٰ ہونے کی شہادت دے رہا ہوں۔"

قدرت نے بڑھ کے منہ چوم لیا۔

حسینؑ!

"اب قیامت تک "سبحان ربیّ الاعلیٰ" جو بھی کہے گا تیرے سجدے کے صدقے میں کہے گا۔"

حسینؑ! تیری اس شہادت کا انعام تجھے یہ دیتا ہوں،

"میں بھی باقی تُو بھی باقی۔ نہ میں ختم ہوں گا نہ تو ختم ہوگا۔"

حسینؑ! میرا ذکر بھی قیامت تک رہے گا۔ تیرا ذکر بھی قیامت تک رہے گا۔

حسینؑ! میری اذان ہوگی تیری نوبتِ شاہی ہوگی۔

حسینؑ! جہاں جہاں میرا تذکرہ ہوگا۔ وہاں وہاں تیرا تذکرہ بھی ہوگا۔ جتنے میرے گھر اے حسینؑ۔ اتنے ہی تیرے گھر ہوں گے۔"

چنانچہ یزیدؑ کے خلاف ڈگری ہوئی اور امام حسین علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے شہادتِ عظمیٰ کا انعام پایا۔ جس کی یاد آج ہم بازاروں میں جلوس کی شکل میں منا رہے ہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح میں

عقل کے مطابق نقل و حرکت کرنے کو

"شجاعت"

کہتے ہیں

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

اصحابِ حسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی!

کربلا کا واقعہ آج واقعہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس وقت کی یہ مجلس پورا واقعۂ کربلا پر ایک تبصرے کی شکل میں ہونی چاہیئے۔ گویا یہ سب سے اہم ترین مجلس ہے اور تمام مجالس کی روح مجلس ہے۔

محترم بزرگو! جس رسولؐ کی ہم امت ہیں اس کے لئے اللہ نے قرآن میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ۔

"اِنّ الّذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔"

جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں

ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ

جو اس بیعت کو توڑ دے گا وہ اس کا خود نقصان اٹھائے گا۔

ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً

اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اللہ اُسے اجرِ عظیم دے گا۔"

گویا اُس وقت سے لے کر آج تک ہم رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔

ہم نے رسولؐ سے ایک عہد کیا ہے اور وہ عہد یہ ہے "یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہیں۔ ہم

آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ ہمارا آپ سے اور آپ کے واسطہ سے خدا سے
خدا سے عہد یہ ہے کہ

ہم اور ہماری ہر شے۔ ہماری جان، ہمارا مال، ہماری اولاد، ہماری ہر عزیز شے آج
سے آپ کی بیعت کرنے کے بعد ہماری نہیں رہی بلکہ اللہ کی ملکیت ہے۔
اب اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس عہد کو کسی بندے نے پورا بھی کیا ہے یا نہیں۔
لہٰذا اللہ نے اعلان کیا "اے رسولؐ کے ساتھ عہد کرنے والو۔ میں تمہارا امتحان لوں گا۔
کیا تم اس عہد میں ثابت قدم بھی ہو یا نہیں ہے"
مگر جس وقت امتحان ہوگا اس وقت تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تم پر خوف بھی ہوگا۔
بھوک بھی ہوگی۔ پیاس بھی ہوگی۔ مال و جان کا خطرہ بھی ہوگا۔
سامعین! یہ تو تھی مختصر سی تمہید۔ اب میں پوچھتا ہوں "یا اللہ! تُو ہی بتا کسی نے
اس امتحان میں کامیابی بھی حاصل کی یا نہیں۔ کوئی ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جس نے پوری
قابلیت کے ساتھ تیرے اس امتحان کو پاس کیا ہو اور تُو نے بھی جھوم کے کہہ دیا ہو "شاباش
تم جیسا کوئی پاس نہیں ہوا"
اللہ جواب میں کہتا ہے۔

"اُن ہی مومنین میں سے ایسے بہادر مرد بھی ہیں جنہوں نے اِس عہد کو سچا کر دکھایا"
میرے بھائیو!
آؤ ہم سب مِل کر ان بہادروں کو ڈھونڈیں جنہوں نے اس عہد کو پورا کر دکھایا ہر جن
کی ہر شے اللہ کی ہے ۔ اب جو ہم ڈھونڈنے چلے تو دنیا کے کسی خطّے میں ہمیں ایسے
آدمی نہ ملے۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں پہنچے۔ دھوپ

ذرہ ذرہ بے کل تھا۔ عرب کا صحرا تپ، رہا تھا۔ آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک نبے ضرر قافلہ ۲ محرم کو کربلا کے صحرا میں چاروں طرف لق و دق جنگل۔ بیچ میں چھوٹی سی نہر۔ اس نہر کے کنارے قافلہ اُترا۔ خیمے لگے۔ خیموں میں عورتیں جا کے بیٹھیں۔ بچے ماؤں کی گود میں بیٹھے۔ مرد خیموں سے باہر بیٹھے۔ گن کے دیکھا تو تھوڑی سی تعداد۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں، جوان بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔

"خداوندا یہ تھوڑے سے آدمی یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اللہ نے جواب دیا۔

"مجھ سے کیئے ہوئے عہد کا امتحان دینے آئے ہیں"

"خداوندا ــ ساری دنیا میں یہ تھوڑے سے آدمی ہی پاس ہو سکتے ہیں؟"

اللہ نے کہا:۔

"تم انہیں تھوڑا نہ سمجھو۔ یہ گنتی میں تو تھوڑے ہیں مگر ساری دنیا سمٹ کے یہاں آگئی ہے:"

اب جو ہم نے دیکھا تو پتہ چلا کہ تمام دنیائے انسانیت کی نمائندگی اس جماعت میں ہے۔ ان میں افریقی بھی ہے۔ یورپی بھی ہیں۔ ایشیائی بھی ہیں (اُن دنوں میں تین براعظم تھے) ان میں گورے بھی ہیں۔ کالے بھی ہیں۔ ان میں عرب بھی ہیں۔ ان میں غلام بھی ہیں۔ آزاد بھی ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں۔ ان میں عالم بھی ہیں، جاہل بھی ہیں۔ ان میں بڈھے بھی ہیں جوان بھی ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں۔ عورتیں بھی ہیں۔ غرض ہر انسانی طبقہ کی نمائندگی یہاں موجود ہے۔ گویا پوری عالمِ انسانیت اس جماعت میں سمٹ کے آگئی ہے ــ اور ان کا قائد! سبحان اللہ!

سُنا ہے۔ اگر پارس سے لوہا ٹکرا جائے تو اُسے سونا بنا دیتا ہے۔ مگر ان بہتر کا قائد ایسا پارس ہے کہ اُس نے سونا نہیں بنایا بلکہ جو بھی اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اُسے بھی پارس

بنایا گیا — گویا حسینؑ نے کربلا میں بہتّر حسینؑ بنا کے کھڑے کر دیئے جو امتحان دینے کے لیئے تیار ہو گئے —— لہٰذا آج کا دن جس میں آپ نے ماتم کیا. جلوس نکالا. عشرہ منایا. آج ایک قوم اپنے عہد کا امتحان دے رہی ہے. بڈھے بھی ہیں، جوان بھی ہیں، بچّے بھی ہیں، اپنے بھی ہیں، پرائے بھی ہیں. غرض سب آج امتحان دینے کے لیئے تیار کھڑے ہیں — بوڑھوں میں سب سے پہلے ایک حبشی بڈھے کو پیش کرتا ہوں جن کا نام تھا جَونؑ ۔ پچانوے سال کا بڈھا. حسینؑ کے باورچی خانہ میں کام کرنے والا آج اپنے عہد کا امتحان دے رہا ہے۔ جَونؓ جُھکی ہوئی گردن کے ساتھ حسینؑ کے سامنے کھڑا ہوا.

"حُسینؑ !

میں بھی چاہتا ہوں آج تیرے اوپر قربان ہو جاؤں"

حسینؑ نے سر سے پیر تک بڈھے غلام کو دیکھا اور بڑی شفقت سے فرمایا.

"جَونؑ ! تُو میرے بزرگوں کی یادگار ہے. تُو نے میرے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں.
تُو بہت بوڑھا ہو چکا ہے — کسی طرف نکل جا —"

جب امامؑ نے یہ فرمایا تو بڈھے حبشی کے منہ سے بے ساختہ نکلا

"حسینؑ ٹھیک ہے — میں نے اپنی حد سے بڑھ کر بات کہی ہے.
حُسینؑ ! کجا میں — کجا تیرے اُوپر قربان ہونا.

حسینؑ! تیرے اُوپر قربان ہونیوالا تو عباسؑ جیسا ہاشمی چاہیئے. اکبرؑ جیسا نونہال چاہیئے. حبیبؓ جیسا بنی اسد چاہیئے —— مگر چونکہ میں ایک حبشی غلام ہوں — میرا رنگ کالا. میرے خون میں بدبُو. میرا نسب نامعلوم — لہٰذا مجھے یہ ہمت نہیں کرنی چاہیئے تھی. مجھ سے گستاخی ہو گئی — حسینؑ ! میں کسی طرف نکل جاؤں گا. مجھے درندے کھا لیں گے."

اب جو جَونؓ نے یہ فقرہ کہا تو حسینؑ نے بڑھ کے جونؓ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا.

"چچا جونؓ! تُو بُرا مان گیا۔ تُو مجھے عباسؑ کی طرح پیارا ہے۔ فکر نہ کر تو بھی امتحان دے گا ــــ جا۔ اپنے امتحان کی تیاری کر۔"

امامؑ کے فرمان کے بعد جونؓ کا چہرا شگفتہ ہو گیا۔ نہ کوئی اسلحہ پاس تھا۔ نہ کوئی گھوڑا پاس تھا۔ سیدھا میدان میں جا کے کھڑا ہو گیا۔

"اے بے حیا قوم! میں محمدؐ کے بیٹے کی حمایت کے لئے آیا ہوں۔"

اِدھر سے جونؓ نے یہ فقرہ کہا اُدھر سے پتھر برسے۔ بڈھی پسلیاں ٹوٹ گیئں۔ گرا آواز دی۔

"حسینؑ! میں گر گیا۔"

امامؑ پہنچے۔ سر گود میں لیا اور رخسارہ پر رخسارہ رکھ دیا۔ اب جو امامؑ نے رخسارہ پہ رخسارہ رکھا تو جونؓ کو ہنسی آگئی اور ہنس کے کہتا ہے۔

"حبیبؓ! اِدھر آؤ۔"

حبیبؓ آئے تو بڈھا حبشی مُسکرا کے کہتا ہے۔

"حبیبؓ! تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ محمدؐ کے بیٹے کا رخسارہ میرے رخسارے پر ہے ــــ"

جونؓ نے جان دے دی اور کربلا مشک عنبر سے مہکتا رہا۔ یہ اُس بڈھے کی بات تھی۔

اب آپ کو ایک جوان کی بات سُنا دوں ــ عبداللہؓ ابنِ وہب کلبی۔ نیا دُولہا نوجوانی کا عالم۔ کربلا کا پہلا شہید میدان میں جا رہا ہے۔ بیوی سے رخصت ہونے لگا۔ کچھ دیر ہو گئی تو ماں نے کہا۔

"بیٹا! بیوی کی باتوں میں تو نہیں آگیا؟"

عبداللہ خیمے سے باہر نکلا تو ماں نے دیکھا کہ بیوی شوہر کا دامن پکڑے یہ کہہ رہی ہے۔

"عبد اللہ! خدا حافظ۔ جاؤ مرنے کے لئے — شہادت مبارک ہو مگر ایک وعدہ کرو کہ قیامت میں جب تُو رسولؐ کے سلام کو جائے تو مجھے نہ بھولنا۔

پھر نوعر۔ نوجوان میدان میں گیا۔ دورانِ جہاد ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ تلوار گر گئی۔ تو اُس کی بیوی دوڑی اور تلوار اٹھا کے شوہر کو دی۔ چنانچہ عبد اللہ نے دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ لی اور دانتوں سے بیوی کا دامن پکڑ کر خیمے میں واپس لایا اور مولاؑ سے عرض کی

"مولاؑ! اسے زینبؑ کی خدمت میں پہنچا دو۔"

عبد اللہ ابن وہب کلبی کے بعد ایک اور بڈھا موت سے ہم کلام ہوا۔ وہ تھے حضرت جنادہؓ صحابیٔ رسولؐ۔ جب وہ شہید ہو گئے تو امامؑ لاشے پر پہنچے۔ لاشہ اٹھایا گنج شہیداں میں رکھا۔ جب واپس آ رہے تھے تو امامؑ نے دیکھا کہ خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک بچہ خیمے سے دوڑتا ہوا نکلا جیسے ابر میں سے چاند نکلتا ہو — امامؑ نے آواز دی۔

"اہلبیتؑ! اس بچے کو روکو۔"

بچہ قریب آیا۔ امامؑ نے بڑھ کے گود میں اٹھا لیا۔ پوچھا

"بیٹے تم کہاں جا رہے ہو؟"

مولاؑ! میں مرنے جا رہا ہوں۔

"تم کس کے بیٹے ہو؟"

"مولاؑ! میں جنادہؓ کا بیٹا ہوں جو ابھی شہید ہوا ہے۔"

حسینؑ نے پوچھا۔ تیری ماں کہاں ہے؟

"خیمے میں"

"بیٹے! تیری ماں تو بیوہ ہو گئی۔ جاؤ۔ اپنی ماں کے پاس جا کے بیٹھو۔"

اب جو مولاؑ نے یہ کہا تو بچے نے ایڑیوں پر کھڑے ہو کر عرض کی۔

"مولا! یہ کرتا اماں نے ابھی پہنایا ہے۔ یہ کمر میری اماں نے باندھی ہے۔ یہ تلوا مجھے اماں نے دی ہے۔ میری ماں نے مجھے مرنے کے لئے بھیجا ہے" ابھی بچہ یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ خیمے کے دروازے سے آواز آئی۔

"حسینؑ! جنادہؓ کی ماں خوش نصیب تھی۔ مگر مجھ بیوہ کے ہدیہ کو رد نہ کرو حسینؑ اسے مرنے دو تاکہ میں بھی اس امتحان میں کامیاب ہوجاؤں"

سامعین! ظہر کا وقت آگیا۔ حضرت سعیدؓ نوے برس کا بڈھا صحابی حسینؑ کے سامنے پہنچا اور عرض کی۔

"مولاؑ! ظہر کا وقت ہے۔ ہم آپ کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں" مولاؑ نے کہا۔

"شاباش۔ خدا تمہیں اجرِ خیر دے۔ اس عالم میں بھی نماز تمہیں یاد ہے"

چنانچہ مولاؑ نے نماز شروع کروادی اور حضرت سعیدؓ حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے تاکہ کوئی تیر فرزندِ رسولؐ تک آنے نہ پائے۔ اب جو مولاؑ نے نماز شروع کی تو دشمن کی طرف سے برابر تیر آنے لگے۔ سعیدؓ نے تیروں کو اپنے سینے پہ روکنا شروع کر دیا۔ بڈھا آدمی۔ بڈھی پسلیاں تیروں سے ٹوٹ گئیں۔ ادھر مولاؑ نے سلام پھیرا ادھر سعید حسینؑ کی گود میں آگرا۔ اور گر کے پوچھتا ہے۔

"هَل وَفيت يا ابن رسول الله"

"مولاؑ! میں نے جو عہد کیا تھا وہ پورا کر دیا۔؟"

امامؑ نے جواب میں فرمایا "انت امامی فی الجنۃ"۔ سعیدؓ میں جنت میں جاؤں گا تو تُو میرے آگے آگے چلے گا۔" اب جو مولاؑ نے یہ فرمایا تو سعیدؓ کہتا ہے۔

"مولاؑ! اگر یہ بات ہے تو میری ایک عرض ہے"

امامؑ نے فرمایا "سعیدؓ۔ کہو۔ کیا بات ہے؟"

"مولاؑ! میرے بدن سے تیر نہ نکال۔ میں تیروں سمیت تیرے نانا کے پاس جانا چاہتا ہوں" ــــ اور یہ کہہ کے سعیدؓ کہتا ہے۔

"مولاؑ! کوئی میرے سرہانے بیٹھا میرا سر دبا رہا ہے۔ مجھے آرام مل رہا ہے۔ مجھے بڑا آرام مل رہا ہے"

مولاؑ نے فرمایا۔"سعید سلام کرو۔ یہ میرے ناناؐ رسول اللہ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے سینے پہ ہاتھ پھیر رہا ہے"

سعیدؓ! یہ میرے اباؑ حیدر کرارؑ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے بازو دبا رہا ہے"

سعیدؓ! یہ میرے بھائی حسنؑ آئے ہیں"

مولاؑ! کوئی میرے پاؤں کے پاس بھی ہے"

سعیدؓ! پاؤں سمیٹ لو۔ تیرے استقبال کو میری اماںؑ آئی ہے"

بہرنوع! اصحابِ حسینؑ اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کر رہے ہیں۔ اور جب تمام اصحاب اپنا اپنا امتحان دے چکے تو اب حسینؑ کا اپنا امتحان ہے۔

"یا اللہ! تیرے حضور میں امتحانِ عشق دینے کے لئے میں خود آ رہا ہوں ــــ اپنا کیا ہوا عہد پورا کرنے کے لئے میں آ رہا ہوں"

حسینؑ میدان میں آئے۔ خیموں میں عورتیں دم بخود ہیں۔ دروازے پہ زینبؑ خاموش کھڑی ہے ــــ دورانِ جہاد بے حیا فوج نے تمسخر کے لہجے میں کہا۔

"حسینؑ! اب تیرا آخری وقت ہے۔ کیوں ہمیں بھی پریشان کرتے ہو۔ گھوڑے سے اتر آؤ ــــ تاکہ یہ جنگ جلدی ختم ہو جائے"

جب بے حیا فوج کا یہ طنزیہ فقرہ زینبؑ نے سنا تو علیؑ کی بیٹی کو جوش آ گیا۔

دروازے سے آواز آئی۔

"حسینؑ! یہ تجھے مجبور سمجھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے میری اماں" کے دودھ کی طاقت دکھا دے۔ تاکہ یہ سمجھیں کہ حسینؑ مجبور ہے"۔

"اچھا زینبؑ! اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہوگا"۔

حسینؑ نے جب بسم اللہ پڑھ کے تلوار نکالی اور فوج پر حملہ کر دیا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ حسینؑ فوج کو نخلیہ تک بھگاتے ہوئے پہنچے تو فوج کا پچھلا دستہ کوفے کے بازاروں سے ٹکرا گیا۔ اور جب حسینؑ دوڑتے ہوئے نخلیہ سے واپس کربلا آئے تو بلند ٹیلے پہ چڑھ کے بلند آواز سے کہتے۔ اَنَا ابن رسول اللہ۔ "لوگو! میں رسولؐ کا بیٹا ہوں"۔

زینبؑ فوراً جواب میں کہتی۔ مرحبا یا ابن رسول اللہؐ۔ شاباش۔ اسے رسولؐ کے بیٹے"۔

بہر نوع! حسینؑ نے جب اس شان سے تین حملے کئے تو دوران جہاد اللہ کی طرف سے غائبی آواز آئی۔

"اے نفسِ مطمئنہ! دنیا نے تیری شجاعت دیکھ لی۔ اب آجاؤ ہمارے پاس"۔

اے آلِ محمدؐ

اگر محبت میں ہم پورا نہیں اترتے تو اتنا دعویٰ ضرور ہے کہ تمہارے دشمنوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

(خطیب آلِ محمدؐ)

سکینہؑ بنت الحسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام"

میرے سامعین!

اللہ کا یہ فرمان ہے "من نعمرہ ننکسہ فی الخلق"

جس کی عمر زیادہ ہو جائے ہم اسے واپس کر دیتے ہیں بچپن کی طرف ــــــ میری صورت یہ ہے کہ دیکھنے میں تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر خدا کے اس قانون کے مطابق میں بچہ ہو گیا ــــــ اور یہ جوان خطیب میرے اُستاد ہیں، میں ان کا شاگرد ہوں میں ان ہی سے سیکھ کے پڑھتا ہوں جو کچھ یہ پڑھتے ہیں ــــ مجھے ذاتی طور پر کچھ یاد نہیں رہا۔ جو کچھ سیکھ لیتا ہوں، سنا دیتا ہوں۔ اب اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، یہ سب عمر کا قصور ہے ــــــ آج آپ کو بطور کہانی ایک بات سناتا ہوں، اگر آپ ہاں، ہاں کرتے رہے تو کہانی چلتی رہے گی ــــ اگر آپ نے بیچ میں ہوں ہوں نہ کیا تو کہانی رہ جائے گی ــــ کہانی سنانے کا مقصد یہ ہے کہ کہانی آپ کو یاد بھی رہے گی ــــ اور ــــ یاد رہے گی تو میں بھی یاد رہوں گا ــــ اگر بھول گئے تو مجھے بھی آپ بھول جائیں گے ــــ آپ اگر مجلس سننا چاہیں تو کسی نوجوان سے سنیں ــــــ اگر کہانی سننا چاہیں تو مجھ جیسے بوڑھے سے سنیں جس طرح گھر میں بڑے بوڑھوں کا کام بچوں کو کہانیاں سنانا رہ جاتا ہے ــــ"

بزرگان من!

انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جس سے اُسے عقیدت ہو جائے، اُس کیلئے وہ اپنی لغت کے اعتبار سے اچھے سے اچھا لفظ استعمال کرتا ہے ـــــ جتنا اچھا لفظ اُس کے ذہن میں آئے وہ اپنے ذہن کے مطابق اچھے سے اچھا لفظ استعمال کرتا ہے، چاہے وہ خود حقیقت میں اچھا نہ رہے، مگر چاہتا یہی ہے کہ اچھا لفظ استعمال ہو ـــــ جس طرح ایک مُرید اپنے پیر کے پاس گیا" پیر سائیں! ایک تعویذ لکھ دو تاکہ میرے گھر چوری نہ ہو" پیر نے کہا" میاں تعویذ بھی لے جا اور ایک کُتّا بھی پال لے جو تیرے گھر کی حفاظت کرے" ـــــ مُرید نے عرض کیا" جناب میرے تو پیر بھی تُسی اور کُتّے بھی تُسی"

مُرید نے اپنے پیر کی بڑی عزت کی تھی۔ بڑا شرف بڑھایا تھا، اپنی عقل کے مُطابق بات کی تھی، مگر خُدا ایسے نادان دوستوں سے بچائے جو بظاہر تو تعریف کرتے ہیں ـــــ بات کچھ اور ہوتی ہے" ـــــ اسی طرح کی یہ ایک کہانی ہے کہ لوگ کچھ بات کرتے ہیں ـــــ نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے ـــــ،

میرے محترم سامعین!

انسان کی لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق آج سے پینتالیس سو سال پہلے عراق کی سرزمین پر عُرنامی ایک مق[illegible] میں اللہ نے ایک بچہ پیدا کیا۔ جس کا نام تھا ـــــ ابراہیم ـــــ اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے برّعظیم پاک و ہند میں راجہ رام چندر کے بعد جسرتھ کی حکومت تھی۔ ابرا[illegible] پیدائش کے بڑے قصے ہیں جن کا ذکر کیا جائے تو کہانی ـــــ طویل ہو جائے گی ـــــ بہر نوع ـــــ جہاں ابراہیم پیدا ہوئے یہ وہ جگہ ہے جو شہر بابل کہلاتا ہے۔ جس کے کھنڈرات اب نکالے جا رہے ہیں۔ بابل شہر دُنیا میں سب سے بڑا شہر تھا۔ اُس کا رقبہ تقریباً ڈھائی سو مربع میل میں پھیلا ہوا تھا۔ بابل شہر کے محلوں کے نام یہ تھے:۔ غازیہ، نینوا، کربلا، حلہ وغیرہ یہ سب بابل کے محلے تھے ـــــ اس شہر میں اُس وقت دُنیا میں جتنے مذہب

تھے - ہر مذہب کے آدمی آباد تھے - ہر مذہب کا پیشوا وہاں رہتا تھا - ہر مذہب کا عبادت خانہ وہاں موجود تھا - ان تمام مذاہب میں کچھ لوگ خدا پرست بھی تھے ـــــ خدا پرستی دُنیا میں ہمیشہ رہی ہے - خواہ کسی شکل میں رہی ہو - بہر نوع ـــــ خدا پرست بھی تھے وہ -

عبادت خانے کو بابلی زبان میں "کرب" کہتے ہیں ـــــ یہ عبادت خانہ فلاں بُت کا، یہ عبادت خانہ فلاں بُت کا - جہاں اللہ کا عبادت خانہ تھا اسکو "کرب اللہ" کہتے تھے ـــــ جسے آج کربلا کہتے ہیں، یہاں وہ قوم آباد تھی جو اللہ کو پوجتی تھی اور اور بابل سے ـــــ کربلا جس جگہ کو کہتے ہیں یہاں سے لے کر کوفہ تک جو اڑتالیس میل کا ٹکڑا ہے، یہ سب ایک جھیل تھی پھر ایک زلزلہ آیا ـــــ زلزلے کا اثر یہ ہوا کہ وہ جھیل خشک ہوگئی اور جھیل کی جگہ وہاں ریگستان ہوگیا ـــــ عربی زبان میں جھیل کو کہتے ہیں "نے" ـــــ آپ نے جغرافیہ میں پڑھا ہوگا لفظ ـــــ اناتے " لہذا جھیل کہتے ہیں "نے" کو اور خشک ہوجانے کو کہتے ہیں "جف" ـــــ وہ جھیل تھی اور خشک ہوگئی اس لئے اس جگہ کا نام رکھا گیا "نے جف" جسے آج "نجف" کہتے ہیں -

بہر نوع ـــــ آپ یہ کہانی سُن رہے ہیں کہ بابل شہر میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور جب انکا زمانہ عروج آیا - انہوں نے سب سے پہلے دُنیا کو علم نجوم کا وعظ کیا ـــــ (ستاروں کے علم) کا تعارف کروایا - اُن کی شہرت ہوئی کہ عراق میں ایک ایسا شخص ہے جو ستاروں کا علم بتاتا ہے - چنانچہ راجہ جسرتھ نے یہاں سے طلبہ کی جماعت بھیجی - ابراہیمؑ سے نجوم کا علم سیکھنے کے لئے ـــــ انہوں نے جاکے نجوم کا علم سیکھا اور واپسی پر بجائے ہندوستان آنے کے وہ مصر رہ گئے - کافی عرصہ تک وہ مصر میں رہے - یہاں تک کہ جناب ابراہیمؑ کے انتقال کے ہزار ، ڈیڑھ ہزار سال بعد مصر پہ حکومت ہوگئی فرعون کی (فرعون کسی کا نام نہیں تھا بلکہ فرعون کہتے ہیں بادشاہ مصر کو) تو ان میں سے ایک

فرعون کے جی میں آیا "چلو ہندوستان کی سیر کریں" اور لیسے آدمی چاہئیں جو مجھے ہندوستان کی سیر کرا دیں ــــــ ابراہیمؑ کے شاگرد جو نجوم سیکھ کے آتے تھے۔ وہیں ٹھہر گئے تھے وہ اُس رُت بھی ہندی کہلاتے تھے ــــ اُنہیں ساتھ لے کر وہ بادشاہ ہندوستان میں آیا ــــــ بادشاہ کا نام تھا "ہری"، گویا اُس بادشاہ کے ساتھ وہ مصری آئے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے علم نجوم سیکھا تھا ــــــ ہندوستان کی سیر کرائی جب وہ گنگا کے دہانے پہ پہنچا وہاں وہ "ہری" مر گیا ــــــ اُسے وہاں دفن کر دیا گیا اور اُس کے دفن کی جگہ کا نام "ہری دوار" ہو گیا۔ جسے "ہردوار" کہتے ہیں

بہر نوع ! آپ کو کہانی سُنا رہا ہوں ــــــ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے حکم دیا خانۂ کعبہ جس جگہ ہے وہاں جا کر تم اپنے بچے کو اور اس کی ماں کو آباد کر دو ــــ چُنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ اور ہاجرہؑ کو اس جگہ جا کر بسا دیا ــــ اسماعیل جب جوان ہوئے تو اُنہوں نے یہ گھر بنایا جو آج خانۂ کعبہ کہلاتا ہے ــــــ یہاں بنی جرہم نامی ایک قبیلہ آ کے آباد ہو گیا۔ اس قبیلہ بنی جرہم کا جو شیخ تھا اُس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی۔ اُس نے اپنی اکلوتی لڑکی کا عقد اسماعیلؑ کے ساتھ کیا۔ گویا اسماعیلؑ اس "بنی جرہم" ــــ کے داماد ہو گئے۔ اور جب وہ بہت بوڑھا ہوا اُس نے ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر اپنے بنی جرہم کے قبیلے سے کہا۔

"مجھے سردار مانتے ہو"

"سب نے کہا" ہاں مانتے ہیں"

"سُنو ! جن کا میں سردار ہوں اُس کا آج سے میرا داماد سردار ہے" چنانچہ "سرداری کا اعلان ہو گیا۔ گویا شہر مکہ کی آبادی "داماد" کی سرداری کے اعلان سے قائم ہوئی اور جس جگہ کھڑے ہو کر اُس نے اعلان کیا تھا اُس جگہ یہ عمارت بنائی گئی، جو خانہ کعبہ کہلائی۔ گویا خانہ کعبہ کی عمارت داماد کی سرداری کے اعلان کی یادگار ہے ــــــ

کہ کچھ اس طرف بنی جرہم بھی آباد ہو گئے اور نسلِ اسماعیلؑ بھی آباد ہو گئی۔ کعبہ کی حکومت آلِ اسمٰعیل کے پاس تھی۔ بنی جرہم بطور رعایہ رہتی تھی اُن کی تعداد ذرا زیادہ تھی۔ آلِ اسماعیلؑ کی تعداد ذرا کم تھی ـــــ جب رعایہ کی تعداد ذرا زیادہ ہو جائے تو وہ کثرت کے غرور میں آکر جلیل القدر سرداروں سے اُلجھ پڑتی ہے چنانچہ اُنہوں نے بھی یہی کیا ـــــ اولادِ اسماعیلؑ سے جھگڑا کیا، لڑائی کی اور اولادِ اسماعیلؑ تنگ ہو کر مکّہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر چلی گئی اور بنی جرہم وہاں قابض ہو کے بیٹھ گئے ـــــ (عربوں کا یہ دستور رہے کہ لڑکی بھی دے دی اور دیان بھی کر دیا اُن بے چاروں کو ـــــ یہ عربوں کی پرانی عادت ہے اولادِ ابراہیمؑ دنیا میں منتشر ہو گئی جہاں جہاں جس کے جی میں آیا وہاں جا کے بس گئے چنانچہ اولادِ ابراہیمؑ کی ایک شاخ یمن میں جا کے آباد ہو گی ـــــ سینکڑوں سال یہ بے چارے اسی طرح منتشر رہے پھر خدا نے جو اولادِ ابراہیمؑ جو منتشر تھی اُنہیں اکٹھا کیا ـــــ دوبارہ مکّہ پر حملہ کیا اور قابض ہو گئے۔ اس طرح آلِ اسماعیلؑ نے اپنی حکومت حاصل کی ـــــ "قریش" کے معنی ہیں "بکھرے ہوئے کو اکٹھا کرنا" چونکہ قصیؑ نے یہ عمل کیا تھا اس لئے وہ "قریش" کہلائے اور اُنکی اولاد "قریشی" کہلائے ـــــ اس طرح آلِ اسماعیلؑ کی حکومت دوبارہ وہاں قائم ہو گئی۔ یوں تو اسماعیلؑ کی ساری اولاد مکّہ میں آکر بس گئے تھے مگر جو یمن چلے گئے تھے وہ دوبارہ مکّہ واپس نہ آئے بلکہ وہیں یمن میں آباد رہے ـــــ یمن میں اُنہوں نے بڑی تجارت شروع کر دی۔ بڑا کاروبار شروع کر دیا۔ اُن کی وہاں بڑی عزت ہو گئی۔ بڑی شان ـــــ ہو گئی۔

میرے سامعین! آپکو پتہ ہے کہ عیسائی مذہب میں سب سے بڑا مذہبی وہ کہلاتا ہے جو راہب ہوتا ہے۔ رہبہ کے معنی ہیں، دُنیا چھوڑی اور کہیں جنگل میں جا کے بیٹھ جاتے وہ راہب عیسائی مذہب میں سب سے بڑا گویا مذہبی ہوتا ہے۔ یہ خاندان چونکہ عیسائی ہو گیا تھا اِن میں جو راہب بنتا اُس کی دولت باقی

خاندان میں بٹ جاتی - یہاں تک کہ تقریباً سارا خاندان راہب ہو گیا اور پورے خاندان کی دولت سمٹ کر ایک شخص کے پاس آ گئی اُن کا نام تھا خویلد - سارے قریش جو مینی تھے اُن سب کی دولت کے وہ تنہا وارث ہو گئے ـــــ خویلد کے گھر لڑکا تو نہیں تھا - ایک لڑکی تھی جس کا نام تھا "خَدِیجَۃُ الکُبریٰ" ـــــ گویا "خدیجۃ الکبریٰ" سارے قریش یمنی خاندان کی دولت کی تنہا واحد مالک تھیں ـــــ یمن میں کافی عرصہ گذارنے کے بعد خویلد اپنی لڑکی کو لے کر مکہ شریف لائے - وہاں خویلد کا انتقال ہو گیا اور خدیجہؓ اس تمام دولت کی مالک ہو کر وہاں رہنے لگیں - وہاں بڑی عظیم الشان تجارت شروع کر دی ـــــ تقریباً نوّے ہزار اُونٹ مالِ تجارت سے لدے ہوئے یمن جایا کرتے تھے اور نوّے ہزار اُونٹ شام جایا کرتے تھے - اتنے اُونٹ ہر وقت نقل و حرکت میں رہتے تھے اتنی بڑی تجارت تھی جناب خدیجۃ الکبریٰ کی اگر اُن کی آمدنی اُس زمانے کے دس لاکھ بھی سمجھ لی جائے تو اس زمانے کے دس کروڑ کے برابر ہو گی ـــــ !

بہر نوع ! اتنی دولت تھی خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس ـــــ مگر عرب کیا کرتے تھے اُن کے مالِ تجارت پر ڈاکہ ڈال دیتے تھے اگرچہ وہ مال غریبوں ہی میں بانٹ دیا جاتا تھا ـــــ مگر ـــــ عادت تھی، عربوں کی ـــــ لوٹ لیتے تھے اس لوٹ سے بچانے کے لئے اُنہوں نے بیضۃ البلد، شیخ البطحا، سیّد القوم امیر العرب، حضرت ابی طالبؑ سے درخواست کی کہ آپ ایسا انتظام کریں کہ ڈاکہ زنی میری جائیداد پر نہ ہو ـــــ چنانچہ ابی طالبؑ نے یہ انتظام کیا کہ جتنے عرب قبیلے تھے اُن سب کے سربراہوں کو بُلایا اور یہ کہا " میں چاہتا ہوں تم سب تجارت کرو "

یہ نہیں کہا ! " تم ڈاکے نہ ڈالو " ـــــ بلکہ کہا

"تجارت کرو" جس کے پاس جتنے پیسے ہیں لے آؤ" ـــــ کوئی ایک سو ـــــ کوئی پانچ سو اور کوئی ہزار لے کر آیا ـــــ جتنے کسی کے پاس تھے لے آیا۔ خدیجہؑ کی دولت سے ملا دیتے اور فرمایا" یہ تم سب کی مشترکہ تجارت ہے۔ جو منافع ہوا کرے گا ـــــ تم سب میں تقسیم ہو جایا کرے گا" ـــــ چونکہ وہ سب کی مشترک تجارت ہوگئی تھی اس لئے بجائے لوٹنے کے سب اُس کے محافظ بن گئے ـــــ سرمایہ مشترک سے تجارت کرنے کا طریقہ سب سے پہلے حضرت ابی طالبؑ نے بتایا ہے اس سے پہلے یہ بات کسی کو معلوم ہی نہیں تھی ـــــ عربی میں کمپنی بنا کے تجارت کرنے کو "ایلاف" کہتے ہیں۔ اسکے معنیٰ ہیں اُلفت پیدا کرنا ـــــ اور قرآن نے ابی طالبؑ کے اس عمل کو ان لفظوں سے یاد کیا" ـــــ" جو قریش نے کمپنی بنالی ہے۔ اپنے سردی اور گرمی کے تجارتی سفروں کے لئے یہ اصل میں ان پر احسان کیا ہے "رب کعبہ" نے ـــــ یا تو ابی طالبؑ کو رب کعبہ مانو ـــــ یا ـــــ!

بہر نوع ! اس طرح وہ تجارت ہوتی تھی ـــــ کہانی بڑے مختصر لفظوں میں آپ کو سنا رہا ہوں ـــــ خویلد کے خاندان کا ایک فرد تھا "اُمرالقیس" جو یمن میں رہتا تھا ـــــ یہ بھی عیسائی تھا ـــــ اُسے پتہ تھا کہ میرے خاندان کی ایک خاتون "خدیجۃ الکبریٰؑ" مکہ جا کر رسولؐ کی حرم بن گئی ہے۔ اُمرالقیس کی شرافت و لطافت اور اخلاق کی داستانیں عرب کی ادبی کتابوں میں مختلف جگہوں پہ درج ہیں۔ نہایت شریف النفس اور نیک انسان تھا۔ خدا نے اُسکو دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ ایک کا نام سلمیٰ تھا ـــــ اور ایک کا نام [illegible] ـــــ جو رشتہ میں بھتیجیاں تھیں جناب خدیجۃ الکبریٰ کی۔ سلمیٰ جوان ہوگئی تھی اور [illegible] ابھی چھوٹی سی بچی تھی جب اُسکی ماں مرگئی

اُمرالقیس کے دل میں خُدا جانے کیا خیال آیا اُس نے ارادہ کیا ـــــ مُسلمان ہونے کا۔
یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب مدینے میں تیسری حکومت مسندِ حکومت پر تھی ـــــ
اُمرالقیس اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر مدینے آگیا ـــــ سوچنے لگا ـــ "پہلے تو میں
مسلمان ہونگا۔ پھر بڑی بیٹی کی شادی کسی شریف زادے سے کر دُوں گا
اور چھوٹی بیٹی اپنی بڑی بہن کے ساتھ رہے گی۔ جب یہ بڑی ہو گی تو اس کی
بھی شادی کر دونگا" اس نیت سے وہ دونوں بیٹیوں کو لے کر مدینہ آگیا
مدینے میں آکر اُس نے یہ تلاش کیا کہ "شریف ترین انسان کون ہے جس سے
اپنی لڑکی کی شادی کر دوں"۔

اب تم بتاؤ بھائیو!

دُنیا کے اصول کے مطابق معیارِ شرافت کیا ہے؟ ـــــ اگر پیسہ ہے
تو بڑا شریف ہے ـــــ دُنیا بھر کے عیب ہوں، پیسہ ہے، بڑا شریف ہے۔ جتنا
ہی نیک ہو، وہ غریب ہے، تو بھُوکا ہے، کنگال ہے، گویا پیسہ ہی شرافت ہے اور اگر
پیسہ کے ساتھ ساتھ حکومت بھی مِل جاتے تو شرافت کا بادشاہ بن جاتا ہے ـــــ؟
چُنانچہ اُمرالقیس نے آکر مدینے میں دریافت کیا، یہاں کوئی شریف بھی ہے؟
لوگوں نے کہا "بھائی شریف تو وہ ہو گا جس کے پاس دولت ہو، حکومت ہو اور
اگر دونوں مل جائیں ـــــ تو سبحان اللہ"۔

لہٰذا اتفاق سے غنی بھی تھا اور صاحبِ حیثیت بھی تھا ـــــ اُمرالقیس
اُس کے دربار میں گیا دو چار باتیں کیں۔ دو چار دن جا کر بیٹھا ـــــ جوہری کو جوہر کا
پتہ چلتا ہے ـــــ کہنے لگا نہیں! ـــــ یہ اس قابل نہیں کہ میری لڑکی کا رشتہ
اس سے کیا جاتے ـــــ چند دن اور ٹھہرا ـــــ اس انتظار میں کہ کوئی شریف
ملے ـــــ!

سامعین ! ــــ آپ بتائیں کہ یہودیوں کے باغ میں کام کرنیوالا مزدور ــــ ! بھلا اُس کی طرف اشارہ کون کرے ــــ کسی نے بھی نہ کہا کہ ایک شریف ایسا ہے جو صبح سے لے کر شام تک مزدوری کرتا ہے ــــ ایک دن وہ اتفاق سے مدینے میں کسی اجتماع میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ پیر دن پر مزدوری کی گرد پڑی ہوئی ہے۔ کہنیوں پر پسینے کے چھالے پڑے ہوتے ہیں ــــ پسینے میں شرابور ہے۔ مٹھی میں مزدوری کے پیسے ہیں، ایک شخص سر جھکائے ہوئے چلا آرہا ہے اور کرتا کیا ہے؟ کہ غریبوں کے یتیم بچے اُسے دور سے دیکھ کے دوڑے آتے ہیں وہ دوسرے بچوں سے نظر بچا کے ایک بچے کو پیسہ دے دیتا ہے ــــ پھر دوسرے کو۔ یہاں تک کہ گھر پہنچنے تک کچھ بھی نہیں رہا ــــ یہ منظر اُمرالقیس نے چار دن متواتر دیکھا (دیکھا تو غور سے سُنا، میری اس کہانی کو یہ ہمارے گھر کی کہانی ہے جو سوائے آنسوؤں کے کچھ بھی نہیں)

اُمرالقیس چند دن دیکھتا رہا اُس مزدور کو ایک دن وہ ایک قبیلے کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتفاق سے وہی مزدور سامنے آیا۔ سارے آدمی کھڑے ہو گئے اور بے ساختہ اُسکے منہ سے نکلا۔

"لا الٰہ الّا اللّٰہ ما اشرفہ ھٰذا الفتیٰ"۔

سامعین ! ــــ مسلمانوں کی سب سے بڑی قسم کلمہ ہے۔ اگر مسلمان کلمہ پڑھ کے کہہ دے، ــــ کوئی بات، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات کبھی جھوٹ ہو سکتی ہی نہیں۔ دوسرے، مسلمان پہ فرض ہے کہ وہ اگر مسلمان ہے تو مان لے ورنہ اُس کا اسلام غلط ہو جائے گا۔ اسی لئے ہمیں اتنا یقین ہے علیؑ کی ولایت کا کہ ہم قسم جلالہ اُٹھا کے کہتے ہیں کہ

اشہد الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علیؑ ولی اللّٰہ

علیؑ کے ولی ہونے کا ہم قسم اُٹھا کے اعلان کرتے ہیں۔ اب جو نہیں مانے گا تو وہ مسلمان نہیں رہے گا

"لا الٰہ الّا اللّٰہ" ــــ پہلے قسم کھائی پھر کہا "ما اشرفہ ھٰذا" یہ

جوان جو آرہا ہے بڑا ہی شریف ہے۔ اب جوان کے لئے عربی میں "شباب" کا لفظ بھی ہے۔ مگر اُنہوں نے شباب نہیں کہا۔ فتیٰ کہا ہے۔ فتیٰ اور شباب میں فرق ہے۔ ہر نوجوان شباب ہے۔ مگر ہر جوان فتیٰ نہیں ہے ـــــ جب ابراہیمؑ نمرود کے بُت خانے کے بُت توڑ کے آتے تو وہاں کے بُت پرستوں نے جب بُت ٹوٹے ہوئے دیکھے، تو اُنہوں نے فوراً کہا ـــــــ! ۔

"یُذکرُھم یُقال لہٗ ابراھیم"

"ایک فتیٰ ہے جو بُرائی کرتا ہے اور ابراہیمؑ اُس کا نام ہے" معلوم ہوا فتیٰ اُس جوان کا نام ہے جو بُت شکن ہو۔ فتیٰ ہر جوان نہیں کہلاتا ـــــ بُت شکن فتیٰ کہلاتا ہے ـــــ اب جتنے مُسلمان تھے بُتوں سے تو سب کو نفرت تھی، مگر بُت شکن سب نہیں تھے اس لئے یہ فقرہ بنانا پڑا ـــــ

لَافتیٰ اِلّا علیؑ"

کوئی بُت شکن نہیں ہے سوائے علیؑ کے ـــ اور اس لفظ کی جان میں اتنی طاقت آگئی کہ اگر ساری دُنیا کے مُلّا بھی مِل کر کسی کو بے دین بنا دیں ـــ (مصیبت یہ بن گئی ہے کہ مجھے تو جماعت کا پتہ ہی نہیں اس لئے کہ میں اہلِ جماعت رہا ہی نہیں ـــ ایک جماعت ہی "لافتیٰ" کہنا شروع کر دے تو فتح اُسے ضرور رہو جاتی ہے۔

بہر نوع۔ فتیٰ اسے کہتے ہیں جو بُت شکن ہو، ـــــ انہوں نے یہ نہیں کہا "لا الٰہ اِلّا اللہ ما اشرفہ ھٰذا الشباب" یہ جوان کتنا شریف ہے بلکہ کہا ـــــ

"ما اشرفہ ھٰذا الفتیٰ" لفظ فتیٰ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخصوص جوان ہے جس نے بُت توڑے ہیں، بُت پوجے کبھی نہیں، اور کہا "اشرف"،

شریف نہیں کہا ــــ شریف اور چیز ہے ۔ اشرف اور چیز ہے ــــ دگر خدا شاہد ہے کہ شریف کہنے کی تو ہمیں اتنی عادت پڑ گئی ہے کہ جس انسان کو دیکھا اُسے شریف کہدیا ــــ اگر پاکستان و ہندوستان کے شریف گننا شروع کریں تو صبح ہو جائیگی شریف ختم نہیں ہونگے مثلاً اجمیر شریف ــــ سیال شریف ــــ تونسہ شریف ــــ فلاں شریف مصیبت شریف اور آفت شریف ــــ ایمان سے میں تو ان شریفوں سے تنگ آ کے کراچی گیا ــــ جہاز میں بیٹھا ــــ جا اُترا البصرے میں سوچا ! شریفوں سے تو جان بچی ۔ بصرے میں ریل گاڑی میں سوار ہوا اور صبح ہی صبح جو اسٹیشن پر آنکھ کھلی تو سامنے لکھا ہوا تھا "بغداد شریف" ــــ لو شریف نے یہاں بھی جان نہ چھوڑی شریف یہاں تک بھی آ گیا ــــ آخر کار میں نے ایک ٹیکسی کرایہ پر لی اور ٹیکسی ڈرائیور سے کہا "مجھے کسی اچھی جگہ لے چل" وہ لے کے چل دیا ــــ ابھی دس میل دُور تھی وہ جگہ کہ دُور سے طلائی گنبد نظر آیا ــــ طلائی مینار نظر آئے ۔ آنکھ جھپک گئی ۔ دل تڑپ گیا ــــ رُوح میں روانی آ گئی ــــ نبضیں تیز ہو گئیں ــــ کان میں غیبی آواز آئی

"با ادب با ملاحظہ ہوشیار !" یہاں جبرئیل امین اردلی ہے یہاں جنت کی بہاریں ہیں، یہاں انبیاء تعظیم کو کھڑے ہیں، یہاں کوثر گھٹتا ہے یہاں ایمان بڑھتا ہے ــــ"

میں نے کہا "یہ ہے کیا ؟"

"یہ نجف ــــ ہے"

عادت، جو نکی منہ سے نکل گیا "شریف"

ڈرائیور نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا اور کہا

"خبردار ! شریفوں کی حد ختم ہو گئی ــــ یہ شریف نہیں ہے ــــ یہ ہے شریف گر ــــ جو اس کا صرف نام ہی لے لے شریف بن جاتا ہے ۔ اسے کہا ہے "نجف اشرف" ــــ اب "اشرف" دماغ میں بیٹھ گیا ۔ اب جو کسی کا نام لوں گا تو شریف نہیں کہوں گا ــــ زیارت کی نجف اشرف کی ــــ لطف آ گیا ــــ سواد آ گیا۔

ضریح کے پاس گیا، وہاں جا کر عرض کیا، مولائے کائنات! آواز دے مجھے اے جبرئیلؑ طاقتِ پرواز دے مجھے ـــــ میں کس کے دربار میں آگیا ہوں"

وہاں سے میں نے پھر ٹیکسی لی اور آگے چل پڑے تقریباً چالیس میل چلے ہونگے کہ دُور سے طلائی گنبد نظر آئے۔ میں نے پوچھا "یہ کونسی جگہ ہے"

ٹیکسی والے نے کہا "یہ ہے کربلا"

میں نے پوچھا "یہ اشرف ہے"

"نہیں اشرف نہ کہنا اسے۔ اشرف وہاں کی بات تھی۔ یہ ہے کربلا معلیٰ"

بس بھائیو! لفظ معلّیٰ معراج کی یادگار ہے۔ دُنیا میں صرف دو ہی معلّیٰ ہیں، ایک ـــــ عرش معلیٰ ایک کربلائے معلیٰ ـــــ نانے کی معراج نے عرش کو معلیٰ بنا دیا۔ نواسے کی معراج نے فرش کو معلیٰ بنا دیا)

بہر نوع! شریف تو ہر ایک کو کہتے ہیں مگر اُمرالقیس نے کہا "ما اشرف الفتیٰ" "وہ کتنا شریف گھر ہے" قیس نے کہا ـــ میں تو شریف کی تلاش میں آیا تھا مگر یہ ایسے انسان کو اشرف کہہ رہا ہے جس کے پاؤں پہ غبار پڑا ہو، پسینے میں تر، پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے انسان کو یہ امیرالعرب، قالین پہ بیٹھنے والے، بڑے بڑے رئیس اُٹھ کر تعظیم کر رہے ہیں ـــ اشرف کہہ رہے ہیں اور میں انہیں بھی غلط نہیں کہہ سکتا چونکہ یہ کلمہ پڑھ کے کہہ رہے ہیں ـــ اسلئے قیس اُٹھ کے اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا ـــ اور جب پہنچا گھر کے دروازے پہ تو اُس نے دروازے پہ لگا ہوا بورڈ پڑھا ـــــ وہاں لکھا تھا "انما عبداللہ"

قیس گھر واپس آگیا۔ رات بھر سوچتا رہا، "یہ کس انسان کو میں نے دیکھا" قیس ساری رات بھر بے چین رہا۔ صبح کو اُٹھ کر پھر اُسی گھر کی طرف روانہ ہوا ـــــ اُدھر سورج کی پہلی کرن اس گھر پہ آئی ادھر یہ جا کر پہنچا ـــ دستک دی ـــ وہی مزدور باہر آیا ـــ "تم کون ہو؟" "قبلہ! میں یمن کا ـــ" "ہاں ہاں! سمجھ گئے ـــ اُمرالقیس یمنی"

آپ مجھے جانتے ہیں''؛ فرمایا "ہاں! جانتے ہیں" (آج بھی کتابوں میں دُعائے یمنی موجود ہے کوئی مشکل پڑے تو اس دُعا کو پڑھ لو، فوراً دور ہو جائے گی) مولاؑ نے فرمایا "نہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟" فرمایا" ہاں! قبلہ" "اچھا بیٹھ جاؤ" ابوتراب کا مہمان پہ بیٹھ گیا" قیس! مٹی پہ بیٹھنے سے آپ کو کوئی عار تو نہیں"، "مولاؑ! آپ نے مجھے بیٹھنے کو کہہ دیا یہ مٹی اب مجھے مٹی نہیں نظر آتی" میں اپنے کو یہ محسوس کرتا ہوں کہ کوثر کا کنارہ ہے طوبیٰ کا سایہ ہے، جنّت کی بہاریں ہیں، حوریں میرے چاروں طرف کھڑی ہیں ــــــ اللہ جانے! میں کس جگہ آ گیا ہوں ــــــ عرش سے فرش تک مجھے نور نظر آ رہا ہے''

حضور مسلمان تو میں ہو گیا مگر آج مجھے تو پتہ چلا کہ علمِ اسلام کا مجھے کہاں سے ملے گا! ــــــ ہر در سے بھیک مانگنے کے بعد اصلی در پہ آیا ہوں، حضور! میری دو لڑکیاں ہیں ایک بچی ہے، ایک قابلِ شادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور کے شہزادگان محترم اگر میری لڑکی کو قبول فرمائیں تو میری دین دُنیا میں فلاح ہو گی۔''

چنانچہ قیس کی بڑی لڑکی سلامہؓ کا عقد اسی دن امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند اکبر شہزادہ کونین حضور امام حسن مجتبےٰ سے کیا ــــ اسی خاتون کے بطن طیبہ طاہرہ سے حسنؑ کے گھر وہ بچہ پیدا ہوا جو قاسمؑ ابن حسنؑ کے نام سے آج دنیا میں مشہور ہے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد ــــــ امام حسنؑ کی بھی شہادت کے بعد جناب سلامہؓ کی چھوٹی بہن جناب سلمیٰؓ جب جوان ہو گئی تو ان کا عقد حضور سیّد الشہداء امام حسین علیہ السّلام سے ہوا ــــ اب اُمرالقیس کی قسمت جاگ اٹھی ــــ اسے اس کی شرافت کا پورا صلہ مل گیا ــــــ یاد رکھو! سسرالی رشتہ بڑا مفید ہوتا ہے بشرطیکہ لڑکی صاحبِ اولاد ہو کسی بڑے آدمی کے گھر لڑکی بیاہی جائے اگر اللہ اس لڑکی کے باپ کو شرف نہ دینا چاہے تو اس لڑکی کے اولاد نہیں ہوتی ــــــ کیونکہ سسرال رشتہ نواسے، نواسی،

سے ہوتا ہے ناکہ داماد سے رشتہ تو ایک لفظ میں جوڑ دیا ـــــ ایک لفظ میں توڑ دیا۔ اصل رشتہ نواسے نواسی کا ہوتا ہے ـــــ اللہ کسی کو عزت نہ دینا چاہے تو لڑکی بے شک بڑے گھر چلی جائے۔ نواسہ نواسی نصیب نہیں ہوگا ـــــ میں کہتا ہوں سادات کرام اثم قیامت میں منظر دیکھنا، جب حکم ہوگا "آتش پرستوں کو جہنم میں لے جاؤ" نوشیرواں بھی آتش پرست تھا ـــــ وہ جائیں گے جہنم میں، اگر چلتے وقت اس نے کہہ دیا " ذرا جانے سے پہلے مجھے میرے نواسے زین العابدینؑ سے ملا دو" ـــــ چونکہ نواسے ہیں زین العابدینؑ اسی لئے تمام مسلمانوں کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ جہنم میں تو وہ جائے گا مگر اُسے ایسا پنکھا عطا فرمایا جائے گا کہ جہنم کی آگ اس پر اثر انداز نہیں ہوگی ـــــ!

بہر نوع! سلامہ و سلمٰی حسنؑ و حسینؑ کی زوجیت میں آگئیں ـــــ اسی خاندان کی خدیجۃ الکبریٰؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ اس خاندان کی عزت بنی اور دوسری عزت اس خاندان کی یہ ہوئی کہ سلمٰیؑ اور سلامہؑ امرالقیس کی بیٹیاں، حسنؑ و حسینؑ کی زوجیت میں آئیں ـــــ سلمٰیؑ کے بطن سے نوشہزادہ قاسمؑ پیدا ہوئے۔

جو دُوسری تھیں امام حسینؑ کی زوجہ محترمہ اس کے گھر سب سے پہلا بچہ جو ہوا، وہ لڑکا نہیں ہوا، بلکہ لڑکی ہوئی ـــــ اس خاندان رسالت نے ہر لڑکی کا نام فاطمہؑ رکھا ـــــ ہر لڑکے کا نام علی رکھا ـــــ پہچان کے لئے آگے لگا دیتے تھے، اکبر، اصغر، باقر وغیرہ۔

چنانچہ اس بچی کا نام بھی فاطمہؑ رکھا ـــــ سارے خاندان کو اسی بچی سے پیار تھا خصوصًا اس بچی کا عجیب وغریب چچا شمس الشہداء حضور قمر بنی ہاشمؑ جناب عباسؑ غازی کو اپنی اس بھتیجی سے اتنا پیار تھا۔ نام تو فاطمہ تھا مگر وہ پیار سے سکینہؑ کہتے تھے سکینہؑ بڑی پیاری بچی تھی۔ سیدالشہداء کو اور دوسرے گھر والوں کو اتنا پیار تھا اپنی اس بچی سے کہ اس کی ماں کو سسرال کی طرف سے رُبابؑ کا خطاب دیا۔ نام تو اصلی سلامہؑ تھا مگر سسرال

سے رُبابؑ کا نام دیا گیا ۔ گھر بھر کی لاڈلی بچی ۔۔۔ چار سال کی ہوگئی مگر گھر والوں نے پیدل چلنے نہ دیا ۔ کبھی حسینؑ کی گود میں ۔ کبھی عباسؑ کی گود میں (قاسم کی خالہ زاد بہنیں رہی تھیں ۔ اور چچا زاد بہن بھی) کبھی ماں کی گود میں کبھی زینبؑ کی گود میں کبھی کلثومؑ کی گود میں ۔ بڑی لاڈلی بچی تھی سکینہؑ ۔۔۔۔۔۔!

۱۶ رجب ۶۰ھ کو رُبابؑ کے بطن طاہرہ سے خدا نے ایک فرزند عطا فرمایا سیّد الشہداء کو ۔۔۔۔۔ جس کا نام علی اصغرؑ مشہور ہوا ۔ سکینہ کا سگا بھائی تھا ۔ ایک دفعہ پھر کہتا ہوں علی اصغرؑ کا یوم ولادت ۱۶ رجب ۶۰ھ ہے اور ۲۸ رجب ۶۰ھ کو جب حسینؑ نے مدینہ سے سفر کیا ہے اس وقت علی اصغرؑ کی عمر صرف ۱۲ دن تھی گویا ساری عمر علی اصغرؑ کی سفر میں گذری ، علی اصغرؑ اور سکینہؑ دونوں بہن بھائی کربلا سیّد الشہداء کے ساتھ گئے تھے ۴ سال کا سن سکینہؑ کا تھا اور صرف ۱۲ دن کا اصغر تھا جب گھر سے مولاؑ چلے تھے ۔ کربلا میں اصغر تقریباً چھ ماہ کا ہوگیا تھا ، جس طرح ہر بہن کو بھائی سے محبت ہوتی ہے ۔ اُسی طرح سکینہؑ کو بھی اپنے بھائی علی اصغرؑ سے محبت تھی ۔ گھر والے سکینہؑ کو اپنی گود میں اٹھائے رکھتے ، سکینہ بھی اپنے بھائی کو ہر وقت بہلاتی رہتی ، جب دیکھو اس کا جھولا جھلا رہی ہے ۔ جب دیکھو اُسے کرتہ پہنا رہی ہے ۔ جب دیکھو اُسے سرمہ لگا رہی ہے ۔۔۔۔ امامؑ دیکھ کے ، آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا کرتے تھے "سکینہؑ ! اتنا پیار نہ کر ۔۔۔ بیٹے تو تیرا بھائی پہ اتنا پیار نہ کر ، اس کی جُدائی کا صدمہ شاید تجھے برداشت نہ ہو" یہ دونوں بہن بھائی کربلا میں تھے ۔ سکینہؑ بھی اور علی اصغرؑ بھی ۔۔۔ میرے معزز و محترم سامعین ! میں اپنے بیان کو مختصر کرتا ہوں کہ جب دسویں محرم کا دن چڑھا ۔۔۔ سکینہؑ بھی پیاسی اور اصغرؑ بھی پیاسا ۔۔۔ جب سیّد الشہداء اپنی آخری قربانی ، علی اصغرؑ کو لے کے جانے لگے تو اصغرؑ کی ماں رُبابؑ نے عرض کی "حضور ! میں بڑے کریم باپ کی بیٹی ہوں ۔ مگر چاہے میرا باپ کتنا ہی کریم ہی میں سیّدانی نہیں ہوں ، میرے باپ کے گھرانے سے کوئی نسبت نہیں ۔۔۔ جو نسبت زینبؑ و کلثومؑ

کا حصہ ہے وہ مجھے کہاں ملے گا ــــ میں اُمتی ہوں قبلہ! ــ میں ذرا اپنے بچے کو سجانا چاہتی ہوں ــ چنانچہ علی اصغرؑ اور سکینہؑ کو لے کر رُباب اپنے خیمے میں چلی گئی ــــ اچھا لباس پہنایا، کان میں وہ دو موتی پہنائے جو چچا نے تحفہ کے طور پر دیئے تھے علی اصغر کو بھی نیا کرتہ پہنایا، بال ٹھیک کئے ــ آستین بھی چڑھا دیں، آنکھوں میں سُرمہ ڈالا۔ ایک رومال سے کمر باندھی۔ جب ربابؑ خیمے سے باہر آئیں تو ایک ہاتھ سے سکینہؑ کی انگلی پکڑے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اصغرؑ کو گود میں لئے ہوئے اور عرض کیا "مولاؑ! میری ایک گذارش ہے" کیا؟" ــ اپنی بہن کو بُلا لو" ــــ زینب بھی آگئیں "ــ دونوں بہن بھائی سامنے کرسی پہ بیٹھو" پھر میں کہوں گی" ــــ زینبؑ اور حسینؑ سامنے کرسی پہ بیٹھ گئے ــــ رُبابؑ کہتی ہے" فاطمہؑ کی بیٹی اور فاطمہؑ کے بیٹے! میں غیر خاندان کی تمہارے خاندان میں آئی ہوں تم نے میری عزت بڑھائی، تم نے میری شان بڑھائی، فاطمہؑ کی بہو کہلائی ــ تمہاری طرف سے دو تحفے مجھے ملے ہیں ــــ ایک لڑکی ــــ ایک لڑکا ــ یہ بچے تمہارے ہیں ــــ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں ــــ مجھے پتہ ہے کہ آج شام سے پہلے میں بیوہ ہو جاؤں گی ــــ میرا دنیا میں کوئی سہارا نہیں رہے گا ــــ نہ میرا کوئی میکا ہے، نہ میرا کوئی عزیز ہے۔ میں تمہاری اس امانت کی، سکینہؑ اور اصغرؑ کی حفاظت نہیں کرسکوں گی، میں آپ کی امانت کو سجا کے لائی ہوں آپؑ ہی کے سپرد کرتی ہوں" یہ کہہ کے رُبابؑ نے کیا کیا؟ ــ کہ سکینہؑ کو اٹھا کے زینبؑ کی گود میں پھینک دیا اور اصغرؑ کو حسینؑ کی گود میں ــــ حسینؑ نے چند منٹ بعد اصغرؑ کو دفن کر دیا اور سکینہؑ کو سینے سے زینبؑ نے لگا لیا۔ زینبؑ کی مجبوری سمجھو کہ کلیجے سے تو لگائے رکھا مگر کانوں کو نہ بچا سکی ــ اس کی کلائیوں کو نہ کھول سکی علــ اس کے گلے کو نہ کھول سکی ــــ اسی طرح زینبؑ ــــ سکینہؑ کو بندھے ہوئے ہاتھ اور بندھے ہوئے گلے کے ساتھ لے کر شام آ گئی ــــــــ

میرے محترم سامعین! قید خانے میں زینبؑ زمین پہ سوتی تو اپنے ساتھ سکینہ کو سُلاتی

——— بچی سونے سے پہلے پوچھتی "ابا کب آئیں گے؟ بتاؤ زینبؑ کیا جواب دیتی ——— بچی کو کہا کہہ کے بہلاتی بچی کہتی، میرے چچا کب آئیں گے؟" کبھی کہتی "زمین پہ مجھ سے سویا نہیں جاتا ——" بتاؤ اسے کس طرح زینبؑ سمجھاتے اسے کس طرح تسلی دے؟ اور یہ روایت اکثر آپ نے ذاکروں سے سُنی ہو گی، مولوی صاحبان بھی بیان فرماتے ہیں ——— سکینہؑ نے شام کو پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھ لیا پوچھا "بھائی زین العابدینؑ! پرند کہاں جا رہے تھے —— فرمایا —— "بہن! دن بھر چر کے، پیٹ بھر کے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں" بچی پوچھ بیٹھی "بھائی! کبھی ہم بھی اپنے گھر واپس جائیں گے۔ ہمارا بھی کوئی دنیا میں گھر ہے ——!

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک رات جو سوئی تو باپؑ کو خواب میں دیکھ لیا۔ جیسے باپ گود میں لئے بیٹھے ہیں —— آنکھ جو کھلی تو "ہائے ابا" باپ کو یاد کر کے رونے لگی ——— روئی تو محلے کے لوگ اکھٹے ہو گئے "کیا بات ہوئی بچی کیوں رو رہی ہے؟" بتایا گیا کہ باپ کو یاد کر رہی ہے ——— انہوں نے یزید لعین کا محل گھیر لیا "ایک معصوم بچی رو رہی ہے ظالم! اس کا تو کچھ خیال کر باپ کو یاد کرتی ہے" یزیدؔ نے اور تو کچھ نہ کیا، باپ کا سر دے دیا ——— جب سر قید خانے میں آیا بچی ایک دم گھبرا کے کہنے لگی ——— اماں! ابا کی خوشبو آ رہی ہے ——— میرے ابا آ گئے ہیں" سر گود میں لے کر بیٹھ گئی ——— "ابا تم آ گئے" —— سکینہؑ نے ایک ایک بات سنائی ہے باپ کو ——— "ابا میرے کان دیکھ لو ——— ابا مجھے تنہا چھوڑ گئے" "ابا! میری اماں کی چادر چھن گئی" یہ کہہ کے سکینہؑ نے باپ کے منہ پر منہ رکھا تو اب نہیں اٹھایا ——— کافی دیر ہو گئی زینبؑ نے کہا "بیٹا! زین العابدینؑ! دیکھنا، بات کیا ہے؟" زین العابدینؑ نے دیکھا "اماں! پڑھو سب مل کے"

سامعین!

مسلمانوں کی بستی میں، فاطمہؑ کی پوتی، اُسی کرتے میں دفن ہو گئی جو پہنا ہوا تھا۔ جب "قافلہ

آلِ محمدؐ مدینے روانہ ہوا ہے تو ان کے دل پر جو سب سے بڑا صدمہ تھا وہ یہ تھا کہ سکینہؑ ہمیں چھوڑ گئی ہے۔"

زینبؑ نے وعدہ کیا تھا "بیٹی فکر نہ کر، میں بھی یہاں آؤں گی تیرے پاس، اسی شام میں ——— اور وہیں قبر بنی زینبؑ کی بھی :—— شام میں۔

یہ ہمارے گھر کی کہانی تھی۔ سکینہؑ کی کہانی ——— اب دشمنانِ آلِ محمدؐ کچھ ہمارے بھیس میں کچھ دشمنوں کے بھیس میں خدا جانے کیا کیا بکواس لگا تے ہیں —— جب اُن کے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ تو آلِ محمدؐ کو تلواروں سے ذبح کیا۔ اب قلم ہے تو قلم سے ذبح کر رہے ہیں ——— آخر میں میں اپنے نوجوانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس کہانی کو جہاں تک ممکن ہو سکے پہنچائیں۔ تاکہ میرا کہانی سنانے کا مقصد کامیاب ہو جائے اللہ تمہارے بچوں کو یتیم نہ کرے ——— بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ

جب آلِ محمدؐ

آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو اُن پروردہ مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمدؐ کو قتل کرنا شروع کر دیا

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خداوندِ عالم کی حمد وثنا کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام"

حضراتِ گرامی قدر!

اللہ کا یہ فرمان ہے: اِلَا لَہُ الخلق ولہ الامر

لفظی ترجمہ اس آیت کا عربی دانوں کے نزدیک یوں ہے۔

"یاد رکھو:

اے قرآن پڑھنے والو — قرآن سُننے والو — قرآن کو ماننے والو —— اے اللہ کی طرف سے آیا ہوا کلام ماننے والو — اے محمدؐ کا پہنچایا ہوا برحق پیغام ماننے والو اس کے ہر زیر وزبر کو حق تسلیم کرنے والو۔ اس کی ہر حرکت وسکون کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ماننے والو —— اس کے ہر زیروزبر اور زیر کو زیر سمجھنے والو! اس کے زیر کو کبھی زبر نہ کرنے والو — اور اس کے زبر کو کبھی زیر نہ کرنے والو!

پوری طرح سمجھ لو —— اس بات کو پوری طرح سے اپنے ذہن میں بٹھا لو — اس بات کو اپنے دل سے مت نکالنا — کہ تمہارا ایک اللہ ہے —— تمہارا ایک خالق ہے۔ جس نے تمہیں دنیا میں بھیجا ہے۔ وہ تمہارا مالک ہے، وہ تمہارا اللہ ہے۔

اور ——

—— اس اللہ کو دو اختیار حاصل ہیں (اس کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کو اور اختیار نہیں

ہیں ــــ اللہ کو اور بھی اختیارات حاصل ہیں) ــــ یہ دو
اختیار تمہارے اللہ کو حاصل ہیں ــــ
ایک "خلق" کا ــــ ایک "امر" کا ــــ
یہ دونوں اختیارات مخصوص ہیں صرف اللہ کے لئے ــــ "خلق"
میں بھی اللہ کو اختیار ہے "امر" میں بھی اللہ کو اختیار ہے ــــ
اللہ کے علاوہ نہ "خلق" میں کسی اور کو اختیار ہے نہ "امر" میں کسی
اور کو اختیار ہے۔

اگر

اس مجلس میں کوئی عربی دان بزرگ موجود ہو۔ تو اُن
حضرات سے گذارش ہے کہ علم و معانی و بیان کے اعتبار
سے کسی "مؤخر" کو اگر "مقدم" کر دیا جائے ــــ تو اُس سے
"حصر" پیدا ہوتا ہے ــــ اور جار و مجرور، جو عربی میں
ہے ــــ وہ بعد میں آیا کرتا ہے ــــ

مگر ــــ

اس آیت میں پہلے آیا ہے ــــ
اللہ نے یہ نہیں کہا ــــ الخلق والامر لہٗ ــــ بلکہ
"الا لہ الخلق ولہ الامر" فرمایا ہے۔
"لہٗ" میں جار و مجرور ہے۔ وہ پہلے آیا ہے ــــ
اس کا پہلے آنے کے معنی یہ ہیں کہ
سوائے اللہ کے، صرف اللہ کو، محض اللہ کو، فقط اللہ کو اختیار ہے "خلق" کا
بھی اور "امر" کا بھی ــــ اگر یہ "لہٗ" بعد میں ہوتا تو پھر اس کے معنی یہ بنتے کہ

اللہ کو بھی اختیار ہے" مگر

یہاں " بھی " نہیں ہے —— بلکہ " اللہ ہی کو اختیار ہے —" کسی کو خلق' و امر'

کا اختیار نہیں سوائے اللہ کے —— (یہ لفظی ترجمہ ہے اس آیت کا)

اب اس میں جو حضرات علمائے اکرام کی " علمی موشگافیاں" ہیں —— وہ مجھے آتی

نہیں —— اس لئے آج آپ کے سامنے سیدھی سادھی گفتگو کرنا ہے۔

" خلق، اور" امر" کا اختیار اللہ کو اور صرف اللہ کو ہے ——

اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک دفعہ کہہ دیں " اللہ"

شرم کرو بندو!

" اللہ تمہارے منہ سے نکلا ہے ——

اب آپ کہیں گے۔

زیدی صاحب!

شرم —— تم کرو —— یہ اللہ نہیں نکلا ہمارے منہ سے

یہ لفظ " اللہ" نکلا ہے —— چونکہ " لفظ اللہ اور ہے ——

ذات اللہ اور ہے —— یہ لفظ " اللہ" ہے جو ہمارے منہ سے

نکلا ہے ——

یاد رکھو میرے سامعین!

خدا کرے تمہارے ذہن میں یہ بات آجائے۔ اور میں اسے سمجھا

سکوں ——————

ہر لفظ جو انسان کے منہ سے نکلتا ہے جس میں صوتی و حرکاتی وجود

کا عنصر نمایاں ہوتا ہے —— اُسے لفظ کہتے ہیں اور جو لفظ ہوتا ہے۔ اس کا خالق

خود انسان ہے —— انسان پیدا کرتا ہے ہر لفظ کو —— انسان کے منہ

سے نکلتا ہے لفظ ــــ اور

لفظ بنتا اس طرح ہے ــ کر مٹتا جاتا ہے ــــ بنتا جاتا ہے۔

مثلاً :۔

جب آپ کہیں گے لفظ "پانی" ــ یہ لفظ آپ کے مُنہ سے نکلا ہے۔ آپ ہی اس لفظ کے خالق ہیں ــ آپ نے یہ ہی یہ لفظ پیدا کیا ــــ مگر کس طرح ؟

جب آپ کہہ رہے تھے "پا" ــــ اس وقت "نی" موجود نہ تھا ــ اور جب آپ نے کہا "نی" ــــ تو "پا" ختم ہو چکا تھا ــــ اگر پہلا حرف زبان پر رُکا رہے۔ تو دوسرا آ سکتا ہی نہیں۔ بہر نوع۔ لفظ کا خالق انسان ہے اور لفظ مٹنے سے بنتا ہے۔

"اللہ" بھی ایک لفظ ہے (ذات اللہ نہیں) اللہ بھی ایک لفظ ہے۔ اور ہر لفظ کے لئے یہ طے شدہ بات ہے کہ ــ بولنے والے کے منہ سے نکلتا ہے۔ لہٰذا لفظ "اللہ" بھی کسی کے منہ سے نکلا ہوگا ــ کسی نے یہ لفظ بھی بولا ہوگا۔ جب ہی تو یہ لفظ آیا دنیا کے سامنے ــــ اگر یہ لفظ اللہ کی ذات کا نام ہے تو اس وقت کسی نے بولا ہوگا۔ جب اس کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ــــ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اللہ نے جو اصلی اللہ ہے۔ جو ذات اللہ ہے ــــ اس نے جب اس کی ذات ہی ذات تھی ــــ اس وقت کسی کو بنایا ــــ اور بنا کے اس سے پُوچھا ــــ

بولو! ــــ تمہیں کس نے بنایا ــ ؟

اس نے کہا

میرے بنانے والے! تو ہی بتا مجھے کس نے بنایا ــــ

تو اللہ نے کہہ دیا هُوَ اللہ

لفظ تو ابھی مُنہ سے نکلا ہی نہیں تھا۔ یہ تو انسان کے مُنہ سے نکلتا ہے ــــــ

اب بنانے والے نے کہا۔ ــــ هُوَ لَا ہُ اُسی نے بنایا،،

تو اس بنے ہوئے کے مُنہ سے نکل گیا ــــــ "اللہ"

اور اللہ نے جملہ مکمل کر دیا۔ قُل هُوَ اللّٰه ــ

یہ اسی انسان کے مُنہ سے نکلا ہے ــــــ بغیر انسان کے مُنہ سے نکلا ہوا "لفظ"

بنتا ہی نہیں ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اب اللہ جانے۔ جب صرف اللہ کی ذات تھی ــ تو وہ کون انسان تھا۔

جس کے مُنہ سے نکلا" اللہ" ــــــ اور اللہ نے اسی لفظ کو اپنی ذات کا نام بنا لیا۔

"میری ذات کا نام ہے اللہ"

سامعین!

اب جو" اللہ" کہہ دیا اس نے ــ تو اس سے پُوچھا ــــــ

"بتاؤ ــــــ اللہ کے متعلق اور کیا جانتے ہو ــــ

انہوں نے کہا۔

"اور یہ جانتے ہیں ــــــ وہ اَحَد ہے۔"

اب جملہ یوں مکمل ہوا۔

"قل هُوَ اللهُ اَحَدٌ" اللہ احد بھی ہے ــــ اور اَحَد کے معنی ہیں۔

عربی لُغت میں لفظ ــــــ کے کیا معنی ہیں ــــ "ایک" یہ غلط ہے

میرے محترم سامعین!

"احد" کے معنی" ایک" نہیں ہے۔

یاد رکھو!

اللہ ایک نہیں ہے"

جو کہتا ہے "اللہ ایک ہے" ——— وہ غلط کہتا ہے ———
اللہ ایک نہیں ہے ——— اور اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو مدرسے
میں پڑھنے والے بچوں سے پوچھ لو۔ یہ ابھی تصدیق کریں گے۔ جنہوں نے ریاضی پڑھی
ہے۔

علم حساب میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ——— ایک کا ہندسہ
دو آدھوں کا مجموعہ ہے ———
"دو آدھوں" کو جوڑ دو۔ تو بن گیا "ایک"
اگر ہم کہیں "اللہ ایک" ——— تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پہلے
آدھے آدھے "دو" تھے۔ پھر جُڑ کے ہو گیا "ایک" اور
دوسرے معنی علم ہندسہ میں "ایک" کے ہیں،
——— "دو کا آدھا"
اگر اللہ کو ہم "ایک" کہیں گے تو اس کے معنیٰ ہیں ———
پہلے دو تھے۔ پھر آدھا رہ گیا۔ تو ہو گیا "ایک"
——— اللہ "ایک" نہیں ہے ——— بلکہ
اللہ "احد" ہے ———

"احد" کے معنی کیا ہیں؟
"——— ایک کا پیدا کرنے والا"
گویا اللہ نے سب سے پہلے جسے پیدا کیا تھا۔ وہ ایک تھا ——— اللہ اُس
کا خالق ہے ———
اب ایک کے معنیٰ یہاں لگاؤ ———
ایک کہتے ہیں:۔ دو ہوں۔ انہیں جوڑ دو تو ایک ——— اور الگ

کر ددٔ   تو دٗو

معلوم ہوا۔

اللہ نے جسے سب سے پہلے پیدا کیا تھا ـــــــ

وہ ایک بھی تھا۔ اور دو بھی تھے ـــــــ

گویا سب سے پہلی جو مخلوق تھی۔ وہ دو بھی تھے ـــــــ ایک بھی تھا۔

اب اس کو حدیث سے آپ سمجھ لیں ـــــ حدیث میں یہ ہے

اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدَہ

اَنَا کے معنی ہیں ـــــــ "میں" ـــــــ اور علیؑ،،

سامعین!

جہاں لفظ "اور" بیچ میں آجائے تو "دٗو" ہو جاتے ہیں ـــــــ

"میں اور علیؑ" ـــــ ہیں نا دٗو

اب دو جڑ گئے ـــــــ تو ہو گئے " ایک" ـــــــ

ـــــــ دٗو کے دو بھی ہیں ـــــ ایک کا ایک بھی ہے ـــــ

چونکہ دٗو اور ایک، عوام کی سمجھ میں نہیں آتا تھا ـــــــ

اس لئے سمجھانے کے لئے ایک اور فقرہ کہہ دیا۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہ (القلم)

پہلی شے جو اللہ نے خلق کی ـــــ القلم

وہ تھا۔ "قلم"

سامعین!

اب یہ "قلم"، میری عمر والوں کی سمجھ میں تو ضرور آئے گا۔ جو اپنے ہاتھ سے "قلم" بنایا کرتے تھے۔

ایک قلم تراش لیا ــ ایک "کانا" لیا ــــ پہلے اسے چھیلا قلم بنانے
کے لئے ۔ اور جب وہ چھل گیا۔ تو آپ نے قلم بنانے کے لئے اس
کے بیچ میں "شگاف" دینا ہے ــــ یعنی اسے دو کرنا ہے، جب تک
وہ قلم دو نہیں ہوگا ــــ لکھے گا نہیں ــــ لہٰذا آپ نے دو کرنا ہے
مگر وہ دو آپ نے قلم تراش کی نوک سے کرنا ہے ــــ اس
طرح دو ہو جائے ــــ کہ دو ہونے کے باوجود "حرف" ایک
لکھے ــــ دو کا دو بھی ہو ــــ ایک کا ایک بھی ہو ــــ
دو ہوئے بغیر قلم لکھ سکتا ہی نہیں ــــ مگر دو ہونے کے
باوجود۔ اس میں یہ صفت ہو کر لکھے حرف "ایک" ــ اور
اگر اس قلم کے دونوں حصوں کے بیچ میں ایک، ذرا سا تنکا بھی آ
جائے تو قلم کا کچھ نہیں بگڑے گا ــــ ہمارا لکھا بگڑ جائے گا۔
ہماری تحریر خراب ہو جائے گی ــــ
اس طرح دو ہوں۔ کہ دو ہونے کے باوجود "فصل" نہ ہونے پائے
اس طرح بنتا ہے ــــ "قلم"
اب آپ کا قلم بن گیا ہے ــــ ؟
"نہیں" ــــ ابھی اور محنت درکار ہے قلم بنانے میں ــ ابھی لگانا
ہے آپ نے اس میں۔ "قط"
اب قط لگایا ــــ آپ نے ــــ سیدھا؟ "نہیں"
ذرا سا ٹیڑھا ــــ (قط اگر سیدھا ہو تو لکھا ہی نہیں جاتا)
اب "قط" کا ذرا سا ٹیڑھا ہونے سے یہ فرق ہو گیا۔
ــــ ہیں تو دونوں ایک ہی "قلم" کے حصے ۔ مگر ذرا ٹیڑھا "قط" لگنے سے ایک :

بڑا ہوگیا ـــــ ایک ذرا چھوٹا ہوگیا ـــــ معلوم ہوا جس نے سب سے پہلے ـــــ "اللہ" کہا تھا ـــــ وہ "قلم"

دو بھی تھے ـــ ایک بھی تھا۔

قط لگنے سے ایک ذرا بڑا تھا ـــ ایک ذرا چھوٹا تھا ـــــ

سامعین!

تھے ایک ہی "قلم" کے دونوں حصے ـــ ایک کو جُدا کر دو تو دوسرا نہ لکھ سکے دونوں "قلم" کے ساتھ ساتھ رہیں گے ـــ ایک ذرا بڑا۔ ایک ذرا چھوٹا ـــ بڑا لکھنے کا کام دے گا ـــ چھوٹا بڑے کی مدد کرے گا ـــ ایک مددگار ہوگا ـــ دوسرا لکھے گا۔

بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے کہ کسی ایسے باپ سے پوچھو۔ جس کے دو بیٹے ہوں ایک بڑا ـــ ایک چھوٹا ـــ دونوں میں سے ضدی کون سا ہوتا ہے ـــ؟

ـــ بڑا ذرا متین، سمجھدار ـــ اور چھوٹا ضدی۔ وہ باپ سے ضد کرتا ہے ناز کرتا ہے۔ چھوٹا جو ہوا ـــ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اس کے نازبردار دو ہوتے ہیں ـــ ایک باپ۔ ایک بڑا بھائی ـــ اس لئے اسے زیادہ ضد کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔

یہاں بھی دو قلم تھے نا "قلم" سے ـــ ایک ذرا بڑا۔ ایک ذرا چھوٹا۔ اللہ نے یہ انتظام کیا ـــ جو بڑا تھا۔ اسے رسالت دے دی ـــ اب چھوٹا ضد کر بیٹھا "ہمیں بھی دو"

چنانچہ اللہ نے یہ کہہ کے بہلایا چھوٹے کو ـــــ

" بڑے کو بناتا ہوں آخری نبیؐ ـــــ تجھے بناتا ہوں پہلا امامؑ "

وہ آخری نبیؐ بنے گا ـــــ تو پہلا امامؑ بنے گا "

بس بھائیو!

بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے۔

اللہ نے بڑے کو "عبداللہ" کے گھر بھیج دیا ـــــ چھوٹے کو "اللہ" کے گھر بھیج دیا اور وہ بڑا جو اوّل مخلوق تھا ـــــ جو عبداللہ کے گھر آیا تھا۔ اس کو اللہ نے ایک بیٹی عطا فرمائی۔

اب کائنات میں اس سے بڑا کوئی تھا ہی نہیں۔ اتنے بڑے گھر میں بیٹی پیدا ہوگئی ـــــ اللہ کو اس کی شادی کی فکر پیدا ہوگئی۔

اب بتاؤ! محمد کی بیٹی بیاہی جائے کسی گھر میں ـــــ اور شوہر سے وہ یہ کہہ دے۔

"میں وہ ہوں جو محمد کے گھر پیدا ہوئی۔

اب شوہر بھی ایسا تلاش کرو۔ جو مسکرا کے جواب دے دے۔

میرے سامنے کیا کہتی ہے ـــــ میں وہ ہوں جو اللہ کے گھر پیدا ہوا ـــــ"

بہر نوع۔ اللہ نے بڑے کو "عبداللہ" کے گھر پیدا کر دیا۔ اور چھوٹے کو۔ "اللہ" کے گھر پیدا کر دیا۔

اس ضمن میں تھوڑا سا ذکر جناب "سیدہ" بھی آگیا۔ ذکر خدا و رسولؐ بھی آگیا "اُمر" کی بات انشاءاللہ العزیز کل آپ سے کہوں گا ـــ اور کل کا وعدہ سنّتِ رسولؐ ہے رسولؐ نے بھی "خیبر" میں فرمایا تھا۔

"کل میں علم اُسے دوں گا جو کرّار ہوگا۔" رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

مرج البحرین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

محترم سامعین!

میرے ایک حقیقی بھائی مجھے حکم فرماتے ہیں کہ آج اپنی گفتگو شروع کرنے سے پہلے مولوی صاحبان کے دستور کے مطابق چھوٹا سا عربی کا خطبہ بھی آپکو سُنا دوں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں دو چار جملوں کا ایک خطبہ آپ کو سُناتا ہوں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا

والصلوٰۃ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسلہ للخلق بشیرًا وَّنَذِیْرًا

وَعَلٰی آلِہِ الَّذِیْنَ اذھب اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ

وَطَھَّرَھُمْ تَطْھِیْرًا ط

حضرات گرامی!

اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ساری مجلس عربی میں ہی نا پڑھ دوں؟ خدا شاہد ہے میں نے آج تک اس بات کو کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں بھی عربی جانتا ہوں۔ اس لئے خطبہ بھی کبھی نہیں پڑھا۔ خطبہ کے متعلق حکم صرف اتنا ہے کہ بسم اللہ پڑھو اور خدا کی حمد کرو۔ مگر اس زبان میں پڑھو جس زبان میں

تمہیں تقریر کرنا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتا ہوں کہ سامعین کی زبان میں ہی گفتگو کی جائے۔

سامعین کرام!

آج میں آپ سے مختصر لفظوں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کلامِ مجید کے سورۂ "رحمٰن" میں اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اُن میں سے ہر نعمت خود اللہ کی نظروں میں اتنی باوقار اور باعزت ہے کہ ہر نعمت کے بعد خدا جیسے عالی ظرف محسن کو یہ کہنا پڑا فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ط

چونکہ میں سورۂ رحمٰن کی تشریح نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے بڑی فرصت چاہیئے اس لئے اختصار کے ساتھ یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کی نعمتوں کی نہ ہمیں حد معلوم ہے نہ تعداد معلوم ہے جس کو ہم نہ گن سکتے ہیں اور نہ ہم اعادہ کر سکتے ہیں۔

بقول سعدیؒ: "اگر سعدی جیسی ہوشیار نظر ہو تو ہر سانس کی آمد و شد میں دو نعمتیں موجود ہیں گویا جو سانس باہر آئے وہ ممدِ حیات ہے۔ اور جو اندر جائے وہ مُفرحِ ذات ہے۔ لہٰذا جب ایک سانس میں دو دو نعمتیں ہیں تو کس میں دم ہے کہ نعمتیں گن گن کے بتائے۔"

کیوں ہے پڑھے لکھو! کیوں ہے سمجھ دارو!

دُنیا بھر کے علوم جاننے والو! یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے والو!

بتاؤ! دُنیا میں آج تک کوئی ایسا حساب ایجاد ہُوا ہے جو بے گنتی کے ہو جائے۔؟ ہرگز نہیں۔

گویا حساب کی جڑ ہے گنتی، حساب کا اَصل اصُول ہے گنتی۔ لہٰذا جب کوئی حساب گنتی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور خدا کی نعمت کو تو کوئی گن ہی نہیں سکتا تو پھر اس چیز کا جس کی گنتی نہیں، قیامت میں حساب کیسے ہو گا۔؟ حساب تو ان نعمتوں کا ہو گا جن کی تعداد مقرر ہے اور جن کی تعداد کا اندازہ ہی نہیں ہے اُن کا حساب کیسے ہو گا؟ بہرنوع یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو میں نے کہہ دیا۔

بزرگانِ من !

اللہ اپنی نعمتوں کے تعارف میں فرماتا ہے۔ " مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ "
میں نے جہاں اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک یہ نعمت بھی ہے کہ " میں نے دو
بحر جاری کر دیئے "

دیکھو نا ! اب اگر سمندر ترجمہ کرتا ہوں تو سمندر جاری نہیں ہوتا
کیونکہ سمندر میں تو بہاؤ نہیں ہے۔ وہ تو اپنے علاقے میں ایک ٹھہری ہوئی
چیز ہے۔ مگر یہاں بحر چاہئیں۔ جن میں بہاؤ ہو۔ جو جاری بھی ہوتے ہوں۔
" مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ " دو بحر جاری کر دیئے۔ اور جاری کس شان سے کئے
اُن دو بحر کے جاری ہونے کا طریقہ کیا ہے ؟ " یَلْتَقِیَانِ "

سامعین !

" یَلْتَقِیَانِ " مضارع کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں
بحر جاری ہوتے ہوئے کہیں مل جاتے ہیں اور کہیں جُدا ہو جاتے ہیں۔
گویا نہ ہمیشہ جُدا بہتے ہیں اور نہ ہمیشہ مل کے بہتے ہیں۔ اور لُطف یہ ہے
کہ جب تک یہ دو بحر جُدا بہتے رہے بہتے رہے۔ اور جہاں مل گئے
" یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ "
" جہاں وہ دونوں بحر مل جاتے ہیں وہیں ان میں سے موتی نکل آتے ہیں "

بزرگانِ من !

اہلِ علم حضرات میں ان بحروں کی بہت تشریحیں کی گئی ہیں۔ بڑی بڑی اس کے
اندر روانیاں دکھائی گئی ہیں۔ بڑی بڑی آبدار باتیں کی گئی ہیں۔ علم کے بے شمار
دریا بہا دیئے ہیں۔ اِدھر شعراء اُٹھے تو اس بحر میں قصیدے کہہ دیئے۔ نثر خوان
اٹھے تو انہوں نے اس بحر کو نثر کے میدان میں پھیلا دیا۔ فخر الدین رازیؒ اُٹھے تو
بحروں کا ترجمہ کرتے ہوئے چھ صفحے لکھ کر بھی راضی نہ ہوئے اور ایاز کے علماء
نے ان بحروں کا ترجمہ فرات کر دیا۔ ہندوستان کے مولوی ثناء اللہ پانی پتی نے

گنگا اور جمنا کر دیا اور مصر میں پہنچا تو ترجمہ نیل ہو گیا اور بنگال میں پہنچا تو ترجمہ خلیج ہو گیا غرض جہاں جہاں جیسے لوگ تھے وہ ویسے ویسے ترجمے کرتے رہے اور کثرتِ ترجمہ اور کثرتِ تاویل سے بحرین کا خواب تعبیروں کی زیادتی سے منتشر ہو کے رہ گیا اور پتہ بھی نہ چل سکا کہ کیا ہوا۔

محترم و معظم سامعین!

اگر آپ تیار ہوں میری بات سُننے کے لئے تو میں بھی آپ کو بحرین کی ایک بات سُنا دوں۔؟

دیکھو نا! بحرین کی جہاں اور تفسیریں اور تاویلیں ہوئی ہیں وہاں "معدن النبوت مخزن الرسالت" کی زبان سے بھی کچھ ضرور نکلا ہے کہ بحر کسے کہتے ہیں۔

صادق آل محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ، جہاں سے علم کے سر چشمے پھوٹتے ہیں۔ جہاں سے دنیا کو علم ملا ہے۔ جہاں سے کائنات نے علم سیکھا ہے۔ وہ بے پڑھے لکھے جنہوں نے دنیا کو پڑھایا۔ جنہوں نے مکتب کی شکل نہیں دیکھی اور جن کے مکتب نے دُنیا کے مکتبِ فکر بلند کر دیئے۔ جن کا درس گاہ وہ نخلستان تھا کہ علم و ادب کی دھوپ سے تپتے ہوئے انسان جہاں جا کر پناہ لیا کرتے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا، "مولا" "بحرین" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، "بحور الھدایت" یہ ہدایت کے سمندر ہیں۔

سامعین!

امامؑ یہ کہہ کے خاموش ہو گئے۔ یہی امامؑ کے کلام میں لطف ہے کہ ایک تھوڑی سی بات کہتے ہیں پھر آگے سمجھنے والے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاد رکھو سامعین! جس چیز کا نام ہدایت ہے جس چیز کا نام ہدایت کا رستہ دکھانا ہے۔ یہ کام اللہ نے کبھی ایک سے نہیں لیا بلکہ ہمیشہ ہادی بیک وقت دو رہے گویا ہدایت ہمیشہ دو کرتے ہیں۔

دیکھونا: آنکھ ہادی ہے اس لئے دو ہیں۔ کان ہادی ہیں دو ہیں۔ ہاتھ ہادی ہیں دو ہیں۔ اور زبان: چونکہ کبھی کبھی ہدایت میں جھوٹ بول جاتی ہے اس لئے ہادی نہیں بنایا۔ بلکہ اسے قابو میں رکھنے کے لئے سامنے بتیس ۳۲ دانتوں کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور ہونٹوں کا پھاٹک لگا کر دہن کے قفل میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں تو بڑی نازک ہے مگر بڑی شریر ہے۔ اگر کہیں گھر سے باہر نکل آئے تو فساد و لڑائی کروا دیتی ہے بہر نوع اللہ نے ہدایت کا کام اس کے سپرد نہیں کیا ورنہ زبان کو لگام دینا مشکل ہو جاتا۔ اسی طرح دل و دماغ دونوں مل کے ہدایت کا کام کرتے ہیں۔

غور فرمائیں صاحبان: آدمؑ ہادی نہ بنے جب تک شیثؑ ساتھ نہ ہوئے نوحؑ ہادی نہ بنے جب تک سام ساتھ نہ ہوئے۔ ابراہیمؑ ہادی نہ بنے جب تک اسماعیلؑ ساتھ نہ ہوئے۔ موسٰیؑ ہادی نہ بنے جب تک ہارونؑ ساتھ نہ ہوئے گویا جب تک دو نہ ہوں اللہ ہدایت کا کام سپرد نہیں فرماتا۔ آخر ہدایت کا یہ سلسلہ چلتے چلتے جب عیسٰیؑ تک پہنچا تو وہ اکیلے رہ گئے۔ اللہ نے کہا "عیسٰیؑ! تم اکیلے ہو لہٰذا میں تم سے ہدایت کا کام نہیں لوں گا۔ بہتر ہے تم غائب ہو جاؤ" چنانچہ عیسٰیؑ غائب ہو گئے۔ آخر میں محمد مصطفٰےؐ ہادی بنے تو علیؑ ساتھ ہو لئے۔ علیؑ ہادی بنے تو حسنؑ ساتھ ہیں۔ حسنؑ ہادی بنے تو حسینؑ ساتھ ہیں۔ یہاں تک کہ گیارواں ہادی ہے۔ بارہواں ساتھ ہے اور جب بارہواں اکیلا رہ گیا تو وہ غائب کر دیا گیا۔

اللہ نے کہا "تم اکیلے ہو اور اکیلے سے ہم ہدایت کا کام نہیں لیا کرتے لہٰذا تم غائب ہو جاؤ"

سامعین: ادھر بارہواں اکیلا رہ گیا وہ غائب کر دیا گیا ادھر عیسٰیؑ اکیلا رہ گیا وہ غائب کر دیا گیا اور ہم بارہویں والے اور عیسٰیؑ والے دونوں اکٹھے بیٹھے ہیں کہ ہمارے غائب ہیں۔

اب عیسٰیؑ والے فخر یہ کہتے ہیں کہ ہمارا آسمان پر غائب ہے اور تمہارا زمین پر غائب ہے۔ لہٰذا ہمارا تمہارا کیا مقابلہ ہے کیونکہ ہمارے اور تمہارے غائبوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

ہم کہتے ہیں " بھئی! تم نے سوچا ہی نہیں۔ اللہ نے دونوں کو غائب کرتے وقت دونوں کی عزت کو عدل کی میزان میں تولا تھا۔ ایک کا پلّہ آسمان پہ پہنچ گیا اور ایک کا زمین پہ۔ چونکہ یہ تو عزت تولی جا رہی تھی لہٰذا وہ اکیلا وہاں غائب اور یہ اکیلا یہاں غائب۔ جب تک دونوں اکیلے رہیں گے غائب رہیں گے اور جب اللہ ان سے ہدایت کا کام لینا چاہے گا پھر ان دونوں کو ملا کر ڈو کر دے گا۔ کیونکہ جب تک ڈو نہ ہوں گے ہدایت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ زمین والا جائے گا یا آسمان والا آئے گا۔ یہ بات تو وقت بتائے گا۔ بہر نوع ڈو ہوں گے تو ہدایت ہوگی۔

سامعین!

لُطف آ جائے گا جب یہ زمین والا بھی آ جائے گا اور آسمان والا بھی آ جائیگا تمام دُنیا اکٹھی ہو جائے گی۔ خاص طور پر تمام مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے اور عرض کریں گے " فرزندِ رسُول! نماز تو پڑھا دیں " مولا فرمائیں گے " اچھا یہ بات ہے۔ پھر "صفیں باندھو" چنانچہ ہم صفیں باندھیں گے۔ قطاروں میں کھڑے ہو جائیں گے اور وہ آسمان والا بھی نماز پڑھنے کے لیے زمین والے کے پیچھے کھڑا ہو جائے گا۔

حضور والا! اب اگر معترض یہ کہے کہ ایسا کیوں ہُوا۔ کہ امام آگے ہیں ور نبیؑ پیچھے ہے؟ تو اس کا جواب میں نہیں دیتا۔ بلکہ آپ اپنی گورنمنٹ کے محکمہ مال سے پوچھلو۔ وہ یہ بتائیں گے کہ۔ مولوی صاحبان! تم کیوں خواہ مخواہ کے لئے اُلجھ رہے ہو۔ دیکھو نا! یہ مسئلہ تو ہمارے سمجھانے کا ہے۔ نماز چونکہ اس نے پڑھائی ہے جو زمین پہ موجود ہے اور عیسٰیؑ زمین

چھوڑ کے بے دخل ہو گئے تھے۔ لہٰذا جو آدمی بے دخل ہو گیا ہو اسے دخیل کار کے مرتے ہوئے زمین پر امامت کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔

صاحبان!

اگر یہ نکتہ آپ کے ذہن میں آگیا ہے کہ دو ہوں تو اللہ ہدایت کا کام لینا ہے۔ اب لفظ "بحرین" پر غور فرمائیں زیادہ دور سے ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بحرین کا مرکز منبع حضرت ابراہیمؑ سے جاری ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ گویا بحرین کا نکتہ مرکزی ہیں۔ بحرین کا شجرہ ہیں۔ اور آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ ابراہیمؑ کی پیدائش ملک عراق میں ہوئی اور آپ کا بیٹا اسمٰعیلؑ بھی عراق ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر ابراہیمؑ نے بحکم خدا مکہ میں خانہ کعبہ بنایا۔ اور جس راستے سے ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ساتھ لیکر عراق سے مکے آئے تھے۔ وہ راستہ پھر بالکل بند ہو گیا۔ پھر کوئی اس راستے پہ نہ چل سکا۔ اس کے بعد ساڑھے تین ہزار سال بعد حسینؑ ابن علیؑ اسی راستے پر چل کر مکے سے کربلا تشریف لائے گویا ابراہیمؑ نے جس راستے کی سنگِ بنیاد رکھی تھی اس پر حسینؑ چل کر آئے۔ ادھر اس واقعہ کو اقبال نے اپنے اس شعر میں نظم کیا ہے ؎

کتنی پُر سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت ہے اسکی حسینؑ ابتداء ہے اسمٰعیلؑ

بہر نوع حضرت ابراہیمؑ منبع البحرین ہیں۔ ایک بحر بنی اسرائیل کہلائی اور ایک بحر بنی اسمٰعیل کہلائی۔ ایک اسحٰقؑ کی اولاد۔ ایک اسمٰعیلؑ کی اولاد۔ منبع ابراہیمی سے یہ دو بحریں دنیا میں جاری ہوئیں۔ بحر اسحٰقؑ مصر و شام وغیرہ کی وادیوں کو سیراب کرتا رہا اور بحر اسمٰعیلؑ عرب کے ریگستان کو سیراب کرتا رہا۔ بحر اسحٰقؑ جو مصر و شام کو سیراب کرتا تھا۔ کہیں اس کی شاخیں بنیں کہیں اکٹھا ہوا۔ یہاں تک کہ اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک موسیٰؑ کی شاخ ایک شعیبؑ کی شاخ۔ پھر اللہ نے موسیٰؑ اور شعیبؑ کو ملا کے "یَلْتَقِیَان"

کردیا۔ اور ملایا کس شان سے کہ ایک کے گھر لڑکی پیدا کر دی اور ایک کے گھر لڑکا پیدا کر دیا۔

سامعین !

اللہ جب دو کو ملاتا ہے یا "یلتقیان" کرتا ہے تو یہ سنت الٰہی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے گھر لڑکی پیدا کرتا ہے اور ایک کے گھر اُس کی شادی کرا دیتا ہے۔ اور جس شاخ کو رکنا ہو وہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے اور جس شاخ کو آگے چلانا ہو وہاں شادی ہو جاتی ہے۔ گویا قدرت کا یہ قانون ہے۔

چنانچہ اللہ نے شاخ شعیبؑ کو رکنا تھا وہاں لڑکی پیدا کر دی اور موسیٰؑ کی شاخ کو چلانا تھا وہاں شادی کر دی۔ یہ "یلتقیان" ہو گیا۔

حضور والا ! یہ "یلتقیان" پھر چلتا رہا۔ آگے جا کے پھر جدا ہو گیا پھر ملا دیا۔ پھر جدا ہو گیا۔ اسی طرح اسحٰقؑ کی نسل میں چلتا رہا۔ اسمٰعیلؑ کا سلسلہ اپنی جگہ چلتا رہا اور اسحٰقؑ کا سلسلہ اپنی جگہ چلتا رہا۔ آخر میں جدا ہو گیا۔ نسلِ اسمٰعیلؑ کی ایک شاخ عبداللہؑ کی طرف پہنچی اور ایک شاخ ابی طالبؑ کی طرف پہنچی۔ ابوطالبؑ کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ عبداللہ کے گھر جو لڑکا پیدا کیا اُسے بحرِ نبوت بنایا اور ایسی بحر بنایا نبوت کی کہ آگے نبوت ختم ہو گئی۔

بزرگانِ من !

بات سے بات نکلی ہے۔ اور دائرۂ گفتگو بڑھتا جاتا ہے۔ دیکھو نا ! اب ایک آم کا درخت ایک شخص کو پسند آگیا "واہ۔ واہ۔ یہ آم بڑا اچھا ہے۔ پتلا رس ہے۔ صوف بالکل نہیں۔ انتہائی میٹھا ہے۔ سواد آگیا۔ جی چاہتا ہے آم کبھی ختم نہ ہو۔" چنانچہ آم کھایا اور گٹھلی زمین میں ڈال دی۔ کچھ عرصہ بعد نیا آم ہو گیا۔ پھر کھایا۔ اور گٹھلی زمین میں ڈال دی اور نیا آم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ آم کے درخت سے آم آنے بند ہو جاتے ہیں گویا آم بوڑھا ہو گیا۔ بڑا افسوس ہوا۔ درخت بہت بن تھا۔ میٹھے

آم تھے۔ اب گٹھلی کہاں سے آئے گی ______ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ آم کا وجود اب بھی ہم باقی رکھ سکتے ہیں۔ کیسے؟ کہ اب اس کی گٹھلی کا انتظار نہ کرو بلکہ جو آم "بلا فصل" ہوگیا ہے اُسے باقی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی جنس کا آم کا ایک پودا گملے میں اپنے گھر اُگاؤ اور جب تمہارے گھر میں اُگا ہُوا آم کا پودا ذرا سا بڑا ہو جائے تو اُسے ختم ہونے والے درخت کے نیچے رکھ دو۔ اُس کی آب و ہوا میں پل کے جب ذرا تر و تازہ ہو جائے تو اسکی ایک شاخ اس کے ساتھ قلم بند کر دو جب قلم بند ہو کے یک جان ہو جائیں۔ تو شاخ درخت سے اتار دینا۔ اب یہ پودا اس شاخ کو لے کر اپنے گھر آ جائے گا۔ لیجئے نیا درخت تیار ہو جائیگا۔

سامعین!

ختم ہونے والے آم کو باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے۔ بس "بحرین" میں بھی اللہ نے ایسا ہی کیا۔ ایک پیدا کر دیا عبداللہؓ کے گھر اور ایک پیدا کر دیا ابو طالبؑ کے گھر۔ عبداللہ کے گھر پیدا کیا محمدؐ کو۔ جو شجرہ نبوت کا آم تھا۔ یہاں آ کر سوا لاکھ نصلیں دے کر ختم ہوگیا۔

اب اللہ اس درخت کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اور باقی رکھنے کا طریقہ وہی رکھا جس جنس کا شجر نبوت تھا اُسی جنس کا ایک پودا اللہ نے اپنے گھر لگایا۔ مگر پودا ذرا زور دار تھا اُگتے وقت گملے میں ذرا شگاف آ گیا۔ بہر نوع اللہ نے یہ پودا اپنے گھر اُگایا۔ جب پودا ذرا ترقی کر گیا تو ختم ہونے والے شجر نبوت کے نیچے رکھ دیا اور اس کی ایک ہری بھری شاخ اس پودے سے قلم بند کر دی۔ قلم بند ہونے کے بعد وہ پودا اپنے گھر آگیا۔ اس طرح ختم ہونے والا ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا۔ گویا یوں "یلتقیان" ہوا۔

بزرگوار محترم!

حضور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہی ختم ہونے والے شجرہ نبوت کی

وہ ہری بھری شاخ ہے کہ اُس کی جنس سے قلم بند ہو کر نبوت کے شجرہ کو قیامت تک قائم رکھا۔ اور علیؑ اسی جنس کا پودا ہے گویا دونوں کی ایک ہی جنس ہیں۔ اسی بات کو دیکھ کر رسُولؐ کہا کرتے تھے " اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کی شادی نہ ہوتی "۔ گویا ہم جنس پودا نہ ہو تو قلم بندی نہیں ہوتی اور اگر ہم جنس ہو تو قلم بندی ہوتی ہے۔ بہر نوع سیّدہؑ علیؑ کے گھر آ گئیں۔ نیا شجر تیار ہو گیا۔ اب اس نئے شجر نے نئے انداز سے ہدایت شروع کر دی۔ بحرین کا اجتماع تھا اور اس نئے انداز سے ہدایت ہو رہی تھی۔ مردوں کی ہدایت باہر ہوتی رہی اور عورتوں کی ہدایت اندر ہوتی رہی۔ باہر کی ہدایت سے سلمانؓ و قنبرؓ تیار ہوئے اور اندر کی ہدایت سے فِضّہ تیار ہوتی رہیں۔ ادھر سلمانؓ اتنے تیار ہوئے کہ رسُولؐ نے مِن اھل البیت کہا۔ ادھر ابوذرؓ اتنے تیار ہوئے کہ اسے کہا کہ یہ اَصْدَقِ النَّاس ہے۔ اور قنبرؓ ایسا تیار ہُوا کہ علیؑ نے پیار میں بیٹا کہہ دیا۔ مگر فِضّہ کی تیاری عجیب شان کی تھی۔ گویا بحرین کے منہ سے موتی نکل رہے تھے۔ فِضّہ اس طرح تیار ہوئیں کہ ایک دن رسُولؐ پوچھ بیٹھے! " فِضّہ! کہو کیسا حال ہے؟ " فِضّہ نے عرض کی: قبلہ! کیا حال بتاؤں۔ میرا حال تو یہ ہے کہ مجھ سے بہتر حال کسی کا نہیں ہے "

رسُولؐ نے پوچھا۔ " فِضّہ! کیا بہتری دیکھی تو نے "؟

عرض کی " قبلہ اس سے بہتر بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ فاطمہؑ مجھے " بہن " کہتی ہیں۔ اور میری خوشی میرے دل سے پوچھو اجب میں صبح کو سوتی اٹھتی ہوں تو حسینؑ " اماں " کہہ کے سلام کرتے ہیں۔ زینبؑ مجھے ماں کہہ کے سلام کرتی ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کیا عزت چاہیئے "

معزز سامعین!

جناب سیّدہ طاہرا سلام اللہ علیہا جن کا نام لینے سے پہلے کانوں کی بھی

بھی وضو ہونی چاہیئے ۔ اور زبان کی بھی ۔ عصمت کا معدن سیّدہ ہمارے رشد کا معدن سیّدہ ۔ اگر امامت و نبوت کو عصمت ملی تو سیّدہ کے صدقہ سے سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا روئے زمین کی عورتوں کے لئے نمونہ بن گئی کہ باپ کی خدمت کس طرح کی جاتی ہے ۔

حضور والا! ایک دن رسالتمآبؐ صحن مکہ میں خانہ کعبہ کے سامنے نماز میں مشغول تھے کہ ابوجہل، عتبہ، عتیبہ (ابولہب کے بیٹے) اور قریش کے بڑے سرکش نوجوان اکٹھے ہو کے آئے اور انہوں نے اونٹ کی الائش سجدے میں حضورؐ کی کمر پر رکھ دی ۔ اُدھر انہوں نے یہ عمل کیا اِدھر سیّدہ گھر سے باہر نکل آئیں ۔ اس وقت سیّدہ تقریباً تین سال کی تھیں ۔ اب جو سیّدہ کو انہوں نے آتے دیکھا تو یہ سارے کے سارے سردارانِ قریش کہتے ہیں کہ محمدؐ کے اوپر پڑی ہوئی یہ غلاظت جلدی جلدی اٹھا لو کہیں خدیجہؓ کی بیٹی نہ دیکھ لے ۔ اگر اس نے دیکھ لیا تو ماں کو جا کر بتائے گی پھر ہم خدیجہؓ کو کیا منہ دکھائیں گے ؟

سامعین!

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسے پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ جو عتبہ اور عتیبہ خدیجہؓ کی تین سالہ بیٹی کا اتنا احترام کریں کہ رسولؐ کی کمر پہ رکھی ہوئی غلاظت ہٹالیں تو پھر اُسی عتبہ اور عتیبہ نے خدیجہؓ کی بڑی بیٹیوں کو کیوں طلاق دے دی ؟ یا تو یہ تاریخ جھوٹی ہے یا پھر وہ بیٹیاں نہیں تھیں ——— بہرنوع سیّدہ طاہرہ نے باپؐ کی خدمت کر کے دُنیا کو یہ بتا دیا کہ دُنیا کی عورتو! باپ کی خدمت یوں کرنا ۔ یہ سیّدہ طاہرہ کا دیا ہوا سبق ہے کہ آج دنیا کا ہر انسان کا کلیجہ خوشی سے اُچھلنے لگتا ہے ۔ دل باغ باغ ہو جاتا ہے جب بیٹی باپ کے گلے میں بانہیں ڈال کے کہتی ہے " ابا جان " گویا اتنا پیار کسی اور بات میں آتا ہی نہیں جتنا بیٹی کے " ابا " کہنے میں پیار آتا ہے ۔

جناب موسیٰؑ نے بھی اللہ سے یہی دُعا کی تھی ۔

"خداوندا! میں تجھ سے دنیا کی سب سے بڑی نعمت مانگتا ہوں
کہ تو مجھے بیٹی عطا فرما"
اللہ نے پوچھ لیا "موسیٰ! بیٹی کیوں مانگتا ہے"؟
فرمایا: خداوندا ۔۔۔۔ اگر میرے پاس بیٹی ہو گی تو میرے جنازے کی رونق ہو جائے گی۔
خداوند! بیٹا بے شک صحن کی رونق ہے مگر بیٹی جنازے کی رونق ہے۔
بیٹی کے رونے سے باپ کا جنازہ سج جاتا ہے"
بہرنوع سیدہ طاہرہ نے اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ باپ کی خدمت یوں کرو۔ پھر اور سیدہ نے دنیا کو سمجھایا کہ شوہر کی اطاعت یوں کرو۔
بھائیو!
آپ کو وہ واقعہ یاد ہو گا کہ جب سیدہؑ کے فاتح خیبر شوہر نے خیبر فتح کیا ہے اس دن خیبر میں دو ہزار سال کا یہودیوں کا مال اکٹھا تھا۔ گویا خیبر دنیا کی مالدار قوم کا مالی مرکز تھا۔ جب قلعہ خیبر علیؑ کے ہاتھ سے فتح ہوا تو مسلمانوں نے اس مال غنیمت کو لوٹا۔ مال غنیمت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ علاوہ پارچہ جات کے، علاوہ جانوروں کے، علاوہ زیورات کے، خالص سونا جو ڈلیوں کی شکل میں تھا۔ ہر مسلمان کے حصہ میں چوبیس چوبیس سیر آیا۔ جو مسلمان اپنی عباؤں کے ساتھ باندھ کر لوٹے۔ اور لاکے وہ گٹھڑیاں اپنے صحن میں ڈال دیں۔ ان کی بیویاں اور بچوں نے اس دن فتح خیبر کے دن کی عید منائی۔ اس دن پلاؤ، زردے پکے کیونکہ عربوں کے گھر سونا آ گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی نعرہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد عربوں کے بچے مدینہ کی گلیوں میں سونے کی ڈلیوں سے کھیل رہے تھے۔ اور دعا کر رہے تھے۔
"فاتح خیبر! خدا تیرے بچوں کی خیر کرے۔ تیرے صدقے میں آج ہمارے گھروں میں پلاؤ زردے پکے ہیں"

سامعین!

جب ہر مسلمان خاتون اپنے گھر کے دروازے پہ اپنے شوہر کے استقبال کے لیے کھڑی تھی اور شوہر سونے کی گٹھڑیاں لا رہے تھے۔ تو فاتح خیبر کی بیوی بھی رسمِ عرب کے مطابق بچوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے دروازے پہ کھڑی تھی۔ اور بچوں سے کہہ رہی تھی: "تمہارے ابا ابھی آتے ہوں گے" تھوڑی دیر بعد بچوں کو دُور سے باپ آتے نظر آئے۔ بچوں نے کہا، "ماں! وہ ابا آ گئے" بی بی نے فرمایا "ہاں" ——— اتنے میں رسولؐ آ گئے۔ رسولؐ نے دروازے پہ کھڑے ہو کر کہا۔

فاطمہؑ بیٹیا! مبارک۔ تیرے شوہر کو اللہ نے فاتح خیبر بنایا ہے۔

سیدہؑ باپ کے سامنے کیا کہتی۔ شرما کے سر جھکا لیا۔

جب باپ آگے بڑھ گئے تو سیدہؑ نے فوراً اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ تو نے مجھے کتنا عظیم شوہر عطا فرمایا!"

اب جو سیدہؑ نے سجدے سے سر اُٹھایا تو سامنے سے شوہر آتے ہوئے نظر آئے بچوں نے بڑھ کر باپ کا استقبال کیا۔ سیدہ نے سلام کیا۔ علیؑ مسکرا رہے ہیں۔ گھر میں اندر تشریف لائے۔ علیؑ کے پیروں پہ پڑی ہوئی مٹی سیدہؑ نے اپنی چادر سے صاف کی۔ اب سیدہؑ نے دیکھا کہ علیؑ خالی ہاتھ ہیں۔ خیال کیا کہ پیچھے پیچھے اونٹ وغیرہ پہ لدا ہوا سامان آ رہا ہو گا۔ خاموش رہیں۔ بچے بھی کھڑے علیؑ کا منہ تک رہے تھے۔ آخر تھوڑی دیر بعد سیدہؑ نے بڑے ہی متانت سے پوچھا۔

"حسینؑ کے ابا! بچے یہ پوچھتے ہیں کہ خیبر کے مالِ غنیمت سے آپ کو کیا ملا۔؟"

بس بھائیو! سیدہؑ کا یہ پوچھنا تھا کہ فاتح خیبر تھر تھر کانپنے لگا۔

اب بتاؤ! علیؑ کی وہ تصویر زیادہ خوبصورت تھی جب خیبر فتح کیا تھا۔ یا یہ تصویر زیادہ حسین ہے جو تھر تھر کانپ رہا ہے۔ سر جھکا ہوا ہے۔ رنگ زرد ہو

گیا ہے اور کہہ رہا ہے۔

"محمدؐ کی بیٹی! اپنے باپ کے صدقہ میں مجھے معاف کر۔ حصہ تو مجھے سب سے دوگنا ملا تھا مگر تیرے باپ کی سلامتی کی خاطر راہ خدا میں سب بانٹ کے خالی ہاتھ گھر آگیا ہوں"

گویا جس دن عرب کے ہر گھر میں پلاؤ پکے تھے۔ فاتح خیبر کے بچے اس رات بھی، فاقے سے سوئے تھے اور سیدہؑ نے وہ ساری رات عبادت میں بسر کی تھی اور ہزاروں مرتبہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

"خداوندا! تیرا شکر ہے تو نے مجھے کتنا عظیم و کریم شوہر عطا فرمایا"

بہرنوع سیدہؑ نے اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ شوہر کی اطاعت یوں کرنا اور رہ گئی بچوں کی تربیت تو جناب سیدہؑ کی گود میں پلے ہوئے بچے عالم کے مصلح اعظم بن گئے۔ دنیا کے رہبر اعظم بن گئے

سامعین!

ہماری مائیں تو بچوں کو یہ کہہ کر سناتی ہیں:

"میرا بچہ بڑا ہو کر افسر بنے گا۔ حاکم بنے گا" مگر سیدہؑ یہ کہہ کر سلایا کرتی تھیں "میرا بچہ اللہ کی راہ میں قربانی دے گا۔ میرا بچہ خدا کی راہ میں سر دے گا"

گویا سیدہؑ نے بچوں کو اس شان سے پالا تھا۔ سیدہ کا احسان تمام دنیا پر ہے کہ اس نے باپ کی خدمت بھی سکھا دی، شوہر کی اطاعت بھی سکھا دی۔ اور بچوں کی تربیت بھی سکھا دی۔

مگر ایک شے ایسی رہ گئی جو ہمیں سیدہؑ نہ سکھا سکی۔ باپ کی خدمت سکھا دی شوہر کی اطاعت سکھا دی اور بچوں کی تربیت سکھا دی مگر ایک ایسی شے ہے جو سیدہؑ ہمیں نہ سکھا سکی اور وہ ہے "بھائی سے محبت" اور وہ اس لئے کہ سیدہؑ کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ چنانچہ سیدہؑ نے عرض کی۔

"خداوندا! میں دنیا کو کیسے بتاؤں کہ بھائی سے محبت کس طرح کرے؟"

اللہ نے کہا "فاطمہؑ! فکر نہ کر۔ میں تجھے بیٹی عطا کرتا ہوں۔ وہ دُنیا کو بتا دے گی کہ بھائی سے محبت کس طرح کی جاتی ہے۔"

چنانچہ سیدہؑ کے گھر بیٹی پیدا ہوئی اور حسب دستور زمانہ ماں کو بیٹے سے زیادہ پیار ہوتا ہے اور باپ کو بیٹی سے زیادہ پیار ہوتا ہے چنانچہ جب بیٹی پیدا ہوئی تو علیؑ اپنی گود میں اٹھائے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی

"قبلہ! خدا نے یہ رحمت مجھے عطا فرمائی ہے۔"

رسولؐ نے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ پھر علیؑ کا چہرہ دیکھا اور دونوں چہرے ملا کے کہا۔

"یا علیؑ! یہ بچی "زین اَب" ہے۔

"اپنے باپ کی زینت ہے۔"

گویا زینبؑ اپنے باپ کے اتنی مشابہ تھی: رسولؐ کی بات سُنکر علیؑ نے سَر اُٹھایا۔ دیکھا۔ کہ رسولؐ کی آنکھوں میں موٹے موٹے دو آنسو تھے۔

علیؑ نے پوچھا "قبلہ! رو کیوں رہے ہو؟"

رسولؐ نے فرمایا "یا علیؑ! کوئی بات نہیں"۔ ذرا یہ بچی میری گود میں دو۔"

رسولؐ نے بچی گود میں لے لی اور علیؑ کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ رسولؐ نوزائیدہ بچی کے کبھی بال چومتے ہیں۔ کبھی کلائیاں چومتے ہیں۔ کبھی بازو چومتے ہیں۔ کبھی سینے سے لگاتے ہیں۔ بہر نوع اس شان سے شہزادی کی پرورش ہو رہی تھی۔ علیؑ سینے پہ سُلاتے تھے۔ جب علیؑ گھر میں آتے تو زینبؑ دوڑ کے باپ کے گلے سے لپٹ جاتی اور کہتی "آبا جان" ——— علیؑ کو اتنا فخر محسوس ہوتا تھا۔ وہ ابو الحسنؑ کہلانے میں اتنا فخر نہیں کرتے تھے۔ ابو الحسینؑ کہلانے میں اتنا فخر نہیں کرتے تھے۔ جتنا "ابو زینبؑ" کہلانے میں خوش ہوتے تھے۔

اوّل وقت فجر کے بعد زینبؑ کو اٹھاتے اور فرماتے "بیٹی اٹھ کے بیٹھو"۔

بچی پوچھتی "آبا حضور! کیا حکم ہے؟"

مولا فرماتے "بیٹا! گھر کے صحن میں ذرا ٹہلو تاکہ تمہیں چلنے کی عادت پڑ جائے"

میرے لعل! بچپن سے پیدل چلنے کی عادت ڈالو شاید کبھی کہیں چلنا پڑ جائے"

گویا اس شان سے جناب زینبؑ کی تربیت ہو رہی تھی۔ جب بی بی جوان ہوئی تو مولا نے عبداللہ ابن جعفر طیارؑ سے شادی کر دی۔ عقد میں یہ شرط لگائی کہ "عبداللہ! تم میرے اپنے بیٹے ہو۔ سگا بھتیجا بیٹا ہوتا ہے۔ تم میرے اپنے بیٹے ہو۔ میں زینبؑ جیسی محترم بیٹی تمہارے عقد میں دے رہا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر زینبؑ کسی سفر میں جانا چاہے تو روکنا نہیں"

عبداللہ نے عرض کی "مولا! میری کیا مجال جو میں زینبؑ کو روکوں"

بہر نوع جناب زینبؑ کی عبداللہ سے شادی ہو گئی۔ خدا نے پہلی اولاد ایک بیٹی عطا فرمائی جن کا نام تھا کلثومؑ۔ پھر خدا نے دو بیٹے عطا فرمائے۔ وقت آہستہ آہستہ گذرتا گیا اور شہزادے سیانے ہوتے گئے اور وہ وقت بھی آگیا جو شرط علیؑ نے لگائی تھی کہ زینبؑ سفر میں جائے تو روکنا نہیں۔ چنانچہ زینبؑ کے سفر کرنے کا وقت آگیا۔

میرے سامعین!

حسینؑ کے ساتھ زینبؑ مدینہ سے روانہ ہوئیں مکہ میں قیام ہوا۔ بعد میں عبداللہ بھی بچوں کو لیکر مکہ میں تشریف لائے۔ حج سے ایک دن پہلے حسینؑ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ رات کو یہی عبداللہ جو حسینؑ کے بہنوئی تھے اور محمد حنفیہؑ جو بھائی تھے حسینؑ کے پاس بیٹھے کہہ رہے ہیں۔

"حسینؑ! ہمارا جی کہہ رہا ہے کہ تم نہ جاؤ۔"

امام فرماتے ہیں "بھائیو! رات میں نے اپنے ناناؐ کو خواب میں

دیکھا ہے۔ وہ میرے انتظار میں ہیں۔ میں نے جانا ہے"

سب سمجھ گئے کہ حسینؑ اب ضرور جائیں گے۔ چنانچہ خاموش ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مولاؑ نے فرمایا کہ "بھائیو! مجھے جانے دو" تو جناب عبداللہ نے کہا "حسینؑ! اگر گستاخی نہ ہوتی تو میں تیری پیشانی کے بال پکڑ کے بیٹھ جاتا اور تجھے ملنے نہ دیتا مگر کیا کروں حسینؑ! میں مجبور ہوں۔ میں امامت کے اُن رازوں کو نہیں سمجھتا جنھیں تو سمجھ رہا ہے۔ اچھا حسینؑ! خدا حافظ۔ جاؤ"

دوسرے دن صبح کے وقت حسینؑ ایک ایک کے گلے مل کے روانہ ہوئے جب مکے سے تین میل باہر یہ قافلہ پہنچا تو حسینؑ کے کانوں میں ایک آواز آئی

"حسینؑ! ذرا ٹھہرو"

آپؑ نے گھوڑے کی باگ روک لی۔ حکم دیا "عباسؑ بھائی! دیکھو یہ کون ہے؟" قمر بنی ہاشم نے مڑ کے دیکھا۔ عرض کی۔

"مولاؑ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہؑ آ رہے ہیں"

چنانچہ سب گھوڑوں سے اُتر آئے۔ اتنے میں عبداللہ آ گئے۔ سخت بخار۔ ایک ہاتھ محمدؑ کے کندھے پر۔ ایک ہاتھ عونؑ کے کندھے پر۔ عبداللہ فرماتے ہیں۔

"عونؑ و محمدؑ! مجھے حسینؑ کے پاس لے چلو"

چنانچہ عبداللہ حسینؑ کے پاس آئے اور حسینؑ گھوڑے سے اُترے اور فرمایا

"عبداللہؑ! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ میں تو آپ سے مل کے آیا تھا۔ پھر آپؑ نے کیوں زحمت فرمائی"؟

"حسینؑ! جی چاہا ایک بار اور تجھے جی بھر کے دیکھ لوں۔ حسینؑ! تو جا رہا ہے۔ اب تجھے کہاں تلاش کروں گا؟"

عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گلے ملے۔ بڑی دیر تک ملے رہے۔ اس کے بعد عبداللہ نے اپنوں بیٹوں سے کہا۔

"عونؑ و محمدؑ! مجھے اُس ناقے کے قریب لے چلو جس ناقے پہ تمہاری اماں سوار ہے"

عبداللہ پہنچے چوب محمل سے سر لگا کے کھڑے ہو گئے اور کہتے ہیں

"علیؑ کی بیٹی! جا رہی ہو؟"

زینبؑ نے محمل سے آواز دی "یابن العم" اے میرے چچا کے بیٹے! تو شوہر ہے۔ میں تیری محکومہ ہوں۔ اگر حکم دے تو اتر آؤں مگر یہ سُن لے کہ ادھر تو نے اُترنے کا حکم دیا ادھر میری رُوح نکل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہوں گی" عبداللہ نے جواب دیا "نہیں زینبؑ! میں تمہیں روکنے نہیں آیا۔ ضرور جاؤ۔ بلکہ میں تو یہ کہنے آیا ہوں زینبؑ!

"حسینؑ جیسی قیمتی شے تمہارے ساتھ ہے ـــــ اور پردیس کا معاملہ ہے۔ ممکن ہے راستے میں کوئی مصیبت پڑ جائے اور حسینؑ کی جان بچانے کے لئے صدقہ دینا پڑے۔ چونکہ تم خالی ہاتھ جا رہی ہو لہٰذا تمہارے لئے صدقے کا انتظام کر کے لایا ہوں"

یہ کہکر عبداللہ نے عونؑ کا ہاتھ زینبؑ کے ہاتھ میں دے دیا۔

"زینبؑ! اسے اپنی طرف سے حسینؑ پر صدقہ کر دینا" اس کے بعد محمدؑ کا ہاتھ بھی زینبؑ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا۔

"زینبؑ! اسے میری طرف سے حسینؑ پر صدقہ کر دینا"

حضور والا! زینبؑ نے دونوں بچوں کو سر سے پیر تک دیکھا ساتھ بٹھالیا۔ اگر زینبؑ سفر میں ہے تو یہ بچے بھی ساتھ ہیں۔ زینبؑ نے کربلا تک اپنے بچوں کو عونؑ و محمدؑ کہہ کے نہیں پکارا۔ بلکہ جب پکارا یہی کہہ کے پکارا "میرے حسینؑ کے صدقے کو بلاؤ"

سامعین کرام!

شبِ عاشور سیدالشہداؑ عبادتِ خداوندی میں مشغول ہیں۔ فضہؓ

تشریف لائی عرض کی ۔" مولاؑ ! بہن نے بلایا ہے "

امامؑ اسی طرح اُٹھ کے بیت الشرف میں تشریف لائے ۔ صحن میں زینبؑ نے استقبال کیا اور حسینؑ نے دیکھا کہ زینبؑ نے عونؑ ومحمدؑ کو جنگی لباس پہنا رکھا ہے ۔ کمر میں تلواریں باندھ رکھی ہیں ، سر پہ عمامے باندھ رکھے ہیں ۔ اور زینبؑ نے جنگی لباس کے اوپر بچوں کو کفن پہنا رکھا ہے ۔

حسینؑ نے کہا " بہن ! فرمایئے ۔ میں آگیا ہوں ۔ کیا حکم ہے ؟"

حسینؑ ! بہن بھائی کی باتیں تو ہوتی رہیں گی ۔ مگر آج میں نے تجھے بحیثیت بہن کے نہیں بلایا ۔ آج جعفرؑ طیار کی بہو نے حیدرؑ کرار کے بیٹے کو بلایا ہے "

حسینؑ فرماتے ہیں " کہو زینبؑ ! کیا بات ہے ؟"

بی بیؑ فرماتی ہے " حسینؑ !

" جعفرؑ طیار کی بہو حیدرؑ کرار کے بیٹے سے جعفرؑ کے پوتوں کی شہادت کی بھیک مانگ رہی ہے ۔ لہٰذا زینبؑ کی خوشی یہ ہے کہ کل سب سے پہلے ان کی لاشیں آئیں ۔ چونکہ بچے ہیں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ڈر نہ جائیں "

امامؑ نے دونوں شہزادوں کے سر پہ ہاتھ پھیرا ۔ گویا منظور کر لیا یوم عاشور جب ہر شہید کی لاش آتی رہی تو زینبؑ پوچھتی " عونؑ ومحمدؑ ابھی زندہ ہیں "؟

تھوڑی دیر بعد شہزادے گھر میں آئے ۔ ماں کو سلام کیا ۔

" اماں ! سلام "

بی بیؑ نے پوچھا " بیٹا ! ابھی تم زندہ ہو "؟

بچوں نے کہا " اماں ! ہم مرنے کی اجازت لینے آئے ہیں "

زینبؑ نے فرمایا "شاباش۔ جاؤ میرے بچو۔ خدا حافظ"
زینبؑ نے دروازے تک شہزادوں کو رخصت کیا۔ اور ایک فقرہ کہا۔
جس نے حسینؑ جیسے صابر انسان کو رُلا دیا۔
"بچو! ایسا جہاد کرنا کہ دشمن کی فوج یہ کہہ اُٹھے کہ یہ جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں"
جاؤ تمہیں جنت مُبارک ہو۔
بہر نوع شہزادے میدان جنگ میں تشریف لائے۔ جعفر طیارؑ کے پوتوں نے جہاد شروع کر دیا۔ دس بیس منٹ کے بعد باجے بجنے لگے۔ لاش آنے لگیں۔ عورتوں نے گھر میں رونا شروع کر دیا۔ ادھر زینبؑ دروازے پہ کھڑی ہیں اور فرماتی ہیں۔
بی بیو! "روؤ نہیں بلکہ خوشی مناؤ۔ کیونکہ میرے بچوں کی برات آرہی ہے"
یہاں انیس مرحوم کا ایک شعر سناتا ہوں کہ زینبؑ نے ان بی بیوں سے کہا

ؔ باجے والوں کی صدا ازیرِ قنات آتی ہے
کیسے لاشے، میرے بچوں کی برات آتی ہے

بہر نوع تھوڑی دیر بعد امامؑ لاشے لے آئے۔ خیمے کے صحن میں لٹا دیئے۔ بڑے بچے کا دم نکل چکا تھا۔ چھوٹے میں دم باقی تھا۔
امامؑ نے فرمایا "زینبؑ! ایک دفعہ انہیں سینے سے لگا لے۔"

صاحبان!

ماں کی مامتا بھی تھی اور امامؑ کا فرمان بھی تھا۔ زینبؑ نے چھوٹے شہزادے کو جو سینے سے لگایا تو بچے کے لب ہلے۔ گویا ماں سے یہ کہہ رہا تھا۔
"اماں! اب تو خوش ہے نا"

بزرگانِ من!

گیارہ محرم کو اہلبیتِؑ رسول قید ہو کر کربلا سے شام کے لئے روانہ ہوئے ہیں اور راستے میں شہیدوں پر الوداعی ماتم کیا۔ جناب زینبؑ سیدالشہداؑ

کے لاشہ پر پہنچی ۔ اصغرؑ کی ماں اصغرؑ کی قبر تلاش کر رہی ہے ۔ اکبرؑ کی ماں اکبرؑ کی لاش پر بیٹھی ہے قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کی لاش پر نوحہ کناں ہے ۔ غرض ہر خاتون اپنے اپنے وارث کے لاشے پر الوداعی ماتم کر رہی ہے ۔

اُس وقت یزیدؔ کی فوج کے سپاہیوں نے دیکھا کہ دو لاشیں ایک طرف پڑی ہیں جس پہ کوئی خاتون نہیں رو رہی ۔ تو ان سپاہیوں نے امام زین العابدینؑ سے کہا ۔

" قبلہ ! ہم ہیں تو دشمن مگر آخر انسان ہیں ۔ ہمارا دل بھر آیا ۔ کیا ان دونوں بچّوں کا کوئی وارث نہیں ہے ۔ کیا انہیں رونے والا کوئی نہیں ہے " ؟

امامؑ اُٹھے ۔ دونوں بھائیوں کو گود میں اٹھا لیا ۔ اب جو امام زین العابدینؑ نے عونؑ و محمدؑ کے لاشوں کو گود میں اٹھایا تو زینبؑ نے وہیں سے آواز دی

" بیٹا زین العابدینؑ ! یہ تم کیا کر رہے ہو ؟ ــــــ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ صدقہ ہم پہ حرام ہے ۔ بیٹا ! یہ میں نے تیرے باپ پہ صدقہ کر دیئے ہیں ۔ لہٰذا انہیں ہاتھ مت لگاؤ "

بس بھائیو ! ــــــ آج ہم سب ، بوڑھے ، جوان ، بچے مل کر ان بچّوں کو رو رہے ہیں ۔ جن بچّوں کی ماں نہ روئی ۔ اور خواتین ! ــــــ تم بھی ایک دفعہ کہدو

" ہائے زینبؑ "

بی بی زینبؑ ! تیرے بچّوں کو تیری کنیزیں رو رہی ہیں ۔ ہماری بچیاں روئیں گی ۔ ہمارے بچّے روئیں گے ۔ اور ہم قیامت تک روتی رہیں گی ۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

فزت برب الکعبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

میرے ایک دوست نے مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ آج میں آپ کے سامنے اعمال پر گفتگو کروں ______ جہاں تک اعمال پر عالمانہ بحث کا تعلق ہے۔ وہ آپ کسی مفتی سے پوچھیں اور چونکہ میں "مفتی" نہیں ہوں بلکہ "فیمنی" ہوں۔ لہٰذا جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا مختصر لفظوں میں آپ کی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی فرمائش بجالاتا ہوں۔

سامعین کرام!

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور داڑھی وغیرہ رکھنا گویا اس قسم کی چیزوں کا نام اعمال رکھا گیا ہے۔ حالانکہ صرف نماز روزہ وغیرہ ہی اعمال نہیں ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ یہ اعمال نہیں ہیں اعمال تو ہیں۔ مگر ان اعمال کا تعلق ہے دِلی لگاؤ سے جسے دوسرے لفظوں میں عشق کہتے ہیں۔ لہٰذا جب تک "عشق" طبیعت کے اندر نہ ہو تب تک نماز ایک "کھوکھلی" شے ہے اور روزہ ایک "فاقہ" کی چیز ہے۔ اور داڑھی کا "بال دِبال" ہے۔ جب تک اس کے ساتھ "شمع عشق" روشن نہ ہو۔ گویا عشق ہے اصل شے۔ اور دِلی لگاؤ ہے اصل چیز۔ جس طرح اگر کسی شخص کو پتھر سے عشق ہو جائے تو وہ حلّالِ مشکلات

بن جاتا ہے، "مُسْتَجَابُ الدَّعْوَات" ہو جاتا ہے۔ جو اس پتھر کی تاثیر نہیں بلکہ عشق کے اثرات ہیں۔

اور یہ عشق ایسا نشہ ہے کہ اسے دُنیا کی کوئی طاقت سمجھ سکتی ہی نہیں۔ اگر دُنیا بھر کے واعظ، لیکچرار اور مصنّف کتابوں کی کتابیں لکھ دیں اور ساری عمر تقریر کرتے رہیں یہ سمجھانے کے لئے کہ عشق کیا چیز ہے، وہ سمجھا ہی نہیں سکتے۔ گویا عشق کی دِیوانگی جس پہ گذرتی ہے وہی جانتا ہے کہ یہ کیا شے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص سمجھ سکتا ہی نہیں کہ عشق کیا ہے۔

بزرگانِ من!

ہیں تو کہانیاں مگر ان کے اندر بڑی باتیں پوشیدہ ہیں۔ آج سے دو ہزار سال قبل بکرما جیت کے زمانہ کی بات ہے کہ یو پی کے شہر بنارس میں ایک پنڈت تلسی داس گذرا ہے جو ایک برہمن تھا۔ اس نے "رامائن" نظم کی ہے۔ یہ ایک بڑا آوارہ مزاج لڑکا تھا۔ آوارگی کے عالم میں کسی مکان کی چھت پہ چڑھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے کمند ڈال کر مکان پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ سے کمند چھوٹ گئی اور وہ بے خبری کے عالم میں ہی ایک کالے سانپ کو پکڑ کر چڑھنے لگا۔ نہ تو سانپ ہی گرا اور نہ ہی اسے محسوس ہُوا کہ یہ سانپ ہے۔ آخر جب وہ چھت تک پہنچ گیا تو تب اُسے معلوم ہُوا کہ کمند کی بجائے اس کے ہاتھ میں سانپ ہے۔

تلسی داس خود اس بات کا راوی ہے کہ جب میں نے سانپ دیکھا بس اُسی وقت سے میرے ذہن میں خیال آیا۔ کہ اگر "دِل لگاؤ" کسی سے ہو جائے تو کیا مجال کہ سانپ کوئی "نقصان پہنچا دے"۔ گویا دُنیا کا فانی اور ناچیز عشق موذی کا منہ بند کر سکتا ہے۔ ستانے والے کو رَد کر سکتا ہے، جانوروں کی فطرت بدل سکتا ہے اور ڈنک مارنے والے

زہر یلے کو ساتھی بنا سکتا ہے۔" اگر میں بھی کسی حقیقت سے عشق کرو‌ں تو اللہ جانے کیا ہو گا"۔ بس وہیں سے یہ تلسی داس تاریخ کی ایک مشہور و معروف شخصیت بن گیا جس کے فلسفۂ عشق نے اسے مشہور کر دیا جو اسے کسی ذات سے ہو گیا تھا۔

بہرنوع اصل شے جو ہے جسے عمل، قول، عقل کی روح کہتے ہیں وہ ہے دلی لگاؤ۔ بے دلی سے کہی ہوئی بات کا وزن اور ہے اور دل سے نکلی ہوئی بات کی طاقت اور ہے۔ گویا جو زبان سے نکلتی ہے وہ صرف کان تک پہنچتی ہے اور جو دل سے نکلتی ہے۔ وہ دل تک پہنچتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا ایک فعل ہے سر جھکایا اور خاک پہ رکھ دیا۔ اگر اس نماز میں عشق ہے تو ہماری نماز کے ایک سجدے کا بار زمین اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ عشق کا سجدہ ہو تو زلزلے آ جاتے ہیں، آندھیاں آ جاتی ہیں اور اگر بے دلی کی باتیں ہوں تو چاہے صبح سے شام تک سجدہ کرتے رہیں۔ "کنقلت الغراب" جس طرح کوا زمین پہ ٹھونگیں مارتا ہے"۔ اس طرح کے سجدے تو دُنیا بہت کرتی پھرتی ہے۔ اصل عمل وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے۔

سامعین!

اسلامی نقطۂ نظر سے "عمل" جس چیز کا نام ہے وہ ہے "عبادتِ خُدا" عبادت نہ کسی رسُول کی ہو سکتی ہے، نہ کسی امام کی اور نہ ہی کسی اور کی عبادت ہوتی ہے صرف اَللہ کی۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبُود ہو سکتا ہی نہیں۔

سامعین! ــــ "معبُود ہے صرف اللہ۔ عبادت ہے صرف اللہ کی ــــ گویا عبادت کا لفظ جہاں کہیں بھی آئے اس سے مقصود ہو گا "اَللہ"۔

اَب دُنیا کے کسی مولوی سے مت پوچھو کہ عبادت کس کی ہوتی ہے ــــ معبُود کون ہے؟

بڑے بھائیو! ــــ یہ بات اگر ہے اور یقیناً ہے کہ عبادت ہے

صرف اللہ کی ـــــــــ تو آج ہم حضرت ابوبکر صدیق کو کہاں سے تلاش کر کے لائیں اور ان سے پوچھیں :۔

اے صحابیٔ رسولؐ ! ـــــ جب عبادت کا لفظ مخصوص ہے صرف اللہ کے لئے ۔ تو آپ نے دُنیا کو کیا فرمایا کہ
"میں نے اپنے کانوں سے رسولؐ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے"
کہ "علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے"

سامعین !

رسولؐ "ثواب ہے" کہہ دیتے تو بڑی خوشی کی بات تھی مگر رسولؐ نے لفظ "عبادت" کہا ہے۔ اور لفظ "عبادت" مخصوص ہے صرف اللہ کے لئے۔
اَب بتاؤ ! ـــــ اگر نصیری بگڑ جائیں تو آپ کو پکڑیں گے یا نہیں ۔؟
کہ آپ نے کیا کہہ دیا کہ علیؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے ۔
بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ۔ چونکہ ساری عمر ہو گئی عمل والوں سے ہم بے عملوں کو یہ سُنتے سُنتے کہ ہم عبادت نہیں کرتے بلکہ علیؑ علیؑ کرتے ہیں اس لئے ہم جہنم میں جائینگے

سامعین :

جب لوگ یہ کہتے ہیں کہ علیؑ علیؑ کرنے والے جہنم میں جائیں گے تو نہ جانے یہ علیؑ علیؑ کرنے والے بُرا کیوں منا جاتے ہیں ۔ حالانکہ ان کا بُرا منانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں علیؑ سے عشق نہیں ہے ۔ ورنہ خدا شاہد ہے کہ اگر علیؑ سے انہیں عشق ہوتا تو یہ علیؑ علیؑ کرنے والے جہنم میں جانے پر کبھی بُرا نہ مناتے ۔
میں کہتا ہوں "اگر علیؑ علیؑ کرنے سے جہنم ملتا ہے تو ہمیں اور کچھ نہیں چاہیئے ۔ خُدا کی قسم ! اگر یا علیؑ کہنے سے جہنم ملتا ہے تو کروڑہا جنتیں قربان کرتا ہوں ۔ مجھے جہنم ہی منظور ہے ۔ گویا یا علیؑ کہنے سے جو کچھ ملتا ہے ہمیں منظور ہے ۔ میرا ایمان ہے کہ جب

جہنم میں یا علیؑ کہہ کر چھلانگ لگائی جائے گی تو وہ جہنم فوراً گلزار ہو جائے گا ۔ کیا مجال جہنم کی جو علیؑ کا نام سُنکر شرما نہ جائے

بہر نوع میرا عرض کرنے سے مطلب یہ ہے کہ عبادت ہے صرف اللہ کے لئے اگر نمازی کے دل میں یہ آ جائے کہ لوگ مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر یہ کہیں ۔ یہ بڑا نیک آدمی ہے تو گویا نماز نماز نہ رہی بلکہ وہ گناہ ہو گیا ہے ۔ معلوم ہوا نماز بھی وقت تک عبادت ہے ۔ جب تک صرف اللہ کے لئے ہو اور اللہ نے فرمایا ہے کہ خبردار میری عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ میں وحدہٗ لاشریک ہوں ۔

سامعین ! ـــــــ "وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ معبود ہونے میں اُس کا کوئی شریک نہیں ۔ ورنہ موجود ہونے میں ہم سب اس کے شریک ہیں وہ موجود ہے اور ہم موجود ہوتے ہیں اور جب تک ہم زندہ ہیں ۔ ہم اس کے "حیٌ" ہونے میں بھی شریک ہیں اور جتنی جتنی کسی میں قدرت ہے ہم "قادر" ہونے میں بھی اس کے شریک ہیں اور جتنا جتنا کسی میں علم ہے ۔ ہم "عالم" ہونے میں بھی اُس کے شریک ہیں ـــــــ صرف "معبودیت" ایسی چیز ہے جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں ۔ وہ ہی "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ" ہے ۔

لہٰذا "وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ معبود ہونے اور مالک ہونے میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو شرک سے مبرا ہیں ۔ اب اگر نماز ہے خدا کی عبادت تو اس میں کسی کا شریک ہو جانا گویا شرک ہو جائے گا ۔

دیکھو نا ! ـــــــ اب میں آپ کو نماز کا واعظ کرتا ہوں اگر آپ مجھ پر یہ شرط عائد کر دیں ۔ کہ نماز میں سوائے خدا کے کوئی نہ آنے پائے ورنہ شرک ہو جائے گا ۔

تو سُنو حضرات ! میں عرض کرتا ہوں کہ نماز یوں پڑھا کرو سب سے پہلے

نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہی کہا کرو۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرْ"

مگر یاد رکھو! ــــــ اسکے معنیٰ یہ نہ کرنا کہ "اللہ سب سے بڑا ہے"؟ ورنہ اس کے معنیٰ یہ ہو جائیں گے کہ ایک طرف ہم نے سب کو رکھا اور ایک طرف اللہ کو رکھا۔ پھر ہم نے میزان میں مقابلہ کیا تو سب چھوٹے نکلے اور اللہ سب کے مقابلہ میں بڑا ہوا۔ اور جو مقابل میں آکر بڑا ہو وہ اللہ نہیں ہوتا ــــــ لہٰذا "اللہ اکبر" کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ "وہ سب سے بڑا ہے" حالانکہ ہر اُردو دان یہی ترجمہ کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اُردو آتی ہی نہیں۔

اب آپ پوچھیں گے زیدی صاحب! پھر آپ ہی بتایئں کہ "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کا ترجمہ کیا ہے۔؟

میں کہتا ہوں۔ دیکھو! "اللہ اکبر" کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے ہم کھڑے ہوئے اور اس سے کہا تو اکیلا رحمٰن والرحیم ہے۔ ساری حمد تیرے ہی لئے ہے تو سارے عالمین کا رب ہے۔ تو یوم الدین کا مالک ہے۔ تو ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور صراط اُن کی ہو جن پر تیرا انعام ہوا۔"

سامعین!

ہم تو صرف اللہ کی نماز پڑھ رہے تھے۔ مگر یہ "اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" کا خیال کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔ کون ہیں وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہو گیا۔

پھر سوچا۔ ان کا نام آنے سے یہ شریک نماز ہو گئے۔ کیوں نہ ان کا نام ہی بیچ سے نکال دوں۔ آخر اللہ سے پوچھا۔

"خداوندا! یہ فقرہ نماز سے نکال دُوں"؟

اللہ غصّہ سے جواب دیتا ہے۔

"خبردار"

آخر چُپ ہو گیا۔ کہ کوئی تو "انعمت علیھم" ہو گا۔

بہر نوع میں نے الحمد پڑھ لی پھر کہا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ

اس کے سجدہ میں سر رکھکر ،، سُبحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ" کہا ـــــــ دوسری رکعت کے دو سجدے ادا کرنے کے بعد آرام سے بیٹھ گیا ۔ اور کہا :۔

اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

خدا نے ہم سے گفتگو کی اور خوش ہُوا ۔

" بندے ! تونے میری حمد کی ۔ مجھے عظیم داعلیٰ بھی کہا ۔ اب وحدہٗ لاشریک بھی کہہ رہا ہے ۔ مگر یہ بتا کہ تونے یہ ساری باتیں کہاں سے سیکھی ہیں "؟

میں نے عرض کی ،، خدا وندا ـــــ مجھے تو خاک بھی پتہ نہیں تھا ۔ یہ باتیں تو تیرے ایک بندے نے مجھے بتائی ہیں جس کا نام محمّد ہے جو تیرہ عبد بھی ہے اور رسُول بھی ہے ،، اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ،،

بس بھائیو ! نماز پُوری ہو گئی ؟ نہیں "

دیکھو سامعین ! ـــــ آپ نے کیا کہہ دیا کہ دُرود باقی رہ گیا ـــــ کیا غضب کر رہے ہو ! مولوی صاحبان ماریں گے ۔ وہ تو کہتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کا نام لینا بھی بدعت ہے ، گناہ ہے ـــــــــ مگر

اللہ کہتا ہے ،، نمازیو ! لے جاؤ اپنی نماز ۔ مجھے ایسی بے دم دُرود کی نماز نہیں چاہیئے ،،

اب نماز بے چاری وہیں کھڑی ہے اور کہتی ہے ۔

نمازیو ! "خدا کے لئے مجھے دُرود کا پاسپورٹ دو ۔ تاکہ ملک قبول میں جا سکوں "

آخر ہم نے نماز کو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کا پاسپورٹ دیا ۔ اور ہماری نماز ملک قبول میں جا پہنچی ۔

حضور والا ! آلِ محمّد پر درود بھیجنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آلِ محمّد

عبادت خدا میں شریک ہو گئے۔ عبادت تو صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ مگر عبادت بغیر عشق کے خالی پیکر ہے۔ بے رُوح ہے۔ اس لئے اللہ چاہتا ہے کہ عبادت ہو مگر ساتھ میں عشق بھی شامل ہو۔ چنانچہ ہم اللہ سے کہتے ہیں۔

"خداوندا! ہم تجھ سے عشق کر لیں"؟

اللہ کہتا ہے "پاگل نہ بنو۔ تم میرے عاشق نہیں بن سکتے"

پھر ہم نے عرض کی۔

"خداوندا ـــــ تجھ سے عشق ہو نہیں سکتا۔؟ اور تو کہتا ہے کہ مجھ سے عشق کرو۔ پھر تو ہی بتا تجھ سے کس طرح عشق کیا جائے؟

اللہ نے کہا۔ "چونکہ براہ راست مجھ سے عشق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں ایسا انتظام نہ کردوں کہ ایسے اپنے بناؤں جنہیں عبادت میں شریک کرلوں۔ عشق ان سے ہو اور عبادت میری ہو تاکہ عبادت میں روحِ عشق آجائے اور عبادت، عبادت ہو جائے"

سامعین!

اگر اللہ کے ان "اپنوں" کو بیچ سے نکال دیں تو عبادت کھوکھلی رہ جائیگی اور نماز گھبرا کے اِدھر اُدھر دیکھے گی کہ اب میں کہاں جاؤں۔

لہٰذا ان "اپنوں" کے عشق کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز اتنی قیمتی اور وزنی ہوتی ہے کہ نمازی تین مرتبہ کہتا ہے۔ "اللہ اکبر" گویا رُوحِ عبادتِ خدا عشقِ آلِ محمدؐ ہے۔ جو نہ دولت خرچ کرنے سے آتا ہے، نہ کتابیں پڑھنے سے آتا ہے اور نہ ہی مولوی بننے سے آتا ہے۔

"ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اللّٰه" یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جس بندے کو چاہے یہ نعمت عطا فرما دے۔

اور یاد رکھو اے عشقِ آلِ محمدؐ کی دولت رکھنے والے معزز انسانو! ـــــ عشقِ آلِ محمدؐ نہایت قیمتی جوہر ہے جو تجھے اللہ نے

دیا ہے۔ لہٰذا اسے چوروں سے بچائے رکھنا۔ چونکہ جوہر بڑا قیمتی ہے اسلئے ڈاکو بھی بڑے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ڈاکو دوستی کے پردے میں تجھے نماز روزے کی طرف لگا کے عشقِ آلِ محمدؐ کی دولت لوٹ کر لے جائے۔ لہٰذا اسکی بڑی حفاظت کرنا۔ نماز بھی پڑھنا۔ کیونکہ نماز پیکر ہے مگر رُوح اس کی عشقِ آلِ محمدؐ ہے۔

سامعین!

مولوی صاحبان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے (چاہے سُنّی ہو یا شیعہ) کہ جو نماز قبول نہیں ہوتی وہ نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

آپ بتاؤ! ـــــــ نماز کوئی اینٹ ہے یا پتھر ہے جو اُٹھا کے منہ پر ماردی جاتی ہے؟

اس کا مکمل جواب تو آپ خود ہی سوچیں۔ مگر میں تو ہر نماز پڑھنے والے کا منہ تکتا رہتا ہوں۔ اگر نماز کے بعد اس کا مُنہ ٹھیک رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ نماز قبول ہو گئی اور جہاں، ذرا مُنہ پھرا فوراً سمجھ گیا کہ نماز منہ پر ماردی گئی ہے۔

سامعین!

دیکھو نا ـــــــ کربلا میں تقریباً ۳۰ہزار آدمی یہ شور مچا رہا تھا کہ حسینؑ کو جلدی قتل کر دو تاکہ نمازِ عصر قضا نہ ہو جائے؟

گویا نماز کا یہ زور ہو رہا تھا۔ یہ ان ہی لوگوں کی سکھائی ہوئی بات ہے۔ کہ بس نماز پر ہی زور دیئے جاؤ چاہے فرزندِ رسُولؐ قتل ہو جائے۔

بتاؤ ـــــــ یہ کوئی نماز ہے؟ مغرب کا وقت ہے خیمے جل رہے ہیں۔ بچّوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں اور زینبؑ کے سر پر چادر نہیں اور مسلمان آلِ محمدؐ کو قتل کر کے اور اُن کے خیمے جلا کر مغرب کی نماز ادا کر رہے ہیں۔ ایمان سے بتاؤ، یہ کوئی نماز ہے۔؟

بہر نوع عشقِ آلِ محمدؐ کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی ۔ نماز پیکر ہے اور عشقِ آلِ محمدؐ اس کی رُوح ہے اور یہ عشقِ آلِ محمدؐ نہ عقیدت سے آتا ہے نہ پڑھنے سے آتا ہے اور نہ ہی خرچ کرنے سے آتا ہے یہ وہ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰہِ ، اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور یہ اللہ سے لَو لگانے سے آتا ہے ۔ اسی چیز کے لئے اللہ کہتا ہے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" تم مجھ سے دُعا کرو کہ "یا اللہ ہمیں عشق آلِ محمدؐ دے دے " میں اسے قبول کرلوں گا ۔ ورنہ رزق کا خدا نے خود وعدہ کیا ہے ۔ لہٰذا رزق کے لئے دُعا کرنے کی ضرورت نہیں ۔ زندگی جتنی ہے اتنی ہی ہو گی ۔ اس کے لئے مانگنا نہ مانگنا بے کار ہے جن دعاؤں کے لئے قرآن میں تاکید ہے کہ "تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا " وہ دُعا ہی یہ کرو کہ " خدا ہمیں عشقِ آلِ محمدؐ عطا فرمائے تاکہ ہماری نماز سچی ہو جائے ۔ ہمارا روزہ سچا ہو جائے ۔ ہمارا ہر عمل سچا ہو جائے ۔

بات سے بات پیدا ہوتی ہے حضور ! یہ عشق کی بات ہے کہ نوے سالہ سعیدؓ مسیب کے قصبے کا رہنے والا کربلا میں حسینؑ کی فوج میں موجود تھا ۔ یوم عاشور بھی سعیدؓ امامؑ سے کہتا ہے ۔

" مولا ! ظہر کا وقت ہے "

مولا نے فرمایا " سعیدؓ ! کیا چاہتے ہو" ؟

مولا ! ـــــــ " میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی یہ آخری نماز آپ کی جماعت کے ساتھ اَدا کروں "

بتاؤ مسلمانو !

حسینؑ کے پیچھے نماز پڑھنے کی تمنا کرنا دُنیا کی بہترین تمنا ہے یا نہیں ؟

اَب جو سعیدؓ نے یہ کہا تو امامؑ نے جواب میں فرمایا :-

" سعیدؓ ! تو نے اس وقت اللہ کی نماز یاد کی ۔ اللہ تمہیں اس کا اَجر دے گا "

دریائے فرات کے کنارے نمازیوں نے تیمم کیا۔ نماز شروع ہو گئی اور سعیدؓ کے دل کی گہرائی سے جو تمنا نکلی تھی وہ پوری ہو رہی ہے۔ سعیدؓ امامؑ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اقامت کہی۔ اچانک تیر آنا شروع ہو گئے۔ اب سعیدؓ نے جو دیکھا کہ تیر امامؑ کی طرف آ رہے ہیں تو اُس نے نماز کی نیت باندھنے کے بعد نیت توڑ کے صف چھوڑ دی اور امامؑ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا:

"فرزندِ رسولؐ! آپ نماز پڑھیں۔ میں تیروں کو روکتا ہوں"
چنانچہ باقی آدمی امام کی جماعت میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جس کی یہ تمنا تھی کہ آخری نماز امامؑ کے ساتھ پڑھوں وہ غریب کھڑا ہوا تیر روک رہا ہے۔ جو تیر بھی امامؑ کی طرف آتا ہے۔ سعیدؓ اپنی بڈھی پسلیوں پر روک رہا ہے۔ اور تیر بڈھی پسلیوں میں گھس گئے۔ اِدھر امامؑ نے سلام پھیرا، اُدھر سعیدؓ امامؑ کی گود میں جا گرا۔ بڈھا آدمی، چہرے پر مدت کا پسینہ آگیا۔ اور گرتے ہی امامؑ سے پوچھتا ہے "هَل وَفَيتُ يابن رسول الله"
"کیوں فرزندِ رسولؐ! ــــ آپؑ مجھ سے خوش ہیں۔
کیا میری نماز ہو گئی؟
امامؑ جواب میں فرماتے ہیں، "سعیدؓ اَنتَ اَمَامِی فِی الْجَنَّة
میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں جاؤں گا
تو تُو میرے آگے آگے چلے گا"
سعیدؓ نے عرض کی، "مولا! میرے تیر نہ نکالنا میں تیرے ناناؐ کے پاس ان تیروں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں"
اس کے بعد سعیدؓ کہتا ہے۔
"مولا! کوئی میرا داہنا بازو دبا رہا ہے"؟ امامؑ نے فرمایا "سعیدؓ! سلام کرو۔ یہ میرے نانا رسول اللہ ہیں"

"قبلہ! کوئی میرے بائیں طرف بھی ہے"؟
"سعیدؑ! یہ مرے بابا حیدرِ کرار آئے ہیں"
"مولا! کوئی میرا سر دبا رہا ہے"؟
"سعیدؑ! یہ میرے بھائی حسنؑ ہیں"
آخر میں سعیدؑ پوچھتا ہے۔
"مولا! کوئی میرے پاؤں کی طرف بھی ہے"؟
امامؑ فرماتے ہیں۔
"سعیدؑ! پاؤں سمیٹ لو۔ یہ میری اماں فاطمہؑ ہیں"
اس منظر کو دیکھ کر مولانا رُوم اپنی مثنوی میں کہتا ہے۔

نمازِ ظاھری ذکرِ سجُود است
نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

بہ ظاہر میں پڑھی ہوئی نماز ذکر سجود و رکوع ہے اور عشق کی نماز وہ ہے کہ اپنے آپ کو فنا کر دیا۔

یہ ہے وہ عمل جسے عبادت کہتے ہیں اور عبادت اس وقت تک کھوکھلی ہے جب تک اس میں "رُوحِ عشقِ آلِ محمدؐ" شامل نہیں ہوگا اور رُوحِ عشقِ آلِ محمدؐ بے کار ہے جب تک اس کے لئے "عمل" کا پیکر ہو۔ گویا رُوح کے لئے جسم اتنا ضروری ہے جتنا جسم کے لئے رُوح ضروری ہے

حضور والا!

اگر ہمارا پیدا ہونے کا مقصد عبادت ہے۔ تو اس مقصدِ عبادت کو اس ظاہری دُنیا میں سب سے زیادہ کس شخص نے پُورا کیا ہے۔؟
حضور امام حسنؑ فرماتے ہیں "جہاں تک عبادت کا تعلق ہے میں اپنے باپ علیؑ کے مقابلہ میں ایک ہزار کی نسبت سے ہوں۔ گویا علیؑ اتنا بڑا عابد ہے۔

سامعین!

یہ تو آپ نے سن لیا کہ مسلمانوں میں پہلی نماز جس نے پڑھی وہ علی ابن ابی طالبؑ ہیں ——— لیجئے ایک قصہ بھی سماعت فرمایئے گا۔

ایران کا ایک تاجر بغرضِ تجارت مکّہ میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنی دُکان لگایا کرتا تھا۔ وہ راوی ہے کہ ایک سال جو میں گیا تو میرے دوست حضرت عباسؓ (رسُولِ خدا کے چچا) میری دُکان پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور ایک طرف کو منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ پھر جُھک گیا۔ پھر سجدے میں گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا اور ایک معصُوم چھوٹا سا بچّہ اس کے ساتھ یہ حرکت کر رہا تھا۔ میں نے عباسؓ سے پوچھا "یہ جوان کون ہے اور یہ بچّہ کون ہے؟"

عباسؓ نے جواب دیا "یہ جوان میرا بھتیجا محمدؐ ہے"

میں نے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے"؟

عباسؓ بولے "یہ کہتا ہے کہ میں رسُول ہوں اور یہ بحکمِ خدا اپنی نماز پڑھ رہا ہے"

"یہ لڑکا کون ہے"

"یہ میرا دوسرا بھتیجا علیؑ ہے"

ایرانی کہتا ہے کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ایک معصُوم جس کی اطاعت کر رہا ہے وہ یقیناً سچا ہو گا۔ ورنہ بچّے کو کیا تھا۔ اس کے کھیلنے کے دن ہیں اسے کیا مصیبت تھی کہ یہ بھی ایسا ہی کرتا جیسا یہ جوان کر رہا ہے۔ یہ ضرور کوئی سچّا ہو گا۔

حضور والا! ——— علیؑ کی پہلی نماز آپ نے دیکھ لی۔ آیئے اَب ذرا علیؑ کی وہ نماز دیکھیں جو علیؑ نے بستر پر سو کر پڑھی۔ انیس سال کا جوان۔ رات بھر خوب سویا اور کائنات کا عظیم نمازی کہلایا جس پر اللہ کو یہ آیت نازل کرنا پڑ گئی کہ "آج تیرا سونا ہی میری مرضی کا مالک ہو گیا ہے"

ہم نے صبح جا کے علیؑ سے پوچھا۔

" یا علیؑ! کہو کیا حال ہے۔ آپ کی نماز کا۔؟

اب تو آپ بڑے خوش ہوں گے کہ اللہ نے اپنی مرضیاں دے دیں"

علیؑ جواب میں فرماتے ہیں "میں اللہ کا ذلیل بندہ ہوں۔ میں نے کیا عبادت کرتا ہے۔ اگر خدا قبول کرلے تو یہ اسکی مہربانی ہے" علیؑ جیسا انسان آج یہ کہہ رہا ہے کہ "عبدئك حقا عبادتك" "ہم تیری عبادت نہ کرسکے جتنا عبادت کرنے کا حق ہے" ——— پتہ چلا کہ اس انسان کے دل میں عبادت کا اتنا بڑا تصور ہے۔ گویا اس شخص کے ذہن میں عبادت کی آخری منزل کا کوئی اتنا بڑا تصور ہے کہ اس منزل کے تصور کو جب یہ دیکھتا ہے تو اپنے مرضیوں کے مالک ہونے کو یہ اس کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں سمجھتا۔

بزرگانِ من!

اب علیؑ کی ایک اور نماز دیکھئے۔ دورانِ جنگ پاؤں میں گھٹنے کے قریب کی ہڈی میں تیر چبھ گیا۔ تیر کا اگلا حصہ ہڈی میں ٹوٹ کر رہ گیا۔ بڑی تکلیف ہے۔ چلا نہیں جاتا۔ نہ ہی بیٹھا جاتا ہے۔ اگر جرّاح اسے نکالنا چاہے تو چھونے نہ دے۔ آخر رسولؐ نے فرمایا

" ٹھہر جاؤ۔ نماز کا وقت آنے دو۔ پھر تیر نکال لینا"۔ چنانچہ یہی ہوا۔

علیؑ نماز کے لئے مصلا پر کھڑا ہوا۔ اور کہا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" ——— سجدہ میں گیا۔ جرّاح نے چیرا دے دیا۔ اور تیر نکال لیا۔ اور جب علیؑ نے نماز ختم کرلی تب پتہ چلا کہ کیا ہوا۔

سامعین!

بات تو تیر کی تھی مگر تیر کی طرح سیدھی ہمارے دلوں میں جا اُتری اور ہم نے جان لیا کہ علیؑ وہ نمازی ہے کہ نماز میں چاہے پاؤں سے تیر کھینچ لیا جائے اسے پتہ ہی نہیں چلتا۔ مگر ——— کچھ عرصہ بعد ہم دیکھتے کیا ہیں کہ وہی

علیؑ ہیں اور وہی ظہر کی نماز ہے اور مسجد نبی کے دروازے پر ایک سائل کھڑا ہو کے کہتا ہے:۔

"مسجد والو! اللہ کے واسطے مجھے کچھ دو"

کسی نے کچھ نہ دیا۔ کیونکہ جو زکوٰۃ دینے والا تھا وہ سُن ہی نہیں رہا تھا آخر اس نے تنگ آ کے کہا:۔

"یا اللہ! تیرے رسولؐ کی مسجد سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں"

سامعین!

سائل نے جب تک نمازیوں سے مانگا۔ مانگتا رہا۔ اور جب اس نے اللہ سے مانگا تو جو اللہ تک پہنچا ہوا تھا اس نے سُن لی۔ چنانچہ علیؑ نے حالتِ رکوع میں سائل کو زکوٰۃ دے دی۔ ہم ادھر حیران کھڑے تک رہے ہیں۔

"یا علیؑ! اُس دن تو اتنی محویت کہ پاؤں سے تیر نکال لیا گیا اور پتہ نہ چلا یا آج کے دن اتنی خبر ہے کہ سائل کو زکوٰۃ دے دی"

بہر حال اتنا بڑا نمازی، اتنی محویت سے نماز پڑھنے والا کہ پاؤں میں چُبھے ہوئے تیر کھینچ جائیں مگر پتہ نہ چلے۔ یہ ہے نماز کی آخری منزل مگر علیؑ کیا فرماتے ہیں کہ میں کہاں اور نماز کہاں؟ اللہ جانے نمازی کے ذہن میں نماز کا تصور کیا ہے۔ اتنی اچھی نماز کو کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں۔

ادھر قرآن علیؑ کی عبادت کی تشریح فرماتا ہے کہ اسکی ایک "ضربِ ثقلین" کی عبادت سے افضل ہے۔ اب تو علیؑ بھی بہت اکڑے ہوں گے کہ میری لگائی ہوئی ایک ضرب ثقلین کی عبادت سے بڑھ گئی ہے۔ اور جب "ثقلین" کا لفظ رسولؐ نے بولا ہوگا تو سمٹ سمٹ کے ساری کائنات دائرہ ثقلین میں آ گئی ہوگی۔ خدا جانے عرش اور اس کے اوپر بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنے والے ملک ثقلین کے دامن میں شامل ہو گئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ ثقلین کے ایک کونے میں سہمے کھڑے ہیں۔ ابراہیمؑ اپنی خلت لئے کھڑے ہیں۔ موسٰیؑ اپنی ہیبت

لئے کھڑے ہیں اور عیسٰی اپنی حیاتِ جاوداں میں لپٹی ہوئی عبادت لئے کھڑے ہیں۔ گویا ساری کائنات اپنی اپنی عبادتیں لئے ہوئے کھڑی ہے اور تھرتھر کانپ رہی ہے۔ اور ضرب علیؑ ان سب پر حاوی ہو چکی ہے۔

ہم کہتے ہیں " یا علیؑ ! ——— مُبارک ہو اتنی بڑی عبادت ہے"

علیؑ مسکراتے ہیں اور فرماتے ہیں :" خاک مبارک۔ کچھ بھی نہیں ہوا میں نے کچھ بھی نہیں کیا ———"

ہم حیران ہیں کہ اللہ جانے یہ بندہ چاہتا کیا ہے۔ آخر یہ کہاں جا کے کہے گا کہ یہ عبادت ہے ؟

سامعین !

یہ تو رسُولؐ کی زندگی کی باتیں تھیں۔ اب رسُولؐ کے بعد علیؑ آگیا۔ اب تو علیؑ کو دنیا کے کاموں سے بھی فرصت مِل گئی۔ کیونکہ دُنیا کے دھندے اوروں نے سنبھال رکھے ہیں۔ اب گھر ہے اور عبادت ہے۔ ۲۶ سال اسی طرح گذرے۔ اگر چار سال کے لئے شہنشاہی آ بھی گئی تو ساری عمر کی پڑی ہوئی عبادت کی عادت کی وجہ سے شہنشاہیت بھی عبادت میں گذر گئی یہاں تک کہ شخصی جنگ کا وقت آگیا۔

سامعین !

شخصی جنگ، جہاد اسلام کا ایک جزو اعظم ہے۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ سربراہ حکومت فیلڈ مارشل ہو جو میدان جنگ میں بھی آئے۔ یہ نہیں کہ مسجدوں میں ہی بیٹھا خوش خبریاں سُنتا رہے۔

یاد رکھو ! ——— کسی فیلڈ مارشل کا صدر ہونا اسمیں بُرائیاں بھی ہوں گی کچھ اچھائیاں بھی ہوں گی۔ سب سے پہلی اچھائی تو یہ ہوتی ہے کہ فیلڈ مارشل نڈر ہوتا ہے۔ وہ سکریننگ کا عادی ہوتا ہے۔ اور پبلک کے بنائے ہوؤں کا عیب نکالتا ہے۔

اب اسے لاکھ سمجھاؤ کہ اُنہیں عوام نے بنایا تھا۔ وہ ووٹ سے بنے تھے۔ اب ان کی حکومت بھی گذر گئی۔ اب تم کیوں مُردے اکھاڑتے ہو ــــــ مگر فیلڈ مارشل کہتا ہے "نہیں"۔ چاہے وہ گذر گئے ہوں چونکہ عوام کے بنائے ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کے عیب نکالو" ــــــ اس کے علاوہ اور بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو فیلڈ مارشل کرتا ہے۔ مثلاً فیلڈ مارشل حکومت نے حکم دے دیا کہ "بکریاں ختم کردو"

اب بتاؤ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ بکرے کی نسل کو ختم کردو۔ آخر کیوں؟ بکرا بے چارہ کیا بگاڑتا ہے؟ تو فیلڈ مارشل کہتا ہے کہ تمہیں پتہ نہیں کہ بکرا باغ کا دشمن ہے۔ اور باغ کے دشمن کی نسل ہی ختم کردینی چاہیئے۔

بہرنوع جب چوتھے مرتبہ یہ ہمارا فیلڈ مارشل حاکم ہوا ہے جسے علیؑ کہتے ہیں۔ اس کے زمانے میں جو جنگیں ہوئیں ہیں جمل۔ صفین اور نہروان وغیرہ ان میں ایسا نہیں ہوا کہ فیلڈ مارشل گھر میں ہی بیٹھ کر فوجیں بھیجتا رہا ہو بلکہ کہتا ہے۔

"اگر جہاد عبادت ہے تو میں خود اس عبادت سے بہرہ مند ہوں۔ گویا وہ خود میدان جنگ میں موجود رہا۔

میرے محترم سامعین!

عرب کا یہ دستور ہوگیا تھا کہ اگر کوئی عرب کا بہادر اس فوج کا معمولی سپاہی ہوتا تھا۔ جس فوج نے علیؑ کا مقابلہ کیا ہو تو اس کا خاندان فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں اس بہادر فرد کے خاندان سے ہوں جو علیؑ کے مقابل فوج میں تھا۔ اگر علیؑ کے مقابل ہونا اتنے بڑے فخر کی بات ہے تو آپ اس فخر کو کس طرح مٹا سکتے ہیں۔

اگر ایک سید کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ تمہارے مُردوں کو یہ فخر ہو گا۔
آؤ دیکھو! میں ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد میں جاتا ہوں جہاں بھاگ آنے کی توقع تو ہی ہو اور بات ہے اور با دا ہی ڈاڑھی پر چڑھ کر جانا اور بات ہے۔
دیکھو نا۔ جنگ جمل میں تاریخ حرب و ضرب کے لکھنے والوں کو علیؑ نے حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ شہنشاہ بذاتِ خود جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے ہے۔ علیؑ یہ کہتا ہے کہ چونکہ جہاد ثواب ہے۔ اس لئے میں اس جہاد سے کیوں محروم رہوں۔ اور آپ حیران ہوں گے کہ پوری جنگ جمل میں علیؑ نے چہرے پر نقاب رکھا۔
میں کہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے "علیؑ شرما گئے" اب اگلا فقرہ کیا کہوں بس علیؑ شرما گئے کہ " کون میرے مدِ مقابل آ گیا ہے"

سامعین!

جنگ صفین جنگ جمل کا ہی نتیجہ تھا۔ کیونکہ جنگ صفین میں یہی کہہ کر لوگوں کو اکسایا تھا کہ اگر علیؑ سے لڑنا گناہ ہوتا تو مسلمانوں کی ماں کیوں مقابلہ کیلئے آ جاتی۔ لہٰذا علیؑ سے لڑنا حق ہے۔ بس علیؑ سے لڑنے کے لئے اسی بات پہ مسلمان صفین میں اکٹھے ہو گئے اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمی کھڑا ہے علیؑ سے مقابلہ میں لڑنے کے لئے اور علیؑ لڑ رہے ہیں۔ چوبیس ۲۴ دن لڑائی ہوئی تیئیسواں ۲۳ دن جو تھا اس دن فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی۔ دونوں اطراف کی فوجوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ شام کو جو جنگ بند کر دی جاتی ہے آج مت بند کرو۔ اب جنگ بند اس وقت کریں گے جب تک اس کا مکمل فیصلہ نہ ہو جائے۔ گویا فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی۔
حضرت علیؑ کی فوج کا کمانڈر انچیف حضرت مالکؓ اشتر تھے۔ جن کے لئے علیؑ نے فرمایا ہے کہ "یہ میرے لئے ویسا ہی ہے جیسے میں محمد مصطفےٰ

کے لئے، گو یا اس سے بڑھ کر کوئی خطاب کسی کو مل سکتا ہی نہیں۔ ادھر حضرت مالکؓ اشتر بڑے خوش تھے کہ آج فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ مالکؓ کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور اپنے سپاہیوں سے کہتا تھا۔

"سپاہیو! آگے بڑھو۔ کوثر تمہارے قریب ہے۔ جنت تمہارے قریب ہے۔"

بہر نوع جس وقت جنگ ختم ہوئی ہے اس وقت مالکؓ اشتر معاویہ کے خیمہ کی طنابیں کاٹ رہا تھا۔ صرف دو ہاتھ ابھی باقی تھے جس وقت امیرالمومنینؑ کا پیادہ پہنچا اور کہا "مالکؓ! مولا نے بلایا ہے"

مالکؓ نے کہا "تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ"

پیادے نے کہا "نہیں۔ مولا کا حکم ہے کہ جنگ بند کر دو"۔ مالکؓ مولا کا حکم سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور امیرالمومنینؑ کی خدمت میں پہنچا۔ عرض کی:

"یا امیرالمومنینؑ! اب تو معاملہ ہی ختم ہو گیا تھا" مولا نے فرمایا

"ہاں مالکؓ اشتر! خدا یہی چاہتا ہے کہ معاملہ یہیں ختم ہو۔ اب ہماری کا پورا جوش یہ ہے کہ تلواریں پھینک کے بیٹھ جاؤ۔ اب تلوار اٹھانا جرم ہو جائے گا"

امام کے حکم پر جنگ بند کر دی گئی اور اس ایک رات کی جنگ کو اللہ نے "لیلۃ الحریر" کہہ کر یاد فرمایا

سامعین!

"حریر" کہتے ہیں باریک کپڑے کو۔ اس دن علیؑ نے زندگی میں پہلی دفعہ باریک کپڑا پہنا ورنہ ساری زندگی سوائے موٹے کھدر کے کرتے کے کچھ نہیں پہنا۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ علیؑ کے لباس سے قنبرؓ کا لباس زیادہ قیمتی ہوتا تھا۔ علیؑ نے وہ باریک کرتا پہن کر جہاد شروع کیا اور اتفاق سے آپ کے پاس زرہ بھی نہ تھی کیونکہ وہ بیوی کے مہر میں دیدی گئی تھی۔

سامعین ! علیؑ جب اپنی زرہ بازار میں بیچنے گئے ہیں۔ رسولِ اسلامؐ نے فرمایا تھا کہ علیؑ مہر کے لئے بھی کچھ ہے۔؟

فرمایا، قبلہ ! ایک تلوار ہے۔ ایک خنجر ہے اور ایک میری زرہ ہے"

رسولؐ نے فرمایا:" یا علیؑ ! ان میں سے خنجر بھی ضروری ہے تلوار بھی ضروری ہے اور زرہ بیچ دو۔"

جب امیرالمؤمنینؑ بازار میں زرہ بیچنے گئے تب پتہ چلا کہ زرہ کیسی تھی۔ سامنے تھوڑا سا لوہا لگا ہوا۔ باقی کپڑا۔ حالانکہ ساری زرہ لوہے کی ہوتی ہے خریدار نے کہا،" قبلہ ! آپؑ نے اس زرہ کا کیا تکلف فرمایا ہے ؟"

مولاؑ نے فرمایا،" بھئی ! سامنے سے معلوم ہو کہ ہم بھی زرہ پہنے ہوئے ہیں۔"

خریدار نے عرض کی،" قبلہ ! اگر کوئی پیچھے سے حملہ کر دے تو پھر ؟"

فرمایا،" ابی طالبؑ کا بیٹا اُس دن مر نہ جائے جس دن دشمن کو پیچھے آنے کا موقعہ دے۔ یہ محض فوجی تنظیم کے لئے میں زرہ پہن لیتا ہوں ورنہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بزرگو ! ـــــــ یہ تو تھی علیؑ کی زرہ کی حالت اب ذرا علیؑ کے گھوڑے کا واقعہ سنیئے گا۔ ایک دن کوئی عرب مسخرہ بن کے مولاؑ سے کہنے لگا۔

" قبلہ ! اپنے خنجر کو بیچ کر کوئی اچھا سا گھوڑا خرید لو جو خوب دوڑتا ہو"

مولاؑ نے فرمایا،" کسی بھاگنے کے پیچھے میں نے دوڑنا نہیں اور میدان سے میں نے بھاگنا نہیں۔ لہٰذا مجھے یہی خنجر چاہیئے۔ چاہے سست رفتار ہی ہے۔"

سامعین !

اسی "لیلۃ الحریر" میں علیؑ بذاتِ خود میدان میں تشریف لائے۔ اور اگر سارا قصہ سنو تو لطف آ جائے کہ علیؑ نے اپنا لباس اپنے چھوٹے بیٹے عباسؑ کو پہنا دیا جس کا گیارہواں سال کا سن تھا۔ عباسؑ کو لباس پہنا کر میدانِ جنگ میں

بھیج دیا گویا علیؑ نے "لیلۃ الحریر" میں عباسؑ کو زندگی میں پہلی دفعہ میدان جنگ میں بھیجا ہے ":" جاؤ بیٹا! لڑنے جاؤ"
چنانچہ عباسؑ میدان جنگ میں تشریف لائے اور معاویہ کی ایک لاکھ فوج یہ کہکر بھاگ گئی کہ "علیؑ آگئے ہیں" انہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ کوئی اور آیا ہے جب مالکؓ اشتر نے آکر امیرالمومنینؑ کو رپورٹ دی ہے کہ مولا! چھوٹے شہزادے نے تو کمال کر دیا۔ کہ تلوار پھینک دی اور دو سواروں کو اٹھاتا ٹکراتا اور پھینک دیتا میں ابھی ابھی گن کے آیا ہوں عباسؑ نے تقریباً پانچ سو چوہتر ۵۷۴ سر سے سر ٹکرا کر مار دیئے ہیں۔ لہٰذا میں اب شہزادے کو واپس لایا ہوں" امیرالمومنینؑ نے فرمایا
"مالکؓ! میرے عباسؑ کو تم کیوں واپس لائے ہو"؟
عرض کی "حضورؑ والا! کافی دیر تک جہاد کرتے کرتے تھک گیا ہوگا" چنانچہ امیرالمومنینؑ نے عباسؑ کو گود میں لیکر فرمایا۔
"بیٹا! تھک گئے؟"
عباسؑ نے عرض کی "نہیں ابا"
علیؑ نے عباسؑ کے بازو چوم لئے۔ پیشانی چومی، سینے سے لگا کر پیار کیا۔ اور فرمایا "عباس بیٹا! بس۔ اب نہ لڑنا۔ دُنیا نے تمہاری شجاعت دیکھ لی"
بزرگان من!
اس جنگ "لیلۃ الحریر" میں خود حضور امام حسنؑ مجتبیٰؑ اور حضور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے جہاد فرمایا۔ اور حضرت محمدؒ حنفیہؑ نے بھی گویا علیؑ کے سارے بیٹے اس جنگ میں لڑ رہے تھے۔ اور جب پلٹ کے آئے تو دیکھا کہ امیرالمومنین باریک کرتا پہنے نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز کا عالم یہ ہے کہ نہ کوئی جلدی ہے اور نہ ہی کوئی گھبراہٹ ہے۔ بڑے اطمینان سے نماز ہو رہی ہے۔ حسنینؑ تو خاموش رہے مگر عبداللہ ابن عباسؓ نے عرض کی۔
"مولا! یہ میدان جنگ میں کیا ہو رہا ہے"؟ مولا فرماتے ہیں "ہونا کیا ہے۔

نماز پڑھ رہا ہوں "

"قبلہ اس وقت ؟"

فرمایا" ہاں اس وقت ۔ ابی طالبؑ کے بیٹے کو کوئی ڈر نہیں کہ موت اس پر آئے گی یا وہ موت پر جا پڑے "

سامعین!

یہ ہے وہ لیلتہ الحریر کی نماز جس پر ساری دُنیا کی نمازیں ناز کرتی ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ علیؑ کے ہی گھر میں کوئی مثال مِل جائے تو مِل جائے وَرنہ ہر جگہ ممکن نہیں ہے ۔ بہر نوع جنگ صفین ختم ہو گئی اور مالک اشترؓ نے دشمن کے قتل ہونے والے سپاہیوں کی گنتی شروع کر دی ۔ صبح تک گنتا رہا کہ اتنے فلاں شہزادے نے قتل کئے ہیں اور اتنے فلاں شہزادے نے مارے ہیں ۔ اتنے عباسؑ غازی کے اور اتنے محمد حنفیہؒ کے اور ننانوے 999 آدمی مالک اشترؓ کے اپنے ہاتھ سے مارے گئے ۔ جبکہ ایک ہزار جناب امیر المومنینؑ کی تلوار سے قتل ہوئے تھے ۔ اچانک مالک اشترؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر ایک آدمی اور مار لیتا تو آج میں اور مولا برابر ہو جاتے ۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً ایک سپاہی پہنچا اور کہنے لگا ـــــــ " مالک اشترؓ ! مولاؑ نے یاد فرمایا ہے "

چنانچہ مالک اشترؓ پہنچا ۔ مولا کو سلام کیا ۔ اور مولا پوچھنے لگے :۔

" مالک اشترؓ ! تم کیا سوچ رہے تھے ؟ "

عرض کی" مولا ! کشتے گن رہا تھا "

مولاؑ نے فرمایا" سُنو ! جس شخص کی پشت سے قیامت تک کوئی مومن آنے والا ہو میں اُسے چھوڑ دیتا ہوں ۔ اتنا چھانٹ کے قتل کرتا ہوں ۔ اگر میں ایک سرے سے قتل کرنا شروع کر دوں تو یہ کائنات بچتی کب ہے ۔ اور تیرے دونوں ہاتھوں میں جو تلوار ہے اس نے جو سامنے آیا وہ قتل کر دیا ۔ یہ ہے میرے اور تیرے کشتوں کا فرق "

مولاؑ کی یہ بات سُنکر مالکؓ اشتر نے توبہ کی: "مولا! میری توبہ۔ مجھے ایسی بات سوچنا بھی نہیں چاہیے تھی۔ کیونکہ تُو تو سوچ بھی جانتا ہے۔ جو دل میں خیال آئے وہ بھی جانتا ہے"

مالکؓ اشتر کی یہ بات سُنکر علیؑ مسکرا دیئے اور فرمایا: "مالک اشتر! میں نے تجھے بتایا نہیں کہ میں بادشاہ ہوں بدنوں کا اور امام ہوں دلوں کا۔ مجھے پتہ ہے دل میں کیا ہے"

خالق کا یہ عظیم نمازی کوفہ کی مسجد کے محراب میں کھڑا کہہ رہا تھا: "میرے اللہ! کیا کروں۔ علیؑ کو بخش دے۔ میرے اللہ! علیؑ سے تیری نماز ادا نہ ہو سکی۔ خداوندا۔ میں حق عبادت ادا نہ کر سکا۔ بس جتنی ناقص ادا ہوئی اسے قبول کرلے" دنیا حیران تھی کہ اللہ چاہتا کیا ہے۔ آخر کس نماز پہ جا کے یہ شخص کہے گا کہ ہاں اب نماز ہو گئی"

سامعین کرام!

وقت گذرتا گیا۔ آخر سن چالیس ہجری کا رمضان آگیا جس میں امیرؑالمومنین کی شہادت ہوئی۔ رمضان کا مہینہ خدا کی نعمتوں کا مہینہ ہے جس میں تقریباً ہر جاہل آدمی بھی نسبتاً زیادہ عبادت کرنے لگتا ہے اور علیؑ نے تو اللہ جانے رمضان کس طرح گذارا ہوگا۔ امیرالمؤمنینؑ ۱۵ رمضان کے خطبہ میں فرماتے ہیں "مَا عَبَدْتُكَ حَقًّا عِبَادَةً" پروردگار! جو حق تیری عبادت کا ہے۔ وہ مجھ سے ادا نہیں ہوا"

حضور والا ــــــ! ذرا اس فقرہ کی لطافت پر غور کرو تو لطف آجائے گا کہ "مجھ سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوا" یہ پندرہ رمضان ۴۰ھ کا واقعہ ہے گویا زندگی کے تین دن باقی ہیں اور اتنا بڑا عابد ہے مگر آج تک اتنی عبادتوں کے باوجود اس کے منہ سے یہ نکل رہا ہے کہ "مجھ سے حق عبادت ادا نہ ہو سکا" ــــ بہر نوع رمضان کی سولہ گذری۔ سترہ گذری۔ اٹھارہ گذری اٹھارہ تک عابد یہ کہہ رہا ہے کہ "میں تو کچھ بھی نہ کر سکا" اٹھارہ رمضان کی شام

کو جناب زینب سیدہ عُلیا علیؑ کی بڑی بیٹی کے گھر امیر المومنینؑ کی دعوت تھی۔

بزرگو ! ایمان سے بتاؤ۔ جب بیٹی کے گھر باپ آ جائے تو بیٹی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت و نعمت میرے گھر میں آگئی ہے۔ اسی طرح شہزادیٔ عظمیٰ اپنے باپ کی دعوت میں مشغول ہے۔ گھر کی ایک ایک دیوار صاف کی ہے۔ تمام گھر جاروب کشی کر کے صاف کیا ہے۔ بقول مرزا دبیر

~ فرش آنکھوں سے کیا، جھاڑ کے پلکوں سے مکان

زینبؑ آج خوش ہے اور دیوار کے پاس جا جا کے ہمسایوں سے کہتی ہے "**بی بیو!** بچوں کو شور نہ مچانے دینا۔ گھر میں مردوں سے کہنا کہ ذرا آہستہ بولیں۔ کیونکہ آج شام کو میرے ابا آئیں گے"۔ ادھر ہمسایہ کی عورتیں کہتی ہیں "شہزادی! اگر اجازت ہو تو ہم اپنے مکان سے نورِ الٰہی کی ایک جھلک زیارت کر لیں"۔ زینبؑ جواب دیتی ہیں "بی بیو! بابا سے پوچھ کے بتاؤں گی"۔

بہر نوع سارا دن زینبؑ مشغول رہی۔ شام کے قریب زینبؑ حسنینؑ سے کہتی ہیں "**بھائیو!** تم بھی آنا۔ عباس بھائی تم ابھی سے میرے ساتھ چلو تا کہ بابا کی دعوت کا انتظام کریں۔ شام ہوئی۔ امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ، زینبؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ "بیٹا زینبؑ! ہم آگئے"

"بابا! بسم اللہ آ جائیے"

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کمرہ کے اندر تشریف لائے۔ زینبؑ نے فوراً اپنے سر سے چادر زمین پر بچھا دی اور فرمایا۔

"ابا جان! چادر پر بیٹھئے"

امیر المومنین نے پہلے وضو کیا پھر زینبؑ کی چادر پہ بسم اللہ کہہ کے بیٹھ گئے۔

سامعین!

غور سے سُننا میری اس بات کو۔ یہ ایسا عمل ہے جسے عشق کہتے ہیں۔ اب امیر المومنینؑ زینبؑ کی چادر پہ آ بیٹھے۔ روزہ افطار کیا۔ روزہ افطار کرنے کے بعد

امیر المومنین فرماتے ہیں۔ بیٹیا زینبؑ! ہم نماز مغرب آج یہیں پڑھیں گے"۔
زینبؑ نے جواب دیا "بابا حضور بسم اللہ۔ نماز پڑھیئے"۔ چنانچہ علیؑ نے
چادر زینبؑ پہ نماز پڑھنا شروع کر دی۔

حضور والا! "علیؑ نے اس نماز میں اپنے پاؤں سے کوئی تیر نہ کھنچوایا۔
وہی ایک سادہ نماز ہے۔ پڑھ لی۔ اور وہ عابد جو اتنی عظیم عبادتوں کے بعد
کہا کرتا تھا کہ" مجھ سے حق عبادت ادا نہ ہو سکا" تین رکعت مغرب کی نماز زینبؑ
کی چادر پر پڑھ کر کہتا ہے۔ "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ"

"ربّ کعبہ کی قسم! آج میں عبادت میں کامیاب ہوا ہوں۔ اب مجھے
پتہ چلا کہ میری عبادت مکمل ہو گئی"

گویا زینبؑ کی چادر پہ سجدہ کر کے علیؑ کو پتہ چلا کہ آج میں نے حق عبادت
ادا کر دیا ہے ـــــ یہ ہے وہ رُوحِ آلِ محمدؐ جو آج مکمل ہو
گیا۔ آج تک اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھنے والا زینبؑ کی چادر پر نماز
پڑھ کے کہتا ہے "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ"۔ کعبہ کی قسم! آج میں نے
حق عبادت ادا کر دیا۔ آج میری عبادت انتہا کو پہنچ گئی۔

سامعین!

زمانے کی گردش کہو یا دُنیا کا انقلاب کہو کہ وہی چادر جس پہ علیؑ نے نماز ادا
کی تو فزتُ بربِّ الکعبہ پڑا آج وہی چادر کے متعلق تم سنتے ہو کہ شمرؔ لعین نے زینبؑ
کے سر سے کھینچ لی تھی۔ حالانکہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ شمرؔ کے ہاتھ نہ جل جاتے
اگر وہ زینبؑ کی طرف بڑھاتا۔

لہٰذا آج میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر کربلا میں لشکر یزید لعین نے زینبؑ
کی چادر نہیں چھینی تو آخر وہ چادر کہاں ہے۔

بزرگانِ من!

زینبؑ گیارہ محرم کو معہ چادر حسینؑ کی لاش پہ آئی اور دیکھا کہ بھائی کی لاش

دھوپ میں پڑی ہوئی ہے ۔ زینبؑ کے وہ تاریخی فقرے آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں ۔

"حسینؑ بھائی ! تیری میت دھوپ میں ہے تیرے پاس کفن نہیں ہے اگر اجازت ہو تو میں تجھے کفن منگوادوں ۔ حسینؑ ! وہی درزی جو بچپن میں لباس لیکر آیا تھا ۔ آج کفن لیکر آئے گا ۔ حسینؑ ! اگر میری ماں کے کہنے سے لباس آسکتا ہے تو میرے کہنے سے کفن بھی آسکتا ہے ———— مگر حسینؑ ! مجھے پتہ ہے تیری مصلحت نہیں ہے ۔ لہٰذا میں تیرے کفن کا انتظام کرتی ہوں "

یہ کہکر زینبؑ نے اپنی چادر حسینؑ کی لاش پہ ڈال دی اور سوئم والے دن جب امام زین العابدینؑ نے باپؑ کو دفن کیا ہے تو وہی زینبؑ کی چادر حسینؑ کا کفن بنا

حضور والا !

قیامت کے دن ہر ایک اپنا کفن پہنے ہوئے اُٹھے گا ۔ میرا یہ اعلان ہے کہ حسینؑ جب آئے گا قیامت میں تو اس کے کاندھے پر زینبؑ کی چادر ہوگی ۔

بس بھائیو ! نمازیں جتنی ہوسکیں پڑھو ۔ روزے جتنے ہوسکیں رکھو مگر ان اعمال کے اندر روحِ عشقِ آلِ محمدؐ پیدا کرو ۔ علیؑ جیسا نمازی ان کی چادر کے طفیل سے کہتا ہے کہ میں آج کامیاب ہوگیا ۔ لہٰذا تم اور تمہاری نمازیں کیا ہیں ۔ تمہارے اعمال کھوکھلے ہیں ۔ جب تک ان میں روحِ عشقِ آلِ محمدؐ نہ ہو

اللہ ہمیں مودت محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے ۔ ہم اُن کے عشق و محبت کے ساتھ زندہ رہیں ۔ اور ان ہی کی محبت کے ساتھ دم نکلے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

فھذا علی مولا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند جل جلالہٗ وعزّاسمہٗ کی حمد وثنا کے بعد حضرت محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام

حضراتِ محترم!

دُنیا میں ہر واقعہ اپنے سابقہ واقعہ سے وابستہ ہے۔ ہم جو کہتے ہیں کہ "فلاں واقعہ اتفاقاً ہوگیا"، گویا اتفاقاً کے معنیٰ ہیں سبب کا معلوم نہ ہونا۔ ورنہ ہر واقعہ کا پہلے سے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔ گویا جب چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی بغیر سبب کے رونما نہیں ہو سکتا تو اتنا بڑا حادثہ عظیم جس کی مثال دنیائے انسانیت کی تاریخ میں مل ہی نہیں سکتی۔ کیا یہ واقعہ اچانک ہو گیا؟ "نہیں"، بلکہ اس واقعہ کا بھی بڑی دُور سے سبب چلا آرہا تھا جو مخفی تھا۔ اور جب یہ واقعہ ہُوا تب دُنیا کو پتہ چلا کہ ہو گیا۔ گویا دنیا کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ سرزمین عرب میں، اسی جہالت زار عرب میں ایک ایسا شخص بھی پیدا ہو جائے گا جس کی تمام کائنات کلمہ گو ہو جائے گی۔ مگر قدرت اُس زمانے سے تمہید اُٹھا رہی تھی جہاں یہ اسماعیلؑ کو بسایا۔ پھر اُن کی نسل کو آگے بڑھایا۔ اسکے بعد اللہ نے اسی ملک میں ایک شریف خاندان پیدا کر دیا۔ وہ عرب جن کے لئے لوٹ مار اور قتل وغارت باعثِ فخر تھا۔ جو اپنی بچیوں کو زندہ دفن کرنا اپنا کمال سمجھتے تھے۔ جن کی جہالت آج تک ضرب المثل ہے۔ گویا عرب بڑے جاہل تھے

سامعین!

لفظ "جاہل" میں نے یُونہی کہہ دیا۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ عرب جاہل نہیں تھے۔ جاہل تو اُسے کہتے ہیں جو جانتا نہ ہو۔

جاہل ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے
جو ہر بات جانتا ہو۔؟
اب یہ بچے بڑی حسرت سے مجھے گھور رہے ہیں۔
زیدی صاحب! شرم کرو۔ منبر پہ بیٹھ کے غلط کہتے ہو۔ دنیا میں ایسے انسان بھی ہیں جو ہر بات جانتے ہیں۔ ہمارے آئمہؑ کو دیکھ لو جو سب کچھ جانتے ہیں"

میں کہتا ہوں "بچو! تم غلط کہہ رہے ہو۔ ہمارے آئمہؑ بھی سب کچھ نہیں جانتے تھے۔ چند ایسی چیزیں مجھے معلوم ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے مثلاً جھوٹ بولنا وہ نہیں جانتے تھے۔ دھوکا دینا وہ نہیں جانتے تھے۔ فریب دینا وہ نہیں جانتے تھے۔ یہ تمام باتیں تو آئمہؑ سے زیادہ میں جانتا ہوں"

بہرنوع جاہل ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ جاہل انسان پڑھا اور عالم ہو گیا۔ لہٰذا عربوں میں جہالت نہیں تھی بلکہ ان میں "جاہلیت" تھی۔ وہ زمانہ جاہلیت تھا۔ جہالت چیز اور ہے اور جاہلیت چیز اور ہے۔ جہالت کے معنی ہیں "نہ جاننا" اور جاہلیت کے معنی ہیں "نہ ماننا" گویا جو جہل رکھتا ہو مگر نہ جانتا ہو اسے جاہل کہتے ہیں۔ اور جو سب کچھ جاننے کے بعد "نہ مانتا ہو" اسے ابوجہل کہتے ہیں۔ یہ فرق ہے جاہل میں اور ابوجہل میں۔
بہرکیف عرب کے لوگ جاہل نہیں تھے۔ بلکہ ابوجہل تھے۔ ورنہ عرب تو اتنے عالم تھے کہ ہر گھاس اور بوٹی کے خواص جانتے تھے۔ ان سے اپنا علاج کر لیتے تھے اونٹوں گھوڑوں کی نسلیں سینکڑوں پشتوں تک معلوم تھیں۔ دوڑتے ہوئے ہرن سے کو دیکھ کر سمجھ لیتے تھے کہ یہ آشیانہ سے آرہا ہے۔ یا آشیانہ کو جارہا ہے؟ نشانِ قدم سے پتہ چلا لیتے تھے کہ یہ کس کا نشانِ قدم ہے؟ یہ غمگین ہے یا خوش ہے؟۔ گویا اہلِ عرب اتنا علم رکھنے والے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ ابوجہل تھے۔ کسی کی بات مانتے نہیں تھے ——— اب خدا نے ان نا ماننے والوں کے بیچ میں ایک

خاندان "بنی ہاشمؑ" پیدا کر دیا اور اس خاندان کے تعارف کے لئے مقابلے میں ایک دوسرا خاندان پیدا کر دیا جسے خاندانِ "بنی اُمیہ" کہتے ہیں۔

زمانے کی ستم ظریفی دیکھو کہ مؤرخین کے قلم حکومت کی تلواروں سے بنتے رہے ہیں اور جس قوم کی تلواروں نے آلِ محمدؐ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہو ان کے قلم کیا انصاف کرتے۔ جس طرح مؤرخین نے "اُمیہ" اور "ہاشم" کو ایک ہی خاندان بنا لیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہاشم اور خاندان سے تھے اور اُمیہ اور خاندان سے تھا۔ یہ چچازاد وغیرہ ہرگز نہیں تھے بلکہ اُمیہ تو ہاشم کا پالا ہُوا ایک غلام تھا۔ غلام نوازی۔ خاندان بنی ہاشم کا شیوہ تھا اور اُمیہ کو اس شان سے پالا کہ آگے چل کر بیٹا مشہور ہو گیا ______ بہر نوع یہ دونوں خاندان اللہ نے عرب میں پیدا کر دیئے۔ شرافت و عظمت میں بنی ہاشم عرب بھر میں مشہور تھے اور سیاسی تدبیروں اور فریب دھی میں بنی اُمیہ مشہور تھے۔ چنانچہ اللہ نے اپنی حکمت سے خاندان بنی ہاشم کو چن لیا۔ تاکہ اپنا دین بھی اسی خاندان کے ذریعہ پہنچایا جائے اور اسی دین کی حفاظت کا کام بھی اسی خاندان سے لیا جائے۔ مبلغ دین بھی یہی خاندان ہو اور محافظ دین بھی یہی خاندان ہو۔ اس لئے اللہ نے بنی ہاشم کی دو شاخیں کر دیں ایک نسلِ عبداللہ۔ دوسری نسل ابی طالبؑ۔ ایک کے ذمہ حفاظت کرنا اور ایک کے ذمّے تبلیغ کرنا۔ اللہ نے کہا :۔

"دیکھو ابی طالبؑ! تمہارے ذمّے حفاظت ہے تم ہمارے دین کی حفاظت کرو گے۔ ہمارے رسُول کی حفاظت کرو گے۔"

چنانچہ ابی طالبؑ کے ذمّے اللہ نے یہ حفاظت سپرد کر دی جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے "میں نے تجھے یتیم دیکھا اور تجھے حفاظت میں لے لیا"

سامعین!

میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ میرے پاس کالے رنگ کا ایک رومال

ہے جس کا میں بڑا خیال رکھتا ہوں کہ کہیں کھو نہ جائے لہٰذا مجلس میں یہ رومال میں کسی ایسے آدمی کے سپرد کرتا ہوں جو مجھے واپس کر دے"
جب دو ڈھائی روپے کا کپڑا سپرد کرتے وقت میں یہ تلاش کرتا ہوں کہ آدمی ایماندار ہو۔ بے ایمان نہ ہو۔ (کبھی میری تلاش غلط بھی ہو جاتی ہے میں نے ایماندار سمجھا مگر وہ بے ایمان نکلا) ۔ مگر اللہ جب کوئی شے کسی کے سپرد کرتا ہے تو اس کے چناؤ میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں اب اللہ ابی طالبؑ کو اپنی سب سے قیمتی شے سپرد کرتا ہے کیا اللہ نے یہ دیکھ کے سپرد نہیں کیا ہو گا کہ ابی طالبؑ ایماندار ہے ؟ ابی طالبؑ کو ایماندار سمجھا ہو گا جب ہی اتنی بڑی امانت دے دی ۔ اب ایسے شخص کو اللہ جیسا معبود ایماندار سمجھتا ہو اسے ایماندار نہ سمجھنا بے ایمانی ہے یا نہیں ؟ ۔ اللہ کو تو ابی طالبؑ پر اتنا یقین ہے کہ محمدؐ جیسی امانت سپرد کر دی اور تم کہو کہ وہ صاحب ایماندار نہیں تھا ——— بہر نوع ایسی بات کہنا گویا اپنے آپ کو ایمان سے ہٹانا ہے ۔

سامعین !

ایک دن میں نے عالم تصور میں حضرت ابی طالبؑ سے عرض کی :۔
"اے امیر العرب : بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایمان نہیں تھا"؟
میری یہ بات سنکر ابی طالبؑ ہنس پڑے ۔ میں نے عرض کی ۔
" قبلہ ! آپ ہنستے ہیں ۔ یہاں ہماری روزانہ لڑائی ہوتی ہے کہ آپ ایماندار تھے یا نہیں ؟"
ابی طالبؑ نے فرمایا " میں ہنسوں نا تو کیا کروں ۔ جس کے پاس جو شے ہو وہ دوسرے کو دیتا ہے ۔ اللہ کے پاس نبوتؐ ، رسالت امامتؑ ، عصمت ، شہادت اور ایمان تھا ۔ وہ اس نے میرے سپرد

کر دیا اور تمہارے پاس درُود وسلام ہیں وہ تم میری اولاد کو دے دیتے ہو۔ اور جن کے پاس ایمان نہیں ہے وہ ایمان مجھے کہاں سے دیں گے ؟ "

سامعین!

میرا مقصد فضائل ابی طالبؑ بیان کرنا نہیں ہے ورنہ فضائل ابی طالبؑ بیان کرنے کے لئے تو پورا عشرہ چاہیئے ۔ بہرکیف ابی طالبؑ کے فضائل میں آج اتنا ہی فقرہ کہتا ہوں کہ ۔

" ابی طالبؑ اتنی فضیلتوں کا انسان ہے کہ علیؑ کا بھی باپ ہے "

گویا ابی طالبؑ اتنی بڑی فضیلت والا انسان ہے ۔ اب اللہ نے محمدؐ کو ابی طالبؑ کے سپرد کر دیا اور ابی طالبؑ، محمدؐ کو اپنے گھر لے آئے اور فرمایا :۔

" بیٹا ! آج سے تم ہمارے گھر رہو گے "

چنانچہ محمدؐ اپنے چچا کے گھر رہنے لگے ۔ رات کو محمدؐ جب سونے اور جب رات کے بارہ بجتے تو اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں اچانک رات میں دشمن کوئی حملہ کر کے اسے نقصان نہ پہنچا دے ۔ ابی طالبؑ سوتے ہوئے کو چپکے سے اٹھاتے اور اپنے کسی بیٹے کے بستر پہ سُلا دیتے اور اپنے بیٹے کو محمدؐ کے بستر پہ سلا دیتے تاکہ اگر اچانک حملہ ہو تو بے شک میرا بیٹا مارا جائے ۔ مگر محمدؐ بچ جائے ۔ اتنی اہمیت سے جو محمدؐ کی حفاظت کر رہا ہو اسے ایماندار نہ ماننا گویا اپنے آپ کو ایمان سے ہٹانا ہے یا نہیں ؟ ۔

ابی طالبؑ نے یہ عمل ایک دو دن نہیں کیا بلکہ برسوں کیا کہ اپنے بیٹے کو محمدؐ کے بستر پہ سلا دیتے تاکہ دشمن کے حملے سے میرا بیٹا بے شک مارا جائے مگر محمدؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ۔

اب اگر آپ کہیں ابی طالبؑ کے بیٹے کو محمدؐ کے خطرناک بستر پہ سونا دیکھیں تو سمجھ لیں کہ یہ باپ کی ڈلوائی ہوئی عادت کی تاثیر ہے ۔

گویا ابی طالبؑ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کو محمدؐ کے خطرناک بستر پہ سونے کی مشق کروا دی تھی۔

بہرنوع اس شان سے ابی طالبؑ اپنے بھتیجے کی حفاظت فرما رہے تھے۔
ایک دن محمدؐ نے اہل عرب کو بلایا اور فرمایا:۔
"عرب بھائیو! کیا میں صادق ہوں؟"
اُنھوں نے جواب دیا" جی ہاں۔ آپ صادق ہیں"
رسُولؐ نے پُوچھا "میں نے کبھی جھُوٹی بات تو نہیں کہی؟"
لوگوں نے جواب دیا "بالکل نہیں"
آپ نے فرمایا "اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے آرہی ہے۔ تو تم مان جاؤ گے؟"
لوگوں نے کہا"جی ہاں۔ مان جائیں گے"
رسُولؐ پوچھتے ہیں" کیا تمہیں وہ فوج نظر آرہی ہے"؟
انہوں نے جواب دیا" فیصلہ! ہمیں چاہے نظر آئے یا نہ آئے مگر آپ جو کہہ رہے ہیں۔ ہم آپ کی بات نہیں جھٹلا سکتے۔ ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ ہماری آنکھ کا قصُور ہے چونکہ آپ جو کہہ رہے ہیں اس لئے ماننا پڑے گا۔"
اَب رسُولؐ نے فرمایا" اگر تم مان لو گے تو میری ایک بات مانو کہ ــــــ خُدا ایک ہے"
انہوں نے کہا "جناب! یہ کیا فرمایا آپ نے؟"
رسُولؐ نے کہا "کہو۔ خدا ایک ہے"
"جناب ــــــ بات یہ ہے کہ ــــــ خدا ــــــ اچھا کل بتائیں گے"
اگلے دن پھر آگئے۔ رسُولؐ نے پھر اُن سے پوچھا۔
"بتاؤ۔ میں صادق ہوں؟"

انھوں نے جواب دیا ،، جی ہاں ۔ آپ صادق بھی ہیں اور امین بھی ہیں
رسُول نے فرمایا ،، پھر کہو کہ خدا ایک ہے ،،
انہوں نے کہا ،، جناب بات یہ ہے کہ خدا .... اچھا کل ،،
(اسے کہتے ہیں ابو جہل ـــــ جھگڑا بھی نہیں کرتے اور مانتے بھی نہیں)
بہرنوع ۔ جب کئی دن گذر گئے ـــــــ اللہ نے کہا :-
،، محمّد ! سنتے بھی ہو ۔ اس طرح تو برسوں گذر جائیں گے اور یہ نامراد
،، ھاں ،، نہیں کریں گے ۔ تم میرے بنائے ہوئے طریقے سے ان سے ،، ہاں ،،
کرواؤ ،،
خداوندا ۔ وہ کیسے ؟
اللہ نے کہا ،، ان سے یہ پوچھو کہ خدا ہے بھی یا نہیں ؟ ایک والی بات
چھوڑو ـــــــ
چنانچہ رسُول نے انہیں بُلا کے پُوچھا ،، کیوں بھئی ! خدا ہے ؟ ،،
انہوں نے کہا ،، جی ہاں ،،
رسُول نے فرمایا ،، جاؤ ۔ بس اتنا ہی پوچھنا تھا ،،
لوگ بڑے خوش ہوئے ۔ کہ ،، محمّد اب ایک والی بات نہیں کہتا ،، ۔
اگلے دن پھر بلایا تو پہلے سے زیادہ تعداد میں لوگ تشریف لائے ۔
رسُول نے پوُچھا ،، کل کا سبق سناؤ ؟ ،،
انہوں نے کہا ،، خدا ہے ،،
رسُول نے فرمایا ،، شاباش ۔ ٹھیک ۔ یہی تمہارا کل کا سبق تھا ۔
اچھا یہ بتاؤ ،، جو خدا ہے وہ ،، عزّت والا ہے یا بے عزّت ؟
اُنہوں نے کہا ،، خدا بڑی عزّت والا ہے ،،
،، رسُول نے فرمایا ،، شاباش ـــــ جاؤ ،،
لوگ بہت خوش ہوئے ۔ محمّد اب ایک والی بات نہیں کہتا تیسرے دن

پھر بلایا۔"سبق سُناؤ؟"

انہوں نے کہا"خدا ہے ـــــ اور عزت والا ہے"

رسولؐ نے فرمایا"اچھا۔ یہ بتاؤ کہ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے یا نہیں؟"

انہوں نے کہا"جی ہاں۔ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے"

رسولؐ نے فرمایا"جاؤ چھٹی۔ سبق ختم ہو گیا۔ اب وہ بہت خوش ہیں کہ محمدؐ ایک والی بات نہیں کہتا۔ چوتھے دن پھر بلایا۔ پوچھا"سبق سُناؤ"!

"حضور! خدا ہے۔ عزّت والا ہے اور اس کی عزّت باپ کے برابر ہے"

رسولؐ نے کہا پھر سُناؤ"

"قبلہ! خدا ہے۔ عزت والا ہے۔ اور اس کی عزّت باپ کے برابر ہے"

جب پانچ سات دفعہ محمدؐ نے ان سے کہلوا دیا کہ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے ـــــ تو فرمایا"اچھا یہ بتاؤ باپ ایک ہے یا ۲ دو ہیں؟"

اب چونکہ وہ باپ کہہ چکے تھے اس لئے سوائے ایک کہنے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ مگر وہ خاموش ہو گئے۔

سامعین!

اَب آپ کہیں گے کہ زیدی صاحب نے یہ بات گھڑ کے مجلس میں سنا دی۔ میں کہتا ہوں۔ اس شخص سے بُرا آدمی کوئی ہے ہی نہیں جو منبر پہ بیٹھ کر جھوٹ بولتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو کسی مولوی سے پوچھو کہ قرآن میں یہ آیت ہے کہ:

(یاد کرو اللہ کو جس طرح یاد کرتے ہو اپنے باپ کو)

اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ اللہ کو تم قبلہ و کعبہ کہا کرو مدظلہ کہا کرو۔ بلکہ جس طرح تم کبھی یہ نہیں ماننے لگے کہ باپ دو ہیں اسی طرح کبھی یہ بھی نہ مانو کہ اللہ دو ہیں۔

"اقربینے" اب جو وہاں سے لوٹے تو بڑے شرمندہ تھے۔ سوچا

یہ کیا ہُوا ۔ بات ہی کچھ اور ہو گئی ۔ یہ تو قصہ ہی کچھ اور بن گیا لہٰذا اُدھر وہ دشمنی پہ تل آئے اور محمّد کے خون کے پیاسے ہو گئے ۔ اِدھر ابی طالبؑ محمدؐ کی حفاظت کر رہے ہیں ۔

سامعین ! محمّد سے تو سب کو پیار ہے اس لئے کہ وہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے ـــــ ملک کی عزت بھی ہے ۔ مگر ابی طالبؑ سے سب کو عداوت ہے کہ یہ حفاظت کیوں کرتا ہے ۔

حضُور والا !

ایک مکان میں سونا رکھا ہے ، چاندی رکھی ہے جواہرات رکھے ہیں اور سامنے ایک چوکیدار حفاظت کے لئے کھڑا ہے اب جو ڈاکو آئیں گے وہ سونے ، چاندی سے تو محبت کریں گے ۔ جب ہی تو اُسے لینے آئیں ہیں مگر قتل کسے کریں گے ؟ چوکیدار کو ۔ مارا بیچارا محافظ جائے گا ۔

گویا محمّد کا کلمہ پڑھیں گے اور محافظ کو قتل کریں گے ۔ یہی دنیا میں ہوتا ہے ۔ اللہ نے کہا ۔

"محمّد ! میری بات سُن ۔ عوام سے گفتگو نہ کر ۔

(" سب سے پہلے اپنے "اقربین" کو سمجھاؤ")

سامعین !

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے "اقربین" کو بلاؤ تو محمّد نے اپنے چھوٹے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو حکم دیا " یا علی ! میرے اقربین کو میرے گھر آنے کی دعوت دو " چنانچہ علی نے جا کے عبدالمطلب کی تمام اولاد کو دعوت دے دی ۔ کہ چلو آج محمّد کے گھر میں تمہاری دعوت ہے ۔ چنانچہ سب آ گئے تیس ۳۰ ، پینتیس ۳۵ تو مرد آئے ۔ پانچ سات عورتیں جو اقربین تھے وہ سب اکٹھے ہو گئے ۔ مردوں کی فہرست تو آپ کو یاد ہی ہو گی ۔ اس میں حضرت ابولہب

بھی تھے ۔ عتبہ بھی تھے ، عتیبہ بھی تھے ، شعبہ بھی تھے ۔ آخر سب اقربین تھے ۔
کافر ہوں تو کیا ہے ۔ اقرب تو تھے ہی ۔ یہ اور بات ہے کہ ع سے "عقرب" تھے ۔
مگر تھے اقرب ـــــــ اور قناتوں کے پیچھے مستورات آ بیٹھیں ۔ جن کی فہرست
تاریخ والوں نے ہم تک پہنچا دی ۔ مؤرخین یہ بتاتے ہیں کہ ان خواتین میں ایک
تو فاطمہ بنت اسد بیٹھی تھیں ۔ ایک صفیہ بنت عبدالمطلب بیٹھی تھیں ۔ ایک ام ہانی بنت
ابی طالبؑ بیٹھی اور ایک چھ مہینے کی بچی بھی تھی ۔ یہ کون ہے ؟ یہ محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ ہے ۔

حضورِ والا !

خدا شاہد ہے ۔ میں نے عینکیں لگا کے دیکھا ۔ ایک ایک لفظ کو ٹٹول کے پڑھا ۔ مگر عورتوں کی فہرست ختم ہو گئی ۔ میں حیران پریشان ہو گیا ۔ کہ جب "اقرب" بلائے گئے ہیں تو محمدؐ نے چھ مہینے کی بیٹی کو تو بلا لیا مگر اس کی بڑی بہنوں کو کیوں نہ بلایا ۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔ گویا وہ آج نہیں ہیں تو آئندہ بھی نہیں ہیں ۔

بہر نوع ۔ وہ تمام مرد اور عورتیں رسولؐ کے اپنے گھر میں تشریف لے آئے
سامعین ! لفظ "اپنے گھر" کو بھی منظورِ نظر رکھنا ۔ رسولؐ نے کسی اور جگہ نہیں بلایا بلکہ اپنے گھر میں بلایا ۔ یہ رسولؐ کا اپنا گھر کہاں سے آیا ؟ ـــــــ مؤرخین نے ہمیں بتایا ہے کہ عبداللہ جو رسولؐ کے باپ تھے انہوں نے یہ گھر بنایا تھا ۔ چونکہ محمدؐ اُن کے بیٹے تھے اس لئے وہ اس گھر کے مالک تھے ۔ ہم نے کہا ، سبحان اللہ ، باپ کا گھر تھا ۔ رسولؐ کا اپنا گھر تھا ۔ مگر عقل یہاں حیران ہو گئی کہ رسولؐ کو باپ کا گھر مل گیا ۔ اپنا گھر بن گیا ۔ اِدھر ہم نے یہ سُنا ہے کہ " رسولؐ نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی اُن کا کوئی وارث ہوتا ہے "

بہر نوع ۔ رسولؐ نے اپنے اقربین کو اپنے گھر بلا کر بٹھا لیا اور اُن بیٹھنے والوں کا حال یہ تھا کہ :۔

(ایسے چپ بیٹھے تھے کہ جیسے سروں پہ پرند) (قرآن)

سوچ رہے تھے۔ اللہ جانے آج کیوں بلایا ہے" پہلے اُن کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو آپ نے فرمایا۔

"میرے اقربین! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"

انھوں نے کہا "فرمائیے"۔ رسولؐ کھڑے ہوئے اور یہ حضورؐ کی پہلی طور پر پہلی تقریر تھی۔ فرمایا۔

"اے اولادِ عبدالمطلب! تم میرے اقرب ہو۔ تم میرا خاندان ہو، تم میرا خون ہو۔ تم میرے عزیز ہو۔ تم میرے اپنے ہو۔

سامعین!

لفظ "اپنا" مرکزِ محبت ہوتا ہے۔ جہاں لفظ "اپنا" آجائے خود بخود پیار پیدا ہو جاتا ہے جس طرح اپنا گھر، اپنا وطن، اپنا دیس، اپنا کنبہ اپنا قبیلہ، اپنا مذہب، اپنا بھائی وغیرہ ——— گویا لفظ "اپنا" مرکزِ محبت ہے۔ جب "اپنا" کہو تو لب سے لب ملتا ہے اور غیر کہو تو نہیں ملتا۔ اتنی لذت ہے لفظ "اپنا" میں۔

رسولؐ نے کہا "تم میرے اپنے ہو۔ میں تمہیں اپنا سمجھ کے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسا پروگرام لیکر آیا ہوں کہ اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو دنیا کی خیر بھی تمہیں حاصل ہو گی اور عقبےٰ کی خیر بھی تمہیں حاصل ہو گی۔ میرے پروگرام میں دنیا و عقبےٰ دونوں شامل ہیں۔ میں ایسی شے تمہارے لئے لیکر آیا ہوں ——— اور یاد رکھو! میرا پیغام اتنا عجیب ہے کہ اگر تم نے مان لیا تو قیصر و کسریٰ کے تاج تمہارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔ دنیا کی حکومتیں تمہارے تابع فرمان ہوں گی۔ ساری کائنات تمہارا کلمہ پڑھے گی" ——— رسولؐ کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت ابولہب نے عتبہ کی طرف دیکھا اور عتبہ نے شعبہ کی طرف دیکھا۔ داڑھیوں پہ ہاتھ پھیرنے لگے اور بولے "برخوردار! تمہیں کیا ہو گیا؟ پیسہ پاس نہیں ہے اور کہتے ہو، قیصر و کسریٰ۔ تابعِ فرمان ہو جائیں گے"

کیسی فضول بات ہے۔ تمہاری مدد کرکے خواہ مخواہ کو مصیبت اُٹھانی ہے ۔
چلو ۔گھر چلیں ۔" چنانچہ وہ اٹھ کے چلے گئے ۔

محمدؐ نے اگلے دن اپنے اقربین کو اپنے گھر پھر بلایا۔جب تیسرا دن تھا اور وہ کھانا کھاچکے ۔ رسولؐ تقریر کرنے کھڑے ہوئے ۔اب اگر آج بھی کوئی جواب نہ دیتا تو دُنیا یہ کہتی کہ محمدؐ کی تقریر میں اثر نہیں تھا جب ہی تو کسی نے جواب نہ دیا۔ آج رسولؐ تقریر کرنے کھڑے ہوئے ۔

"لوگو ! میں ایسی شے لیکر آیا ہوں جو دین و دنیا میں تمہارے فلاح کی ضامن ہے ۔تم میں سے کون ہے جو اس معاملے میں میری مدد کرے"

بس رسولؐ کا یہ کہنا تھا کہ "کوئی ہے جو میری مدد کرے" تو اچانک مجمع میں ہلچل مچ گئی ۔ لوگوں کے چہرے بدل گئے ۔ سامعین کا انداز ہی کچھ اور ہو گیا ۔
دُور ایک کونے میں سے ایک گیارہ سال کا بچہ اٹھا اور ایڑھیاں اُٹھا کے کھڑا ہو گیا ۔ مورخین نے اس بچے کا حلیہ یوں بیان کیا ہے کہ ۔"کرُتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے ۔جیب میں خرمے بھرے ہوئے تھے ۔آنکھیں دُکھ رہی تھیں ۔اُن میں آشوب کی وجہ سے سُرخی آئی ہوئی تھی ۔پیٹ میں تلی تھی اور پیروں پہ کھیلنے کی گرد پڑی ہوئی تھی"۔۔۔۔۔ گویا بالکل بچپن کی اُدا تھی اور بچپن کی اس اُدا سے کھڑے ہو کر کہتا ہے "قبلہ ! ذرا اَب کے فرماؤ ۔آپؐ نے کیا کہا ہے ؟"

رسولؐ نے فرمایا "بیٹا ! میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ایسا پیغام لایا ہوں جو دین و دنیا ، دونوں کی فلاح کا باعث ہو گا ۔کون ہے جو میری مدد کرے؟"

رسولؐ کا یہ کہنا تھا "کون ہے جو میری مدد کرے" کہ بچے نے تو ایڑھیاں اٹھالیں اور پوری آواز سے کہا

(میں تیری نصرت کروں گا اے اللہ کے رسولؐ)

سامعین !

"اے محمدؐ" نہیں کہا بلکہ "اللہ کا رسولؐ" کہا ۔ اگر محمدؐ کہہ کے وعدہ

کرتے تو محسنؑ کی زندگی تک وعدہ تھا۔ مگر رسولؐ کہہ کر وعدہ کے معنیٰ یہ
ہیں کہ جب تک تیری رسالت رہے گی میری نصرت بھی رہے گی۔"
بہرنوع اس جوش سے بچے نے یہ فقرہ کہا کہ تیس ۳۰، پینتیس ۳۵ آدمیوں کا مجمع جو رسولؐ
کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک اس بچے کی طرف دیکھنے لگا۔ رسولؐ مسکرانے لگے۔
"قبلہ مسکراتے کیوں ہو؟"
رسولؐ فرماتے ہیں "میں مسکراتا اس لئے ہوں کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں
کہ جب مجھ سے نظر ہٹے تو اس پہ رُکے۔"
رسولؐ نے کہا "بیٹا! قریب آؤ" —— جب برخوردار قریب
آ کے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے پوچھا:
"تم نے ہماری بات غور سے سُنی؟"
جواب دیا "ہاں۔ سُنی"
"اچھی طرح سوچ لو"
"ہاں سوچ لیا"
"خوب سمجھ لو"
"سمجھ لیا"
"بیٹا! یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے"
"قبلہ! میں نے جان پہ کھیل کے کہا ہے"
"بیٹا! یہ بڑا مشکل کام ہے"
"قبلہ! میں مشکل کشا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ تیرے دشمنوں کے پیٹ پھاڑ دونگا۔
تیرے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ پرواہ نہ کر۔ آج سے میں تیرا ناصر ہوں
جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ کیا مجال کسی کی جو تیرے پروگرام میں رکاوٹ ڈالے"
بچہ یہ کہہ رہا تھا اور ابی طالبؑ سر جھکائے ہوئے "الحمدللہ" کہہ رہے تھے۔
"یااللہ! تیرا شکر ہے۔ کیا سپوت بیٹا تو نے مجھے عطا کیا ہے"

بہرنوع ۔ مجمع برخاست ہوگیا ۔ اب جو رسولؐ گھر سے باہر نکلے ۔ پیچھے پیچھے یہ بچہ جیب میں خرمے بھرے ہوئے محمدؐ کے ساتھ چلا جارہا ہے ۔ ایک خرما کھا لیتا ہے اور گٹھلی دوسری جیب میں ڈال لیتا ہے (بالکل بچپن کی ادا) اب جو رسولؐ مکہ کے بازار میں پہنچے تو بازاری لوگوں نے رسولؐ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ــــــ ادھر بچہ بھی محمدؐ سے نصرت کا وعدہ کرکے آیا تھا ۔ اب جو کسی نے ذرا بھی کوئی فقرہ کہا تو بچہ نے اپنی جیب سے فوراً ایک گٹھلی نکالی اور تاک کے اُسے ماردی جو مذاق کررہا تھا ۔ سینے پہ لگی تو کمر توڑ کے نکل گئی ۔ بس دو تین کے ساتھ یہ کیا تھا کہ لوگ کان پکڑ گئے ، توبہ کر گئے کہ اگر یہ بچہ ساتھ ہوا تو ہم محمدؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں ــــــــــ گویا اس میں اور محمدؐ میں فصل ہو تو پھر ہم کچھ بگاڑ سکتے ہیں ۔ ورنہ اگر یہ بچہ بغیر فصل کے ساتھ ہوا تو پھر ہم کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔

سامعین !

ایک دفعہ یہ بات میں نے مجلس میں کہہ دی ۔ سننے والوں نے کہا ۔
" بالکل جھوٹ ۔ تمہیں شرم نہیں آتی ، منبر پہ بیٹھے جھوٹ بولتے ہو "
میں کہتا ہوں " صاحب ! جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتا ہے اس کے برابر کا کوئی برا ہے ہی نہیں "
پھر انہوں نے کہا " زیدی صاحب ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گیارہ سالہ بچے کے ہاتھ میں اتنی طاقت آجائے کہ خرمے کی گٹھلی سے کمر ٹوٹ جائے ۔ لہٰذا ہم نہیں مانتے "
میں کہتا ہوں " بھئی ، نہیں مانتے تو نہ مانو ۔ زبردستی تھوڑی ہے ؛ تمہارے نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں ہے کہ علیؑ کے ہاتھوں میں اتنی طاقت کیسے آسکتی ہے ــــــ مگر قرآن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ " جب خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھی آ گئے تو ابابیل نے پنجے میں مسور کے دانے کے برابر کنکر لے کر پھینکے جن سے ہاتھی

ٹوٹ گئے"۔

سامعین !

اگر علیؑ والی یہ بات غلط ہے تو ابابیل والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا جو دلیل اس کی ہے وہی دلیل اس کی ہے "

اب معترض کہتا ہے " جناب ۔ وہ تو بیت اللہ کی حفاظت تھی "!

میں کہتا ہوں " بھئی ۔ اگر وہ بیت اللہ کی حفاظت تھی تو یہ رسولؐ اللہ کی حفاظت تھی "

بہر نوع ۔ بنی ہاشم کا خاندان دونوں کام کرتا رہا۔ تبلیغ کا کام بھی اور حفاظت کا کام بھی ——— رسولؐ نے بچے کو بلایا، سینے سے لگایا۔ پیار کیا۔ " بیٹے ! تم نے بڑا وعدہ کیا ہے "

بچے نے جواب دیا " قبلہ ! میرا وعدہ رہا کہ میں آپ کی نصرت کروں گا "

رسولؐ نے کہا " اچھا تو پھر میری بات سن ۔ اگر تو اپنے اس وعدۂ نصرت میں ثابت قدم رہا تو " انت وصیّ " (تو میرا وصی ہو گا) " اَنْتَ وَزِیر " (تو میرا وزیر ہو گا اور میرے بعد میرے اس مشن کا انچارج بھی ہو گا)

چنانچہ دونوں اطراف سے وعدے ہو گئے ۔ ایک طرف سے گیارہ سالہ بچہ وعدہ کرتا ہے کہ میں نصرت کروں گا اور ایک طرف سے تینتالیس سالہ رسولؐ وعدہ کرتا ہے کہ تو میرا وصی ہے ۔ تو میرا وزیر ہے ۔ تو میرے مشن کا انچارج ہے گویا فریقین سے معاہدہ ہو گیا ۔

سامعین !

اب یہ بتاؤ ۔ وعدہ سے پھر جانے کا احتمال کس طرف سے ہے ؟ — بچے کی طرف ہے ——— اور اگر بچہ اپنے وعدہ پر قائم رہے تو رسولؐ کے متعلق تو شک بھی نہیں کر سکتے کہ (معاذ اللہ) وہ اپنے کئے ہوئے وعدہ سے پھر جائے ۔ اب اگر علیؑ اپنے وعدہ پہ قائم رہے ہیں تو رسولؐ کا بھی تو فرض ہے

کہ اپنا وعدہ وفا کر کے جائیں اور علیؑ کو اپنا وصی بنا کر جائیں۔ اور اگر رسولؐ بغیر بنائے چلے جائیں تو ہم غریب آدمی تو کچھ نہیں کہیں گے۔ مگر اللہ تو کہہ دے گا کہ "محمدؐ! اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ تو نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ لہٰذا وعدہ وفا کر کے جاؤ ورنہ رسالت خطرے میں ہے"

رسولؐ نے کہا، "خداوندا۔ میں وعدہ وفا کر کے جاؤں گا۔ حالانکہ میں نے یہ وعدہ اپنے "اقربین" میں کیا ہے۔ مگر میں اس وعدے کو دنیا کے سامنے پورا کروں گا۔ تاکہ عالم گواہ رہے میری اس بات کا کہ میں اپنے وعدے کو پورا کر رہا ہوں"

حضور والا!

وہ وقت بھی آ گیا۔ اللہ نے کہا:

"محمدؐ! آج سے بہتر دن نہیں ملے گا۔ آج اپنے وعدے کو وفا کر کے جاؤ کیونکہ بہترین موقعہ ہے۔ ابھی ابھی لوگ حج کر کے آئے ہیں، اللہ کا گھر دیکھ کے آئے ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کر کے دنیا کے چکر دماغوں سے نکل گئے ہیں۔ صفا و مروا میں دوڑ کے زمانے کی دوڑ بھاگ کو بھول گئے ہیں۔ عرفات میں بیٹھ کے معرفت کی منزلیں طے کر لی ہیں۔ منیٰ میں قربانی دے کر قربان ہونے کا جذبہ سیکھ لیا ہے۔ شیطان کو کنکریں مار کر بروں سے نفرت اور اچھوں سے محبت بھی سیکھ لی ہے۔ سب کے سر بھی منڈے ہوئے ہیں کسی میں بال برابر کا فرق نہیں ہے۔ ابھی ابھی اللہ کے سامنے "لبیک" کہہ کے آئے ہیں۔ ان حاجیوں سے بہتر مجمع اور کہاں ملے گا لہٰذا آج اپنا وعدہ وفا کر لو آج وہ بات کہہ دو جو اس دن کہی تھی،

رسولؐ نے فرمایا "بہت اچھا"

لاکھوں کی تعداد میں حاجی رسولؐ کی قیادت میں جا رہے ہیں، اونٹ سرمست ہو کے چل رہے ہیں۔ شہسواروں کے گھوڑے زمین پہ قدم نہیں رکھتے۔ ان کے نال پتھروں سے ٹکرا کے چراغاں کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ حاجی خوش ہیں کہ ہم نے رسولؐ کی قیادت میں حج کیا۔

بہر نوع۔ رسولؐ کی قیادت میں حاجیوں کا قافلہ ادھر سے چلا اور جبرئیل کی قیادت میں آیتوں کا قافلہ اُدھر سے چلا۔ دونوں قافلے خم پہ آ کے ٹکرا گئے۔ اُدھر سے آیتوں کا قافلہ۔ اِدھر سے حاجیوں کا قافلہ۔ آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا۔ جبرئیلؑ کی آج وضع کچھ اور تھی۔ اس سے پہلے بھی جبرئیلؑ کئی بار محمدؐ کے پاس آیا کرتا تھا اور عرض کرتا۔

"یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ" ــــ "یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" ــــ "آپ مزمل ہیں۔ آپ مدثر ہیں" ــــ مگر آج جبرئیلؑ اپنی سرکاری وردی پہنے ہوئے۔ پوری شان و شوکت سے آیا اور آ کے رسولؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ !" ــــ آج جبرئیلؑ نے مدثر، مزمل کہہ کر نہیں پکارا بلکہ عہدے سے خطاب ہو رہا ہے۔

"یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ !"

"اے رسولؐ۔ دیکھو، اُترو"

رسولؐ گھوڑے سے اُترے مگر اُترنے میں فرق تھا۔ کوئی دل میں اُتر گیا اور کوئی دل سے اُتر گیا اور بن کی بن آئی جس میں رسولؐ اُتر گئے، جنگل کی قسمت چمک اٹھی جس میں رسولؐ اُتر گئے ...... تمام حاجی اکٹھے ہو گئے۔ عرض کی:۔

"قبلہ! بات کیا ہے؟ . .

آپ نے مؤذن کو حکم دیا، آج اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل" کہو۔ باقی عمل تو سارے تمہیں بتا چکا ہوں۔ آج تمہیں "خیر العمل" بتایا جائے گا۔ (چونکہ یہ فقرہ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔ اس لئے جزو اذان بن گیا) آج تمہیں

"خیر العمل" بنایا جائے گا" چنانچہ تمام حاجی سمٹ سمٹ کے رسول کے گرد اکٹھے ہو گئے، سورج کی شعاعیں تیز ہیں۔ عربوں نے اپنی عبائیں نیچے رکھی ہیں۔ رسول کی بات سننے کے لئے سب تیار ہیں۔

"اللہ جانے رسول کیا کہیں گے"

جبرئیل نے کہا "محمدؐ! ہمارے سامنے وہ بات کہو تا کہ ہم بھی سنیں"

چنانچہ رسول نے حکم دیا "منبر بنایا جائے" حاجیوں نے عرض کی:-

"قبلہ! گھوڑوں کی زین اکٹھی کر کے جگہ بنا دیں؟"

فرمایا "نہیں" -

"لکڑیاں کاٹ کے بنا دیں؟"

فرمایا "نہیں اونٹوں کے پلانوں کا منبر بنایا جائے"

حاجیوں نے عرض کی۔ قبلہ! اونٹوں کے پلانوں میں کیا خصوصیت ہے؟

رسول نے فرمایا "اس لئے کہ شتر کینوں سے بات کرنی ہے"

بہر نوع۔ پلانِ شتر کا منبر بن گیا اور رسول اس پہ آ کے کھڑے ہو گئے۔ مجمع چاروں طرف سے سمٹ کے قریب آ گیا۔ رسول نے حاجیوں کو دیکھا پھر وہی خلق عظیم والی لبوں پہ مسکراہٹ، چہرے پہ تبسم، نہایت لطافت و نفاست کے ساتھ۔ حاجیوں کے اس مجمع پر ایک نظر ڈالی۔ بس رسول کی نظر کی یہ تاثیر تھی۔ کہ لوگ تو سرمست ہو گئے "اللہ جانے۔ رسول آج کیا فرمائیں گے"

یہاں تک کہ تین سو برس کا سلمان کمر پہ ہاتھ رکھ کے کھڑا ہو گیا کہ "رسول آج کیا کہے گا؟ اور ابوذرؓ یہ کہے کہ میں آج تمام صاحب زر کو فنا کر دوں گا۔

"رسول آج کہتا کیا ہے"؟

بہر نوع۔ جب لوگ چاروں طرف سے رسول کے گرد اکٹھے ہو گئے تو رسول نے کہا:-

"اے عرب والو! اگر واعظ کروں گا تو گھبرا جاؤ گے۔ لہٰذا آج

میں تم سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔ تم پینے کے عادی تھے میں نے تم سے چھڑوا دی ۔ مگر آج اگر مناسب سمجھو تو ہم پلائیں گے ۔ پیو گے ؟"

لوگوں نے بلند آواز سے کہا " حضور پیئں گے "

رسول نے فرمایا " دیکھو ۔ سن کے پی نہ جانا "

بس پینے کا اعلان تھا کہ تمام متوالے اکٹھے ہو گئے ۔ چاروں طرف رسول کے متوالوں کا مجمع لگ گیا ۔ وہاں ہر قسم کا متوالا موجود ہے سیدھی مت والے بھی اور الٹی مت والے بھی ۔

بہر نوع ۔ متوالے اکٹھے ہو گئے اور ساقی نے پلانا شروع کر دیا ۔ مے خانہ ارض کا ساقی ! کچھ آنکھوں آنکھوں میں پلائی ۔ کچھ باتوں باتوں میں پلائی ۔ کچھ ہنس کے پلائی ۔ کچھ گفتگو سے پلائی ۔ جب لوگوں کا نشہ پورے عروج پہ پہنچا تو ساقی نے لرز کے "شرابی" ساغر اٹھایا ۔ لوگوں نے گردنیں بلند کر دیں (خدا جانے ۔ عجیب نقشہ ہو گا اس زمانے اگر کیمرہ وغیرہ موجود ہوتا اور اس منظر کی تصویر لی جاتی تو اتنا لطیف مجمع کہیں دیکھنے میں نہ آتا) شرابی ساغر ہاتھوں پہ بلند کیئے ہوئے رسول لوگوں سے پوچھ رہے ہیں ۔

"پیو گے ؟"

لوگوں نے کہا " حضور ! ضرور پیئں گے ۔ آپ جو پلا رہے ہیں "

" دیکھو ! یہ دیسی نہیں ہے ۔ یہ تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے بے ہوش کرنے والی نہیں ہے بلکہ خالص " ولایت " کی شراب ہے "

(مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ)

حضور والا !

اُردو زبان کا کوئی شاعر عالم ارواح میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا اُس نے ساقی کو پلاتے بھی دیکھا اور پینے والوں کو بھی دیکھا ۔ وہی

نقشہ کھینچ دیا اپنے شعر میں ۔

رسولؐ اپنے ہاتھوں پہ ترابی ساغر اٹھائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "پیؤ گے؟" ——— لوگ کہتے ہیں "پیئں گے" ۔

اور شاعر نے کہہ دیا۔

لے کے خود پیرِ مغاں ہاتھ میں مینا آیا
لیکن اے بادہ کشو تم کو نہ پینا آیا

رسولؐ نے کہا "یاد رکھو! قیامت تک اس کا نشہ نہیں اترے گا۔ یہ اُس وعدہ کی وفا ہے جو میں نے اعلانِ رسالت کے وقت کیا تھا"

رسولؐ کی تقریر ختم ہوئی۔ لوگوں نے جناب امیرؑ کو مبارک بادیں دینا شروع کیں۔ ایسے ایسے خلوص سے مبارک بادیں دی جا رہی تھیں کہ خدا جانے عمر بھر یاد رہیں گی۔

بہر نوع۔ رسولؐ واپس مدینہ تشریف لائے۔ حکم دیا کہ علیؑ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرو۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب سیدہ طاہرہؑ نے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ پھر حسنینؑ نے بڑھ کے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ پھر اصحابِ رسولؐ نے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ علیؑ کی شان ہی کچھ اور ہو گئی محمدؐ کا وعدہ وفا ہو گیا۔

سامعین!

آج رسولؐ کا وہ وقت آیا۔ جب اہلِ مدینہ سے جُدا ہو کے جانے لگے۔ اصحابؓ کو بلایا اور فرمایا۔

"لوگو! ہم جا رہے ہیں۔ ہم نے اُس دن جو پلائی تھی وہ تمہیں یاد ہے نا؟ ممکن ہے نشہ اتر جائے۔ پھر کون پلانے آئیگا۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں اس کا نسخہ لکھ دیں۔ تاکہ میرے بعد تم خود بنا کے پی لیا کرو"

لوگوں نے کہا "ہاں قبلہ لکھ دو"

رسُول نے فرمایا "پھر لے آؤ کاغذ، قلم دوات" ——

"قبلہ! بس ویسے ہی بتا دو"

رسُول نے فرمایا "بھئی، دیکھو! اگر لکھواتے تو بڑی تفسیر سے لکھتا۔ چونکہ زبانی پوچھتے ہو لہٰذا مختصر بتاتا ہوں۔ کہ اس نسخے کو قائم رکھنے کیلئے دو دوائیں یاد رکھنا۔ ایک دوا کا نام ہے "کتاب" اور ایک دوا کا نام ہے "عترت"

"کتاب" ہر کتاب نہیں۔ بلکہ کتاب ہو "اللہ والی" اور "عترت" ہر عترت نہیں بلکہ عترت ہو "میرے والی" اور دیکھو! —— ترکیب استعمال یہ ہے کہ "تئیس" تولے "کتاب" لے لو۔ "چودہ" تولے "عترت" لے لو۔ پھر "ایمان" کی دیگچی میں ڈال کر "نیک عمل" کا پانی ملالو۔ پھر "خلوص" کی ہلکی سی آنچ دیدو۔ تھوڑی سی "مودت" کی مصری ملالو۔ جب قوام ٹھیک ہو جائے تو "پیار" کے ہاتھوں سے اُتار کر، چھان کر، روزانہ "پانچ" مرتبہ "سترہ" گھونٹ پی لیا کرنا۔ کبھی بھوک نہیں لگے گی —— اور اگر چاہو کہ اس کا نشہ اور بڑھے تو یوں کرنا کہ سال میں چند دن مقرر کر لینا تاکہ اس کے تذکرہ سے اُترا ہوا نشہ دوبارہ تازہ ہو جائے ——"

بزرگانِ من!

جنگل میں منگل اُس دن ہو گیا تھا جب رسُول نے اعلان کیا تھا۔ آج بھی رسُول کا کنبہ جنگل میں بیٹھا ہے اور دشمن کی فوجیں چلی آ رہی ہیں۔ اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سیدانیوں کے خیموں میں آ رہی ہے۔ بہن بھائی کو بُلا کے کہتی ہے "حسینؑ! یہ فوجیں کس طرف آ رہی ہیں؟" ——

حسینؑ جواب میں کہتے ہیں ، ر دشمن کی طرف" زینبؑ نے آسمان کو دیکھا زمین کو دیکھا اور چُپ ہو گئی۔ آخر بی بی پوچھتی ہے۔

"حسینؑ ! ہمارا کوئی نہیں آئے گا۔ کوئی ایسا نہیں ہے جسے تم بُلالو حسینؑ؟"

مولا نے جواب دیا، "زینبؑ ! کون مصیبت میں آئے گا"؟

"حسینؑ ! آدمی میں بتاتی ہوں۔ بُلانا تمہارے ذمے ہے"

"ہاں بہن۔ بتاؤ"

"حسینؑ ! وہ تمہارے بچپن کا دوست، جو مجھے بہن کہتا تھا اور تمہیں بھائی کہتا تھا۔ میرے آبا نے اس کا نام حبیبؓ رکھا تھا۔ اُسے بلالو"

چنانچہ حسینؑ نے خط لکھا۔ قاصد کو دیا اور فرمایا "کوفہ میں جاؤ۔ لال داڑھی والا ایک آدمی ملے گا۔ اس کا نام حبیبؓ ہے۔ یہ خط اُسے دے دو"

قاصد پہنچا۔ حبیبؓ کے محلے میں گیا۔ ایک دُکان پہ جا کے ٹھہرا۔ اتفاق سے حبیبؓ اس دوکان میں کھڑے خضاب خرید رہے تھے۔ قاصد حبیبؓ سے پوچھتا ہے "شیخ ! کیا اس محلّے میں کوئی حبیبؓ نامی آدمی رہتا ہے؟"

حبیبؓ نے پوچھا "کیوں۔ کیا کام ہے؟"

"تم مجھے حبیبؓ کا گھر بتا دو"

حبیبؓ میرا دوست ہے۔ تو بات کر (حبیبؓ خود کہہ رہا ہے)

قاصد علیحدہ ہو کر کہنے لگا، "حبیبؓ اگر تیرا دوست ہے تو سُن ! میں حبیبؓ کے نام حسینؑ کا خط لایا ہوں"_____ بس یہ سُننا تھا کہ حبیبؓ کہ حبیبؓ تو قاصد کے پیروں پہ گر گیا۔ "تو حسینؑ کا قاصد ہے۔ تو حسینؑ کا خط لایا ہے۔ تو نے چلتے وقت حسینؑ کو دیکھا تھا۔ آ میرے ساتھ میں تجھے حبیبؓ کے گھر لے چلتا ہوں"، دونوں چل پڑے۔ دروازے پہ پہنچے۔ حبیبؓ نے کہا "ایک منٹ ٹھہر۔ میں ابھی آتا ہوں" یہ کہہ کر حبیبؓ اپنی

زوجہ کے پاس گیا اور کہا:۔

"سُنتی بھی ہو۔ آج قسمت یاور ہو گئی۔ نصیب جاگ اُٹھے۔ آج تو ہمارا تیر اقبال کہیں سے کہیں پہنچ گیا"

بیوی کہتی ہے "بتاؤ تو سہی۔ بات کیا ہے؟"

حبیبؓ نے کہا "تم جلدی سے وضو کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر بتاؤں گا کیا ہوا"۔ جب مومنہ نماز پڑھ چکی تو حبیبؓ نے کہا۔

"آج ہمارے گھر امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے لخت جگر حسینؑ کا قاصد آیا ہے"

مومنہ جواب دیتی ہے "حبیبؓ شکر ادا کرو۔ مولا کے قاصد کو اندر لے آؤ"

چنانچہ حبیبؓ نے قاصد کو سفید چادر پہ بٹھایا اور جب وہ بیٹھ گیا تو کہنے لگا۔

"میرے مولا کے قاصد! میں ہی حبیبؓ ہوں۔ مولا کا خط میرے ہی نام ہے"

قاصد نے جیب سے خط نکالا اور حبیبؓ کو دے دیا۔ حبیبؓ نے خط کی تحریر کو چوما۔ کھولا۔ خاموش پڑھنے لگا۔ مومنہ نے اندر سے آواز دی:۔

"حبیبؓ! بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سنوں کہ مولا نے کیا فرمایا ہے"

حبیبؓ نے خط پڑھا۔ خط کی عبارت یوں تھی۔

"یا اخی حبیبؓ! بھائی حبیبؓ!

حبیبؓ تو بھائی کا نام سنتے ہی سجدے میں گر گیا۔

"حسینؑ اور مجھے بھائی کہے"

حبیبؓ نے آگے پڑھا تو لکھا تھا:۔ "حبیبؓ! میں تمہارے وطن میں آ گیا ہوں۔ مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میری مدد کو آؤ"

(اگلا فقرہ جس نے حبیبؓ کے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے یہ تھا)

"حبیبؓ! میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے

ساتھ زینبؑ بھی ہے"

بس زینبؑ کا نام پڑھتے ہی حبیبؓ گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"ہائے۔ زینبؑ بھی ساتھ ہے"

بہر نوع۔ حبیبؓ کربلا میں پہنچے۔ حسینؑ نے بڑھ کے استقبال کیا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے دروازے تک آئے۔ حبیبؓ خیمے سے باہر کھڑے ہو گئے۔ مولا اندر تشریف لے گئے "زینبؑ! حبیبؓ آگیا"

زینبؑ دروازے پہ پہنچیں۔ بیچ میں پردہ۔ بی بی فرماتی ہیں۔

"حبیبؓ! فاطمہؑ کی بیٹی تجھے سلام کرتی ہے"

حبیبؓ تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کانپتے ہونٹوں سے عرض کی:

"شہزادی! اب یہ وقت آگیا کہ ادنیٰ غلاموں کو سلام کر رہی ہو"

بس بھائیو! ـــــ بیان ختم کرتا ہوں۔

زینبؑ نے حبیبؓ کو ہمیشہ بھائی کہا۔ اب آپ خود اندازہ کریں کہ زینبؑ کو حبیبؓ پر کتنا اعتماد تھا کہ عاشور کی شام کو جب سیدانیوں کے خیمے جلنے لگے اور چادریں اُترنے لگیں تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔ عباسؑ کو نہیں پکارا بلکہ گھبرا کر بلند آواز میں کہا۔

"بھائی حبیبؓ! ـــــ آؤ۔ دیکھو۔ میں لٹ گئی۔"

اللہ ہماری مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہمیں مودۃ محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔ آلِ محمدؐ کی مودۃ کے ساتھ زندہ رہیں اور آلِ محمدؐ ہی کی مودۃ کے ساتھ دم نکلے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ ط

لا اِلٰہ الا اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمد و آل محمد پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

اللہ کا یہ فضل ہے کہ جو چیزیں ذی حیات کے لئے لازمی تھیں۔ انہیں انسان کے تصرف میں نہیں دیا بلکہ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا۔ اگر لوازماتِ حیات انسان کے بس میں ہوتے تو کبھی کی یہ دنیا ختم ہو جاتی لہٰذا اللہ نے دنیا کی بقاء کے لئے ان لوازماتِ حیات کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ اور جو چیزیں حیات کے لئے ضروری تو تھیں مگر اتنی اہم نہ تھیں وہ انسان کے قبضہ میں دے دیں۔ ورنہ جو چیزیں انسانی زندگی کے لئے نہایت لازمی تھیں۔ انہیں قدرت نے اپنے قبضہ میں رکھا ـــــــ جس طرح انسانی زندگی کے لئے "ہوا" نہایت لازمی چیز ہے۔ ہوا کے بغیر انسان کا گذارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ نے کہا، اگر میں نے انسان کے سپرد کر دی تو انسان ایک دَم سے انسان کو مار دیں گے۔ اسی طرح قدرت نے "پانی" اپنے قبضہ میں رکھا اب اگر انسان کبھی خدا کی ان چیزوں پر قبضہ بھی کر لیتا ہے تو انسان کیلئے ہی یہ مصیبتیں پیدا ہو جاتی ہیں ـــــــ گویا

نظامِ قدرت میں انسانی مداخلت جہاں ہوئی وہاں خرابی پیدا ہو گئی

لہٰذا انسان کو انسان بنانے کے ذرائع بھی اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اگر انسانی ہدایت۔ انسان کے سپرد کر دی جاتی تو پھر وہ تماشہ بنتا کہ خدا کی پناہ۔

"جس طرح ساری دنیا کے چوروں سے کہہ دیا جائے کہ ایک ایسی سوسائٹی بناؤ جو چوری کو روکتی ہو۔ چنانچہ وہ چوری چوری ایسی بنائیں گے جو "چوری" چلتی رہے گی۔ اور اگر تمام ڈاکوؤں سے کہہ دیا جائے کہ ڈاکہ زنی کے انسداد کے لئے ایک کمیٹی بنالو۔ وہ دعوے بڑے کریں گے تقریریں کریں گے، لیکچر دیں گے کہ "ڈاکہ بہت بری بات ہے"، اور پھر ایسے ڈاکے ڈالیں گے کہ پتہ نہ چل سکے کہ کہاں ڈاکہ پڑ گیا۔"

بہر نوع۔ ہدایت کی ذمہ داری اگر ایسے انسانوں کے سپرد کر دی جاتی تو خدا جانے کیا ہوتا ——— لہٰذا۔ اللہ نے فرمایا۔

"میں جس طرح چاہوں ہدایت کروں۔ آخر تمہارا پیدا کرنے والا ہوں، تم میرے پاس لوٹ کر آؤ گے، تم میرے سامنے جوابدہ ہو۔ میں ہی تمہاری ہدایت کا کام کروں گا۔ تم جو اپنی طرف سے تجویزیں پیش کرو گے وہ کہیں نہ کہیں جا کے ختم ہو جائیں گی۔ لہٰذا انسانی ہدایت کا کام مجھے کرنے دو۔ میرے کام میں مداخلت نہ کرو۔"

مگر انسان خدا کے ہر کام میں مداخلت کرتا رہتا ہے۔ خدا کی بتائی ہوئی بات کی طرف انسان اس لئے توجہ نہیں دیتا کہ چونکہ مزاج میں سرکشی و آزادی ہے۔ اور کسی کی بات نہ ماننا انسان اپنی آزادی کے منافی سمجھتا ہے۔ گویا انسان خودکشی اور آزادی کی بنا پر ٹوکنے والے کو پسند نہیں کرتا اور نا ٹوکنے والے سے بڑا خوش رہتا ہے ——— اس لئے انسان نے کہا:۔

"اللہ ٹوکتا بہت ہے۔ یہ کام نہ کرو۔ وہ کام نہ کرو، یہ نہ کھاناوہ نہ پینا ادھر نہ دیکھنا۔ اُدھر نہ جھانکنا۔ لہٰذا ایسے اللہ کو اللہ نہ مانو جو قدم قدم پہ ٹوکتا ہو۔ ٹوکنے والے اللہ کو چھوڑ کر کسی نا ٹوکنے والے کو اللہ بناؤ۔ اور بناؤ بھی ایسا "بے حس" جس میں ٹوکنے کی طاقت ہی نہ ہو اور اگر اس میں حس بھی ہو گی تو چونکہ ہمارا بنایا ہوا ہو گا۔ اس لئے ہمیں ٹوکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

بلکہ اُسے ڈر رہے گا کہ :-

انہوں نے مجھے بنایا ہے اگر لڑوں گا تو یہ بگاڑ بھی دیں گے

چنانچہ ہم اللہ بنانے بیٹھ گئے ۔ وہ "اللہ" بھی سمجھتے تھے کہ اگر لڑیں گے تو ہماری آبرو جائے گی لہذا، بُت بنے "بیٹھے رہے۔ کیا مجال جو کسی کو لڑ کتے تھے ۔ آرام سے بیٹھے رہے ۔ لوگوں نے سوچا "اللہ تو ہم نے بنالئے اب ان کے لئے کوئی گھر بھی ہونا چاہیئے"۔ چنانچہ وہ اپنے بنائے ہوئے "اللہ" کو اصلی اللہ کے گھر میں رکھ کر مطمئن ہو گئے کہ دس بیس سال اللہ کے گھر میں رہ کر آدھے تہائی کچھ تو اللہ بن ہی جائیں گے ۔

سامعین !

چار سو سال کے بعد ہم نے جو دیکھا تو وہی بُت کے بُت ـــــ ہم نے پوچھا "انسانوں کے بنائے ہوئے اللہ ! بیت میں رہ کر بھی تمہیں ابھی تک اہلیت نہیں آئی"

انسان کے بنے ہوئے اللہ نے جواب دیا "اگر واقعی تم ہمیں بنانا بنانا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ اللہ کے گھر میں ذرا سی زمین کھود کر ہمیں گاڑ دو۔ گڑنے کے بعد ہم ٹھیک ہو جائیں گے ۔ اور اگر ہم ٹھیک بھی نہ ہوئے تو کوئی بات نہیں ۔ تم یہ تو کہہ سکو گے کہ :-

"ہمارے "اللہ" وہ ہیں جو خدا کے حرم میں گڑے ہوئے ہیں"

سامعین !

ایک دن عالم تصور میں، میں اُن گھر والوں سے باتیں کر رہا تھا ۔

"اے انسانوں کے بنائے ہوئے اللہ ! تم یہاں بیٹھے ہو؟

"ہاں"

اللہ بنے ؟

"نہیں ـــــــ بنے تو نہیں ، ہوئے ہیں"
یہ لوگ تمہیں اللہ سمجھتے ہیں ؟
" ہاں سمجھتے ہیں "
تم میں کوئی کمال ہے ؟
" صاحب ! بے کمال بھی کوئی مانتا ہے - ہم میں بڑا کمال ہے "
تم میں کیا کمال ہے ؟
بتوں نے جواب دیا :- " تم ہمیں بت سمجھتے ہو ؟ سمجھا کرو - پتھر سمجھتے ہو ؟ سمجھا کرو - ..... جو چاہو سمجھو ـــــــ مگر
ایک کمال ہے ہم میں - خود نہیں جائیں گے - کوئی اٹھا کر میدانِ جنگ میں لے جائے - پھر جتنے تمہاری سائنس کے ایجاد کردہ اسلحہ ہیں وہ استعمال ہوں - ٹینک سے ٹینک ٹکرائیں - ہوائی جہاز سے بم برسیں - میدان میں لے جانا تمہارا کام ہے - اگر میدان سے چھوڑ کر بھاگیں تو ہمیں پکڑ لو - چاہیں ٹکرے ہو جائیں ، چاہے چور چور ہو جائیں مگر میدان چھوڑ کر ہم نہیں آئیں گے ـــــــ ہم میں اتنا کمال ہے - ہماری اس ادا پہ دنیا مرتی ہے "
بہر نوع - ناٹو کنے والے خدا - اللہ کے گھر میں بیٹھ گئے - کوئی پوُج لے تو شاباش نہیں کہتے - کوئی توڑ دے تو بُرا نہیں کہتے - ادھر انسان بھی بہت خوش ہے کہ یہ بیچارے ہمارے بنائے ہوئے ہیں ٹوک بھی نہیں سکتے -

محترم سامعین !

جس قوم کی دس بیس نسلیں "ناٹو کنے والے" خدا کی صحبت میں گذر چکی ہوں وہ اگر آج انہیں چھوڑ بھی دیں اور "ٹو کنے والے" کو ماننے لگیں تو یہ ناممکن ہے کہ ایک دم صدیوں پرانی عادت ختم ہو جائے گی - بلکہ اس عادت کو چھوڑنے کے لئے تو کافی مدت چاہیئے ، بھلا عُمر بھر کی عادت ختم ہو سکتی ہے ؟

گویا ـــــــ جب ایسی دو چیزیں سامنے آئیں گی - جن میں سے ایک ہو بولنے اور ٹوکنے والے اور ایک ہو نا بولنے اور نا ٹوکنے والی تو بُت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی ـــــــ کہ

" ہمیں نا ٹوکنے والی کافی ہے "

اللہ کہتا ہے ـــــــ " ہدایت میری طرف سے ہو گی - تم مانو نہ مانو - تمہیں ماننا پڑے گا اور ـــــــ دیکھو ! میں ٹوکتا ہی نہیں بلکہ دو ٹوک بات بھی کرتا ہوں

کیا مجال جو میری بات میں کہیں نقص آ جائے - میری ہر بات غلطی سے مبّرا ہوتی ہے - میری کسی بات میں شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں -

مسلمانو ! تم بھی کیا یاد کرو گے کہ تمہاری ہدایت کے لئے میں نے وہ ھادی بھیجا ہے جس کا کمال یہ ہے کہ دنیا کے ہادی بھی اس کے ماتحت ہیں - تمہیں اس رسولؐ کا کلمہ پڑھوا دیا ہے جس کی اُمت ہونے میں تمام انبیاءؑ فخر کرتے ہیں ـــــــ یہ گویا شہنشاہ ہُوا اور وہ بادشاہ اس کی رعایا ہیں تمہیں شائد یاد نہیں - ہم نے تمام انبیاءؑ سے میثاق لیا ہے جس طرح ایک ذمہ دار افسر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالنے سے پہلے حلف اٹھاتا ہے - اسی طرح ہم نے ہر نبیؐ سے حلف اٹھوایا ہے کہ :-

(" تمہارے بعد ایک نبیؐ آئے گا - تم اس پر ایمان لانا اور اسکی اولاد کی مدد بھی کرنا ") قرآن

چنانچہ انبیاءؑ کے حلف اٹھانے کے بعد اللہ نے کہا :-

" تم مجھے گواہ بناؤ - مجھے ضامن بناؤ کہ تم اس حلف سے مُکر تو نہیں جاؤ گے "

سامعین !

خدا کے فضل و کرم سے ہم سب مسلمان ہیں اور ہر نبیؑ کو مانتے ہیں - آدمؑ سے لیکر خاتم تک ہر نبیؐ کی نبوت کے قائل ہیں - فرق اتنا ہی ہے کہ اور نبیوں کیلئے

کہتے ہیں " تھے " اور محمدؐ کے لئے کہتے ہیں " ہے " ۔ آج سے لاکھ سال بعد محمدؐ کا ذکر آئے گا جب بھی کہیں گے " ہے " یہاں " تھے " آتا ہی نہیں ۔ یہاں " تھے کا سوال پیدا ہوتا ہی نہیں ۔ لہٰذا محمدؐ " ہے " اور جو ہے اس سے مدد مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ۔ مدد سے تو وہ روکے جو " تھے " ——— مگر محمدؐ آج بھی ہے اور ہمیشہ ہے اگر ہم کلمہ پڑھیں گے تو اس کے بھی یہی معنیٰ ہیں ۔ " محمدؐ اللہ کے رسول ہیں " ...... باقی انبیاء " تھے " ——— اور اگر کوئی یہ ضد کرے کہ محمدؐ اللہ کے رسول تھے ۔ تو اس " تھے " کو روکنے کے لئے اللہ نے " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ " کا دامن " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " سے بھر دیا ۔ تاکہ کہیں بیچ میں " تھے " نہ آجائے ۔ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کے معنیٰ بھی یہی ہیں ۔ کہ اللہ " وَاحِدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے " ۔ اور اگر اللہ واحدہٗ لاشریک ہے تو محمدؐ اللہ کا رسول ہے .... اور اگر محمدؐ اللہ کے رسول تھے ۔ تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ " اللہ بھی واحدہٗ لاشریک تھا " ...... وہ " ہے " تو یہ بھی " ہے "

پیارے سامعین !

" کلمہ طیبہ " چار لفظوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے ۔

لا ——— الٰہ ——— الا ——— اللّٰہ

پہلا حرف لکھو " لا " جس کے معنیٰ ہیں " کچھ بھی نہیں " ۔ لہٰذا پہلا کچھ بھی نہیں ۔ دوسرا جوڑو " لا الٰہ " ——— " اللہ نہیں ہے " گویا کفر ہو گیا ۔

تیسرا جوڑو " لا الٰہ الا " ——— " اللہ نہیں ہے مگر " یہ مہمل ہو گیا ۔

پہلا " لا " کچھ بھی نہیں ——— دوسرا " لا الٰہ " ——— کفر ہو گیا

تیسرا " لا الٰہ الا " مہمل ہو گیا ۔ جب چوتھا " اللّٰہ " ساتھ جوڑو گے ۔ تو ایمان ہو جائے گا ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ——— اب ایمان ہو گیا

علمائے کرام !

خدا تمہارے علم وفضل میں برکت عطا فرمائے ۔ مجھ غریب شہری کی بات بھی سن لیا کرو ۔

اسم جلال کی قسم جو اسلام میں کہلاتی ہے ۔ اگر کوئی جھوٹی اٹھالے تو تقریباً کفر ہو جائے ۔ اور اگر سچی اٹھالے تو تین روزے رکھے جب وہ درست ہو سکتا ہے ۔ اتنی با عزت ہے قسم جلال ـــــــ جس طرح بڑے سے بڑا چور مسلمانوں کی پنچایت میں اگر کلمہ پڑھ کے کہدے :۔

" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "

" میں نے چوری نہیں کی "

لہٰذا مسلمان اس چور کو چھوڑ دیں گے ۔ قسم جلال اٹھا کر جو کہہ رہا ہے ۔ اگر اب بھی نہیں مانیں گے تو ہم مسلمان نہیں رہیں گے ـــــــ گویا

جس بات کا پورا یقین ہو جائے (وہ چاہے کلمہ میں داخل ہو یا نہ ہو اس جھگڑے میں نہ پڑو) وہ جب بیان کرو تو کلمہ پڑھ کے بیان کرو قسم جلال اٹھا کر بیان کرو تاکہ سننے والا اگر نہ مانے تو کافر ہو جائے ۔

لہٰذا ہمیں اتنا یقین ہے علیؑ کی ولایت کا ۔ ہم یونہی نہیں کہہ دیتے بلکہ قسم جلال اٹھا کر اعتراف کرتے ہیں ۔ مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا ۔ کعبہ میں کہلوالو ۔ مسجد میں کہلوالو ۔ منبر پہ کہلوالو :۔

" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " علیؑ ولی اللہ "

سامعین !

ابراہیمؑ بھی یہی کلمہ پڑھتے تھے ۔ موسٰیؑ کے زمانے میں بھی یہی کلمہ تھا ۔ ورنہ یہ تو محاورے کے طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ ابراہیمؑ کے زمانے میں یہ کلمہ تھا ۔ " لا الٰہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ " یا موسٰیؑ کے زمانے میں یہ کلمہ تھا ۔ " لا الٰہ الا اللہ موسٰی کلیم اللہ " ۔ حالانکہ ہر نبیؑ کے زمانے میں کلمہ

تھا جو ہم پڑھ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہر نوع ۔ سب انبیاءؑ اُمتی تھے ۔ اور اُمتی کو اپنا کلمہ پڑھوانے کا حق ہی نہیں ہے ۔ لہٰذا انبیاءؑ وہی کلمہ پڑھتے تھے جو ان کا بھی رسولؐ تھا ۔ اگر ان انبیاءؑ پر بھی کوئی مشکل آن پڑتی تھی تو محمدؐ سے کہتے ۔

"مشکل آپڑی ہے ۔ ہماری مدد کرو"

لہٰذا محمدؐ کے پاس جو مددگار تھا ۔ وہی ان کی مدد بھی کیا کرتا تھا ۔

لطف آجائے گا قیامت میں حبیب اللہ نے عام آواز دے دی "محمدؐ کی اُمت آجائے"

مومن بھائیو ! ــــــــ دیکھنا کس شان سے تم وہاں جاؤ گے تم میں سے کسی کا ہاتھ ابراہیمؑ کے ہاتھ میں ہو گا ۔ کوئی موسیٰؑ سے باتیں کرتا جا رہا ہو گا ۔ کوئی یوسفؑ کے گلے میں باہیں ڈالے چل رہا ہو گا ۔ اس لیئے کہ ہم سب پیر بھائی جو ہوئے ۔ ایک ہی نبیؐ کی اُمت جو ہوئے ۔ ایک ہی رسولؐ کے کلمہ گو جو ہوئے ۔

سامعین !

اگر آدمؑ کھڑے ہوں رسولؐ کے سامنے تو ان کا اور رسولؐ کا کیا رشتہ ہوا ؟ ۔ "**مومن**" ــــــ گویا آدمؑ "مومن" ہیں ۔ نوحؑ مومن ہیں ۔ ابراہیمؑ مومن ہیں ۔ موسیٰؑ مومن ہیں ۔ عیسیٰؑ مومن ہیں ۔ غرض ہر نبیؑ مومن ہے ۔ اور اگر سارے انبیاءؑ اکٹھے ہو جائیں تو مومنین کہلائیں گے ۔

بس بھائیو ! ــــــــ یہاں تک تو میں نے کہہ دیا کہ ایک نبیؑ ہو تو ہے مومن اور اگر سارے "انبیاءؑ" مل جائیں تو ہیں "مومنین" ــــــ اب آپ مجھے سوچ کر بتائیں کہ جس نبیؐ کی اُمت میں یہ مومنین ہوں تو ان مومنین کا "امیرالمومنین" کون ہو گا ۔ جہاں آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک مومنین ہوں گے وہاں امیرالمومنین کون ہو گا ؟ جسے آدمؑ بھی تسلیم کر لیں ۔ نوحؑ بھی تسلیم کر لیں ۔ اور ابراہیمؑ بھی مان جائیں کہ "یہ ہمارا امیرالمومنین ہے"

بزرگانِ من!

"امیرالمومنین" کا سوال آج نیا نہیں پیدا ہوا بلکہ آیہ میثاق کے فوراً بعد پیدا ہو گیا تھا کہ جب انبیاءؑ مومنین ہیں تو امیرالمومنین کون ہو گا؟"

رسولؐ جواب میں یہی فرماتے۔" جس نے انبیاءؑ کو میرا اُمتی بنایا ہے اُسی سے پوچھ کر بتاؤں گا" اِدھر رسولؐ کے پاس پوچھنے کا ذریعہ جبرئیلؑ تھا۔ ایک دن رسولؐ نے جبرئیلؑ سے کہا:۔

"جبرئیلؑ! اللہ سے یہ پوچھ کر آنا کہ میرے بعد میری اُمت کا امیرالمومنین کون ہو گا ———— ؟

جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا۔ اللہ نے پوچھا۔

"جبرئیلؑ کیا بات ہے؟

جبرئیلؑ نے عرض کی" خداوندا۔ تیرا حبیبؐ پوچھتا ہے کہ میرے بعد امیرالمومنین کون ہو گا؟"

اللہ نے غصہ میں جواب دیا۔" جبرئیلؑ! ان معاملات میں تم دخل نہ دو۔ اپنی حیثیت میں رہو"

جبرئیلؑ واپس زمین پر پہنچے۔ عرض کی

"یارسولؐ اللہ! اللہ مجھے تو کچھ بتاتا ہی نہیں"

آخر رسولؐ نے کہا" خداوندا۔ جبرئیلؑ کے ذریعے تو بتاتا نہیں۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ مجھے بتانا پڑتا ہے۔ تو ہی بتا دے کہ امیرالمومنین کون ہو گا؟

اللہ نے کہا" محمدؐ سُنتے بھی ہو! ایسی باتیں ان ذرائع سے نہیں پہنچائی جاتی۔ اگر پوچھنا ہی چاہتے ہو کہ امیرالمومنین کون ہو گا۔ تو کسی رات تھوڑا سا وقت نکال کے ہمارے گھر آؤ۔ وہاں تمہیں فرصت میں بتایا جائے گا کہ امیرالمومنین کون ہو گا۔ تم اس کا لہجہ پہچان لینا اس کے ہاتھ پہچان لینا۔ اس کی گفتگو پہچان لینا۔ آؤ نا ہمارے پاس"

چنانچہ امیرالمومنین پوچھنے کے لئے محمد اللہ کے گھر تشریف لے گئے
گویا امیرالمومنین پوچھنے جانا ہی محمدؐ کی معراج تھی ـــــ رسُول پوچھ
کر واپس آئے ۔ لوگوں نے پوچھا :۔
"محمد! پوچھ آئے ؟"
فرمایا "ہاں ۔ پوچھ آیا"
"جسم سے گئے تھے یا خواب میں گئے تھے"؟

سامعین!

ہم پاکستان میں رہنے والے جاہل لوگ ۔ ہمیں کیا معلوم کہ رسُول گئے تھے یا نہیں گئے تھے ۔ ہم تو اُن ہی لوگوں سے پوچھیں گے جو گردو پیش تھے
چنانچہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں "بمعہ جسم گئے تھے ـــــ" ـــــ اور ایک خاتون کہہ رہی ہیں "نہیں ـــــ گئے تو تھے مگر خواب میں گئے تھے"
اب وہ بھی صدیق ـــــ یہ بھی صدیقہ ـــــ ہم کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں ۔ آخر مجبور ہو کر رسُول سے ہی پوچھتے ہیں "قبلہ! کیسے گئے تھے؟"
رسُول نے کہا "جھگڑے میں کیوں پڑتے ہو ۔ تم خود سمجھ لو کہ میں کیسے گیا تھا؟ ـــــ دیکھو نا!

یہ معراج کی بات تو میں پھر بتاؤں گا کہ کیوں گیا تھا ۔ اب صرف تمہارے سمجھانے کو بتاتا ہوں کہ نماز جو ہے یہ مومن کی معراج ہے ۔
اب بتاؤ! یہ نماز نری روح سے پڑھتے ہو یا روح و جسم دونوں ہوتے ہیں؟

اگر نماز ہوتی ہے نری رُوح سے تو معراج بھی نری روح کی ہوئی تھی اور اگر رُوح و جسم دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو معراج بھی رُوح و جسم دونوں سے ہوئی ہے"
لوگوں نے پوچھا ۔ "آپ نے وہاں جا کر کیا کیا؟"

فرمایا: "اللہ نے میرے وہاں جانے کی تاریخ لوٹ لکھی جس طرح بڑے بڑے واقعات کی تاریخ لکھی جاتی ہے۔ عرش پر میرے قدم گئے تو وہاں لکھ دیا گیا کہ "یہ عرش محمدؐ کے قدموں کی بدولت معلّیٰ ہو گیا۔"

بس بھائیو!

یادگار معراج کو اصطلاح میں "مُعلّیٰ" کہتے ہیں۔ چاہے وہ عرش مُعلّیٰ ہو یا زمین پر کوئی مُعلّیٰ ہو۔ محمدؐ کو معراج ہوئی عرش پر، عرش مُعلّیٰ ہو گیا ——— اور بیٹے کو معراج ہوئی فرش پر۔ وہ مُعلّیٰ ہو گیا۔

گویا نانا کے قدموں نے عرش کو عرش مُعلّیٰ بنا دیا اور نواسے کے سجدوں نے فرش کو کربلاء مُعلّیٰ بنا دیا۔

ایک رِوایت میں ہے کہ قیامت کے دن تمام زمین پارہ پارہ ہو جائے گی۔ لیکن کربلا کی زمین بڑے آرام سے اٹھالی جائے گی۔ اصل مصلحت تو خدا جانتا ہے یا معصومینؑ جانتے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ زخمی کو بڑے آرام سے سٹریچر پہ لے جایا جاتا ہے تاکہ کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ نے کہا، "کربلا کے زخمیوں کو تکلیف نہ دو بلکہ آرام سے اٹھالو"

عزاءدار سیدالشہداءؑ!

کربلا میں ایک سے ایک بڑھ کر زخمی ہے۔ میں کس کے زخموں کا ذکر کروں؟ ماشاءاللہ تم صاحبِ اولاد ہو۔ خدا جانے تم میری بات سُن بھی سکو گے یا نہیں۔؟

دیکھو نا! جب آلِ محمدؐ آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو ان کے پروردہ مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آلِ محمدؐ کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور تاریخ میں لکھ دیا گیا کہ:۔

اٹھارہ بنی ھاشم کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

"بنی ہاشم" کا لفظ مسلمانوں نے ہمارے خیال کو اِدھر اُدھر کرنے

کے لیے لکھدیا ہے۔ حالانکہ "بنی ہاشم" کی اولاد تو وہ بے شک
تھے۔" بنی ہاشم" تو بہت وسیع اولاد تھی ۔ مگر کربلا میں جو
اٹھارہ شہید ہوئے وہ صرف اٹھارہ آلِ ابی طالبؑ تھے۔
گویا۔ بنی ہاشم کہہ کے ہمارے خیال کو ابی طالبؑ سے ہٹایا جاتا ہے
کربلا میں حسینؑ بھی فرماتے تھے "یہ میرے دادا کی اولاد ہیں"
آج ابی طالبؑ کے اس فرمان کی تعمیل ہو رہی تھی کہ ایک دن بھتیجے (محمدؐ)
کو بہت پریشان دیکھا تو گلے سے لگا کر فرمانے لگے۔

"محمدؐ! فکر نہ کر۔ گھبرا نہیں۔ پریشان نہ ہو۔ جب تجھ پر یا تیرے دین
پر کوئی حرف آئے گا تو تیرے دین کے گرد میری اولاد کی لاشیں
پڑی ہوئی ہوں گی"

مسلمانو!

انصاف چاہتا ہوں ـــــ بتاؤ۔ اللہ نے ابی طالبؑ سے
کتنا بڑا کام لیا ہے۔ یہ عجیب حادثہ ہے کہ دین اللہ کا پھیل گیا۔
کلمہ محمدؐ کا پڑھا گیا۔ اور کنبہ غریب ابی طالبؑ کا کٹ گیا ـــ
بزرگو! اگر کنبہ کے کٹ جانے پر بات ختم ہو جاتی تو شاید
بات ہی ختم ہو جاتی۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ:
دین بچ گیا اللہ کا۔ کلمہ پڑھا گیا محمدؐ کا اور بہو بیٹیاں قید
ہو گئیں غریب ابی طالبؑ کی۔ کتنا بڑا کام لیا ہے اللہ نے ابی طالبؑ سے۔

بہر نوع۔ اٹھارہ آلِ ابی طالبؑ کربلا میں شہید ہوئے۔ کسی کا کلیجہ زخمی ہو
گیا کسی کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ کسی کے بازو زخمی ہو گئے۔ کسی کا گلا زخمی ہو گیا۔
مگر ایک زخمی ایسا بھی ہے جس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس کو کہاں کہاں زخم آئے۔
تمام شہیدوں میں سب سے زیادہ نازک مزاج شہزادہ "قاسمؑ" چونکہ
بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے لہٰذا یتیم بھتیجے کو حسینؑ نے اتنے لاڈ و پیار سے

پالا تھا کہ دیکھنے میں تیرہواں سال تھا مگر جب کھانا کھانے بیٹھتا تو ماں نوالے کھلایا کرتی تھی۔ باریک سے باریک لباس پہناتے تھے۔ تیرہ سال کے بچے کو حسینؑ گود میں اٹھاتے تھے۔ کبھی دھوپ میں نہ نکلنے دیا۔ اکبرؑ و اصغرؑ کی اور بات تھی اور اس یتیم بھتیجے کی اور بات تھی۔ اتنا نازک مزاج شہزادہ میدان کی طرف جا رہا ہے۔ حسینؑ نے گود میں لیکر گھوڑے پہ بٹھایا اور فرمایا:۔

"بیٹا قاسمؑ! جاؤ۔ خدا حافظ"

قاسمؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے ساتھ ساتھ قمر بنی ہاشمؑ جناب عباسؑ غازی میدان کے قریب تک چلتے رہے۔ قاسمؑ کا جہاد شروع ہو گیا عباسؑ ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو کر شہزادے کو ہدایات دیتے رہے:۔

"بیٹا! باگ سنبھال کے رکھنا۔

"شہزادے! تلوار مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔

بہر نوع۔ شہزادہ لڑتا ہوا فوجوں کے بیچ میں چلا گیا۔ اور اس ہنگامۂ دار الگیر میں گھوڑے سے گرا۔ قاسمؑ کے گرنے کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ ہر گرنے والے نے امامؑ کو پکارا "مولا! میں گر گیا"...... مگر قاسمؑ کے بچپن کی ادا یہ تھی کہ جب یہ گرا ہے تو مولا کو نہیں پکارا بلکہ گرتے ہی کہا......" اماں۔ میں گر گیا" حسینؑ لاشہ پہ پہنچے" بیٹا قاسمؑ! مجھے معاف کرنا۔ میں ذرا دیر میں پہنچا ہوں۔

" بیٹا! تیری میت تو اٹھانے کے قابل نہیں"

امام زمانؑ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:۔

" میرا سلام ہو اس شہید پر جسکی داہنی طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے بائیں طرف آگئیں اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے دائیں طرف آگئیں"

گویا اتنا نازک شہزادہ زندگی ہی میں گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو گیا۔ امامؑ نے لاشے کے ٹکڑے عبا میں رکھے اور لا کر گنج شہیداں میں علی اکبرؑ کی لاش کے ساتھ گٹھری رکھ دی اور دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھے۔

ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ علی اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے حسینؑ نے بلند آواز میں کہا۔ " وَ غربتا "

" یا اللہ ! میں غریب ہو گیا " ـــ [illegible]یرا اکبرؑ رہا نہ میرا قاسمؑ رہا "

سامعین !

کربلا معلیٰ میں مہدی نامی ایک ذاکر تھے۔ وہ روزانہ حرم میں آتے اور صبح کی نماز کے بعد مولاؑ کی ضریح کے پاس کھڑے ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مجلس پڑھا کرتے۔ لوگ روتے رہتے۔ یہی گویا نماز کے بعد وہاں کا وظیفہ تھا۔ ایک دن مجلس میں انہوں نے یہ مضمون پڑھا کہ ـــــ جب قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے اٹھا کر حسینؑ گنج شہیداں میں لائے۔ ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں پر رکھ کر حسینؑ نے بلند آواز میں فرمایا :۔

" وَ غربتا " " یا اللہ ! میں غریب ہو گیا "

کربلا کا حرم ۔ مہدی کا پڑھنا ۔ صبح کا وقت ۔ بڑا گریہ ہوا ۔ اس کے بعد لوگ گھر چلے گئے اور مہدی بھی اپنے گھر چلا گیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک برقعہ پوش خاتون گھر میں آئی اور مہدی سے فرماتی ہیں۔

" شیخ مہدی ! تو نے آج جو روایت حرم میں پڑھی ہے نا ۔ پھر دوبارہ کبھی نہ پڑھنا "..... مہدی پوچھتا ہے " بی بی ! کیا یہ روایت غلط ہے ؟ "

بی بی نے فرمایا " نہیں ۔ صحیح ہے ۔ مگر جب سے تم نے یہ روایت پڑھی ہے اس وقت سے میرا حسینؑ بے ہوش پڑا ہے "

اللہ ہماری مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ ط

احسن القصص



خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

محترم سامعین!

آج کے پُر آشوب زمانے میں جہاں آج کل کی نئی پود دین کی اقدار سے بے گانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اب بھی ہمارے دل میں اور کچھ ہو یا نہ ہو مودّت آلِ محمدؐ ضرور ہے۔ آلِ محمدؐ کی محبت نہ یونیورسٹیوں میں پڑھنے سے ملتی ہے۔ نہ کالجوں میں داخلے سے ملتی ہے، نہ کتابیں پڑھنے سے ملتی ہے اور نہ ہی دولت سے خریدی جا سکتی ہے بلکہ یہ وہ نعمت ہے جس کیلئے اللہ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے:۔

(" یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جس ظرف کو اس قیمتی شے کے قابل سمجھتا ہے اسے اس ظرف میں رکھ دیا جاتا ہے ")

آلِ محمدؐ کی محبت چونکہ بڑی قیمتی شے ہے اس لئے اتنی ہی زیادہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ چاروں طرف سے یلغار ہے اور یہ بہترین ہیرا ہمارے پاس ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چور یا ڈاکو ہم سے یہ قیمتی ہیرا چھین لے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی بڑی ضرورت ہے۔

سامعین!

محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اور اگر محبت کی جائے تو وہ اظہارِ محبت ہے جسے "نفاق" کہتے ہیں۔ اب اگر پوچھو کہ محبت کیوں ہو جاتی ہے؟۔ اگر محبت کرنے والا "کیوں" بتا دے تو سمجھو اسے محبت ہی نہیں ہے

ورنہ محبّت والے کو "کیوں" معلوم ہی نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا اپنا دل ہے۔ جدھر آگیا۔ آگیا۔ اس میں جھگڑنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ کسی کو تخت پر بیٹھنے والے سے محبت ہو گئی۔ کسی کو بوریا نشینوں سے محبت ہو گئی۔ کسی کو قید کرنے والوں سے محبت ہو گئی اور کسی کو قید ہونے والوں سے محبت ہو گئی گویا جس کا دل جہاں مائل ہو گیا۔ محبّت ہو گئی۔ محبّت ہو جانے کے بعد محبت کرنے والے کو ہوش تک نہیں رہتا۔ چنانچہ عالم بے ہوشی میں ظہورِ محبت ہوتا ہے۔ مثلاً کپڑے پھٹ گئے۔ گریبان چاک ہو گیا۔ دیکھنے والے ہنسنے لگے اور کہنے لگے "یہ تو پاگل ہے، دیوانہ ہے" گویا دیوانگی ہی کمالِ محبت ہے۔

میرے سامعین!

محبت کی قسمت میں دو چیزیں لازمی ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ ادھر محبت ہوئی اُدھر محبت نہ کرنے والوں کو محبت کرنے والے سے خلش ہو جاتی ہے۔ بلاوجہ کا اعتراض شروع ہو جاتا ہے جس طرح محبت کے ساتھ اگر ایک گھوڑا نکل جائے تو ہزاروں اعتراض کئے جاتے ہیں اور اگر ریس میں ہزاروں گھوڑے دوڑتے ہوں تو کوئی نہیں پوچھتا۔

سامعین! ——— اللہ جانے میں نے تو ریس دیکھی نہیں ہے۔ سُنا ہے کہ دس بیس گھوڑے ایک لائن میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ایک آدمی کے ہاتھ میں رومال ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے۔

"ایک" گھوڑے تیار ہو گئے

"دو" اب انہوں نے پاؤں اُٹھا لیئے

"تین" وہ گھوڑے دوڑ پڑے۔

میں پوچھتا ہوں "بات کیا ہے؟ تم نے کبھی پانچ کہہ کے نہیں دوڑائے چار کہہ کے نہیں دوڑائے۔ جب بھی دوڑاتے ہو "تین" ہی کہہ کر دوڑاتے ہو۔ آخر اس عدد کی خصوصیّت کیا ہے؟

بہرنوع۔ محبت پہ اعتراضات ہوتے ہیں۔ اور محبّت کرنے والے میدانِ

محبت میں اپنا سفر جاری رکھتے ہیں ۔ پرانے زمانے کا قصہ ہے جسے قرآن نے بھی احسن القصص قرار دیا ہے کہ جناب یوسفؑ سے زلیخا کو محبت ہو گئی ۔ اب اس محبت میں رات بھر آہیں بھرتی ہے تو زلیخا؛ پریشان ہے تو زلیخا! ۔ مگر مصر کی رہنے والی ساری عورتیں کہہ رہی ہیں کہ " زلیخا کو کیا ہو گیا ہے ۔ زلیخا کو یوسفؑ سے محبت کیوں ہے " ؟ ــــــــ

اب اُن سے کوئی پوچھے " تمہیں کیا تکلیف ہے "

بہر نوع ۔ زلیخا بھی روز سُنتی کہ میری محبت پہ اعتراض ہو رہا ہے ۔ حاکم وقت تھی ۔ غصہ تو بڑا آیا مگر اس نے کہا " غصے سے کام نہیں چلے گا ۔ پہلے ان اعتراض کرنے والوں کو گھر بلاؤ اور زبر کا ان کے کھانے کا انتظام کرو اور جب وہ سب آجائیں تو پہلے انہیں کھلاؤ ، پلاؤ ۔ پھر اُن سے کہو " آپ کو کیا اعتراض ہے " ۔ اب وہ اپنا اعتراض بیان کریں گی ۔ پھر جس سے آپ کو محبت ہے ۔ جن اداؤں کو آپ پسند کرتے ہیں ۔ انہیں بھی دکھاؤ ۔ پھر دیکھنا وہ محبت میں تمہارے ساتھ شامل ہوتی ہیں یا نہیں " چنانچہ زلیخا نے یہی طریقہ اختیار کیا ۔ گھر میں دعوت کا انتظام کیا اور تمام اعتراض کرنے والی مصر کی عورتوں کو اکٹھا کر لیا ۔ اُن کو کھلایا پلایا ۔ آخر مصری تھیں میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھیں ۔ جب وہ سب کھانا کھا چکیں تو زلیخا نے انہیں ایک ایک لیموں دے دیا اور ایک ایک چھُری بھی ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا ۔

" دیکھو ۔ اس چھُری سے لیموں کو اس وقت کاٹنا جب تک یوسفؑ تمہارے سامنے نہ آجائے "

اب وہ تمام عورتیں اس انتظار میں بیٹھی ہیں کہ یوسفؑ کب آتے ہیں ۔ تھوڑی دیر بعد زلیخا نے اِدھر سے اشارہ کیا اور اُدھر کمرے کا پردہ اٹھا ۔ یوسفؑ باہر نکلے ۔ ایکدم بجلی چمکی اور چھُریاں چل گئیں ــــــــ یوسفؑ کو دیکھتی رہ گئیں اور بے ساختہ اُن کے منہ سے نکلا " ہم غلطی پر تھیں ۔ یوسفؑ واقعی محبت کرنے کے قابل ہے " ۔

بہر نوع ۔ یوسفؑ واپس چلے گئے ۔ اور وہ عورتیں بھی اپنے اپنے گھروں میں

چلی گئیں۔ جب وہ گھر پہنچیں جب پتہ چلا کہ "ہماری تو انگلیاں کٹ چکی ہیں"۔
ہم نے پوچھا، "عورتو! وہاں تمہیں کیوں نہ پتہ چلا کہ تمہاری انگلیاں کٹ چکی ہیں؟"
وہ جواب میں کہتی ہیں "محبت کے لگائے ہوئے زخموں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ زخم نہ کسی ڈاکٹر کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی طبیب کے محتاج ہوتے ہیں۔"
میں کہتا ہوں "مصر کی عورتو! تم خوش نصیب ہو۔ نہ ہوا ہمارے زمانے کا کوئی مفتی! ورنہ فتویٰ لگا دیتا کہ اپنے جسم کو زخمی کرنا حرام ہے۔"
مگر یہ پتہ نہیں کہ جمال محبت میں محو ہو کر اپنے بدن کو زخمی کر لینا ہی احسن القصص ہے۔ اللہ کی نظروں میں حسین ترین قصہ ہے۔"

سامعین!

اپنے اپنے یوسفؑ کا اقبال ہے۔ کسی یوسفؑ کا حسن اس حد کا ہے کہ وہ بذاتِ خود سامنے آئے تو چند عورتوں کی انگلیاں کٹ جائیں اور کوئی یوسفؑ اتنا حسین ہے کہ صرف اس کے تذکرے سے کروڑہا انسان اپنا جسم چھلنی کر دیتے ہیں۔ بہر نوع۔ یہ اپنا اپنا اقبال ہے۔

دوسری خاصیت یہ ہے کہ آپ کو جس سے محبت ہو جائے کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ آپ کو تو اس سے محبت ہو مگر اسے آپ سے محبت نہ ہو۔ اُسے بھی لازماً آپ سے محبت ہو گی۔ محبت ہمیشہ طرفین سے ہوتی ہے۔ غریب کو امیر سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ رعایا کو بادشاہ سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ ایک گدا کو قیصر سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ یہ اور بات ہے کہ اظہار نہ ہو سکتا ہو۔ مگر محبت ہوتی ہے۔ محبت کرنے والا آپ کی کسی زحمت کو بھی برداشت نہیں کرے گا ——— مگر شرط یہ ہے کہ ہو واقعی اور حقیقی محبت!

سامعین ——— ! مصیبت یہ بن گئی ہے کہ جس دنیا میں ہم ہیں اس میں بغیر کسی لالچ، طمع یا غرض کے کوئی محبت ہے ہی نہیں۔ ایسی

محبت تو صرف اظہار محبت ہے۔ مثلاً ہم کسی ٹیکسی میں بیٹھے۔ ڈرائیور "جی حضور" کہہ کر استقبال کرے گا۔ ہم آپ کے لئے کھڑے ہیں۔ ہم آپ کے نوکر ہیں۔ پانچ روپیہ لینا ہیں"
ہم نے کہا "بھئی، دو روپے لے لے"
ڈرائیور کے تیور فوراً بدل جائیں گے۔ "آگے بڑھو میاں۔ کبھی ٹیکسی میں بیٹھا بھی ہے" اور اگر ہم نے حسب منشاء پیسے دے دیئے تو کہے گا "آپ حضور ہیں۔ آپ سرکار ہیں"
بہر نوع۔ ایسی محبت لالچ اور غرض کی محبت ہے جسے ہم غلطی سے محبت سمجھ بیٹھے۔

ایک ہوتی ہے "ڈر کی محبت"! جس طرح ایک رعایا کو اپنے حاکم سے محبت ہوتی ہے۔ "جناب آپ جیسا حاکم تو کوئی آیا نہیں۔ آپ تو بڑے عادل ہیں۔ ہم لوگ آپ کے بڑے اطاعت گذار ہیں ——" اور جب بدل گیا تو فوراً "کہدیا، اچھا ہوا۔ نامراد دفع ہوگیا۔ بڑا راشی تھا" ایسی محبت ڈر کی محبت ہے۔
تیسری محبت ہے وقتی اور فوری محبت! جس طرح ریل کے ڈبے میں مسافروں کی آپس میں محبت ہو جاتی ہے۔ اور جب اپنا اپنا اسٹیشن آتا ہے تو ہر مسافر محبت کو ساتھ لیکر اترتا جاتا ہے۔ بعد میں یاد ہی نہیں رہتا کہ وہ کون تھا۔ گویا دوران سفر کی محبت بالکل "غیر معتبر" ہوتی ہے ——

لہٰذا ایسی محبتوں کا میں ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ واقعی اور سچی محبت ہو تو کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ دوسرے کو بھی آپ سے محبت نہ ہو جائے۔ گویا محبوب جتنا ہی شریف ہوگا۔ اتنا ہی آپ کے چاہنے کی قدر کرے گا۔

میرے سامعین!

اگر واقعاً آلِ محمدؐ سے ہمیں محبت ہے تو آلِ محمدؐ کو بھی ہم سے زیادہ ہم سے محبت ہے۔ ہم تو اتنی محبت کر ہی نہیں سکتے جتنی وہ ہم سے کرتے ہیں۔ وہ

فرماتے ہیں "ہمارے چاہنے والو! ہمیں تم سے بڑی محبت ہے"۔ گویا دنیا کے پیرو مرشد کی بات اور ہے اور ہمارے ان محبوب پیشواؤں کی بات اور ہے۔ دنیا آج چاہے تو آزما کے دیکھ لے سب پیر تو دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی پیرو مرشد ضرور ہے۔ جس طرح ایک شخص، پیر صاحب کی بیعت کرتا ہے "پیر صاحب! آج سے آپ میرے پیر ہیں اور میں آپ کا مرید ہوں؛ فرمایئے، میرے زمہ کیا کام ہے؟"

پیر صاحب فرماتے ہیں "تیرے زمہ کام یہ ہے کہ جب تنخواہ ملا کرے تو اس کا اتنا حصہ مجھے دیا کرنا۔ جب میرے سلام کو آیا کرے تو اتنا نذرانہ لایا کرنا۔

مرید پوچھتا ہے "پیر صاحب! کبھی میرے گھر میں تشریف لاؤ گے؟"

"ہاں آؤں گا۔ جب تیرے بیٹے کی شادی ہو گی یا تیرے گھر کوئی خوشی ہو گی، اور دیکھو! ایک کام تمہارے ذمہ اور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب میرا نام لیا کرے تو "رحمۃ اللہ عنہ" کہہ دیا کرنا تاکہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے"۔

اب مرید بیچارہ سوچتا ہے کہ پیر میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اس کی ہزاروں خدمتیں کروں گا جس کی بدولت اللہ مجھ سے راضی ہو گا مگر مصیبت یہ بن گئی ہے کہ اپنے پیر سے اللہ کو راضی کرنا بھی مرید کے ذمہ پڑ گیا۔ بہر لنوع۔ پیر صاحب نے کہہ دیا کہ میں "جب آؤں گا جب تیرے گھر کوئی خوشی کی تقریب ہو گی" ــــــــ مگر میرے محبوب مرشدوں کو دیکھو! وہ ہر وقت اپنے چاہنے والوں کو نہیں بھولتے وہ تو یہ فرماتے ہیں "ہمارے چاہنے والو! گھبرانہ جانا ہم ہر وقت تمہارا لحاظ رکھتے ہیں"۔ ادھر ہم عرض کرتے ہیں:-

"مولا! ہم آپ کے چاہنے والے ہیں۔ ہمیں محبت کا تو پورا دعویٰ نہیں ہے مگر اتنا دعویٰ ضرور ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ یہ امتحان آپ جب چاہیں ہم سے لے سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں"

چنانچہ آل محمدؐ فرماتے ہیں "ہمارے چاہنے والے! ہم ضرور آئیں گے

جب تیرے گھر خوشی ہوگی جب بھی چاہے بُلا لینا اور جب تجھ پر کوئی مشکل آپڑے تو جب بھی ہمیں بُلا لینا۔ اور دیکھو! اگر تجھ میں بُلانے کی طاقت نہیں رہے گی۔ تیرا نزع کا وقت ہوگا جو سخت مشکل ہوگا وہاں تیرے بن بلائے ہم آجائیں گے تیرے سرہانے آجائیں گے۔ فکر نہ کر۔ گھرا نہیں ہم ہر منزل پہ تیرا ساتھ دیں گے۔ کسی فرشتہ کی طاقت نہیں کہ ہمارے ہوتے ہوئے تجھ سے کچھ پوچھ جائے"۔ یہ بات میرے مولا نے کوفہ کے منبر پہ بیٹھ کر فرمائی تھی کہ:

"اُس وقت تک کوئی مر ہی نہیں سکتا جب تک میں سرہانے نہ آجاؤں"

سامعین!

مولا جب یہ فرما چکے تو ہمدان کے رہنے والے حارث نامی آدمی نے سوال کیا "مولا! وہ مرنے والا چاہے مومن ہو یا کافر"؟

فرمایا "ہاں۔ میں ہر مرنے والے کے سرہانے آتا ہوں اور آکے کہتا ہوں۔ سلامٌ علیکم۔ میں آگیا۔ تو نے ساری زندگی تکلیفیں اٹھائیں۔ لوگوں کے طعنے سُنے۔ تجارت میں۔ ملازمت میں۔ ہر جگہ نقصان اٹھایا۔ مگر میرا دامن نہ چھوڑا میں بے وفا نہیں ہوں۔ اب میں آگیا ہوں۔ اب تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں"۔ چنانچہ میری اس بات سے مومن اتنا خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان بطور نذرانہ مجھے پیش کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں مومن کو مرنے نہیں دیتا بلکہ اسے کہتا ہوں "میرے چاہنے والے! میں نے تجھے حیاتِ جاوید بخش دی۔ اب تو میرے ساتھ رہے گا"۔ اور جب میں منافق کے سرہانے آتا ہوں کہتا ہوں "مجھے پہچانا۔ میں آیا ہوں۔ وہ نہیں آئے۔ ساری عمر مجھ سے باغی رہنے والے! اب بول کہاں جائے گا؟ بس میرا اتنا کہنا کہ وہ مرجاتا ہے"۔

پھر اُس حارث ہمدانی نے پوچھا "مولا! کیا مومن نہیں مرتا؟

فرمایا "نہیں۔ تم قبرستان میں جا کر دیکھو۔ جب میرے چاہنے والا مرتا ہے تو اُسے قبر میں لٹا کر کہا جاتا ہے۔ "سن اور سمجھ"

یہ کہیں مُردوں سے کہا جاتا ہے ؛ بلکہ یہ تو اُن سے کہا جاتا ہے جو زندہ ہوں "

حضور والا !

لُطف یہ ہے کہ ساری زندگی تو عربی کا ایک حرف نہ سیکھا مگر مرتے ہی ایسے علامہ ہوگئے کہ عربی میں بات ہو رہی ہے۔

"سُن اور سمجھ" اس لئے کہ مرتے دم اس کے سرہانے علم کے شہر کا در کھُل گیا تھا بہر نوع - ہمارے پیشوا ہر مشکل میں ہمارا لحاظ رکھتے ہیں۔

سامعین ! ________ بعض اوقات ہمیں غصّہ بھی آ جاتا ہے چونکہ ہمارے ظرف تھوڑے ہیں اس لئے مولٰا سے کہہ بیٹھتے ہیں۔

"مولا ! اپنے دشمنوں کے پکارنے پہ نہ آیا کرو - یہ نامراد ساری زندگی تو ہمیں تنگ کرتے ہیں مگر جب مصیبت پڑتی ہے تو آپ کو پکارتے ہیں - لہٰذا آپ نہ آیا کریں "

مولا جواب میں فرماتے ہیں "بیٹا - صبر کرو - دیکھو نا ! ہم نے کب اعلان کیا ہے کہ ہم "عیش کشا" ہیں ؛ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم "راحت کشا" ہیں ؛ - راحت و عیش میں وہ جسے چاہیں بُلا لیں - ہمارا تو اعلان ہی یہی ہے کہ ہم "مشکل کشا" ہیں گویا جس پہ مشکل پڑ جائے وہ ہمیں پکار لیا کرے - ذرا انہیں بھی بلانے دو - وہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی کو بُلایا تھا -"

محترم سامعین !

امیرالمومنین کا فرمان تو آپ نے سن لیا - اَب "مناقب شعرا" کی ایک روایت سماعت فرمایئے گا۔

روایت میں ہے کہ جناب سیدہ طاہرہؑ فرماتی ہیں کہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ہر مرنے والے کے سرہانے اس لئے آتے ہیں کہ بحثییت "ولی اللہ" اُن کا یہ ولایت میں شامل ہے - لہٰذا وہ اپنے عہدے کے اعتبار سے تشریف

لاتے ہیں ـــــــــ مگر یاد رکھو! جب میرے بیٹے کا عزادار مرتا ہے تو اُسکے سرہانے میں بھی آتی ہوں۔ میری کرسی بچھادی جاتی ہے۔ میں آ کے بیٹھ جاتی ہوں اور مرنے والے سے کہتی ہوں۔

"مرنے والے! تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ تجھے کچھ اذیت تو نہیں ہے؟ تو میرا محسن ہے۔ تو نے میرے بیٹے کی صفِ ماتم بچھائی ہے۔" اور جب ملک الموت آتا ہے تو وہ چالیس قدم کے فاصلے پر ٹھہر کر امیرالمومنینؑ سے عرض کرتا ہے:۔

"مولا! میں آگے نہیں آسکتا۔ یہاں تو حضور مکرمہ عالم تشریف فرما ہیں۔ میری کیا مجال جو میں قریب آجاؤں" چنانچہ جناب سیدہ فرماتی ہیں "ملک الموت! تم آسکتے ہو" ملک الموت سہما ہوا آتا ہے اور کہتا ہے۔

"بی بیؑ! میں اس کی رُوح ختم کرنے آیا ہوں"

بی بیؑ فرماتی ہیں "ہاں۔ ہمیں پتہ ہے کہ تم اس کی روح قبض کرنے آئے ہو"

"بی بیؑ! پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟ اس کے دہن سے قبض کرلوں؟"

آپ فرماتی ہیں "نہیں" دہن کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس سے تو ہزاروں مرتبہ نکلا ہے: "ہائے حسینؑ" پھر ملک الموت پوچھتا ہے "بی بی! اس کے سینے سے اس کی رُوح قبض کرلوں؟

بی بیؑ فرماتی ہیں "ملک الموت! پھر تو نے سینے کا نام لیا۔ دیکھتا نہیں کہ اس پہ ماتم کا نشان ہے؟"

اب ملک الموت کہتا ہے "بی بیؑ! اس کی آنکھوں سے" بس آنکھوں کا نام لینا تھا کہ بی بیؑ کو جلال آگیا اور فرماتی ہیں "اس کی آنکھیں تو ہزاروں مرتبہ میں نے اپنے رومال سے صاف کی ہیں"

آخر ملک الموت حیران ہو کے پوچھتا ہے "بی بیؑ! پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" سیدہؑ طاہرہ فرماتی ہیں "ملک الموت! تم جنت میں جاؤ۔ اور فلاں درخت جو ہے۔ اس کا پھول لے آؤ" چنانچہ ملک الموت پھول لاتا ہے۔ اب بی بیؑ فرماتی

ہیں۔ "اسے مرنے والے کو سنگھا دو" گویا اس کی روح خوشبو بن کے اُس پھول میں سما جاتی ہے۔

اَب سیّدہ فرماتی ہیں "ملک الموت! اسے جاؤ اس پھول کو اور قیامت کے دن اسے میرے سامنے پیش کرنا کیونکہ میرے بیٹے کا عزادار تھا"

بہر نوع ہر مشکل میں محمّد و آل محمدؐ تشریف لاتے ہیں اور ہماری نصرت فرماتے ہیں۔

حضرات گرامی!

قیامت کے روز ساری دنیا اکٹھی ہو گی۔ جہاں تک روایتوں میں موجود ہے کہ حکم ہو گا "قیامت والو! سر جھکا کے آنکھیں بند کر لو" چنانچہ سب آنکھیں بند کر لیں گے سر جھکا لیں گے۔ سانس تک رُک جائے گی۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے "کیا بات ہے؟" فرشتے جواب دیں گے "خاموش رہو۔ خاتونِ قیامت تشریف لا رہی ہیں" چنانچہ سیدہؑ طاہرہ کی سواری گذرے گی۔ انبیاءؑ اولیاءؒ سب سر جھکائے خاموشی سے کھڑے رہیں گے۔ بی بیؑ عرش الٰہی پر پہنچ کر فرمائیں گی۔

"خداوندا! آج تیری عدالت کا دن ہے۔ میں زندگی میں دوسری دفعہ عدالت میں آئی ہوں۔ ایک دفعہ دنیا کی عدالت میں گئی تھی۔ آج تیری عدالت میں آئی ہوں۔ میرے اللہ! آج تجھ سے فریاد کرنے آئی ہوں کہ:۔

"میرے گھر میں ایک دن میں بہترؒ قتل ہو گئے۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ آج پہلی دفعہ میرا استغاثہ ہے، میری فریاد ہے"

ادھر سیدہؑ طاہرہ نے فریاد کی اُدھر زلزلہ قیامت آ گیا۔ روایت میں ہے کہ ابراہیمؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر قیامت کے خوف سے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جائیگا اتنی ہولناکی ہو گی۔ آخر تمام انبیاءؑ لرزتے ہوئے خاتم انبیاءؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

"محمّد! خدا کے لئے ہماری خبر لیجئے۔ سیدہ نے شکایت کر دی ہے۔ اللہ کو جلال آ گیا" چنانچہ رحمت اللعالمینؐ اپنی ذریت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

اور سیدہ کے سر پہ ہاتھ پھیریں گے۔ سیدہ فرمائیں گی "ابا حضور ٹھہرو آج مجھے خدا سے فریاد کرنے دو"

سامعین!

یہاں تک تو آپ کی روائتیں ہیں۔ مگر جو میں اپنے تصور کی بات کہہ رہا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ممکن ہے عدالت الٰہی سے یہ حکم ہو جائے کہ:

سیدہ! تمہارا مقدمہ بجا ہے جس کا فیصلہ آج ہم سنائیں گے۔ مگر مثل کو مکمل کرنے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ کسی چشم دید گواہ کا بیان قلمبند کیا جائے ــــ ہے کوئی تمہارے اس مقدمے کا چشم دید گواہ۔؟

بی بی فرمائیں گی "خداوندا۔ اگر میرے بہتر شہیدوں کا آئینی گواہ چاہتا ہے تو چشم دید گواہ ہے میری بیٹی زینبؑ۔ چنانچہ عدالت الٰہی سے تمام حوران جنت کو حکم ہو گا کہ شام میں زینبؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ اماں نے عدالت میں مقدمہ کیا ہے اور تجھے گواہ کر کے بلایا ہے" چنانچہ حوریں جائیں گی۔ اور زینبؑ اسی طرح عدالت الٰہی میں تشریف لائیں گے جس طرح کوفہ و شام کے بازار میں آئی تھیں۔ سر کھلا ہوا۔ ہاتھ بندھے ہوئے اور زین العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے قیامت میں منادی ہو گی۔

"لوگو! ہٹ جاؤ۔ زینبؑ آ رہی ہے" ادھر ہم سب دکھ کر کھڑے ہو کر آوازیں دیں گے "ہائے حسینؑ، زینبؑ اپنی سواری روک لے گی اور بھائی عباسؑ کو حکم دے گی۔

"عباس بھائی! یہ میرے حسینؑ کے ماتم دار ہیں۔ ان سب کو میرے سامنے لاؤ۔ میں انکی زیارت کرنا چاہتی ہوں" چنانچہ ہم بی بی کے قریب ایک حلقہ میں کھڑے ہو جائیں گے۔ جناب عباسؑ غازی اپنے علم کا پھریرہ کھول دیں گے" ہائے حسینؑ" "ہائے حسینؑ" کی آوازیں بلند ہو جائینگی۔ ماتم شبیر شروع ہو جائے گا۔ پھر اچانک ایک غیبی آواز آئے گی ــــ "بس۔ قیامت ہو گئی ماتم داروں کو ایک طرف کر دو اور تماشائیوں کو ایک طرف کر دو"

اللہ ہمیں مودۃ محمدؐ و آل محمدؐ عطا فرمائے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

حسینؑ اور اسلام



خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود و سلام

سامعین کرام!

تم ایک ایسے دین کے ماننے والے ہو، تم ایک ایسے طریقے پہ چلنے والے ہو، تم ایک ایسے ضابطے کے پابند ہو۔ تمہارا ایک ایسا آئین ہے، تمہارا ایک ایسا دستور ہے تمہارا ایک ایسا نظام ہے۔ تم ایک ایسے آئین میں رہتے ہو کہ دنیا بھر کے آئین جسکو آئینہ دکھا کے شرما جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے دستور جس کے سامنے حسبِ دستور خاموش ہو جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے ضابطے جہاں آ کے ضبط ہو جاتے ہیں اور دنیا بھر کے عقل مندوں کو جہاں آ کے خبط ہو جاتا ہے۔ تم ایسے دین کے ماننے والے ہو۔

تمہارا دین! اللہ کا پہنچایا ہوا آخری دین۔ خدا کا کیا ہوا آخری کلام اللہ کا بھیجا ہوا آخری پیغام۔ خدا کی کی ہوئی آخری گفتگو۔ اللہ کی دی ہوئی آخری کتاب۔ اللہ کا کیا ہوا آخری خطاب

لہٰذا تمہارا دین وہ دین ہے کہ اس کے بعد اللہ خاموش ہو گیا۔ کلام کر کے جس کے بعد کلام ختم کر دیا۔ ایسے اچھے دین کے تم ماننے والے ہو! تمہارے دین کا نام ہے اسلام۔ تمہارا کام ہے دنیا کا انتظام۔ تمہاری ہستی ہے عالم کا اہتمام۔ تم ہو ساری کائنات کے امام۔ دنیا کی ہر شے ہے تمہاری غلام۔ تمہارا ایسا عجیب و غریب بے مثل و عزیز دین ہے

اسلام۔

محترم سامعین !

اگرچہ اسلام کی زندگی بڑی طویل ہے۔ آدم علیہ السلام نہ تھے اسلام تھا۔ کائنات کے ذرّے نہ تھے اسلام تھا۔ گویا اسلام کی زندگی بڑی طویل ہے مگر ہمارے سامنے اس آب و تاب کے ساتھ یہ اسلام عرب کی سرزمین سے آیا۔ مطلع عرب سے ایک آفتاب طلوع ہوُا اور اپنی کرنیں عالم میں پہنچائیں اسکی شعاؤں نے قرطبہ کی گھاٹیاں جگمگائیں ہندوستان کے گنگا اور جمنا کو سیراب کیا۔ اُس نے ریگستانوں کو سرسبز کیا۔ اُس نے بنجروں کو آباد کیا۔ اُس نے انسان کے بجھے ہوئے دل میں ایک نخلستان تازہ کیا۔ گویا عرب کی سرزمین سے ایک آفتاب اُبھرا۔ ایسا آفتاب کہ بے پڑھے لکھے جسے بے پڑھا کہتے ہیں۔ ان پڑھ جسے ان پڑھ کہتے ہیں اور اللہ جسے اُمی کہتا ہے۔ آج ہم اس آفتاب کا کلمہ پڑھتے ہیں اُسکے ہم غلام ہیں۔ اس کے نام کی بدولت ہم زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ اور محمدؐ رسول اللہ اُس کا نام ہے۔ بہرنوع۔ تم ایک دین کے ماننے والے ہو۔ اور وہ دین ہے اسلام جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ دنیا کی ہر شے اس میں موجود ہے گویا وہ تمہاری اپنی پسند ہے

دیکھو نا ! بڈھا، جوان، بچہ، کوئی ایسا ہے جسے پھول پسند نہ ہو۔ پھُول ایسی چیز ہے نا جس کو سب پسند کرتے ہیں۔ کیوں بچّو ! پھُول پسند ہے ؟ جوانو! پھُول پسند ہے ؟ جوانوں اور بچوں کے بعد میں سفید داڑھی والے بابا سے پوچھتا ہوں " بابا ! پھُول پسند ہے ؟ —— ادھر بابا ہے کہ پھُولا نہیں سماتا۔ گویا ہر ایک کو پھول پسند ہے۔ اب ہر ایک سے پوچھو کونسا پھُول پسند ہے ؟ جتنے نوجوان ہیں وہ کہیں گے " جناب۔ ہمیں تو دو پھول پسند ہیں۔ یا تو موتیا کا پھُول جس کی خوشبو شباب میں لطف پیدا کرتی ہے یا نرگس کا پھُول جس کو دیکھنے میں جوانی کا سواد آتا ہے۔ یہ تو نوجوان کی پسند ہے۔ اب ذرا بابا سے پوچھو " بابا ! تمہیں کون سا پھول پسند ہے ؟ "

بابا جواب میں کہے گا " مجھے گلاب کا پھُول پسند ہے۔ کیونکہ میں اس کا گلقند

بناتا ہوں ۔ لہٰذا مجھے پسند ہے ۔ اس کے بعد میں نے ایک بیچارے بھوکے سے پوچھا " بھئی تجھے کون سا پھول پسند ہے ؟

بولا " بھئی ، مجھے تو گوبھی کا پھول پسند ہے ۔ پیٹ بھر جاتا ہے "

بہر نوع ۔ ہر ایک کی اپنی اپنی پسند ہے ۔ اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے ۔ جسے آپ چاہیں پسند کریں ۔ جسے میں چاہوں پسند کر دوں ۔ کوئی جھگڑے کی بات تو نہیں ۔ جسے انبیاء چاہیں انبیاءؑ پسند کرلیں ۔ جسے اولیاء چاہیں اولیاء پسند کرلیں ۔ اور جسے مومنین چاہیں مومنین پسند کرلیں ۔ جسے بندے چاہیں ۔ بندے پسند کرلیں اور جسے اللہ چاہے اللہ پسند کرلے ۔ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے ۔ جو جس کو پسند آجائے سبحان اللہ ۔ بہر کیف ہمارا دین اسلام ہے جس میں دُنیا کی ہر شے ، ہر پسند موجود ہے ۔ اس دین کا تعارف کروانے کے لئے اللہ نے محمدؐ کا انتخاب فرمایا ۔ اور ہادیٔ اعظم نے ہمیں ہدایت کی ۔ ہم بُت پرست تھے ۔ خدا پرست ہو گئے ۔ ہم جاہل تھے ۔ عالم ہو گئے ۔ ہم گڈریے تھے ، پاسبان بن گئے ۔ ہم بے ایمان تھے ، صاحب ایمان بن گئے ۔ ہمیں کچھ نہ آتا تھا ، ہم سب کچھ جاننے لگے ۔ ہم شاگرد بھی نہ تھے استاد بن گئے ۔ گویا ہم نے عالم کی زِمام اپنے ہاتھ میں سنبھال لی ۔ دنیا کی حکومتوں کو الٹ پلٹ کیا ۔ قیصر و کسریٰ کے محل ہم نے پیروں تلے روند دیئے ۔ ایران کے دجلہ و فرات میں ہم نے گھوڑے دوڑا دیئے ۔ بحر ظلمات ہم سے کانپنے لگے ۔ زمین و آسمان ہم سے ڈرنے لگے ۔ فرشتے ہمیں سجدہ کرنے لگے ۔ اور یہ اسی کے بتائے ہوئے علوم کی طاقت ہے کہ آج کا انسان چاند پہ کمند پھینک رہا ہے یہ کچھ اسی کی بتائی ہوئی باتیں ہیں ۔ اب اسی بتانے والے نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ دین اسلام ہے ۔

اب اسلام کے بنانے والے نے اسلام کو پالنا شروع کیا ۔ اللہ نے اس کے ذمہ یہ لگا دیا کہ دو چیزوں کو ساتھ ساتھ پالو ۔ ایک دین ہے جسے اسلام کہتے ہیں ایک دین پناہ ہے جسے حسینؑ کہتے ہیں " دین کو بھی پالنا اور دین پناہ کو بھی پالنا "

چنانچہ محمدؐ نے پالنا شروع کیا اور پالنے کا انداز یہ تھا کہ دین محمد کے سینے میں پل رہا تھا اور دین پناہ محمدؐ کے سینے پہ پل رہا تھا۔ محمدؐ کے منہ سے الفاظ نکلتے تو وہ دین کی خوراک بنتے اور زبانِ محمدؐ سے جو دُودھ نکلتا وہ دین پناہ کی خوراک بنتا۔ گویا دین اور دین پناہ ایک ہی گھر میں پیدا ہوئے۔ ایک ہی باپ نے انہیں پرورش کیا۔ ایک ہی خاندان میں پلے اور جب جوان ہوئے تو دین کا نام ہو گیا اسلام اور دین پناہ کا نام ہو گیا حسینؑ گویا حسینؑ اور اسلام ایک گھر میں پیدا ہوئے۔ ایک ساتھ پلے۔ ایک ساتھ بڑھے۔ ایک ساتھ پروان چڑھے اور ایک ساتھ کھیلے۔

سامعین!

حسینؑ اور اسلام کے کھیلنے کا تمہیں ایک قصہ سنا دوں۔

ایک دن رسُولؐ کی مسجد میں اسلام تھا۔ اور رسُولؐ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ رسُولؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ اسلام کا کھیل تھا۔ رسُولؐ سجدے میں گئے اسلام بھی ــــــ سجدے میں تھا۔ اتنے میں اسلام نے دور سے اپنے بچپن کے ساتھی کو آتے دیکھا دیکھ کر اسلام مچل گیا "آؤ حسینؑ! کھیلیں" چنانچہ حسینؑ آ کے رسُولؐ کی کمر پہ بیٹھ گیا اب دونوں ساتھیوں نے کھیلنا شروع کر دیا۔ حسینؑ اور اسلام سجدے میں ہیں۔ دونوں اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ ادھر کھیل ختم ہوا ادھر حسینؑ اٹھ کر گھر چلے گئے۔

"اماں سلام"

"بیٹا! کہاں گئے تھے؟"

"اماں! مسجد میں گیا تھا۔ وہاں اسلام اور میرے نانا تھے"

"حسینؑ! پھر تم نے کیا کیا؟"

"اماں! میں اسلام کے ساتھ مل کے نانا سے کھیلتا رہا۔ نانا میری ناز برداری کرتے رہے"

"بیٹا! وہ کیسے؟"

"اماں! نانا سجدے بھی کرتے رہے اور مجھے بھی کمر پہ بٹھائے رکھا"

"بیٹا! آئندہ ایسا کھیل نہ کھیلنا تمہارے نانا کو تکلیف ہوئی ہوگی۔"
بس۔ یہ سُنکر حسینؑ کو جوش آگیا اور پورے بچپن کے لہجہ میں فرماتا ہے۔
"اماں! ...... میری بات سُن۔ اگر میرے کمر پہ بیٹھنے سے نانا کو تکلیف ہوئی ہے تو میں تیرے دُودھ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر سجدہ کا بدلہ نہ اتار دوں تو دُودھ نہ بخشئے گا۔ اور اماں سن! نانا نے سجدے سے سر اٹھا تو لیا تھا چاہے دیر سے اٹھا تھا۔ مگر میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب میں نے سجدے میں سر رکھ دیا۔ تو خود نہیں اٹھاؤں گا۔ قاتل اٹھا کر لے جائے تو لے جائے۔ میں نہیں اٹھاؤں گا۔"

بزرگانِ من!

جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کے بعد حسینؑ بھی یتیم۔ اسلام بھی یتیم۔ رسُولؐ کے گھر والے اسلام کو پال رہے تھے اور حسینؑ کو بھی پال رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد اتفاق ایسا بنا کہ اسلام مدینہ سے چل کر شام میں پہنچا اور شام کے راجہ نے اسلام کو جھوٹے فتوے، جھوٹی حدیثیں اور ملوکیت کی زہر پلا دی۔ اسلام کا سارا بدن زخمی ہوگیا اور جب بالکل زخمی ہو کے مرنے لگا تو اسلام نے آواز دی۔
"مددگار! میں مر رہا ہوں۔ کوئی ہے جو مجھے بچا لے؟"
اسلام کی یہ آواز مدینہ میں پہنچی اور حسینؑ نے سن لی۔ فرمایا:۔
"یہ کون ہمیں مدد کے لئے پکار رہا ہے؟"
اسلام نے عرض کی "حسینؑ! مجھے بچا لو۔ میں مر رہا ہوں مجھے یزیدیت نامی بیماری چمٹ گئی ہے"۔ ——— حسینؑ نے کہا "اسلام! فکر نہ کر۔ پرواہ نہ کر میں تیرا علاج کروں گا"۔ حسینؑ اٹھے۔ سیدھے گھر میں گئے۔ بہن کو دیکھا اور فرمایا۔
"زینبؑ! سُنتی بھی ہو۔ آج اسلام نے ہمیں مدد کے لئے پکارا ہے۔ ہم اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ زینبؑ! تم میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں بہن بھائی مل کے علاج کریں گے۔"

اور بہن کو دیکھو! ——— " اگر اسلام کو خون کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کرونگا۔
اور اگر پٹی باندھنے کی ضرورت پڑی تو تمہاری چادر کام آئے گی۔ چلو دونوں بہن بھائی مل کے اسلام کا علاج کریں "

حضور والا!

دونوں بہن بھائی چل پڑے۔ جتنی مناسب دوائیں تھیں حسینؑ نے سب ساتھ لے لیں۔ اور کربلا کے جنگل میں جا پہنچے۔ دیکھا کہ اسلام کو ہزاروں کیڑے چمٹے ہوئے ہیں۔ بس طبیب اعظم نے وہیں ڈیرے لگا دیئے۔ دو محرم سے لیکر ساتویں تک اپنی دواؤں کو ٹھیک کرتا رہا۔ ساتویں سے اتنا مشغول ہوا کہ نہ کھانے کی فرصت رہی نہ پینے کا ہوش رہا۔ آخر دسویں کی رات کو اندھیرا کر کے اپنے سامنے جو ناقص دوائیں تھیں وہ نکال دیں۔ اور جو قابل تھیں وہ رہنے دیں۔ صبح کو اسلام کا علاج شروع ہو گیا
حسینؑ نے کہا "بہن! یوں کرو۔ تم گھر میں بیٹھو، میں باہر بیٹھتا ہوں۔ میں باہر سے آواز دوں گا۔ اور تم مجھے وہ دوا بھیجتی رہنا" چنانچہ بہن خیمے کے اندر بیٹھ گئی اور بھائی خیمے سے باہر۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے آواز دی۔
"زینبؑ! مجھے اکبرؑ چاہیئے" زینبؑ نے سجا کر باہر بھیج دیا۔ تھوڑی بعد پھر آواز آئی۔
"بہن! مجھے قاسمؑ چاہیئے" زینبؑ نے سجا کے بھیج دیا۔ گویا یہ دوا کی شیشیاں تھیں جو حسینؑ استعمال کر رہا تھا۔ دوا اسلام کو پلا دیتا تھا اور خالی شیشی جا کے اٹھا لاتا تھا۔ حسینؑ نے جب ستّر دوائیں اسلام کو پلا دیں تو اسلام بالکل تندرست ہو گیا۔
اسلام تروتازہ ہو گیا۔ حسینؑ گھر آئے۔

"بہن! مبارک"

"حسینؑ! خیر مبارک"

"بہن میری ساری دوائیں کام آگئیں۔ اسلام بالکل ٹھیک ہو گیا" مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ اسلام کو کل کوئی اور نہ مار دے لہٰذا میں اب اسلام کو تھوڑا

سا آبِ حیات نہ پلا دوں تاکہ وہ کبھی مرنے نہ پائے "۔

زینبؑ نے کہا "حسینؑ! میرے پاس تو دو ہی زمرد تھے جو ختم ہو گئے"

قاسمؑ کی ماں تمہارے پاس؟

"مولا! میرے پاس تو ایک ہی لعل تھا۔ ختم ہو گیا"

اکبرؑ کی ماں تمہارے پاس؟

"حسینؑ! میرے پاس تو ایک ہی شب چراغ تھا۔ ختم ہو گیا"

چنانچہ جب کہیں سے آبِ حیات کی آواز نہ آئی تو کونے میں سے ایک آواز آئی ——— "حسینؑ! آبِ حیات کی ایک چھوٹی سی شیشی میرے پاس ہے۔

حسینؑ! تیرے اسلام کے کام آئے تو لے جاؤ"

چنانچہ حسینؑ آبِ حیات کی شیشی کے قریب پہنچے۔ گود میں لیا۔ دو قدم چلے سامنے ربابؑ آگئیں۔

"حسینؑ! یہ بچہ مجھے واپس کرو"

ربابؑ اپنے بچہ کو لیکر خیمے میں آگئیں۔ تھوڑی دیر بعد اصغرؑ کو گود میں اٹھائے سکینہؑ کی انگلی پکڑے رباب خیمے سے باہر نکلی اور عرض کی

"حسینؑ! کرسی پہ بیٹھو۔ زینبؑ! تم بھی سامنے کرسی پہ بیٹھو" جب دونوں بہن بھائی کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو ربابؑ سامنے آکھڑی ہوئیں اور عرض کی:۔

"فاطمہؑ کے بیٹے اور فاطمہؑ کی بیٹی! میں غیر خاندان کی ہوں۔ تمہارے خاندان نے مجھے یہ شرف بخشا اور خدا نے مجھے یہ تحفے دیئے۔ ایک سکینہؑ۔ ایک اصغرؑ۔ مجھے پتہ ہے کہ تھوڑی دیر میں بیوہ ہو جاؤں گی۔ اور تمہاری امانت کی حفاظت نہیں کر سکوں گی۔ لہٰذا میں ابھی تمہاری امانت تمہارے سپرد کرتی ہوں"

ربابؑ نے یہ کہہ کے سکینہؑ، زینبؑ کی گود میں بٹھا دی اور اصغرؑ حسینؑ کی گود میں اور اتنا فرمایا۔

"بیٹی سکینہؑ! تو جانے اور زینبؑ جانے۔ بیٹا اصغرؑ! تو جانے اور حسینؑ جانے"

بس بھائیو!

زینبؑ نے سکینہؑ کو سینے سے لگالیا اور حسینؑ نے اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھالیا۔
مولاؑ ابھی دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ ربابؑ نے آواز دی " حسینؑ! ذرا ٹھہرنا"
حسینؑ ٹھہرے۔ ربابؑ پہنچی۔ اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھایا اور اتنا فرمایا:۔
" علی اصغرؑ بیٹا! تو حجتِ خدا کا پوتا ہے۔ تو فاطمہؑ کا پوتا ہے میں غیر خاندان کی ہوں۔ میرے لعل میدان میں جا کے میرے دودھ کو بدنام نہ کرنا"
میرے لعل! میں دروازے میں کھڑی تمہارا جہاد دیکھوں گی۔
جاؤ میرے لعل! خدا حافظ"
ادھر ربابؑ علی اصغرؑ سے یہ کہہ رہی تھیں ادھر بچہ بول تو سکتا نہیں تھا، آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا۔
" اماں! فکر نہ کر۔ ذرا مجھے میدان میں جانے دو۔ اگر دشمن سے نہ کہلوا دوں کہ میں حیدرِ کرار کا پوتا ہوں تو مجھے دودھ نہ بخشنا"
سامعین! حسینؑ، اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھائے ایک ٹیلے پہ کھڑے ہو گئے۔ اُدھر سے تیر چلا اِدھر سے ربابؑ نے خیمے کے دروازے سے دیکھا اور سمجھ گئیں کہ اصغرؑ آرام سے لیٹا ہے گا تو تیر اصغرؑ کے اوپر سے گذر کر حسینؑ کو لگ جائیگا۔ چنانچہ فوراً وہیں سے آواز دی۔
" اصغرؑ بیٹا! ہوشیار۔ حسینؑ کو تیر نہ لگنے پائے" فتعلب لعبیٗ علی یدیہ"
اصغرؑ لیٹا تھا اٹھ کے بیٹھ گیا۔ تیر گلے پر لگا اور اصغرؑ تیر کھاتے ہی ماں کی طرف دیکھ کے مسکرایا گویا کہہ رہا تھا ———— " اماں! اب تو خوش ہے نا؟
حسینؑ نے آبِ حیات چلّو میں لیا۔ کچھ اسلام کے کام آیا۔ کچھ چہرے پہ مل لیا۔
اور خالی شیشی کو دفن کر دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام کو زندہ کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

نھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

سیّدُ السّاجدین

دمشق کا راجہ ظلم و استبداد اور ملوکیت کے تخت پہ شراب کے نشے میں چور بیٹھا ہوا ہے ہزاروں لاکھوں ذمہ دارانِ مذہب اُسے جی حضور، جی سرکار کہہ رہے ہیں۔ ہزاروں مقدسین دین اپنی ریش سے وہاں جاروب کشی کر رہے ہیں۔ لاکھوں محدثین و مقربین حکومت کی چوکھٹ کے پائے پکڑے ہوئے ہیں اور علیؑ ابن الحسینؑ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق پہنے سامنے کھڑا ہے۔ بچے دم بخود ہیں۔ محمدؐ کی بیٹیاں اور علیؑ کی بہوئیں عالم سکتہ میں ہیں کہ اچانک تخت یزیدیت پہ بیٹھنے والا ایک سفیر (حسینؑ کی چھوٹی بچی کی طرف اشارہ کر کے) یزیدؔ سے یہ کہتا ہے:

"یزیدؔ! جنگ میں قید ہو کر جو یہ لڑکیاں آئی ہیں ان میں سے اس بچی کو مجھے کنیزی میں دے دے۔"

اُدھر شامی کی یہ بات سن کر یزیدؔ نے بچی کی طرف دیکھا اِدھر بچی نے "ہائے" کہکر بھائی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بھائی جان! یہ کیا ہونے لگا؟"

امامؑ ابھی خاموش ہی تھے کہ علیؑ کی بیٹی آگے بڑھی اور فرمایا۔

"یزیدؔ! خبردار۔ ایسی بیہودہ بات نہ کر۔ ہم کنیز نہیں ہو سکتے"

یزیدؔ نے کہا۔ قیدی! مجھے اختیار ہے۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں اگر اس بچی کو دے دوں تو تم کیا کرو گے؟" بس یزیدؔ کا یہ کہنا تھا کہ امامؑ آگے بڑھے اور فرمایا۔

"یزیدؔ! ہمیں جلال نہ دلوا۔ خبردار! میری پھوپھی کے سامنے سخت بات نہ کرنا"

اب جو یہ رد و قدح ہونے لگی تو شامی آگے بڑھا اور کہتا ہے

"قیدیو! تمہیں معمولی سی بات پر غصہ آگیا"

امامؑ نے فرمایا، "شامی! تجھے پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں اور جس لڑکی کو تو کنیزی میں مانگ رہا ہے یہ کون ہے؟"

شامی پوچھتا ہے "قیدی! تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

امامؑ نے فرمایا "شامی! جس بچی کو تو مانگ رہا ہے یہ فاطمہؑ کی پوتی ہے" جس وقت امامؑ نے فرمایا کہ یہ "فاطمہؑ کی پوتی ہے" تو شامی گھبرا کر یزیدؐ سے پوچھنے لگا۔

"کیوں یزید! کیا واقعی فاطمہؑ کی پوتی ہے؟"

یزید خاموش رہا۔ شامی دو قدم پیچھے ہٹا۔ اپنی کمر سے خنجر نکال کر اپنا ہاتھ کاٹا جس ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ پھر کٹا ہوا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ میں لیا اور کہا۔

"سیدہؑ کی پوتی! میں نے اس ہاتھ سے تیری طرف اشارہ کیا تھا لہذا میں نے اس ہاتھ کو کاٹ دیا۔

شہزادی! آپ کو اپنے جد کی قسم مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ تم کون ہو۔"

یہ سنکر یزید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "اللہ یعلم حیث من یشاءُ رسالۃ" اور امامؑ قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ میں گر گیا۔

"سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ محمدؐ کے گھرانے کی عزت بچی۔"

شہر دمشق میں زلزلہ آیا اور شامی خود راوی ہے کہ ہم نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا "ارفع رَسَلَکَ اَنت سید الساجدین"

بس اپنا سر اٹھا لے اس عالم میں سجدہ کرنے والے! تو سارے سجدوں سے بڑھ گیا"

نجات



خداوند عزاسمہٗ و جلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

مجھ سے پہلے میرے ایک عزیز دوست لفظِ "نجات" پر واعظ فرما رہے تھے لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ نجات ہی کے موضوع پر تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔

سامعین کرام! ——— یہ جتنی چیزیں ہیں نا۔ نماز۔ روزہ وغیرہ ان چیزوں کا بدل خدا کی طرف سے ہے جو تیرے جسم کی پرورش کے لئے خدا نے عطا فرمائی ہیں چونکہ تو نے اللہ کی ہزاروں من روٹی کھالی، ہزاروں من پانی پی لیا۔ بے انتہا اللہ کی ہوا تو نے استعمال کی لہٰذا تو نماز پڑھ۔ روزہ رکھ۔ کیونکہ نماز روزہ کا بدلہ تجھے یہیں ملتا جا رہا ہے۔ رہ گئی نجات! اس کا تعلق اس چیز سے ہے جو تیری رُوح کے ساتھ وابستہ ہے

اور رُوح کیا ہے۔ بس ایک شے وابستہ رہتی ہے جسے کہتے ہیں محبت گویا نجات صرف محبت میں ہے۔ اب اگر محبت سمٹ کر ایک مرکز پر اکٹھی ہو جائے تو وہ عشق کہلاتا ہے۔ عشق ہے دنیا میں دو قسم کا اگر عشق میں کوئی "مادی غرض" شامل ہے تو وہ "ھوس" کہلاتی ہے اور اگر صرف زندگی کے تصور سے عشق ہو گیا ہے تو ایسے عشق کو دنیا میں "ولائت" کہتے ہیں جو مادی اغراض سے مبرّا ہوتا ہے اور یہی "تولّا" ہے جو ولائت کہلاتی ہے۔ یہی شے ہے جو عاقبت میں نجات دینے والی ہے۔

سامعین!

یاد رکھو! نجات کا جو تعلق ہے وہ نہ عشق میں ہے، نہ محبت میں ہے۔ نہ نماز روزے میں ہے۔ گویا ادائے فرض میں برات ہے۔ مگر نجات کا تعلق صرف ولائت

سے ہے اسی لئے ہم نماز میں "پہلوئے نجات" پیدا کرنے کے لئے "اذان" میں "ولی اللہ" بھی کہہ لیتے ہیں۔ اپنے کلمے کو ذریعۂ نجات بنانے کے لئے اقرار ولایت بھی کر لیتے ہیں۔ بہرنوع۔ اگر کسی شے سے نجات ہے تو وہ ولایت ہے۔

صاحبان! ——— ولایت زبان ندارد۔ لباس ندارد۔ مکان ندارد۔ پوزیشن ندارد گویا جو صاحب ولایت ہو جائے اس کے لئے کسی خاص زبان کی ضرورت نہیں۔ وہ اردو بھی اتنا ہی سمجھتا ہے جتنا پنجابی۔ اسے پنجابی میں بھی وہی لطف آتا ہے جو انگریزی میں۔ صرف ضابطے کو پورا کرنے کے لئے، قانون کو نبھانے کے لئے نماز میں آپ کو سرکاری زبان عربی استعمال کرنی پڑے گی مگر قانون ولایت کو پورا کرنے کے لئے جو زبان آتی ہو گی ٹھیک ہے۔ پنجابی بولو گے تب وہی لطف ہے اردو بولو گے تب وہی سواد ہے۔ نظم میں بولو گے تب وہی لطف ہے۔ نثر میں بولو گے تب وہی لطف ہے۔ گویا دیوانگانِ ولایت زبان کے پابند نہیں ہوتے۔ جس انداز میں ولایت نظر آ جائے بس وہ ولایت ہے۔ کیونکہ ولایت کی معرفت کو دنیا جانتی ہی نہیں۔ جہاں سرمست گانِ ولایت کو دیکھا اور یہ قانون کی جکڑ بندیوں میں گھری ہوئی دنیا اور قانون کو ناقص طور پہ سمجھ کے قانون سمجھنے والی دنیا ہم دیوانگانِ ولایت کے خلاف فتوے بازی شروع کر رہی ہے۔ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ولایت کی سرمستی کیا ہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سرمستانِ ولایت کے دل میں جو "ولی" ہے اسکے ساتھ ان تعلق کیا ہے۔

دیکھو نا! آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اگر یہاں سمجھ نہ آئے تو گھر جا کر نتیجہ نکال لینا۔

کوفہ میں ایک شخص رہتا تھا جس کا "میثم" نام تھا۔ غریب آدمی۔ شام کو ایک لکڑی لے کر کوفے کے باغ میں جاتا اور ناقص کھجوریں سستے داموں بازار میں لا کر بیچ کر جو دو چار پیسے ملتے اس کی روٹی کھا لیتا۔ یہی گویا اس کی دنیاوی وجاہت تھی۔ اتفاق سے اس غریب آدمی کے دل میں شمعِ ولایت روشن ہو گئی اور اس وقت

کوفے کی اسلامی ایمپائر کا باختیار شہنشاہ مسند حکومت پر جلوہ گر تھا جس کے قبضۂ قدرت میں اس وقت کے تمام مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان تھی۔ دنیا کی حکومتیں جس کے نام سے دہلتی تھیں۔ جس کا تصوّر عالم کی سلطنتوں کو لرزہ براندام رکھتا تھا۔ بہادرانِ عالم جس کا نام تلواروں پہ کھُدا کے بہادری کی سند بنایا کرتے تھے اور جس کے نام کی ہیبت سے سوئے ہوئے دشمنوں کے بدن قبر سے اُچھل کر باہر آپڑتے تھے۔ کائنات میں جسکے حرب و ضرب کا سکّہ بیٹھا ہُوا تھا۔ اور حد یہ ہے کہ جس کے نام کو سنکر جوشِ عقیدت میں گویا جبرئیل کے پَر گرنے پہ مجبور ہو جاتے تھے۔ اتنا عظیم انسان کوفے کی سلطنت کے تخت حکومت پہ بیٹھا ہوا ہے۔

کہاں بلندیٔ تختِ حکومت اور کہاں پستیٔ خرُما فروشی۔ مگر یہ ولایت وہ شے ہے کہ پست و بلند کے امتیاز کو مٹا دیتی ہے...... بہرنوع۔ اس چھابڑی فروش کو شہنشاہ سے ولایت ہو گئی۔

ہوسکتا ہے کہ شہنشاہ سے ولایت ہونے کے بعد شہنشاہ اس خرُما فروش کو منہ بھی نہ لگائے (چاند سے پیت لگائے بیٹھی بالوریا) بھلا بتایئے اس غریب کی رسائی کہاں؟ مگر دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ شہنشاہ اپنے مسندِ عدالت پر فیصلے کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ کر چلا۔ دوپہر کا وقت ہے۔ خراماں خراماں چلا جا رہا ہے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اعلیٰ حضرت نہ جانے کدھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ ظلِّ سبحانی کی سواری کہاں جا رہی ہے۔ دیکھا کہ قدسی شمعِ امامت ہاتھ میں لئے ہوئے۔ فقر قدرت پہ دستخط کرانے ہوئے ساتھ ساتھ ہیں۔ فرشتگانِ قدرت باادب باملاحظہ ہوشیار کہہ رہے ہیں اور یہاں سے جلوس موقباع جلالِ شہنشاہِ عالم کا روانہ ہوا ________ اور توجہ کا مرکز کیا ہے۔ وہی چھابڑی والا وہاں پہنچے۔ فرمایا

"میثم رضی اللہ عنہ بھائی! اسلامُ علیکم"

دنیا حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میثمؓ سے سلامُ علیکم کیسی؟

اب لوگ حیران کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ میثم سے سلام کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت

فرماتے ہیں ،، مثیم بھائی ! بس آگیا ۔ اب تم گھر جاؤ " چنانچہ مثیم نے اپنی کھجوریں سپرد کیں اور خود روٹی کھانے گھر چلا گیا ۔

مثیم گھر چلا گیا اور شہنشاہ اعظم وہاں بیٹھا اس کی کھجوریں بیچ رہا ہے ۔ تھوڑی دیر بعد مثیم واپس لوٹا ۔ پوچھا ،، میاں کتنی بیچیں ۔ پیسوں کا حساب دو ،، شہنشاہ عالم اسے کھجوروں کا حساب دے رہا ہے اور مثیم اس سے جھگڑا کر رہا ہے ،، واہ تو نے آدھ پاؤ کھجور زیادہ کیوں دے دیں ؟ اور وہ کہہ رہا ہے ،، بھئی غلطی ہو گئی ،، اور دنیا یہ تماشا دیکھ رہی ہے ۔

حضور والا !

یہ تھا قانونِ ولایت ۔ اب آج وہی مثیم ، حضرت مثیمؓ تمار ہے ۔ دنیا کے اعلیحضرتوں کے نام مٹ گئے مگر اس چھابڑی فروش کا نام ذہنوں سے نہیں مٹ سکتا ۔ اور اسے سکھا کیا دیا شہنشاہِ ولایت نے ۔ کہ

،، سُن مثیم ! تو بھی کیا یاد کرے گا ۔ لے تجھے ایک بات بتاتا ہوں ،،

چنانچہ اسے علم البلدیا والمنایا سکھا دیا ۔ اس علم کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر شخص کو دیکھ کر وہ یہ سمجھ جاتا تھا کہ اس شخص کی موت کب ۔ کہاں اور کس طرح واقع ہو گی ،

بتاؤ ! یہ کتنا بڑا علم ہے کہ ہر انسان کو دیکھ کر وہ یہ بتا دیتا تھا کہ اس شخص کی موت کب ۔ کہاں اور کس طرح واقع ہو گی ۔ ؟

سامعین !

بات سے بات نکلتی ہے ۔ اب میں کس سے جا کے پوچھوں کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ موت کب آئے گی ۔ کہاں آئے گی اور کس طرح آئے گی ۔ اس کا علم صرف خدا کو ہے ۔ یہ تو ہے قانون کی بات ۔ اور یہ ہے ولایت کی بات کہ مثیم کو بھی ان باتوں کا علم ہے ۔ جب کہ اس کا علم صرف خدا کو ہے ۔

اب ہے کوئی دنیا کا ذی عقل آدمی ! جو ان چیزوں کو ملا کر مجھے سمجھائے کہ کیسے پوری ہوتی ہیں ۔ جس چیز کو قرآن کہتا ہے کہ صرف خدا کو علم ہے ادھر مثیم کہتا ہے

کہ مجھے اس کا علم ہے ــــــ کیا میثم نے قانون توڑ دیا۔ کیا اس نے قانون ختم کر دیا۔؟ ہرگز نہیں۔

میثمؓ جواب دیتا ہے "اگر میری ولایت کا خدا تک جا ملے تو جو چیز خدا کیلئے علم خاص تھا وہ میثم تک پہنچ سکتا ہے" گویا یہ ہے مرتبۂ ولایت جو میثم تمارؓ کو حاصل ہوگیا۔ اب اگر آج کا دعویدار ولایت یہ کہے "مجھے بھی ولایت ہے" تو وہ ذرا میثمؓ کے سامنے تو آکر دیکھے کہ ولایت ہے یا نہیں،

میرے محترم بھائیو!

ایک دن میثم تمارؓ کوفے کے بازار میں کھڑے تھے سامنے سے حبیب ابن مظاہرؓ آگئے۔ دونوں آمنے سامنے ہوگئے۔ میثمؓ کے دل میں خیال تھا کہ یہ علم البلایا والمنایا مجھے آتا ہے۔ مولا نے صرف مجھے بتایا ہے۔ چنانچہ وہ حبیب کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"حبیبؓ! مجھے نظر آرہا ہے کہ ایسا خوبرو جوان جس کی داڑھی فلاں تاریخ کو فلاں وقت اس کے خون سے رنگین ہوگی امام زمانہ شہید ہوگا"

میثمؓ یہ کہکر مسکرائے کہ گویا حبیبؓ پہ رُعب ہوگا کہ مجھے یہ بات آتی ہے اور میں نے بتادی۔ ادھر میثم کی بات سنکر حبیبؓ نے پلٹ کے کہا۔

"میثمؓ! مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ ایسا بوڑھا جو بجرم ولایت امیرالمومنینؑ فلاں درخت پر پھانسی دیا جائے گا"

میثمؓ حیران ہوکر پوچھتا ہے "حبیبؓ! تجھے کس نے بتایا؟"

حبیبؓ مسکرا کے پوچھتا ہے "میثمؓ! پہلے تم بتاؤ۔ تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

میثمؓ نے کہا "مجھے امیرالمومنینؑ نے بتایا ہے"

ادھر حبیبؓ مسکرا کے کہتا ہے "میثمؓ! تیرے پاس باپ کی دی ہوئی بات ہے۔ میرے پاس بیٹے کی دی ہوئی بات ہے۔ تو باپ کی ولایت میں سرشار ہے۔ میں بیٹے کی ولایت میں سرشار ہوں۔ تجھے علیؑ نے بتادیا مجھے حسینؑ نے بتادیا"

اب میثمؓ پوچھتا ہے "حبیبؓ! تو نے کب پوچھا تھا؟"

حبیبؒ پوچھتا ہے " تو نے کب پوچھا تھا؟"
مثیمؓ نے کہا " امیرالمومنینؑ جب کوفے میں بادشاہ تھے۔ میں نے چارسال خدمت کرکے جب سیکھا تھا"۔
حبیبؓ نے کہا " میں جب اپنے آقا کے سلام کے لیئے مدینہ گیا تھا۔ ایک رات خدمت میں رہ کے جب سیکھا تھا۔
اب مثیم گھبرا کے کہتا ہے " حبیبؓ! کیا ایک رات میں اتنا علم "؟
حبیبؓ نے جواب دیا " ہاں۔ ہاں۔ جو میرا استاد ہے نا۔ اس کے شمشیر ہدایت پر پانچویں ہے۔ اس کے ولی بنانے کے انداز اور ہیں۔ وہاں وقفہ لگتا تھا۔ یہاں وقفہ نہیں لگتا۔ انہوں نے زندگی میں ایک دو ولی بنائے۔ مگر ـــــــــ حسینؑ جس دن ولی بنانے بیٹھ گیا تو چراغ گل کرکے پانچ منٹ میں بہتر ولی بنائے گا۔ اتنے ولی نہ اس سے پہلے کبھی کسی نے بنائے اور نہ اس سے بعد کوئی بنا سکے گا"

محترم بزرگو!

یاد رکھو! آدمؑ سے لیکر حسینؑ تک کی تاریخ پڑھو اور حسینؑ سے لیکر آج تک کی تاریخ کے اوراق پلٹ ڈالو اور تم دیکھو گے کہ آدمؑ سے حسینؑ تک اور حسینؑ سے آج تک کسی اللہ والے کو نصیب نہیں ہوئے۔ یہ سب سے بڑی تعداد تھی اللہ والوں کی جو حسینؑ کو ملی۔ تم کیوں کہتے ہو حسینؑ کو " شاہ کم سپاہ " کیا حسینؑ کی فوج تھوڑی تھی۔ کیا وہ بیکس تھا؟

میرے بھائیو! ایسے الفاظ نہ کہا کرو۔ اتنی فوج تو کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔ اتنے مددگار تو کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتے۔ اتنے معاون تو کسی کو ملے ہی نہیں جتنے حسینؑ کے ساتھ تھے۔

آدمؑ کے پاس دو بیٹے تھے (ہابیل و قابیل)۔ دو میں سے ایک فیل ہوگیا نوحؑ کی کشتی میں ستاسی سے زیادہ آدمی نہ آسکے۔

ابراہیمؑ (اول مسلم) کی خدمت میں سولہ سے زیادہ آدمی نہ آسکے۔ اور موسیٰ

طور پہ چالیس آدمی لے گئے۔ سب فیل ہو گئے اور علیٰؑ کے ساتھ بارہ حواری تھے مگر جب عیسیٰؑ کو سولی دی گئی بارہ کے بارہ منکر ہو گئے اور محمدؐ کے پاس ہزاروں آدمی تھے مگر احد و بدر میں ہم نے آزما کے دیکھ لیا۔ اور علیؑ کے پاس صفین میں ایک لاکھ فوج تھی۔ جب حاکمین کی نوبت آئی تو چھ سات آدمی رہ گئے تھے اور حسنؑ مجتبیٰ کے ساتھ صرف ایک ہارون تکی رہ گیا تھا۔ جب آپ صلح فرما رہے تھے۔ اور یہ صرف حسینؑ کا اقبال تھا کہ اس کے ساتھ پورے بہتر انسان تھے۔ ایسے آدمی کو بیکس کہنا اس کی توہین ہے۔ بتاؤ! جس کے پاس بہتر جانثار ہوں کیا وہ بے کس ہے؟ ۔ ہرگز نہیں

حضور والا!

یاد رکھو! "الھدایت فصل الحجاب والولایت رفع الحجاب"

جب ہدایت کا زمانہ ہو پردے پڑ جاتے ہیں (پتہ نہیں چلتا کہ اپنا کون ہے اور غیر کون ہے) اور..... جب ولایت میدان میں آجاتی ہے تو پردے اٹھ جاتے ہیں۔ (پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کون ہے اور وہ کون ہے) گویا ولایت رفع حجاب ہے۔

سامعین! دنیا میں سب سے پہلی دفعہ میدان کربلا میں ولایت بے نقاب ہو کے کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بھی پردوں میں رہی اس کے بعد بھی پردوں میں رہی۔ اور ولایت نے اس دنیا کو بتا دیا کہ ادھر کون ہے اور ادھر کون ہے ورنہ خدا شاہد ہے۔ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ اپنا کون ہے اور غیر کون ہے پس حسینؑ نے بہتر چُن کے دکھا دیئے۔

اب بتاؤ۔! اگر بہتر آدمی کہیں اکٹھے ہو جائیں تو یہ فوج کہلاتے ہیں؟ ہرگز نہیں

اب اگر بہتر آدمی کسی حکومت کے باغی ہو جائیں تو ان کی گرفتاری کے لئے فوج بلائی جاتی ہے؟ ۔ ادھر حسینؑ کا اندازہ کیا ہے کہ وہ ان بہتر کی بھی چھانٹی کرنا چاہتا ہے **عاشور کی شام کو حسینؑ کے کیمپ میں** بہتر آدمی ہیں۔ حسینؑ کہتے ہیں کہ یہ بہتر بھی بہت ہیں کچھ چھنٹ جائیں تو اچھا ہے کیونکہ جوں جوں جو ہر چھنٹتا جائیگا توں توں طاقت بڑھتی جائے گی۔

حضور والا ـــــــ ! دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ شب عاشور۔ رات کے بارہ بجے کا وقت چاند دھندلا یا ہوا اور حسینؑ اکہتر جانثاروں کے ساتھ ایک خیمے میں تشریف فرما ہیں۔ اور ابوتراب کا بیٹا زمین پہ مسند لگا کے بیٹھ گیا۔ گویا آج دنیا کا بے مثل فیلڈ مارشل اپنی فوج کو ایک انوکھی بات کہہ رہا ہے جو آج تک کسی نے کہی نہ گئی۔ امام فرماتے ہیں۔

"عباسؑ بھائی! دیکھو سب آگئے کوئی رہ تو نہیں گیا"؟

قمر بنی ہاشم اٹھے۔ گن کے بتایا "مولا! پورے اکہتر آدمی ہیں"

امام نے فرمایا "نہیں بہتر ہونے چاہئیں"

عباسؑ نے پھر گنا۔ عرض کی "قبلہ! اکہتر ہیں" امام نے فرمایا "بہتر ہونے چاہئیں"

اب جو امام نے یہ فرمایا تو خیمے کی پشت کا پردہ اٹھا اور اماں فضہؓ برآمد ہوئیں۔ سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک شے سامنے رکھی۔ مولاؑ نے پوچھا:۔

"اماں فضہؓ! کیا لائی ہو؟" فضہؓ نے عرض کی "حسینؑ! یہ تیرا بہترواں سپاہی ہے اب گن کے دیکھو۔ بہتر ہوتے ہیں یا نہیں؟" امام نے فرمایا "ہاں۔ اب بہتر ہو گئے"

اب حسینؑ اپنے سپاہیوں سے فرماتے ہیں "میرے دوستو! میرے عزیزو! میری جان سے پیارے رفیقو! میرے بیٹو! بھتیجو! بھانجو! پھر امام نے نام لے لے کے پکارا "بھائی حبیبؓ! بھائی زہیرؓ! اور جو بزرگ تھے جیسے مسلم عوسجہؓ وغیرہ انہیں امام نے "چچا" کہہ کے خطاب کیا "میرے باپ اور نانا کے صحابیو! دیکھ لو زمانے کا حال کیا ہے۔ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے اسے صرف میری ذات سے واسطہ ہے۔ تم سے کوئی عداوت نہیں۔ اس وقت رات کا وقت ہے میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے"

جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا کہ جو جانا چاہے جا سکتا ہے تو بہتر سپاہی عالم سکتہ میں بت بنے بیٹھے ہیں۔ آخر مولاؑ نے فرمایا:۔

"دیکھو! شاید تمہیں جاتے ہوئے یہ خیال آتا ہے کہ وہ ثواب جو تمہیں

یہاں شہید ہونے میں ملے گا۔ اس ثواب سے محروم رہ جاؤ گے لہٰذا میں حجت خدا، امام زمانہ ولی مطلق، میں حسینؑ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے، وہ تمہیں ضرور دلاؤں گا۔ چنانچہ اب ثواب کا لالچ بھی ختم ہو گیا۔ اب مولاؑ نے فرمایا۔

"تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آ گئے لہٰذا اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبیؐ کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں تم انہیں ساتھ لے جاؤ اور انہیں نانا کی قبر پہ بٹھا دینا۔ پھر جہاں جس کا جی چاہے چلے جانا۔ اگر کوئی طعنہ دے تو کہہ دینا کہ "زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے۔ نبیؐ کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کے لے آئے تھے۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے"

لوگ پھر بھی خاموش رہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"دیکھو! میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ آنکھ میں شرم ہے۔ اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے۔ اکبرؑ بیٹا! ذرا چراغ گل کر دو"

چنانچہ چراغ گل کر دیا گیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا۔

"اب اندھیرا ہے۔ میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ تم جا سکتے ہو"

سامعین!

اندھیرے میں آوازیں تو آ رہی ہیں۔ مگر پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب دس منٹ گذرے آپؑ نے حکم دیا، "چراغ دوبارہ روشن کیا جائے"۔ اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں یہ فرق آ گیا تھا کہ جوانوں نے اپنی تلواروں کے نیام گھٹنے لگا کے توڑ دیئے اور بڈھوں نے اپنی پگڑیاں اتار کر اپنی کمر پر باندھ لیں کہ جھکی ہوئی کمر ذرا سیدھی ہو جائے۔ اور جو بچے ہیں وہ ایڑی اٹھا کے کھڑے ہو گئے کہ جوان نظر آنے لگیں۔ اور چھ مہینے والا سپاہی بول تو سکتا نہیں تھا۔ آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا مولاؑ! فکر نہ کریں میں بھی شیر خدا کا پوتا ہوں کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی"

اب جو امامؑ نے یہ منظر دیکھا تو سینہ فخر سے تن گیا اور بے ساختہ منہ سے نکل گیا

"خداوندا۔ تو گواہ ہے کہ اتنے اچھے جانثار تو میرے نانا محمدؐ کو نہ ملے۔ اتنے اچھے ساتھی تو میرے باپ علیؑ کو نہ ملے۔ اتنے اچھے رفیق تو آدمؑ سے لیکر آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔"

اب جو مولاؑ نے فرمایا تو جانثاروں کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا۔ سب سے پہلے مسلم عوسجہؓ اٹھے، بڈھا آدمی۔ رسولؐ کو دیکھ چکے تھے۔ علیؑ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ تلوار ٹیک کر کھڑے ہوئے۔ بدن میں تھوڑا سا لرزہ بھی تھا۔ کہنے لگے

"حسینؑ! میں نے تیرے نانا کو دیکھا ہے میں تیرے باپ کے ساتھ رہا ہوں تیرے منہ سے یہی سجتا ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ تیری یہی شان ہے جو تو کہہ رہا ہے حسینؑ! یہ سچ ہے کہ تجھے ہماری ضرورت بالکل نہیں۔ مگر ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تو ہمارا محتاج نہیں حسینؑ! ہم تیرے محتاج ہیں۔ حسینؑ! اگر تو ٹھوکریں مار مار کے بھی اس میدان سے نکال دے پھر یہیں پلٹ کے آجائیں گے کیونکہ ہم تیرے بغیر نہیں رہ سکتے"

بڈھا آدمی۔ جوش میں فقرے کہے۔ بدن میں لرزا پیدا ہوا وہیں گر گیا گرتے ہی حضرت بریرؓ ہمدانی کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کے فرمایا:۔

"حسینؑ! ہمیں جانے کو کہتے ہو۔ ہم چلے جاتے ہیں مگر اپنے گھر سے اچھا گھر بتاؤ جہاں ہم چلے جائیں۔ اپنے دربار سے اچھا دربار بتاؤ جہاں ہم جا کے بیٹھ جائیں۔" یہ فقرے کہہ کے وہ بھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

اس کے بعد حسینؑ کے بچپن کا دوست حبیبؓ اٹھا۔ حبیبؓ نے اسی طرح بات کی ہے۔ جس طرح بچپن کا دوست بات کرتا ہے۔

"حسینؑ! میں تیرے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ کے چلا جاؤں مگر ایک بات بتا دے کہ قیامت کے دن اگر تیری اماں نے پوچھ لیا" حبیبؓ! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا تو کیا جواب دوں گا"

یہ کہہ کے حبیبؓ بھی بیٹھ گئے ۔ اسی طرح جب تمام اصحاب باتیں کر کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی ۔ عزیزوں کی نمائندگی حضور قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ غازی نے فرمائی

صاحبان ذوق ! ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر ۔

پورا بدن لرز رہا ہے تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے ۔ ایک مرتبہ فرمایا "مولا" ! خاموش ہو گئے ۔ دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا "یا ابن رسول اللہ" پھر خاموش ہو گئے ۔ پھر تیسری مرتبہ کہا "میرے سردار" پھر خاموش ہو گئے ۔ اور خاموش ہو کے ایک دم نجف کی طرف مڑ گئے اور بجائے حسینؑ سے کچھ کہتے ۔ گھبرا کر فرمایا "یا علیؑ مدد ! بابا ۔ حسینؑ جانے کو کہہ رہے ہیں کیا جواب دوں ؟"

امامؑ کو عباسؑ کی اس ادا پہ پیار آگیا ۔ اٹھ کے ایک ایک کے گلے ملے ۔ ایک ایک کی پیشانی چومی ۔

"میں تمہارا بڑا احسان مند ہوں ۔ میں تمہارا بڑا شکر گذار ہوں ۔ جاؤ کل کے مرنے کی تیاری کرو ۔"

اور امامؑ نے اپنے جانثاروں کو سلام کیا وہی سلام جو آج تک زیارتِ گنج شہداء میں پڑھا جاتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰہ" اے اولیاء اللہ میرا تم پر سلام ہو" گویا دس منٹ کے اندر حسینؑ نے بہتر کو اولیاء اللہ بنا دیا ۔ یہ ہے ولائیت کی معرفت ۔

سامعین !

یوم عاشور بہتر کے علاوہ شہید ہونے والوں میں حرؓ بھی ہے اگر یہ رات والے اولیاء اللہ بن گئے تو حرؓ تو ولی بننے سے رہ گیا ہوگا ۔ لہذا حسینؑ نے اسے ولی بنانے کے لئے الگ دفن کرا دیا کہ سب کے ساتھ دفن ہوتا تو اولیاء اللہ پر زیارت پڑھی جائے گی تو لوگوں کو یہ شبہ ہوگا کہ وہ تھے اولیاء اللہ جو رات کو تھے ۔ صبح والا نہیں تھا ۔ لہذا حرؓ کو الگ دفن کرا کے ہمیں حکم ہوا کہ وہاں اولیاء اللہ مجموعًا کہا کرو اور

یہاں حرؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کرو "السلام وعلیک یا ولی اللہ" اے حرؓ! تو بھی ولی اللہ ہے۔ یوں ولایت اس گھر سے تقسیم ہوتی ہے۔

میرے بھائیو! مصیبت و پریشانی کے اس عالم میں جب یہ یقین ہو جائے کہ کل جنگ واقعاً ہو گی اپنی فوج سے فیلڈ مارشل کا یہ کہنا کہ تم چلے جاؤ یہ وہ بات ہے جس پہ عقل حیران ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسے عالم میں تو سربراہ فوج اپنی فوج کو قابو میں رکھتا ہے مگر حسینؑ ہے کہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے کہ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ گویا حسینؑ نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ یہ ولایت کی شان ہے کہ اگر بھوک پیاس سے تنگ آکر کوئی سپاہی مجھے چھوڑ کر چلا جائے یہ حق ہے یا کوئی دنیاوی عیش و آرام چھوڑ کر بھوک پیاس کی طرف آجائے یہ حق ہے۔ یہ ہے شانِ ولایت۔

بہر نوع۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے دربار برخاست کر دیا اور بیت الشرف میں تشریف لائے۔ پردہ اٹھا کر خیمے میں قدم رکھا ہی ہے کہ دیکھا سامنے بہن کھڑی ہے۔ ——— "زینبؑ! تم یہاں کیسے؟" زینبؑ نے فرمایا

"حسینؑ! میں قنات کے پیچھے تیرے ساتھیوں کی گفتگو سنتی رہی
میں وعدہ کرتی ہوں حسینؑ! ہر ایک شہید کی قبر پر کھڑی ہو کر
سفید بال کھول کر ان کا ماتم کروں گی۔ مگر..... اتنا بتا کہ ان میں
سے کوئی چلا تو نہیں جائے گا؟"

بس بھائیو! زینبؑ کا یہ پوچھنا تھا کہ پردے کے بالکل پیچھے پہرہ دار کے طور پر حضرت بریرؓ ہمدانی کھڑے تھے۔ انہوں نے سن لیا۔ رات کا وقت ایکدم گھبرا کے پکارا ——— "حبیبؓ! زہیرؓ! جلدی آؤ"

اب جو انہوں نے آواز دی تو سب دوڑتے ہوئے آگئے۔
زہیرؓ نے پوچھا۔ "بریرؓ! خیریت تو ہے؟"

بریرؓ نے کہا "زہیرؓ! خیریت بالکل نہیں۔ ابھی زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا۔ مجھے یہی لگتا ہے کہ بعد میں جانا پہلے زینبؑ کو یقین دلا کے جاؤ۔ چنانچہ سب

تلواریں نیاموں سے نکلیں اور خیمے کے صحن میں آ کے گریں اور گڑگڑا کر جانثاروں نے عرض کی۔

"علیؑ کی بیٹی! اپنے ہاتھ سے ان سروں کو کاٹ دے۔ ہم تیری چوکھٹ سے ہلنے والے نہیں"

اور اتنا اعتماد تھا زینبؑ کو اصحاب کی دفا پر کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔ عباسؑ کو نہیں پکارا بلکہ وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے یہی آواز دی:۔

"بھائی حبیبؓ! آ ؤ نا۔ دیکھو ہم پہ کیا گذری ہے"

سامعین! یوں ولایت اس گھر سے تقسیم ہوئی۔ یوں بہتر دلی بنے ایک وقت میں اتنے اولیاء کا اجتماع ایک جگہ نہ تاریخ عالم میں اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد اور ان اولیاء کی ایک جگہ قبریں بن گئیں۔ اگر ایک ولی کی قبر اجمیر۔ پاکپتن۔ اور تونسہ کو شریف بنا سکتی ہے تو جہاں بہتر اولیاءؑ کا جھرمٹ اکٹھا ہو جائے اس کی شرافت کے لئے لغتِ عالم میں ہمیں سوائے مُعلّیٰ کے اور کوئی لفظ ہی نہیں ملتا۔

بزرگانِ من! حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر زمین شق ہو جائے گی اور ہر قبر سے مُردہ اٹھ کے آئے گا۔ مگر ــــــ کربلا کی زمین یونہی رہے گی اور یہاں کی قبروں میں سونے والوں کو آدم سے اٹھا لیا جائیگا۔ اسکے علمی دلائل علماء کرام کے پاس موجود ہیں مگر مجھ دیوانے نے یہی سمجھا ہے کہ اللہ کو پتہ ہے کہ یہ بڑے زخمی ہیں لہذا ان زخمیوں کو تکلیف نہ دی جائے انہیں اسی طرح اٹھا لیا جائے گا جس طرح زخمی کو سٹریچر پہ لایا جاتا ہے اور یہی اولیاءؑ کے مجمع کی برکت ہے۔ یہی بات ہے کہ دنیا کی کتابیں پڑھ ڈالو جن میں زیارات لکھی ہوئی ہیں کہ پندرہ شعبان کو کربلا معلّیٰ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑء کرام اور آئمہ طاہرینؑ بمعہ ملائکہ کے تشریف لاتے ہیں۔ نجف میں مدینہ میں، کاظمین میں سامرے میں، مشہد میں۔ کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کسی جگہ حسینؑ تشریف لائے گا۔ بلکہ سارے بزرگ

حسینؑ کے پاس تشریف لاتے ہیں ۔ غالباً سب نے ملکر یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ حسینؑ کے یہاں چلے چلو کیونکہ یہ بڑا زخمی ہے لہٰذا اسے تکلیف نہ دو۔ چنانچہ سب کربلا معلّےٰ میں تشریف لاتے ہیں اور حسینؑ کا دربار کائنات کے شہنشاہوں کی آمد سے سج جاتا ہے ۔ اور سمجھنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ———— بنظام قدرت سجایا گیا جنت اعلےٰ کے بنے ہوئے مرمریں پتھر فرش کی جگہ بچھائے گئے ۔ علمِ آدمؑ کے زمردیں تخت بچھائے گئے حلمِ نوحؑ کی آبشاریں چلا دی گئیں ۔ ابراہیمؑ کی خُلّت کے پردے ٹکا دیئے گئے ۔ ہیبت موسےٰؑ کو چوبدار بنا دیا گیا ۔ زہد عیسٰیؑ کے نقش ونگار کر دیئے گئے ۔ حسنِ یوسفؑ کی گلکاری ہوگئی اور پورے حرم کو سجا دیا گیا اور تختِ شاہی پہ جو اسٹیج بنی اس پر شہنشاہ کربلا اپنے بہتّر ساتھیوں کے ساتھ آکر رونق افروز ہوگئے ۔ شہنشاہ کے پیچھے کرسیوں پر اٹھارہ بنی ہاشم اور انکے پیچھے ہلالی شکل میں کرسیوں پر شہدائے کربلا اور باقاعدہ قرینے سے دو طرفہ کرسیاں رکھی ہوئی ہیں ۔ ہر کرسی پر بیٹھنے والے نبی کا لکھا ہوا ہے اور حضور قمر بنی ہاشم عباسؑ غازی فیلڈ مارشل کی وردی پہنے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں ۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے فیلڈ مارشل سے آکے کہا کہ آدمؑ سلام کیلئے حاضر ہونے ہیں ۔ اجازت ہے ؟ ———— فیلڈ مارشل نے وہیں سے آواز دی ۔ ،، سرکارِ حسینیؑ ہیں آدمؑ کا سلام قبول ہو ،، سرکار کی طرف سے حکم ہوگا ،، آنے دو ،،

چنانچہ آدمؑ آئے اور اپنی کرسی پہ بیٹھ گئے ۔ اس کے بعد نوحؑ آئے اسی طرح جب سارے انبیاءؑ آکر قرینے سے اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو قمر بنی ہاشمؑ نے سر جھکا کے عرض کی ،، سرکارِ حسینیؑ ہیں حضور سرکار عالمینؐ تشریف لا رہے ہیں ،،

حضور سرکار عالمینؐ کا نام سُنتے ہی سیدالشہداءؑ اپنے تخت سے اُترے ۔ آگے بڑھکر ناناؐ کا استقبال کیا ۔ اپنے برابر کی کرسی پہ بٹھایا ۔ اور اس کرسی کے پیچھے شہزادہ علی اکبرؑ کو کھڑا کر دیا ۔ تاکہ ہم شکل محمدؐ ، محمدؐ کے ساتھ ہی بیٹھ جائے اس کے بعد آئمہؑ طاہرین تشریف لائے اور اپنی اپنی کرسیوں پر قرینے سے بیٹھ گئے ۔ اس کے بعد حکم ہوا ،، اہل دربار ! اپنی آنکھیں بند کر لو ۔ میری اماں آرہی ہیں ،، ۔ حضور سیدہؑ طاہرہ آکے بیٹھ گئیں ۔ چنانچہ جب سب اپنے اپنے

قرینے سے بیٹھ گئے اور دربار شروع ہوا تو اچانک ایک آواز آئی۔

"بھیا! کیا میں بھی آسکتی ہوں؟"

بس اس آواز کا سننا تھا کہ قمر بنی ہاشمؑ نے سر سے عمامہ اتار کے پھینک دیا۔ شہزادہ علی اکبرؑ ننگے سر ننگے پاؤں دوڑے اور حسینؑ نے کرسی چھوڑ دی۔ محمدؐ تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ سیدہؑ نے چادر پھیلا دی۔ آئمہ طاہرینؑ جھک کے سلام کرنے لگے۔ انبیاءؑ ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے کھڑے ہو گئے اور زینب جھجکتی ہوئی، ڈرتی ہوئی کہے گی۔

"حسینؑ! آج تیرے دربار میں زینبؑ آرہی ہے۔ حسینؑ! اجازت ہے، میں آجاؤں؟"

محترم بزرگو!

حضور امام زین العابدین علیہ السلام آگے بڑھیں گے اور پھوپھی کو سلام کرکے پھوپھی کا بازو پکڑ کر فرمائیں گے۔

"پھوپھی اماں! آؤ ساتھ چلیں"

اور حسینؑ کے دربار میں پھوپھی بھتیجے آکے بیٹھ جائیں گے۔ گویا اس شان سے زینبؑ کی آمد ہوگی۔

حسینؑ پوچھیں گے "زینبؑ! کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

زینبؑ فرمائیں گی "حسینؑ! ایک بات کہہ کے مجھے واپس جانا ہے اللہ تیرے دربار کو آباد رکھے۔ حسینؑ! میں نے بڑی محنت سے تیرا دربار آباد کیا۔ حسینؑ! اطرافِ عالم میں دنیا کے لوگ تیرے ماتم دار ہیں۔ میں ہر ایک کے گھر جاتی ہوں۔ حسینؑ! آج میں تیرے دربار میں ان کی سفارش لے کے آئی ہوں"

حسینؑ فرمائیں گے "زینبؑ! فکر نہ کر جو تو فرمائے گی وہی ہوگا"

حسینؑ! میں چاہتی ہوں کہ کربلا کے شہر میں میری سواری کا جلوس گذروا دو۔ میں تیرے سارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ حسینؑ! یہ وہی جنگل ہے نا۔ جہاں میرے

جہاں میرے سر سے چادر اُتری تھی۔ حسینؑ یہ وہی جگہ ہے نا۔ جہاں میں کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی اور تو ذبح ہو رہا تھا،،

اللہ ہمارے دلوں میں ولائے آلِ محمدؐ اور مودۃ آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ ط

اے آلِ محمدؐ!

اچھے غلاموں کو اپنا کہنا تو ہر آقا کا کام ہے ــــ مگر ــــ

تمہاری شان تو یہی ہے ــــ کہ

ہم جیسے "گناہگاروں"

کو

اپنا کہدو

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

ختمِ نبوّۃ

خداوند عزّ اسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام

حضرات علمائے کرام وسامعین عظام!

آپ حضرات کے واجب الاتباع حکم کی تعمیل میں آج میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ جب میں یہاں پہنچا تو بڑی روشنی تھی جس کی وجہ سے میں نے آتے ہی جگہ پہچان لی کہ یہ تو ہمارا پرانا اڈہ ہے۔ یہاں تو ہم کئی بار آچکے ہیں۔ پھر مجھے مولانا موصوف مدرسے لے گئے۔ جو میرے لئے بہت بہتر تھا۔ کیونکہ مدرسے کی ہوا لگنے سے مجھ میں اتنی طاقت آگئی کہ میں آپ سے خطاب کرسکوں۔ بہر نوع میں یہاں پہنچا اور یہاں آکر میں نے دیکھا کہ ہر مکتب فکر۔ ہر عمر۔ ہر سن کا مسلمان یہاں موجود ہے۔ گویا یہاں مکاتب فقہہ بھی ہیں اور مکاتب فکر بھی ہیں۔ یہاں انگریزی مدرسوں کے طالبعلم بھی ہیں۔ اور عربی مدرسوں کے طالب علم بھی ہیں۔ لہٰذا جب اتنی جماعتیں مل کے بیٹھ جائیں تو ان کا مل بیٹھنا ہی بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔ چنانچہ اس خوشی کے موقعہ کو دیکھ کر کسی کے دل سے یہ دُعا نکلی کہ ؎

خوشی کا وقت ہے گل کردو ان چراغوں کو
خوشی کے وقت ہے کیا کام جلنے والوں کا

حضور والا! اسی اجتماع کی خوشی میں ہم نے کہہ دیا۔۔ خداوندا! ہمیں بجلی نہیں چاہیے۔ بجلی وہ ہر گز نہیں جہاں اسے گرنا چاہیئے اس لئے کہ بجلی کی روشنی انسانوں کی بنائی ہوئی روشنی ہے۔ اور ہم تو یہاں اکٹھے ہی اس لئے ہوئے ہیں

کہ انسانوں کی بنائی ہوئی، مصنوعی روشنیوں، کو بجھا دیں۔

بزرگانِ من!

بوجہ علالت تقریباً دو ماہ تک مجھے ہسپتال میں داخل رہنا پڑا۔ اخبار میں پڑھ نہ سکتا نہیں تھا۔ یوں ہی لیٹے لیٹے پوچھ لیا کرتا تھا۔

• بچو! بتاؤ، ملک کی کیا حالت ہے۔ سیاسی حالات کیا ہیں۔ مذہبی حالات کیا ہیں۔ ابھی ابھی ہمارے ملک میں دنیا بھر کے اسلامی سربراہوں کی کانفرنس ہوئی ہے لہٰذا عالمِ اسلام کا کیا حال ہے۔ وہاں مسلمانوں کی کیا کیفیت ہے؟ ۔ چنانچہ بچے پڑھ پڑھ کر مجھے سُناتے اور میں بہت خوش ہوتا کہ مسلمانوں کا بڑا اچھا حال ہے ہمارا کاروان بڑی اچھی طرح چل رہا ہے۔ ہمارا قافلہ بڑی شان سے رواں دواں ہے ایک دن اسی دوران میں نے سُنا کہ ہمارا کاروان جب بڑی شان سے چل رہا تھا تو کسی بدنظر نے ہماری "چلتی گاڑی" کو روکنا چاہا کیونکہ وہ چاہتا نہیں تھا کہ مسلمانوں کی گاڑی چلتی رہے۔ میرے پاس اور تو کچھ تھا نہیں۔ یونہی لیٹے ہوئے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

• خداوندا۔ وہ لوگ جو ہماری چلتی گاڑی کو روکنا چاہیں۔ اُن سے "ذَب! دَاہ" نہ پڑے۔ اُن سے ہمارا کبھی واسطہ نہ ہو۔ اُن سے ہمارا کبھی تعلق نہ ہو۔

بہر نوع۔ یہ واقعہ بھی سُنا اور اس کے بعد اور خبریں بھی سُنتا رہا۔

محترم سامعین!

مجھے آج اس مختصر سے وقت میں نہ کسی کی نبوت پہ تنقید کرنی ہے اور نہ ہی کسی کی شخصیت پہ تنقید کرنی ہے۔ اگر کوئی مجھ سے یہ کہے۔

• زیدی صاحب!"

• فلاں شخص نبی بن گئے۔

"میں کہتا ہوں! بن گئے تو میں کیا کروں۔ میں نے دُنیا کے سارے پاگلوں کی فہرست تو نہیں بنا رکھی کہ حق حق سنو اُٹھے ہیں اس پہ تنقید کرتا رہوں۔ میں نے تو آج اپنا عقیدہ بیان کرنا ہے۔ دینِ اسلام کی بات کہنی ہے:

یاد رکھو!

اللہ کا ہم پہ یہ بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا ہے۔ اور انسان بنا کر ہمیں اس دُنیا میں بھیج دیا۔ ہم چلے آئے۔

کیوں بھائیو!..... کوئی ہے ایسا انسان جو اپنی مرضی سے آیا ہو؟ ہرگز نہیں۔

دیکھو نا! اگر ہم اپنی خوشی سے آتے تو آتے ہی ہنستے۔ مگر ہم تو آتے ہی روتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں آنے کو ہمارا جی نہیں چاہتا تھا۔ اللہ نے ہمیں زبردستی بھیج دیا۔ ہم آ گئے اور جب تک یہاں رکھے گا ہمیں رہنا پڑے گا۔ اور جس دن بلائے گا چاہے مر جائیں ہمیں جانا پڑے گا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے پیروں سے چل کر نہیں جائیں گے تو چار بندے اٹھا کر لے جائیں گے۔ مگر جانا ضرور پڑے گا۔

کتنا بے بس و مجبور ہے انسان کہ نہ آنے میں بس ہے اور نہ جانے میں بس ہے اور نہ ہی یہاں رہنے میں بس ہے۔ اللہ جانے ہم یہاں آ کر کیا جرم کر بیٹھے ہیں کہ اس دُنیا میں آ کر چاہے ہم ایک سانس لیں چاہے ہزاروں لاکھوں سانس لیں مگر یہاں ہمارا آنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا "موت" ہے۔ کیا مجال جو کوئی شخص سزائے موت سے بچ جائے۔ آخر ہم ہی پوچھتے ہیں۔

، پیدا کرنے والے!

تو ہی بتا۔ خود آنے کو کبھی نہ پوچھتے۔ چونکہ تُو نے بھیجا ہے۔ اس لئے پوچھتے ہیں کہ جب تُو نے ہمیں بھیجا ہے تو یہاں ہمارے آنے کا مقصد کیا ہے۔؟

حضور والا!

خدا گواہ ہے۔ بھیجا بھی بڑی شان و شوکت سے۔ دماغ کے خانوں میں عقل کی شمع روشن کرکے بھیجا۔ دانتوں کے کٹہرے میں زبان کو بولنے کی طاقت میں پابند کرکے بھیجا۔ آنکھوں میں نور کے چراغ روشن کرکے بھیجا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دیکے بھیجا۔ زمین پہ پھیل جائیں تو جال بن جائیں اور چاند پہ پہنچ جائیں تو کمندیں بن جائیں ستارے ہمارے تابع۔ سورج ہمارے تابع۔ چاند ہمارے تابع۔ آسمان ہلکے تابع۔ زمین ہمارے تابع۔ اور آج ہم زمین سے فارغ ہو کر آسمان پہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور فرشتوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے کہ "جنت سے نکلا ہوا" پھر واپس آ رہا ہے۔ گویا خدا نے اس شان سے ہمیں بھیجا۔ ہماری طاقت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ہماری قوت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

بچو!

سینکڑوں دفعہ یہ بات تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ ہماری طاقت کی حد ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر امریکہ، روس اور لندن کی باتیں سنتے ہیں اور سننے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ سامنے ایک صندوق رکھ لیا۔ ہم سننے بیٹھ گئے اور صندوق سے کہا "سناؤ کوئی نئی سی بات"، اور پھر لطف یہ ہے کہ اس کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتے بلکہ بڑے آرام سے اس کے کان مروڑتے ہیں۔ اور وہ ہمارے سامنے باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔

اب بتاؤ! جب ہم یہاں بیٹھ کر پوری دنیا کی باتیں سن سکتے ہیں۔ اب اگر ہم اس کا نام "وحی" رکھ دیں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ بس اگر نام ہی رکھنا ہے تو آپ اسے "ریڈیو" کہدیں اور میں اسے "ٹیچی" یعنی فرشتہ کہہ دوں گا۔ لیجئے بڑی آسانی سے میں بھی نبی بن گیا۔

سامعین! - اگر آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو آج میں نبوت کا

دعویٰ نا کردوں!_____ **بچو** ! کیا ارادہ ہے !

دیکھو نا ! اگر تم تھوڑی دیر کے لئے میری ہاں میں ہاں ملا دو تو میں بھی بآسانی نبی بن سکتا ہوں، کیونکہ نبی کی جو شرطیں ہیں وہ تقریباً پوری ہیں۔

مثلاً آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ آنکھوں کے لئے عینک چاہیئے۔ دانت مصنوعی ہیں۔ چھڑی کے بغیر چل نہیں سکتا۔ بغیر سہارے کے کام نہیں ہوتا۔ دوسرے کی عقل سے سوچتا ہوں۔ گویا جب اپنے حواس ختم ہو جائیں، اپنی عقل ختم ہو جائے تو اس کے بعد نبی بن جاؤ۔ جھگڑا کس بات کا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں بیماریاں لگ جائیں مگر نام "مسیحا" ہوگا۔

بچو ! تم نے پھر "مرزئیت" "مردہ باد" کا نعرہ بلند کیا۔
میں کہتا ہوں "مردہ باد" نہ کہا کرو، اس لئے کہ "مردہ باد" تو وہ ہوتا ہے جو پہلے "زندہ" ہو اور جو پہلے ہی سے زندہ نہ ہو وہ "مردہ باد" کیسے کہلائے گا۔

بہر نوع میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے انسان کو بہت سی طاقتیں دے کر بھیجا ہے۔ آخر ہم نے عرض کی "خداوندا۔ تو نے اتنی طاقتیں دے کر ہمیں بھیجا ہے۔ آخر ہمارا آنے کا مقصد کیا ہے؟

اللہ جواب میں فرماتا ہے:

"دیکھو نا ! ہم نے تمہیں دنیا میں کھانے پینے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اگر تمہارے "بھیجے" میں عقل ہے تو ہمارے بھیجے کا مقصد سمجھو اور وہ یہ کہ ہم نے تمہیں "عبادت" کے لئے بھیجا ہے۔

صاحبان !

منبر کے قریب بیٹھے ہوئے یہ نوجوان بچے مجھے گھور رہے ہیں کہ:

" زیدی صاحب !" " کہدی نا آخر مولویوں والی بات "

میں کہتا ہوں " بچو!" آخر مولویوں والی بات سے چھٹکارا تو نہیں مل سکتا۔ حقیقی بات تو یہی ہے کہ اللہ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ خواہ تم اسے صحیح سمجھو یا غلط جانو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیا شے ہے؟

سامعین!

حضرات علمائے کرام یہاں پر تشریف فرما ہیں۔ یہ حضرات مجھ جاہل آدمی کی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ " عبادت " کا مفہوم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ

عبادت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس سے اللہ خوش ہو جائے

گویا جس کام سے اللہ خوش ہو جائے وہ عبادت ہے۔ اگر اللہ نماز پڑھنے سے خوش ہے تو یقیناً نماز عبادت ہے۔ اگر خدا روزہ رکھنے سے خوش ہے تو روزہ عبادت ہے۔ روزہ بذات خود عبادت نہیں چونکہ اللہ خوش ہے اس لئے عبادت ہے اور نماز بھی اس لئے عبادت کہ اللہ خوش ہے۔ گویا ہر وہ عمل جس سے اللہ خوش ہو جائے وہ عبادت ہے۔

پڑھے لکھے نوجوانو!

اب یہ بتاؤ کہ جب عبادت کرنی ہے ہمیں نے اور خوش کرنا ہے اللہ کو تو اب مجھے کیسے پتہ چلے کہ میرے اس عمل سے اللہ خوش بھی ہے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے میں یہ سمجھوں کہ اللہ بڑا خوش ہے اور وہ ناراض بیٹھا ہو۔ آخر کیسے پتہ چلے کہ اللہ خوش بھی ہے یا نہیں؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اللہ سے پوچھ آئیں کہ تو خوش بھی ہے یا نہیں؟

اب بتاؤ! تم میں سے کون اللہ کے گھر جانے کو تیار ہے؟

دیکھنا: کسی کو تحفہ یا نذر دستی بھیج دیں تو وہ واپس نہیں آتا اور جو کہتے ہیں کہ اللہ خوش ہے تو انہوں نے ابھی تک اللہ سے ملاقات ہی نہیں کی۔ آخر کس سے جا کر پوچھیں کہ اللہ ہمارے اعمال سے خوش ہے یا نہیں؟ کیونکہ جس کی پسند کا کام کرنا ہے وہ پردہ نشین ہے اور جنھوں نے کام کرنا ہے وہ نامحرم ہیں۔ نامحرم وہاں تک جا نہیں سکتا اور پردہ نشین ہم تک آ نہیں سکتا۔ لہٰذا اب پتہ کیسے چلے کہ ہمارے عمل سے وہ پردہ نشین معبود خوش بھی ہے یا نہیں؟

حضور والا!

یہ کوئی فلسفے کی بات نہیں۔ کوئی اُلجھا ہُوا مسئلہ نہیں۔ یہ سیدھی سادھی بات ہے کہ پردہ نشین کی پسند معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح ایک نوجوان نے شادی کی۔ نوجوان کا عالم، نئی نئی شادی اور بیگم صاحبہ گھر آئیں۔ اور آتے ہی دُولہا سے فرمائش کر دی کہ میرے لئے سونے کا ایک ہار منوا دو۔ چنانچہ دُولہا نے اپنی بستی کے سُنار کو گھر بلایا اور کہا:۔

"میری بیگم کے لئے ایک ہار بنا دو۔"

سُنار نے کہا:۔ "حضور! کیسا ہار بناؤں؟"

نوجوان بولا:۔ "ایسا ہار بناؤ جو میری بیگم کو پسند آ جائے۔"

سُنار نے کہا:۔ "جناب میں بیگم سے اُن کی پسند پُوچھ سکتا ہوں؟"

نوجوان بولا:۔ "خبردار، میری بیگم پردہ نشین ہے۔ نہ تم وہاں جا سکتے ہو۔ اور نہ ہی وہ باہر آ کر بتا سکتی ہے۔"

آخر ایک عقل مند نے سمجھایا کہ یہ بات تو آسان ہے۔ اگر تم بیگم کی پسند کا ہار بنوانا چاہتے ہو تو اس سے کہو کہ وہ اپنی پسند کا ہار بنوانے کے لئے کوئی نمونہ دے۔ چنانچہ بیگم نے ایک نمونہ دے دیا۔ اور سُنار اُسے لیکر گھر آ گیا۔ اب سُنار پر یہ فرض ہے کہ

وہ اپنی عقل کو دخل نہ دے۔ بلکہ جو نمونہ اس گھر سے آیا ہے بالکل اس کے مطابق عمل کرتے رہیں گویا جو نمونہ اُدھر سے آیا ہے اسے دیکھنے رہو اور عمل کرتے رہو نا کہ اپنا کوئی نمونہ گھڑ لینا۔

دیکھو نا: اگر اللہ کو خوش کرنے کے لیے عبادت کرنی ہے تو صرف اسی نمونے کے مطابق کرنا جو اُدھر سے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے تمہاری صندوقچی میں کوئی بڑا خوبصورت نمونہ ہو مگر وہ تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے۔ جو اسے پسند نہ آئے لہٰذا تم اس نمونہ پر عمل کرنا جو اُدھر سے آیا ہے نہ کہ ادھر سے آیا ہو۔

محترم سامعین!

اللہ نے بھی یہی انتظام فرمایا کہ ہمیں سمجھانے کے لئے صنف۔۔۔ کو راکرنے کیلئے اپنی عبادت کروانے کے لئے ہمارے ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے ہمیں مومن بنانے کے لئے۔ اللہ نے ایک نمونہ بھیجا اور نمونے کے ساتھ ساتھ نمونہ والا نیز کتاب بھی بھیج دی اور کہا۔

دیکھو! یہ کتاب ہے اور یہ اس کتاب کو لیکر آیا ہے۔ کتاب کو پڑھنا اور کتاب والے کو دیکھنا۔ دونوں مل کے تمہیں بتائیں گے کہ یہ نمونہ ہے اور دیکھو! یہ وہ کتاب ہے جو "لَا رَیْبَ فِیْہِ" ہے۔ جس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ جس کا نکتہ سہی۔ جس کا زیر و زبر صحیح۔ جس کا لفظ سہی۔ جس کا سکون سہی جسکی حرکت سہی جسکی حیثیت سہی۔ جس کا انداز سہی۔ جو سر سے پیر تک صحیح ہی صحیح ہے جسے حق نے اتارا ہے۔ حق پہ اتارا ہے۔ حق اس کے مضامین ہیں۔ حق اس کے مطالب ہیں۔ حق اس کی تعلیمات ہیں۔ حق اس کے بیانات ہیں۔ حق اس کا خلاصہ ہے حق اس کا پہنچانے والا ہے۔ حق اس پر عمل کرنے والا ہے۔ حق اسے لانے والا ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں ہے کہ اسے ناحق کہے۔

گویا یہ کتاب "لاریب فیہ" ہے۔ جو میں تمہیں بھیج رہا ہوں اور اس "لا ریب فیہ"۔ کتاب کو لانے والا بھی "لا عیب فیہ" ہے۔ کتاب میں ریب نہیں۔ اور پہنچانے والے میں عیب نہیں۔ لہٰذا کسی "عیب دار" کی مجال نہیں "لا ریب فیہ" کتاب کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور سن لو یہی طرح سے کہ اس کتاب کا مصنف میں خود ہوں۔ یہ کتاب میری اپنی تصنیف کردہ ہے۔ میں نے ہی تصنیف کرنے کے بعد اس کتاب کے شائع کرنے کا بھی انتظام کیا تاکہ یہ کتاب چھپ کر دنیا کے سامنے آ جائے۔

سامعین کرام!

سب سے پہلا پریس جس میں اس کتاب کو خدا نے چھپوانا چاہا اس پریس کا نام تھا "آدم پرنٹنگ پریس" خدا نے چاہا کہ اپنی کتاب کو یہاں چھپوا دیں۔ لہٰذا جب آدم پریس میں کتاب چھپنے کی نوبت آئی تو "آتش مزاج" سے جھگڑا ہو گیا۔ اللہ نے کہا ہم اپنی کتاب یہاں نہیں چھپوا سکتے۔

چنانچہ کچھ دنوں بعد "نوح پرنٹنگ پریس" قائم ہوا۔ اللہ نے اپنی کتاب یہاں چھپنے کے لئے دی مگر ابھی کتاب کے چھپنے کا ارادہ ہی تھا کہ نوح پریس سیلاب کی زد میں آ گیا۔ چنانچہ کسی اور پریس کی تلاش شروع ہو گئی۔ بالآخر "ابراہیم پریس" بنا۔ خدا نے چاہا کہ اپنی کتاب یہاں چھپوا لیں۔ چنانچہ پریس کے پروپرائٹر سے پورا معاہدہ بھی ہو گیا۔ حق اشاعت بھی طے ہو گئے۔ مصنف نے پریس والے کو اپنا "خلیل" بھی بنا لیا۔ جب سارے مرحلے طے ہو گئے مگر جب چھپنے کا وقت آیا تو اللہ جانے پریس والے کی آنکھوں پہ کیا پٹی بندھ گئی کہ اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب رکوا دی کہ یہاں نہیں چھپے گی۔

اس کے بعد "موسیٰ پریس" قائم ہوا۔ کتابت بھی ہو چکی تھی۔ کتاب

عنقریب چھپنے والی تھی کہ جب پتھر پہ چڑھی تو پتھر جل گیا۔ بہرنوع کتاب یہاں بھی نہ چھپ سکی۔

اس کے بعد جب "عیسٰی پریس" میں کتاب گئی تو پریس والا پریس چھوڑ کر آسمانوں پہ چلا گیا۔ گویا اعلیٰ حضرت کی کتاب یہاں بھی نہ چھپ سکی۔

آخرکار مصنف نے کتاب کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔ کچھ دن بعد عرب کی خشک آب و ہوا میں "محمدی پریس" قائم ہوا۔ اللہ نے پریس کے پروپرائٹر سے کہا۔

"محمدؐ! سُنتے بھی ہو۔ ہماری کتاب چھپواؤ گے؟"

محمدؐ نے جواب دیا۔ "ہاں۔ ضرور چھپوائیں گے۔"

اللہ نے پوچھا "محمدؐ! چھپائی کی اُجرت کیا ہوگی؟"

محمدؐ نے کہا۔ "خداوندا۔ اُجرت یہی ہے کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس کتاب کا "حقِ طباعت" میرے پاس محفوظ رہے گا۔ تاکہ میرے بعد کوئی آکر یہ نہ کہے کہ میرے پاس بھی کتاب آئی ہے۔"

اللہ نے کہا۔ "محمدؐ! میں تو کسی اور کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر تیرے ہی "غلاموں" میں سے کوئی نکل دے تو میں کیا کروں۔"

بہرنوع! یہ کتاب محمدی پریس میں چھپی اور چھپنے کے بعد پریس کے دروازہ پہ وحی کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى الخ" تاکہ باہر کی بات آنے نہ پائے۔ اور اپنی بات باہر جانے نہ پائے۔ الغرض کتاب چھپ کر سامنے آگئی اور ہمیں حکم ہوا کہ تم اس کتاب کو پڑھو۔ لہٰذا ہم نے کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ کتاب کے شروع میں لکھا تھا۔ "اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ"

محمدؐ پہ ایمان لانا ضروری ہے

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ"

ہر اس شے پر جو تجھ پہ نازل کی گئی

"وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ

اور ہر اُس شے پر جو تجھ سے قبل نازل کی گئی

گویا دو چیزوں پر ایمان لانے ہیں۔ ایک اس چیز پہ جو محمدؐ پہ نازل ہوئی اور ایک اس چیز پر جو محمدؐ سے قبل نازل ہوئی۔

عُلمائے کرام!

خدا آپ کے علم میں ترقی عطا فرمائے۔ آج مجھ غریب شہر کی بات بھی سُن لو چونکہ میں حافظ نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے میں نے آیت غلط پڑھ دی ہو۔ خدارا۔ مجھے بتائیے کہ اس سے آگے بھی کچھ ہے"؟

"مولانا! آخرت کی باتیں ابھی نہ کیجئے۔ ابھی ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ اس آیت میں "محمدؐ پر اور اس سے قبل" کے بعد کوئی اور ایمان کی بات ہے؟

ہرگز نہیں۔

کیوں مولانا! اگر خدا یہ بھی کہہ دیتا کہ "مِنْ بَعْدِہٖ" تو کیا کتاب کا حجم بڑھ جاتا۔ اسے حفظ کرنے میں کوئی خرابی واقع ہو جاتی؟

ہرگز نہیں۔

سامعین!

اگر محمدؐ کے بعد کوئی چیز ایمان لانے کے قابل ہے اور اللہ نے نہیں لکھا اور ہم ایمان نہیں لائے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم تو اللہ سے ہی پوچھیں گے۔ "خداوندا۔ معاف کرنا۔ اگر محمدؐ کے بعد بھی کسی کو بھیجنا تھا تو "مِنْ بَعْدِہٖ"

کیوں نہیں بتایا۔ آج ہم صرف نیز سے نہ لکھنے کی وجہ سے نہیں مان رہے۔ اگر تو "مِنْ بَعْدِہٖ" لکھ دیتا تو ہمیں کیا اعتراض تھا۔

بزرگانِ من!

اصولِ دین تین ہیں۔ توحید۔ نبوّت اور قیامت "

توحید و نبوّت پر ہمارا "ایمان" ہے اور قیامت پر ہمارا "یقین" ہے۔

اور یقین و ایمان میں فرق ہے۔

دیکھونا! اگر بڑے زور کی بارش ہو رہی ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج بارش کیا ہو رہی، قیامت ہے۔ اسی طرح کوئٹہ میں جب زلزلہ آیا تو ہم نے کہہ دیا "قیامت آگئی" حالانکہ قیامت نہیں آئی تھی مگر ہم نے استعارہ کے طور پر قیامت کہہ دیا۔ قیامت کا لفظ ہم استعارہ کے طور پر، تشبیہ کے طور پر، شاعری کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں جس طرح اگر یہاں مولانا احتشام الحق تھانوی تقریر کر رہے ہوں (جیسا کہ انہوں نے یہاں پڑھنا تھا جو کسی وجہ سے نہ آسکے)۔ بہر نوع وہ اگر آجاتے اور یہاں تقریر کرتے تو سامعین بہت لطف اندوز ہوتے۔ اب مولانا موصوف کی تقریر سُنکر کیا ہم استعارے کے طور پر، تشبیہ کے طور پر، شاعری کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا موصوف کی تقریر کیا ہے بس "نبوّت ہے"؟ ہرگز نہیں۔

معلوم ہُوا کہ توحید و نبوّت اتنی مستحکم چیز ہے کہ جس کا نام تشبیہ و استعارہ کے طور پر بھی نہیں لیا جاسکتا۔ مگر "یقین" وہاں ہے جہاں شاعری کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔

بہر نوع! اللہ نے کہہ دیا کہ ایمان لاؤ محمّد پر اور ان چیزوں پر جو اس پر نازل کی گئی ہیں۔ اور ان چیزوں پر جو اس سے قبل نازل کی گئی ہیں۔ رہ گیا محمّد کے بعد۔؟ یہاں تمہاری مرضی۔ ہم تو کچھ نہیں کہیں گے۔ تم جانو اور تمہاری مرضی۔

معزز سامعین!

محمدؐ کتاب لے کر آگئے۔ اور فرمایا کہ اسے پڑھو۔ اسے سمجھو۔ اور کتاب نے بھی اعلان کر دیا کہ دُنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو اس کتاب میں نہ ہو اور دیکھو! اس کتاب کے پہنچانے والے نے کہہ دیا کہ دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں ہے جو میں تمہیں سمجھا نہ سکوں اور یہ اعلان وہ انسان کر رہا ہے جو اُمّی تھا جس نے پڑھا ہی کچھ نہیں۔

کیوں بچّو!

تمہارے رسولؐ نے کسی درس میں پڑھا تھا؟ .... ہرگز نہیں

دیکھو! جمہوریت کا زمانہ ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ اگر مذہب کا معاملہ بھی ہو تو پھر بھی جمہور سے پوچھنا پڑتا ہے اگرچہ یہ غلط ہے۔

سامعین!

میں آج ہی لاہور سے آیا ہوں۔ تاکہ یہاں آپ کے سامنے کچھ بیان کروں۔ اب اگر میں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر بجائے تقریر کرنے کے۔ اپنی جیب سے ایک کتاب نکال لوں اور پڑھنا شروع کر دوں۔ اِدھر لوگ کہتے ہیں۔

"مولانا! تقریر شروع کریں"

میں کہتا ہوں "ابھی ٹھہرو"

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ "زیدی صاحب! شروع کریں!"

میں نے کہا "ٹھہرو بھئی"

جب دس پندرہ منٹ اسی طرح گذر گئے تو تمام مجمع اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

"زیدی صاحب! اگر یہاں آکر ہی پڑھنا تھا تو تکلیف کیوں فرمائی یہیں تو

ایسا مولوی چاہیئے جو گھر سے پڑھ کر آیا ہو۔"

صاحبان!

جب آپ ایسے مولوی کو برداشت نہیں کر سکتے جو یہاں آکر پڑھے تو ایسے نبیؐ کو کون برداشت کرے گا جو یہاں آکر پڑھا ہو۔ لہٰذا ہم تو ایسے نبی کو مانتے ہیں جو یہاں آکے نہ پڑھے "اُمی" کہلائے مگر کائنات کا کوئی علم ایسا نہ ہو جس پر اُسے عبُور نہ ہو۔ بہر نوع ہمارا بے پڑھا نبی آگیا۔ اور اس نے کہا۔

"**دیکھو!** میں پڑھا نہیں مگر سب کو پڑھاؤں گا۔ کوئی ایسا علم نہیں جو میرے علم سے باہر ہو۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں۔ کوئی ایسی شے نہیں جو مجھے معلوم نہ ہو۔ میں تمہارا ہادی بن کر آیا ہوں۔ تمہیں دین بھی سکھاؤنگا اور تمہیں دنیا بھی سکھاؤں گا۔ کوئی ایسی شے نہیں جو تمہیں بنانے سے رہ جائے لہٰذا تمہیں ہر شے سکھائی جائے گی۔"

چنانچہ محمدؐ نے ہمیں ہر شے سکھا کے، ہر شے پڑھا کے۔ بھیجنے والے کی زبان سے کہلوا دیا "**اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ**" آج کمال ہو گیا۔ آج وہ نبوت جو میری نعمت تھی وہ "**تمام**" ہو گئی۔

بھائیو! "**نعمت**" کے "**تمام**" ہونے کا لفظ بتاتا ہے کہ "**نعمت**" والی نبوت جو تھی وہ تمام ہو گئی اب اگر کوئی "بے نعمت" والی نبوت آجائے تو میں کیا کروں۔ بہر کیف بے پڑھے نے ہمیں سب کچھ پڑھا دیا لہٰذا اسکے بعد ہمیں کسی اور نبوت کی ہرگز ضرورت نہیں

بچو!

اگر تم ہنسو گے نہیں تو ایک بات سناؤں؟

دیکھو نا! جب میں نے شروع شروع میں مجالس پڑھنا شروع کیں تو ایک دن کسی نے مجھے کہا "قبلہ زیدی صاحب"

میں نے کہا ،،توبہ کرو۔ میں کیسے "قبلہ" بن سکتا ہوں۔ قبلہ تو علماء ہوتے ہیں لہٰذا مجھے قبلہ مت کہو،،

چند دن بعد کسی نے پھر کہا۔ اور میں نے پھر منع کیا۔ چنانچہ تین چار مہینے شروع شروع میں منع کرتا رہا کہ میں قبلہ نہیں ہوں۔ جب پچاس آدمی مجھے قبلہ کہنے لگے تو میں چپ ہو گیا۔ اور جب سو دوسو آدمی کہنے لگے تو میں نے کہا۔

،، ہو سکتا ہے کہ میں قبلہ ہی ہوں ،،

اب مجھے بھی یقین ہو گیا۔ کچھ دن بعد تو یہ حالت بھی ہو گئی کہ اب اگر کوئی قبلہ نہیں کہتا تو بُرا لگتا ہے۔

حضور والا!

اس طرح بن جاتا ہے بننے والا ورنہ یہ مشہور تاریخی شخصیتیں جنھیں آپ "فرعون و نمرود" کہتے ہیں۔ کیا وہ پاگل تھے۔ کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ ہم خدا نہیں ہیں ؟ حالانکہ ان مسخروں کو پتہ تھا کہ ہم خدا نہیں ہیں مگر پاس بیٹھنے والے بیوقوف احمق جو کہہ رہے تھے کہ تم خدا ہو۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ کیوں نا ان احمقوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا بن جائیں کیونکہ مفت میں بن رہے تھے۔ لہٰذا فرعون و نمرود خدا بن کے بیٹھ گئے۔ اور یاد رکھو ! لفظ فرعون و نمرود اس بات کی علامت ہے کہ ایسا شخص جو ایسی بات کا دعویٰ کرے۔ جو اس میں نہیں ہے تو وہ "فرعون و نمرود" ہو گا۔ چاہے وہ زید ہو یا بکر ہو۔

اور اپنی فرعونیت کو مستحکم کرنے کے لئے فرعون نے بھی اپنے وزیر ،، ہامان،، کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک ،، مینار،، تو بنا دو۔

گویا فرعون کی یہ پہچان ہے کہ جب کوئی فرعون بنتا ہے تو اپنے لئے ایک "مینار" بھی بنواتا ہے تاکہ اس کی پہچان ہو سکے۔ بہر نوع یوں بن جاتے ہیں بننے والے

اب ان سے کوئی پوچھے کیوں بنتے ہو؟۔ تو وہ جواب میں کہیں گے ،،لوگ جو بنا رہے ہیں اس لئے ہمیں بننا پڑے گا،،۔ ہم نے پوچھا ،تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی سزا کیا ہے ۔؟

وہ جواب میں کہتے ہیں ،،ہمیں اپنا انجام معلوم ہے کہ دُنیا میں تو عیش کریں گے اور آخرت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ جہنم میں چلے جائیں گے،،

سامعین کرام!

آج ہم خدا کے فضل و کرم سے اکٹھے بیٹھے ہیں ۔ ایک ہی نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں ۔ اور ہمارا کلمہ پڑھنے کا مطلب یہی ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، جس طرح خدا کے بعد نہ کوئی اور خدا ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح ،،مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ، کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ محمدؐ کے رسُول ہونے کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا رسُول ہو سکتا ہی نہیں ۔

یاد رکھو!.... محمدؐ کے بعد نہ تو ابو بکر نبی ہو سکتا ہے اور نہ ہی علیؑ نبی ہو سکتے ہیں ۔ نہ ہی حسنؑ نبی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حسینؑ نبی ہو سکتے ہیں ان تمام حضرات کی عزّت اسی بات میں ہے کہ وہ ختم نبوۃ کی حفاظت میں مر گئے ان کی شان اسی بات میں ہے کہ وہ ختم نبوۃ کی حفاظت کرتے رہے

صاحبانِ فکر!

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں جب ،،مسلیمہ کذاب،، کو قتل کیا گیا تھا تو اتنا اتحاد مسلمانوں میں کبھی ہوا ہی نہیں جتنا اس مسخرے کے قتل کے وقت ہوا تھا ۔ حالانکہ مسلیمہ کذاب اہلبیتؑ کا ماننے والا تھا اصحابؓ کا ماننے والا تھا ۔ اور وہ کلمہ بھی یہی پڑھتا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسُول اللّٰہ، اس کی اذان بھی یہی تھی ،،اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہ،، اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ محمدؐ بھی نبی ہیں ۔ مگر چھوٹا سا میں بھی

نبی ہوں !

بچو ! ایک بات بتا دوں کہ منکر وہ ہوتا ہے جو کسی بات سے انکار کر دے اور مشرک وہ ہوتا ہے جو کسی بات میں شریک ہو جائے۔ لہذا شرک اور چیز ہے اور منکر اور چیز ہے۔ شرک کرنے والا شریک باری تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اور محمدؐ کی نبوت سے انکار کرنے والا منکر کہلاتا ہے۔ جس طرح مسلیمہ کذاب نے شریک باری تعالیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ ختم نبوۃ سے انکار بھی کیا۔ جس کا جواب اس کے قتل کی شکل میں اہلبیتِ رسولؐ و اصحابِ رسولؐ نے دیا۔

سامعین !

یاد رکھو ! اگر کسی کو یہ گمان بھی ہوتا کہ محمدؐ کے بعد کوئی اور نبی آ سکتا ہے تو محمدؐ کی اتنی مخالفت نہ ہوتی جتنی ہو رہی ہے۔ محمدؐ کی مخالفت جو ان کی اولاد تک جاری رہی اس کا اصل نکتہ یہی ہے کہ اب نبی کوئی نہیں آئے گا۔

علمائے کرام !

آج میں آپ صاحبان کے سامنے حلفیہ کہتا ہوں کہ اگر یزید کو یہ پتہ ہوتا کہ محمدؐ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے تو وہ اتنے بڑے سانحہ عظیم کا ذمہ دار نہ بنتا۔ بلکہ خاموش ہو جاتا کہ چلو کوئی بات نہیں پانچ چھ سال بعد نبوت کا دعویٰ کر دوں گا۔ مگر یزید جانتا تھا کہ یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے اس نے کہا کہ اہلبیت رسولؐ کو قتل کر دو۔

سامعین !

یہ میرے بیان کے آخری فقرے ہیں کہ آلِ محمدؐ نے اور اصحابِ محمدؐ نے ختم نبوۃ کی حفاظت کے لئے کہیں منکر ختم نبوۃ کو قتل کر کے ختم نبوۃ کو بچایا اور کہیں اپنے آپکو قتل کروا کے ختم نبوۃ کو بچایا۔ اور پھر

حسینؑ کے یہ آخری فقرے آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں۔ یوم عاشور

ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو کر حسینؑ مسلمانوں کے مجمع سے کہہ رہا ہے۔

"مسلمانو!..... سُن لو۔ زمین و آسمان سُن لے۔ اللہ کے فرشتے سُن لیں فضا و ہوا سُن لے۔ خلا سُن لے۔ پانی کے قطرے سُن لیں۔ ہوا کے ذرّے سُن لیں شجر و حجر سُن لیں۔ دُنیا کی ہر شے سُن لے۔ پُوری کائنات سُن لے کہ میں کہہ رہا ہوں۔

"ان ابن رسول اللہ" میں بیٹا ہوں رسُولؐ کا لہٰذا ابد تک نبی کا بیٹا پیدا نہیں ہو گا۔ کیونکہ نہ نبی ہو گا اور نہ ہی نبی کا بیٹا ہو گا۔

"ان ابن بنت رسول اللہ" میں محمدؐ رسول اللہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ کیونکہ قیامت تک رسُولؐ کی بیٹی کا بیٹا نہیں آئے گا۔ نہ رسُولؐ ہو گا نہ اُسکی بیٹی ہو گی اور نہ اس کا بیٹا ہو گا۔

یہ کہہ کر حسینؑ نے بلند آواز سے کہا "ھل من ناصر"

کوئی ہے جو ختم نبوۃ کے بچانے میں میری مدد کرے؟

بہر نوع یہ فقرہ آج بھی فضا میں گونج رہا ہے اور ہم حسینؑ سے وعدہ کرتے ہیں

"حسینؑ!

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے نانا کی ختم نبوۃ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر وہ قربانی جو ہم دے سکتے ہوں۔ دیں گے۔ مگر ختم نبوۃ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ ؎

ہو سیہ خانوں کی رونق اور آئینہ خانے مٹیں
شمع گل ہونے سے پہلے کیوں نہ پروانے مٹیں

لہٰذا آج ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم پروانے موجود ہیں اور شمع محمدی پر جلنا ہمارا

فرض ہے۔

محترم بزرگو!

آج مجھ سے پوچھا جا رہا ہے کہ ختم نبوۃ پہ ایمان نہ رکھنے والے مسلمان ہیں یا نہیں؟ تو عرض ہے کہ ان کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے پہلے مجھے یہ ڈر کھائے جا رہا ہے کہ میں اپنے لئے کیا فیصلہ کروں کہ آیا میں بھی مسلمان ہوں یا نہیں؟ اور وہ اس لئے کہ میں نے اخباروں میں پڑھا ہے اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کہ اس ملک کے بانی قائد اعظم کے جنازے پہ کھڑے ہو کر یہ کہا گیا تھا کہ "میں ایک مسلمان حکومت کا کافر ملازم ہوں یا ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم ہوں"۔

بہر نوع جو شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو تو میں کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو تم کافر ہو۔

لہٰذا آج میں اس شخص کے فیصلہ کے مطابق اپنے لئے فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر میں مسلمان ہوں تو بقول اس کے وہ خود بخود کافر ہو گیا۔ ورنہ میں کافر ہونے کا فیصلہ کروں گا۔ مجھے تو اپنے بارے میں فیصلہ کرنا ہے۔

اور یاد رکھو!

حکومتیں کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتیں۔ یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہے۔

دیکھو نا! نبوت سے قومیں بنتی ہیں اور ان میں انتزاک پیدا ہوتا ہے اور قومیں اِدھر اُدھر ہوتی ہیں۔ اب آج اگر کوئی صاحب نئی نبوت لیکر آئے ہیں تو وہ الگ، اُمت ہو گئے اور ہم الگ اُمت ہو گئے۔ اب جب ہم الگ الگ اُمت ہو گئے تو ہمیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ ہم ایک ہو جائیں بلکہ وہ تو علیحدہ اُمت بنکر ہم سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہم علیحدہ ہیں اور وہ علیحدہ ہیں۔ بس اسی علیحدگی کا نام تم نے "**بائیکاٹ**" رکھ لیا حالانکہ "بائیکاٹ" کوئی انوکھی چیز نہیں ہے

بائیکاٹ کا تو صرف مطلب ہی یہی ہے کہ "تم اور رہو۔ اور ہم اور رہیں" ہم کسی کو مارتے نہیں۔ ہم کسی کو ستاتے نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم اور رہو۔ ہم اور رہیں" تم نے خود ہی نئی نبوت بنا کے اپنے کو علیحدہ کر لیا لہٰذا تم اور رہو۔ ہم اور رہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی میل نہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہمارا تمہارا کوئی ناطہ نہیں لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ہمارا بائیکاٹ کیوں کرتے ہو؟ اگر ہم نے کوئی نئی نبوت بنالی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ شیعہ سُنّی بھی تو آپس میں لڑتے ہیں؟۔

سامعین!

ہم کب کہتے ہیں کہ ہم شیعہ سُنّی آپس میں نہیں لڑتے۔ ہم لڑتے ہیں اور انشاءاللہ قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ مگر

یاد رکھو! .... اگر کوئی سُنی مجھے قتل بھی کر دے گا تو میرا جنازہ بھی وہی پڑھے گا۔ مجھے دفن بھی وہی کرے گا۔ رہ گئی ہماری لڑائی تو وہ صرف یہی ہے کہ شیعہ سُنی دونوں ہم بھائی ہیں اور ہم دونوں بھائی اس بات پہ جھگڑ رہے ہیں کہ محمدؐ ہم دونوں کے باپ ہیں۔ شیعہ کہتا ہے کہ میں اپنے باپ کو زیادہ پیارا ہوں اور سُنی کہتا ہے "میں باپ کو زیادہ پیارا ہوں گویا شیعہ سُنی کا تو اس بات پہ جھگڑا ہے کہ باپ کو پیارا کون ہے؟ اور جس کی ماں نے "خصم" ہی اور کر لیا ہو اس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دے۔

حضرات!

اگر منطق کی رو سے۔ کسی فلسفے کی رُو سے، کسی استدلال کی رُو سے آج میں یہ کہوں کہ میں نبی ہوں اور میرے نبی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شیعہ سُنی آپس میں لڑتے ہیں تو آپ کہیں گے کہ "اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ پاگل ہو گیا ہے" کیونکہ شیعہ سُنی کا جھگڑا اور چیز ہے اور نبوت کی دلیل اور چیز ہے۔ اگر ہم شیعہ سُنی لڑتے ہیں

تو لڑنے دو۔ ہماری لڑائی کا ذکر چھیڑنے کا مقصد یہ ہے کہ ان احمقوں کے پاس اپنی نبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یونہی خواہ مخواہ کے لئے ہماری لڑائی کی بات چھیڑ دیتے ہیں۔ شیعہ سنی کی لڑائی ہمارے گھر کی بات ہے۔ ہمارا اپنا قصہ ہے۔ کسی کو ہمارے گھریلو معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

سامعین!

پاکستان بننے سے پہلے میں قادیان (ہندوستان) میں تقریر کر رہا تھا اور میرے سامنے ایک تختہ سیاہ لٹکا دیا گیا جس پر لکھ دیا گیا۔ ”آپ کا مذہب شیعہ ہے“؟

میں نے کہا۔ ”جی ہاں۔ فرمایئے کیا بات ہے“؟

” زیدی صاحب! یہ بتایئں کہ شیعہ صاحبان کا خلفائے ثلاثہ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے“؟

میں نے کہا ”آپ کو کیا تکلیف ہے۔ آپ کون ہیں پوچھنے والے“؟

” زیدی صاحب! ہم تو یونہی پوچھ رہے تھے“

میں نے کہا میری بات سنو! ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا گھوڑا جس جگہ پر پیشاب کرتا تھا۔ اس کے قطرے کے برابر بھی ” نیا نبی “ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے۔ تم اپنی فکر کرو۔ تمہیں ہمارے جھگڑے سے کوئی واسطہ نہیں۔

دیکھو نا!

یہ ایسی شر پیدا ہوئی کہ آج ہم بھائی بھائی ملے بیٹھے ہیں گھر جائیں گے۔ آپس میں تقسیم پہ لڑیں گے۔ شریک جو ہوئے۔ بہر نوع آج ہم دشمن کے سامنے اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اور انشاءاللہ اکٹھے مل کر دشمن کے سوال کا منہ توڑ جواب دیں گے۔

صاحبان! جب ہم ہندوستان سے ہجرت کرکے پاکستان آرہے

تجھے تو راستے ہیں "غیر مسلم" ہمارے قافلوں پہ حملے کر رہے تھے تو بتاؤ!
اس وقت ہمیں قتل کرتے وقت وہ پوچھا کرتے تھے کہ تم سُنی یا شیعہ ہو؟۔
ہرگز نہیں۔

لہٰذا جب ہم قتل ہونے کے لئے ایک تھے تو زندہ رہنے کے لئے کیوں نا ایک ہیں
بہر نوع یہ فضول باتیں آج نہیں چلیں گی آج فیصلہ ہو کے رہے گا۔ دُودھ کا دُودھ
اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔ یا ہم مسلم ہیں یا تم کافر ہو۔ یا میرا گریبان چاک یا اپنا
گریبان چاک۔ یہ فیصلہ ضرور ہوگا۔ دیر میں ہو۔ جب ہو بہر کیف یہ فیصلہ ہو کے رہے گا
اور رہ گیا "امن" تو سُنو ہمیں امن کی تلقین کرنے والو!

ہم سے بہتر پُر "امن" نہ کوئی ہے اور نہ ہی ہوگا۔ ہم تو بالکل پُر امن ہیں۔
دیکھلو نا! ہم ہیں "مومن" اور مومن کا لفظ "ایمان" سے بنا ہے اور ایمان
ہے افعال کے وزن پر اس کا مادہ ہے امن۔ لہٰذا امن نہ ہو تو ایمان نہیں ہوتا۔
بہر نوع مومن تو ہوتا ہی پُر امن ہے۔ آج تم ہمیں امن کی تلقین کرنے ہو بجاؤ
پہلے اپنے کو پُر امن بناؤ۔

اب معترض کہتا ہے "زیدی صاحب! انہوں نے دُودھ پلا دیا تھا" اور
ساتھ ہی مثال یہ دیتے ہیں کہ علیؑ نے بھی اپنے قاتل کو شربت پلایا تھا۔

میں کہتا ہوں "اگر میرے دادا علیؑ نے اپنے قاتل کو شربت پلایا تھا تو اگر ضرورت
پڑی تو میں بھی اپنے قاتل کو شربت پلا دوں گا مگر تمہارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے
کہ علیؑ نے "ختم نبوۃ" کے منکر کو شربت پلایا ہو۔

بہر نوع بائیکاٹ کا مطلب یہ ہے کہ "تم اور ہو، ہم اور ہیں" ہمارا تمہارا کوئی واسطہ
نہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اس میں نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی کوئی لڑائی ہے۔
بہر کیف! ہم بڑے پُر امن ہیں اور پُر امن رہیں گے۔ انشاءاللہ۔ اور

عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے "ایمان" کے زور سے ہر "بے ایمان" کو منوائیں گے کہ یا تو اسے "مومن" ہونا پڑے گا یا پھر ہم سے علیحدہ رہنا پڑے گا۔

بزرگانِ من!

خدا شاہد ہے۔ اس میں تو بہت فائدہ ہے کہ اگر کوئی "غیر مسلم" اقلیت ہو جائے کیونکہ "غیر مسلم اقلیت" ہونے سے وہ ہماری حفاظت میں آ جائیں گے۔ وہ ہماری ذمی بن جائے گی اور ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ ذمی ہماری حصہ دار نہیں رہے گی۔ شریک نہیں رہے گی بلکہ ہماری "رعایا" بن کے ہماری حفاظت میں آجائے گی۔

سامعین!

میں اپنے بیان کو یہاں آکر ختم کرتا ہوں کہ میں نے اپنی پوری تقریر میں نہ تو کسی صاحب کا نام لیا اور نہ ہی کسی پہ فرداً فرداً تنقید کی ہے۔ صرف حقیقت بیان کی ہے یا اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔

عزیز بچو!

دُکھ تو اس بات کا ہے کہ مجھے کسی کا نام آتا ہی نہیں۔ میرے ہم وطن یو۔ پی والوں کو یاد ہو گا اور مجھے بھی یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو میری ماں سردیوں میں میرے لئے کپڑے میں روئی سی کر مجھے پہنایا کرتی تھی جسے یو۔ پی کی زبان میں "مرزائی" کہتے ہیں۔ اب پاکستان میں آکر ہم نے وہ بھی پہننا چھوڑ دی اور اس کے عوض "سوئیٹر" پہن لیا۔ لہٰذا مجھے کسی کا نام یاد ہی نہیں رہا۔ بہر نوع ہمارا تو آخری فیصلہ یہی ہے کہ محمد کے بعد نبی اور اس کے اعلان کے بعد حتمی۔ ظلی۔ بروزی۔ چھوٹا بڑا۔ مذاقاً۔ شاعرانہ طور پر بھی کوئی اور نبی ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر وہ روئے زمین کے سارے مُردوں کو زندہ کر دے۔ جب بھی نہیں۔ اگر اس کی

ساری پیشین گوئیاں صحیح ہو جائیں۔ جب بھی نہیں۔ وہ کچھ بھی کر دے جب بھی نہیں۔

لہٰذا جب ایک بات طے شدہ ہے کہ "نہیں" تو نہیں ہی نہیں ہے۔ گویا محمدؐ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہی نہیں۔

پیارے بچو! ایک دن مجھے کسی شخص نے کہا۔

"زیدی صاحب! آج فلاں فرقے کا جلسہ ہو رہا ہے۔ وہاں تم بھی چل کے شرکت کرو۔ کیونکہ وہاں وہ اپنی نبوت کے دلائل پیش کریں گے"

میں نے کہا نہیں بھئی! آج مجھے فرصت نہیں ہے۔ کل آؤں گا۔ آج میں کسی اور جلسہ میں جا رہا ہوں"

اس نے پوچھا کون سا جلسہ؟

میں نے کہا "سنا ہے۔ اللہ میاں مر گئے ہیں اور آج اس کی تعزیت میں جلسہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں بھی اسی جلسہ میں شرکت کرنے جا رہا ہوں"

اس نے کہا "زیدی صاحب! شرم کرو۔ ہوش میں ہو۔ کہیں اللہ بھی مر سکتا ہے؟"

بس لہٰذا بھئی! جس طرح اللہ نہیں مر سکتا اسی طرح محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے۔

پیارے بچو!

سنا ہے کہ بھیڑ کے بچے نے ماں سے کہا کہ

"اماں! خنزیر کیا شے ہوتی ہے؟

بھیڑ نے جواب دیا۔

"بیٹا! چپ رہو۔ لوگوں کا مجھ پر ہی شبہ ہے"

بس بھائیو ! اسی طرح کسی نے کسی پاگل سے پوچھ لیا کہ۔
" قبلہ ! نبی کسے کہتے ہیں ؟ "
تو اس نے جواب دیا۔
" چُپ رہو۔ لوگوں کا مجھ پہ ہی شُبہ ہے "
بہر نوع اس طرح بننے والا بن جاتا ہے۔ اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا۔
لہٰذا ہمارے نوجوان بچے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھا لیں کہ محمدؐ کے بعد اور کوئی نبی ہو سکتا ہی نہیں۔ وہ خاتم الانبیاءؐ ہیں اور وہی سید الانبیاءؐ ہیں۔ یہی ہمارا ایمان ہے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے۔

خداوند عالم ! تمہارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ تمہارے ایمان کو مستحکم فرمائے اور تمہیں توفیق استقامت عطا فرمائے۔ تاکہ تم کہیں ڈگمگا نہ جاؤ۔ گھبرا نہ جاؤ۔ چاروں طرف سے دشمن کی یلغار ہے اور عشق محمدؐ جیسی قیمتی شے تمہارے پاس ہے کہیں کوئی چور یا ڈاکو تم سے یہ قیمتی ہیرا چھین نہ لے۔
اللہ تمہاری تائید فرمائے گا۔ تم حق پر ہو اور حق کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

عقیدہ سیدہ

خداوند عالم کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضرات گرامی قدر!

مجھ سے پہلے سرکار علامہ السید فدا حسین قبلہ مدظلہ العالی یہاں وعظ فرما رہے تھے۔ جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضور سیدہ طاہرا سلام اللہ علیہا کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسنؑ و حسینؑ جیسے امام اعالی مقام کی ماں ہیں۔ لہذا آج میں بھی علامہ موصوف سے معذرت چاہتے ہوئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے بجا فرمایا کہ حسنینؑ کی ماں ہونا بہت بڑی سعادت ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ سیدہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ زینبؑ کی ماں ہے۔

بہر نوع ماں کا رشتہ اتنا مقدس اور قابل فخر ہے

حضور والا!

ایک دن حضور رسالت مآبؐ مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا مسجد میں تشریف لائیں۔ رسولؐ نے جب آتے دیکھا تو خطبہ چھوڑ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی نے پوچھ لیا۔

"حضور! یہ بچی کون ہے جس کی اتنی تعظیم کی جا رہی ہے؟"

رسولؐ نے فرمایا "یہ بچی اپنے باپ کی ماں ہے"

سامعین! اگر رسولؐ کہہ دیتے کہ یہ بچی میری بیٹی ہے تو کیا غلط تھا؟

ہرگز نہیں ۔

مگر رشتوں نے یہ کہہ کر کہ بچی اپنے "باپ کی ماں" ہے ۔ ہمیں یہ بتا دیا کہ اگر مجھے رسالت ملی ہے تو اسی بچّی کے صدقے میں ۔ اگر نبوّت ملی ہے تو اسی بچّی کے صدقے میں ۔ یہ گویا میری نبوّت و رسالت کی "ماں" ہے ۔

اَب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماں کسے کہتے ہیں؟

نوجوانو۔ عزیزو۔ بچّو!

یاد رکھو! ماں اسے کہتے ہیں جو کسی شے کی تربیت اور دنیا میں آنے کا باعث بنے ۔ جیسے بھارت ماتا ۔ مادرِ وطن وغیرہ وغیرہ ۔ مادرِ وطن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم وطن کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ یہ وہ سرزمین ہے جو اس دُنیا میں ہمارے آنے کا باعث بنی ۔

جس نے ہماری غذا اور خوراک دی ۔ ہماری ضروریات کی جو کفیل ہوئی ۔ اس لئے یہ مادرِ وطن ہے اور جس ذریعے سے ہم اپنے مطلب کو دوسرے تک پہنچا سکیں ۔ اسے ہم مادری زبان کہتے ہیں خواہ باپ بھی یہی زبان بولتا ہو۔ مگر مادری زبان کہلائے گی نا کہ پدری زبان کہلائے گی ۔

بہرنوع لفظ "ماں" کے اندر جو لطافتیں اور وسعتیں ہیں ان کا شمار اور بیان ناممکن ہے ۔

صاحبانِ ذوق!

ہوسکتا ہے ۔ لفظ "ماں" پایۂ عرشِ الٰہی پکڑ کر خدا سے یہ شکایت کرے کہ ۔

خُداوندا! تو نے مجھے بڑا محبُوب بنایا تھا مگر کیا کروں اس لفظ میں کچھ ایسے بھی شریک ہو چُکے ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے "ماں"

کہلاتے ہوئے شرم آنے لگتی ہے ۔ ورنہ ماں کہاں اور جھگڑنا کہاں ۔

بہرنوع رسولؐ نے کہہ دیا ، " یہ بچی اپنے باپ کی ماں ہے "

یاد رکھو ! اس کے معنی ہی یہی ہیں کہ یہ ہے " معدنِ عصمت " اور " خزانۂ عصمت " اگر " عصمت کا خزانہ دنیا میں نہ ہوتا تو کوئی نبوّت نبوّت نہ بنتی اور نہ کوئی امامت ۔ امامت بنتی ۔ گویا نبوت و امامت اسی عصمت کے صدقے میں باقی رہ گئی ۔

حضور والا !

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عصمت رسولؐ کو کس شان سے ملی !

دیکھو نا ! اہل بیت رسولؐ کی طرف سے ایک مشہور و معروف حدیث ہے کہ جب رسولؐ معراج میں تشریف لے گئے اور مقام جنّت میں پہنچے ۔

سامعین !

محمدؐ مصطفٰے کی جنّت وہ جنّت نہیں ہے جس سے آدمؑ نکالے گئے تھے اور جہاں آمد و رفت کے سلسلے قائم ہیں ۔ گویا محمدؐ کی جو جنّت ہے وہ جنّت آلِ محمدؐ ہے جہاں ہمارا تصوّر بھی نہیں جا سکتا ۔ جہاں ہمارا وہم و خیال بھی نہیں جا سکتا کیونکہ جب محمدؐ کے نعلین تک کسی نبی کا گذر نہیں ہو سکتا تو محمدؐ کی جنّت تک کون پہنچ سکتا ہے

بہرنوع رسولؐ دوران معراج اپنی جنّت کا معائنہ فرما رہے تھے اور جب رسولؐ نے اعلیٰ سے اعلیٰ شجر دیکھے تو سب سے اعلیٰ شجر پر آپ کی نگاہیں رک گئیں ۔ جی میں آیا کہ اس شجر کا ثمر مجھے ملے ۔ اب محمدؐ کے دل کی خواہش تھی کہ وہ ثمر خدمت حضور رسالت مآب میں پہنچا ۔ اور حضورؐ نے عالم معراج میں اسے تناول فرما لیا ۔

سامعین ! حدیث میں بھی یہی فقرہ ملتا ہے کہ حضورؐ نے عالم معراج

میں وہ ثمر "تناول" فرمالیا اور۔

اِدھر مولوی صاحبان یہ فرماتے ہیں کہ " روحیں تو کچھ کھاتی پیتی ہی نہیں" مگر یہاں لکھا ہے کہ "تناول فرمالیا" اور پھر لطف یہ ہے کہ "تناول فرماتے" کا فقرہ یہی بتاتا ہے کہ رسُول کو جسم کے ساتھ معراج ہُوا تھا۔

بہرکیف رسُول نے وہ ثمر تناول فرمالیا اور اس ثمر کی عجیب وغریب خوشبو رسُول کے دماغ میں بس گئی۔ بڑا ہی لُطف آیا۔ بڑا ہی سواد آیا۔ اب جو وہ ثمر کھانے کے بعد رسُول اپنے میزبان سے ہمکلام ہوئے اور میزبان نے ایسے لب ولہجہ میں گفتگو کی کہ سوادا اور بھی زیادہ ہوگیا۔ گویا عالم معراج میں انداز کلام بھی دماغ میں بس گیا اور خوشبوئے طعام بھی دماغ میں بس گئی۔ اسی طرح رسُول معراج سے عالم زیریں پہنچے اور اب رسُول کے پاس معراج کی دو یادگاریں تھیں۔ ایک میزبان کے لب ولہجہ کی لطافت۔ اور ایک اس ثمر کی خوشبو۔

صاحبانِ ذوق!

یہی وجہ تھی کہ رسُول جب میزبان کے لہجے کے مشتاق ہوتے تو اپنے بھائی کو دیکھ کر فرماتے۔

" یا علیؑ ! ادھر آؤ۔ ہم سے کوئی بات کرو"

چنانچہ بھائی سے باتیں شروع ہو جاتیں۔ اور لہجہ معراج کا لطف بھی آجاتا۔ اور جب اس ثمر کا سواد لینا چاہتے جو جنت آل محمدؐ میں عالم معراج میں تناول فرمایا تھا تو اپنی بیٹی سیدہ سے کہتے "بیٹیا! ذرا میرے پاس بیٹھو، مجھ سے گفتگو کرو۔ تم سے اس ثمر کی خوشبو آتی ہے"

حضور والا!

واقعہ معراج کے سال بعد خدیجۃ الکبریٰ کے بطن طیب وطاہر سے اللہ نے رسُول

کو ایک دُختر عطا فرمائی۔ رسُول نے بیٹی گود میں اٹھائی۔ گھبرا کے کبھی ادھر دیکھتے اور کبھی اُدھر دیکھتے ہیں۔ کبھی اوپر دیکھتے ہیں اور کبھی نیچے دیکھتے ہیں۔ رسُول کی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر خدیجہؑ پوچھتی ہیں ،، قبلہ! کیا بات ہے؟

رسُول نے فرمایا:۔

،، خدیجہؑ! یہ تو بالکل اسُی ثمر کی خوشبو ہے جو میں نے عالم معراج میں جنت میں کھایا تھا"

گویا رسُول کو معراج کے کارنامے کا آج ثمر ملا۔

سامعین!

آج نور رسُول کو بھی لُطف آگیا کہ اگر طعام کے شائق ہوں تو بیٹی کے پاس بیٹھ جائیں اور اگر کلام کے شائق ہوں تو بھائی کے پاس بیٹھ جائیں۔ گویا آدھی معراج کا لطف علیؑ کے پاس آجائے اور آدھی معراج کا سواد سیّدہ کے پاس آجائے۔

یاد رکھو! اب اگر رسُول ان دونوں کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان پر احسان تھوڑا ہی کرتے تھے۔ بلکہ وہ تو اپنی معراج کے لئے آیا کرتے تھے۔

بزرگان من!

محمدؐ کے گھر میں بچی پیدا ہو گئی۔ اعلےٰ پرورش کے سارے سامان فراہم کئے گئے ثمر معراج کی بات تو رُوحانی بات تھی مگر دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی جواہرات کا چرچا اس کے منہ میں تھا۔ سینکڑوں کنیزیں تیس تیس تولے سونے کی پیٹی کمر پر باندھے اس بچی کی خدمت میں کھڑی تھیں اور جواہرات ٹکے ہوئے خالص سونے کے گہوارے میں اسے لٹایا گیا تھا۔ آخر ملکۂ عرب کی بیٹی تھی، عرب کی تھی، عرب کی سرفراز شریف زادیاں اس بچی کے گہوارے کی ڈوریاں ہلانا باعث فخر سمجھتی تھیں۔ گویا رُوحانی عظمتیں محمدؐ کی بدولت اور دنیاوی راحتیں ماں کی بدولت اس بچی کو حاصل

تھیں۔ اس طرح شہزادی کی بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش کی جا رہی تھی۔

سامعین!

زمانے کا انقلاب کہو یا وقت کی گردش کہو کہ ابھی یہ بچی تین سال کی تھی کہ باپ پہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ وہی لوگ جو محمدؐ کے پاس بیٹھتے تھے۔ انہیں پاس نہ رہا۔ جن سے خون کا رشتہ تھا وہ لہو کے پیاسے ہو گئے۔ جو گلے ملتے تھے۔ انہیں گلا پیدا ہو گیا۔ جن سے پیار تھا وہ دور ہٹنے لگے۔ جن کے دل موم کی طرح نرم تھے۔ وہ سنگدل ہو کے پتھر مارنے لگے۔ جو پھول کی طرح کھلتے تھے وہ کانٹے بچھانے لگے۔ جن کے ساتھ دوستی تھی، وہ دشمنی کے ساتھ پیش آنے لگے جن کے منہ مسکراتے تھے وہ منہ بنانے لگے جن کی عزت بنا رکھی تھی وہ ذلیل کرنے کے درپے ہو گئے۔ جو اپنے تھے۔ وہ غیر بن گئے۔ غرض تمام کائنات ایک انسان کے مقابلے میں اکٹھی ہو گئی۔ اور محمدؐ ایک طرف اکیلے کا اکیلا نمائندہ۔ اور اتنا بے بس نمائندہ؛ نہ سر پہ باپ کا سایہ، نہ اُستاد کا سایہ۔ نہ مربی کا سایہ۔ نہ خاندان کا سایہ۔ نہ کسی محافظ کا سایہ اور حد یہ کہ نہ اپنا سایہ۔ اتنا بے سایہ انسان ایک طرف ہے اور پوری دُنیا اس کی مخالفت کر رہی ہے۔

اب بتاؤ! جب ایسے انسان پر جس پر اتنے زیادہ مصائب ہوں تو اس کی پوزیشن کیا ہو گی۔ اسی دوران کسی نے سیّدہ سے کہا کہ خانہ کعبہ کے سامنے والے صحن میں دشمنوں نے تیرے باپ کو گھیر رکھا ہے۔ وہ سجدے میں ہیں اور اُنکی کمر پہ دُنیا بھر کے بوجھ لا کے رکھ دیئے گئے ہیں۔

یہ سنکر بچی دوڑتی ہوئی گھر سے باہر نکلی۔ تین برس کا سن۔ جب مشرکین نے بچی کو آتے دیکھا تو چلائے۔

"ہٹ جاؤ۔ خدیجہؓ کی بیٹی آ رہی ہے"

گویا مشرکین کے دل میں بھی خدیجہؑ کی اتنی عظمت تھی۔ اب اُن مشرکین سے کون پوچھے کہ جب خدیجہؑ کی تین سال کی بیٹی کا تو اتنا احترام کیا جا رہا ہے مگر اس کی جوان بیٹیوں کو طلاق دے کر گھر سے کیوں نکال دیا۔؟ کیا اس وقت احترام خدیجہؑ یاد نہ تھا؟ بہرنوع اس شان شوکت سے حضور سیّدہ طاہرا سلام اللہ علیہا کی پرورش ہوتی رہی۔ جب آٹھ نو سال کا سن ہوا تو حضورؐ کو مکّہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ چنانچہ حضورؐ اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے۔

حضور والا!

آپ لوگ جذبات وعقیدت کی رُو سے ہجرت کے واقعات سنتے ہیں کبھی ان واقعات کو دنیاداری اور عام معاملات کی رو سے بھی سن لیا کریں کہ اتنا بڑا خطرناک ماحول۔ دشمنوں کا اتنا بڑا غلبہ کہ محمدؐ کا رہنا بھاری ہے۔ اتنے بڑے خطرناک ماحول میں محمدؐ اپنی جان بچا کے تو چلے گئے مگر بیٹی کو اور اپنے ناموس کو دشمنوں میں ہی چھوڑ دیا۔

اب بتاؤ! اپنی بیٹی اور ناموس کو دشمنوں میں اکیلے چھوڑ کر اپنی جان بچا کر چلے آنا۔ یہ کوئی شریفوں کا شیوہ ہے؟ آخر محمدؐ نے اپنی بیٹی اور ناموس کی حفاظت کا کوئی پکا انتظام کیا ہوگا۔ کہ رسولؐ کو اپنے ناموس چھوڑتے پر کوئی خطرہ ہی نہیں محسوس ہوا ورنہ اپنی جوان بیٹی کو اتنے بڑے خطرناک ماحول میں چھوڑ کر چلے جانا ناممکن بات تھی۔ اللہ جانے ایک نوجوان نے رسولؐ کے گھر میں رہ کر کتنی چیزوں سے رسولؐ کو مطمئن کر دیا۔ نہ ناموس کا خطرہ باقی رہنے دیا اور نہ ہی رسولؐ کی زندگی کا خطرہ باقی رہنے دیا۔

صاحبان!

دُنیاوی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی یہ بھی سوچ لیا کرو کہ دہی بپھرے ہوئے عرب اور بگڑے ہوئے مشرک جو رات کو قتلِ رسولؐ کے لئے آئے تھے۔ آج

رشتوں کے گم ہو جانے پر ان کا غصہ ایک دم بڑھ گیا ہوگا یا نہیں ؟ بہت ہی بگڑے ہوں گے ۔ بڑا ہی غصہ آیا ہوگا ۔ اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹتے ہوں گے کہ ہم سے کیا غلطی ہو گئی ، ہم نے آئے ہوئے شکار کو کیوں جانے دیا ۔ اور سب سے زیادہ غصہ تو اس نوجوان پر آیا ہوگا کہ جس نے ان کی ساری سکیم کو بستر پہ سو کے ضائع کر دیا ۔ چنانچہ حضرت ابولہب اور ابوجہل صاحب ۔ جو تمام قبائل کے تجربہ کار رہبا در تھے ۔ اس بچے کی اس حرکت کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے ۔ اور کہنے لگے ۔

" اس بچے نے تو ہمارا تمام پروگرام خاک میں ملا دیا ۔ اس بچے سے تو وہ بڈھا اچھا تھا جو رور دکے اشارے دیتا رہا ۔ اللہ جانے اس بچے نے کیا کر دیا ۔ ابی طالبؑ کا یہ لڑکا تو بڑا ہی عجیب نکلا ۔

میں کہتا ہوں ، بزرگو !

تم فکر مند کیوں ہو گئے ۔ اگر واقعی اس بچے نے تمہارا منصوبہ خاک میں ملا دیا ہے تو بہتر ہے کہ تم اسی سے ہی سارا بدلہ اتار لو ۔ اور پھر یہ بچہ بھی بڑی نازک پوزیشن میں ہے ، کیونکہ اس کے ساتھ پردہ دار خواتین بھی ہیں ۔

سامعین !

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب یہ عرب سردار اس نوجوان کے پاس آئے اور پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں ۔ تو تمام مذاہب فکر کی تاریخ پڑھ ڈالو تمہیں یہی فقرہ ملے گا ۔ کہ اس نوجوان نے جواب میں صرف یہی کہا " کیا تم محمدؐ کو ہمارے سپرد کر گئے تھے ۔ جاؤ میرے گھر سے نکل جاؤ "

تاریخ عالم گواہ ہے کہ بچے کا فقرہ سن کر تمام اہل مکہ خاموش ہو گئے ۔ اللہ جانے

اس نوجوان کا ان لوگوں پر کتنا رعب تھا کہ صبح کو دہی اُن سے کہہ رہا ہے کہ مجھے چار اونٹ کرائے پر چاہیئں۔ لطف یہ ہے کہ اونٹ ان ہی سے مانگ رہا ہے۔ جو رات کو گھر گھیرے کھڑے تھے اور بڑی شان و تمکنت سے کہہ رہا ہے

"دیکھو! آج ہم جا رہے ہیں۔ کسی میں ہمت ہو تو روک کے دیکھ لے"

اب بتاؤ! قدرت کے بہائے ہوئے سمندر کے دھارے کو کون روک سکتا ہے اور اللہ کی چمکائی ہوئی بجلی کی لہر کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ بہرنوع علیؑ بڑے آرام سے اونٹوں پر محملیں بندھوا کے۔ پردے کا انتظام کرکے مستورات کو سوار کرکے۔ خود پیدل چل پڑے اور اہل مکّہ سے کہہ رہے ہیں۔

"مکّہ والو! ہم جا رہے ہیں۔ کسی میں ہمت ہے تو روک کے دیکھ لے"

بھائیو! ایک بات بتاؤ کہ اگر وہ اہل مکّہ محمّدؐ کے اہل و عیال کو یرغمال کر لیتے تو محمّدؐ واپس آنے پر مجبور ہو جاتے یا نہیں؟ مگر کسی کو ہمت ہی نہیں تھی کہ انہیں روک سکتا۔ تاریخ عالم کی ان اداؤں پہ دُنیا مرتی ہے کہ اس بچے میں کیا کمال تھا۔ کہ اتنے بڑے دشمنوں کے نرغے سے ناموس رسُولؐ کو نکال کرلے آیا۔

بہرنوع قافلہ چل پڑا اور سب اہل مکّہ اپنے گھروں کے پیچھے۔ مکانوں کی چھتوں پر۔ منڈیروں کی آڑ میں بیٹھے بیٹھے یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ جانے! محمّدؐ کا یہ بھائی کتنا زبردست ہے۔

سامعین کرام!

یکم ربیع الاوّل کو محمّدؐ نے مکّہ سے ہجرت کی اور جب قافلۂ ناموس محمّدؐ مدینے پہنچا تو اس دن آٹھویں ربیع الاوّل تھی اور جب رسُولؐ اپنے ناموس و مستورات کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے تو تو ربیع الاوّل تھی۔ بہرکیف! ربیع الاوّل گذرا۔ ربیع الثانی گذرا۔ جمادی الاوّل گذرا۔ جمادی الثانی گذرا۔

حتیٰ کہ جب ذیقعد کا آخری ہفتہ تھا تو کچھ صنادیدِ عرب نے بقول مسلمانوں کے جو آسمانِ اسلام کے "شمس و قمر" کہلاتے ہیں، انہوں نے آپس میں صلاح مشورے کئے اور سر جھکائے رسُول کی خدمت میں آ بیٹھے۔

رسُول نے پوچھا "کیوں بھئی۔ خیریت تو ہے۔ آج بڑے اُداس دکھائی دیتے ہو"

چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا "بڑے بھائی! تم کہو نا"

رسُول نے پھر فرمایا "کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو"؟

چنانچہ دونوں نے جو آسمانِ اسلام کے شمس و قمر کہلاتے ہیں۔ بڑے لجاجت آمیز لہجے میں عرض کی۔

"سرکار! ہم حضُور کے غلام ہیں۔ حضُور کے نوکر ہیں۔ حضُور کے ہاتھوں پہ ہی مسلمان ہوئے"

رسُول نے فرمایا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے مگر تم چاہتے کیا ہو"؟

"قبلہ! عرض یہ ہے کہ ہم ——— اگر ——— حضور ہمیں اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔"

بس بھائیو!

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اتنا فقرہ منہ سے نکلنا تھا کہ رحمتہ اللعالمین کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا اور پُورے غصّے میں فرمایا۔

"خبردار! اگر کسی نے میری بچی کا نام اپنی زبان پہ لیا۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

سامعین! ..... اب بتاؤ! کوئی ہے جو رسُول سے یہ پُوچھے کہ

"حضورؐ! یہ تو بچارے آسمانِ اسلام کے شمس و قمر ہیں جنھیں آپ نے جھڑک دیا۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ اس بچّی کی بڑی بہنوں کو مشرکوں کے حوالے کر دیا۔ یا تو وہ بیٹیاں ہی نہیں تھیں یا پھر یہ بچّی ان سے مختلف ہے۔

بہر نوع دونوں بزرگ حالتِ پریشانی میں اٹھ کر چل پڑے اور آپس میں کہنے لگے۔

"اگر محمدؐ نے ہمیں ٹھکرا دیا ہے تو پھر اس کا رشتہ اللہ ہی کے ہاں سے آئے گا" ——— رسولؐ نے بھی یہ گفتگو سن لی۔ دل میں سوچا۔

"میرا بھی نام محمدؐ ہے۔ میری بیٹی کا رشتہ اللہ ہی کے ہاں سے آئے گا۔"

بزرگان من!

جس طرح ہم مولویوں کی دوڑ مسجد تک ہی ہوتی ہے اسی طرح رسولؐ کی دوڑ بھی اللہ تک ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ محمدؐ نے وہیں مصلّیٰ بچھایا اور دعا مانگی۔

"خداوندا۔ یہ لوگ مجھے طعنے دے رہے ہیں۔ تو نے ہی میری بچّی کو جنّتِ محمدؐی کا ثمر بنایا تھا۔ تو نے ہی اس کو سیّدہ النساء بنایا تھا۔ تو نے ہی اس کو خزینہ عصمت بنایا تھا۔ تو کہتا ہے کہ جب تک جوڑ برابر کا نہ ہو رشتہ نہ ہو۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ اس کا رشتہ کہاں ہوگا۔ لہٰذا تو ہی بتا کہ یہ رشتہ کہاں ہوگا۔"

رسولؐ یہ دعا فرما رہے تھے اور قدرت کی طرف سے مسکراہٹ کے گلدستے نذر کیے جا رہے تھے۔

"محمدؐ! گھبراؤ نہیں۔ تمہاری بیٹی کا رشتہ ہمارے گھر میں ہوگا"

"بولو! ہمارے گھر رشتہ کرنے پر راضی ہو؟"

محمدؐ نے سر جھکا کے اپنے محبوب سے فرمایا:۔

"خداوندا۔ رشتہ تو منظور ہے مگر با ضابطہ طور پر منظوری کی رسم بھی ہونی چاہیئے۔ لہٰذا تو باقاعدہ میری طرف پیغام بھیج تاکہ میں بھی غور کر دوں"

اعلیٰ حضرت نے کہا:۔

"محمدؐ! ہم آج ہی کی رات تمہیں پیغام بھیجیں گے مگر یاد رکھنا ہمیں بھول نہ جانا۔"

اے حضور والا!

اعلیٰ حضرت نے اب رشتہ کی تیاریاں شروع کر دیں کہ رشتہ ہم کریں گے رشتہ ہماری طرف سے ہوگا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے آج کی رات رشتہ یوں طے کیا۔

اپنی قدرت کی بے پناہ وسعتوں کو سمیٹ کے رشتہ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی تمام طاقتوں کو ایک مرکز پہ جمع کیا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کو ایک جگہ لا کے اکٹھا کیا اور حبیب اللہ صحیح معنوں میں اللہ بن کے مسند عزوجل پہ بیٹھ گیا تو کہا:۔

"آج محمدؐ کے گھر رشتہ ہوگا"

چنانچہ چاروں طرف کہکشاں کی سڑکیں بنا دیں اور نصری و شبری کے صوفے بچھا دیئے۔ سنبلا کے گلدستے سجا دیئے اور قوس قزح کی قناتیں لگا دیں دل بادل کے سائبان لگا دیئے۔ اور شفق کے پردے لٹکا دیئے اور تمام مخلوق سماوی

اپنے اپنے قرینے سے آکے بیٹھ گئے سوا لاکھ انبیاء بھی اپنی کرسیوں پہ آکے بیٹھ گئے۔ اور ملائکہ انتظام میں کھڑے ہو گئے۔ اور حوروں نے جنّت کے دریچے کھول کر اس محفل کا منظر دیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ جب ساری محفل جم گئی تو اعلیٰ حضرت نے پوری جلال و جبروت کی آواز کے ساتھ خطبہ پڑھا۔

"اے آسمان کے رہنے والو!

اے فرشتو!

قلعۂ معلیٰ شاہی میں پیدا ہونے والے سعادت مند فرزند کا رشتہ آج ہم رحمت اللعالمین کی دُختر نیک اختر سے کرنا چاہتے ہیں گویا آج قدرت و رحمت کا جوڑ ہو گا۔"

اعلیٰ حضرت کی یہ بات سُنکر تمام مخلوق سماوی نے کہا:-

"خداوندا۔ مُبارک ہو۔ اس سے بہتر کیا جوڑ ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارا انعام ہمیں دیا جائے۔"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:-

"ہاں ہاں تمہارا انعام تمہیں ضرور ملے گا۔ مگر جب ملے گا جب بارات لڑکی کے گھر پہنچے گی۔ اور دیکھو! پہلے تم ایسا انتظام کرو کہ تم میں سے کوئی صاحب، ہماری طرف سے لڑکی والے کے گھر جائیں اور ہماری طرف سے یہ پیغام دیں کہ آپ کی دلہن سے یہ رشتہ چاہتے ہیں۔

اور دیکھو! ہم آج ہی اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں۔ محفل متبارکان بھری پڑی ہے لہٰذا بتاؤ تم میں سے کون جائے گا؟

جبرئیل نے بڑھ کے عرض کی "خداوندا۔ میں حاضر ہوں"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا "جبرئیل! دیکھو۔ ہر بات میں دخل نہ دیا کرو۔

اپنی حیثیت میں رہو۔ آج تمہارا جانا مناسب نہیں۔ لوگ یہی کہیں گے کہ جبرئیل پہلے بھی آیا کرتا تھا۔ اگر آج آ گیا تو کیا ہوا۔ لہٰذا تم بیٹھ جاؤ۔ خیر سے جب بچے ہوں گے تو انہیں بہلانے چلے جانا۔ ان کا جھولا جھلاتے چلے جانا۔

محترم سامعین!

محفل سیارگان میں سے آفتاب نے عرض کی۔

"خداوندا۔ چونکہ میں سید نجوم ہوں لہٰذا اجازت ہو تو میں چلا جاؤں اور شعاعوں کا سہرا پیش کر کے منگنی کی رسم پوری کر دوں"؟

قدرت نے جواب دیا۔

"آفتاب! تمہاری عرضی تو قابل قبول ہے مگر یہ خوشی کی تقریب ہے اور خوشی کی تقریب میں "جلنے والے" اچھے معلوم نہیں ہوتے لہٰذا تم بیٹھ جاؤ"۔

چنانچہ سورج بھی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے چاند سے پوچھا۔

"کیوں میرے چاند! جاؤ گے؟"

چاند نے عرض کی:۔

"خداوندا! جانے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر جہاں تو مجھے بھیج رہا ہے۔ وہ تیرے محبوب کا کوچہ ہے۔ وہاں مجھ غریب پہ انگلیاں اٹھتی ہیں اور میں کٹ جاتا ہوں لہٰذا مجھے وہاں جاتے ہوئے شرم آتی ہے"۔

صاحبانِ ذوق!

اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب آخر "ستارۂ زہرہ" پہ آ کے رکی۔

"زہرہ! ہماری طرف سے رشتہ کا پیغام لیکر جاؤ گے؟"

زہرہ نے عرض کی "خداوندا! اس سے بڑھ کے اور سعادت مجھے کیا چاہیئے"چنانچہ زہرا نے گلدستۂ پیغام لیکر زمین کی طرف روانگی کا ارادہ

کیا۔ اور زہرہ کو آتے جو دیکھا تو مرکز عالم دعالمیان نے کہا "اللہ اکبر" جب زہرہ "بیت النبوی" میں ٹھہرا تو کہا "الحمد للہ" اور جب پیغام مسرت لیکر واپس جاتے دیکھا تو کہا "سبحان اللہ"

بس بھائیو!

یہ فقرے تسبیح جناب سیّدہ۔ مومنوں کو "بارات" کی خوشی میں انعام کے طور پر ملے تاکہ قیامت تک آنے والا ہر مومن اس بارات کی زیارت سے فیض یاب ہوتا رہے۔

اور یاد رکھو! تسبیح سیّدہ تو بن گئی۔ مگر اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جبتک نماز کے بعد۔ جن کے لئے سیّدہ نے "دعا" کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے لئے دعا کرو اور جن کے لئے "بد دعا" کو کہا ہے۔ ان کے لئے بد دعا کرو۔ تب جا کے تسبیح سیّدہ مکمل ہوتی ہے۔

سامعین کرام!

اعلیٰ حضرت کی طرف سے جب رشتہ مکمل ہو گیا تو محمدؐ نے فرمایا:-

"یا علیؑ! ہم اپنی لڑکی کا عقد تمہارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں"

علیؑ نے شرم سے سر جھکا دیا۔ اور رسولؐ نے پوچھا۔

"یا علیؑ! میری بچّی کا مہر کیا ہوگا؟"

علیؑ خاموش ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ اتنے بڑے گھر کی بیٹی کو کیا مہر پیش کروں۔ آخر عرض کی۔

"قبلہ! میرے پاس جو سامان ہے وہ حضورؐ کو معلوم ہے۔ میرے پاس صرف ایک گھوڑا۔ ایک تلوار اور ایک ذرّہ ہے"

رسولؐ ہنس کے فرماتے ہیں "یا علیؑ! ان میں سے غیر ضروری شے تمہارے

پاس صرف ذرّہ ہے لہٰذا اسے بیچ دو۔"

بزرگو!

انصاف چاہتا ہوں۔ بتاؤ! کیا ابو طالبؑ کے بیٹے کی جان اتنی سستی تھی۔ خواہ دوسرے اصحاب چھ چھ زریں پہن کر میدان جنگ میں جائیں مگر غریب ابی طالبؑ کے بیٹے کے پاس ایک ہی ٹوٹی پھوٹی ذرّہ تھی وہ بھی بکوادی۔

رسُولؐ جواب میں فرماتے ہیں۔

"دیکھو نا۔ دوسروں کو ذرّہ کی ضرورت ہوگی مگر میرا بھائی ذرّہ وغیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو صرف رسمی طور پر جنگی لباس پہن لینا ہے۔ ورنہ علیؑ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرات!

آپ کو تاریخ کے چند جملے سنانا چاہوں جو علیؑ کی ذرّہ کی تعریف میں لکھے گئے ہیں۔ تاریخ میں تو یوں ہے کہ علیؑ کی ذرّہ کپڑے کی بنی ہوئی تھی اور اگلی طرف تھوڑا سا لوہا لگا ہوا تھا۔ ایک دن کسی نے پوچھ لیا۔

"یا علیؑ! کپڑے کی ذرّہ کیوں پہنتے ہو"؟

حضورؑ نے فرمایا "تاکہ سپاہی کی با قاعدہ وردی مکمل ہو جائے"۔

پھر پوچھا گیا۔

"یا علیؑ! ذرّہ کے سامنے کی طرف لوہا کیوں لگوالیا ہے؟

فرمایا "تاکہ سامنے سے لڑنے والا آئے تو لوہا دیکھ لے"۔

"یا علیؑ! اگر کسی نے ذرّہ کے پیچھے سے وار کر دیا تو"؟

علیؑ نے فرمایا "ابی طالبؑ کا بیٹا اس دن زندہ ہی نہیں رہے گا جس دن دشمن کو

پشت پر آنے کا موقعہ دے۔

بہر نوع علیؑ کی یہ ذرہ تھی جس کے لئے رسولؐ نے فرمایا کہ اسے بیچ دو۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ نے ایک سو سات روپیہ میں وہ ذرہ فروخت کر دی اور پیسے لا کر حضور رسالت مآبؐ کے سامنے رکھ دیئے۔ حضورؐ نے ان پیسوں میں سے کچھ تو حنذی منگوائی۔ ایک جوڑا کپڑا منگوا لیا اور باقی کچھ اور سامان۔ اس کے بعد شہنشاہ ارض و سماء اپنے گھر میں جا کر اپنی بیٹی کے جہیز کا سامان تیار کرنے لگے۔ اور شام تک جہیز تیار ہو گیا۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا تو مسجد میں بیٹھ کر رسولؐ نے نکاح پڑھا اور کچھ دیر بعد سیدہؑ کو رخصت کرنے کی تیاری ہونے لگی۔

ادھر علیؑ نے اپنے کمرے کے فرش کو اس طرح سجایا کہ ایک بکری کی کھال بچھائی۔ جس پہ دُلہن کو لا کے بٹھانا تھا۔ ایک طرف ایک اور بوریا بچھا دیا تاکہ کوئی ملنے والا آئے تو یہاں بیٹھ جائے۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے اپنا تولیہ ایک کھونٹی پہ لٹکا دیا اور دوسری کھونٹی پہ آٹا چھاننے والی چھانی لٹکا دی۔ اور جب مشکل کشاء عالمین کی محل سرا تیار ہو گئی تو شہنشاہ ارض و سماء کی اکلوتی بیٹی کا جہیز نکلنے لگا ادھر دنیا تماشائی کھڑی ہے کہ اللہ جانے۔ سید الانبیاءؐ اپنی اکلوتی بیٹی کو جہیز میں کیا کیا دیں گے۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ جب جہیز کا سامان برآمد ہوا تو سونے کیلئے ایک بوریا تھا اوڑھنے کے لئے ایک چادر تھی۔ پانی پینے کے لئے لکڑی کا ایک گلاس تھا۔ آٹا پیسنے کے لئے ایک چکی تھی۔ چھ چاندی کی چوڑیاں تھیں اور دو مٹی کی دیگچیاں تھیں اور ایک مشکیزہ تھا۔ یہ گویا اس کی بیٹی کا جہیز تھا جس نے عرب کی لاکھوں بیٹیوں کی لاکھوں روپے دے کر شادی کروا دی تھی۔

بہر نوع شہنشاہ ارض و سماء کی اکلوتی بیٹی کا جہیز سروں پر اٹھائے احباب چلے۔ ادھر حضورؐ نے ایک ناقے کے اوپر محمل لگا کر سیدہ کو

اس میں بٹھا دیا اور تمام امہات المومنین کو حکم دیا کہ میری بیٹی کے جلوس کے پیچھے پیچھے مدحیہ اشعار پڑھتی چلو۔ چنانچہ ہر ام المومنین مدح کے اشعار پڑھتی ہوئی چلی جا رہی تھی اور رسولؐ زار زار رو رہے تھے " ہائے۔ آج خدیجہؓ زندہ ہوتی۔ ہائے آج چچا ابی طالبؑ زندہ ہوتے "

بہر نوع ہاشمؓ کی قیادت میں سیدہ کی شادی کا جلوس گذرنے لگا تو اچانک حضور رسالت مآبؐ نے تمام مسلمانوں میں سے سلمان فارسیؓ کو آواز دی۔

"سلمانؓ! ادھر آؤ "

جب وہ پہنچے تو حضورؐ نے ناقے کی مہار سلمانؓ کے ہاتھ میں دے دی"

حضور والا!

یہ ہے اپنے اقبال کی بات۔ اتنا قدردان ہے [illegible] کہ اگر کوئی ان سے محبت کرے تو یہ اس کا جملہ ضرور [illegible] ہیں۔

بہرکیف۔ شادی کا یہ جلوس رسولؐ کے گھر سے روانہ ہو کر علیؑ کے گھر میں آگیا۔ اور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی آج شادی ہوگئی۔

آج ہم نے اسی شادی کی یادگار کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا ہے۔ چراغاں کیا ہے۔ آج ہمارا یوم عید ہے۔ آج ہم ان طعنہ دینے والوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ شیعہ روتے ہیں۔ انہیں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم جیسا ہنس بھی کوئی نہیں سکتا آج آپ لوگ براتی بن جائیں اور یہیں اس دربار کا بھانڈ بن جاؤں اور آج ہم مولاؑ سے فریاد کرتے ہیں۔

اضافۂ شکریہ

معزز سامعین کرام!

اللہ کی طرف سے انسان کے اندر ودیعت کردہ طاقتوں اور صلاحیتوں کو موقع کے مطابق عمل میں لانے کا نام "اسلام" ہے۔ گویا اسلام انسان کی کسی طاقت کو معطل نہیں کرتا بلکہ انسانی طاقتوں اور صلاحیتوں کو صحیح طریقے سے استعمال میں لانے کا نام ہی اسلام ہے۔

دیکھو نا! علم لغت یعنی زبان کے اعتبار سے عربی زبان میں طاقت کے کمال کو "ملکہ" کہتے ہیں۔ اب اگر آپ لفظ "ملکہ" کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کے تابع ہو جاؤ"، گویا دنیا کی جتنی قوتیں اور طاقتیں تھیں۔ ان سب کو حکم ہوا کہ "تم انسان کے تابع ہو جاؤ" لہذا تمام طاقتیں انسان کے تابع ہو گئیں۔ صرف ایک نفس انسانی کی طاقت تھی جو "شیطان" بن کے باغی ہو گئی۔ اور یاد رکھو! ان تمام طاقتوں پر غالب آنے والا "غالب" کہلاتا ہے۔ اور جو اپنے نفس کی طاقت پر غالب ہو جائے وہ "کل غالب" کہلاتا ہے۔ بہر نوع انسان تمام طاقتوں کا منبع اور مرکز ہے اور ان تمام طاقتوں کو صحیح استعمال کرنا ہی اسلام ہے

بزرگان من!..... اس تمہید کے بعد میں آپ سے آسان

لفظوں میں گفتگو کرتا ہوں۔ جہاں ہزاروں طاقتیں انسان میں ہیں وہاں انسان میں یہ بھی ایک طاقت ہے کہ وہ کسی حد پر جا کر رکنا پسند نہیں کرتا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ انسان چاند پر جا کر رُک جائے گا۔ بلکہ چاند پہ پہنچ کر بھی کہیں اور جانے کی کوشش کرے گا۔ گویا کسی حد پہ نہ رکنا یہ بھی انسان کی ایک طاقت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔

محترم سامعین!

مثال کے طور پر سمجھاتا ہوں کہ ایک بچہ مجھے کہتا ہے۔

"زیدی صاحب! مجھے نوکر کروا دو۔"

میں نے پوچھا۔ "برخوردار! کتنی تنخواہ چاہیئے"؟

نوجوان بولا۔ "تقریباً بیس روپے مل جائیں گذارہ ہو جائے گا۔"

اتفاق سے ہم نے سَو روپیہ ماہوار کی نوکری دلوا دی۔ اب جو چند دنوں بعد ہم نے اس نوجوان سے پوچھا۔

"برخوردار! حال کیسا ہے؟ تو کہنے لگا۔

"زیدی صاحب! سَو روپیہ میں گذارہ مشکل ہے"۔

بہرنوع! ہم نے کسی طرح سے اس کی دو سَو روپیہ ماہوار کروا دی۔ مگر اب پھر چند دنوں بعد پوچھا تو یہی جواب ملے گا کہ "گذارا مشکل ہے" آخر ہم نے ہزار روپیہ کر دیا مگر پھر بھی شکایت کہ گذارا مشکل ہے۔ کیا مجال جو کسی جگہ پر انسان رکتا ہو۔ آخر ہم نے مشورہ کرکے اسے پورا ضلع دے دیا تاکہ اس کا گذارا ہو جائے۔ لیکن چند دنوں بعد پوچھا کہ بس؟ وہ بولا "نہیں" پھر ہم نے اسے ایک کمشنری دے دی۔ پھر پوچھا۔ بس! مگر اس نے پھر اسی نفی میں سر ہلا دیا۔ آخر ہم نے مجبوراً پورا ملک دے دیا۔ لیکن اس کی "نہیں" بدستور قائم رہی۔ اب

آپ چاہے اسے پوری دنیا دے دیں۔ مگر جب بھی پوچھیں گے وہ یہی کہے گا "ابھی اور"۔ کیا مجال جو اس کی "ابھی اور" ختم ہو جائے۔ لہٰذا اس "اور" کے جذبے نے انسان کو بڑھا بڑھا کے "خدا" بنا دیا۔ مگر ادھر انسان ہے کہ خدا بننے کے بعد بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا بنوں؟ کہ اسے "موت" آگئی۔ گویا موت نہ آتی تو انسان کچھ اور بن جاتا۔

سامعین!

آپ یقین فرمائیں کہ فرعون و نمرود پاگل نہیں تھے، یہ کوئی احمق نہیں تھے انہیں پتہ تھا کہ ہم خدا نہیں مگر یہ "اور" کا جذبہ تھا جو انہیں خدا بنوا رہا تھا۔

یاد رکھو! دو چیزیں انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہیں ایک "جذبۂ ہوس" اور دوسرا "پاس بیٹھنے والا"۔ اس لئے کہ اگر بننے والے نے ناجائز بات بھی کہہ دی تو پاس بیٹھنے والے کہہ دیتے ہیں۔

"حضور! بالکل درست ہے۔ حضور! بالکل بجا ہے"

اور بننے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں واقعی "بالکل درست ہوں" کیونکہ اتنے آدمی میری بات کو درست اور بجا کہہ رہے ہیں

دیکھو نا! بیچارے نمرود و فرعون نے ہزاروں بار لوگوں سے کہا کہ ہم خدا نہیں بن سکتے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں نے کہا "نہیں۔ نہیں بننا پڑے گا" آخر وہ بن گئے۔ کیونکہ ان میں "اور" کا جذبہ تو پہلے ہی سے تھا اس لئے وہ لوگوں کے بننے سے فوراً بن گئے۔ بہرکیف یہ انسانوں کی ایک عادت ہے جو کثرتِ استعمال سے "فطرت" بن جاتی ہے۔ اور انسان کے اندر "ہوس" کا جو مرکز ہے وہ انسان کا "دماغ" ہے اور دماغ کی شکل الٹے پیالے جیسی ہے جس میں چاہے تم سمندر بھر دو مگر خالی ہی رہے گا۔ اس لئے انسان "اور" کی رٹ لگاتا

ہے۔ اور جب قبر میں جائے گا۔ کیڑے کھا جائیں گے گویا جب الٹا پیالہ سیدھا ہو جائے گا تب اگر ،، اور ،، نہ کہے ورنہ یہاں تو کہتا ہی رہے گا۔ جبتک یہ الٹا پیالہ موجود ہے۔

بزرگو! یاد رکھو، جتنی جنگیں، لڑائیاں، مقدمے اور فسادات دنیا میں ہوئے ہیں ان سب کے پس پردہ صرف اور صرف ،، جذبہ اور ،، ہے جو انسان کو لڑائیوں جھگڑوں اور فسادات پر آمادہ کرتا ہے۔

محترم سامعین!

اللہ نے ایک طرف تو ہمیں فتنہ و فساد سے منع کیا ہے اور دوسری طرف ہم میں ،، اور ،، کا جذبہ ودیعت کر دیا ہے گویا سمندر میں پھینک کر کہہ دیا کہ:۔

،، دامن تر نہ ہونے پائے ،، بتاؤ! ہمارا سخت امتحان ہے یا نہیں؟

آخر ہم خدا ہی سے پوچھتے ہیں، ،، خداوندا۔ تو ہی کوئی تدبیر بتا کہ ہمارا ،، اور ،، کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فساد و لڑائی بھی نہ ہو ،،

اللہ جواب میں فرماتا ہے:۔

،، سنو! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ،،

اگر ایک نعمت کے ملنے پر تم شکر ادا کرو گے تو میں اللہ، تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں اور اضافہ کر دوں گا۔ چونکہ اضافہ میرے ذمہ ہے لہٰذا میری عطا لا محدود ہے۔ تمہارا ،، اور ،، تھک جائے گا مگر میری ،، عطا ،، نہیں تھکے گی۔

صاحبان! اس شکر کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ شام کو پیٹ بھر کے روٹی کھائی اور لیٹ گئے پیٹ پہ ہاتھ رکھ کے اور کہا ،، یا اللہ! تیرا شکر ادا کرتا ہوں لہٰذا صبح کو گوشت عطا فرمائیے گا ،، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا کی نعمت کا اس طرح شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر تم واقعی خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہتے

ہو۔ تو یوں کرو۔ کہ خدانے یہ دو آنکھیں تمہیں نعمت دی ہیں۔ لہٰذا خدا کی دی ہوئی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ان آنکھوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق عمل میں لاؤ۔ یہ گویا اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اسی طرح پیروں سے چلو مگر ادھر چلو جدھر اللہ چلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ہاتھوں سے ضرور کام لو۔ انہیں معطّل نہ کرو کیونکہ یہ خدا کی نعمت ہے۔ لہٰذا اسے "باندھ کے رکھنا" گویا کفرانِ نعمت ہے۔ اب ان ہاتھوں سے کام لو۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ جو کام بھی لو اسے پہلے دیکھ لو کہ کیا اسے اللہ بھی پسند کرتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اللہ نے انسان کو زبان جیسی شے عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے ایسے کلمات نکالو جن سے اللہ راضی ہو جائے۔ یہی حالت دانتوں کی بھی ہے کہ حلال کھاؤ اور حرام سے بچو۔

حضورِ والا! قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ شکر کرو گے تو نعمت میں اضافہ ہوگا۔ کس پر نازل ہوئی ہے؟ رسول پر

اب بتاؤ! اس آیت کی تعمیل رسول نے بھی کی یا نہیں؟ یقیناً رسول نے بھی شکر ادا کیا ہوگا۔ اور اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق اضافہ بھی کیا ہوگا۔ چنانچہ رسول نے چاروں طرف نظر ڈالی اور دیکھا جتنی نعمتیں تھیں وہ مجھے پہلے ہی مل گئی ہیں اور ان میں اب اضافے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ لہٰذا رسول سوچتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کر کے کس شے میں اضافہ کراؤں۔

میرے بھائیو! رسول کے پاس ایک ایسی نعمت تھی جس کا شکر ادا کر کے وہ اس میں اضافہ کر سکتے تھے اور وہ تھی "**عصمت**"۔ چنانچہ رسول نے اس نعمت کا شکریہ ادا کیا مگر زبان سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے۔ گویا رسول نے عصمت کو اس شان سے برتا کہ ابھی اعلانِ رسالت بھی نہیں ہوا۔ مگر دشمن بھی مان گئے کہ تو صادق بھی ہے

اور امین بھی ہے کیوں کہ قول میں عصمت ہو تو صادق ہے اور فعل میں عصمت ہو تو امین ہے۔ لہٰذا قول و فعل کی عصمت کو صداقت و امانت کہتے ہیں۔

سامعین!

چالیس سال مسلسل نعمتِ عصمت کا شکریہ اس انداز سے اُدا کیا کہ کائنات مان گئی، دشمن مان گئے کہ تو صادق بھی ہے اور امین بھی ہے۔ گویا جس نے نعمتِ عصمت کا اتنا شکریہ اُدا کیا ہو تو اللہ کو بھی حسبِ وعدہ چاہیئے کہ اس میں اضافہ کرے۔ اللہ نے کہا۔

" محمدؐ! سن۔ میں اپنے اضافے کے وعدہ کو پُورا کرتا ہوں لہٰذا تجھے ایک عصمت عطا کرتا ہوں۔ جس کا نام ہے " **فاطمہؑ** " گویا سیّدہ طاہرا رسولؐ کو شکریہ عصمت کے اضافے میں ملی ہیں۔ لہٰذا سیّدہ کی عصمت کی شان اور ہے اور محمدؐ کی عصمت کی شان اور ہے۔

صاحبان! اب آپ کہیں گے کہ عورتوں میں مریمؑ بھی معصوم ہیں۔ میں کہتا ہوں " مریمؑ معصوم ضرور ہے۔ مگر مریمؑ کی عصمت کسی شکریہ میں نہیں ملی تھی۔ وہ تو عطیۂ الٰہی تھا اور اس میں عصمت کی اتنی ہی مقدار تھی کہ ایک پشت چل کر عیسٰےؑ تک ختم ہو گئی۔ مگر محمدؐ کے شکریۂ عصمت میں ملی ہوئی عصمت بارہاں پشت چل کر آج تک باقی ہے۔ اور قیامت تک باقی رہے گی۔ کیا مجال جو کہیں ختم ہو جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ شرف اللہ نے اس شکریہ عصمت کو عطا کیا تھا کہ اس کی قیامت تک پیدا ہونے والی نسل معصوم تو نہیں ہو گی۔ مگر بے حکومت کے " شاہ " کہلائے گی۔ بغیر سرداری کے سیّد کہلائے گی۔ دنیا ان کے پیروں کو چھونا باعث فخر سمجھے گی۔ اور اگر پیسے پاس ہوں گے تو امیر کہلائیں گے اور اگر کچھ نہیں

ہوگا تو فقیر کہلائیں گے اور اگر مرجائیں گے تو پیر کہلائیں گے یہ گویا شرف ملا ہے شکریہ عصمت کو جو عصمت کے شکریہ کے طور پر ملی ہے۔

سامعین!

اب رسولؐ چاہتا ہے کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کر دوں تاکہ اللہ اور اضافہ کرے۔ چنانچہ رسولؐ نے سیّدہ کی عصمت کا یُوں شکریہ ادا کیا کہ ایک دن رسولؐ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ئے خطبہ فرما رہے ہیں کہ دیکھا کہ بیٹی چلی آ رہی ہے سیّدہ کو دیکھ کر رسولؐ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے گویا رسولؐ کا اٹھنا ہی اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا تھا اور قدرت نے رسولؐ کی اس اَدا کو دیکھ کر فرمایا۔

"محمدؐ! تم نے نعمتِ عصمت کا شکریہ ادا کیا ہے لہٰذا ہم اس نعمت میں اور اضافہ کرتے ہیں"

چنانچہ اللہ نے ایک نعمت "حسنؑ" کی شکل میں دے دی۔ گویا فاطمہؑ والے شکریہ میں اضافہ ہو کر حسنؑ والی نعمت ملی۔ اب رسولؐ نے اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ ایک روز رسولؐ عید کی نماز پڑھنے جا رہے تھے اور حسنؑ کو کاندھے پر بٹھا رکھا تھا اور اپنی زلفیں حسنؑ کے ہاتھوں میں پکڑا رکھی تھیں اور کہہ رہے تھے۔ "خداوندا۔ دیکھ لے تیری نعمت حسنؑ کا شکریہ اَدا کر رہا ہوں"

گویا شکریۂ نعمتِ حسنؑ جو رسولؐ مجمعِ عام میں ادا کر رہے تھے۔ اس کو حبیب اللہ نے دیکھا تو قدرت کو محمدؐ کی یہ اَدا پسند آ گئی

"محمدؐ! تُو نے حسنؑ کی نعمت کا خوب شکریہ اَدا کیا ہے۔ لہٰذا آج ہم اس میں اضافہ کر کے تمہیں حسینؑ دیتے ہیں"

صاحبانِ ذوق!

رسولؐ نے فاطمہؑ کی نعمت کا شکریہ محض تعظیم کر کے اللہ سے حاصل کیا اور

اور حسنؑ کی نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ نماز کو جاتے وقت کندھے پہ بٹھا لیا، مگر جب حسینؑ
نامی نعمت ملی تو شکریہ کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ
رسولؐ نماز پڑھ رہے ہیں، سجدہ میں سر ہے اور پشت پہ حسینؑ کو بٹھا
لیا۔ چونکہ اس شکریہ میں عبادت اور سجدہ دونوں شامل ہیں لہٰذا اب
جو اضافہ ہوگا اس میں سجدہ بھی ہوگا اور عبادت بھی ہوگی۔ گویا
حسینی نعمت کے شکریہ میں جو مِلا وہ "سیّد السّاجدین" بھی تھا
اور "زین العابدینؑ" بھی تھا۔

بزرگانِ من!

رسولؐ کو جب سیّد السّاجدینؑ اور زین العابدینؑ والی دونوں نعمتیں مل گئیں۔
تو رسولؐ نے اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کر دیا۔
اللہ نے کہا، "محمّدؐ! سنتے بھی ہو۔ اگر چاہو تو اس شکریہ کے عوض ہم تمہیں
محمّدؐ نا دے دیں"
چنانچہ محمّدؐ کے شکریہ میں محمّدؐ مل گیا جس کو ہم محمّد باقرؑ کہتے ہیں۔ اس کے بعد
رسولؐ نے پھر کہہ دیا
"یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے باقرؑ جیسا فرزند عطا فرمایا ہے"
اللہ نے کہا:
"محمّدؐ! ہم جانتے ہیں۔ تم نے یہ شکریہ لسانِ صدق سے ادا کیا ہے لہٰذا
ہم تمہیں "صادقؑ" دیتے ہیں۔
چنانچہ اللہ نے حضور جعفر صادقؑ دے دیا۔ اس طرح رسولؐ کا شکریہ چلتا
جا رہا تھا۔ اور اللہ کا اضافہ بھی چلتا جا رہا تھا۔ آخر چلتے چلتے رسولؐ جب
گیارہویں پہ پہنچے تو اللہ نے اپنے خزانے کا جائزہ لیا۔ دیکھا اور فرمایا:

"محمدؐ! سنتے بھی۔ گیارھویں تک تو ہم دیتے رہے مگر آج سے بالمقطع سودا کرلو"

محمدؐ نے پوچھا۔ "خداوندا۔ وہ کیسے؟"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:۔

"محمدؐ! آج سے یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہمارا "عطیہ" "قائم" ہو گا اور تمہارا شکریہ "دائم" ہو گا۔

سامعین!

ایک شخص حضور امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "فرزند رسولؐ!..... وہ امام جو آخری امام ہو گا اور جو "دائم و قائم" ہو گا۔ ذرا اس کی صفت تو بیان فرمایئں! چنانچہ حضور امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اپنے امام کی شان کیا پوچھتے ہو "صاحب الدعوۃ النبویۃ وصولۃ الحیدریہ" تمہارا امام اسی طرح دین کی دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جد رسولؐ دعوت دیتا تھا "وصولۃ الحیدریہ" اس کا اقبال حیدر کرار جیسا ہے "عصمت الفاطمیہ" اس کی عصمت فاطمہؑ جیسی ہے "والحلم الحسنیۃ" حسنؑ جیسا اس کا علم ہے "والشجاعت الحسینیہ" اور حسینؑ جیسی اس کی شجاعت ہے۔

ہر نوع صفت بیان کرتے کرتے جب گیارھویں تک پہنچے تو کہا۔ "والھیبۃ العسکریہ" اور حسن عسکریؑ جیسی اسکی ہیبت ہے تو یہاں آکے آپؑ رُک گئے اور فرمایا:۔

"سنو! تم اس کی غیبت پوچھتے ہو؟.... والغیبۃ
اللہ جیسی اُس کی غیبت ہے۔

اب بتاؤ! اللہ کسی جزیرے یا غار میں غائب ہے یا کسی مکان میں غائب ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

اللہ تو ہر جگہ ہے اور غائب ہے۔ اسی طرح ہمارا امامؑ خدا کے فضل سے ہر جگہ ہے اور غائب ہے۔ لہٰذا ہم یہ مجالس صرف اپنے امامؑ کو پُرسہ دینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہم ان کے ادنیٰ رعایہ اُن کے سامنے اُن کے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

سامعین!

خدا گواہ ہے۔ ہماری ان مجالس کے اصل سامع آلِ محمدؐ ہیں۔ جن کے تصور کی وجہ سے میں نے عمر بھر کبھی بیٹھ کے نہیں پڑھا۔ میرا ایمان ہے کہ میرا مولاؑ موجود ہے اس لئے کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں یہ اور بات ہے کہ حادثہ کی وجہ سے پہلے دونوں پاؤں پہ کھڑا ہو کے پڑھتا تھا۔ اب ایک پاؤں پہ کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں۔

بہر نوع تصورِ آلِ محمدؐ اپنی مجلسوں میں ملحوظ خاطر رکھتا ہوں۔

بزرگانِ من!

ایک دن کربلا معلّیٰ میں ایک عالم بیان فرما رہے تھے کہ جب تم مجلس منعقد کرتے ہو تو اس میں امام العصرؑ والزماں تشریف لاتے ہیں لہٰذا ہمارے خطیبوں واعظوں اور ذاکروں کو چاہیئے کہ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اصل واقعات بیان فرمائیں۔ اور جب تم امامؑ کے سامنے مصائب پڑھو تو بیشک حسینؑ کی شہادت پڑھ دینا علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ علی اصغرؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ عباسؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ عونؑ و محمدؑ کی شہادتیں پڑھ دینا یا امیرِ قاسمؑ کی شہادت پڑھ دینا

مگر ایک بات کی احتیاط کرنا کیونکہ امامؑ موجود ہوتا ہے لہٰذا ان کی موجودگی میں اُنکی دادی زینبؑ کی قید نہ پڑھنا۔ کیونکہ بی بی کی قید سُننا امامؑ کے لیئے ناقابل برداشت ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو آپ کو بے ہوش کر دیتی ہے۔ پھر فرشتے آکر پیر ملتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بڑی احتیاط سے زینبؑ کی قید کا تذکرہ بیان کرنا چاہیئے

سامعین!

میں خود قید ہوا تھا۔ ۲۹ جنوری ۱۹۶۴ء دو بجے رات کا وقت تھا اور تقریباً پانچ سَو پولیس کے آدمی مجھے گرفتار کرنے آ گئے۔ سارے محلے کا محاصرہ تھا۔ چھتوں پہ پولیس تھی اور سارا محلہ سہما ہُوا تھا کہ اللہ جانے کیا بات ہے

بہرنوع مجھے گرفتار کرکے جب ایک کار میں بٹھا دیا گیا تو کسی کی آواز آئی ۔۔! "ایس پی صاحب! ہتھکڑی لگادوں؟"

ایس پی نے کہا:۔

"خبردار! کیوں شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو۔۔"

بس بھائیو!

ایس پی کا یہ کہنا تھا کہ میں نے کہہ دیا۔

"ایس پی صاحب! کاش تم کربلا میں موجود ہوتے اور بجائے یہاں کے وہاں کہہ دیتے کہ "کیوں شریف آدمیوں کو پریشان کر رہے ہو"

حضرات!

آج سے ایک عرصہ پہلے میرا اپنا خیال تھا کہ مخدراتِ عصمت و طہارت کے ہاتھ باندھنے والی روایت ہم لوگوں نے صرف رونے کے لئے بنالی ہے۔ مگر جب میں نے امامؑ زمان کی زیارت ناحیہ پڑھی تو اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر تھا۔ چنانچہ میں نے کہا "ٹھیک ہے ضرور بندھے ہوں گے" پھر یہ

تشویش ہوئی کہ کس طرح بندھے تھے ؛ اس کے متعلق بھی امام زمانؑ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں :۔

"میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے"۔

بزرگانِ من !

دُنیا میں کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے جو زینبؑ پہ نہ گذری ہو۔ اسی لئے زینبؑ کو اُم المصائب بھی کہا جاتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میری دادی پر وہ مصائب گذر گئے کہ جنہیں نہ کوئی سوچ سکتا ہے اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے"۔

سامعین !

زمانے کا انقلاب دیکھو کہ حیدرِ کرار کی بیٹی یزیدؑ کے دربار میں کھڑی ہے۔ اور یزیدؑ اپنے نشۂ فتح میں اتنا مشغول ہے کہ قیدیوں سے بات نہیں کرتا۔ ادھر کھڑے ہوئے قیدیوں میں معصوم بچوں کے پاؤں میں ورم آگئے تھے اور نبیؐ کے کا امامؑ بالکل خاموش کھڑا ہے۔ سیدانیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور علیؑ کی بہوئیں، والدہ علیؑ اصغر اور والدہ شہزادہ قاسمؑ سر جھکائے خاموش کھڑی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد زینبؑ نے امام زین العابدینؑ سے کہا۔

"بیٹا ! میری بھاوجیں کھڑی ہوئی ہیں اور ان کے میکے کے لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہوں گے کہ ہماری لڑکیاں کس خاندان سے بیاہی گئیں ہیں۔ بیٹا ! مجھے شرم کھا رہی ہے۔

اس کے بعد زینبؑ کا وہ تاریخی فقرہ آج بھی فضا میں گونج رہا ہے کہ جب سیدانیوں کو دربار یزیدؑ میں کافی دیر کھڑے رہنا پڑا تو زینبؑ کے

منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا"

"خدایا! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں
جس نے ہمیں یہ عزت عطا کی"

سامعین!

کوئی اور ہوتا تو کہتا:۔

"واہ اللہ! ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں۔ کیونکہ تیرے نام پر ہم مر گئے اور تو نے ہماری خبر بھی نہ لی۔ ہمارے بچوں کو ذبح ہوتے دیکھتا رہا مگر کچھ مدد نہ کی"۔

مگر

وہاں زینبؑ نے اللہ کا شکر ادا کر کے دنیا کو یہ منوا دیا کہ:۔

"خدا ہے"

اور یہ خدا کا بڑا احسان ہے کہ آج دنیا خدا کو مان رہی ہے۔ اب اگر خدا کا یہ وعدہ ہے کہ:

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو اضافہ کروں گا"

تو بتاؤ!

زینبؑ کے اس شکر پہ پر
قدرت کیا اضافہ
فرماتی ہے۔؟

قانونِ عدل نمبر ا

حضرات گرامیٔ قدر!

اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے، اللہ کی مشیت یہی ہے اور اللہ چاہتا یہی ہے کہ انسان ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہے اور عدل سے منحرف نہ ہونے پائے دوسرے لفظوں میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو وہی کرنا چاہیئے۔ جو کہنا چاہیئے گویا کوئی بات اللہ کی "چاہیئے" کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی اللہ کا منشاء ہے اور یہی اس کی مرضی ہے۔ اگر انسان قانونِ عدل پہ قائم نہ رہے تو اللہ کا کچھ بگڑتا نہیں۔ اور اگر دنیا کے تمام انسان قانونِ عدل پر قائم ہو جائیں تو اللہ کو کچھ ملتا نہیں۔ اللہ بہر نوع اللہ ہے۔ چاہے ساری دُنیا اللہ اللہ کرے۔ تب اللہ ہے اور اگر ساری دُنیا اللہ سے منکر ہو جائے۔ اللہ پھر بھی اللہ ہے۔

سامعین!

ابھی تک تو کوئی انسان دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہی نہیں جو اللہ کے وجود کا منکر ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "ہم اللہ کو نہیں مانتے" اُن کا یہ کہنا "ہم اللہ کو نہیں مانتے" سے مراد یہ ہے کہ کوئی اللہ ہے جس کے وجود سے وہ منکر ہیں۔ ورنہ اگر اللہ نہ ہوتا تو "نہ ماننا" کبھی سامنے نہ آتا۔ بہر کیف کوئی انسان اللہ کے وجود سے منکر نہیں ہے۔ بلکہ ہر انسان کسی نہ کسی طرح سے اللہ کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور اگر کوئی نہ مانے تو اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ

تو یہ کہتا ہے کہ :۔

• "انسانو ! قانونِ عدل پر قائم رہو"

بزرگانِ من !

سب سے پہلی عدالت، اللہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ :۔

• "انسانو ! میں نے تمہیں انسان پیدا کیا ہے۔ لہٰذا پہلا عدل یہ ہے کہ تم انسان بن کے رہو"

حضرات ! اگر اللہ ہمیں انسان کی بجائے کچھ اور بنا دیتا تو ہماری کوئی زبردستی تھی ؟۔ یہ تو اللہ کا ہم پہ بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے۔

بچو ! اَب تم پوچھو گے کہ انسان کچھ اور کیا بن سکتا ہے ؟

میں کہتا ہوں ۔" زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھو نا ! انسان کے دائیں طرف ایک فرشتہ ہے اور بائیں طرف ایک حیوان۔ اَب اگر انسان چاہے تو حیوان بن جائے اور چاہے تو فرشتہ بن جائے۔

گویا فرشتہ بننا بھی کوئی مشکل نہیں اور حیوان بننا بھی کوئی مشکل نہیں۔ بلکہ انسان کا انسان بننا بڑا مشکل کام ہے۔

سامعین !

حیوان بننے میں کیا مشکل ہے۔ طریقہ میں بتائے دیتا ہوں۔

دیکھو نا !

انسان کو بھی بھوک لگتی ہے اور حیوان کو بھی بھوک لگتی ہے۔ انسان کو بھی خوراک چاہیئے اور حیوان کو بھی خوراک چاہیئے۔ لہٰذا دونوں اپنی بھوک میں خوراک مانگتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ حیوان کو جب بھوک لگتی ہے۔ رسّہ توڑ دیا اور گھر سے چلا۔ رستے میں جو شے کھانے کی نظر آئی۔ کھالی مگر یہ نہ دیکھا کہ اپنی ہے یا پرائی ہے۔

اس کا کھانا مناسب ہے یا نامناسب ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بہرنوع اپنا پیٹ بھر لیا۔

گویا جو پیٹ بھرنے میں، جائز و ناجائز، کی پرواہ نہ کرے۔ اُسے ،، حیوان ،، کہتے ہیں اور جو یہ سوچ لے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں؟ جائز ہے یا نہیں؟ اسے کھانا چاہیئے یا نہیں؟ اگر بُرائی ہے تو بھوکا رہنا بہتر ہے۔ ایسے جائز و ناجائز کی سمجھ رکھنے والے کو ،، انسان ،، کہتے ہیں۔

اَب بتاؤ! حیوان بننا آسان ہے یا انسان بننا مشکل ہے؟

بہرنوع آپ اگر حیوان بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں اور اگر فرشتہ بننا چاہیں تو اس کے لئے بھی کوئی دشواری نہیں ہے۔

دیکھو نا! اگر آپ چاہیں تو ابھی فرشتہ بن سکتے ہیں کیونکہ فرشتے وہ ہیں جو نہ کماتے ہیں اور نہ ہی محنت کرتے ہیں۔ جو نہ مزدوری کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی پرواہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی یہی کام شروع کر دیں کہ ایک لمبا سا کرتا پہنیں۔ لوہے کا ایک چمٹا ہاتھ میں لے لیں۔ سال بھر حجامت نہ بنوائیں۔ تین سال غسل نہ فرمائیں، ناخن بڑے ہو جائیں۔ بال لمبے ہو جائیں۔ کرتا میلا ہو جائے۔ رات کو سونے کی جگہ نہ ہو۔ کمانا بالکل چھوڑ دیں۔ کھانے کی فکر رہے۔ لہٰذا سب دیکھنے والے یہی کہیں گے ،، بندہ کیا ہے، فرشتہ ہے،،

میں پوچھتا ہوں ،، بھئی! تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ پاگل فرشتہ بن گیا؟،،

،، زیدی صاحب! تمہیں کیا معلوم ہے، تم کبھی فرشتہ بنو تو پتہ چلے،،

اِدھر زیدی صاحب نہ کبھی فرشتہ بنیں گے اور نہ ہی پتہ چلے گا۔ اُدھر فرشتہ صاحب ہیں کہ سارا دن سڑکوں پہ مارے مارے پھرتے ہیں اور رات کو کسی دکان کے تھڑے پہ لیٹ گئے، سردی کا موسم۔ رات بھر محلے والوں کو جگایا اور جب کسی نے پوچھا

کہ کیا بدتمیزی ہے تو لوگوں نے کہا ، عبادت کر رہا ہے ، بہرنوع اسے فرشتہ کہتے ہیں ۔ اب اگر تم میں سے کوئی بننا چاہے تو بے شک بن جایئے ۔

بچو!

مجھے بھی لوگ اکثر یہی کہہ دیتے ہیں ، زیدی صاحب ! سبحان اللہ ۔ آپ تو فرشتہ ہیں ، ۔ اِدھر زیدی صاحب بھی اکڑ جاتے ہیں کہ میں فرشتہ بن گیا ہوں حالانکہ لوگوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زیدی صاحب فرشتہ تو ہیں مگر ان میں انسانیت نہیں ہے ۔ یاد رکھو ! حیوان بننا بھی بڑا آسان ہے اور فرشتہ بننا بھی بڑا آسان ہے مگر یہ دونوں باتیں انسان کو قانونِ عدل سے ہٹا دیتی ہیں ۔ لہٰذا قانونِ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ تم انسان ہو اس لئے انسان بن کے رہو ۔ کیا مجال جو تمہاری انسانیت میں فرق آ جائے ۔ تمہارا ہر قول و فعل قانونِ عدل پہ قائم رہنا چاہیئے ۔ برادری کے معاملات میں بھی اور اللہ کے معاملات میں بھی تم قانونِ عدل پہ قائم رہو ۔ جس طرح اللہ کہتا ہے ، نماز پڑھو ، ۔ لہٰذا تم بھی نماز پڑھو ۔ اللہ کہتا ہے ، روزہ رکھو ، لہٰذا تم بھی روزہ رکھ لو ۔ اللہ کہتا ہے ، کسی کا مال نہ کھاؤ ، لہٰذا تم بھی غاصب نہ بنو ۔ اللہ کہتا ہے ۔ ، کسی پریشان نہ کرو کیونکہ یہ معاشرتی عدل ہے ۔ لہٰذا تم اس پر بھی قائم رہو ۔ گویا یہی قانونِ عدل ہے کہ انسان انسان بن کے رہے ۔ چاہے وہ ذاتی معاملہ ہو ۔ یا معاشرتی معاملہ ہو ۔ چاہے بندوں کا معاملہ ہو یا اللہ تک پہنچنے کا معاملہ ہو ۔ بہرنوع تمہیں ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہنا چاہیئے ۔

سامعین!

اللہ کے معاملہ میں انسان بڑا ظالم واقع ہوا ہے ۔ کیونکہ اگر انسان ، انسانوں پہ ظلم کرے تو یہ ڈر رہتا ہے کہ انسان جواب دے گا ۔ مگر اللہ کے بارے میں انسان جانتا ہے کہ یہ رحیم و کریم ہے لہٰذا معاف کر دے گا ۔ بہرکیف اللہ کے معاملہ میں انسان بہت

ظالم واقع ہوا ہے۔ انسان کو جہاں بھی موقع ملتا رہا۔ ظلم کرتا رہا۔ کہیں کہدیا اللہ دو ہیں۔ کہیں کہدیا "تین ہیں" بہرنوع اللہ کے معاملے میں انسان بڑا ظالم واقع ہوا ہے۔

بچو!

اگر میری بات پہ یقین نہ آئے تو ہمسایہ ملک (ہندوستان) میں جا کے دیکھ لو۔ وہاں تقریباً ساٹھ کروڑ پوجنے والے ہیں اور وہ سارے اللہ ہیں۔ گویا ایک ایک بندے کے حصے میں تین تین "اللہ" آتے ہیں مثلاً "پیپل" "اللہ" ہے "گائے" اللہ ہے۔ گنگا اللہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بچو! تم تو ابھی بچے ہو۔ اُن بزرگوں سے پوچھو جو ہندوستان سے آئے ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ ساٹھ کروڑ عوام گنگا کو "گنگا ماتا" کہتا ہے۔ ادھر گنگا ہے کہ پھولی نہیں سماتی" کیونکہ لاکھوں۔ کروڑوں انسان جو "ماں" کہہ رہا ہے۔

یاد رکھو! ایسی مائیں بہت اکڑتی ہیں جو سچ مچ "مائیں" نہ ہوں۔ بہرنوع دنیا نے گنگا کو جب "ماں" کہہ دیا تو گنگا کے ہوا س اُڑ گئے۔ آپے میں نہ رہی۔ ادھر گنگا ہے کہ پھولی نہیں سماتی کہ بغیر بچہ جنے "ماں" بن بیٹھی ہوں اس سے بہتر اور کیا چاہیئے۔ لہٰذا سال دو سال تو خیریت سے اپنے ہی کناروں کے اندر موج میں بہتی رہی اور جب تیسرے سال غصہ جو آیا تو کناروں سے باہر نکل پڑی اور سیلاب آگیا۔ اب بچے لاکھ کہہ رہے ہیں۔

"اماں! دیکھو۔ ہم تیرے ہی بچے ہیں۔ ہمیں کیوں ڈبو رہی ہو؟"۔
مگر اماں ہے کہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔ اور اِدھر بچے ہیں کہ کان پکڑ رہے ہیں "اماں! غصہ جانے بھی دو۔ ہم بے چارے یہ

رحم کرد؟ مگر اماں کسی کی سنتی ہی نہیں کیونکہ کناروں کے اندر رہے تو رحم کرے۔

بزرگو!

انگریز قوم بڑی ہوشیار تھی۔ انہوں نے سوچا کہ "اماں" بن کے بے کار بیٹھی ہے اور یہ بے کاری کا مشغلہ ہے کہ چلو اور نہیں تو کناروں سے ہی باہر نکل پڑو لہٰذا اماں کو مصروف رکھنے کے لئے انہوں نے جگہ جگہ سے نہریں نکال دیں اور چکیاں لگا دیں۔ اب جو اماں کو چکی پیسنا پڑی۔ تو بگڑا ہوا دماغ ٹھیک ہو گیا۔

بہر نوع انسان نے ہزاروں اللہ بنا کے بٹھا دیئے۔ اب اگر میں آج تمام اللہؤں کی فہرست بیان کرنا شروع کر دوں تو پورا عشرہ گذر جائے گا۔ مگر اللہ ختم نہیں ہوں گے۔

سامعین!

ہم نے جادۂ عقل و علم کے مطابق فیصلہ کیا کہ بالکل غلط، ہزاروں دروازوں کو کھٹکھٹانے سے تو بہتر ہے کہ ایک ہی "باب کریم" پہ بیٹھ جائیں۔ یہی عین شرافت ہے اور یہی تقاضائے انسانیت ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے کلمہ میں پہلی چیز ہی یہی ہے کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" "اللہ اکیلا ہے"

دیکھنے میں تو یہ دو لفظ ہیں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" مگر اتنے قیمتی ہیں کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی ان میں "نکتہ" نہیں لگا سکتا اور پھر ان میں جو لطافتیں اور وسعتیں ہیں اُن کا کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا۔ کلمہ میں طاقتیں اتنی ہیں کہ ابھی جہنمی تھا۔ پڑھ لیا تو جنتی ہو گیا۔ نجس تھا۔ پاک ہو گیا۔ غیر تھا۔ اپنا ہو گیا۔ دُور تھا۔ قریب ہو گیا۔ گویا یہ کلمہ اتنی طاقتور شے ہے۔

بزرگو! تمہاری عمر گذر گئی یہ سنتے سنتے کہ دُنیا میں اگر کوئی طاقتور شے ہے

تو وہ "ذوالفقارِ حیدرِ کرار" ہے۔ اور جب تلوار اتنی طاقتور ہے تو پھر تلوار والے کی طاقت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ گویا علیؑ تو ہے ہی مرکزِ طاقت علیؑ کے کام میں طاقت ہے۔ علیؑ کے نام میں طاقت ہے۔ انسان ذرا سا گھبرا جائے اور علیؑ کا نام لے لے تو بدن میں طاقت آ جائے گی۔ گویا علی بہترین نسخہ ہے۔ علیؑ بہترین کیمیا ہے۔ علی بہترین اکسیر ہے۔ بہر نوع علیؑ کے نام میں بڑی قوت ہے۔

دیکھو نا!

جب مغربی پاکستان میں ۱۹۶۵ء میں جنگ ہوئی تھی، ان دنوں میں لاہور میں تھا۔ اور لاہور مرکزِ جنگ تھا۔ ایک رات ۱۲ بجے کے قریب تمام شہر اور محلہ بھر سے دکانوں اور مکانوں کی چھتوں سے "یا علیؑ۔ یا علیؑ" کی آوازیں آنے لگیں۔ میں حیران و پریشان تھا کہ آخر بات کیا ہے۔ آج "یا علیؑ۔ یا علیؑ" کیوں ہو رہا ہے؟۔ چنانچہ گھر سے نکلا اور دیکھا کہ بڑے بڑے بزرگانِ دین جو دن کی روشنی میں "یا علیؑ" کہنے کو بدعت کہہ رہے تھے۔ آج پوری آواز سے "یا علیؑ" کہہ رہے ہیں۔ میں حیران و پریشان کہ آج یا علیؑ کا دَور دَورہ کیوں ہو گیا۔ آخر کار یہی سوچتا ہوا گھر آیا اور سو گیا۔ مگر نیند کس کو آئے ادھر بلیک آؤٹ اور ہوائی جہاز بم برسا رہے ہیں اور ادھر "یا علیؑ" "یا علی" کہنے والوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ بالآخر سوچا کہ دن چڑھے پوچھوں گا کہ کیا بات ہے۔

بچو!

میں نے ایک طوطا پال رکھا تھا جسے چھ مہینے سے محنت کر کے یہ سکھایا تھا "نبیؐ جی چوری بھیجو"۔ بس اور کچھ نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ: "نبیؐ جی چوری بھیجو"۔ ادھر میں رات کو اسی سوچ میں لیٹا ہوا تھا کہ خدا وندا!

آج "یا علیؑ" یا علیؑ، کیوں ہو رہا ہے کہ اسی اثنا میں طوطے نے بھی بولنا شروع کر دیا۔ مگر۔ "بی بی جی چوری بھیجو نہیں۔ بلکہ "ٹیں" "ٹیں" کہنا شروع کر دیا۔ وہی اپنی اصلی بولی بولنا شروع کر دی۔ میں نے بستر پر لیٹے ہوئے پوچھا:۔

طوطے میاں! آج سکھائی ہوئی بات بھول گیا اور اصلی بات کہنا شروع کر دی۔ آخر کیوں؟

یہ کہکر جو میں نے دیکھا کہ بلی نے طوطے کے پنجرے پہ حملہ کیا ہوا ہے۔ اب پتہ چلا کہ امن و امان ہو تو سکھائی ہوئی باتیں کہی جاتی ہیں اور حملہ ہو جائے تو اصلی بات خود بخود منہ سے نکل جاتی ہے۔

بہر نوع "یا علیؑ" کہنے میں بڑی طاقت ہے۔ علیؑ بڑی طاقت والی شے ہے، علیؑ بڑی قوت والی شے ہے۔ علیؑ کے نام میں طاقت ہے۔ علیؑ کے کام میں طاقت ہے اور پھر علیؑ کی تلوار تو ہے ہی مرکزِ طاقت۔

کیوں سامعین!

اگر علیؑ کی تلوار پوری طاقت سے چل پڑے تو بتاؤ! خیبر کے در سے رکتی ہے؟۔ مرحب کے سر سے رکتی ہے؟۔ خیبر و مرحب کو چھوڑو بلکہ یہ بتاؤ! جبرئیل کے پر سے رکتی ہے؟ "نہیں" گویا علیؑ کی تلوار اتنی طاقتور شے ہے۔

اب بتاؤ۔ جس تلوار کی طاقت کو کوئی شے نہیں روک سکتی تھی اس کی طاقت کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ روک دیتا تھا یا نہیں؟۔ ادھر سے علیؑ کی تلوار چلی اُدھر سے منہ سے کلمہ نکلا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ "تلوار فوراً رک جاتی تھی۔ گویا علیؑ کی تلوار کو جو شے روک لے وہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

یاد رکھو! چاہے بے دلی سے ہو۔ چاہے صرف زبان سے ہو۔ اگر سامنے

والے نے کہدیا، "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"، تو علیؑ کی تلوار رُک جاتی تھی۔

بہرلوع علیؑ کی تلوار اتنی طاقت ور ہونے کے با وجود کلمہ کے سامنے رُک جاتی تھی: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ہمارا کلمہ ہے اور یہی قانونِ عدل ہے کہ۔ "اَللّٰہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے"

صاحبان!

مسلمانوں کی سب سے بڑی قسم اگر کوئی شے ہے تو وہ کلمہ طیبہ ہے۔ اگر کلمہ پڑھ کے کوئی مسلمان بات کہدے تو دوسرے مسلمانوں کو ماننا پڑتی ہے۔ گویا اتنی بڑی مقدس قسم ہے "قسم جلالے"

بچو! ہمارے پنجاب میں تو یہ طریقہ ہے کہ اگر کسی چور کو چوری کے جرم میں پکڑ لیا جائے اور وہ کلمہ پڑھ کے کہدے کہ میں نے چوری نہیں کی تو لوگ اُسے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ آدمی کلمہ پڑھ کے جو کہہ رہا ہے۔ اب اگر اس کی بات نہیں مانیں گے تو ہم مسلمان نہیں رہیں گے۔ گویا کلمہ اتنی طاقتور شے ہے کہ اگر کلمہ پڑھ کے کوئی بات کہہ دی جائے تو مسلمانوں کو ماننا پڑے گی اور اگر نہیں مانو گے تو تم مسلمان نہیں رہو گے۔

یہی بات ہے حضور والا!

ہمارا بچہ ہو یا بوڑھا۔ جوان ہو یا بڈھا۔ جاہل ہو یا عالم۔ امیر ہو یا غریب رئیس ہو یا تاجر۔ گویا ہم میں سے ہر ایک سے گھر میں۔ بازار میں۔ مسجد میں کعبہ میں۔ جہاں چاہو کہلوالو، "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ہم کلمہ پڑھ کے کہتے ہیں۔ مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا۔ مومن ہو تو یقین کرنا پڑے گا کہ "علیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہ"

سامعین!

ہم پہ تو خواہ مخواہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ ہم نے "علی ولی اللہ" کو جزو کلمہ

بنالیا ہے حالانکہ ہم تو کلمہ پڑھ کے اعلان کرتے ہیں۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"
مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا مومن ہو تو یقین کرنا پڑے گا کہ "علی ولی اللہ"۔ اب اگر
تم نہیں مانو گے تو تمہارا اسلام خطرہ میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ کلمہ سے بہتر اور کوئی
شہادت ہو سکتی ہی نہیں۔ اس سے زیادہ اعلان کی کوئی اور شان ہو سکتی ہی نہیں
اب تم اس جھگڑے میں مت پڑو کہ "علی ولی اللہ" جزو کلمہ ہے یا نہیں؟
میں کہتا ہوں کہ جزو کلمہ تو کیا شے ہے بلکہ علی ولی اللہ تو روح کلمہ ہے۔
اب اگر چاہو تو روح کو کلمہ سے نکال دو۔

مگر یاد رکھو! تمہیں اس بات کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ روح کے بغیر تم بھی مسلمان نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اپنی خیریت چاہتے ہو تو کلمہ اور روح دونوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اس لئے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

بزرگان من!

قانونِ عدل پر قائم رہنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں خدا کے بارے میں قانونِ عدل پہ قائم رہنا پڑے گا کہ وہ "وحدہٗ لاشریک" ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہو جائے۔ کسی کی مجال ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہو جائے۔ ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہو جائے۔
اور یہ عین عدل ہے اللہ کے ساتھ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

اور یاد رکھو! خود اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ صاحبانِ علم اللہ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کے گواہ ہیں جو "**قائم بلقسط**"، "عدل پر قائم ہیں"

سامعین! اللہ نے یہ نہیں کہا کہ جو عدل کرتے ہیں بلکہ فرمایا "**قائم بلقسط**"، "جو عدل پر قائم ہیں"

اور یاد رکھو ! " عدل پر قائم " ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اُن کا کوئی قول و فعل و عمل عدل کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں " ہوتا نہیں " نہیں ہے بلکہ " ہو سکتا ہی نہیں " گویا جس کو ہم اصطلاح میں " معصوم " کہتے ہیں اسکو قرآن " قائم بلقسط " کہتا ہے ۔ بہر نوع ان معصومین کا کوئی قول و فعل و عمل عدل کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں ۔

بچو ! یہ بتاؤ ۔ معصومین کتنے ہیں ؟ " چودہ "

دیکھو ! ان چودہ کے علاوہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بھی معصوم ہیں ۔ فرق صرف یہ ہے کہ چودہ اور شان کے معصوم ہیں اور انبیاءؑ اور شان کے معصوم ہیں یہ چودہ بھی جو کرتے ہیں ٹھیک ہوتا ہے اور یہ انبیاءؑ بھی جو کرتے ہیں ٹھیک ہوتا ہے ۔ باقی فرق یہ ہے کہ انبیاءؑ معصوم وہی کرتے ہیں جو ٹھیک ہوتا ہے گویا پہلے وہ دیکھ لیتے ہیں کہ ٹھیک ہے ۔ پھر کرتے ہیں لیکن یہ چودہ جو کر دیں ٹھیک ہوتا ہے گویا یہ چودہ پہلے " ٹھیک " تلاش نہیں کرتے بلکہ جو کر دیں وہ ٹھیک ہوتا ہے اُن کے منہ سے جو بات نکل جائے وہ پوری ہو جاتی ہے ۔ جو ان کا عمل ہو جائے وہ پورا ہو جاتا ہے ۔ گویا " ٹھیک " ان " چودہ " کے تابع ہے اور انبیاءؑ " ٹھیک " کے تابع ہیں ۔ ان " چودہ " کو ضرورت نہیں کہ پہلے " ٹھیک " تلاش کریں بلکہ جو کر لیا وہ " ٹھیک " ہے ۔

کیونکہ

اُنھوں نے اپنی مرضی اور خواہش اس طرح خدا کے سپرد کر دی ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہو ۔ یہ وہی کرتے ہیں جو خدا چاہتا ہو اور جب ان کا قول و فعل مشیت الٰہی ہے تو پھر ان کے کسی حرکت و سکون میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں ۔

کیوں علمائے کرام!

بتاؤ۔ آلِ محمدؐ نے کبھی کوئی ایسا عمل کیا ہے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔؟

ہرگز نہیں۔

مولانا! اعتقاداً نہ کہو بلکہ تاریخ کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہو۔ بیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے کہو کہ کیا آلِ محمدؐ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی یہ بتایا ہے کہ ان کا فلاں قول و فعل خدا کی مرضی کے خلاف تھا؟

ہرگز نہیں۔

بس بھائیو!

اسی لئے ہم دُعا کرتے ہیں ،، خُداوندا۔ قیامت کے دن آلِ محمدؐ سے ہمارا واسطہ ہو جائے کیونکہ دنیا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے وہی کچھ کیا جو اللہ نے چاہا۔ لہٰذا قانونِ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب دنیا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے وہی کیا جو اللہ نے چاہا تو قیامت میں اللہ بھی وہی کرے گا جو محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہیں گے۔ گویا جسے محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہیں گے۔ وہ جنت میں جائیں گے اور جسے محمدؐ و آلِ محمدؐ نہیں چاہیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔

سامعین!

وعدہ کرو کہ قیامت کے دن مجھے پہچانو گے۔ دیکھو! ایمان کا رشتہ ایسا رشتہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ اور پھر قیامت کے دن تو لطف بھی بڑا ہی آئے گا۔ تم بھی حیران ہو جاؤ گے کہ جب قیامت کے دن تمام دنیا اکٹھی ہو جائے گی۔ وہاں مسلمان بھی ہوں گے۔ یہودی بھی ہوں گے۔ ہندو بھی ہوں گے عیسائی بھی ہوں گے۔ غرض ہر فرقہ اپنی اپنی ٹولی میں خوش کھڑا ہو گا کہ اچانک ایک

آواز آئے گی۔

"مسلمانو! جاؤ، جنّت میں"

ادھر مسلمان بھی جب خوشی میں جنّت کی طرف بھاگنا شروع کریں گے تو سامنے جنّت کا دروازہ دکھائی دے گا۔ اب جو مسلمان وہاں پہنچیں گے تو بقول شاہ ولی اللہ دہلوی کہ جنت کے صدر دروازے پر جہاں سے تمام مسلمان جنت کے اندر جائیں گے وہاں لکھا ہو گا۔

"محمّدؐ۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ"

اب جو بڑے بڑے بزرگان دین اور محافظ اسلام اپنی ریش مبارک سمیٹے ہوئے ان ناموں کو دیکھیں گے تو فوراً رک جائیں گے۔

ہم پوچھیں گے "حضرات! بات کیا ہے۔ اندر کیوں نہیں جاتے؟"

وہ کہیں گے "نہیں جاتے"

"آخر کیوں؟"

اب وہ بڑے ہی غصّہ میں فرمائیں گے۔ "دیکھتے نہیں ہو کہ یہ امام بارگاہ ہے۔" بہر نوع ہم خوش کھڑے رہیں گے اور حضرات سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوں گے کہ یہ تو امام باڑہ ہے اور جنہیں امام باڑہ میں جانے کی عادت ہے انہیں فرشتے لاکھ روکتے رہیں گے مگر وہ یہی کہیں گے کہ "ابھی ٹھہرو۔ ہم مجلس سن کے ابھی آتے ہیں" انشاء اللہ ہم اسی شان سے جنّت میں جائیں گے۔ جس طرح امام باڑوں میں آتے ہیں۔

بہرکیف محمدؐ و آلِ محمّدؐ ہی قانون عدل پر قائم تھے اور تقاضائے عدل ہی یہی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں گے۔ قدرت کی طرف سے بھی یہی ہو گا۔ جو ان کی منشاء و مرضی ہو گی۔

محترم سامعین!

یوں تو انسان ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر تین مواقع ایسے ہیں جہاں انسان قانونِ عدل سے ہٹ جاتا ہے اور وہ یہ ہیں محبت طیش اور عیش۔ گویا ان تین مواقع پر انسان قانون عدل سے ہٹ جاتا ہے۔ ایک تو محبت کی انتہا میں۔ ایک طیش کی انتہا میں اور ایک عیش کی انتہا میں۔ کیونکہ محبت" بھلا دیتی ہے اچھے و برے کو۔ "طیش" بھلا دیتا ہے نیک و بد کو اور "عیش" بھلا دیتا ہے اپنے و پرائے کو۔ بہر نوع انسان وہ ہے جو محبت میں بھی۔ طیش میں بھی اور عیش میں بھی قانونِ عدل پہ قائم رہے۔ لہٰذا آج "محبت" کے بارے میں آپ سے گفتگو کروں گا۔

بزرگانِ من!

اگر تم اپنے جذبات پر قابو رکھو تو معلوم ہوگا کہ جذبۂ محبت قانونِ عدل سے ہٹا دیتا ہے۔ دیکھو نا!

مجھے آپ سے محبت ہے۔ اب دنیا لاکھ کہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا تو یہ قانونِ عدل کے خلاف ہے۔ بھلا ایسی بات پر توجہ دی جا سکتی ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

یاد رکھو! جہاں محبت آجائے وہاں لفظ "اپنا" خود بخود آجاتا ہے جس طرح اپنا گھر۔ اپنا دیس اپنا علاقہ۔ اپنا ملک۔ اپنا مذہب۔ اپنا خاندان۔ اپنا قبیلہ۔ اپنا باپ۔ اپنا بیٹیا یا اپنا بھائی وغیرہ وغیرہ۔ گویا جہاں لفظ "اپنا" آتا گیا وہاں محبت ہوتی گئی اور جہاں محبت ہوتی گئی وہاں قانونِ عدل سے انحراف ہوتا گیا۔

بچو!

تمہیں ایک بات سناؤں کہ ہمارے پنجاب میں ضلع جھنگ کے ایک

دیہات میں دو آدمی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ "میرے دادا جو تھے اللہ انہیں مغفرت کرے وہ بڑے ہی "چنگے" لوگ تھے مرحوم چوری کرتے تھے مگر بڑے ہی شریف تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ حضرت چوری کرنے گئے مگر وہ گھر والے "بے ایمان" جاگ رہے تھے"۔

سامعین!

آپ نے ہنس دیا مگر میری زندگی کا محور یہی بات ہے کہ دادا اپنا تھا۔ اور باوجود چور ہونے کے خدا اس کی مغفرت کرے۔ مگر وہ گھر والے جو جاگ رہے تھے وہ بے ایمان بن گئے۔ یوں ہوتا ہے۔ اپنے پرائے کا فرق۔ اگر گھر والے جاگ رہے ہیں کہ ہمارے گھر چوری نہ ہو تو وہ بے ایمان بن گئے اور چور چونکہ اپنا ہے اسلئے خدا اس کی مغفرت کرے۔ بہر نوع یوں قانونِ عدل سے دنیا ہٹ جاتی ہے۔ محبت قانونِ عدل سے ہٹا دیتی ہے اور اپنائیت قانونِ عدل سے دور رکھتی ہے اب اگر آپ کو کسی سے محبت ہے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

دیکھو نا! ایک دفعہ کسی مولوی صاحب نے مجنوں سے کہا۔

"مجنوں میاں! خلافت کا جھگڑا ہے، کسے بنا دیں؟

مجنوں نے جواب دیا۔

"میری لیلیٰ ہی کو بنا دو۔ کیونکہ مجھے تو لیلیٰ سے بہتر کوئی دکھائی دیتا ہی نہیں۔"

بہر نوع جس کو جس سے محبت ہو جائے۔ وہ محبت قانونِ عدل پہ قائم نہیں رہنے دیتی۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہم فقیروں سے شکوہ نہ کیا کرو کہ فلاں کو فلاں سے محبت کیوں ہو گئی ہے یہ تو اپنے ذوق و شوق کی بات ہے کہ کسی کو شہنشاہ سے محبت ہو گئی اور کسی کو ایک گڈریئے سے محبت ہو گئی۔ کسی کو قید

کرنے والوں سے محبّت ہو گئی اور کسی کو قید ہونیوالوں سے محبّت ہو گی۔ الغرض دیوانہ محبت وعشق تمہارے کسی ضابطے کا پابند نہیں ہے۔

سامعین یاد رکھو!

اگر انسان کے لئے سب سے پیاری شے کوئی ہے تو اس کی اپنی ذات ہے گویا ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہو کر رہوں۔ میری بات بلند ہے میری عزت سب سے زیادہ ہو۔ میرا گھر سب سے اچھا ہو، میرا لباس سب سے اچھا ہو۔ بہر نوع ہر انسان کو اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور اپنی ذات سے بھی زیادہ اگر کوئی شے ایسی ہے جس سے انسان زیادہ محبت چاہتا ہے تو وہ "بیٹا" ہے گویا ایک انسان کی سب سے زیادہ محبت والی شے اگر کوئی ہے تو وہ اس کی "اولاد" ہے۔ خود پھٹا پُرانا کپڑا پہن لیا مگر بیٹے کو نیا خرید کے دیا۔ خود رات جاگ کے گذار دی۔ مگر بیٹے کو آرام سے سلایا۔ گویا ہر باپ یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی بڑھ جائے مگر بیٹے کے لئے یہی چاہتا ہے کہ مجھ سے بڑھ جائے۔ خود میٹرک ہے مگر چاہتا یہی ہے کہ بیٹا بی اے ہو جائے۔ خود بی۔ اے ہے تو چاہتا یہی ہے کہ بیٹا پی۔ ایچ ڈی ہو جائے اور خود لندن سے ہو کر آیا ہے تو بیٹے کے بارے میں یہی چاہے گا کہ وہ چینم میں چلا جائے۔ بہر نوع ہر باپ اپنے سے زیادہ اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہے۔ ادھر اللہ بھی جب کسی کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ آیا یہ قانونِ عدل پہ قائم بھی ہے یا نہیں تو بیٹے سے امتحان لیتا ہے تاکہ دیکھ سکے کہ یہ انسان قانونِ عدل پہ قائم ہے کہ نہیں یا قانونِ عدل سے ہٹ تو نہیں گیا۔

لہٰذا۔ اس کی سب سے بڑی مشہور و معروف مثال حضرت ابراہیمؑ کی مثال ہے۔ اللہ نے کہا:۔

ابراھیمؑ!

تم میرے خلیل ہو، میرے دوست ہو اور تمہارا بیٹا بھی ماشاءاللہ میرا خلیل ہے۔ لہٰذا میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں تم بیٹے کی محبت میں قانون عدل سے ہٹ تو نہیں گئے؟

ابراھیمؑ نے جواب دیا۔

"خداوندا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم تیرے قانونِ عدل سے منحرف ہو جائیں"

اللہ نے کہا۔

"ابراہیم! ہم تو جب جانیں گے جب تم ہماری محبت کا موازنہ اپنے بیٹے کی محبت سے کرو گے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ تم واقعی قانون عدل پہ قائم ہو۔"

ابراھیمؑ نے پوچھا۔

"خداوندا! وہ کیسے"؟

اللہ نے فرمایا۔

"ابراہیم! اپنے بیٹے کو ہماری خاطر ذبح کر دو"

سامعین!

بتاؤ۔ قانونِ عدل پہ قائم رہنے کے لئے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ایک بہت بڑا امتحان ہے کہ نہیں؟

دیکھو نا! ابراہیمؑ نے تو خواب میں دیکھا تھا کہ بیٹا ذبح کر رہا ہوں اور پتہ ہے کہ نبی کا خواب یقیناً وحی ہوتا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اسمٰعیل کی بے خبری میں کر دیا جائے۔ مگر ابراہیمؑ جانتا تھا کہ اگر میں نے یہ کام اسمٰعیلؑ کی بے خبری میں کر دیا تو اسکا

اجر اسمٰعیل کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا اسمٰعیل کو جگایا

"بیٹا اسمٰعیل! اٹھو"

چنانچہ جوان بیٹا اٹھ کے بیٹھ گیا اور عرض کی۔

"بابا! کیا حکم ہے؟

ابراہیمؑ نے فرمایا "بیٹا! خداوند عزاسمہٗ وجل جلالہٗ کی طرف سے ہمیں حکم ہُوا ہے کہ ہم تمہیں ذبح کر دیں۔ بیٹا! تمہاری کیا رائے ہے؟

اِدھر "قائم بالقسط" کے مصداق نے بغیر سوچے سمجھے جواب دے دیا۔

"باباجان! پھر دیر کس بات کی ہے؟۔ حکم خدا کی ابھی تعمیل کرو۔ انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، انشاءاللہ ہم باپ بیٹا دونوں قانونِ عدل پہ قائم رہیں گے"

بہر نوع دونوں میں مشورہ ہوگیا اور ساتھ یہ صلاح ہوئی کہ اسمٰعیل کی ماں کو اس کا پتہ نہ چلے۔ کیونکہ جوان بیٹے کی ماں ہے کہیں گھبرا نہ جائے۔ لہٰذا ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کی ماں کو یہ کہا کہ اسے دوست سے ملانے لے جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہاجرہؑ نے بیٹے کو نہلا دھلا کے نئے کپڑے پہنائے اور دروازے تک چھوڑنے آئیں اور جب ابراہیمؑ بیٹے کو لیکر چل پڑے تو ایک بزرگ ہاجرہؑ کے پاس تشریف لائے اور کہا۔

"ہاجرہ! سُنتی بھی ہو۔ باہر آؤ اور اپنے بیٹے کو پکڑ کر واپس لاؤ کیونکہ ابراہیمؑ اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں"

ہاجرہؑ نے کہا:۔

"تم پاگل تو نہیں ہو؟ بھلا باپ بھی بیٹے کو ذبح کرتا ہے"

بزرگ نے کہا "ہاجرہ! وہ کہتا ہے کہ مجھے "وحی" ہوئی ہے"

ہاجرہ نے کہا:۔

"ماشاءاللہ ۔ اگر وحی ہوئی ہے تو بیشک ذبح کر ڈالے"

اب وہ بزرگ بولا:"ہاجرہ! میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ دیکھو نا! یونہی گھر میں نہ بیٹھی رہو۔ باہر نکلو اور بیٹے کو پکڑ کر واپس لاؤ کوئی وحی وغیرہ نہیں آئی کیونکہ ابراہیمؑ بڈھا ہو چکا ہے اس لئے دماغ کام نہیں کرتا ہے"

ہاجرہ یہ سنکر غصے میں کہتی ہے "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللہِ"

یہ سنکر وہ بزرگ بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

"ہاجرہ! تو نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں لَاحَوْلَ وَلَا ہوں"؟

ہاجرہ نے جواب دیا:۔

"نامراد۔ تو نے خود ہی تو پہچنوا دیا۔ کیونکہ تو نبیؑ کی بیوی کو گھر سے باہر نکلنے اور اسمٰعیلؑ کو واپس لانے کی ترغیب جو دے رہا ہے اور جو نبیؑ کی بیوی کو گھر سے باہر نکلنے کی ترغیب دے وہ شیطان ہی تو ہے"

بہرنوع ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو لیکر اس جگہ پہنچے جہاں اسے ذبح کرنا مقصود تھا۔ ابراہیمؑ نے وہاں پہنچتے ہی زمین کو صاف کیا پھر اپنی عبا بچھا کر اس پر بیٹے کو لٹا دیا۔ اور پوچھا۔

"بیٹا! بھوک تو نہیں لگ رہی۔ کوئی پیاس تو نہیں لگ رہی کوئی کنکر تو نہیں چبھ رہی؟

اسمٰعیلؑ نے جواب دیا۔

"بابا جان!"نہیں"

"بیٹا! اب میں حکم خدا کی تعمیل کروں؟"

"ہاں بسم اللہ"

ابراہیم نے پوچھا۔ بیٹا! کوئی فرمائش ہے؟

اسمٰعیل نے جواب دیا۔

"ہاں بابا جان! آپ میرے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیں تاکہ میں زیادہ تڑپنے نہ پاؤں۔ اور اپنے کپڑے بھی سمیٹ لیں تاکہ میرے خون کی کوئی چھینٹ آپ کے دامن پہ نہ پڑ جائے۔ جسے میری امّاں نہ دیکھ لے"

چنانچہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد ابراہیم نے اسمٰعیل کو لٹایا۔ ہاتھ میں چھری پکڑی اور جب ذبح کرنے کو گلے پہ چھری رکھی ہی تھی کہ ابراہیم نے اپنی اور اسمٰعیل کی آنکھوں پہ رومال ڈال دیا تاکہ بیٹا بھی چھری نہ دیکھ سکے اور ابراہیم بھی چھری نہ دیکھ سکے اس کے بعد ابراہیم نے "اللہ اکبر" کہہ کر اسمٰعیل کے گلے پہ چھری چلادی۔ اور کچھ دیر بعد ابراہیم نے جو اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو دیکھا کہ بیٹا صحیح وسالم کھڑا مسکرا رہا ہے اور دُنبہ ذبح ہو چکا ہے۔ ابراہیم نے آسمان کی طرف منہ کرکے بلند آواز میں کہا۔

"خداوندا۔ کیا تو مجھ سے ناراض ہو گیا؟ کیا میں قانونِ عدل سے ہٹ گیا؟۔ کیا تو نے میرے پٹی باندھنے کو محسوس کرلیا؟"

قدرت کی طرف سے جواب آیا۔

"ابراہیم! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ذبح ہو جائے گا" ہم نے تو یہ کہا تھا کہ "ذبح کر ڈالو" لہٰذا تم نے اپنی بات پوری کردی۔ بس تمہارا اتنا ہی امتحان تھا۔ انشاءاللہ ہم یہ قربانی تم پر قرض رکھتے ہیں۔ کوئی سپوت بیٹا پیدا ہوگا جو تمہارے قرضے کو ادا کریگا"

بزرگو! یاد رکھو۔ بیٹے کے معاملے میں امتحان دینا اور قانونِ عدل پہ قائم رہنا

بنی نوع آدم پر قرض ہے اور کائنات دیکھ رہی ہے کہ کون ایسا سپوت بیٹا آئے گا جو اس قرض کو ادا کرے گا۔

بس بھائیو!

اس قرضے کو ادا کرنے کے لئے اپنے عزیزوں و جانثاروں کے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ آج کربلا میں تشریف فرما ہیں اور کائنات منتظر ہے کہ ابراہیمؑ کا یہ سپوت بیٹا دادا کے قرضے کو کس شان سے ادا کرے گا۔

حضور والا!

کربلا کا بھیانک بن ہے اور لاکھوں خونخواروں کے درمیان بہتر۷۲ کا قافلہ ہے۔ بیچ میں بہتر۷۲ کا سردار کھڑا ہے اور صبح سے کان میں آواز آ رہی ہے۔

"مولاؑ! میں گر گیا"، "میرے آقاؑ! میں گر گیا"

"میرے بادشاہ! مجھے اٹھا لو"

جب مولا اور آقا کی آوازیں آنی بند ہو گئیں اور باقی صرف اولاد ابی طالبؑ رہ گئے تو حسینؑ نے کسی کا انتظار کئے بغیر حکم دیا۔

"علی اکبرؑ! بیٹا۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تم میدان شہادت میں جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہن کے بچے ذبح ہو جائیں۔ بھائیؑ کا بیٹا قتل ہو جائے اور دُنیا یہ کہے کہ اپنے بیٹے کو روک لیا تھا"

بہرنوع ادھر امامؑ کا حکم ہوا ادھر علی اکبرؑ میدان کی طرف چل پڑا۔ ابھی چند قدم چلا ہی تھا کہ حسینؑ نے آواز دی۔

"علی اکبرؑ! بیٹا۔ ذرا ٹھہرو"

اکبرؑ ٹھہر گئے۔ پھر فرمایا۔

"بیٹا! گھوڑے سے اترو۔ چنانچہ علی اکبرؑ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے

اور عرض کی۔

"بابا جان! کیا حکم ہے؟"

امام نے فرمایا۔

"بیٹا! بیت الشرف میں جاؤ اور ماں کو سلام کرو۔ پھوپھی کو سلام کرو
بہنوں سے رخصت ہو"

چنانچہ علیؑ اکبر گھر میں تشریف لائے اور حسینؑ بھی ساتھ ساتھ چلتے آئے
خیمہ میں آکر حسینؑ نے زینبؑ سے کہا۔

"زینبؑ! اکبرؑ آرہا ہے۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی
بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے"

چنانچہ علیؑ اکبر خیمے میں تشریف لائے اور لیلیٰ کو سلام کیا۔

"اماں! سلام"

ماں جواب میں کہتی ہے۔

"اکبر بیٹا! تم ابھی تک زندہ ہو۔ میرے لعل! میں صبح سے
مصلےٰ بچھائے بیٹھی ہوں۔ تاکہ تیری میت آئے تو شکریہ کی نماز
پڑھوں۔"

علیؑ اکبر نے کہا۔

"اماں! میں جا رہا ہوں"

"بیٹا! خدا حافظ۔"

علیؑ اکبر ماں سے رخصت ہو کر پھوپھی کے پاس آئے اور آتے ہی زینبؑ
کی گود میں سر رکھ دیا۔ اور لیٹ گئے اور عرض کی۔

"پھوپھی اماں! دیکھو۔ میں تمہارا اکبرؑ ہوں۔ مجھے پیار کرو۔"

ادھر حسینؑ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ آج پھوپھی بھتیجے میں کیا باتیں ہونگی تھوڑی دیر بعد اکبرؑ نے عرض کی۔

"اماں! آپ ہی اس بات کی گواہ ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ جو بات بھی پوچھی ہے آپ ہی سے پوچھی ہے اور جو کچھ بھی مانگا ہے آپ ہی سے مانگا ہے۔ گویا سوائے آپ سے میں نے کسی سے واسطہ ہی نہیں رکھا۔ اماں! آج بھی آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں"

زینبؑ نے کہا۔

"بیٹا! آج کوئی مسئلہ پوچھنے کا موقع ہے"

"علیؑ اکبر نے عرض کی" اماں! آج ایک مسئلہ بتا دو"

"اچھا میرے لعل! پوچھو، کیا پوچھتے ہو"

علی اکبرؑ نے عرض کی۔

"اماں! میری دادی فاطمہؑ کا مرتبہ زیادہ ہے یا آپ کا؟

زینبؑ ایک دم گھبرا کے فرماتی ہیں۔

"بیٹا! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کجا فاطمہؑ کی شان۔ کجا میں میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں"

اب جو زینبؑ نے کہا کہ میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں تو علی اکبر یا تو لیٹے تھے۔ یا اُٹھ کے بیٹھ گئے اور فرمایا۔

"اماں! اگر تم واقعی فاطمہؑ کی کنیز ہو تو پھر ایک کام کرو۔ کہ آج فاطمہؑ کے بیٹے پہ اپنے بیٹے کو قربان تو کر دو"

بس بھائیو!

علی اکبرؑ کا یہ کہنا تھا کہ اُدھر سے حسینؑ نے آواز دی۔

"زینبؑ ! میں تو کہتا تھا کہ آج میں سُننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے"

بہرنوع دونوں بہن بھائی نے مل کر اکبرؑ کو آخری لباس پہنایا۔ زینبؑ نے عبا پہنائی اور حسینؑ نے عمامہ باندھا۔ مگر اس طرح باندھا گویا کفن باندھ دیا۔ اکبرؑ روانہ ہوئے کبھی کسی بہن نے آکے عبا کا دامن پکڑ لیا۔ کبھی کسی بچّی نے روک لیا۔ کبھی پھوپھی نے ٹھہرا لیا۔ جب بڑی دیر ہوگئی تو امامؑ نے فرمایا۔

"بیبیو ! مسافر کا رستہ نہ روکو"

چنانچہ امامؑ کے کہنے سے سب خاموش ہوگئے۔ علیؑ اکبر جب سب سے رُخصت ہوکر خیمے سے باہر نکلے اور ابھی دروازہ کے قریب ہی تھے کہ ایک درد بھری آواز آئی۔ جس کو حسینؑ جیسا صابر انسان سُنکر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گیا اکبرؑ ابھی دروازہ کے قریب ہی تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"اکبرؑ ! ہم سے بھی ملتے جاؤ"

علی اکبرؑ پلٹ کے دیکھتے کیا ہیں کہ بیمار بھائی چلا آرہا ہے۔ دونوں بھائیوں نے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور حسینؑ جیسا صابر آنسو پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ اللہ جانے بھائیوں میں کیا راز و نیاز کی گفتگو ہوئی۔ بہرنوع اکبرؑ خیمے سے باہر آئے اور حسینؑ نے رکاب پکڑ کے سوار کر دیا اور فرمایا۔

"بیٹا ! جاؤ۔ خدا حافظ"

اکبرؑ میدان کو چلے۔ حسینؑ بھی پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ تھوڑی دور جاکر اکبرؑ نے باگ روک لی۔ اور عرض کی۔

"بابا جان ! میں اُتر آؤں ؟"

حسینؑ نے فرمایا "نہیں بیٹا۔ جاؤ"

"بابا جان! پھر آپ تکلیف کیوں کر رہے ہیں"
حسینؑ نے فرمایا۔
"بیٹا اکبرؑ! تمہارا کوئی جوان بیٹا نہیں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ ہمارے دل پہ کیا گذر رہی ہے۔
اچھا بیٹا! ہم بیٹھ گئے۔ تم جاؤ"

عزادار سیّد الشہداؑ!

یہ کہہ کر حسینؑ ایک ٹیلے پہ بیٹھ گئے اور علی اکبرؑ میدان میں آ گئے۔ اور جہاد شروع ہو گیا۔ علی اکبرؑ کی نظر فوجوں پہ۔ حسینؑ کی نظر علیؑ اکبرؑ پہ۔ دروازہ میں کھڑی ہوئی زینبؑ کی نظر حسینؑ پر اور مصلیٰ پر بیٹھی ہوئی لیلیٰ کی نظر زینبؑ پر جمی ہوئی ہے۔ گویا یہاں سے وہاں تک نظر کا تار مل گیا۔

بس بھائیو! کوئی دس منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ اکبرؑ گھوڑے سے گرا حسینؑ ٹیلے سے گرے۔ زینبؑ دروازے میں گری اور لیلیٰ سجدے میں گری۔
"یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی"

بزرگو!

علی اکبرؑ نے گھوڑے سے گرتے ہی آواز دی "یا اَبَہ اَدْرِکْنِیْ"
"بابا جان! میں گر گیا"
حسینؑ چلے اور جب اکبرؑ کی لاش نو دس قدم رہ گئی تو فرمایا۔
"اکبرؑ بیٹا! ایک دفعہ پھر پکارو۔ بیٹا! ہمیں رستہ نظر نہیں آتا۔ ہماری بینائی کام نہیں کر رہی۔ لہٰذا تم ہمیں آواز دو تاکہ ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں"

چنانچہ علی اکبرؑ نے پھر آواز دی "یَا اَبَتِ اِلَیَّ اِلَیَّ" بابا جان!

میں یہاں ہوں"

حسینؑ آواز کے سہارے میّت پہ پہنچے ۔ دیکھا کہ،

اکبرؑ ایک پاؤں سمیٹتا ہے اور ایک پاؤں پھیلاتا ہے۔ حسینؑ میت کے پاس بیٹھ گئے۔ گود میں اکبرؑ کا سر لے لیا اور فرمایا۔

" بیٹا علی اکبرؑ ! ہم آگئے"،

اکبرؑ نے عرض کی " بابا جان ! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی ہے"

حسینؑ نے فرمایا۔

" بیٹا ! کہو۔ کچھ کہنا چاہتے ہو ؟

اکبرؑ نے عرض کی " بابا جان ! آج اکبرؑ آپ سے دو چیزیں مانگتا ہے ۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو " دو گھونٹ پانی دے دو"

گویا جوان بیٹے کا زندگی میں باپ سے پہلا سوال ہی یہی تھا کہ " دو گھونٹ پانی دے دو"

حسینؑ نے فرمایا " اکبرؑ بیٹا ! گھبراؤ نہیں تمہارے دادا ابھی تمہیں سیراب کریں گے "

اکبرؑ نے فرمایا۔

" بابا جان ! دوسری فرمائش کرتا ہوں کہ ابھی میں زندہ ہوں لہٰذا مجھے گھر لے چلو تاکہ میں پھوپھی اور اماں سے آخری بار مل سکوں"

حسینؑ نے کہا۔

" ہاں بیٹا ! تمہاری یہ فرمائش ہم ضرور پوری کریں گے "

یہ کہہ کر حسینؑ نے ایک ہاتھ اکبرؑ کی گردن کے نیچے رکھا اور ایک ہاتھ پیروں کے نیچے رکھا اور " یا علیؑ مدد " کہہ کے میّت اٹھانا چاہی ۔ جوان میّت۔ بڈھا

آدمی۔ ہاتھ تھرائے۔ زمین پہ رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ارادہ کیا۔ اب کے سینے تک اٹھائی۔ مگر ہاتھ پھر بھی تھرائے میت زمین پہ لٹا دی۔ اور حسینؑ نے فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! ایک کام کرو کہ ادھر سے ہم اٹھاتے ہیں اُدھر سے تم دونوں ہاتھ ہمارے گلے میں ڈال دو۔ کچھ تم سہارا کرو۔ کچھ ہم سہارا کریں گے"

چنانچہ اکبرؑ نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ حسینؑ نے کہا۔

"بیٹا! دوسرا ہاتھ بھی ڈال دو"

اکبرؑ نے عرض کی "بابا جان! دوسرا ہاتھ میں سینے سے اٹھانا نہیں چاہتا"

"کیوں بیٹا! کیا بات ہے"؟

"بابا جان! میں اپنا سینہ آپ کو دکھانا نہیں چاہتا"

حسینؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! کوئی بات نہیں۔ ہمیں بھی دکھاؤ۔ ہم دیکھیں گے"

اب جو اکبرؑ نے سینے سے ہاتھ اُٹھایا تو حسینؑ نے دیکھا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کے اکبرؑ کے سینے میں رہ گیا ہے اور اکبرؑ کا دل اس میں پھنسا ہوا ہے۔ حسینؑ نے دیکھ کے فرمایا۔

"بیٹا! یہ بات تھی۔ گھبراؤ نہیں"

یہ کہہ کے حسینؑ نے بیٹے کی میت کو زمین پہ لٹایا۔ خود دو زانو بیٹھے۔ ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پہ رکھا۔ ایک ہاتھ میں برچھی پکڑی اور کھینچنے کا ارادہ کیا اور بلند آواز سے آسمان کی طرف منہ کرکے کہا۔

"نانا رسول اللہ! دادا ابراہیم کو لیکر کربلا میں آؤ اور دیکھو! میری آنکھوں پہ رومال نہیں ہے۔ میری آنکھوں پہ پٹی نہیں ہے۔ میرا

ہاتھ نہیں لرز رہا - میرا بدن نہیں کانپ رہا۔

خداوندا!

دیکھ - آج میں دادا ابراہیمؑ کا قرض چکا رہا ہوں"

بزرگانِ من!

حسینؑ نے برچھی کو ہلایا - برچھی ہلی تو اکبرؑ کا بندھا ہوا دل ہلا - دل ہلا تو سارا بدن تھرایا - بدن کا تھرانا تھا کہ کربلا میں زلزلہ آیا - کربلا میں زلزلہ آیا تو حسینؑ کے خیموں میں زلزلہ آیا اور خیموں پہ زلزلہ آنا تھا کہ پردہ اٹھا اور زینبؑ نے آواز دی۔

"حسینؑ! مجھے آنے دو - اکیلے یہ کام نہ کرنا - دونوں بہن بھائی مل کے یہ کام کریں گے"

زینبؑ کا یہ کہنا تھا کہ حسینؑ نے وہیں سے آواز دی۔

"زینبؑ! باہر نہ آنا - تیرے پردے پہ اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں"

عزادارِ سید الشہداءؑ!

آج سے چند سال قبل کربلا معلی میں حرم سید الشہداء میں ضریح اقدس کے پاس کھڑے ہو کر - نماز صبح کے بعد شیخ مہدی نامی ایک شخص تھوڑی دیر مصائب سید الشہداءؑ پڑھا کرتے تھے - یہی گویا صبح کا ایک وظیفہ تھا - ایک روز انہوں نے علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دی - بڑا گریہ ہوا - واپس گھر گئے - دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب سو گئے - تو خواب میں دیکھا کہ سیاہ برقعہ والی ایک خاتون آئی ہیں اور فرماتی ہیں -

"شیخ مہدی! " شیخ کہتا ہے کہ میں خواب ہی میں اٹھ کے بیٹھ گیا اور عرض کی۔

"بی بی! کیا بات ہے؟

بی بی نے فرمایا۔

"شیخ! مجھے پہچانو۔ میں حسینؑ کی ماں ہوں"

شیخ کہتا ہے کہ میں تھر تھر کانپنے لگا۔ اور عرض کی۔

"حضور! کیا حکم ہے"

بی بی نے فرمایا۔

شیخ! تم نے آج حرم میں علی اکبرؑ کی شہادت پڑھی ہے آئندہ یہ شہادت نہ پڑھنا"

شیخ نے عرض کی۔

"کیوں بی بی! کوئی غلط روائیت پڑھ دی تھی"؟

بی بی نے فرمایا۔

"نہیں۔ بالکل درست کہا تھا۔ مگر جب سے تو نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ اکبرؑ و قاسمؑ کے لاشہ پر ہاتھ رکھ کر حسینؑ نے کہا۔

"وَغربتا"۔ یا اللہ! میں غریب ہوگیا۔ اُس وقت سے میرا حسینؑ بے ہوش پڑا ہے۔ وہ اب بھی اکبرؑ کو یاد کر رہا ہے۔ میں اب تک اُسے بہلا رہی ہوں۔

سامعین!

قانونِ عدل یہی ہے جس پہ حسینؑ نے اکبرؑ جیسے بیٹے کی محبت کو قربان کر دیا۔ اور یہی ہے وہ اُدھار ذبحِ عظیم جو میدان کربلا میں ادا کیا گیا

اللہ ہمیں مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

قانونِ عدل

خداوند عزاسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام

حضراتِ گرامی قدر!

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ چاہتا یہی ہے کہ انسان اپنے ہر قول وفعل وعمل سے قانونِ عدل پر قائم رہے۔ عدل سے تجاوز نہ کرے بلکہ ہر معاملہ میں قانونِ عدل پہ قائم رہے۔ یہی اللہ کا منشاء ہے اور یہی وہ انسان سے چاہتا ہے۔ اب اللہ کے چاہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر انسان عدل پہ قائم رہے گا تو اللہ کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور اگر عدل کو چھوڑ دے گا تو اللہ کو کوئی نقصان ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ بہر نوع اللہ ہے۔ اللہ کا کسی حالت میں کچھ نہیں بگڑتا۔ اگر ساری دُنیا مل کے اللہ کا نام لے تو سبحان اللہ اور اگر ساری دُنیا اس کا نام لینا چھوڑ دے تو ماشاء اللہ۔ اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو صاف کہتا ہے کہ۔

اگر تم مجھے یاد رکھتے ہو تو شاباش اور اگر بھُول جاتے ہو تو جاؤ جہنم میں۔

لہٰذا اللہ جو کچھ بھی چاہتا ہے۔ اُس کی جو کچھ بھی منشاء ہے وہ اس لئے ہے کہ ہمارے اندر یہ خوبی ہو۔ ہمارے اندر یہ کمال ہو اور صرف اس لئے کہ دُنیا میں عدلِ حقیقی قائم رہے۔ لہٰذا اللہ نے عدلِ حقیقی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار نمونے انسان کو دکھائے اور سمجھائے۔ یہاں تک کہ جب ہمیں سارے نمونے دکھا چکا تو عدل کو ہمارے دل میں راسخ کرنے کے لئے اس نے عدلِ حقیقی کو "قائم" کر دیا تاکہ کسی طرح انسان عدل پر قائم ہو جائے۔

صاحبانِ ذوق!

اللہ نے پہلا نمونۂ عدل جو ہمیں دکھایا وہ تھے ہم سب کے باوا آدمؑ۔ اور جب آدم بن کے تیار ہوئے تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ "اسکی طرف رُخ کرکے سجدہ کرو" یہ نہیں کہا کہ "اس کو سجدہ کرو" بلکہ یہ فرمایا کہ سجدہ اللہ کو کرو۔ مگر آدمؑ کو "قبلہ" بنا کے کرو۔ اِدھر فرشتے بیچارے بھولے بھالے۔ سیدھی سادھی مخلوق۔ سوائے حکم کی تعمیل کے کچھ جانتے نہیں تھے۔ انہیں جب حکم ملا کہ "سجدہ کرو" تو فوراً حکم کی تعمیل میں انھوں نے اپنے سر جھکا دیئے

پھر اعلیٰ حضرت کی طرف سے حکم ملا "ابھی ٹھہرو"

چنانچہ فرشتے ٹھہر گئے اور عرض کی۔

"قبلہ! آپ ہی نے تو حکم دیا ہے۔ اب روکتے کیوں ہو"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

"فرشتو! بیشک اس کی طرف سجدہ کرو۔ کیونکہ یہ ہمارا بنایا ہُوا ہے مگر ذرا ٹھہرو۔ کیونکہ جب اس میں "رُوح" آجائے گی تو پھر اسے سجدہ کرنا"

چنانچہ فرشتوں نے آدم کو جب سجدہ کیا جب اس میں رُوح آ گئی۔

سامعین!

یاد رکھو۔ تخلیقِ آدمؑ کے ساتھ اللہ نے ہمیں یہ قانونِ عدل سکھا دیا کہ میں "قبلہ" ضرور بناتا ہوں مگر اس وقت تک وہ قبلہ نہیں بن سکتا جب تک اس میں میری رُوح نہ آجائے۔ چاہے وہ خلیل بنائے یا خود اپنے ہاتھوں سے جلیل بنائے۔ وہ قبلہ جب بنے گا جب اس میں میری رُوح آجائے گی۔

حضور والا! یہی نکتہ تھا کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل اللہ کے

ایک خلیل بندے نے مکّہ میں اللہ کا ایک گھر بنایا۔ ذہن میں تصور یہ تھا کہ اللہ جانے یہ گھر کیسا ہوگا۔ کیونکہ میں نے گورنمنٹ ہاؤس دیکھا تھا۔ اس وقت میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جب گورنر اور نوابوں کی حویلیاں کئی میلوں تک پھیلی ہوئی ہیں تو اللہ جانے "خدا ہاؤس" کتنا بڑا ہوگا۔ دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کا محلات اللہ جانے کتنا وسیع ہوگا۔ اور اللہ کا گھر بناتے وقت بھی یہی تصور غالباً حضرت ابراہیمؑ کا بھی ہوگا کہ۔

"خداوندا! تیرا گھر بنانا ہے۔ ذرا اس گھر کا نقشہ تو بھیج دے تاکہ تیرا گھر بناؤں۔ اللہ نے جواب دیا۔

"ابراہیم! سنتے بھی ہو۔ گھر تو میرا ہی ہوگا۔ مگر زیادہ ناپ تول کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اتنا کمرہ بنا دو کہ بوقت ضرورت ایک عورت آرام سے لیٹ سکے کیونکہ میں نے نہ خود آکے رہنا ہے اور نہ ہی کرائے پہ دینا ہے۔ بلکہ یونہی خالی پڑا رہے گا چاہے اس پہ بُت قبضہ کرلیں۔ چاہے بُت پرست قبضہ کرلیں مگر گھر میرا ہے۔ میں ہی اس گھر کا مالک ہوں"

ہم پوچھتے ہیں۔

"خداوندا! تو قادرِ مطلق ہو کر، اتنی بڑی طاقت والا ہو کر اپنے گھر پر کیوں ان نامراد بتوں کا قبضہ ہونے دیا" اللہ جواب یوں فرماتا ہے۔

"دیکھو منا! تم ابھی نادان ہو۔ کسی بات کو اچھی طرح سمجھتے نہیں ہو۔ اگر بُت میرے برابر کے ہوتے تو میں ان سے لڑتا اور جن بتوں کو دوسروں نے بنا کے بٹھایا ہو ان سے لڑنا میری توہین ہے۔ اگر ان پہ میں نے فتح بھی پالی تو بات کیا ہوئی۔ لہٰذا اگر یہ نامراد بُت بیٹھے ہیں تو بیٹھنے دو۔ جب وقت آئے گا خود ہی نکل جائیں گے"

سامعین!

ادھر بُت ہیں کہ ضد کر بیٹھے کہ ہم نہیں نکلتے کیونکہ خدا کا گھر ہے اور ہم لوگوں کے بنائے ہوئے خدا ہیں!

لہٰذا مجبوراً اللہ کو ایسا آدمی بھیجنا پڑا کہ جس نے آتے ہی بتوں سے یہی کہا "نکل جاؤ میرے گھر سے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میرا زچہ خانہ ہے"

بہرنوع ابراہیمؑ نے اللہ کا گھر بنایا جس کو ارب ہا مسلمان قبلہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور گھر بنانے کی شان یہ تھی کہ ابراہیمؑ معمار اور اسمٰعیلؑ مزدور بن گئے۔ جبرئیلؑ اسکے معاون بن گئے۔ اور اعلیٰ حضرت خود انجینئر بن گئے اور اپنی موجودگی میں دیکھ دیکھ کے بنوا رہے تھے۔ ادھر ابراہیمؑ دیوار کا ایک ردا لگاتے اور نہ رد ہونے والی دُعا مانگ لیا کرتے۔

"خداوندا! اتنا گھر بن گیا۔ اب مجھے یہ مل جائے۔ اب میری اولاد کو یہ مل جائے" اور اللہ دیتا رہا اور گھر بنتا رہا۔ اور جب پورا گھر بن گیا تو اللہ نے اس گھر کا نام "بیت اللہ" رکھ دیا۔

بس بھائیو! یہاں تک تو میں نے کہہ دیا کہ اس گھر کا نام اللہ نے "بیت اللہ" رکھ دیا۔ اب آپ خود ہی بتائیں کہ اگر کوئی اس گھر میں رہنے لگ جائے تو وہ کیا کہلائے گا۔؟ "اہلبیت" گویا بت اہلبیت بن گئے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ گھر میں رہنا اور بات ہے اور اہلبیت ہونا اور بات ہے۔ بہرنوع بیت اللہ بن گیا اور ابراہیمؑ نے عرض کی۔

"**خداوندا**۔ تیرا گھر بن گیا۔ اب معائنہ کر کے دیکھ لے"

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے معائنہ کیا اور فرمایا۔

"**ابراہیمؑ!** شاباش۔ بہت اچھا گھر بنا ہے مگر تم دونوں باپ بیٹا

مل کر ایک کام کرو "

"میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر دو"

سامعین!

اللہ نے صرف ابراہیمؑ اکیلے کو حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ تم دونوں مل کے میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر دو۔

چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے مل کے گھر کو پاک کرنا شروع کیا اور پاک کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ کعبہ کی دیوار میں لگی ہوئی اینٹوں میں سے ایک ایک اینٹ پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" دوسری پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" تیسری پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" جب ساری اینٹوں پہ ہاتھ رکھ کے سُبحان اللہ کہہ دیا تو اللہ نے کہا "پاک ہو گیا"۔ گویا ابراہیمؑ نے بحکم خدا کعبے کی تمام اینٹوں پہ سبحان اللہ کہہ کے تمام دیوار کعبہ کو تسبیح کے دانے بنا دیا۔ اب جب دیوار کعبہ تسبیح کے دانے بن گئی تو "امام" کو خود ہی راستہ مل جائے گا۔ بہر نوع خدا کا گھر پاک ہو گیا اور پاک کیا بھی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ دونوں نے مل کر

سامعین!

یاد رکھو! اللہ کہتا ہے کہ میرا قانونِ عدل ہی یہی ہے کہ میں جب بھی کوئی کام لیتا ہوں تو ایک سے نہیں لیتا بلکہ دو سے لیتا ہوں۔ کیونکہ دو کے بغیر میرا کام چل سکتا ہی نہیں۔ دو ہوں تو کام کرو ورنہ رہنے دو"

دیکھو نا! دور جانے کی ضرورت نہیں۔ قریب سے ہی دیکھ لو کہ ابراہیمؑ کے ساتھ ہم نے اسمٰعیلؑ کو لگا دیا۔ موسٰیؑ کے ساتھ ہارونؑ کو لگا دیا۔ اسی طرح ہر ایک کے ساتھ دوسرا لگاتے رہے اور جب عیسٰیؑ اکیلے رہ گئے کوئی دوسرا معصوم نہیں تھا۔ تو اللہ نے کہا۔

"عیسٰیؑ! تم اکیلے ہو اور اکیلے سے ہم کوئی کام نہیں لیا کرتے لہٰذا
تم غائب ہو جاؤ"۔ چنانچہ عیسٰیؑ غائب ہو گئے

بہر نوع ہدایت کا یہ سلسلہ چلتے چلتے جب محمدؐ تک پہنچا تو اللہ نے محمدؐ کے ساتھ علیؑ کو لگا دیا۔ علیؑ کے ساتھ حسینؑ کو لگا دیا۔ یہاں تک کہ گیارہویں کے ساتھ بارہویں کو لگا دیا اور جب بارہواں اکیلا رہ گیا تو خدا نے اپنے قانونِ عدل کے مطابق اُسے بھی غائب کر دیا۔ اُدھر عیسٰیؑ اکیلا رہ گیا اُسے غائب کر دیا گیا۔ اِدھر باہواں اکیلا رہ گیا اسے بھی غائب کر دیا گیا۔ جب تک دونوں اکیلے رہیں گے غائب رہیں گے اور جب اللہ اُن سے ہدایت کا کام لینا چاہے گا تو پھر انہیں ملا دے گا۔ اب یہ دونوں کہاں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایک غائب ہے زمین پر اور ایک غائب ہے آسمان پر۔ لہٰذا دونوں کے غائب ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِدھر عیسائی ہے کہ وہ اکڑ کے کہتا ہے۔

"مسلمانو! تمہارے والا زمین پہ غائب ہے اور ہمارے والا
آسمان پر غائب ہے"

بھائیو!

اب ان عیسائیوں کو کون سمجھائے کہ اللہ نے دونوں کو غائب کرتے وقت قانونِ عدل کی میزان میں تولا تو ایک اتنا کم وزن نکلا کہ آسمان پہ پہنچ گیا اور ایک اتنا وزن والا تھا کہ زمین پہ رہ گیا۔ اور رہ گیا ان دونوں کے ملنے کا طریقہ کہ یہ کہاں ملیں گے تو یہ بات وقت بتائے گا کہ آسمان والا آئے گا یا زمین والا جائے گا۔ بہر نوع دو ہوں گے تو ہدایت کا کام شروع ہو گا۔

حضور والا!

قیامت کے دن جب مسلمان اور عیسائی آپس میں جھگڑیں گے کہ امام کون ہے

تو اتفاق سے ایک پٹواری صاحب اگر آجائیں تو یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ آکر یہی کہے گا۔

مولوی صاحبان ! تم کیوں خواہ مخواہ کے لئے جھگڑ رہے ہو۔ یہ مسئلہ تو ہمارے سمجھانے کا ہے کہ چونکہ بیلنے زمین چھوڑ کر بے دخل ہو گئے تھے اور یہ آج تک اپنی زمین پہ قابض ہے۔ اور قابض و دخیل کار کے ہوتے ہوئے بے دخل کو زمین پر امامت کروانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

بہر نوع زمین والا ہی نماز پڑھائے گا اور ہم نماز پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ نصیری اور نصاریٰ میں لڑائی ہو رہی ہو گی۔ کیونکہ نصاریٰ کے خدا کا بیٹا پیچھے ہو گا اور نصیری کے خدا کا بیٹا آگے ہو گا۔ اس دن نصیری کہے گا کہ ہم نا کہتے تھے کہ۔ " ہمارے خدا کا بیٹا آگیا ہے"

بہر کیف خدا کے قانونِ عدل کے مطابق دو ہوں گے تو کام ہو گا۔ اسی طرح خدا نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں سے کعبہ کو پاک کروانے کا کام کروایا اور جب کعبہ میں بتوں نے گھر بنا لیا اور اسے پاک کروایا تو اس وقت بھی تنہا محمدؐ نہیں تھے بلکہ علیؑ بھی ساتھ ہی تھے۔ دونوں نے مل کے خدا کے گھر کو پاک کیا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

"محمدؐ ! اسے قبلہ بنا دو"

خداوندا۔ کیسے ؟

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ جب اسمیں میری رُوح آجائے گی تو یہ قبلہ بن جائے گا"

ادھر دُنیا انتظار میں تھی کہ اعلیٰ حضرت کی رُوح کب آئے گی۔ کہاں سے آئے گی اور کس طرح قبلہ بنے گا۔ یہاں تک کہ خدا کے آخری رسُول بھی آگئے

ان سے پُوچھا گیا کہ حضورؐ! فنبلہ بنا؟

"حضورؐ نے فرمایا۔" نہیں"

" حضورؐ! کب بنے گا؟"

محمدؐ نے فرمایا "گھبراؤ نہیں۔ ابھی بن جائے گا" یہاں تک کہ ایک دن رسُولؐ نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

" خُداوندا۔ تُو نے مجھے آخری رسُول بنایا ہے۔ تُو نے مجھے کائنات کا ہادی بنایا ہے۔ لہٰذا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ مجھے " مددگار" بھی اپنے ہی گھر سے دے۔"

اللہ نے کہا" محمدؐ! میں اسی دُعا کا منتظر تھا۔ تو نے میرے گھر سے مددگار مانگا لہٰذا ضرور ملے گا"

حضُور والا!

اُدھر رسُولؐ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور ادھر اسد کی بیٹی اور اسد کی ماں الہامی طور پر خدا کے گھر کے قریب پہنچی۔ گھر کا طواف کیا۔ ایک جگہ ٹھہری اور ابھی ٹھہری ہی تھی کہ کعبہ کی دیوار شق ہو گئی۔

نوجوانو! اگر تم کہیں چلے جا رہے ہو اور تمہارے سامنے والی دیوار اچانک شق ہو جائے تو تم گھبرا نہیں جاؤ گے، مگر اسد کی بیٹی کا جگر دیکھو کہ ادھر سے دیوار شق ہوئی اور ادھر وہ بھاگی نہیں بلکہ فرماتی ہیں۔

" بھاگیں ہمارے دشمن۔ ڈریں ہمارے دشمن۔ میں ایک نا ڈرنے والے کی ماں ہوں"

لہٰذا جب دیوار شق ہوئی تو یہ خاتون بجائے بھاگنے کے آگے بڑھی اور کعبہ میں آکر بیٹھ گئیں اور دیوار پھر بند ہو گئی۔ اب گھر میں فاطمہؑ بنت اسد اکیلی

تھی ہیں۔ ادھر رسُول کو وحی پہنچی کہ۔

"محمّد! سنتے بھی ہو۔ جسے تم نے میرے گھر سے مانگا تھا وہ آگیا ہے

لہٰذا اسے جاکر لے آؤ" چنانچہ رسُول تشریف لائے۔ چچی کو سلام کیا۔

"امّاں! سلام"

فاطمہؑ بنت اسد نے کہا "محمّد بیٹا! وعلیکم سلام"

"امّاں! میرے بھائی کو میری گود میں دو"

چنانچہ رسُول قریب گئے۔ آخر درجے کی رسالت جھکی اور اوّل درجے کی امامت اُٹھی۔ نور کا ایک ٹکڑا دوسرے نور سے متصل ہُوا۔ بھائی بھائی کے سینے سے چمٹ گیا۔ تھوڑی تھوڑی لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔

ہم پُوچھتے ہیں "قبلہ! ہنستے کیوں ہو؟

وہ فرماتے ہیں۔

"ہنسنے کی تو بات ہے۔ یہ صاحب عالم ازل سے مجھے چھوڑ کر آگئے تھے۔ آج ہم بچپن کے ساتھی ایک دوسرے سے پھر ملیں ہیں لہٰذا ہنستا ہوں کہ ہم آگئے نا"

بچے کو محمّد نے سینے سے لگایا۔ بوسہ لیا اور فرمایا۔

"امّاں! مُبارک ہو۔ ماشاءاللہ بڑا خوبصورت ہے"

ماں نے کہا۔

محمّد! خاک مُبارک ہو۔ اس میں زندہ رہنے کی کوئی آثار ہیں ہی نہیں دیکھونا! تین دن ہو گئے اسے کعبہ میں آئے ہُوئے۔ نہ اس نے آنکھ کھولی۔ نہ اس نے دُودھ پیا اور نہ ہی یہ رو یا۔ ایسے بچے کا زندہ رہنا مشکل ہے"

محمّدؐ نے کہا "امّاں! گھبراؤ نہیں"۔ یہ کہہ کر حضوّر نے بچے کو ہاتھوں

پر لٹایا۔ اور پوچھا۔

"برخوردار! ہم نے تمہاری تمام شکایتیں سُن لی ہیں۔ بتاؤ۔ تم نے آنکھ کیوں نہیں کھولی؟" بچے نے عرض کی۔

"قبلہ! اگر آنکھ کھولتا تو کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں سے نظر لڑ جاتی اور جب نظر لڑ جاتی تو توڑتے ہوئے مروت نہ آجاتی۔ اب حضور آگئے ہیں۔ لیجئے۔ آنکھ کھول دی۔"

یہ کہہ کر بچے نے آنکھ کھولی اور پہلی نظر چہرہ رسولؐ پر پڑی۔

بچو! آپ چاہے "یا علیؑ" کا نعرہ لگائیں یا کچھ کریں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپ کے علیؑ نے سمجھا تھا کہ مجھ سے بہادر کوئی نہیں مگر کعبہ میں جب محمدؐ کو دیکھا تو "آنکھ کھُل گئی"۔

بہر نوع بچے نے آنکھ کھول دی۔ اب محمدؐ پوچھتے ہیں۔

"برخوردار! تم روئے نہیں؟"

فرمایا "نہیں"

"کیوں؟"

"قبلہ! بات یہ ہے کہ میرا دل تو رونے کو بہت چاہا مگر میں رونے کو ضبط کرتا رہا۔ کیونکہ کعبہ میں میری ماں اکیلی تھی اور میں اس کا ساتھی تھا۔ اس لئے ساتھی ہو کے رونا مجھے پسند نہ آیا"

اب محمدؐ مسکراتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

"برخوردار! تم نے دُودھ کیوں نہیں پیا؟"

فرمایا "حضور! بھوک لگ رہی تھی مگر معاف کرنا۔ اگر اور بچوں کی طرح پیدا ہوتا تو ضرور اپنی ماں کا دُودھ پیتا۔ مگر آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ کو

گواہ کی ضرورت ہے لہٰذا آپؐ نے اللہ سے دُعا کی کہ اپنے گھر سے گواہ دے۔ چنانچہ میں آپ کے طلب کرنے پر بطور گواہ آیا ہوں اور جب آپ کے طلب کرنے پہ بطور گواہ آیا ہوں تو اپنی ماں کا دُودھ کیوں پیوں کیونکہ گواہ کا خرچ خوراک مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اس لئے آپ خود میری خوراک کا انتظام فرمائیں۔

بچّے کی یہ باتیں سُنکر رسُول نے اپنی انگشت مبارک دہن میں داخل کی۔ دُودھ جاری ہوا۔ ایک دو گھونٹ پی کر بچّے نے منہ پھیر لیا۔ رسُول سمجھ گئے کہ گواہ ذرا تر مال چاہتا ہے۔ رسُول نے اب جو زبان اقدس دہن میں داخل کی تو زبان سے دُودھ جاری ہوا۔ اور خوب پیٹ بھر کے پیا۔ اور جب پی چُکے تو ننھے ننھے ہونٹوں سے زبانِ رسُول مضبوط پکڑ لی۔ اِدھر رسُول اشارے سے فرماتے ہیں "چھوڑو بھی" اُدھر بچہ اشارے میں جواب دیتا ہے "ٹھہرو بھی"

چنانچہ رسُول اسی طرح اپنی زبان بچے کے دہن میں ڈالے ہُوئے گھر تک آئے۔ گھر کے جتنے بڈھے تھے وہ محمدؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اِدھر بچّے نے جو دیکھا کہ رسُول کی زبان دہن میں ہے تو مُسکرایا اور آنکھوں آنکھوں میں خاندان کے بزرگوں سے کہہ رہا تھا۔

"خاندان کے بزرگو! گواہ رہنا۔ پیدا ہوتے ہی محمدؐ مجھے زبان دے چُکے ہیں"

رسُول نے بچّے کو گہوارے میں لٹا دیا۔ اوپر ایک چادر اُوڑھا دی۔ مُبارکباد دینے والے لوگ آنے لگے اور پوچھنے لگے۔

"محمّد! ماشاءاللہ۔ شکل کیسی ہے؟"

رسُول فرماتے ہیں۔

"کیا بتاؤں کہ شکل کیسی ہے۔ کیونکہ بچّے عمومًا اسی کی شکل ہوتے ہیں جسکے

گھر پیدا ہوں ۔ اور یہ بچہ ایسے گھر میں پیدا ہوا ہے جسکی کوئی شکل ہی نہیں ۔ لہٰذا میں تمہیں کون سی شکل بتاؤں "

اِدھر سے اعلیٰ حضرت نے کہا ۔

"محمد : واہ ۔ بڑی مشکل سے تو ہمارے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا اور تم اس کی شکل بتاتے ہوئے گھبراتے ہو ۔ کہدو کہ اس بچے کی آنکھیں "عین اللہ" ہیں ۔ چہرہ " وَجْہُ اللہ " ہے ۔ ہاتھ " یَدُ اللہ" ہیں اور زبان " لسان اللہ " ہے ۔

چنانچہ رسول نے بھی کہہ دیا کہ آنکھیں عین اللہ ہیں ۔ چہرہ وجہ اللہ ہے ۔ ہاتھ ید اللہ ہیں اور زبان لسان اللہ ہے ۔ جب رسول سب کچھ کہہ چکا تو خیال آیا کہ یہ کیا ہوگیا ۔ کیونکہ اللہ سے دعائیں مانگ مانگ کے میں نے تو اپنا مددگار مانگا تھا مگر اللہ نے ایک ایک کرکے پھر واپس لے لیا ۔ اب میرے پاس کیا رہ گیا ۔ لہٰذا اب تک جو اللہ نے نہیں کہا تھا وہ رسول نے جلدی جلدی کہہ دیا ۔

" یا علی لَحْمُکَ لَحْمِی ۔ دَمُکَ دَمِی "

" یا علیؑ ! تیرا میرا گوشت ایک ۔ تیرا میرا خون ایک "

سامعین !

ہاتھ اور آنکھیں وغیرہ اللہ نے دے دیں اور گوشت خون رسول نے دے دیا ۔ اور اِدھر ہم گہوارے کی طرف دیکھتے ہیں تو بچہ ہنستے جا رہا ہے ۔ ہم نے عرض کی

" یا علیؑ ! ہنستے کیوں ہو ؟

بچہ جواب میں کہتا ہے ۔ " آج لطف آگیا "

قبلہ ! کیا لطف آگیا ؟ "

" دیکھو نا ! آج ہم تقسیم ہوگئے ۔ آج ہم بٹ گئے ۔ آدھے اللہ کے

حصّے میں آگئے اور آدھے رسُول کے حصّے میں آگئے۔ ہمارے پاس تو کچھ رہا ہی نہیں۔ اب اگر کوئی مجھ سے محبّت کرے گا تو آدھی اللہ سے کرے گا اور آدھی رسُول سے کرے گا۔ اور اگر کوئی مجھ سے عداوت کرے گا تو آدھی اللہ سے کرے گا اور آدھی رسُول سے کرے گا"

بچّو!

تمہیں ایک واقعہ سُناؤں کہ جب ہمارے رسُول اس بچّے کو لیکر گھر پہنچے ہیں تو تھوڑی دیر بعد حضرت ابُوجہل تشریف لائے۔ ان کا ذریعہ معاش ہی یہ تھا کہ مکّہ میں جو بچّہ پیدا ہوتا وہ اس کی آنکھوں میں کسی بڑے بُت کے پاؤں کی مٹی بطور سرمہ لگاتے اور سوا روپیہ ہدیہ لیکر گھر جاتے چنانچہ وہ آج بھی تشریف لائے کہ بڑے گھر میں بچّہ پیدا ہُوا ہے بہت انعام ملے گا۔ ابُوجہل نے آتے ہی محمّد سے کہا۔

"محمّد! مبارک ہو۔ خدا نے بھائی عطا کیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اپنا کام کردوں؟"

رسُول ہنسی روک کر فرماتے ہیں۔ "بچّے سے پُوچھ لو"

ابُوجہل آگے بڑھا۔ ایک ہاتھ میں سلائی پکڑی۔ ایک ہاتھ سے بچّے کی آنکھ کھولی اور ابھی سلائی آنکھ کے قریب ہی تھی کہ بچّے نے زوردار طمانچہ رسید کردیا۔ گویا اَبُو اِدھر رہ گیا اور جہل اُدھر رہ گیا۔ اور وہ یہ کہتا ہُوا وہاں سے بھاگ پڑا کہ "یہ خاندان بڑا جادُوگر ہے"

بزرگو!

اب معترض یہ کہتا ہے کہ

زیدی صاحب! شرم کرو۔ منبر پہ بیٹھ کر جھوٹ بولتے ہو۔

بھلا تین دن کے بچّے میں اتنی طاقت آسکتی ہے کہ وہ طمانچہ مارے"

میں کہتا ہوں۔ **بھائیو!**

اُس شخص کے برابر کا تو کوئی بُرا ہے ہی نہیں جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتا ہو۔ **دیکھو نا!** یہ تو سیدھی سادھی بات ہے کہ اگر تین گھنٹے کا بچّہ "عیسٰیؑ" بات کرسکتا ہے تو تین دن کا بچّہ طمانچہ بھی مار سکتا ہے۔ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے،

اب معترض کہتا ہے۔

زیدی صاحب! بات کرنا اور چیز ہے اور طمانچہ مارنا اور چیز ہے"

میں کہتا ہوں۔ **مولوی صاحبان!**

جھگڑے میں نہ پڑو۔ **دیکھو نا!** بقول تمہارے عیسٰیؑ "کلمۃ اللہ" تھا لہٰذا اس نے بات کرلی۔ اور یہ بچّہ "ید اللہ" تھا لہٰذا اس نے طمانچہ مار دیا۔ اور اگر اب بھی سمجھ نہ آئے تو ہمارے پنجاب کا یہ محاورہ بھی سُن لو۔ کہ "**کمزور کی بات**" چلے۔ اور "**طاقتور کا ہاتھ**" چلے ـــــ

حضور والا!

آج کعبہ کی قسمت ہی پلٹ گئی۔ آج کعبہ کی شان ہی بدل گئی۔ آج کعبہ کا انداز ہی بدل گیا۔ ادھر بچّہ رسُول کے سینے پہ پلتا رہا۔ زبان رسُول چُوس کے پرورش پاتا رہا اور جتنا اس نے پینا تھا پی لیا اور جو علیؑ سے باقی بچا وہ علیؑ کے بچوں نے باپ کا مال سمجھ کے پینا شروع کردیا۔ بہرکیف علیؑ رسُول کے سینے پہ پلتا رہا۔ یہاں تک کہ جوں جوں اس بچّے کا سن بڑھتا رہا توں توں رسُول کا دل بڑھتا رہا۔ رسُول کی طاقت بڑھتی رہی۔ رسُول کی شان بڑھتی رہی اور جب دس گیارہ سال

کا ہوا تو اللہ کو بھی جوش آگیا۔

"محمد! سنتے بھی ہو۔ بس اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ لہذا اَب اعلان کر دو۔ کہ ہم رسول ہیں کیونکہ تیرے مددگار کو ماشاءاللہ اب کافی طاقت آ گئی ہے۔ مگر عوام سے بات نہ کرنا بلکہ پہلے اپنے گھر والوں سے بات کرو۔"

چنانچہ رسول نے گھر والے بلا لیئے۔ تقریباً چالیس بنی ہاشم گاؤ تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ ان میں حضرت ابولہب بھی ہیں حضرت عتبہ ہیں۔ حضرت عتیبہ ہیں۔ حضرت شعبہ ہیں۔ آخر اقرب تو ہیں نا۔ یہ اور بات ہے کہ "ع" سے عقرب ہیں مگر ہیں تو "اقرب"۔ بہر نوع سب حضرات تشریف فرما ہیں اور ایک کونے میں حضرت ابی طالبؑ بھی تشریف فرما ہیں۔ اور ادھر ایک طرف دس گیارہ سالہ بچہ بیٹھا ہوا کھیل رہا ہے۔ بہرکیف جب سب اکٹھے ہو گئے تو رسول تقریر کرنے کے لیئے کھڑے ہوئے یہ "لسان اللہ" کی پہلی تقریر ہے۔ جو کبھی نہیں بولا اس کا پہلا خطبہ ہے۔ عالمین کے رسول کی پہلی تقریر ہے۔

سامعین!

آپ کو معلوم ہے کہ کسی حاکم کی پہلی تقریر اس کی پوری حکومت کی پالیسی ہوتی ہے لہذا آج رسول کی پہلی تقریر اس کی ساری زندگی کا خلاصہ ہوگا۔ ادھر رسول تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اُدھر ساری کائنات رسول کی تقریر سننے کیلئے متوجہ ہوئی۔ درخت کا ایک ایک پتہ سننے کے لئے کان بن گیا۔ ذرے گھوڑے ہوا پہ سننے کے لیے سوار ہو گئے۔ زمین پہ بیٹھی ہوئی نازک بیلیں سننے کے لئے درختوں پہ چڑھ گئیں۔ زمین و آسمان کی فضا سننے کے لئے ٹھہر گئی اور چلتی ہوئی ہوائیں سننے کے لیے رُک گئیں۔ اور رسول نے تقریر شروع کر دی۔

"لوگو! میں تمہارے لئے دُنیا و آخرت کی خوبی لیکر آیا ہوں۔

اگر میری بات مان لوگے تو دنیا کی خوبی بھی تمہیں ملے گی اور آخرت کی خوبی بھی تمہیں ملے گی۔ گویا قیصر وکسریٰ کے تاج تمہارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔

بولو! تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے؟"

رسولؐ کی یہ بات سُنکر تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشارے کئے خاموش ہو گئے۔ دوسری دفعہ رسولؐ نے پھر فرمایا، "کون ہے جو میری مدد کرے؟" مگر جب کہیں سے جواب نہ آیا۔ تو دُنیا نے دیکھا کہ ایک دم زمین و آسمان میں زلزلہ پیدا ہوا۔ کائنات لرز اُٹھی اور چشمِ فلک نے ستاروں کی عینک لگا کے اس منظر کو دیکھا۔ جبرئیلؑ نے سدرہ سے سر پہ تاج چڑھا کے دیکھا۔ حوروں نے جنت کے دریچے کھول دیئے۔ کوثر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ سبیل نے سبیل نکال کے بات سن لی کہ۔ گیارہ سال کا بچہ کونے سے اٹھا اور عرض کی۔

"حضورؐ! پھر فرمایئے کیا حکم ہے؟"

رسولؐ نے فرمایا۔

"بیٹا! ہم یہ کہہ رہے تھے کہ کون ہے جو ہماری مدد کرے"

یہ سُنکر بچے نے ایڑیاں اٹھالیں اور کہا، اَنَا نَاصِرُ یَارَسُولَ اللہ

"یارسولؐ اللہ! میں تیرا ناصر و مددگار ہوں"

سامعین!

"یا محمدؐ" نہیں کہا بلکہ "یارسولؐ اللہ" کہا۔ اگر "یا محمدؐ" کہتے تو محمدؐ کی زندگی تک ساتھ ہوتا مگر "یا رسولؐ اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ جب تک تیری "رسالت" ہے جب تک میری "نصرت" تیرے ساتھ ہے"

بچے کی یہ ادا دیکھ کے رسولؐ مسکرائے اور فرمایا "بیٹا! سو تم لو"

بچّے نے عرض کی۔

حضور! سوچ لیا"

"بیٹا! غور کرلو۔"

"حضورؐ! کرلیا"

"بیٹا! یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے"

"حضور! میں جان پہ کھیل کے کہہ رہا ہوں"

"بیٹا! یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے"

"حضور! گھبراؤ نہیں۔ میں بھی مشکل کشا ہوں۔ فکر نہ کرو تمہارے دشمنوں کی آنکھیں نکال دوں گا۔ تمہارے دشمنوں کے پیٹ پھاڑ دوں گا۔ تم بے شک جو کہنا چاہو کہو۔ اور جو کرنا چاہو۔ کرو۔ کیا مجال کسی کی جو تمہارے پروگرام میں رکاوٹ ڈالے جب تک تیری رسالت ہے میں ساتھ دوں گا"

بزرگانِ من!

علیؑ یہ کہہ رہے تھے اور ابی طالبؑ سر جھکائے الحمدللہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اور یاد رکھو! علیؑ نے رسُولؐ سے اتنا پکّا وعدہ کیا ہے کہ اس سے زیادہ پکّا وعدہ کوئی ہو سکتا ہی نہیں تھا۔

دیکھو نا! دیوار کی دوسری طرف حکومت بٹ رہی تھی مگر رسُولؐ کا ساتھ دینے کا پکّا وعدہ کرنے والا رسُولؐ کی میّت لئے بیٹھا رہا۔ گویا اس سے بہتر ساتھ تو کسی نے دیا ہی نہیں۔

توجہ ہے نا صاحبان!

علیؑ نے رسُولؐ سے کہہ دیا، "میں ساتھ دوں گا"، اور میرے بچّے انشاءاللہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ میری پوری نسل آپؐ کا ساتھ دے گی۔ آپ گھبرائیں نہیں آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ قیامت تک میری مدد آپ کے ساتھ رہے گی۔ اور محمدؐ یاد رکھو! میں اسطرح ساتھ

دوں گا کہ دین پھیلے گا اللہ کا۔ کلمہ پڑھا جائے گا محمدؐ کا اور کنبہ کٹ جائے گا علیؑ کا"

میرے عزیز بچو!

اگر کنبہ کٹ جانے تک ہی بات ختم ہو جاتی تو غنیمت تھا۔ مگر کنبہ کٹ جانے تک بات ختم نہیں ہوئی بلکہ یوں کہیئے کہ علیؑ نے رسولؐ سے یہ کہا کہ "قبلہ! دین اللہ کا پھیلے گا۔ کلمہ تیرا پڑھا جائے گا اور بہو بیٹیاں میری قید ہو جائیں گی"۔ کیونکہ نوجوانوں کا کٹ مرنا اور بات ہے اور بہو بیٹیوں کا قید ہونا اور بات ہے۔ اور محمدؐ دیکھو! میری بیٹیاں ہی نہیں بلکہ میری بہوئیں جو غیر خاندان سے آئی ہیں وہ بھی تیرے دین کی خاطر میری بیٹیوں سے بڑھ کر قربانی دیں گی۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں"

نوجوانو! مجھے معاف کرنا۔ میری کہانی ہی کچھ ایسی ہے۔ میں مجبور ہوں ورنہ میرا جی نہیں چاہتا کہ تم رو پڑو۔

دیکھو نا! زینبؑ کی قربانی ہو تو وہ علیؑ کی بیٹی ہے۔ لہٰذا اس کی شان اور ہے کلثوم کی قربانی کا انداز اور ہے مگر جو علیؑ کے گھر میں غیر خاندان کی آئی تھیں۔ ذرا ان کی قربانی کی شان دیکھو۔

محترم سامعین!

مجھے آپ ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں کہ اگر ایک خاتون بیوہ ہو جائے اور اس کی گود میں ایک بچہ ہو تو اس کے تمام جذبات کا مرکز و محور وہی بیٹا ہوتا ہے۔ وہ بیوہ اپنی ساری زندگی اس بچے کے سہارے گذار دیتی ہے کہ یہ جوان ہو گا۔ اس کی شادی کروں گی۔ اس کے سہرا باندھوں گی۔ اس کا گھر بسے گا اور میں دوبارہ آباد ہوں گی۔ گویا ایک بیوہ کی توجہ کا مرکز اس کا بیٹا ہوتا ہے۔

حضور والا!

۵۰ھ میں حسنؑ کی شہادت ہوئی۔ بوقت شہادت حسنؑ کی بیوہ اپنے شوہر کے سامنے

کھڑی ہے۔ گود میں ڈیڑھ سال کا بچہ ہے اور اپنے شوہر سے کہہ رہی ہے۔

"میرے سرتاج ! میرے لئے کیا حکم ہے؟

حضور حسنؑ مجتبٰی نے ارشاد فرمایا "قاسمؑ کی ماں ! تو اپنی ساری زندگی اس بچّے کے ساتھ گزار دے۔ یہ بچّہ قیامت تک تیرے نام کو قائم و باقی رکھے گا"

بہرکیف امام حسنؑ مجتبٰی کی رحلت ہو گئی اور قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کو گود میں اٹھا کر زینبؑ کے پاس روزانہ آتی اور فرماتی۔

"بی بی ! میں تو غیر خاندان کی ہوں۔ اُمتی ہوں۔ آپ سادات ہیں اور یہ بچّہ آپ کا ہے۔ اب اتنے سال کا ہو گیا میں نے اس کے لئے یہ لباس تیار کیا ہے۔ بی بی ! دیر نہ کرنا۔ جب چودہ سال کا ہو جائے تو اس کی شادی کر دینا۔ بی بی ! مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں ایک دفعہ قاسمؑ کے چہرہ پر سہرا دیکھنا چاہتی ہوں"

بس بھائیو ! قاسمؑ کو تیرھواں سال ہوا تو حسینؑ کے ساتھ کربلا میں آ گیا۔ اور قاسمؑ کی ماں نے قاسمؑ کی شادی کے سارے کپڑے اپنے ساتھ اُٹھا لئے تاکہ ہو سکتا ہے راستے میں ضرورت پڑ جائے۔

محترم سامعین !

کربلا میں دن گذرتے گئے۔ حتیٰ کہ عاشورہ کی شب آ گئی اور امام خیمے سے واپس ہو کر جب مصلّٰے پہ جا کے بیٹھے تو قاسمؑ ماں کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"اماں ! ہر بی بی نے مولا سے اپنے بیٹے کے لئے کل کی اجازت مانگی ہے۔ لہٰذا میں بھی اپنے لئے اجازت مانگ لوں ؟"

قاسمؑ کی ماں نے کہا "ہاں بیٹا ! جاؤ حسینؑ سے تم بھی اجازت مانگو" بہرکیف قاسمؑ وہاں تشریف لائے جہاں امام مصلّٰے پہ بیٹھے معبودِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز کی

باتیں کررہے تھے ۔ قاسمؑ نے آتے ہی سلام کیا "چچا جان ! سلام"

امامؑ نے سر اٹھاتے ہی دیکھا اور فرمایا ۔

"قاسم بیٹا ! تم رات کو کیوں گھر سے باہر آئے ۔ جاؤ میرے لعل !

اپنی اماں کے پاس جاکر آرام کرو" امامؑ نے جو یہ کہا تو دل بھر آیا ۔ چنانچہ قاسمؑ کو گود میں

بٹھا کر بھائی حسنؑ کو یاد کیا ۔

"قاسم بیٹا ! تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آرہی ہے ۔ ہائے بھائی حسنؑ !

آج حسینؑ اکیلا رہ گیا" ۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا ۔

"قاسم بیٹا ! جاؤ ۔ گھر میں جاکر آرام کرو"

قاسمؑ نے کہا ۔ "مولا ! ایک بات پوچھنا ہوں"

امامؑ نے فرمایا ۔ "ہاں بیٹا ! پوچھو ۔ کیا بات ہے"؟

قاسمؑ نے عرض کی "مولا ! کل کے شہید ہونے والوں میں میرا نام ہے ؟"

امامؑ نے سمجھا کہ بارہ سال کا بچہ ہے ۔ اللہ جانے سن کے دل پہ کیا اثر لے ۔ چنانچہ بہلاتے

ہوئے یہ فرمایا ۔

"قاسم بیٹا ! تم تو بڑے ہو ۔ تمہارے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے"

بس بھائیو ! اب جو مولا نے اصغرؑ کا نام لیا تو قاسمؑ یا بیٹھا تھا یا کھڑا ہوگیا

اور انگڑائی جو لی تو عبا کے بند ٹوٹ گئے اور بھرآئی آواز میں فرمایا ۔

"مولا ! ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے ۔ کیا یہ بے حیا فوج اصغرؑ کے گہوارے

تک پہنچ جائے گی ؟"

قاسمؑ کی اس ادا پہ امامؑ کو پیار آگیا ۔ گود میں اٹھایا ۔ پیار کیا ۔

"قاسم بیٹا ! کس کی مجال ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی خیموں تک آجائے"

پھر نوعِ قاسمؑ اٹھے ۔ ماں کے پاس آئے اور کہا ۔

"اماں! میرا یہ لباس اتار دو اور فقیروں والا لباس مجھے پہنا دو۔ میں ابھی رات کے اندھیرے میں اپنے دادا کی قبر پہ جانا چاہتا ہوں اور وہاں بیٹھ کے کہوں گا۔

"دادا جان! مجھے حسینؑ نے مرنے کی اجازت نہیں دی"

قاسم کی بیوہ ماں نے جو یہ سنا تو کہا۔

"بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں اجازت دلواتی ہوں" چنانچہ ایک ہاتھ میں عصا لیا اور ایک ہاتھ میں قاسم کا بازو پکڑا اور حسینؑ کی پشت کی طرف آکر کھڑی ہو گئی اور عرض کی: "حسینؑ! اگر آج حسنؑ زندہ ہوتے تو میں نہ آتی۔ تیری بیوہ بھاوجہ آج تجھ سے قاسم کی موت کی بھیک مانگنے آئی ہوں"

امامؑ نے جواب میں فرمایا۔

"بھابی جان! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ کہو کیا بات ہے!"

قاسم کی ماں نے عرض کی۔

حسینؑ! میں تیرے یتیم بھتیجے قاسم کو لائی ہوں اسے بتا دو کہ کل کے شہید ہونے والوں میں اس کا نام بھی ہے۔ حسینؑ! دیکھو میں سیدانی نہیں ہوں۔ غیر خاندان کی ہوں۔ کل کے مرنے والوں میں اگر قاسم نہ ہوا تو میرا دودھ بدنام ہو گا۔ لہٰذا مجھے بتا دو کہ یہ بھی شہید ہو گا"

چنانچہ حسینؑ نے قاسم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ گویا اجازت مل گئی۔ ادھر قاسم کی ماں خوشی خوشی خیمے میں واپس آئی اور زینبؑ سے کہا۔

"بی بی زینبؑ! مجھے مبارک دو۔ کل کے مرنے والوں میں قاسم کا نام بھی ہے"

سامعین!

رات کا پچھلا پہر تھا اور حسنؑ کی بیوہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے صندوق کھولے۔

قاسمؑ کی شادی کے جتنے جوڑے بنائے تھے ایک ایک کر کے پہنائے اور اسی عالم میں صبح ہو گئی۔ اور صبح کو جب میدان شہادت گرم ہو گیا اور جب قاسمؑ کی باری آئی تو حسینؑ اپنے چھوٹے بھائی عباسؑ غازی سے پوچھتے ہیں " عباسؑ بھائی ! ابھی چھوٹے یتیم بھتیجے کی باری نہیں آئی ؟

عبّاسؑ نے عرض کی "مولا ! قاسمؑ کے بدن پہ کوئی ذرہ پوری نہیں آتی۔"

عباسؑ کا یہ کہنا تھا کہ خیمے سے قاسمؑ کی ماں نے آواز دی۔

"عبّاسؑ بھائی ! ذرہ وہ پہنتے ہیں جو لڑتے جائیں۔ چونکہ میں اسے مرنے بھیج رہی ہوں اس لئے اسے بغیر ذرہ ہی کے بھیج دو"

اس کے بعد قاسمؑ کی ماں نے قاسمؑ کو بلا کر سبز کرتا پہنایا اور حسینؑ نے بھائی حسنؑ والا سُرخ امامہ باندھا اور امامؑ نے گود میں لیکر گھوڑے پر بٹھایا اور قاسمؑ میدان میں آ گئے۔

عزادارِ سیدالشہداءؑ !

میں اپنی گفتگو کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد میدان سے آواز آئی اب تک جتنے شہید گرے تھے چاہے اپنے تھے یا غیر سب نے گرتے وقت حسینؑ کو پکارا تھا مگر قاسمؑ اتنا کمسن تھا کہ اس نے گرتے وقت حسینؑ کو نہیں پکارا بلکہ ایک دم گھبرا کے آواز دی۔

"امّاں ! میں گر گیا"

گویا قاسمؑ کی معصومیت کی بات تھی کہ اس نے گرتے وقت ماں کو پکارا۔ بہرنوع قاسمؑ کی آواز پر حسینؑ چلے۔ میدان میں پہنچے۔ قاسمؑ کی میّت دیکھی اور فرمایا۔

"قاسمؑ بیٹا ! مجھے معاف کرنا۔ میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں" یہ کہہ کر حسینؑ نے اپنی عبائے مبارک کندھے سے اتاری اور زمین پہ بچھا دی اور میّت کا ایک ایک

ٹکڑا اٹھا کر عبا میں رکھا۔ گویا بنی ہاشم کا نازک ترین شہزادہ اپنی زندگی ہی میں پامال ہوگیا حسینؑ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی اٹھا کے خیمے میں لے آئے۔ اِدھر ماں یہ سمجھی کہ حسینؑ لاش نہیں لائے۔ فرمایا۔

"حسینؑ ! قاسمؑ کی لاش نہیں لائے۔ میں بیوہ ہوں۔ کسے بھیجوں ؟"

حسینؑ نے فرمایا۔

بھابی ! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں۔ مگر شاید آپ دیکھ نہ سکیں گی،

قاسمؑ کی ماں نے کہا۔

"حسینؑ ! مجھے دکھاؤ قاسمؑ کی لاش۔ آخر بات کیا ہے"

یہ سُنکر امامؑ نے گٹھڑی قاسمؑ کی ماں کے سامنے رکھ دی۔ اب جو قاسمؑ کی ماں نے بیٹے کی لاش کے ٹکڑے دیکھے تو بلند آواز سے فرمایا۔

"زینبؑ ! اِدھر آؤ۔

کلثومؑ ! اِدھر آؤ۔

بی بیو ! اِدھر آؤ۔

مجھے مُبارک باد دو کہ میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے۔ آج میرے بچّے کی شادی ہوئی ہے"

اُدھر حسینؑ نے اس خیال سے کہ کہیں ماں نہ مر جائے، قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور میدان میں لے گئے اور اکبرؑ کے لاشے کے ساتھ رکھ دیا اور دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھ کر ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے بلند آواز میں فرمایا۔

"وَاغربتا" "یا اللہ ! میں غریب ہوگیا"

محسنِ اعظمؐ

خداوند عزّ اسمہٗ و جلّ جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر دُرُود و سلام

حضراتِ گرامی قدر!

قرآن مجید کی ہر چھوٹی آیت میں زندگی کا کوئی نہ کوئی اہم اصُول بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک آیت ہے۔ " ھل جزاُ الاحسان الی الاحسان " اللہ نے اس آیۂ کریمہ میں لفظ " احسان " کو دُو بار ادا کیا ہے۔ اور اس آیت کا ترجمہ مختصر وقت میں یہی ادا ہو سکتا ہے کہ " احسان کا کچھ بھی بدلہ نہیں سوائے احسان کے "

اگر تمہارے ساتھ کسی نے حُسنِ سلوک کیا ہے یا کوئی اچھی طرح پیش آیا ہے۔ اگر کسی نے تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے یا کوئی نیکی کی ہے تو اس کا بدلہ ضرور دو مگر نیکی کا بدلہ نیکی سے بھلائی کا بدلہ بھلائی سے۔ شرافت کا بدلہ شرافت سے ہونا چاہیئے۔ گویا یہ ایک اصُول ہے جو اللہ نے اس آیہ کریمہ میں بیان کر دیا ہے۔

بزرگانِ من!

اگر ہم اپنی ساری زندگی میں اس اصُول کو پلّے باندھ لیں اور اس پر عمل کرتے رہیں تو دُنیا کے تقریباً نوّے فیصدی جھگڑے ہی ختم ہو جائیں۔ تمام فسادات ہی تقریباً ختم ہو جائیں یہ گویا ایک اصُولی بات ہے۔ لہٰذا اس اصُول کو ذہن میں رکھتے ہُوئے آج آپ سے عرض کرتا ہوں کہ۔

سامعین کرام! بتاؤ۔ تمہارا سب سے بڑا محسن کون ہے جس کا تم پر سب سے زیادہ احسان ہے؟۔

حاضرینِ مجلس!

تم جتنا چاہو، سوچ لو، آخر اسی محور پر آجاؤ گے کہ تمہارا سب سے بڑا محسن اگر کوئی ہے جسکے تم احسان کا بدلہ ادا کر سکتے ہو تو وہ محسن یہ ہے جس نے تمہیں عدم سے وجود دیا اور ناپید سے پیدا کیا۔ بتاؤ وہ محسنِ اعظم ہے یا نہیں؟ ۔یقیناً وہ محسنِ اعظم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ دیکھو نا! ایک وقت وہ تھا کہ ہم نہیں تھے مگر آج ہم ہیں اور ایک وقت وہ ہوگا جب ہم نہیں ہوں گے۔ گویا ہمارے اِدھر بھی "نہیں" ہے۔ ہمارے اُدھر بھی "نہیں" ہے۔ اور بیچ میں ہماری "ہے"

یاد رکھو! جب ہمارے محسن نے چاہا کہ جب ہم دنیا میں آئیں تو ہمیں آنا پڑا اور جب وہ کہے گا کہ "واپس جاؤ" تو چاہے ہم مرجائیں۔ ہمیں جانا پڑے گا۔ یہ اور بات کہ ہنسی خوشی اپنے پیروں سے چل کر نہیں جائیں گے تو چار بندے ہی اٹھا کرلے جائیں گے مگر جانا ضرور پڑے گا۔ اور جب تک وہ یہاں رکھے گا ہمیں رہنا پڑے گا۔ اگر خود جانے کی کوشش کریں گے تو حکومت خودکشی کے جرم میں سزا دے گی۔ یا اللہ حرام موت میں پکڑے گا۔

بہر نوع اللہ ہمیں جب تک رکھے گا۔ ہمیں رہنا پڑے گا اور جب بلائے گا ہمیں جانا پڑے گا۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہم سے پوچھے بغیر ہی جب چاہا جہاں چاہا۔ جیسے چاہا بلا لیا۔ اور جس گھر میں چاہا بھیج دیا۔ چاہے امیر کے گھر میں۔ چاہے غریب کے گھر میں چاہے کسی کافر کے گھر میں۔ چاہے کسی مسلمان کے گھر میں۔ بہر نوع وہ کسی سے مشورہ نہیں لیتا وہ بندے کو بھی دیکھتا ہے اور گھر کو بھی دیکھتا ہے۔ جس کو جس گھر کے قابل سمجھتا ہے وہاں بھیج دیتا ہے۔ جسے دیکھتا ہے کہ یہ بندوں کے گھر کے قابل ہے اُسے بندے کے گھر بھیج دیا۔ اور جسے دیکھتا ہے کہ یہ اللہ کے گھر کے قابل ہے اُسے اللہ کے گھر بھیج دیا۔

بہر کیف ہمارا سب سے بڑا محسن ہمارا "اللہ" ہے۔ اس کے بعد دوسرا محسن وہ ہے جس نے ہمیں اللہ سے متعارف کروایا۔ ورنہ ہم کیا جانتے تھے کہ اللہ ہے

بھی یا نہیں ؟ - ہم تو اپنی نادانی سے کئی لاکھوں چیزوں کو اللہ سمجھے بیٹھے تھے - لہذا آج ہم اس محسن اعظم کا شکریہ اَدا کرتے ہیں جس نے ہمیں لاکھوں دروازوں سے ہٹا کر ایک باب کریم کے دروازے پر بٹھا دیا - گویا ہم میں اتنی بے غیرتی اور بے حیائی تھی کہ دَر دَر جائے بھیک مانگتے تھے - مگر اس محسن اعظم نے کہا " نہیں " ہر دَر دروازے پر بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ایک باب کریم پر بیٹھ جاؤ " لہذا آج ہم اس محسن اعظم کا شکریہ اَدا کرتے ہیں جس نے ہمارا تعارف اللہ سے کروا دیا -

سامعین !

بہت سے کم فہم حضرات ہماری تقاریر سُن کے کہہ دیتے ہیں کہ شیعہ " غُلو " کرتے ہیں کیونکہ یہ محمد و آلِ محمدؐ کو اللہ سے ملا دیتے ہیں "

میں کہتا ہوں - " نادانو ! ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اللہ سے کب ملاتے بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہمیں اللہ سے ملا دیا ہے - ورنہ ہم تو اللہ کے واقف ہی نہیں تھے اگر وہ درمیان میں نہ ہوتے -

حضور والا ! ایمان سے بتاؤ - اگر محمدؐ و آلِ محمدؐ یہ کہہ دیتے کہ " ہم اللہ ہیں " تو کوئی طاقت اس کی تردید نہیں کرسکتی تھی - یہ تو ان کی عالی ظرفی ہے کہ انہوں نے اللہ کو اللہ رہنے دیا - ورنہ ان کے اللہ بننے کی کوئی تردید نہیں کرسکتا تھا - اور پھر لطف یہ ہے کہ باوجود ان کے انکار کرنے کے لوگ انہیں " اللہ " کہتے رہتے اور جب لوگ انہیں اللہ کہتے تھے تو وہ خوش نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں قتل کرتے تھے کہ " ہمیں اللہ مت کہو "

بزرگانِ من !

اگر کوئی بُرا مانے تو مانے مگر اصل بات منہ سے نکل ہی پڑتی ہے کہ اے آلِ محمدؐ ! تم کتنے عالی ظرف ہو کر تم اللہ بننا بھی اپنی توہین سمجھتے ہو ؟ بہر نوع جو عالی ظرف انسان

لوگوں کے بنانے سے اللہ نہ بنتا ہو۔ وہ لوگوں کے بنانے سے حاکم یا خلیفہ کیا بنے گا۔
گویا محمدؐ مصطفےؐ ہمارے محسن اعظم ہیں جنہوں نے ہمیں اللہ کا تعارف کروا دیا۔ ان کے بعد زمانے میں ایسا انقلاب آیا کہ اللہ کا نام تو تھا یا نہیں بلکہ محمدؐ کا نام بھی دنیا سے مٹنے لگا
اب بتاؤ! وہ ہمارا محسن اعظم ہے کہ نہیں جس نے خود مر کے محمدؐ کا نام نہ مٹنے دیا۔ جس نے خود مٹ کر محمدؐ کا نام روشن کر دیا۔ وہ یقیناً ہمارا محسن اعظم ہے۔
لہٰذا بھائیو! تقاضائے فطرت یہی ہے۔ اور شرافت یہی ہے کہ جس نے احسان کیا ہو تو اس کے احسان کا بدلہ احسان میں اتار دے۔ چاہے دُنیا کچھ کہے مگر اپنے محسن کے احسان کو نہ بھولنا۔ یہی شرافت ہے اور یہی انسانیت ہے کہ حسینؑ نے کربلا میں کھڑے ہو کر اللہ کے نام کو اور محمدؐ کے نام کو زندہ کر دیا۔ خدا کے نام کو حیات ابدی دے دی اور محمدؐ کے نام کو حیات جاوید دے دی۔
خود ذبح ہو گیا مگر اپنے ان محسنوں کے نام کو زندہ رکھا۔
بہر نوع حسینؑ ہمارا محسن اعظم ہے جس نے ہم سب مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے۔
لہٰذا یہ بات شرافت کے خلاف ہو گی اور انسانیت کے منافی ہو گی کہ اگر حسینؑ جیسے محسن کو بھلا دیا جائے۔ گویا حسینؑ کو بھلا دینا انسانیت کی توہین ہے۔

عزیزو!

مذہب کی الجھنوں اور بالادستی سے بالاتر ہو کر حسینؑ جیسے محسن کے نام کو یاد رکھنا ہی عین شرافت ہے۔ حسینؑ کے لئے کوئی مذہب و ملت کی قید نہیں ہے۔ اگر مسلمان حسینؑ کو "امام" کہتے ہیں تو لاکھوں ہندو بھی "ہائے حسینؑ" کہتے ہیں۔ گویا حسینؑ عالم انسانیت کا محسن ہے۔ لہٰذا اللہ کا کوئی نام نہ لیتا اگر محمدؐ نہ ہوتے اور محمدؐ کا کوئی نام نہ لیتا اگر حسینؑ نہ ہوتے۔ اور بات یہاں اگر ختم نہیں ہوتی بلکہ حسینؑ کا کوئی نام نہ لیتا اگر کوفہ و شام کے بازاروں میں زینبؑ خطبات نہ پڑھتی۔

یادرکھو!

ایک ویرانے میں لٹ جانے والے قافلے کو کون جان سکتا تھا۔ اگر زینبؑ نہ ہوتی اس وقت نہ تو کوئی ریڈیو وغیرہ تھے اور نہ ہی کوئی اور ذرائع تھے مگر یہ صرف زینبؑ کا احسان ہے کہ اس نے حسینؑ کو متعارف کروا دیا۔ حالانکہ حکومت کا ذریعہ اشاعت نہ تھا اس لئے کہ حکومت تو خود قاتل تھی۔ اب کون آکر بتاتا کہ فلاں جنگل میں شہر کے کنارے ایک بے خبر قافلہ لٹ گیا ہے اگر کوفہ و شام کے بازاروں میں اونٹ کے منبر پہ بیٹھ کر ہاتھ گردن کے ساتھ بندھوا کر ننگے سر زینبؑ خطبات نہ پڑھتی۔ لہذا زینبؑ کا احسان ہے جس کی وجہ سے ہم حسینؑ سے متعارف ہو گئے۔ زینبؑ نے حسینؑ کو ایک ایک گھر پہنچایا ہے۔ ہر ذرع حسینؑ کا ہم تک پہنچنا زینبؑ کا احسان ہے۔ اور دنیا میں جتنی بھی مجالس عزاد ہو رہی ہیں ان تمام مجالس کی بانی زینبؑ ہے۔

سامعین!

ایک دن بہن بھائی کے درمیان ضد ہو گئی۔ اور زینبؑ نے کہدیا۔

"حسینؑ! جس باپ کا تو بیٹا ہے۔ اسی باپ کی میں بیٹی ہوں جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے۔ جو تیرا نانا ہے وہی میرا نانا ہے اور جو تیرا دادا ہے وہی میرا دادا ہے۔

حسینؑ! تیرے سر پہ آبا کا عمامہ ہے مگر

دیکھ حسینؑ! میرے سر پہ اماں کی چادر ہے۔

لہذا حسینؑ! آج تیرا میرا مقابلہ ہے۔ اب بتا تو چاہتا کیا ہے؟

حسینؑ نے فرمایا۔

"زینبؑ! آج میں اسلام کو بچانا چاہتا ہوں۔ آج میں مرکر نانا کے دین کو بچانا چاہتا ہوں"

زینبؑ نے کہا۔

" حسینؑ ! میں تجھے روکتی نہیں ۔ جو تیرا ارادہ ہے پورا کر مگر سن حسینؑ!

میرا تیرا بھی مقابلہ ہے ۔ بے شک تو مر جا مگر

یاد رکھ حسینؑ ! میں زینبؑ تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں بھی تیرے

نام کو قیامت تک مرنے نہیں دوں گی ۔ اگر بستی بستی، محلہ محلہ، گاؤں گاؤں

جا کر حسینؑ حسینؑ نہ کہلوا دیا تو فاطمہؑ کی بیٹی نہ کہنا ۔

بس بھائیو ! زینبؑ کا احسان ہے کہ آج ہم اپنے تمام کاروبار چھوڑ کر

محمدؐ کو حسینؑ کا پرسہ دے رہے ہیں اور زینبؑ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

• بی بی زینبؑ !

تیرا احسان ہے کہ تو نے حسینؑ جیسی قیمتی شے سے ہمیں متعارف کروا دیا ۔ حسینؑ نے

بھی کربلا میں بیٹے شہید کروائے اور تو نے بھی اپنے بیٹے شہید کروا دیئے ۔

بی بی ! ہمیں معلوم ہے کہ دو بیٹے قربان کروا کے بھی حسینؑ کی نسل قیامت تک

باقی رہے گی مگر واہ رے زینبؑ ! تو نے حسینؑ کی حفاظت میں اپنی پوری نسل ختم

کروا دی ۔

بی بی ! ہم تیرے ہر احسان کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں

کہ تو نے آج حسینؑ جیسی قیمتی شے ہم تک پہنچا دی ۔

میرے بھائیو !

زینبؑ نے پہلی مجلس گیارہ محرم ۶۱ھ کو حسینؑ کے لاشے پر پڑھی ۔ پھر کوفہ

کے بازاروں میں پڑھی ۔ درباروں میں پڑھی ۔ جب کوفہ کے ایک ایک محلہ میں پڑھ

لی تو راستے کے شہروں اور قصبوں میں پڑھتی رہی ۔ پھر شام کے ملک میں حسینؑ کی مجلسیں

پڑھیں ۔ یزید کے دربار میں پڑھیں ۔ اور جب یزید نے کہا ۔

• زینبؑ ! تم مدینے جا سکتی ہو "

تو زینبؑ نے ایک مکان خالی کروا کے تین دن حسینؑ کی مجلس پڑھی ۔ اور وہاں سے

جب مدینہ کے لئے روانہ ہوئی تو راستے میں پڑھتی رہی۔ اور جب مدینہ پہنچی تو پہلا کام یہ کیا کہ حسینؑ کی مجلس پڑھی۔

سامعین!

گذشتہ سال میں بھی مدینہ کی زیارت سے فیض یاب ہوا ہوں۔ جب مکے سے مدینہ کے لئے چلا تو خدا جانے میرے ذہن میں کیا کیا تصوّرات منڈلا رہے تھے۔ اور جب ہماری گاڑی مدینہ کے قریب پہنچی تو ڈرائیور نے کہا۔

"مدینہ آگیا ہے"

میں نے دیکھا کہ دُنیا خوشی منا رہی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ مگر میں گاڑی سے نیچے اُترا اور مدینہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہوگیا اور کہا۔

"مدینہ! تو ہی وہ مدینہ ہے نا جہاں حسینؑ رہتا تھا۔

اے مدینہ کی گلیو!

تم گواہ ہو نا کہ تم میں حسینؑ کھیلا کرتا تھا۔

اے مدینہ کے در و دیوار! تمہیں یاد ہے نا کہ یہاں حسینؑ اپنے نانا کے کندھے پہ بیٹھ کر چلا کرتا تھا"

بہرنوع زینبؑ نے مدینہ میں حسینؑ کی پہلی مجلس پڑھی اور جب اہل مدینہ کو پتہ چلا کہ مدینہ سے باہر حسینؑ کی بہن آئی ہے تو شہر کے سارے زن و مرد زینبؑ کے استقبال کے لئے آگئے اور ان لوگوں کی قیادت حضرت ام البنینؑ فرما رہی تھیں۔

سامعین!

علامہ کفایت حسینؑ مرحوم و مغفور اپنی مجلس میں ایک فقرہ کہا کرتے تھے کہ جب ام البنینؑ اہلبیتؑ کے قافلے کے قریب آئی ہیں تو پہلا شخص جو قافلہ زینبؑ میں سے جناب ام البنینؑ سے ملا وہ تھے حضور امام زین العابدین علیہ السلام۔

بائیس ۲۲ سال کا سن تھا۔ ایک سال کی قید بھگت کے آئے تھے۔ ام البنینؑ نے امامؑ کو جو آتے دیکھا تو پہچانا نہیں۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ نے آگے بڑھ کر سلام

کیا۔" دادی امّاں! سلام"

ام البنین نے پوچھا "کون؟"

امامؑ نے جواب دیا۔

"امّاں! مجھے پہچانو۔ میں زین العابدینؑ ہوں۔

حافظ صاحب کہا کرتے تھے کہ امام کی یہ بات سن کر ام البنین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔" بیٹا زین العابدینؑ! جوانی کی اس عمر میں تم اتنے بوڑھے ہو گئے"

"بیٹا! تمہاری داڑھی کیوں سفید ہو گئی"

بیٹا! زینبؑ کہاں ہے"

زینبؑ نے قریب سے آواز دی۔

"امّاں! میں یہاں کھڑی ہوں"

ام البنین آگے بڑھی۔ زینبؑ کو سینے سے لگا لیا۔ اور کہا۔

زینبؑ بیٹا! کوئی ناراضگی ہے"؟

زینبؑ نے جواب دیا۔

" مجھے ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ میں تیرے بچوں کو چھوڑ کے آگئی ہوں۔ میں تیری اولاد کو ختم کر کے آگئی ہوں"

صاحبان!

ایک چھوٹے بچے نے ام البنینؑ کے پاؤں پکڑ لیئے"

اُم البنینؑ پوچھتی ہیں۔

بیٹا! تم کون ہو؟"

بچہ جواب میں کہتا ہے۔

" امّاں! میں تیرے عباسؑ کا یتیم بیٹا ہوں"

عزادار سید الشہداء!

جب ساری گفتگو ہو چکی تو ام البنینؑ پوچھتی ہیں۔

زینبؑ! سناؤ، کربلا میں کیا گذری؟

چنانچہ زینبؑ فرماتی رہی۔ اماں! کیا سنتی ہو۔ میں دیکھتی رہی اور میرے بھائی بھتیجے۔ بیٹے اور اصحاب ذبح ہوتے رہے اور جب سنانے سناتے یہاں پہنچی کہ حسینؑ گھوڑے سے گر گئے تو ام البنینؑ گھبرا کے کہتی ہے۔

"ہائیں۔ پھر کیا ہوا؟

زینبؑ نے جواب دیا۔

اماں! پھر مجھے حسینؑ کی کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ میں دروازہ پہ بے چین کھڑی رہی مگر کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ میرا بھائی کہاں ہے"

ام البنینؑ نے پوچھا۔

زینبؑ! پھر کس نے اطلاع دی؟"

فرمایا۔

"اماں! کوئی آدمی تو زندہ نہیں رہا تھا۔

زینبؑ نے فرمایا "اماں! مجھ پر احسان ہے حسینؑ کے گھوڑے کا جس نے مجھے آکر بتایا کہ زینبؑ! تو یہاں کھڑی ہے اور حسینؑ گر گئے"

سامعین! بتاؤ۔ حسینؑ کا گھوڑا ہمارا محسن ہے کہ نہیں؟

آج ہم اس محسن کی شبیہ کے قدموں پر سر رکھنا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اسکو سلام کرنا باعثِ عزت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے محسن اعظم گھوڑے کی شبیہ ہے

"خداوند عالم بصدقہ محمدؐ وآل محمدؐ ہماری

مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَدائے حق

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام

"اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے"

خداوند عزّ اسمہ و جل جلالہ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضرات گرامئ قدر!

اللہ کا یہ فرمان ہے "اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام"

یاد رکھو! دین اور مذہب میں فرق ہے

دین کے معنی ہیں "منزلِ مقصود" گویا وہ نقطۂ مرکزی جہاں ہم پہنچنا چاہتے ہیں، دین کہلاتا ہے۔ اور نقطۂ مرکزی تک پہنچنے کے راستے کو مذہب کہتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ نقطۂ مرکزی ایک ہو مگر اس تک پہنچنے کے راستے مختلف ہوں۔ لہٰذا مختلف رستوں سے نقطۂ مرکزی تک پہنچنے والے ایک دوسرے سے اس بات پر نہیں لڑ سکتے کہ تم اس رستہ سے کیوں آئے ہو کیونکہ جس کو جو رستہ پسند تھا وہ اس رستہ کے ذریعہ منزلِ مقصود تک پہنچ گیا مگر نقطہ مرکزی تو ایک ہی ہے۔ گویا ہر شخص قدرتی طور پر اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے وہ رستہ اختیار کرتا ہے جسے وہ اپنے خیال میں قریب تر اور آسان تر سمجھتا ہے۔ یا پھر رستے کا واقف بھی ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ رستے کا واقف بھی رستہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب چلتے چلتے رستہ میں چوراہا

آ جاتا ہے۔ چنانچہ اُسے مجبوراً وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے اور فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ان چاروں راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے۔ لہٰذا ایسے بھٹکنے والوں کے لئے حکومت کی طرف سے جو انتظام ہوتا ہے اسے "ٹریفک" کہتے ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے جو انتظام ہوتا ہے اسے "عقل" کہتے ہیں۔

بزرگان من!

اب تم خود سوچو کہ منزل مقصود کی طرف کون سا رستہ جائے گا کیونکہ صرف رستہ ہی وجہ اختلاف نہیں ہونا چاہیئے بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ ہماری منزل مقصود کیا ہے۔ ہاں مگر ہر راہرو کو راستہ میں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ میرا بھائی جو اسی منزل کیطرف جا رہا ہے جہاں میں جانا چاہتا ہوں ایسا تو نہیں کہ اس کا رُخ اصل منزل سے بالکل اُلٹ ہو۔ مثلاً میرے بھائی کو لاہور کی طرف جانا ہے مگر وہ بدقسمتی سے کراچی کی سڑک پر چل پڑے اور دوڑنا شروع کر دے۔ گویا وہ اپنے راستے پہ جتنا ہی تیز دوڑے گا اتنا ہی اپنی منزل سے دُور ہوتا جائے گا۔ اپنی اس ناسمجھی سے نہ تو کسی سے گلا کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی سے شکوہ کر سکتے ہو۔ نری محنت یا تکلیف اٹھانے سے کام نہیں چلے گا۔ بہر نوع صرف راستہ ہی وجہ اختلاف نہیں ہونا چاہیئے بلکہ دیکھنا یہ ہو گا کہ ہماری "منزل مقصود" کیا ہے۔

یاد رکھو!

ہمارا مقصود ہے "دین" اور ہمارا دین ہے "اسلام" گویا ہم چاہتے ہیں کہ دُنیا میں ہم دیندار بن کے رہیں۔ ایماندار بن کے رہیں۔ کیونکہ وہ آدمی دُنیا میں بڑا ذلیل ہے جو "بے دین" ہو۔ بہت بُرا ہے وہ انسان جو "بے ایمان" ہو۔ اگر کسی کافر کو کافر کہہ دو تو کوئی بُری بات نہیں نہ ہی کسی ہندو کو ہندو کہہ دو تو وہ بُرا نہیں منائے گا۔ اور اگر کسی عیسائی کو عیسائی کہہ دو تو

وہ یہی کہے گا کہ اس میں شک کی کیا بات ہے۔ میں عیسائی ہی ہوں۔ حالانکہ ہندو۔ یہودی اور عیسائی آپ کے خیال میں مومن تو نہیں ہیں ایمان سے ان کا کوئی واسطہ تو نہیں ہے مگر ذرا کسی کو "بے ایمان" تو کہہ دو فوراً بگڑ جائے گا۔ معلوم ہُوا کہ ایمان کوئی ایسی پیاری شئے ہے کہ اس سے کوئی علیٰحدہ ہونا برداشت نہیں کر سکتا اسی طرح "بے دین" کہہ دو تو فوراً بگڑ جائیں گے۔ معلوم ہُوا کہ دین بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے الگ ہونا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

بچو!

اگر تم ضد میں آکر کسی "بے دین" کو بے دین کہہ دو تو پتہ چلے گا کہ وہ بے دین نہیں کیا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح کسی "بے ایمان" کو بے ایمان تو کہہ دو پھر پتہ چلے گا کہ وہ بے ایمان تمہارے ایمان کی کیا گت بناتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ کوئی شخص نہ تو دین سے جُدا ہونا برداشت کرتا ہے اور نہ ہی مذہب سے جُدا ہونا برداشت کرتا ہے۔ گویا دین و ایمان دونوں اتنی پیاری چیزیں ہیں۔

بزرگانِ من!

جب دین و ایمان دونوں، اتنی پیاری چیزیں ہیں تو ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں ان کا تعارف کیسے کروایا ہے تاکہ نہ ہم دین کو چھوڑنے پائیں اور نہ ہی اسلام کو چھوڑنے پائیں۔ چنانچہ ہمارے ہادیٔ اعظمؐ نے ہمیں ہزاروں باتیں بتانے کے بعد مجمع عام میں ہمیں "کل ایمان" کا تعارف بھی کروا دیا اور یہ بتا دیا کہ اس سے علیٰحدہ نہ ہونا ورنہ "بے ایمان" کہلاؤ گے۔ بہرنوع ہادیٔ اعظمؐ نے ہمیں ایمان کا تعارف کروایا اور ہم صاحبِ ایمان ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ہماری نسل ہندوستان میں پہنچی۔ ہم نے ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا مگر یہاں کے لوگ ہمیں بے دین کہنے لگے۔ آخر ہم نے گھبرا

کے پوچھا۔

"خداوندا! تو ہی بتا کہ، دین کیا شے ہے جو
ہمارے دلوں میں نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ نے ہمیں ایک رہبر دے دیا جنہوں نے ہمیں بتا دیا کہ
اگر دین پوچھنا چاہتے ہو تو ع

"دین است حسینؑ"

گویا رسولؐ نے باپ کو ایمان بنا دیا اور خواجہ معین الدینؒ
نے بیٹے کو دین بنا دیا۔ لہٰذا اب اگر کوئی باپ کو چھوڑ دے گا تو بے ایمان
کہلائے گا۔ اور اگر کوئی بیٹے کو چھوڑ دے گا تو بے دین کہلائے گا۔ بہر نوع
یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ اصل گفتگو تو یہی ہے کہ وہ دین جس کا تعارف اللہ نے ہمیں
ہادیؐ اعظم کی زبان سے کروایا ہے "اسلام" ہے۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَام

"اللہ کو جو دین پسند ہے وہ اسلام ہے"

سامعین!

اگرچہ مجھے اللہ کی پسند میں شک نہیں ہے کیونکہ پسند کا تعلق دل و دماغ
سے ہے اور جس کے دل و دماغ ہی نہ ہوں وہ پسند کیا کرے گا۔ اور نہ پسند کیا
کرے گا۔ یہ تو ہمیں سمجھانے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ کو فلاں شے پسند ہے
حالانکہ اللہ جانے۔ اللہ کے پاس کون ایسے لوگ ہیں جن کا دل و دماغ ایسی چیزیں
پسند کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو براہ راست اپنے دل و دماغ سے کوئی کام لیتا ہی نہیں
بہرکیف اللہ نے فرمایا کہ میرا پسندیدہ دین ہے "اسلام"، ادھر ہم نے
اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑا اور جب اسلام کے معنیٰ دیکھے تو پتہ چلا کہ اسلام کا

مطلب ہے "سر جھکا دینا"، یا کسی بات کو "مان لینا"، گویا مسلم اسے کہتے ہیں جو کسی بات کو مان لے۔ اب اگر کوئی شخص کسی بت کو مان لے تو وہ بت کا مسلم کہلائے گا۔ اور اگر کوئی سورج یا چاند وغیرہ کے آگے سر تسلیم خم کرے تو وہ انکا مسلم کہلائے گا غرض جو جسے مان لے وہ اس کا مسلم کہلائے گا۔

نوجوانو!

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مجھے گھور رہے ہو۔ گویا تمہارا مطلب یہ ہے کہ۔

"زیدی صاحب! ہوش کی باتیں کرو۔ منبر پہ بیٹھ کر "بے ہوشی" کی باتیں کرنا گویا منبر کی توہین ہے۔ چونکہ سامعین میں تمام تمہارے جیسے سفید ریش بوڑھے ہی تو نہیں ہیں کچھ سمجھدار "نوجوان" بھی ہوتے ہیں لہٰذا ان جوانوں کا بھی خیال رکھا کرو۔ اور سوچ سمجھ کے بات کیا کرو"

میں کہتا ہوں "نوجوانو!

اگر میں بے ہوشی کی باتیں کروں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تم نے خود ہی ایک بڈھے کو منبر پہ بٹھا دیا اور ساتھ یہ بھی توقع رکھتے ہو کہ "ہوش" کی باتیں کروں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے!

نوجوان جواب میں کہتے ہیں۔ "زیدی صاحب! بھلا یہ

کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان بحیثیت انسان کے، بحیثیت آدمؑ کا بیٹا ہونے کے جو شکل و صورت میں بھی انسان ہو۔ دل و دماغ میں بھی ٹھیک ہو۔ اس کے باوجود کسی پتھر کو خدا مانتا ہو۔ انسان سے اتنی حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی"

میں کہتا ہوں ،، نوجوانو! تمہیں کیا معلوم کہ انسان جہاں چشم فلک کی پلکوں کو چھونا چاہتا ہے وہاں اس میں یہ پستی بھی موجود ہے کہ وہ پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔

دیکھو نا!

اگر تمہیں میری اس بات کا یقین نہ آئے تو ہمسایہ ملک (بھارت) میں جا کر دیکھ لو جہاں پچاس کروڑ پوجنے والوں کے پاس پچھتر کروڑ خدا ہیں۔ گویا ایک بندے کے حصہ میں "ڈیڑھ خدا" آتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر انسان نے اپنا الگ خدا بنایا ہوا ہے۔ غیر کے خدا کی پوجا کرنا توہین سمجھتے ہیں۔ اپنے خدا کو روزانہ آشنان کراتے ہیں۔ اس پہ بھینٹ چڑھاتے ہیں

مگر خدا صاحب ہیں کہ بڑے آرام سے بُت بنے بیٹھے ہیں کیا مجال جو سردی گرمی کا ان پہ کوئی اثر ہو جائے۔

بچّو!

ہندوستان میں ایک "ہندو خاندان" آباد ہے چونکہ "خاندان مغلیہ" کے تمام "نہری" نظام کا انتظام اس خاندان کے سُپرد تھا اس لئے شاہانِ مغلیہ کی طرف سے اس خاندان کو "نہرو" کا خطاب دیا گیا۔ ہندوستان کے خاندانوں میں یہ خاندان اپنی قابلیت کی بنا پر نہایت قابل ترین خاندان ہے تقریباً تیس سال سے یہ خاندان ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے ہندوستان کی موجودہ حکمران (اندرا) اسی خاندان کی ایک فرد ہیں نے لاکھ طعنے دیئے مگر "زنانی" وہ کھیل کھیل رہی ہے کہ "ساٹھ کروڑ" عوام پر حکومت کر رہی ہے گویا ہندوستانی تاریخ میں نہرو خاندان اکثر اوقات مسند حکومت پر رہا ہے اس خاندان کی عورتیں بھی مردوں کے شانہ بشانہ حکومت کرتی رہی ہیں بھارت میں تو اس خاندان کی یہ حالت ہے مگر

غیر ممالک میں یہ حیثیت ہے کہ جب کبھی
ریڈیو پہ تقریر کرے تو دنیا بھر کے انسان
اپنے ریڈیو کھول کر ان کی تقریر سننا شروع
کر دیتے ہیں اخباری رپوٹرز اس پہ نوٹ
لکھتے ہیں۔ چاہے بے عقلی کی بات کہیں
لیکن پھر بھی دنیا ان کی تقریر محفوظ کرنے کی
فکر میں ہے اور ان کے مُنہ سے نکلے ہوئے
لفظ قوموں کیلئے "اقوال زریں" بن جاتے
ہیں۔ گویا نہرو خاندان اتنا عقلمند خاندان
مانا جاتا ہے اور اسمبلیوں میں ان کی عقل
کے پرچم لہرائے جاتے ہیں۔ لیکن جب گھر میں
تشریف لاتے ہیں تو پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑ
کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا تو عقل کی اتنی بلندی
کہ ان کے منہ سے نکلے ہوئے فقروں کو سنہری
لفظوں میں آویزاں کیا جا رہا ہے یا پھر عقل
کی اتنی پستی کہ انسان ہوتے ہوئے پتھر نامراد
کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھے ہیں۔

آخر ہم پوچھتے ہیں، "پنڈت جی! اسمبلی میں تو اتنی عقلمندی
کی باتیں مگر گھر میں اتنی ناسمجھی کہ پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھے
ہو اور اسے 'خُدا' سمجھتے ہو۔

پنڈت جی کہتے ہیں نادانو! ہماری عقل تو ٹھیک ہے مگر تمہاری سمجھ پر پردہ

پڑا ہوا ہے۔ جو خواہ مخواہ ہم پہ اعتراض کر رہے ہو"

ہم نے کہا "پنڈت جی!

اعتراض ہی کی تو بات ہے۔ تم اتنے قابل ہو کر پتھر نامرد کو خدا سمجھتے ہو۔ بھلا پتھر بھی پوجنے کے قابل ہوتا ہے"؟

پنڈت جی کہتے ہیں۔ "نہیں کس مسخرے نے بہکا دیا ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں؟"

ہم نے کہا "پنڈت جی!

اس میں بہکانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو سامنے کی بات ہے۔ میں خود دیکھ رہا ہوں کہ تم باہوش وحواس پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھے ہو۔ آخر کیوں؟"

پنڈت جی کہتے ہیں۔ "دیکھو! ہر بات میں دخل نہ دیا کرو۔ کون کہتا ہے کہ ہم اس پتھر کو پوجتے ہیں"

ہم نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

پنڈت جی! شرم کرو۔ دن دہاڑے مکر رہے ہو۔ ہاتھ جوڑے سر جھکائے پتھر کے سامنے کیا ہو رہا ہے"

پنڈت جی کہتے ہیں۔ برخوردار!

میں اس پتھر کو نہیں پوج رہا ہوں۔ بلکہ میں تو اپنے سرکش ایمان (قادر المطلق) کو پوجتا ہوں پراونت کشور (خالق الکل) کو پوجتا ہوں۔ پراونت (الساد　　　) کو پوجتا ہوں۔ اوم (وحدہٗ لاشریک) کو پوجتا ہوں۔ ہم تو انہیں پوج رہے ہیں پھر

کیوں خوامخواہ ہم پہ پتھر کا الزام لگایا جا رہا ہے۔"
ہم نے پوچھا "پنڈت جی! اگر یہ پوجا نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟
پنڈت جی کہتے ہیں "جسے ہم پوج رہے تھے وہ ہمارا مالک ہے،
چونکہ مالک کے سامنے گناہگار ہو کر جاتے ہوئے کچھ شرم سی
محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس پتھر کو اپنے اور مالک کے درمیان
وسیلہ بنا کر رکھا ہوا ہے"
ہم نے پوچھا: "پنڈت جی!
دُنیا میں اور بہت سی ایسی چیزیں تھیں جنکو وسیلہ
بنایا جا سکتا تھا۔ آخر اس "پتھر" میں کیا خصوصیت
ہے۔؟"
پنڈت جی کہتے ہیں۔ "برخوردار!"
تمہاری نظر میں یہ پتھر سہی مگر ہمارے نزدیک یہ بے گناہ ہے
اس لئے اسے وسیلہ بنایا ہے"

سامعین!

پنڈت جی کی یہ بات سن کر میں بھی قائل ہو گیا کہ گناہگار کو وسیلہ
بنانے سے تو پتھر کو ہی پوجنا بہتر ہے۔ کم از کم اس میں کوئی
عقل و شعور کی بات تو ہے"
بچّو! ایک مثال سناتا ہوں۔ اگر پسند آئے
تو یاد رکھنا۔
ضلع جھنگ کے ایک گاؤں کا ایک دس نمبری
بدمعاش نہانے میں بلوایا گیا۔ جو اپنے ساتھ ایک

سفارشی بلی لے آیا جو اتفاق سے وہ صاحب کسی فوجداری مقدمے میں مطلوب تھے۔ چنانچہ جب وہ سفارشی تھانے میں تشریف لائے تو سفارش کرنے سے پہلے پولیس نے ان کی پٹائی شروع کردی۔ ساتھی نے پوچھا۔

"تھانیدار صاحب! کیوں اس بیچارے کی پٹائی کررہے ہو؟"

تھانیدار نے کہا۔

"تمہیں معلوم نہیں کہ یہ حضرت متواتر چالیس برس تک ڈاکہ ڈالتے رہے ہیں۔ بھلا ایسے سفارشی کو تم کیوں ساتھ لائے جو پہلے ہی کئی مقدموں میں مطلوب تھا۔"

بہر نوع سفارشی کا بے عیب ہونا ضروری ہے۔ خواہ بچھڑا ہی کیوں نہ ہو۔

سامعین کرام!

خدا کا ہم پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ دوسری باتوں کے علاوہ ہم اپنے خوراک ولباس کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں حلال کھاتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں۔ یوں تو مسلمانوں کی اور بہت سی خوراک ہے۔ مگر سب سے پسندیدہ خوراک گوشت ہے۔ چاہے بکرے کا ہو۔ چاہے گائے کا ہو۔ چاہے کسی اور بلا کا ہو۔ مگر کھاتے گوشت ہی ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے ہر شہر میں روزانہ تقریباً ہزاروں کی تعداد میں بکرے وغیرہ ذبح کئے جاتے

ہیں۔ تاکہ ہماری خوراک کا تقاضہ پورا ہو۔ لہٰذا ہم روزانہ قصائی کے پاس جاتے ہیں۔ اس کی پسند کی رقم اسے دی جاتی ہے اور اپنی پسند کا گوشت حاصل کیا جاتا ہے (اگرچہ آج کل گوشت بھی قصائی ہی کی پسند کا ملتا ہے)

بہر نوع گوشت خریدا جاتا ہے اور کبھی بھی قصائی سے یہ نہ پوچھا کہ جس بکرے کا گوشت تو مجھے دے رہا ہے اس کا سینگ ٹھیک تھا یا نہیں۔ کان ٹھیک تھے یا نہیں۔ کہیں اندھا تو نہیں تھا۔ کہیں لنگڑا تو نہیں تھا؟ ہرگز نہیں اگر بکرا اندھا یا لنگڑا تھا تو ہمیں کیا واسطہ۔ ہمیں تو گوشت سے سروکار ہے۔ گویا ہم تین سو چونسٹھ دن تک تو عیب دار بکرے کھا لیتے ہیں مگر جب تین سو پینسٹھواں (عیدالضحیٰ) آتا ہے تو بڑا خیال رکھا جاتا ہے کہ کہیں بکرا عیب دار نہ ہو۔ سینگ ٹوٹا ہوا نہ ہو۔ اندھا نہ ہو۔ لنگڑا نہ ہو گویا بکرے میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ ہو۔ آخر ہم اپنے محلہ کے مولوی صاحب سے پوچھتے ہیں

مولانا! کیا اس سے پہلے سال بھر آپ عیب دار بکرے کا گوشت نہیں کھاتے رہے جو آج اتنی احتیاط برتی جا رہی ہے؟"

مولانا فرماتے ہیں۔

"برخوردار! تین سو چونسٹھ دن میں ذبح ہونے والے بکروں کی اور بات ہے اور آج (عیدالضحیٰ) کے دن ذبح ہونیوالے بکرے کی اور شان ہے۔

ہم نے پوچھا۔ مولانا! آج کے بکرے میں کیا خصوصیت ہے؟"

مولانا فرماتے ہیں۔

برخوردار! چونکہ آج کے دن کا بکرا ہم گناہگاروں

کا وسیلہ بن کر ذبح ہو گا۔ اس لئے احتیاط اس بات کی کی جاتی ہے کہ وسیلہ بے عیب ہو"

صاحبانِ ذوق!

یہاں تو میں بھی قائل ہو گیا کہ اگر بکرے کو بھی وسیلہ بنا لیا جائے تو بے عیب ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جب تک وسیلہ بے عیب نہیں ہو گا۔ اس وقت تک کسی گناہ گار کی بخشش نہیں ہو سکتی۔

عزیز بچو! اس دفعہ تو میں بھی عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا بحیثیت مولوی ہونے کے میں بھی سال میں ایک بکرا ذبح کر بیٹھتا ہوں حالانکہ بقول مولوی صاحب یہ بدعت ہے مگر کیا کروں اس کے بغیر گذارا بھی نہیں ہوتا۔ گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی محلے والوں کی شرم کی وجہ سے مجھے بھی بکرا ذبح کرنا پڑا حالانکہ بکروں کا عالم یہ تھا کہ جس بکرے کو دیکھتا وہی منہ بنا کر کھڑا ہو جاتا۔ گویا اتنی مہنگائی تھی۔ بالآخر مجبوراً ایک عمدہ سا بکرا خریدنا پڑا۔ جس کے سینگ بہترین کان بہترین۔ خوب موٹا تازہ پلا ہوا پہلے تو اسے پورے محلہ میں گھمایا تاکہ پڑوسی بھی دیکھ لیں کہ مولوی صاحب نے بکرا خریدا ہے۔ رات کو گھر سے باہر باندھا۔ چارہ قریب تک نہ آنے دیا کیونکہ بھوکا رہنے سے رات بھر بولے گا تو وہ پڑوسی جو دن کو نہ دیکھ سکے ہوں، رات کو اس کی آواز سن لیں تاکہ میری قربانی کا ان پر بھی رُعب پڑ جائے۔ بہر نوع دن چڑھے قربانی کا وقت آ گیا۔ جب قصائی بکرا ذبح کرنے کے لئے اپنی آستین چڑھانے لگا تو اچانک وہ حضرت تشریف لائے جن سے بکرا خریدا گیا تھا۔ وہ آتے ہی چلّانے لگے۔

"زیدی صاحب! غضب ہو گیا۔ خدارا اس بکرے کو ذبح نہ کیجئے گا"

میں نے پوچھا "کیوں۔ کیا بات ہے؟"

اُس نے کہا۔ زیدی صاحب ! یہ بکرا ہے تو بہت ہی عمدہ۔ بظاہر اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ گھر کا پلا ہوا ہے۔ مگر جس دن یہ میرے گھر میں پیدا ہوا تھا اس کی ماں مر گئی تھی لہٰذا میں نے اپنی کتیا کا دُودھ پلا کر اسے پروان چڑھایا ہے۔"

سامعین!

بکرے والے کی یہ بات سن کر میرے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور پورا بدن غصّہ سے کانپنے لگا اور گھبرا کر مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے مولوی سے جا کر پوچھا مگر ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ اس بکرے کا ذبح کرنا حرام ہے کیونکہ یہ تو بہت ہی عیب دار ہے۔

میں نے عرض کی ،، مولانا ! عیب دار ہو گا مگر اب تو بہترین عمدہ اور اچھا تندرست ہے"

میری یہ بات سنکر مذاہب اسلام کے تمام مولوی صاحبان کا متفقہ فیصلہ یہ ہُوا کہ ہم آج کے بے عیب ہونے کو کیا کریں اسکی تو ابتداء ہی نجاست میں گزری ہے۔ لہٰذا جس کی ابتدا نجاست میں گذری ہو اسے وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا چاہے بکرا ہی کیوں نہ ہو۔

بزرگانِ من!

میں عرض کر رہا تھا کہ ہر انسان اپنے معبود کا مسلم ہوتا ہے اور ہر پوجنے والا اپنی پوجا کا مسلم ہوتا ہے۔ ہر انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ جس کو چاہے مان لے۔ چاہے وہ "اللہ" ہو یا قادر مطلق ہو۔ پیدا کرنے والا ہو یا مارنے والا ہو۔ حتیٰ کہ سانپ ہو یا بچھو ہو گائے ہو یا گنگا ہو۔

غرض انسان اپنی عقل کے مطابق کسی نہ کسی شئے کا مسلم ضرور ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان جس کو مان رہا ہے وہ بھی اسے مانتا ہے یا نہیں بہرنوع ہر انسان کسی نہ کسی کا مسلم ضرور ہوتا ہے۔

کیوں نوجوانو! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

دیکھو!

تم سے اس لئے پوچھتا ہوں کہ تم میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو اور صحابیوں کو اپنی ہر بات کا راوی رکھنا چاہیئے۔

یاد رکھو!

پتھر کو پوجنے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انسان کو ٹوکنے والے سے نفرت ہوتی ہے اور نہ ٹوکنے والے سے محبت ہوتی ہے۔ گویا انسان فطری طور پر ٹوکنے والے کو ناپسند کرتا ہے اور نہ ٹوکنے والے کو پسند کرتا ہے لہٰذا انسان نے سوچا کہ اگر اللّٰہ کو مان لیا جائے تو وہ ہر قدم پر ٹوکتا ہے۔ کہ تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ کسی کو ستاتے کیوں ہو۔ کسی کا مال کھاتے کیوں ہو۔ گویا اللہ رات دن ٹوک ٹوک کر انسان کا ناطقہ بند کر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان نے چاہا کہ ٹوکنے والے اللہ کو چھوڑ و اور خود ایسے اللہ بناؤ جو ٹوکتے نہ ہوں۔ پوجو تو واہ واہ نہیں کہتے اور توڑ دو تو بُرا نہیں مناتے اور چونکہ انہیں پتہ ہے کہ ہم انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر انسان کی مرضی کے خلاف کچھ کہیں گے تو یہ ہمیں توڑ بھی دے گا۔ اس لئے یہ بہت شریف بھلے مانس بنے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر انہیں گھر میں رکھ دو تو خاموش بیٹھے رہیں گے بازار میں لے آؤ تو چُپ رہیں گے۔ مسجد میں رکھ دو تو بنے بیٹھے رہیں گے اور اگر اللّٰہ کے گھر میں لا کے رکھ دو تو

پتھرائی نظروں سے ایک دوسرے کو تکتے ضرور رہیں گے کہ اللہ جانے اسکے بعد کیا حشر ہو گا مگر منہ سے کچھ نہیں کہیں گے۔ بہرلنوع انسان نے ایسے خاموش اور بے حس وحرکت اللہ بنالئے۔

بچّو!

ایک دن عالم تصور میں میں انسان کے بنائے ہوئے ان خداؤں سے پوچھ رہا تھا جو اللہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"انسان کے بنائے ہوئے خداؤ، بتاؤ۔ کیا تم خُدا بن گئے ہو؟"

بتوں نے جواب دیا۔ مولانا!

ہم خود ہی تھوڑے آئے ہیں۔ انسان نے ہمیں بٹھا دیا۔ ہم بیٹھ گئے اور جس دن نکال دے گا، چلے جائیں گے۔ ہماری ضد تھوڑی ہے۔ یہ تو بنانے والے کی مرضی پہ منحصر ہے۔ کہ بنا دے یا توڑ دے۔"

بہرلنوع انسان نے اپنی فطری تقاضے کے تحت نہ ٹوکنے والے کو خدا بنالیا اور ٹوکنے والے سے دُور رہنے لگا۔

نوجوانو! یاد رکھو!!

جس انسان کی دس بیس نسلیں نہ ٹوکنے والے خدا کی صحبت میں گذر چکی ہوں تو اس کے رگ وریشہ میں یہ بات سرائت کرجاتی ہے کہ وہ نہ ٹوکنے والے کو پسند کرتا ہے اور ٹوکنے والے کو ناپسند کرتا ہے گویا بُت پرستی کی عادت یہ کہلوا دیتی ہے کہ۔

"ہمیں نہ ٹوکنے والی کافی ہے"

بہر نوع انسانی فطرت ہے کہ وہ نہ ٹوکنے والی چیز کو پسند کرتا ہے اور ٹوکنے والی شئے سے نفرت کرتا ہے۔

اور یاد رکھو!

آج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے کہ انسان ہر ٹوکنے والی شئے کو نہیں چاہتا اور نہ ٹوکنے والی شئے کو چاہتا ہے۔ جس طرح ہماری اسمبلی میں چند دن پیشتر ایک صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ ہم جو کہتے تھے کہ ہماری حکومت عوام پرور ہے غریبوں پہ رحم کرنیوالی ہے۔ مگر ہم نے غریبوں کو بہت ستایا ہوا ہے کہ ٹریفک کا ایک سپاھی جو ہماری طرح کا ایک انسان ہے۔ ہماری طرح کا گوشت پوست کا بنا ہوا ہے جسے ہماری حکومت صرف سو ڈیڑھ سو روپیہ دیتی ہے۔ وہ بے چارہ گرمی سردی اور برسات میں چوراہے پہ کھڑا ہے۔ اشارے کر کر کے اس کے ھاتھ تھک جاتے ہیں۔ کبھی دائیں گھوم رہا ہے۔ کبھی بائیں۔ گھوم رہا ہے اور تین چار گھنٹے متواتر اسے اس عالم میں کھڑا رہنا پڑتا ہے "سپیکر نے پوچھا آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں"؟

ممبر نے عرض کی۔ حضور! میرا مطلب یہ ہے کہ اس سپاھی کو چوراھے سے ھٹا دیا جائے اور اسکی جگہ پتھر کی ایک میز رکھ دی جائے اور اس میز پر ٹریفک کے قوانین کی ایک "کتاب" رکھ دی جائے تاکہ ھر گزرنے والا خود ھی کتاب پڑھ لیا کرے۔ کیوں خواہ مخواہ کیلئے سپاھی بے چارے کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ گذرنے والے خود ھی اس

کتاب کو پڑھ لیا کریں گے۔ کیوں کہ صرف "کتاب"
ہی تو کافی ہے"

سامعین!

ممبر کا یہ کہنا تھا کہ "کتاب کافی ہے" کہ ساری اسمبلی اس کے پیچھے پڑ گئی کہ یہ حضرت جو سپاہی کو ہٹا کر کتاب لانا چاہتے ہیں ضرور ان کی نیت کوئی جُرم کرنے کی ہے۔ بھلا آج کل کی تیز رفتاری کے دور میں چلنے والے کو کہاں فرصت ہے کہ وہ چوراہے پہ ٹھہر کر پہلے ٹریفک کی کتاب پڑھ لے، پھر آگے چلے۔ اور اگر کوئی ٹھہر کر کتاب پڑھ بھی لے گا تو اس کے "معنیٰ" اپنے مقصد کے مطابق ڈھال لے گا۔ چنانچہ جہاں پر سائیکل والا چاہتا ہو کہ پہلے میں چلا جاؤں۔ تانگے والا چاہتا ہو کہ پہلے میں چلا جاؤں اور گاڑی والا چاہتا ہو کہ پہلے میں چلا جاؤں گویا جہاں ہر ایک پہلا بننا چاہتا ہو وہاں کتاب غریب کو کون پوچھے گا۔

بھر نوع۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر ایک اپنے اپنے قیاس کی بنا پر مسلم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنے اپنے خیال میں اپنا اپنا رستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی جھگڑے کی بات ہے نہ ہی کوئی لڑائی کی بات ہے منزل مقصود تو ایک ہی ہے۔ صرف وہاں تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں ان راستوں کو مذہب کہتے ہیں اور منزل مقصود کو "دین اسلام" کہتے ہیں

بزرگانِ من!

دین اسلام میں چند باتوں کا اظہار زبان سے کیا جاتا ہے اور

کچھ عمل سے کیا جاتا ہے۔ صرف زبان سے کہے تب بھی اسلام پورا نہیں ہوتا اور صرف بغیر زبان سے کہے، تب بھی اسلام پورا نہیں ہوتا۔ لہٰذا کچھ کہنا پڑتا ہے اور کچھ کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو نا!

چاہے تم جتنی ہی لمبی بات کہہ دو۔ مگر یہ اسلام کا اقبال ہے۔ کہ تمہاری اتنی لمبی چوڑی گفتگو، "کلمہ" ہی کہلائے گی جسے ہر شخص پڑھ کر مسلمان بنتا ہے۔ اور وہ کلمہ یہ ہے۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ"

یہ گویا دین اسلام کا کلمہ ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ کلمہ اتنی روانی سے پڑھا جاتا ہے کہ کہیں بھی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی گویا "نکتہ" تک کی رکاوٹ اس کلمہ میں نہیں ہے۔

یاد رکھو!

کلمہ طیبہ کے چار اجزاء ہیں۔ لا ۔ الٰہ ۔ اِلّا ۔ اللّٰہ
پہلا لفظ کہو "لا" جس کے معنیٰ ہیں "کچھ بھی نہیں"
دوسرا جوڑ دو۔ "لا الٰہ" جس کے معنیٰ ہیں "اللہ نہیں ہے" گویا کُفر ہوگیا۔
تیسرا جوڑ دو۔ "لا الٰہ الا" جس کے معنیٰ ہیں "اللہ نہیں ہے مگر" گویا مہمل ہوگیا اور چوتھا "اللّٰہ" جوڑ دو تو ایمان ہوگیا۔

لیجئے اب کلمہ مکمل ہوگیا۔ بہر نوع ہمیں کہنا پڑا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ یہ کہہ کر ہم مسلمان بن گئے۔ ہم صاحب ایمان ہوگئے۔ ہمارے دِل میں شمعِ ایمانی روشن ہوگئی۔

اور ہم دائرہ اسلام میں آ گئے۔

بزرگانِ من!

چودہ سو سال سے ہم تو یہی سمجھے ہوئے تھے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہنے سے ہمارا کلمہ مکمل ہو جاتا ہے مگر ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں پتہ چلا کہ یہ کلمہ پڑھنے کے باوجود اگر اپنے ہاتھ سے بنائے ہوؤں کو مان لیا جائے تو پھر بھی ہم غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔ بہر نوع اسلام میں ایک کلمہ ہے جسے پڑھنے سے ہم مسلمان ہو سکتے ہیں اس کے علاوہ اسلام میں ایک عمل ہے جسے ادائے حق کہا جاتا ہے۔

یاد رکھو!

ادائے حق کے معنی صرف یہی ہیں کہ تم پر اللہ کی طرف سے جو فرائض و حقوق واجب ہیں ان کا حق ادا کرو۔ مثلاً اگر ماں باپ ہو تو اولاد کا حق ادا کرو۔ اولاد ہو تو والدین کا حق ادا کرو۔ بھائی ہو تو بھائی کا حق ادا کرو۔ بہنوں کا حق ادا کرو۔ ماتحت ہو تو افسر کا حق ادا کرو۔ اور بندے ہو تو اللہ کا حق ادا کرو۔ گویا ادائے حق کو عمل کرتے ہیں اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ اور بندے کا حق یہ ہے کہ اگر کہیں لڑ کر بندے کا حق ادا کرنا پڑتا ہے تو لڑ کر کرو۔ اور اگر کہیں صلح سے حق ادا کرنا پڑتا ہے تو صلح سے کرو۔ گویا کہیں ادائے حق کے لئے لڑنا پڑتا ہے اور کہیں ادائے حق کے لئے صلح کرنی پڑتی ہے۔

بہر نوع ہر صورت میں جو تم پر فرض ہے۔ وہ حق ادا کرو۔ گویا کہیں جہاد کر کے حق ادا کیا جا رہا ہے اور کہیں تلوار روک کے حق ادا کیا جا رہا ہے۔ کہیں تلوار چلا کے حق ادا کیا جا رہا ہے۔ اور کہیں تلوار کھا کے حق ادا کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ جس طرح بھی حق ادا ہوتا ہو، ادا کرے۔ بس اسی ادائے حق کو عمل کہتے ہیں۔

سامعین!

مذہب کی بات ہے نہ عقیدت کی بات ہے بلکہ ایک غیر جانبدار تاریخی مطالعہ کی بات ہے کہ کائنات میں اسلامی حق ادا کرنے کے لئے نہیں دو مکاتب فکر ملیں گے اور وہ ہیں علیؑ اور حسینؑ۔ لہٰذا علیؑ کی تعلیم کو ضرب کہتے ہیں اور حسینؑ کی تعلیم کو سجدہ کہتے ہیں۔ بس یہی دو مکتب فکر ہیں جن سے اسلام میں ادائے حق کی تعلیم ملتی ہے۔ گویا کہیں سر پہ ضرب لگا کے حق ادا کیا جا رہا ہے اور کہیں سر پہ ضرب کھا کے حق ادا کیا جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ کسی تیسرے مکتب سے ایسی تعلیم کا ملنا ناممکن ہے۔

نوجوانو! یاد رکھو!!

یا علیؑ کہنا ہمارا ایمان ہے۔ ہمارا دین ہے۔ ہماری پہچان ہے۔ ہماری علامت ہے۔ جو ہمیں زبردستی غیروں کے ساتھ وابستہ کرنا چاہیے وہ تو کہہ دیتے ہیں کہ یا علیؑ مدد کہنا ضروری نہیں ہے۔ حالانکہ یا علیؑ مدد کہنا تو ہماری دوسروں سے "امتیازی" نشان ہے۔ مگر یا علیؑ کہنے کہنے بھی سوچ لیا کرو

کہ علیؑ نے اُدائے حق میں کیا کیا۔ کہاں تلوار چلا کے حق اُدا کیا اور کہاں تلوار کھا کے حق اُدا کیا۔ کہیں تو علیؑ کی تلوار خیبر کی چولہیں ہلا رہی ہے اور کہیں خندق کو فتح کر رہی ہے۔ کہیں علیؑ کی تلوار اُحد و بدر میں معرکے دکھا رہی ہے اور کہیں علیؑ کی تلوار نیام میں رکھی ہوئی ہے۔ اور اسی تلوار کا مالک خاموشی سے سر جھکائے گردن بندھوائے چلا آ رہا ہے۔ گویا خیبر کے دروازے کو گرانے والا خود اپنے دروازے کو خاموشی سے گرتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے علیؑ کی وہ اُدا جس پہ کائنات مرتی ہے۔ دوسروں کے بچوں اور عورتوں پہ رحم کرنے والا جب اپنی عورتوں اور بچوں کو زخمی دیکھتا ہے تو خاموش کھڑا رہتا ہے۔

یاد رکھو!

علیؑ کے علاوہ کسی اور سے ان اخلاقی ضابطوں کا ملنا ناممکن ہے۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ علیؑ نے کتنی جد وجہد کے بعد خیبر جیسے عظیم قلعہ کا دروازہ توڑ کر اسے فتح کیا ہے۔ حالانکہ علیؑ کو پتہ ہے کہ خیبر کے اندر جس کا میں فاتح ہوں، کروڑوں عربوں روپے کی دولت موجود ہے۔ مگر وہ غیور فاتح خیبر فتح کرنے کے بعد قلعہ کے اندر نہیں جاتا بلکہ خاموش سر جھکائے خیبر کے دروازے پہ کھڑا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی فوج اندر گئی۔ لوٹ مچائی اور جی بھر کے مالِ غنیمت لوٹا۔ چند بزرگوں نے پوچھ لیا۔

"یا علیؑ! تم اَندر کیوں نہیں جاتے حالانکہ تم نے

ھی خیبر فتح کیا ہے ”؟

علیؑ فرماتے ہیں۔

بھئی! اس خیال سے اندر نہیں گیا کہ قلعہ کے اندر خیبر والوں کی عورتیں نہیں لہٰذا مجھے ایسے گھر میں جاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے جہاں کسی کا ناموس ہو۔

بزرگانِ من!

اخلاقی تعلیم کی یہ انتہا ہے کہ خیبر کا فاتح خیبر کے اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے کہ کہیں ان کا کوئی ناموس نہ ہو“

بناؤ!

خیبر کا دَر اُکھاڑ لینے سے زیادہ یہ اَدا شاندار ہے یا نہیں کہ خیبر کا فاتح سر جھکائے دَروازے پہ کھڑا ہے اور دوسرے مسلمان مالِ غنیمت لوٹ رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں ”یا علیؑ! جانے سے ڈرتے ہو؟“

علیؑ مسکرا کر فرماتے ہیں ”دیکھو! جان کی مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ کیونکہ جان تو اَللّٰہ کی دی ہوئی ہے۔ جب چاہے گا لے لیگا۔ مگر آن پہ حرف نہیں آنے دینا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ محمدؐ کا بھائی، محمدؐ کی زبان چوس کر پلنے والا محمدؐ کے سینے پہ کھیلنے والا دوسرے کے زنانے گھر میں چلا گیا“

حضور والا!

علیؑ کی یہ اخلاقی ضرب ہے جو اس نے خیبر میں لگائی تھی اور علیؑ

کی شجاعت کی یہ ادا اس کے بچّوں کو ورثہ میں مل گئی مگر بچوں نے
بھی آن پر جان قربان کر دی۔

بتاؤ!

آن پر جان دینے کی اس سے عمدہ مثال کائنات میں کہاں مل سکتی ہے
کہ ماں نے اپنے بیٹوں کا بازو پکڑا ہوا ہے۔ دروازے پہ کھڑی ہے
اور سامنے دشمن کی فوجوں کا ٹھاٹھیں مارتا لشکر ہے اور ماں اپنے بچوں سے
کہہ رہی ہے۔

"بچّو! میدانِ جہاد میں جاؤ۔ شہادت مُبارک
ہو مگر یاد رکھو! دشمن کی فوجوں کا جُھرمٹ
دیکھ کر ڈگمگا نہ جانا بلکہ ثابت قدم رہنا۔ تم
اپنی زبان سے کچھ نہ کہنا۔ میں تو جب دُودھ
بخشوں گی جب فوجیں چلّا اٹھیں کہ تم علیؑ کے
نواسے ہو۔ جعفرؑ طیار کے پوتے ہو"

یہ سنکر بچّوں نے ماں کے قدم چُوم کر قسم کھائی

"امّاں! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ
ہم ثابت کر دیں گے کہ ہم نے زینبؑ کا دُودھ
پیا ہے"

تاریخ عالم نے یہ منتظر دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد پچاس ہزار فوج
ان دو معصوم بچوں کو گرا کر خوشیاں منا رہی ہے۔ گویا انسانی بے حیائی
کی یہ حد ہے کہ "تین دن" کے بھوکے پیاسے بچوں کو گھوڑے سے
گرا کر پچاس ھزار فوج خوشیوں کے باجے بجا رہی ہے۔ باجوں

کی آواز سن کر خیموں میں کھڑی مستورات سمجھ گئیں کہ زینبؑ کے بچے گر گئے۔ بے ساختہ مستورات کے منہ سے نکلا۔

"ہائے! زینبؑ کے بچے گر گئے"

زینبؑ فرماتی ہیں: "بیبیو! ہائے نہ کہو۔ خدارا کسی کی آنکھ سے آنسو نہ نکلنے پائے۔ دیکھتی نہیں ہو کہ باجوں کے ساتھ میرے بچوں کی بارات آرہی ہے"

تھوڑی دیر بعد بچوں کے لاشے بیت الشرف میں لائے گئے۔ زینبؑ دروازے میں کھڑی لاشوں کو تکتی رہی۔ آخر امامؑ نے فرمایا۔

زینبؑ! دیکھو۔ تمہارے بیٹوں کے لاشے ہیں ذرا ان کے پاس آجاؤ۔ یہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"

زینبؑ آگے بڑھی۔ بچوں کے قریب آئی۔ آخر ماں تھی، دل بھر آیا۔ بڑا بچہ تو ختم ہو چکا تھا۔ چھوٹے میں ذرا دم تھا۔ ماں نے بیٹے کے منہ کے قریب کان لگا دیئے۔ کانپتے ہونٹوں سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے بچہ یہ کہہ رہا تھا

"اماں! آپ تو مطمئن ہونا۔ ہم نے آپ کے دودھ کی آبرو رکھ لی"

زینبؑ جواب میں فرماتی ہیں۔

"بیٹو! مجھے گمان نہیں تھا کہ تم اتنے باعزت ہو۔ میرے لعل! اگر جھڑکا ہو تو مجھے معاف کر دینا"

عزاء دارسید الشہدا !

یہ تو زینبؑ کی قربانی ہے جو علیؑ کی بیٹی ہے۔ جس نے فاطمہؑ کا دودھ پیا ہے۔ مگر غیر خاندان کو دیکھو جو سیدانی نہیں ہے بلکہ اُمتی ہے جس کا جوان بیٹا ہے۔ اب ذرا اٹھارہ سالہ بیٹے کی ماں کے دل سے پوچھو کہ اس کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ جوان بیٹے کی لاش خیمے میں آئی ہوئی ہے۔ تمام سیدانیاں اکبرؑ کے لاشے پہ کھڑی رو رہی ہیں مگر لیلیٰؑ اپنے خیمے میں ہے۔

اکبرؑ نے پوچھا۔

"بابا جان! میرا آخری وقت ہے میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں"

اکبرؑ کی یہ بات سنکر زینبؑ خیمے میں آئی دیکھا کہ لیلیٰؑ کبھی داہنی قنات کے ساتھ سہارا لیتی ہے اور کبھی بائیں قنات کے ساتھ اسی عالم گھبراہٹ میں خیمے میں پھر رہی ہے۔ بلا وجہ کی یہ کیفیت دیکھ کر زینبؑ فرماتی ہیں۔

"لیلیٰؑ! "ادھر آؤ" اکبرؑ یاد کر رہا ہے"

لیلیٰؑ جواب میں فرماتی ہیں "فاطمہؑ کی بیٹی!

میری بینائی ختم ہو چکی ہے اور مجھے خیمے کا پردہ نظر نہیں آتا"

زینبؑ نے لیلیٰؑ کا ہاتھ پکڑا۔ اکبرؑ کے لاشہ پہ لائی۔ لیلیٰؑ نے اکبرؑ کے سینے پہ ہاتھ رکھا خون میں تر ہو گیا اور لیلیٰؑ نے وہی خون آلود ہاتھ اپنے سر کے سفید بالوں پہ مل لیا اور فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! یہ خون آلود بال تیری دادی کے

سامنے لے جاؤں گی۔ میرے لعل! یہ میرا تحفہ
ہے جو میں فاطمہؑ کی خدمت میں پیش کرونگی"
سامعین کرام! یاد رکھو!
جادۂ عقل و علم کے مطابق ضابطۂ اخلاق
کی معراج یہی ہے کہ کہیں ضرب لگا کر حق ادا
کیا جائے اور کہیں ضرب کھا کر حق ادا کیا
جائے۔ کہیں خاموش رہ کر حق ادا کیا جائے
اور کہیں نیزہ پہ سوار قرآن پڑھ کر حق ادا کیا جائے
کہیں جوان بیٹے کے پھسے ہوئے کلیجے سے نیزہ کھینچتے
ہوئے مسکرا کر حق ادا کیا جائے کہیں بڈھے ہاتوں
پہ ششماہے کا لاشہ اٹھا کر حق ادا کیا جائے۔
غرض ہر موقع و محل کے مطابق ادائے حق کو
ضابطۂ اخلاق کی معراج میں عمل کہتے ہیں
جس کی تعلیم صرف علیؑ و حسنینؑ کے مکاتب
فکر سے ہمیں مل سکتی ہے۔ چاہے وہ
ضرب یداللہی ہو یا سجدۂ شبیری ہو
بزرگو!
سانحہ کربلا کو گذرے آج گیارہ دن ہو چکے
ہیں۔ اللہ جانے اہلبیت رسولؐ آج کس عالم
میں ہوں گے۔ آج کس "بازار" سے گذر رہے
ہوں گے۔ آج کس کچہری میں کھڑے ہونگے

خدا معلوم ! بے کس و مجبور قیدیوں کی گردنوں
سے بندھے ہوئے ہاتھ ابھی کسی نے کھولیں ہیں
یا نہیں۔
خدا جانے ! محمدؐ کی بیٹیاں آج کس بازار میں
پھرائی جارہی ہوں گی۔ اللہ جانے ! علیؑ کی بیٹیوں
پہ آج کیا گذر رہی ہو گی۔
خداوندعالم بصدقہ محمدؐ و آل محمدؐ ہماری مجلسوں
کو قبول و منظور فرمائے اور عزاداری سید الشہداء کی حفاظت
فرمائے اور اس عزاداری کو عزت و احترام کے ساتھ باقی رکھے۔
دنیا والو !
ہم تم سے ہنسنے کا حق نہیں مانگتے بلکہ ہم صرف
رونے کا حق چاہتے ہیں۔ دُنیا کی تمام خوشیاں
تمہیں نصیب ہوں، مگر ہمارا رونا ہمیں دے دو
خدارا ! ہمارے آنسوؤں پہ پابندی نہ لگاؤ
ربّنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّد



اَنَا نَاصِرُ یَا رَسُوْلَ اللہ

خداوند عزاسمہٗ و جل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ گرامی قدر!

اللہ نے اپنے رسولؐ کو جب اعلانِ رسالت کا حکم دیا تو فرمایا کہ عوام کو منہ نہ لگاؤ اور نہ ہی پبلک سے ابھی گفتگو کرو۔ بلکہ سب سے پہلے اپنے "اقربین" سے بات کرو۔ گویا رسولؐ کے گرد پہلا اجتماع جو ہُوا وہ "اقربین" تھے۔

سامعین کرام!

علم تاریخ کے عام مفسروں، مبصروں اور محققین سے آج میں یہ پوچھتا ہوں کہ بتاؤ اس آیت کی تعمیل میں رسولؐ نے جو "اقربین" اکھٹے کئے تھے ان کی فہرست کیا ہے۔؟ چنانچہ مورخین نے ہم تک جو فہرست پہنچائی ہے ان میں صرف اولادِ عبد المطلب کے مرد اور خواتین جمع تھے۔ ان کے علاوہ نہ ہی خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی عزیز اس دعوت میں موجود تھا۔ گویا خدیجۃ الکبریٰؑ کا نہ ہونا اور اولادِ عبد المطلب کا ہونا ہی یہ واضح کر گیا کہ رسولؐ کے اقرب کون ہیں۔ خدیجہؑ جتنی ہی محترم بیوی سہی مگر اقربین میں سے نہیں ہیں۔

یاد رکھو!

اب اگر ہم "اقربین" کی مودّت فرض کریں گے تو بیوی کے رشتے کو سامنے نہیں لانا ہو گا۔ گویا آج ہی سمجھ لو کہ اقربین کون ہیں۔

بھر نوع ! اقربین جمع تھے جن میں خواتین بھی تھیں اور مرد بھی تھے مردوں میں حضرت ابولہب بھی تھے، حضرت ابوجہل بھی تھے، حضرت عتیبہ بھی تھے، حضرت شعبہ بھی تھے۔ آخر اقرب تھے۔ یہ اور بات ہے کہ "ع" سے "عقرب" تھے مگر سب اقرب تھے۔ اِدھر قنات کے پیچھے خواتین بھی بیٹھی تھیں جن میں حضرت صفیہ بنت عبداللہ، فاطمہ بنت اسد۔ اُمّ ہانی بنتِ ابی طالب اور چھ مہینے کی بچّی فاطمہؑ بنتِ محمدؐ بھی تھیں۔

خُدا گواہ ہے۔

میں نے خوب غور سے دیکھا۔ ایک ایک لفظ کو ٹٹول ٹٹول کے پڑھا عینکیں لگا لگا کے دیکھا مگر یہی دیکھا کہ اقربین کی اس دعوت میں محمدؐ کی چھ مہینے والی بیٹی تو ہے مگر اس کی بڑی بہنوں کا نام کہیں نہیں ملا۔ گویا آج نہیں ہیں تو آئیندہ بھی نہیں ہیں۔ بہر نوع ان اقربین سے رسولؐ نے خطاب کیا۔

"اے میرے اقربین ! تم میں سے کون میرا ساتھ دینا چاہتا ہے۔ دیکھو! میں غیر کا احسان نہیں اٹھانا چاہتا اس لئے اپنوں سے گفتگو کر رہا ہوں"

صاحبانِ ذوق !

جب رسولؐ نے یہ فرمایا کہ کون ہے جو میرا ساتھ دے گا تو بڑے بڑے بزرگ خاموش ہو گئے اور ایک کونے سے دس گیارہ سال کا بچہ ایڑھیوں پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں کہنے لگا۔

"اَنَا نَاصِرُ یَا رَسُولَ اللّٰہ"

"اے اللہ کے رسول ! میں آپ کا ساتھ دوں گا"

یادرکھو!

اگر بچہ اس وقت یہ کہہ دیتا "اے محمدؐ! میں آپ کا ساتھ دونگا" تو یہ ساتھ صرف محمدؐ کی زندگی تک کا تھا۔ مگر بچے نے یا رسول اللہ کہکر اس بات کا عہد کر لیا کہ جب تک تیری رسالت ہے اس وقت تک میری نصرت تیرے ساتھ ہے"

بہر نوع! بچے نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا تو رسولؐ نے بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔ پیار کیا اور فرمایا "بیٹا! تو نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے ــــــــ لھٰذا

اَنْتَ وَصِیِّیْ "تو میرا وصی ہے"

اَنْتَ وَزِیْرِیْ "تو میرا وزیر ہے۔ اور

اَنْتَ خلیفۃ من بعدہٖ "میرے بعد میرے مشن کا انچارج بھی تو ہی ہے"

رسولؐ نے یہ وعدہ فرما لیا اور بچہ سُن کے خاموش ہو گیا۔ گویا معاہدہ ہو گیا اور اس معاہدہ کے دو فریق ہیں۔ ایک طرف گیارہ سالہ بچہ ہے اور ایک طرف تینتالیس سالہ رسولؐ ہے۔

سامعین!

اب بتاؤ۔ معاہدہ سے پھر جانے کا احتمال کس طرف سے ہے؟

ممکن ہے کہ بچہ اپنی بات کو بدل جائے۔ اور اگر بچہ اپنے کئے ہوئے وعدہ کو ہمیشہ نبھاتا رہے تو رسولؐ کی طرف سے تو (معاذ اللہ) وعدہ خلافی ہو ہی نہیں سکتی اب اگر رسولؐ اپنے وعدہ کے خلاف اسے جانشین بنائے بغیر چلا جائے تو ہم تو ادب سے کچھ نہیں کہیں گے مگر اللہ خاموش نہیں رہے گا بلکہ صاف طور پر

کہہ دے گا۔

"محمدؐ! تم نے اس دن وعدہ کیا تھا لہٰذا اگر جانشین بنائے بغیر چلے گئے تو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا"

صاحبانِ ذوق!

بتاؤ! آج اس بچے کو جانشین بنائے بغیر چلے جانے سے رسولؐ کی پوری رسالت خطرے میں ہے یا نہیں؟۔

بہرکیف بچے نے نصرت کا وعدہ کر لیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وقت آنے پر وہ "بچہ" اپنے اس وعدہ پر کس طرح قائم رہتا ہے۔

دیکھو نا!

جب اس بچے نے نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت گیارہ سال کا سن تھا۔ پیروں پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ جیب میں خرمے کی گٹھلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں آشوب تھا۔ کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ گویا بالکل بچپن کی ادا تھی۔ اِدھر رسولؐ محفل برخاست کر کے چلے اِدھر یہ بچہ رسولؐ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جب رسولؐ مکے کے بازار سے گذرے تو کسی بازاری نے رسولؐ کی طرف انگلی اٹھا کے کہا "یہ ہے وہ رسول جو ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے"

بس بھائیو!

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اِدھر اس آدمی نے یہ فقرہ کہا کہ "یہی ہے وہ رسولؐ جو ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے"، کہ اِدھر سے اس بچے نے جیب سے ایک گٹھلی نکالی اور تاک کے اسے ماردی۔ سینے پہ لگی تو کمر توڑ کر باہر نکل گئی۔ اب

لوگوں نے توبہ کر لی۔ کان پکڑ لیے کہ اگر یہ بچہ محمدؐ کے ساتھ ہوا تو ہم محمدؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

سامعین!

ایک دفعہ میں نے یہ بات مجلس میں کہہ دی تو معترض کہنے لگا۔

"زیدی صاحب! یہ تو حسنِ اعتقاد ہے ورنہ بچے کی پھینکی ہوئی گٹھلی سے کمر ٹوٹ سکتی ہے!"

میں کہتا ہوں۔ اب تمہیں کون سمجھائے کہ اگر ابابیل کے پنجے کی پھینکی ہوئی مسور کے دانے کے برابر والی کنکر سے پورا ہاتھی ٹوٹ سکتا ہے تو بچے کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی گٹھلی سے آدمی کا سینہ کیوں نہیں ٹوٹ سکتا؟۔

اب معترض کہتا ہے، "زیدی صاحب! چھوڑو۔ وہ اور بات تھی"

میں نے پوچھا، "کیا بات تھی"؟

کہنے لگا "زیدی صاحب! وہ تو بیت اللہ کی حفاظت تھی"

میں کہتا ہوں، "بھئی! اگر وہ بیت اللہ کی حفاظت تھی تو یہ رسول اللہ کی حفاظت تھی، وہاں بھی اللہ تھا۔ یہاں بھی اللہ ہے جو اس کی دلیل ہے وہی اس کی دلیل ہے۔

حضور والا!

بچہ رسولؐ کے ساتھ رہا۔ ابھی موقع نہیں کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ بچہ کہاں تک ساتھ دے گا۔ پھر تو ع اسی طرح چند سال اور گذر گئے۔ ایک دن ایسا

آیا کہ رسولؐ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ گویا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ لہذا مکہ چھوڑ کر جانا پڑا۔ اور جانا بھی رات کے وقت ہے تاکہ کوئی دیکھنے نہ پائے چنانچہ ماہ صفر کی آخری رات ہے صبح کو ربیع الاول کا چاند نکلنے والا ہے اور رسولؐ ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں۔

بتاؤ! صفر کی آخری رات کتنی اندھیری ہے۔ آج اس اندھیری رات میں جانا ہے کیونکہ کوئی دیکھنے نہ پائے۔ ادھر دشمنوں نے گھر گھیرا ہوا ہے اور جانا بھی ضروری ہے۔

سامعین!

ہماری اماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں دن کے وقت اپنے گھر میں، اپنی سوئی کھو دیا کرتی تھی اور سورج کی روشنی میں وہ سوئی نہیں مل سکتی تھی مگر رات کو جب رسولؐ گھر تشریف لاتے تھے اور ابھی صحن میں ہی ہوتے تھے تو حجرے میں اتنی روشنی ہوتی تھی کہ دن کی کھوئی ہوئی سوئی رسولؐ کے چہرے کے نور کی روشنی میں مجھے نظر آجایا کرتی تھی۔

اب بتاؤ! (معاذ اللہ) ام المومنین کی کہی ہوئی بات غلط ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ گویا جس رسولؐ کا چہرہ سورج کی شعاعوں سے بھی زیادہ روشن ہو تو ایسے روشن چہرے والا آدمی جس گھر میں سوئے گا تو وہ پورا گھر رات کے وقت دن کی طرح روشن ہو گا یا نہیں؟ اور جب گھر سے باہر چلا جائے گا؟ تو گھر میں اندھیرہ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ گھر گھیرے کھڑے تھے وہ اندھیرا دیکھتے ہی سمجھ جائیں گے کہ رسولؐ گھر سے باہر چلے گئے ہیں۔

لہذا اب رسولؐ کو اس بات کی ضرورت ہے کہ جانے سے پہلے ایسا انتظام کرے کہ اس کے بعد روشنی میں کمی نہ آنے پائے۔ گویا گھر اسی طرح

روشن رہے جس طرح رسولؐ کی موجودگی میں روشن رہتا تھا۔

بہر نوع رسولؐ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ اس کے بعد بھی گھر روشن رہا اب میں اس تفصیل میں کہاں پڑوں کہ کس طرح انتظام فرمایا۔ بہر نوع رسولؐ نے جو مناسب سمجھا کر دیا۔ لیجئے اس روشنی کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے

دیکھو نا!

میں اپنے گھر سے چھپ کر باہر جانا چاہتا ہوں تا کہ کوئی مجھے دیکھنے نہ پائے اور ہاتھ میں جلتا ہوا ایک گیس پکڑ لوں تو بتاؤ۔ وہ گیس کی روشنی مجھے چھپنے دے گی؟ ہرگز نہیں۔ میں چاہے جتنا ہی چھپ کر جاؤں مگر وہ روشنی بتا دے گی کہ میں جا رہا ہوں۔

حضور والا!

سمجھ نہیں آتا کہ رسولؐ نے اپنے گھر میں روشنی کا انتظام تو کر لیا ہوگا مگر خود جس گلی سے گذرے گا تو رسولؐ کے چہرے کی روشنی ہی بتا دے گی کہ وہ جا رہا ہے۔ لہٰذا رسولؐ کو ایسا انتظام بھی کرنا چاہیئے کہ چہرے کے نور کی روشنی چھپی چلی جائے۔ بہر نوع رسولؐ نے جہاں اپنے گھر میں روشنی کا انتظام فرمایا وہاں اپنے ساتھ اندھیرے کا انتظام بھی کر لیا ہوگا۔ تاکہ نور کسی کو نظر نہ آئے اور ظلمات کے سائے میں چھپا رہے

بہر نوع رات کا وقت ہے۔ رسولؐ نے گھر سے جانا ہے اور دشمنوں نے گھر گھیر رکھا ہے مگر جانا بھی ضرور ہے۔

بچو! اب تم ہنسو گے مگر میں کہہ رہا ہوں جو میں نے کہنا ہے۔

دیکھو نا !

میں لاھور سے کراچی پہنچا اور آپ کے گھر میں ٹھر گیا۔ آپ نے میرے لئے بہترین کھانا پکوایا بہترین بستر بچھوایا۔ کھانا کھا کر سونے کیلئے رات کو بستر پہ لیٹ گیا۔ آدھی رات کے قریب گھر کا مالک گھبرایا ہُوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔" زیدی صاحب! غضب ھوگیا۔ دشمنوں نے میرا گھر گھیر رکھا ہے،

میں نے پُوچھا " بھئی۔ خیریت تو ہے۔ بڑے پریشان ھو" وہ بولا" زیدی صاحب! خیریت بالکل نہیں دشمنوں نے مسلح ھوکر میرا گھر گھیر رکھا ہے لہٰذا خطرہ ہے۔

اب بتاؤ!

جب گھر کا مالک اتنا خطرہ محسوس کر رہا ہو تو مجھ مہمان پر کیا گذری ہوگی ؟ یقیناً میں اس سے زیادہ ڈر جاؤں گا۔ لہٰذا میں بھی اٹھ کے بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

" اگر اتنا خطرہ ہے تو میں کیا کروں ؟"

وہ بولا۔" زیدی صاحب! خطرہ بہت زیادہ ہے، دشمنوں نے گھر گھیر رکھا ہے"

میں نے پوچھا " پھر میں کیا کروں ؟"

وہ بولا" میں جا رہا ھوں۔ کیونکہ خطرہ ہے"

میں نے گھبرا کے پوچھا ، میں ؟ "

وہ بولا ، " تم یہیں رہو۔ کیونکہ خطرہ ہے "

سامعین !

بتاؤ۔ اگر میں انکار کر دوں کہ " میں تو اس خطرے میں نہیں رہنا چاہتا " تو میرا یہ کہنا اخلاقاً کوئی بُرا ہو گا؟ ہرگز نہیں۔

بس بھائیو !

اب ساری کائنات کی نظریں علیؑ پہ لگی ہوئی ہیں کہ جواب میں کیا کہتا ہے۔ کیونکہ گھر کے مالک، جس کا چار آدمی لحاظ کرتے ہیں، وہ تو گھر چھوڑ کر جا رہا ہے کیونکہ خطرہ ہے اور دوسرے کو یہ کہتا ہے کہ تم یہیں رہو۔ کیونکہ خطرہ ہے۔

گویا جو جا رہا ہے۔ اس کی عمر تریپن ۵۳ سال کی ہے اور جسے گھر چھوڑ رہا ہے اس کی عمر انیس ۱۹ سال کی ہے۔ جس کے جینے کے دن ہیں۔ زندہ رہنے کا زمانہ ہے۔ اُسے کہا یہ جا رہا ہے۔

" برخوردار ! تم یہیں رہو کیونکہ خطرہ ہے "

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بچہ جواب میں کہتا کیا ہے ؟

مگر کائنات نے دیکھا اور چشم فلک نے ستاروں کی عینک لگا کر دیکھا کہ وہ بچہ جو نصرت کا وعدہ کر چکا ہے۔ رسُولؐ کے کہنے پر کہ " تم یہیں رہو کیونکہ خطرہ ہے " یہ سُن کر مسکرا کر جواب دیتا ہے۔

" محمدؐ ! گھبراؤ نہیں۔ میں یہاں ہوں۔ تم جا سکتے ہو "

بس صاحبان!
بچے کا یہ کہنا تھا کہ کائنات سے " واہ واہ " کی آوازیں آنے لگیں
اور چشم فلک نے ستاروں کی عینک لگا کر یہ منظر دیکھا۔ دنیا بھر نے
سبحان اللہ کہا بہر لوع بچہ یہ کہکر لیٹنے لگا کہ رسول نے فرمایا۔
" بیٹا! ابھی ٹھرو۔ دیکھو نا! تمہارے بستر پہ
کوئی خطرہ نہیں۔ اصل خطرہ تو ہمارے بستر پہ ہے لہذا ہمارے
بستر پہ لیٹ جاؤ"
چنانچہ وہ بچہ رسول کے بستر پہ لیٹ گیا اور فرمایا۔
" قبلہ! میں لیٹ گیا ہوں۔ اب آپ جا سکتے
ہیں۔"
رسول نے فرمایا " نہیں۔ صرف لیٹنا ہی ضروری نہیں
ہے۔ کیونکہ تم " تم " ہو کے لیٹے تو پھر کوئی
خطرہ نہیں لہٰذا تم ہمارے بستر پہ " ہم "
بن کر لیٹو کیونکہ خطرہ ہے"
اور دیکھو!
تم سے اچھی طرح سے " ہم " نہیں بنا جائیگا
لہٰذا ہم خود تمہیں " ہم " بناتے ہیں،
یہ کہکر رسول نے بچے کو لیٹا کر اپنا عمامہ اس کے سرہانے رکھ دیا
اور اپنی چادر اُوپر اُوڑھا دی اور غور سے دیکھا اور فرمایا۔
"کیوں بیٹا! بن گئے ہم"
بچے نے عرض کی " قبلہ! ہاں۔ بن گئے ہم"

اِدھر ہم نے عرض کی: "یارسولؐ اللہ! یہ کیا بنا رہے ہو؟
رسولؐ نے فرمایا "میں اسے "ھم" بنا رہا ہوں"
ہم نے عرض کی "قبلہ! کیا یہ ہم بن گیا؟"
رسولؐ نے فرمایا "نہیں۔ میں نے اسے "ھم" کی شبیہ بنایا ہے"
گویا یہ بچہ محمدؐ نہیں بنا بلکہ محمدؐ کی شبیہ بنا ہے"
ہم نے عرض کی "قبلہ! شبیہ کس طرح بنائی؟"
رسولؐ نے فرمایا "عمامہ رکھ کے، چادر ڈال کے شبیہ بنالی"
گویا عمامہ رکھ کے، چادر ڈال کے شبیہ بنانا سنتِ رسولؐ ہے۔

سامعین!

یہ کہہ کر رسولؐ چلے گئے اور سونے والا بسترِ رسولؐ پر سو گیا۔ اور لبسز کی سلوٹ گواہ ہے کہ صبح تک سونے والے نے کروٹ ہی نہ بدلی اور ادھر کبھی نہ سونے والے نے سونے والے کو دیکھا۔ سونا پرکھا بالکل کھرا سونا بڑا لاجواب سونا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے کہا۔
"محمدؐ! سنتے بھی ہو۔ ایسا سونا روز روز نہیں ملتا لہٰذا آج اسے ہم نا خرید لیں"
رسولؐ نے عرض کی "خداوندا! اگر تو خریدنا چاہتا تو خرید لے"
اعلیٰ حضرت نے کہا "محمدؐ! "سونے والے" سے ہماری بات کروا دو"
چنانچہ محمدؐ نے وہیں سے آواز دی "سونے والے!"

سونے والے نے عرض کی " قبلہ ! کیا حکم ہے ؟ "
رسُول نے فرمایا " سونے والے ! سونا بیچتے ہو؟
سونے والے نے عرض کی " جی ہاں ۔ بیچتے ہیں
رسُول نے پوچھا " کیا لوگے ؟ "
سونے والے نے پوچھا " خریدار کون ہے ؟ "
رسُول نے فرمایا " اللہ "
سونے والے نے پوچھا " وہ کیا دے گا " ؟
رسُول نے فرمایا" تم کیا لوگے " ؟
سونے والے نے کہا " قبلہ ! تم بتاؤ ۔ وہ کیا دیگا ؟
آخر جب بڑی دیر ہو گئی تو سونے والے نے یہ کہہ کر فیصلہ کیا کہ ۔
" جب سونے کا اللہ خریدار ہے تو اس سے جھگڑا کیا کرنا ہے ۔
جو اس کی " مرضی " ہو وہ دے دے "
بہر نوع " خدا کی مرضی " سونے کی قیمت ہو گئی ۔ سونے والے نے عرض کی ۔
" خداوندا ! یہیں ہماری قیمت دو "
خدا نے فرمایا " یوں نہیں ۔ آج ہم تمہیں قیمت نہیں دے سکتے ۔ یہ ہم پر اُدھار رہی ۔ انشاء اللہ قیامت کے دن اُدا کر دیں گے "
سونے والے نے عرض کی ۔ " خداوندا ! سودا پکا کرنے کے لئے کچھ بیانہ چاہئے "
خدا نے کہا " ٹھیک ہے ۔ قیمت تو قیامت میں ملیگی

مگر بطور بیانہ ہم تمہیں "جنّت" دیتے ہیں۔
لہٰذا آج سے تم اسے اپنے قبضہ میں کر و۔

چنانچہ رات کو جنت قبضہ میں آ گئی۔ اب جو صبح کو اُٹھے تو مالکِ جنّت تھے۔ سال بعد جو بڑے گھر کی بیٹی سے شادی ہوئی تو اپنی دُلہن کو مُنہ دکھائی میں وہی رات والی جنّت دے دی۔ گویا شوہر نے حاصل کی اور بیوی خاتونِ جنّت کہلائی۔ اِدھر بیوی نے یہ کیا کہ شوہر والی جنّت کو بچوں کے نام منتقل کر دیا اور رسُولؐ نے انتقال کی تصدیق فرما دی۔

"الحسن والحسین سید اھل الشباب جنۃ"

گویا خُدا کی دی ہُوئی جنت باپؑ نے خریدی ماںؑ خاتونِ جنت بنی اور بچے مالکِ جنّت بنے۔ اب یہ جنّت ان مالکوں کی ہے۔ لہٰذا ان سے شناسا رہنا۔ ان سے واقف رہنا۔ ان سے متعلق رہنا کیونکہ جنّت میں جانے کے لئے ان کی واقفیت کام آئے گی۔

سامعین!

اَب ہم پوچھتے ہیں "خُداوندا! جنّت دے گا؟"
اللہ جواب میں فرماتا ہے "کیوں خوا مخواہ کے لئے میرا سَر کھا تے ہو۔ جاؤ۔ اس سے بات کرو جس نے خریدی ہے۔ "جنّت" جانے اور اس کی "مرضی" جانے کیونکہ میں تو مرضی کے عوض جنت بیچ چکا ہوں۔"

حضور والا!

مکہ سے ہجرت فرما کر رسُولؐ مدینے تشریف لائے اور جہاں جہاں بھی رسُولؐ کو نصرت کی ضرورت پڑتی رہی وہاں وہاں نصرت کا وعدہ کرنے والا رسُولؐ

کی نصرت کرتا رہا۔ گویا جب رسولؐ نے نصرت کے لئے پکارا نصرت کرنے والا
نصرت کے لئے پہنچتا رہا۔

بہر نوع۔ اللہ نے نصرت کرنے والے کو حسنؑ و حسینؑ جیسے دو بیٹے عطا
فرما دیئے۔ اِدھر علیؑ دیکھ دیکھ کے بڑے خوش ہوتے اور فرماتے۔

" یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے حسنؑ و حسینؑ جیسے
فرزند عطا فرمائے ہیں لہذا میں نے جو نصرتِ
رسولؐ کا وعدہ کیا تھا، میرے بعد میرے بیٹے
اس وعدہ کو پورا کریں گے"

صاحبان!

اِدھر علیؑ خوشی کر ہی رہے تھے کہ رسولؐ پر آیہ مباہلہ نازل ہوئی

" اے رسولؐ! جب کل عیسائیوں کے مقابلے میں جاؤ۔ تو

" اَبناءَنا وَ اَبناءَکُم" اپنے بیٹوں کو لے کر جانا

" نِساءَکُم " اپنی نساء کو لیکر جانا۔ اور

" اَنفُسَکُم " اپنی جان کو لیکر جانا"

حضور والا!

اب جو یہ آیت رسولؐ پر نازل ہوئی تو تمام کائنات نے سُنی کہ
رسولؐ کل اپنے ساتھ اپنے بیٹے، نساء اور جان کو لیکر جائیں گے"
لوگوں کو رسولؐ کی جان کی تو پہلے ہی جان پہچان تھی کہ جان بنکر
کون جائے گا۔ اور نساء کے متعلق بھی اطمینان تھا کہ چشم بد دور نو
بیویاں موجود ہیں۔ بیٹی بھی موجود ہے مگر ابناء کے متعلق ہر جگہ تذکرے
ہو رہے تھے۔ کیونکہ اچھے شاگرد اپنے استاد کے بیٹے ہوتے

ہیں۔ اور ا چھے مرُید اپنے پیر کے بیٹے ہوتے ہیں۔

لہٰذا لوگوں نے سوچا ,, آخر ہم رسُولؐ کی اُمّت ہیں۔ کل کو ہم

ہیں سے ہی کوئی بیٹا بنے گا،،

چنانچہ ساری رات مدینے کے بازار کھُلے رہے۔ دُکانوں پہ حجامتیں

بنتی رہیں۔ غسل ہوتے رہے۔ کپڑے بدلے گئے۔ عطر لگائے گئے۔

رات بھر تیاریاں ہوتی رہیں کہ کل کو رسُولؐ کا بیٹا بن کے جائیں گے۔

گویا رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتے رہے اور صبح کی نماز کے وقت مسلمانوں

سے مسجدِ نبوی چھلک اٹھی۔ رسُولؐ نے نماز پڑھائی۔ نماز پڑھنے کے بعد مُڑ کے

دیکھا اور یہ آیت پڑھی ,, وقل ندعو ابنائنا وَ ابنائکم ...... الخ،،

رسُولؐ کی آواز سُنکر ہر صف سے آواز آئی ,, قبلہ! میں بھی ہوں،،

تھوڑی دیر بعد رسُولؐ نے فرمایا ,, حسنؑ بیٹا ! اِدھر آؤ،،

حسنؑ تشریف لائے۔ پھر فرمایا ,, حسینؑ بیٹا! تم بھی آؤ،،

حسینؑ بھی تشریف لائے۔ جب دونوں شہزادے آ گئے تو رسُولؐ نے

ایک شہزادے کو دائیں طرف بٹھایا اور دوسرے شہزادے کو بائیں طرف بٹھایا

ورسامعین کی طرف مسکرا کر فرمایا۔

,, مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ میرے ,, ابناء،، ہیں۔ مسلمانوں میں سے کسی نے

عرض کی ,, قبلہ! ہم ؟،،

رسُولؐ نے فرمایا ,, تم۔ اَب نہ آنا،،

بہرلوع رسُولؐ نے کہہ دیا کہ یہ ہیں میرے ابنائنا۔

اور یا علیؑ! دیکھو۔ تم میری جان بنکر چلو،،

سامعین! رہ گیا نسائنا،، اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ

عربی کی لغت میں لنساء کے تین معنیٰ ہیں "ماں" "بیوی" یا "بیٹی"
اب اگر "ماں" تصوّر کریں تو وہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہی فوت ہو چکی تھی۔ معلوم ہُوا کہ "لنساء" سے مُراد یا تو بیوی ہے یا "بیٹی" اِدھر رسُول نے سوچا کہ اگر بیوی کو لے جاؤں تو بیٹی بُرا مان جائے گی اور اگر بیٹی کو لے جاؤں تو بیوی بُرا مان جائے گی۔ چنانچہ رسُول نے فرمایا:۔

"یا علیؑ! تم میرے ساتھ میری "جان" بنکر چلو۔ حسنینؑ بیٹا! تم میرے ساتھ میرے بیٹے بن کے چلو۔ اور سیدہؑ! تم ہمارے ساتھ "لنساء" بن کے چلو۔ تاکہ ساتھ جانے والوں میں سے کسی کی بیٹی بن جاؤ۔ کسی کی "ماں" بن جاؤ اور کسی کی "بیوی" بن جاؤ۔"

بہر کیف رسُول اپنی "جان" بیٹوں اور لنساء کو لیکر میدانِ مباہلہ سے کامیاب ہوکر گھر کو جو لوٹے تو علیؑ و سیدہؑ بڑے خوش تھے حسنینؑ بھی خوش خوش کھیلتے ہُوئے گھر آگئے۔ اب جو حسنینؑ کو آتے دیکھا تو علیؑ و فاطمہؑ دونوں تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔

بچّوں نے عرض کی "بابا جان! یہ کیا ہو رہا ہے؟
علیؑ و سیدہؑ نے عرض کی! "شہزادو! اس آیت سے پہلے تم ہمارے بیٹے تھے۔ مگر اس آیہ مباہلہ کو اُتار کر اللہ نے تم دونوں کو محمّدؐ کا بیٹا بنا دیا ہے۔ لہٰذا اب تم فرزندِ رسُول ہو۔ اب قیامت تک تمہاری زیارت یہ کہہ کر پڑھی جائے گی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ" لہٰذا اب ہم تمہیں اپنا بیٹا نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں آج سے رسُول کے بیٹے ہو

اس لئے تمہاری تعظیم ہم پر فرض ہے۔

سامعین!

دن گذر گیا۔ رات آئی۔ رات کو دونوں شوہر بیوی۔ علیؑ و فاطمہؑ وضو کر کے مصلّے بچھا کر بیٹھ گئے اور خداوند عزّ اسمہٗ وجل جلالہٗ کی خدمت میں عرض کرنے لگے۔

" خداوندا! ہم تو خوش تھے کہ تو نے ہمیں حسنؑ و حسینؑ جیسے فرزند عطا کئے ہیں مگر آج آیہ مباہلہ کے بعد حسنینؑ محمدؐ کے بیٹے ہوگئے"

علیؑ نے کہا " خداوندا! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ جب حسنؑ و حسینؑ محمدؐ کے بیٹے ہیں تو ایک بیٹا مجھے بھی عطا کر دے جو دُنیا میں میرا بیٹا ہو کے رہے۔ چونکہ میں نے محمدؐ کی نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا ایسا بیٹا عطا فرما جو میرے بعد محمدؐ کے بیٹوں کی نصرت کے وعدے کو پورا کرے"

اِدھر سیّدہؑ نے دُعا کی۔" خدُاوندا! علیؑ کو ایسا بیٹا دینا جو علیؑ کا وارث بنے۔ مگر مجھے بھی ایک بیٹی دے دے جو میری وارث بن کے رہے۔

خدا نے کہا۔" علیؑ تمہاری دُعا بھی قبول ہوگی اور سیّدہؑ تمہاری دُعا بھی منظور ہوگی۔ تم دونوں کو ایسے بیٹے دوں گا جو قیامت تک تمہارے نام کو زندہ رکھیں گے۔

سامعین کرام!

میں اپنی گفتگو کو یہاں آکر ختم کرتا ہوں کہ ایک دن حضور امیر علیہ السلام نے اپنے بڑے بھائی جناب عقیلؑ کو بلوا بھیجا اور جب عقیلؑ تشریف لائے

تو عرض کی۔

" عقیلؑ بھائی! تم میرے بڑے بھائی ہو اور بڑا بھائی دُنیا میں باپ کے برابر ہوتا ہے۔ آج میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ عرب کے تمام قبیلوں سے واقف ہیں لھٰذا آپ میری شادی کسی ایسے قبیلے میں کروادیں جو عرب بھر میں شجاعت میں مُسلّم ہو تاکہ بہادر قبیلہ کی خاتون سے جو میرا بیٹا پیدا ہو وہ میری "بہادری کا وارث" کہلائے

عقیلؑ نے جواب دیا۔

" یا علیؑ! عرب میں بہادر ترین قبیلہ "بنی کلاب" ہے لہٰذا میں آج ہی اِن کے پاس جاکر تمہاری خواستگاری پیش کرتا ہوں"

سامعین!

قبیلہ بنی کلاب بڑا ہی بہادر قبیلہ تھا اور عرب کے مشہور بہادر اپنی تلواروں پر اس قبیلے کے بہادروں کے نام کندہ کروایا کرتے تھے۔ گویا بہادر قبیلہ تھا اتفاق سے ان دنوں مدینہ کے قریب ہی بنی کلاب ٹھہرا ہوا تھا۔ چنانچہ صبح کو عقیلؑ وہاں پہنچے اور ایک نخلستان میں جا کے بیٹھ گئے اور سردار قبیلہ کو اطلاع کر دی۔ شیخ قبیلہ اپنے جوانوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ جب اس نے دیکھا کہ عقیلؑ ابنِ ابی طالبؑ ہیں تو فوراً پاؤں پہ گر گیا اور عرض کی۔

" ابی طالبؑ کے شہزادے! بیضنۃ البلد کے بیٹے! امام العرب کے بیٹے! سیّد القوم کے فرزند! آپ ہمارے قبیلے کے پاس آئے ہیں۔ ہماری

عزّت بڑھی ۔ غلاموں کے خیمے موجود ھیں لھٰذا
ھمارے خیموں میں فروکش ھوں ۔"
چنانچہ عقیلؑ شیخ قنبیلہ کے خیمے میں تشریف لائے اور تین دن کی مہمانی
کے بعد شیخ قنبیلہ دست بدستہ سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا ۔
" حضور ! ھے تو گستاخی مگر پوچھ سکتا ھوں
کہ حضور نے کیوں تکلیف فرمائی ؟
عقیلؑ نے کہا " شیخ ! تم علیؑ ابن ابی طالبؑ کو جانتے ہو ؟
شیخ نے عرض کی " سبحان اللہ ۔ علیؑ کو کون نہیں جانتا ۔ کوئی
بے جان ہی ہو گا جو علیؑ کو نہ جانتا ہو ۔"
عقیلؑ نے کہا " شیخ ! تمہارے خاندان میں علیؑ کی
شادی کرنا چاھتا ھوں ۔"
شیخ قنبیلہ حیران ہو کے پوچھتا ہے ۔
" قنبلہ ! علیؑ کی شادی ھمارے خاندان میں چاھتے
ھیں ؟ ھمارے خاندان کی اتنی عزت کہ علیؑ ھمارا
داماد بنے ؟ حضور ! میری ایک ھی لڑکی ھے اسے
اپنی غلامی میں قبول فرمائیے گا "
یہ کہہ کر شیخ قنبیلہ گھر آیا اور بیوی سے کہنے لگا ۔
" سنتی بھی ھو ۔ بیٹی کا رشتہ آیا ہے ۔ مبارک ہو "
بیوی نے پوچھا " کھاں سے آیا ھے ؟"
شیخ نے کہا " پہلے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھو ۔ پھر بتاؤں گا "
چنانچہ جب خاتون نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو شیخ کہتا ہے ۔

"علیؑ کا رشتہ آیا ہے"
بیوی پوچھتی ہے "کون علیؑ؟"
شیخ کہتا ہے "علیؑ ابن ابی طالبؑ"
یہ سُنکر بیوی حیران ہو کر پوچھتی ہے۔
"شیخ! وہی علیؑ جو محمدؐ کا داماد ہے؟" "وہی ہمارا داماد بنے گا۔ سبحان اللہ! اس رشتے سے بہتر تو کوئی رشتہ ہے ہی نہیں"
چنانچہ لڑکی سے جب پُوچھا گیا تو اس نے جواب دیا۔
"میں اتنا جانتی ہوں کہ رات خواب میں ایک خاتون میرے پاس آئی تھی۔ جس نے مجھے دُلہن بنایا اور فرمایا تھا۔
"مبارک ہو۔ تو میرے بیٹے کی ماں بنے گی"
بہر نوع رشتہ منظور ہو گیا۔ نکاح ہوا اور ام البنین کو بنی ہاشم اپنے جھرمٹ میں لیکر علیؑ کے گھر لائے۔ ڈیوڑھی کے سامنے ناقہ بٹھایا گیا۔ ام البنین محمل سے اُتریں۔ چوکھٹ کو چُوما اور چوکھٹ پہ جا کے بیٹھ گئی۔ بنی ہاشم نے کہا۔ "بی بی! اندر چلیئے"
امُ البنین نے فرمایا "نہیں۔ اس گھر کی مالکہ فاطمہؑ ہے۔ میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ سی کنیز ہوں۔
زینبؑ آگے بڑھی اور عرض کی "اماں آؤنا"
امُ البنین نے کہا "بی بی! مجھے اماں نہ کہو۔ میں تمہاری کنیز ہوں۔ تمہارے باورچی خانے میں خدمت کرنے آئی ہوں۔

بہر کیف اُم البنین علیؑ کے گھر میں آگئیں اور ایک سال بعد خدا نے بطن ام البنین سے علیؑ کو ایک بیٹا عطا فرمایا۔ علیؑ مسجد میں تھے کہ ایک خاتون نے عرض کی۔

"یا علیؑ! مبارک ہو۔ خدا نے بیٹا عطا فرمایا ہے۔"

چنانچہ علیؑ گھر میں پہنچے۔ اُم البنین کی گود میں بیٹا دیکھ کر فرمایا۔

"ماشاء اللہ۔ وہی ہے جس کی مجھے تمنّا تھی"

اُم البنین نے عرض کی۔

"یا علی! بچّہ تو بڑا حسین مگر اس نے ابھی تک آنکھ نہیں کھولی۔"

علیؑ نے فرمایا۔"آنکھ کس طرح کھولتا۔ آخر میرا بیٹا جو ہوا۔"

یہ کہکر علیؑ نے فضہؓ سے فرمایا۔

"فضّہؓ! ذرا میرے حسینؑ کو تو بلاؤ"

حسینؑ تشریف لائے۔ علیؑ نے فرمایا۔

"حسینؑ! بھائی مُبارک ہو"

حسینؑ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلائے۔ اور فرمایا۔

"اَمّاں! میرے بھائی کو میری گود میں دو"

اُم البنین نے بچّے کو آگے پھیلا دیا۔ اِدھر بچّے نے آنکھیں کھولنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ حسینؑ کی طرف پھیلا دیئے۔ گویا بچّہ یہ کہہ رہا تھا "مولا! آنکھیں تو بعد میں کُھلتی رہیں گی پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ قبول فرمایئے گا"

حسینؑ نے بچّے کو گود میں لیا اور بچّے نے آنکھیں کھول دیں۔ اِدھر

علیؑ دیکھتے رہے اور آنسو پونچھتے رہے۔ اور بچہ حسینؑ سے اس طرح چمٹ گیا جیسے پرانا واقف ہو۔

بہر کیف حسینؑ کی گود سے علیؑ نے اٹھایا۔ ایک کان میں اذان کہی اور ایک کان میں اقامت کہی۔ جب اذان و اقامت کہہ چکے تو بی بی زینبؑ نے عرض کی۔

"بابا جان! یہ بچہ مجھے دو"

چنانچہ بھائی کو زینبؑ نے گود میں لے لیا اور بچے کے کان میں بڑی دیر تک بات کرتی رہی۔

علیؑ نے پوچھا "زینبؑ تم نے کیا بات کی؟"

زینبؑ نے عرض کی۔

"بابا جان! میں نے اماں کی وصیت پوری کی ہے کہ وہ مرتے وقت کہہ گئی تھی کہ "ام البنین" کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہو گا جس کا نام عباس ہو گا۔ جب وہ پیدا ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ لہٰذا میں نے کہا ہے۔

"عباس بھائی! اماں سلام کہتی تھی۔

عباس بھائی! تو ہی میری چادر کا نگہبان ہو گا"

بہر کیف بچہ پلتا رہا۔ جب تین چار سال کا ہوا تو ام البنین نے بچے کو سمجھایا کر۔

"بیٹا! جب تم زینبؑ کے سلام کو جایا کرو تو نظریں پاؤں سے اوپر نہ جانے پائیں۔

دیکھو! وہ شہزادی ہے اور تو کنیز زادہ ہے۔ بیٹا!

کہیں حسینؑ کے برابر نہ بیٹھ جانا "

عزادارِ سیّدالشہداءؑ!

مظہر العجائب باپ کا مظہر العجائب بیٹا، حسینی سرکار کا اسی طرح محافظ تھا جس طرح رسولؐ کے دربار کا علیؑ محافظ تھا۔ اگر حسینؑ کہیں خط لکھنے تو کاتب عباسؑ ہوتے۔ اگر حسینؑ کہیں جہاد میں جاتے تو سپہ سالار عباسؑ ہوتے۔ اگر حسینؑ گھر میں بیٹھتے تو گھر کا منتظم عباسؑ۔ حسینؑ کے بچوں کا بہلانے والا عباسؑ۔ حسینؑ کی مستورات کو تسلی دینے والا عباسؑ۔ غرض حسینی سرکار کے تمام کام اس نوجوان کے سپرد تھے۔ گویا مظہر العجائب کا مظہر العجائب بیٹا تھا۔ آج ہم بھی اسے مظہر العجائب مانتے ہیں۔

خدا شاہد ہے۔ جو لطف "یا علیؑ" کہنے میں آتا ہے۔

وہی لطف "یا عباسؑ" کہنے میں آتا ہے۔ گویا عباسؑ اسی طرح "مشکل کشا" ہے۔ جس طرح "علیؑ" مشکل کشا ہے۔

بزرگانِ من!

جو صاحبان کربلا کی زیارت کر چکے ہیں وہ ذرا اپنے تصوّر میں کربلا کے شہر کو لائیں تو پتہ چلے گا کہ عباسؑ غازی کربلا میں کس شان سے ہیں۔ گویا کربلا کا شہر دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح مشرقی بادشاہوں کے شہر ہوں۔ سارا شہر چاروں طرف ہے اور درمیان میں شہنشاہ کا محل ہے جسے بڑا "حرم" کہتے ہیں۔ اگر شہنشاہ کے محل میں داخل ہوں تو سامنے شہنشاہ کے پرائیویٹ سیکرٹری "حبیبؓ" کا روزہ ہے اندر جائیں تو شہنشاہ کی آرام گاہ ہے۔ اور ساتھ ہی باڈی گارڈ کا رسالہ ہے جسے گنج شہیداں کہتے ہیں۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر

حسینیؑ سرکار کی زنانہ محل سراء ہے جسے خیمہ گاہ کہتے ہیں۔ شہر سے باہر کھلے میدان میں حسینیؑ سرکار کا مہمان خانہ ہے جس میں حُرؓ مہمان ٹھہرا ہوا ہے اور نہر کے کنارے حسینیؑ سرکار کے کمانڈر انچیف کا بنگلہ ہے جس پر آج بھی حسینیؑ سرکار کا پرچم لہرا رہا ہے۔

بہر نوع وہ بڑے حضور کی درگاہ ہے۔ اور یہ چھوٹے حضور کا حرم ہے

سامعین!

میں ایک دن سیدالشہداءؑ کے حرم میں گیا۔ ضریح پکڑ کر عرض کی۔

مولاؑ! تو نے کتنا شاندار شہر بسایا ہے۔ دُنیا بھر کے زائرین تیرے سلام کو آتے ہیں۔ سامنے چھوٹے بھائیؑ کا روزہ ہے۔ خیمہ گاہ بھی ہے۔ گویا ہر شے اپنی جگہ پر مناسب ہے۔ مگر

مولاؑ! ایک کسر رہ گئی۔ اگر وہ بھی پوری ہو جاتی تو تیرے شہر جیسا شہر کوئی نہیں تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر دونوں "بھائیوں کی قبروں کے بیچ میں زینبؑ کا روزہ بھی ہوتا تو کیا شان تھی"

مولاؑ! کمال ہو جاتا کہ زینبؑ کے روزہ پہ بیٹھ کر تجھے بھی رو لیتے اور عباسؑ کو بھی رو لیتے"

حضور والا!

میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً خیال آیا کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں بھائیوں نے کربلا فتح کیا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں اپنے مفتوحہ علاقے میں ہیں اور زینبؑ نے چونکہ شام فتح کیا ہے۔ اس لئے وہ اپنے مفتوحہ علاقے میں ہے گویا سیدالشہداءؑ اور عباسؑ غازی اپنی بہن زینبؑ

کی زیارت کو شام جاتے ہیں اور بی بی کربلا میں تشریف لاتی ہیں۔

اوریا د رکھو!

عباس غازی حسینی فوج کا کمانڈر انچیف ہے اس لئے ہم نے لحاظ رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سید الشہداء اور دوسرے آئمہ طاہرین کی نذر میں دی ہوئی چیز کو ہم "نیاز" کہتے ہیں اور جناب عباس غازی کی نذر میں دی ہوئی چیز کو ہم "حاضری" کہتے ہیں۔ لفظ "حاضری" اصطلاحی لفظ ہے کیونکہ اگر بادشاہ کی خدمت میں جائیں تو اسے نیاز کہتے ہیں اور اگر سپہ سالار کی خدمت میں جانا ہو تو اسے حاضری کہتے ہیں۔

عزادار سید الشہداء!

بی بی زینب کو عباس غازی پر اتنا اعتماد تھا کہ شب عاشور زینب نے تمام عورتوں کو اپنے خیمے میں بلا کر کہا۔

"بی بیو! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے پردے کی میں ذمہ دار ہوں کیونکہ عباس جیسا میرا بھائی موجود ہے"۔

زینب کی یہ بات سنکر تمام خواتین خاموش ہو گئیں۔ وقت گذرتا گیا صبح عاشور آ گئی اور میدانِ شہادت گرم ہو گیا۔ جب تمام عزیز و اقارب جامِ شہادت پی چکے تو عباس علمدار حسینی سرکار کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔

"مولا! میری تمام فوج ختم ہو گئی لہٰذا میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔ مولا! مجھے اجازت دو

کیونکہ کوثر پہ میرے سپاہی میرا انتظار کر رہے ہیں۔

حسینؑ نے جواب دیا۔

"عباسؑ! تم میرے علمبردار ہو"

عباسؑ نے عرض کی۔

"مولا! وہ فوج اب کہاں ہے جس کا میں علمبردار ہوں"

عباسؑ کا یہ فقرہ سنکر امامؑ نے سوچا کہ اگر عباسؑ کو روک لیا تو وہ غم سے ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ حکم تو دے دیا کہ "تم جا سکتے ہو" مگر لڑائی سے روکنے کے لئے یہ بھی کہہ دیا کہ "عباسؑ بھائی! اگر ہو سکے تو بچوں کی مشک پانی سے بھر لو"

سامعین!

میں نے آج تک مقتل کی کسی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ مولا نے عباسؑ سے یہ کہا ہو کہ "مشک میں پانی لا دو" بلکہ یہی فرمایا کہ "مشک میں پانی بھر لو۔" کیونکہ اگر پانی "لے آؤ" کا حکم ہوتا تو پانی لازماً آتا۔ مگر یہاں صرف مشک بھرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ عباسؑ خیمے میں آئے اور سکینہؑ کا مشکیزہ اٹھا کر نہر کی طرف چل پڑے ادھر سکینہؑ نے تمام بچوں سے کہہ دیا۔

"بچو! گھبراؤ نہیں۔ میرا چچا سقا بن کے جا رہا ہے۔ پانی ضرور ملے گا"

چنانچہ سب بچے خالی کوزے لیکر سکینہؑ کے گرد کھڑے ہو گئے اور عباسؑ نے روانگی پہ بی بی زینبؑ کو سلام کیا حسینؑ کو سلام کیا اور جب اپنی زوجہ کے خیمہ میں پہنچے تو دیکھا کہ فضلؑ پاس بیٹھا ہے اور زوجہ

یہ کہہ رہی ہے۔

"سرتاج! تم نے بڑی دیر کر دی"

عباسؑ نے کہا۔

"فضلؑ کی ماں! میرے لئے تو "بیوہ" ہو جائے گی"

حضورِ والا!

ایک شاعر عالمِ ارواح میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ جب عباسؑ نے کہا کہ فضل کی ماں! تو بیوہ ہو جائے گی" تو بی بی جواب میں فرماتی ہیں

کچھ غم نہ کریں آپ پہ پروان چڑھیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

بہر نوع عباسؑ گھوڑے پہ سوار ہوئے۔ میدان میں پہنچے اور علم کا پنجہ برابر خیمے کے صحن میں نظر آرہا ہے۔ زینبؑ کی نظر علم کے پنجے پر جمی ہوئی ہے۔ یتیم بچے اپنے ہاتھوں میں خالی کوزے لئے خیموں سے باہر نکل کر عباسؑ کے علم پر نظریں جمائے کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد علمدار حسینیؑ نہر کے اندر پہنچ گیا۔

صاحبانِ ذوق!

بتاؤ۔ ایک آدمی تین دن کا پیاسہ ہو، گرمی کا موسم ہو۔ اور بیس ہزار آدمیوں سے لڑ کر جب نہر میں پہنچا ہو تو اس کی پیاس اپنے پورے شباب پر ہو گی یا نہیں؟ یقیناً پانی کو دیکھ کر پیاس کی شدت بڑھ چکی ہو گی ——— مگر دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ عباسؑ نے جھک کے مشک بھری۔ تسمہ باندھا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو بھیگ چکے لہٰذا ہاتھوں کو لوہے کی زرہ

سے صاف کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کے دُعا کی۔

"خدا وندا! میری انگلیاں حسینؑ کے بغیر بھیگ گئی ہیں جو "وفا" کے خلاف ہے۔ لہٰذا اب جو میرا اور حسینؑ کا سامنا ہو تو یہ ہاتھ میرے ساتھ نہ ہوں"

بزرگانِ من!

عباسؑ کی یہ ادا دیکھ کر کائنات جھُوم اُٹھی اور چشمِ فلک نے سناروں کی عینک لگا کر اس منظر کو دیکھا۔ چاروں طرف سے "سبحان اللہ، سبحان اللہ" کی صدائیں بلند ہونے لگیں کیونکہ ساری دنیا کی تاریخ ایک طرف ہے اور یہ واقعہ ایک طرف ہے۔ لہٰذا آج میں جناب امیرؑ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

"یا علیؑ! خیبر کا "اکھاڑنا" ایک طرف ہے، "مرحب" کا پچھاڑنا ایک طرف ہے "بسترِ رسُولؐ" پہ سونا ایک طرف ہے۔ مگر

"اپنی پیاس میں دریا سے پیاسہ نکل آنا اور بات ہے"

بھائیو!

یہ مثال کہیں اور ملتی ہو تو بتا دُ؟ ۔ بہر نوع عباسؑ غازی پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیموں کی طرف بڑھنے لگے اِدھر سکینہؑ نے چچا کو آتے جو دیکھا تو بلند آواز میں کہا۔

"بچو! وہ دیکھو میرے چچا پانی لیکر آرہے ہیں"

چنانچہ بچے ایڑھیاں اُبھار اُبھار کر علم کو دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد زینبؑ نے دیکھا کہ علم کبھی داہنے جُھکتا ہے۔ اور کبھی بائیں جُھکتا ہے۔ اب جو علم کو اس طرح ڈگمگاتے دیکھا تو زینبؑ نے آواز دی۔

"حسینؑ! علم کو کیا ہو گیا؟"

حسینؑ نے وہیں سے آواز دی۔

"زینبؑ! دیکھ تو میں بھی رہا ہوں مگر میری کمر ٹوٹ گئی۔ مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں وہاں جا سکوں"

عزادارِ سیدالشہداءؑ!

تھوڑی دیر بعد حسینؑ لاشے پہ پہنچے۔ اور خالی علم لیکر گھر واپس آگئے ادھر بچوں نے جو خالی علم دیکھا تو ان کے ہاتھوں سے خالی کوزے گر پڑے سکینہؑ نے کہا۔

"بچو! مجھے معاف کرنا۔ میں نے جس بھروسہ پہ کہا تھا وہ ختم ہو گیا۔"

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد



شجرہ طیبہ

خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام

محترم سامعین!

اللہ نے انسان کے اندر بہت سی طاقتیں ودیعت کی ہیں۔ یہ تمام خلائی اور فضائی طاقتیں انسان کے تابع فرمان ہیں۔ گویا انسان اتنا طاقتور ہے۔ اور بے طاقت اتنا ہے کہ ذرا سا ٹمپریچر بڑھ جائے تو بے کار ہو گیا۔ اگر معمولی سا سر میں درد ہو گیا تو معطل ہو گیا۔ نڈر اتنا کہ نا ڈرنے پہ آئے تو چاند پہ پہنچ جائے اور ڈرپوک اتنا کہ، سانپ کے قریب سے گذرے تو چیخ نکل جائے۔ گویا نہ ہی اس کے ڈرپوک ہونے کی کوئی حد ہے۔ پھر نوع انسان جیسی طاقتور شے نے کس طرح گوارا کر لیا کہ وہ پتھر کو پوجنا شروع کر دے۔ اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بیٹھا رہے۔

نوجوانو! زمانۂ جاہلیت کی بات نہیں ہے بلکہ آج کل کے پڑھے لکھے دور میں بھی ایسا ہو رہا ہے۔ آج کے تہذیب و تعلیم اور ترقی کے زمانہ میں کروڑہا انسان ایسے ہیں جو پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑ کے بیٹھے ہیں۔

سامعین!

اگر تم میری اس بات کی دلیل چاہتے ہو تو اپنے ہمسایہ ملک (بھارت) میں جا کے دیکھ لو کروہ لوگ اگر اسمبلی میں تقریر کریں تو دنیا بھر کو حیران کردیں

سیاسی باتیں کریں تو دُنیا کا مزاج چکرا دیں اور اگر گھر جائیں تو پتھر کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھے رہیں۔

ہم پوچھتے ہیں۔ پنڈت جی! کیوں اس پتھر نامراد کو پوج رہے ہو"؟

پنڈت جی پورے فلسفیانہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ:۔

"مسلمانو! تم نے سمجھا ہی نہیں۔ کون کہتا ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں"

ہم نے عرض کی:۔

پنڈت جی! ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم پوج رہے ہو اس میں کہنے کی کیا بات ہے۔ اور اگر ہم نہیں سمجھے تو آپ ہی سمجھا دیں"۔

پنڈت جی کہتے ہیں۔

"اصل بات یہ ہے کہ میں گناہ گار ہوں اور میرا اللہ جو ہے وہ "پرماتما" ہے "پراکشور" ہے۔ اور یہ بت میرا اللہ نہیں ہے اور چونکہ میں ایک گناہ گار ہونے کی حیثیت سے اللہ کے حضور میں جانے سے شرماتا ہوں اس لئے اس بے گناہ کو میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان "وسیلہ" بنایا ہے۔

ہم نے پوچھا "پنڈت جی! اس پتھر کو کیوں وسیلہ بنایا ہے"؟

پنڈت جی نے کہا۔

"دیکھو نا۔ خواہ میں کتنا ہی بڑا گناہ گار سہی مگر یہ پتھر بے گناہ ہے"

سامعین!

پنڈت کی بات سن کر میں بھی قائل ہو گیا کہ گناہ گار کو وسیلہ بنانے

سے پتھر پوجنا ہی بہتر ہے ۔ کم از کم اس میں شعور کی بات تو ہے عقل کی بات تو ہے ۔

پھر نوع انسان پتھر کو پوجنے لگا جو انسان کے بے عقل ہونے کی آخری منزل ہے ۔

اب بتاؤ ! یہ قانونِ عدل کی توہین ہے یا نہیں

کہ پتھر اللہ کی جگہ پہ پہنچ گیا اور انسان پتھر کا بندہ ہو گیا ۔ یہ انتہائی ظلم ہے یا نہیں کہ حقیقی معبود کو چھوڑ کر پتھر کو خدا بنا لیا ۔ یہ قانونِ عدل کے انتہائی خلاف ہے یا نہیں کہ انسان پتھر کا بندہ بن گیا ؟

صاحبان !

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان نے پتھر کو خدا کیوں بنا لیا ؟

اس کا جواب یہی ہے کہ انسان فطرتاً " ٹوکنے والے " سے بھاگتا ہے اور " نا ٹوکنے والے " سے محبت کرتا ہے ۔ ادھر اللہ چونکہ ٹوکتا بہت ہے کہ نماز کیوں نہیں پڑھی ، روزہ کیوں نہیں رکھا ، فلاں کا حق کیوں غضب کیا ، فلاں سے فریب کیوں کیا ؟ اس لئے انسان نے سوچا کہ " ٹوکنے والے " اللہ کو چھوڑ کر اسی " نا ٹوکنے والے " پتھر کو پوجو جو ٹوکتا ہی نہ ہو ۔ توڑ دو تو برا نہیں کہتے ۔ اور پوج لو تو شاباش نہیں کہتے ۔ جہاں بٹھاؤ وہیں بیٹھ جائیں گے ۔ کعبہ میں بٹھاؤ بیٹھ جائیں گے اور مندر میں بٹھاؤ بیٹھ جائیں گے غرض نہ ہی ان خداؤں کو اپنی حیثیت کا علم ہے اور نہ ہی اپنی جگہوں کا پتہ ہے کہ ہمیں یہاں بیٹھنا چاہیئے یا نہیں ۔ ہر حالت میں لوگوں کے محتاج ہیں کہ انہوں نے جہاں چاہا انہیں بٹھا دیا ۔

سامعین ! ایک دن عالمِ تصور میں ہم ان " نا ٹوکنے والے " خداؤں

سے گفتگو کر رہا تھا۔

"انسانوں کے بنائے ہوئے خداؤ! کعبہ میں کیوں بیٹھ گئے۔ یہاں تمہاری جگہ تھوڑی ہے!"

بتوں نے جواب دیا:۔

حضور! ہم خود تھوڑا ہی آئے ہیں۔ لوگوں نے بٹھایا۔ ہم بیٹھ گئے۔ تم ہمیں کیوں خواہ مخواہ کے لیئے جھڑک رہے ہو؟"

ہم نے پوچھا۔

"پھر نکلتے کیوں نہیں ہو"؟

بتوں نے کہا:۔

صاحب! نہ خود آئے ہیں اور نہ ہی خود جائیں گے۔ لوگوں نے بٹھایا ہے۔ بیٹھ گئے اور جب کوئی نکال دے گا، چلے جائینگے"

ہم نے کہا۔

"بتو! تم جو یہاں بیٹھے ہو۔ تم میں کوئی کمال بھی ہے؟"

اُنہوں نے جواب دیا:۔

"صاحب! ویسے ہم ہیں پتھر مگر ایک کمال ہے ہم میں کہ اگر جنگ ہو رہی ہو۔ بم سے بم برس رہے ہوں۔ ٹینک سے ٹینک ٹکرا رہے ہوں اور دُنیا پہ تباہی آرہی ہو تو تم ہمیں پتھر کے بتوں کو میدان جنگ میں لے جاؤ اور جا کے رکھ دو تو ہم چُورا چُورا ہو جائیں گے پس جائیں گے تباہ ہو جائیں گے مگر میدان چھوڑ کر واپس نہیں آئیں گے۔ ہماری اس اَدا پہ دُنیا مَرتی ہے"

بہر نوع انسان کے بنائے ہوئے یہ خدا نہ تو کسی کو ٹوکتے ہیں اور نہ ہی

کسی پر ظلم کرتے ہیں۔ مگر انسان نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ خدا کی جگہ پتھر کو پوجا اور یہ اس لئے کہ خدا ٹوکتا ہے اور پتھر ٹوکتا نہیں۔ اور فطرتاً انسان مانوس ہوتا ہے "نا ٹوکنے والے" سے اور بچتا ہے "ٹوکنے والے" سے تو یاد رکھو! انسان کی جب دس بیس پشتیں "نا ٹوکنے" والے خدا کو پوجتی رہیں تو جب دو ایسی چیزیں اس کے سامنے آئیں گی۔ ایک ہو "ٹوکنے والی" اور ایک ہو "نا ٹوکنے والی" تو بت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی کہ ہمیں "نا ٹوکنے والی" کافی ہے۔

محترم بزرگو!

انسان نے یہ خلافِ عدل حرکت کی کہ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجا اور یہ صرف اس لئے کہ اس کے مزاج میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ "نا ٹوکنے والے" کو پسند کرتا ہے اور "ٹوکنے والے" کو ناپسند کرتا ہے ورنہ کوئی احمق ایسا نہیں ہے جو بسلامتیٔ ہوش و حواس، انسان ہوتے ہوئے پتھر کو کہے کہ "تو خدا ہے"

ایک چیز اور ہے جس کی انسان نے ضد کی ہے کہ یہ جو شے بناتا ہے اسکی قدر بہت کرتا ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں سے بُت تراشا اور پھر اس کی عزت اتنی کی کہ دنیا سے پوجوا دیا۔ گویا ہر بنانے والے کو اس کی عزت کا بڑا خیال ہوتا ہے۔ جو جسکو بناتا ہے وہ چاہتا ہے اس کی عزت بنے۔ جس شے کو بندے بنائیں۔ وہ چاہتے ہیں اس کی عزت بنے۔ اور جسے اللہ بنائے وہ چاہتا ہے اس کی عزت بنے۔ بہر نوع ہر بنانے والے کو اپنے بنائے ہوئے کی عزت کا پاس ہوتا ہے ورنہ اگر انسان میں ذرا سا عقل شعور ہو تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ فلاں چیز کہاں ہونی چاہیئے۔ پتھر کہاں

ہونا چاہیئے ۔ حیوان کہاں ہونا چاہیئے اور انسان کہاں ہونا چاہیئے ۔ گویا
" چاہیئے " ہی کا نبھانا عین عدل ہے اور یہی اصل عقل ہے ۔

سامعین !

ایک حدیث سنو کہ کون سی شے کہاں ہونی چاہیئے ۔

ایک روز حضور سرورِ کائنات مسجد میں تشریف فرما ہیں اور اصحابؓ کبار کا مجمع سامنے ہے اور کتنی ہے متبرک وہ محفل جس میں ذاکر ہو رسوُل اور سامعین ہوں اصحابِ رسوُل ۔ اور کتنی نورانی ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے نورِ جمال سے رسوُل کو دیکھا اور کتنے متبرک ہیں وہ ہاتھ جنہوں نے خلوص و ایمان کے ساتھ رسوُل کے ہاتھ پہ بیعت کی اور کتنے مبارک ہیں وہ پاؤں جو سلامتیٔ ایمان کے ساتھ چل کر رسوُل کے پاس آئے ۔ بہر نوع اصحابؓ رسوُل سامعین ہیں اور رسوُل واعظ ہیں اور اسی وعظ کے دوران رسوُل فرماتے ہیں

" اللہ نے ایک شجرہ طیبہ پیدا کیا ہے جس کی مثال
کلمہ طیبہ جیسی ہے اور وہ شجرہ ایسا ہے کہ
اس کی جڑ تو زمین میں گڑی ہوئی ہے اور اس کی
شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے "

بزرگانِ من !

رسوُل کی یہ بات سنکر تمام سامعین سوچنے لگے کہ ایسا شجرہ طیبہ کہاں ہے جس کی جڑ تو زمین میں ہو اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہو ۔ سب نے کہا :۔

" حضور ! ذرا اس درخت کی تشریح فرما دیجئے "

رسوُل نے فرمایا :۔

"تشریح میں بتاتا ہوں مگر اپنی عقل کے مطابق
اسے یاد رکھنا تمہارا ذمّہ ہے۔

دیکھو!

وہ "شجرہ طیبہ جسکی جڑ زمین میں ہے۔ اور شاخ آسمان میں ہے۔ وہ شجرہ طیبہ ہم ہیں
میں اس شجرہ طیبہ کی جڑ ہوں اور علیؑ اس کی شاخ ہیں"

اصحابؓ نے عرض کی۔

"حضور! ہمارا بھی اس شجرہ طیبہ سے کوئی تعلق ہے!"

رسولؐ نے فرمایا:۔

"ہاں۔ میرے ماننے والے اس "شجرہ طیبہ" کے پتے ہیں۔

سامعین!

چشم بد دور۔ آپ حضرات اس شجرہ طیبہ کے "پتے" ہیں بشرطیکہ ماننے والے ہوں تاکہ "پتے باز" ہوں۔ بہر نوع آپ حضرات اس شجرہ طیبہ کے پتے ہیں۔

اب ذرا قانونِ عدل کے مطابق سوچو کہ اس درخت کی "جڑ" کہاں ہونی چاہیئے۔ "شاخ" کہاں ہونی چاہیئے۔ اور "پتے" کہاں ہونے چاہئیں۔

دیکھونا!

کسی درخت کو آپ نے دیکھا ہے کہ اس کے پتے، جڑ سے چپٹے ہوئے ہوں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پتے ہمیشہ شاخ کا دامن پکڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ

حالانکہ پتّے زندہ ہی جڑ کی بدولت ہیں۔ انہیں خوراک ہی جڑ کی بدولت پہنچتی ہے۔ اگر پتوں کا تعلق جڑ سے منقطع ہو جائے تو ختم ہو جائیں کیونکہ پتوں کا جڑ سے تعلق اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک ''شاخ'' کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں اور شاخ کے توسط سے جڑ سے فیض پہنچے گا۔ گویا پتوں کے لئے یہ قانونِ عدل ہے کہ شاخ کا دامن نہ چھوڑنے پائیں۔

سامعین!

''اب اگر کوئی ''مغرور ومتکبر پتّہ'' دل میں یہ خیال کرے کہ جب جڑ موجود ہے تو جڑ کے ہوتے ہوئے شاخ کا احسان کیوں اُٹھایا جائے لہٰذا شاخ کو چھوڑ کر جڑ کی گود میں آ بیٹھے۔ گھنٹہ دو گھنٹے تو خیریت سے گذر جائیں گے۔ پھر کیا ہو گا رنگ زرد ہو جائے گا، رگیں پھول جائیں گی حیات رخصت ہو جائے گی، زندگی وبال ہو جائے گی، موت طاری ہو جائے گی، شکل بے شکل ہو جائے گی اور ہوا کے جھونکے اِدھر سے اُدھر اُڑاتے جائیں گے۔ اور اگر ایک دو دن ضد کر کے جڑ کے پاس ہی بیٹھے رہے تو کوئی ''تنور'' والا آئے گا اور ان تمام پتوں کو جو شاخ کا دامن چھوڑ کر جڑ کے پاس بیٹھے رہے، انہیں اٹھا کر لے جائے گا۔ اور آگ میں ڈال دے گا۔ گویا ہر اس پتّے کو جو شاخ کا دامن چھوڑ دے گا، انجام میں آگ میں جلنا پڑے گا۔ اگر شاخ کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر رکھتا تو کیا مجال تھی کہ اس کا یہ انجام ہوتا۔ پوری آب وتاب کے ساتھ حیات بھی برقرار رہتی اور ہوا کے جھونکے کے ساتھ شاخ کے ساتھ جھولتا بھی رہتا

بہر نوع پتّے کے لئے قانونِ عدل یہی ہے کہ وہ شاخ کے ساتھ وابستہ رہے اور پھر شجرۂ طیبہ کی شاخیں! سبحان اللہ۔ اگر کسی کو ان سے

وابستگی ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی ہے ہی نہیں۔ کتنا خوش نصیب ہوگا، وہ انسان جس کا تعلق آلِ رسُول سے ہو جائے اور یہی قانونِ عدل ہے

محترم بزرگو!

تاریخِ عالم گواہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات سے بہتر قانون عدل کو کوئی جانتا ہی نہیں تھا۔ حضورؐ بہتر جانتے تھے کہ کس کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہیئے۔ کس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ لہٰذا رسُول نے ہر اچھے آدمی کا احترام کیا، ہر اچھے آدمی کی عزت کی ہر شریف آدمی کا وقار ملحوظ رکھا مگر کسی کتاب میں، کسی تاریخ میں، کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضورؐ سیّدہ طاہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ رسُول کسی کی تعظیم کو اُٹھے ہوں بخاری شریف میں تو یہ ہے کہ " جب سیّدہ تشریف لاتی تھیں تو رسُول فوراً تعظیم کو بھی اُٹھتے تھے اور جہاں خود بیٹھتے تھے وہاں سیّدہ کو بھی بٹھاتے تھے اور خود سامنے بیٹھ جاتے تھے۔

اَب بتاؤ!

رسُول نے اتنا احترام کسی اور کا کیا ہوگا، ہر گز نہیں۔

معلوم ہُوا کہ قانونِ عدل کے مطابق سیّدہ اس احترام کی مستحق تھیں تو رسُول نے بھی اتنا احترام کیا۔ ورنہ رسُول سے بہتر قانونِ عدل کو کون جانتا ہے۔

اب بتاؤ! جس خاتون کی زندگی بھر یہ عادت ہو گئی ہو کہ جس کے احترام کو رسُول اُٹھتا ہو تو کیا اس کی فطرت میں یہ داخل نہیں ہو گیا کہ وہ جہاں جائے اس کی تعظیم کی جائے۔ اور کیا وہ خاتون یہ برداشت کر سکتی ہے جس کی تعظیم محمدؐ کرتے ہوں کہ آج اسے کوئی یہ کہدے کہ تم " غلط

کہہ رہی ہو"؟

محترم سامعین!

سیدہ طاہرا سلام اللہ علیہا ہی کے صدقہ میں قیامت کے دن ہماری شفاعت و نجات ہو گی۔ ہو سکتا ہے نجات کے وقت ہماری نماز و روزہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا عوض بن جائے اور بخشش کے لئے کوئی شے باقی نہ رہے۔ لہٰذا سوائے نظرِ کرم حضور سیدہ طاہرا ہماری شفاعت ناممکن ہے۔

حضور والا!

رسالتؐ مآب نے فرمایا ہے کہ قیامت کے میدان میں ساری روئے زمین کا انسان موجود ہو گا۔ ان میں انبیاؑ، اولیاء، اصفیاء غرض ہر قسم کا انسان موجود ہو گا۔ اور ہر شخص اپنے اعمال کے اچھا یا برا ہونے میں مبتلا ہو گا۔ اس وقت ایک غیبی آواز آئے گی۔

"قیامت والو! جہاں جہاں کھڑے ہو آنکھیں بند کر لو۔ سر جھکا لو"

لہٰذا تمام انبیاء و اولیاء سمیت ہر انسان اپنی آنکھیں بند کریگا سر جھکا لیں گے۔ اور چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔

"بات کیا ہے۔ سر کیوں جھکا یا گیا؟"

چنانچہ تمام انبیاؑ کا سردار (آدمؑ) انہیں بتائے گا کہ آنکھیں اس لئے بند کروائی گئی ہیں اور سر اس لئے جھکائے گئے ہیں کہ محمدؐ کی بیٹی سیدہؑ کی سواری گذر رہی ہے"

اس شان سے سیدہ کی سواری آئے گی۔ قیامت میں درود و سلام

کے نعرے بلند ہو جائیں گے۔ سب سر جھکائے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے اور سیّدہ کی سواری اس شان سے میدانِ قیامت سے گذرے گی اور جب عرش الٰہی تک پہنچے گی تو وہاں سیّدہ فرمائے گی۔

" خداوندا! میں نے آج تک صبر کیا۔ آج قیامت کا دن ہے۔ آج میں تیری عدالت میں اپنا دعویٰ پیش کرنے آئی ہوں۔ خداوندا! اگر کسی کے گھر قتل ہو جائے تو اس قتل کی مدعی حکومت بن جاتی ہے۔ آج میں تیری حکومت سے فریاد کرنے آئی ہوں۔ کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتّر قتل ہو گئے جنکی فریاد کرنے آئی ہوں"

سامعین:

جب سیّدہ اپنا مقدمہ پیش کر دے گی کہ میرے گھر میں ایک دن میں بہتّر قتل ہو گئے تو عدالت الٰہی سے پرجوش خطاب ہو گا۔

سیّدہ! ہمیں پتہ ہے، ہم آئینی گواہ ہیں مگر مثل کو مکمل کرنے کے لیئے تمہارے پاس کوئی آئینی گواہ موجود ہے تاکہ اسے عدالت میں بلا لیا جائے، سیدہ طاہرا فرمائیں گی۔

" خداوندا! اگر چشم دید گواہ چاہیئے تو میری بیٹی زینبؑ موجود ہے"

بس بھائیو! قدرت کی طرف سے حورانِ جنت کو حکم ہو گا کہ زینبؑ کو بڑے احترام کے ساتھ عدالت الٰہی میں لایا جائے تاکہ وہ اپنی ماں کے مقدمہ میں گواہی دے سکے" چنانچہ حورانِ جنت شام جائیں گی اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر عرض کریں گی۔

"خداوندا! زینبؑ کے حضور گئے تھے مگر انہوں نے فرمایا کہ میں اسی طرح قیامت میں آنا چاہتی ہوں جس طرح کوفہ وشام کے بازار میں گئی تھی"

بہرنوع زینبؑ کی قیامت میں آمد ہوگی۔ زین العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے زینبؑ ننگے سر اونٹ پہ سوار، اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔

"زینبؑ! بتاؤ۔ کربلا میں کیا گذری کیونکہ تم چشم دید گواہ ہو"

زینبؑ ماں سے کہے گی:۔

"اماں! تو نے مرتے دم مجھ سے وصیت کی تھی کہ بھائیوں کا خیال رکھنا۔

اماں! میں نے تیری اولاد پر اس وقت تک حرف نہیں آنے دیا جب تک اپنی نسل ختم نہیں کروا دی۔

اماں! تیرا حسینؑ بھی کربلا میں تھا۔ میں بھی کربلا میں تھی۔ لہٰذا میں نے سارے کام حسینؑ کے ساتھ بانٹ رکھے تھے۔ آدھا کام حسینؑ کرتے تھے اور آدھا کام میں کرتی تھی مگر فرق یہ تھا، وہ مرد تھے، میں خاتون تھی۔ مردوں کے کام حسینؑ کے سپرد تھے اور خواتین کے کام میرے سپرد تھے۔ اماں! میں نے حسینؑ سے تقسیم کر رکھی تھی کہ:۔

حسینؑ! گھر سے باہر کے کام تیرے سپرد اور گھر سے اندر کے کام میرے سپرد، باہر سے لاشہ لانا تیری سپرد اور اس لاش پہ بیٹھ کے رونا میرے حصہ میں۔

شہیدوں کی سرداری حسینؑ! تم کرنا اور اسیروں کی گریا زاری میں کروں گی۔

حسینؑ! کفن نہ ملنا تمہارا حصہ اور چادر نہ ملنا میرا حصہ۔

حسینؑ! قبر نہ ملنا تمہارا حصہ اور در بدر پھرنا میرا حصہ۔

حسینؑ! تم مرد ہو، میں خاتون ہوں۔ جتنے کربلا میں لڑکے ہیں وہ تمہاری سپرد اور جتنی لڑکیاں ہیں وہ میری سپرد۔

حسینؑ! علیؑ اصغر لڑکا ہے وہ تیری سپرد اور سکینہ لڑکی ہے وہ میری سپرد

حسینؑ! اصغرؑ کے گلے سے خون بہے گا تو تیری گود میں اور سکینہؑ کے کان زخمی ہوں گے تو میری گود میں

حسینؑ! تو ایک بھائی قربان کرے عباسؑ جیسا۔ مگر دیکھ حسینؑ! میں دو بھائی قربان کروں گی ایک حسینؑ جیسا اور ایک عباسؑ جیسا۔

حسینؑ! تو ایک بھتیجا قربان کرے گا قاسمؑ جیسا اور میں تین بھتیجے قربان کروں گی ایک اکبرؑ جیسا۔ ایک اصغرؑ جیسا اور ایک قاسمؑ جیسا

حسینؑ! تو دو بیٹے قربان کرے گا۔ ایک اکبرؑ جیسا اور ایک اصغرؑ جیسا۔ مگر

دیکھ حسینؑ! میں بھی دو بیٹے قربان کروں گی مگر میرے بیٹوں اور تیرے بیٹوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ میرے بیٹے کنیز زادے ہیں اور تیرے بیٹے شہزادے ہیں۔

مگر سن حسین! تیرے دو بیٹے قربان ہونے کے بعد بھی تیری نسل قیامت تک باقی رہے گی اور میں اپنے دو بیٹے عونؑ و محمدؑ قربان کر کے اپنی پوری نسل قربان کر دوں گی۔ اب تیرا ہی کوئی بیٹا مجھے اماں کہدے تو کہدے ورنہ میرا کوئی بیٹا نہیں رہے گا۔"

سامعین!

یہ کہہ کر زینبؑ ماں سے لپٹ گئی اور درد بھری آوازیں فرمانے لگی۔

"اماں! میں نے تیری اولاد پہ اپنی پوری نسل ختم کر دی۔ اماں! خدا گواہ ہے۔ اکبرؑ کی میت پہ بال سفید ہو گئے مگر عونؑ و محمدؑ کے لاشوں پہ نہیں روئی۔

اماں! حسینؑ سے پوچھ لو، میں نے عونؑ و محمدؑ تیرے بیٹے پہ صدقہ کر دیئے تھے۔

اللہ ہماری مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوّرِ آلِ محمدؐ

خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پہ درود و سلام

معزز سامعین!

آج میں اپنے ایک عزیز کے عقد کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں۔ لہٰذا آج کی یہ مجلس بغرض حصولِ برکت و سعادت منعقد کی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہ نکاح سادات کے دو خاندانوں کے درمیان میں ہے اور دُنیا کی یہ رسم ہے کہ وہ اپنی تقریب کو زیادہ سے زیادہ باعزت اور بااحترام بنانے کے لیے بڑے سے بڑے آدمیوں کو بلاتے ہیں جنہیں وہ بلا سکتے ہوں تاکہ یہ یادگار رہے کہ فلاں تقریب میں فلاں بزرگ تشریف لائے تھے۔ بہرطور ہر آدمی کا یہ جی چاہتا ہے کہ کوئی بڑی ہستی تقریب میں شریک ہو۔

لہٰذا سادات کا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم بھی اپنی تقریب میں بڑی سے بڑی ہستیوں کو بلائیں چنانچہ یہ سیدہ زادے تمام کائنات پہ نظر ڈالتے ہیں کہ بڑی سے بڑی ہستی کون ہے جسے ہم بلائیں۔ جب چاروں طرف نظریں اُٹھتی ہیں تو سادات کو اپنے سے بڑی ہستی نظر ہی نہیں آتی۔ لہٰذا اب ہم سوچتے ہیں کہ اپنے ہی بزرگوں میں سے کسی کو بلالیں تاکہ ہماری یہ تقریب بابرکت ہو جائے مگر اتفاق سے اِدھر ان کو بزرگ ایسے مل گئے کہ ہم تو اِن کی اولاد ہوئے۔ مگر وہ تو خدا کے گھر بھی بن بلائے نہیں جاتے بلکہ بلانے سے جانا تو اور بات ہے قرآن میں تو یہ ہے کہ "سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ" "پاک ہے وہ ذات

جو اپنے بندے کو آ کرلے گئی"

گویا آنتے نازک مزاج اور اعلیٰ قدر بزرگ ہیں جو خدا کے پاس بھی بن بلائے نہیں جاتے بلکہ خدا کی ذات خود آ کر انہیں لے جاتی ہے۔

بہر نوع سید زادے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم انہیں کیسے تکلیف دیں تاکہ وہ ہماری محفل میں شریک ہوں۔ آخر ہم مولوی صاحبان کے پاس پہنچے اور عرض کی

"مولانا! ہم اپنے بزرگوں کو خوشی کی تقریب میں بلانا چاہتے ہیں۔ بتایئے! کس طرح بلائیں۔

مولوی صاحبان فرماتے ہیں:۔

تمہارا خیال غلط ہے۔ اگر دس بیس جگہ شادی ہوئی اور سب سیدوں نے بلالیا تو وہ بیچارے کہاں کہاں جائیں گے۔ کیوں خواہ مخواہ کے لئے بزرگوں کو تکلیف دیتے ہو لہذا یہ ارادہ ہی مت کرو"

میں کہتا ہوں۔

"مولانا! دس بیس جگہ کی بات کیا ہے۔ اگر دس کروڑ جگہ بھی بیک وقت انہیں بلایا جائے تو وہ ہر جگہ جائیں گے۔ کیونکہ جگہ اور مکان ان کے لئے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ مکانوں کی قید میں وہ جسم رہتے ہیں جو ہمیشہ مکان تک ہی محدود رہے ہوں۔ اور جو انسان لامکان کی سیر کر آئے ہوں، انہیں مکان کی قید نہیں رہتی لہذا وہ ہر جگہ بیک وقت تشریف لاتے ہیں۔

سامعین!

بات سے بات نکلتی ہے۔ دیکھو نا! ہم یہاں امام باڑہ میں بیٹھے ہوئے

ہیں۔ سورج سر پر آگیا۔ دھوپ لگنے لگے۔ ہم یہاں سے اُٹھ کر کسی دوسرے امام بارڑہ میں پہنچے مگر وہاں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ سورج سر پر آگیا۔ اس کے بعد کسی اور جگہ پہنچے تو وہاں بھی یہی کہا جارہا ہے کہ سورج سر پر آگیا۔ ایک ہی سورج ہے اور کروڑہا انسان بیک وقت کہہ رہے ہیں کہ ہمارے سر پر آگیا حالانکہ سورج وہیں ہے جہاں ہے۔

گویا جب معمولی سی نور کی کرنوں کو پہنچانے والا نور بیک وقت کروڑہا جگہ ہونے کے باوجود اپنی جگہ رہتا ہے تو اس نور کو نور عطا کرنے والے "نوروں" کے لئے کوئی بے نور آنکھ ہی ہو گی جو کہہ دے گی کہ یہاں کیسے اور وہاں کیسے۔؟

بہر نوع وہ مجسمہ نور بیک وقت ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں جگہ تشریف لا سکتے ہیں۔ اگر انہیں تصوّر کرو تو وہ دل میں خیال بن کے آجاتے ہیں۔ اور اگر ان کے مصائب سُنو تو قلب میں ملال بن کے آجاتے اور اگر ان کی حالتِ غضب دیکھو تو انسان کے چہرے پہ جلال بن کے آجاتے ہیں اور کہیں محمّد کو پکارو تو وہ اس کے ساتھ اس کی آل بن کے آجاتے ہیں۔ غرض وہ ہر وقت آنے کے لئے تیار ہیں مگر ذرا کوئی اُنہیں بلا کے تو دیکھے، وہ ضرور تشریف لاتے ہیں۔ مگر ان کے بلانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دن ایک عقیدت مند حضورؑ امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"فرزند رسولؐ! حضور کے غلام زادے کی شادی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور بھی اس میں تشریف لائیں۔ تاکہ میری یہ تقریب بابرکت ہو جائے۔"

امامؑ نے فرمایا۔

"بھائی! انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ تو بڑی محبت سے آیا ہے مگر میں کیا بتاؤں کہ میں نے سانحہ کربلا کے بعد خوشی کی تقریبوں میں شرکت بند کر دی ہے"

یہ سُنکر وہ عقیدت مند بولا۔

"حضورؑ! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے حضورؑ کو دعوت دے کر اذیت پہنچائی ہے"

امامؑ نے فرمایا:۔

"کوئی بات نہیں۔ خدا تیرے بچے کو پروان چڑھائے اللہ تیری نسل کو بڑھائے"

وہ شخص خاموش ہو گیا۔ اور جب جانے لگا تو امامؑ نے فرمایا۔

"بھائی عرب! ٹھہر جا۔ دِل تھوڑا نہ کر۔ میں تیری تقریب میں ضرور آؤں گا۔ مگر ایسا کر کہ تھوڑی دیر کے لئے میرے باباؑ کی مجلس بھی کر لے۔ میں مجلس میں آجاؤں گا اور تیرے ہاں شرکت بھی ہو جائے گی"

بزرگانِ من!

امامؑ زین العابدین کے اس فرمان کی روشنی میں ہر سیّدہ زادہ اپنی خوشی کی تقریب میں اس لئے مجلسِ عزا منعقد کرتا ہے تاکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ان موقعوں پر تشریف لائیں اور یہ تقریب بابرکت ہو جائے۔ لہٰذا آج ہم پورے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ آج ہماری اس تقریب میں وہ آئے ہیں جن کے گھر قرآن آیا ہے۔ جن کے گھر نبوّت آئی ہے جنکے

گھرامامت آئی ہے۔ جن کے گھر شہادت آئی ہے۔ جن کے گھر عصمت آئی ہے۔ جن کے گھر صداقت آئی ہے۔ جن کے گھر امانت آئی ہے جن کے گھر ہدایت آئی ہے۔ جن کے گھر فرشتے خادم بن کے آئے ہیں گویا آج ہم اعلان کرتے ہیں کہ

"جبرائیل بہ ملائک درباں شد است"

آج ہمارا دروازہ معمولی نہیں ہے بلکہ جبرئیل تمام فرشتوں کے ساتھ آج ہمارے گھر کی دربانی کر رہے ہیں۔"

بہرکیف آج ہماری اس تقریب میں حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ تشریف فرما ہیں۔ وہ یہاں آکر ہمارے عشق کا امتحان لیتے ہیں کہ تم نے تو ہمیں بُلا لیا۔ اور ہم اللہ جانے کہاں سے چل کر آئے ہیں۔ (یہ غلط بات ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ جنت سے آتے ہیں)۔

دیکھو نا!

ایک دفعہ میں نے منبر پہ دو باتیں کہہ دیں تھی جس کی مجھے جواب دہی کرنی پڑی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ کسی نے پوچھا۔

"زیدی صاحب! حسینؑ نماز پڑھتے تھے"؟

میں نے کہا۔

"جھوٹ کہتے ہو۔ حسینؑ کو نماز پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ چونکہ حسینؑ کے صدقے میں نماز باقی رہ گئی۔ لہٰذا حسینؑ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ نماز حسینؑ کو پڑھتی تھی۔

دوسری بات یہ تھی کہ کیا "آلِ محمدؐ جنت میں رہیں گے"؟

میں نے کہا۔

"توبہ کرو۔" آلِ محمدؐ "کیوں جنت میں جائیں کیونکہ جنّت تو ان کے ادنیٰ غلاموں کے لئے بنی ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ ہاؤس کُجا اور سرونٹ کوارٹرز کُجا۔ یہ تو سرونٹ کوارٹرز ہیں جن کا نام جنت ہے۔ خدا نہ کرے کہ آلِ محمدؐ جنت میں جائیں کیونکہ جنّت تو آلِ محمدؐ کے غلاموں کے رہنے کی جگہ ہے اور آلِ محمدؐ کے رہنے کی جگہ وہاں ہے جس جگہ کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

دیکھو نا!

جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ آلِ محمدؐ دُنیا کی ہر شے سے پہلے پیدا ہُوئے تھے۔ تو وہ جنت سے پہلے بھی پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا جب جنت نہیں تھی تو وہ کہاں رہتے تھے۔؟ بس جہاں رہتے تھے وہیں رہتے تھے۔ خدا نہ کرے کہ آلِ محمدؐ جنّت میں رہیں۔ جنت تو ہمارے لئے بنی ہے۔ جنّت تو آلِ محمدؐ کے غلاموں کے (SERVANT QUARTERS) ہیں۔ جو ان کے محل کے قریب ہیں۔ انشاءاللہ ہم ان کوارٹرز میں جائیں گے۔ اور ہمارے کوارٹرز کی صفائی اور درستی کے لئے اللہ نے حوریں مقرر کی ہوئی ہیں جن کا کام صرف اتنا ہے کہ ہمارے جانے سے پہلے وہ ہمارے مکانوں کو صاف ستھرا رکھیں اور جب ہم چلے جائیں گے تو ہم انہیں چھٹی دے دیں گے۔

گویا وہ "حوریں" ہمارے بھی (SERVANT QUARTERS) میں رہیں گی۔

بہر نوع آلِ محمدؐ جنت سے کہیں دُور سے تشریف لاتے ہیں ۔ اور یہاں آکر وہ ہمارا امتحان لیتے ہیں ۔ کہ

" ہمیں بلانے والے ! تیری "شادی" مُبارک ہو ۔ تیرا "سہرا" مُبارک ہو، تیرے گھر والے خوش رہیں، تیرے ماں باپ کے کلیجے ٹھنڈے رہیں تیرے بہن بھائی خوش رہیں، تیرے دوست احباب خوش رہیں ۔ تُونے ہمیں بُلایا ہے، تیرے دل میں ہماری محبّت ہے ـــــــــــــ مگر

اپنی خُوشی میں تو ہمیں بُھول تو نہیں گیا ؟

ہم عرض کرتے ہیں ۔

" اے آلِ محمدؐ ! ہم نہیں بھُولے جب ہمارے ہاں "بیٹا" ہوتا ہے تو ہم اس کے کان میں اذان دینے سے پہلے تیرے "اصغرؑ" کو یاد کرتے ہیں ۔ اور جب اپنے "جوان" کی شادی کرتے ہیں تو ہم تجھے بھُولتے نہیں بلکہ اپنے جوانوں کو سینے سے لگا کر تیرے "اکبرؑ و قاسمؑ" کے سہرے کو یاد کرتے ہیں ۔

اے آلِ محمدؐ !

ہم تمہاری خوشی اور غمی کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں ہم کسی لمحہ کے لئے بھی

تمہاری یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ ہمارا "رونا" بھی تمہارے لئے ہے اور ہمارا "ہنسنا" بھی تمہارے لئے ہے۔

اے رب العزت!

ہم بڑے کمزور اور نالائق گناہ گار ہیں اور دینِ محمدؐ کی امانت ہمارے پاس ہے۔ اس کی تو حفاظت فرما۔ ہمارے وارث کے ظہور میں تعجیل فرما کیونکہ دُنیا نے ہمیں یتیم اور لاوارث سمجھ لیا ہے۔ لہٰذا ہم دُنیا کو دکھا سکیں کہ ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ ہمارا وارث بھی موجود ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ



اسیرِ بغداد

عزادارِ سید الشہداؑ!

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام عرصہ چودہ سال سے بنی عباسیہ کے مہیب تاجدار "ہارون رشید" کے دورِ ملوکیت میں تنگ و تاریک قید خانہ میں بند ہیں۔ اگر مولاؑ کھڑے ہوتے ہیں تو قید خانہ کی چھت نیچی ہے اور اگر لیٹتے ہیں تو پاؤں نہیں پھیلتے۔ گویا اسی تنگ و تاریک کوٹھری میں فرزند رسولؐ قید ہیں۔ اِدھر ہارون رشید چاہتا یہ ہے کہ امامؑ شہید کر دیئے جائیں اور میرے ذمہ خون بھی بظاہر نہ ہو لہٰذا اس نے بہت سی تدابیر اختیار کیں۔ یہاں تک کہ افریقہ کے جنگلوں سے کچھ جنگلی آدمی جو یہ جانتے ہی نہ تھے کہ انسانیت کیا شے ہے، جانوروں کی طرح انہیں وہاں سے گرفتار کروا کے بغداد منگوایا گیا۔ انہیں شراب پلائی گئی اور جب وہ بالکل وحشی بن جاتے تو انہیں ایک ایک تلوار دے دی جاتی اور کہا جاتا کہ سامنے والی چارپائی پر پڑی ہوئی چادر کے نیچے والی لکڑی پر زور زور سے تلواریں مارو۔ گویا وہ اس طرح مشق کرتے رہے۔

جب چالیس دن گذر گئے تو ان کا محرک جو مشق کروا رہا تھا انہیں لیکر قید خانے میں پہنچ گیا۔ اِدھر امامؑ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے ان وحشیوں کو شراب پلا کر تلواریں دی گئی تھیں۔ کیونکہ لکڑی پر تلواریں

مارنے کی انھیں عادت تو پہلے ہی سے تھی لہٰذا امامؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا کہ ان کے جسم پر تلواریں مارو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق تلواریں کھینچی اور ادھر امامؑ نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا۔ اب جو وحشیوں نے چہرۂ امامؑ دیکھا تو تلواریں پھینک کے امامؑ کے قدموں پہ گر گئے۔ اب جو رنگ ماسٹر نے یہ منظر دیکھا تو فورًا ہارون کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

" ہارون! غضب ہوگیا۔ وہ وحشی بجائے قتل کرنے کے امامؑ کے قدموں پہ گر گئے ہیں " چنانچہ ہارون نے انہیں بلوایا اور جب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ

" ہم نے اُسے پہچان لیا ہے "

ہارون پوچھتا ہے " وہ کون ہے؟ "

انھوں نے کہا " جب ہمارے جنگلوں میں بارش نہیں ہوتی تھی تو یہ انسان وہاں پہنچ کر بارش برساتا تھا "

سامعین!

یہ ہے شانِ امامت۔ اگر دُنیا اس کو گھٹانا چاہے تو اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے جو کسی کے گھٹانے سے نہیں گھٹائی جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ دُنیا والے آلِ محمدؐ کو قید خانوں میں مقید کر سکتے ہیں مگر آلِ محمد وہی کریں گے جو اللہ چاہتا ہو۔ خدا کی مرضی و مشیت کے بغیر ان کا کوئی قول و فعل ان سے سرزد نہیں ہو سکتا۔

بہر نوع امام موسیٰ کاظمؑ اس قید خانہ میں قید رہیں اور اس قید خانے

کا داروغہ ابن شاہک لعین جو شمر لعین سے بھی بدتر تھا۔ اس کے ذریعہ سے مولاؑ کو ۲۳ رجب کو زہر دیا گیا۔ جب مولاؑ کی حالت بہت خراب ہوگئی تو ہارون نے اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کو زہر کا پتہ نہ چل جائے: ایک عیسائی طبیب کو بلوا بھیجا کہ مولاؑ کا معائنہ کرے اور یہ کہے کہ موت طبعی ہوگی۔ بہرکیف وہ طبیب آیا اب ابن شاہک لعین مولاؑ سے کہتا ہے

"دیکھو! طبیب آرہا ہے۔ خبردار جو تم نے اس سے کہا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے"

یہ کہہ کر وہ لعین وہیں بیٹھ گیا۔ طبیب پہنچا۔ مولاؑ کا معائنہ کیا۔ مولاؑ نے زبان سے کچھ نہ کہا البتہ اپنی ہتھیلیاں طبیب کے سامنے کر دیں۔ اب جو طبیب نے دیکھا تو چیخ ماری "ہائے۔ اس قیدی کو تو زہر دیا گیا ہے"
ادھر محافظ نے یہ سمجھا کہ امامؑ نے خود بتا دیا ہے۔ چنانچہ قیدی امامؑ سے ایسا سلوک کیا کہ دنیا کا یہ پہلا قیدی ہتھکڑی میں بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں کے ساتھ قید حیات سے آزاد ہوگیا۔
جب امامؑ کی موت کی خبر ہارون کو پہنچی تو وہ ظالم کہتا ہے کہ چار مزدور لے جاؤ اور امامؑ کی لاش کو دفن نہ کرو بلکہ دجلہ کے پل پہ رکھ دو تاکہ رات کے وقت خچر، گدھے اور گھوڑوں کے گذرنے سے لاشہ پامال ہو جائے گا تاکہ صبح ہم کہہ سکیں کہ قید سے فرار ہوگیا تھا اور راستے میں مارا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تقریباً آدھی رات گذرنے کے بعد بیوپاریوں کا ایک قافلہ گذرا تو ان کے جتنے ہی جانور تھے جب پل کے قریب پہنچے تو رک گئے۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ جانور آگے کیوں نہیں چلتے۔ آخر انھوں نے دیکھا کہ پل پر ایک قیدی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔

حضور والا !

بغداد میں ایک لوہار رہتا تھا۔ رات کو جب وہ سویا تو کسی نے اس کے دروازے کی "کنڈی کھٹکائی" لوہار اپنے بستر سے اُٹھا دروازہ کھولا اور دیکھا کہ ایک برقعہ پوش خاتون سامنے کھڑی ہے جو اس سے یہ کہہ رہی ہے

"تو نے گذشتہ سال ایک منت مانی تھی کہ اگر خدا نے بیٹا عطا فرمایا تو میں فاطمہؑ کے کسی بیٹے کی خدمت کروں گا"

لوہار نے عرض کی۔

"ہاں بی بی! مجھے یاد ہے مگر تجھے کیسے پتہ چلا؟"

برقعہ پوش خاتون نے فرمایا۔

"میں ہی وہ بدنصیب فاطمہؑ ہوں"۔

پھر تو لوہار سر جھکائے ہوئے خاتونِ عُلیاؑ کے ساتھ ساتھ چل پڑا اور جب پل پر پہنچا تو بی بی نے عرض کی۔

"یہ ہے میرا بیٹا۔ اس کی ہتکڑی اور بیڑی اُتار دو"

لوہار نے بسم اللہ پڑھ کے امامؑ مظلوم کی ہتھکڑی اور بیڑی اتار دیں۔ اور بعد میں ایک قافلے نے غریبوں کے قبرستان میں امامؑ مظلوم کو دفن کر دیا۔

بزرگانِ من !

دُنیا کی ستم ظریفی دیکھو کہ اگر یہاں کوئی پردیسی مر جاتے تو چندہ کر کے لوگ اس کا کفن خریدیں گے اور نہایت شان سے اسے دفن کریں گے مگر آلِ محمدؐ کی بدنصیبی دیکھو کہ آج بغیر کفن کے غریبوں اور لاوارثوں

کے قبرستان میں فرزندِ رسولؐ دفن کر دیا گیا۔

یاد رکھو!

اِسے کہتے ہیں تصرّف امامت۔ ہارون و مامون کی قبر تک کے نشانات کہیں نہیں ملتے اور نہ ہی کوئی نشان بتانے والا ہے کہ کہاں دفن کئے گئے ہیں اِس لئے کہ زمین ہے "ابوتراب" کی مالکیت خدا جانے کہاں ہیں مگر ذرا وہاں جاکر دیکھو جہاں دُنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ اپنے تاج ہاتھوں میں لئے، سر جھکائے ہوئے کھڑے ہیں۔ جہاں طوبیٰ کا سایہ ہے جہاں حوریں دست بستہ کھڑی ہیں۔ جہاں کوثر کا کنارہ ہے۔ جہاں جنت کی بہاریں ہیں۔ جہاں ایمان ملتا ہے اور جہاں اسلام کا تعارف ہوتا ہے۔

آج ہم اس مظلومؑ امام کی شہادت کا دِن منا رہے ہیں اور دُنیا بیٹھی رو رہی ہے۔

"بی بیؑ! تو لوہار کو بُلانے گئی تھی اِس سے یہیں اندازہ ہوتا ہے کہ تمہیں اِس بیٹے کا بڑا درد تھا لہٰذا آج ہم نے تیری سُنّت کو پورا کرنے کے لئے تیرے غلاموں کو بلایا ہے جو بغداد کے غریب کا ماتم کریں گے اور اسے روئیں گے

عزاداران سیّد الشہداء!

میرا ایمان ہے کہ جب سیّدہ طاہرا سلام اللہ علیہا اپنے اس مظلوم بیٹے کی صفِ ماتم بچھا لیتی ہیں تو جناب زینبؑ تشریف لاتی ہیں اور فرماتی ہیں،

"امّاں! تم آرام کرو۔ میں آگئی ہوں۔ میں اپنے چاند کی صفِ ماتم بچھاتی ہوں"

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وفاتِ سیّدہؑ

حضراتِ محترم!

اللہ کا یہ فرمان ہے "ایمان والو! جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو اپنے اَللّٰہ کو یاد کرو ان لفظوں۔

"اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون"

سامعین!

کائنات کی سب سے بڑی ہستی حضور سیّدہ طاہرہ آج اس دُنیا سے رُخصت فرما چکی ہیں۔ اور آپ کی صاحب توفیق اولاد مومنین کی زیارت کیلئے آج جنازے کی شبیہ برآمد کرے گی تاکہ مومنین اپنے توکل کو پیدا کر کے حضور رسالت مآبؐ، حیدر کرارؑ اور سیّدہ طاہرہؑ کے بچوں کو سیّدہؑ کا پرسہ دیں سکیں۔

بزرگانِ محترم!

۲۸ صفر کو رسالت مآبؐ کی رحلت ہوئی اور آج ۳ جمادی الثانی کو تقریباً پچانوے دن بعد جناب سیدہؑ طاہرہ کی رحلت ہوئی۔ گویا تین مہینے سیّدہ نے اس دُنیا میں اس طرح گذارے ہیں کہ باپ کے زمانے کی زندگی بھی ان کے سامنے تھی اور باپ کی رحلت کے بعد کی زندگی بھی سامنے تھی۔ باپ کے سامنے کی زندگی کا یہ عالم تھا کہ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے کہ۔

جب آیۂ جہنم نازل ہوئی تو اپنی اُمت کے درد سے رسالت مآب نے رونا شروع کیا۔ اتنا روئے کہ کسی طرح حضور کا رونا رُکتا نہیں تھا۔ جب اصحابؓ نے یہ منظر دیکھا تو عرض کی۔

"یا رسُول اللہ! ہم اپنے سارے نیک اعمال اگر اُمت کو دے دیں تو کیا گناہ گار بچ جائیں گے"

حضور نے فرمایا "نہیں"

پھر لوح جب کسی طرح رونا بند نہ ہوا تو سلمان فارسیؓ جناب سیدہ کے پاس پہنچے۔ دروازے کی کُنڈی ہلائی۔ بی بیؑ نے پُوچھا۔

"کون؟"

سلمانؓ نے عرض کی۔

"شہزادئ عالم! میں سلمانؓ ہوں"

"سلمانؓ! خیریت ہے"؟

سلمانؓ نے عرض کی۔

"شہزادی! آج خیریت نہیں، صبح سے تمہارے والد بزرگوار رو رہے ہیں۔ حضورؐ کا رونا کسی طرح رُکتا نہیں۔

سیدہؑ نے فوراً برقعہ پہنا۔ پیروں میں موزے پہنیں۔ اور مسجد میں تشریف لائیں۔ سیدہ کو آتے دیکھ کر رسُول اپنے آنسو پونچھتے ہوئے تعظیم کو کھڑے ہوگئے۔ چند قدم بڑھ کر استقبال کیا اور پوچھا۔

"بیٹی! تُو نے کیوں زحمت فرمائی ہے؟"

سیدہؑ نے فرمایا۔ "بابا جان! میں نے سُنا ہے آپؐ صبح سے

رو رہے ہیں"

ھاں بیٹا۔ آج ایسی بات تھی" ۔ رسول نے سیدہ کو اپنی جگہ بٹھایا اور خود سیدہ کے سامنے بیٹھ گئے اور پوچھا۔

"ھاں بیٹا ۔ اب بتاؤ ۔"

"بابا جان! آپ رو کیوں رہے ہیں؟"

رسول نے جواب دیا۔

"بیٹی! بات یہ ہے کہ آج آیۂ جہنم نازل ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ میری اُمت کے گناہ گار انسان جہنم میں جائیں گے بیٹا! اس وجہ سے رونے لگا ہوں"

سیدہ نے فرمایا۔

"بابا جان! آپ بالکل نہ گھبرائیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ تیری سچی اُمت کے جو گناہ گار ہوں گے انہیں میں بخشاؤں گی۔

"بیٹا! تو کیسے بخشائے گی"؟

رسول نے جب یہ پوچھا تو سیدہ قبلہ رو ہو گئیں اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔

"خداوندا! میرے باپ بڑے پریشان ھیں ان کی اُمت کو بخش دے۔"

یہاں مولانا رُومؒ لکھتے ہیں۔

پس نگاہِ آمد زحاجت رسول
من دعائے فاطمہؑ کردم قبول

اللہ نے اسی وقت وحی کی "محمدؐ! فاطمہؑ کی دعا

ہم نے قبول کر لی ہے۔"
اور باپ کی رحلت کے بعد کے حالات کچھ اس طرح تھے۔ کہ
باپؐ کے انتقال کو تین دن گذرے ہیں سیدہ
کو رونے سے ہوش بھی نہیں آیا ہے۔ ابھی
پُرسہ دینے والی عورتیں چاروں طرف بیٹھی
ہیں۔ محمدؐ کی یتیم بچی ابھی زمین پر ہی بیٹھی
ہے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ میرے باپ نے ہمارے
گذارے کیلئے جو زمین دی تھی وہ حکومت نے ضبط
کر لی ہے۔"
یہ سُن کر سیدہ نے یہ سوچا کہ شاید حکومت کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔
لہٰذا میں خود جا کر حاکمِ وقت سے کہتی ہوں تاکہ حکومتِ وقت کی غلط فہمی دُور
ہو جائے۔"
چنانچہ سیدہ مسجد نبوی کے دروازے پر تشریف
لائیں۔ سامنے چادر پکڑے عورتیں کھڑی ہو گئیں
اور چادر کے پیچھے سے سیدہ بڑے آرام سے فرماتی
ہیں۔!
"میرے باپ کی مسجد میں بیٹھنے والو! تمہیں
میرے باپ کی عزت و عظمت یاد ہو گی۔
میں فاطمہؑ! تم سے اپنے باپ کے لہجے
میں کہہ رہی ہوں کہ میرا گذارا مجھے واپس
کر دو۔"

سامعین!

جب سیّدہ نے یہ فرمایا کہ:۔

" میرا گذارا مجھے واپس کر دو" ——— تو حاکم وقت نے ایسا جواب دیا ہے کہ:۔

" فاطمہؑ اپنے دونوں ہاتھوں سے دل پکڑ کے گھر واپس آ گئیں۔"

زینبؑ نے پوچھا:۔

" امّاں! کیا جواب ملا؟"

سیّدہ نے فرمایا:۔

" بیٹی زینبؑ! اُمّت کے آج میں نے طور طریق ایسے دیکھے ہیں جن سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تیری چادر کی خیریت نہیں۔"

اس کے بعد بی بی کو اتنا صدمہ ہوا کہ آپ دوبارہ اُٹھ نہ سکیں۔ ہر وقت رونے میں گذرتا۔ امیرالمومنینؑ تسلّی دیتے۔ گھر میں خواتین تسلّی دیتیں۔

سامعین!

آہستہ آہستہ وقت گذرتا گیا۔ جب ۲ جمادی الثانی آئی تو جناب سیّدہ کی طبیعت اتنی زیادہ خراب ہو گئی کہ جناب امیرؑالمومنین کو یقین ہو گیا کہ بیماری حد تک پہنچ گئی ہے۔

بہر نوع رات گذری۔ ۳ جمادی الثانی کا دن چڑھا۔ امیرؑالمومنین نے دیکھا کہ سیّدہ اٹھیں غسل فرمایا۔ لباس بدلا۔ بچوں کے کپڑے دھوئے پھر بیٹی کا سر دھویا حسنینؑ کو نہلایا۔ بچوں کے کپڑے بدلے۔ گھر میں صفائی کی

دو تین دن کا کھانا پکا کے رکھا۔ امیرالمومنین نے سیدہ کو جب اس طرح گھر کا کام کرتے دیکھا تو مسکرا کے فرمایا: "ماشاءاللہ" رسولؐ کی بیٹی! آج طبیعت ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔"

بی بیؑ نے فرمایا:۔
"یا علیؑ فکر نہ کرو۔ آج عصر تک طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی"

علیؑ نے پوچھا "کیا بات ہے!"

سیدہ نے فرمایا:۔
میں نے رات اپنے باپؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ مجھے فرماتے تھے
"فاطمہؑ! میں تیرے استقبال کو آیا ہوں"
لہٰذا آج میں اپنے باپ کی خدمت میں جا رہی ہوں۔ میں نے اسلئے بچوں کو نہلا دیا ہے تاکہ میرے صدمے میں پریشان ہو کر کہیں بچے رُل نہ جائیں اور اُن کے چہرے پہ یہ نہ بتا پائے کہ یہ بن ماں کے ہو گئے ہیں۔ میں نے زینبؑ کے بال اس لئے دُھلا دیئے ہیں کہ معصوم بچی اپنے بال دھو نہ سکے گی۔ میں نے حسنینؑ کو لباس اس لئے پہنا دیئے ہیں تاکہ میں انہیں بھی شکستہ نہ دیکھوں اور میں نے دو دن کا کھانا بھی پکا کے رکھ دیا ہے کہ میں اپنے بچے فاقے سے نہ دیکھ سکوں۔"

سیدہ کے یہ الفاظ سنکر علیؑ کا دل ٹوٹ گیا۔ مسجد میں تشریف لائے دُعائیں پڑھنا شروع کیں۔

سامعین!
جب آج کا دن ڈھلا تو سیدہ طاہرہ نے عائشہؓ اور فضہؓ کو بلایا اور فرمایا:۔

"تم دونوں خواتین میرے بچوں کو ذرا باہر بلاؤ۔ میں اپنے حجرے میں جا رہی ہوں۔ تم بچوں کو اندر نہ آنے دینا۔

چنانچہ یہ دونوں خواتین شہزادوں کو باہر لے کر بیٹھ گئیں۔ سیّدہ حجرے میں چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹے شہزادے نے کہا۔

"امّاں فضہؓ! میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"

اب فضہؓ کی کیا مجال کہ شہزادے کو روکے۔ اُدھر سیّدہ کہہ رہی ہیں کہ "بچوں کو آنے نہ دینا" اِدھر حسینؑ کی یہ ضد کہ "میں جانا چاہتا ہوں"۔

ہر نوع حسینؑ حجرے کا دروازہ کھول کر اندر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیّدہ کا سر سجدے میں ہے اور بڑی نحیف آواز میں کہہ رہی ہیں۔

"سُبحان ربی الاعلیٰ"

ایک منٹ تو حسینؑ نے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کے ماں کا سر گود میں لے لیا اور کہا۔

"امّاں! میں حسینؑ ہوں۔ مجھ سے بات کرو"

ماں نے آنکھیں کھول کے بیٹے کو دیکھا اور فرمایا "حسینؑ بیٹا! صبر کرو"

بس یہ آخری فقرہ تھا جو ماں بیٹے سے کہہ چکی۔ حسینؑ نے ماں کا سر سجدے میں رکھ دیا۔

سامعین!

پچاس سال بعد تاریخ نے اپنے آپ کو دُہرایا۔ آج حسینؑ نے فاطمہؑ کا سر سجدے سے اُٹھا کے اپنی گود میں لیا اور فاطمہؑ نے کہا "حسینؑ بیٹا! صبر کرو" —— اور پچاس سال

بعد کربلا میں حسینؑ کا سر سجدے سے اُٹھا کے فاطمہؑ نے گود میں لیا اور حسینؑ نے کہا۔ " امّاں ! صبر کرو "

بہر نوع حسینؑ باہر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد فضہؓ اندر گئیں اور سیّدہ کو دیکھ کر باہر نکلی اور سیدھی مسجد میں گئی۔

" یا علیؑ ! قالو إنا لله وَ إنا إليه راجعون "

" یا علیؑ ! ہماری کائنات لٹ گئی "

" یا علیؑ ! دُنیا ہمارے لئے تاریک ہو گئی "

" یا علیؑ ! آج ایمان یتیم ہو گیا "

" یا علیؑ ! آج قرآن بے قاری ہو گیا "

" یا علیؑ ! آج محمّد کا دین ویران ہو گیا "

" یا علیؑ ! آج سیّدہ اپنے باپؐ کے پاس چلی گئیں "

علیؑ بغیر نعلین کے، بغیر عمامہ کے، مسجد سے اُٹھے اور گھر میں آئے اور دیکھا کہ سیّدہ کی رحلت ہو چکی ہے۔ اس وقت علیؑ نے ایک مرثیہ پڑھا ہے جس کا مطلب یہ تھا۔

" اے رسولؐ کی بیٹی ! اس بھری دنیا میں تم مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ اب میں بالکل تنہا رہ گیا۔ اب تیرے بچّوں کی نگہبانی کون کرے گا۔ اور مجھے تسلّی کون دے گا " ؟

اس کے بعد امیر المؤمنینؑ نے فرمایا " اُمّ فضہؓ، عاصمہؓ۔ غسل، کفن کا انتظام کرو "

سامعین !

اتنے میں رات ہو گئی۔ جب کفن پہنا چکے اور جنازہ تیار ہو گیا تو

امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔

"فاطمہؑ کے بچوں کو بلاؤ۔"

چنانچہ بچے تشریف لائے۔ علیؑ نے سب سے پہلے حضور حسنؑ مجتبےٰ سے فرمایا۔

"حسنؑ بیٹا! تمہاری ماں کی وصیت تھی کہ جنازہ رات کو اٹھایا جائے"

لہٰذا آج رات تھوڑی دیر بعد جنازہ اٹھا لیا جائے گا۔ تو اپنی ماں کا آخری دیدار کرلے۔"

چنانچہ حسنؑ آگے بڑھے۔ ماں کا منہ دیکھا۔ بدن میں لرزا پیدا ہوا۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے فرمایا

"حسینؑ بیٹا! آؤ۔ تم بھی ماں کا منہ دیکھ لو۔"

حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں:۔

"بابا جان! کیا میری ماں کی عزت مریمؑ سے کم ہے؟

علیؑ نے فرمایا۔

"نہیں بیٹا۔ بلکہ زیادہ"

"بابا جان! اگر مریمؑ نے جنازے میں عیسےٰؑ سے بات کی تھی تو کیا میری ماں مجھ سے بات نہیں کرسکتی۔ میں اس شرط سے ماں کے پاس جاؤں گا کہ وہ خود مجھے پکارے۔"

حسینؑ نے یہ کہہ کے سیدہ سے خطاب کیا:۔

"اماں! مجھے آواز دے۔"

بی بی نے کوئی آواز نہ دی۔ پھر حسینؑ بولا۔" اماں! مجھے پکارو۔"

پھر بھی جواب نہ ملا۔ آخر حسینؑ نے پورے جوش سے کہا:۔
"اماں! تجھے میری ہی قسم، مجھے آواز دو۔"
اب جو حسینؑ نے یہ کہا تو سیدہ کا جنازہ تڑپ اٹھا اور
"سیدہ نے "ہائے" کہہ کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور
حسینؑ ماں کی میت کے سینے پہ جا کے لیٹ گئے اور سیدہ
نے دونوں ہاتھ حسینؑ کی کمر پر رکھ دیئے۔ تمام شہر مدینہ
میں زلزلہ آنے لگا۔ علیؑ نے بڑھ کر حسینؑ کو گود میں اٹھا لیا
"حسینؑ بیٹا! اگر تم تھوڑی دیر اور ماں سے لپٹے رہے
تو قیامت آ جائے گی۔"
امیرؑ المومنین پوچھتے ہیں:۔
"بیٹا! ماں سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"
حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں۔
"بابا جان! میں اماں سے وعدہ لے رہا تھا کہ۔
اماں اس وقت تو تم جا رہی ہو مگر جب میرا آخری وقت
ہوگا تو آؤ گی نا۔"
بہر طور جب جناب امیرؑ المومنین نے حکم دیا کہ "سیدہ کا جنازہ اٹھاؤ۔"
فضہؓ نے عرض کی:۔
"مولا! اگر آپ اجازت دیں تو میں بنی ہاشمؓ کی عورتوں کو
بلاؤں۔
آپؑ نے فرمایا "کسی کو نہ بلاؤ۔ ہمارے جنازے اس طرح نہیں اٹھیں گے"
سامعین! رسولؐ کا جنازہ تنہا علیؑ نے دفن کیا، علیؑ کا جنازہ

حسنین نے دفن کیا۔ حسنؑ کے جنازے پہ تیر برس گئے
اور حسینؑ کے جنازے پہ جو گذری وہ دنیا کو معلوم ہے۔ اور
آج سیدہ کا جنازہ اس طرح اٹھا کر ایک طرف تو خود اٹھا ہوا تھا اور دوسری
طرف سے علیؑ نے اٹھایا ہوا تھا اور دو بچے جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہے
تھے۔ حسنینؑ نے پوچھا۔

"بابا جان! آپ نے آنکھیں کیوں بند کی ہوئی ہیں۔؟
امیرالمومنین نے جواب دیا۔

"شہزادو! تمہارے نانا نے جنازہ اٹھایا ہوا ہے اور میری شرم سے آنکھیں
بند ہیں کہ کہیں رسول مجھ سے یہ نہ پوچھ بیٹھیں۔

"علیؑ! میرے بعد تو نے میری بیٹی کی کیا حفاظت کی؟" تو میں کیا
جواب دوں گا۔ اس لئے میں نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں"

اب جو علیؑ نے یہ کہا تو حسنینؑ فرماتے ہیں!۔
بابا جان! کیا ہم اتنے غریب ہو گئے ہیں کہ ہمارا جنازہ بھی چار
آدمی نہیں اٹھا سکتے۔"

علیؑ نے فرمایا حسنینؑ بیٹا! فکر نہ کرو۔ آج تم پر غربت ہے کہ
تمہاری ماں کے جنازے میں کوئی شریک بھی نہیں ہوا۔ مگر تمہاری نسلیں تا قیامت
تک تمہاری ماں کا جنازہ اٹھاتی رہے گی اور اتنا ماتم ہو گا کہ دنیا کے کسی جنازہ پہ
نہ ہوا ہو گا۔"

سامعین!

علیؑ کے اس فرمان کے مطابق آج فاطمہؑ کے بیٹے سیدہ زادے اور
سیدانیاں سیدہ کا جنازہ اُٹھائے کہہ رہے ہیں۔

"مولا! اگر اس وقت ہم موجود ہوتے تو فاطمہؑ کا جنازہ ہم اسی شان، عظمت اور وقار سے اُٹھاتے جس طرح ہم آج اُٹھا رہے ہیں۔

جنازے کے ساتھ سیّد بھی ہیں۔ سیدانیاں بھی ہیں اور میں سیدانیوں سے التجا کرتا ہوں کہ جب جنازہ زنان خانے میں جائے گا تو ننگے سر اس جنازہ کو اُٹھائیں اور زینبؑ کو سیّدہ کا پُرسہ دیں

"بی بی زینبؑ! تیری اماں کا جنازہ تیری کنیزوں نے اُٹھایا ہُوا ہے"

سیّدہ کی بیٹیو!

یہ اُس غریب کا جنازہ ہے جس کا جنازہ اُٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔ آج ہمارے لئے قیامت کی رات ہے۔ آج رسولؐ قبر سے باہر تشریف لائے ہیں۔ آج علیؑ کے سر پہ عمامہ نہیں ہے۔ آج زینبؑ کے سر پہ چادر نہیں ہے۔ آج حسنینؑ یتیم ہوچکے ہیں۔ آج زینبؑ کے بال کھُلے ہُوئے ہیں حوریں ماتم کر رہی ہیں اور علیؑ آواز دے رہے ہیں۔

"کہاں ہو میرے پیارے سیّدزادو!

آؤ اپنی دادی کے جنازے کو کندھا دو"

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن



پروردۂ آغوش رسالت

خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود و سلام

سامعین کرام!

خداوند عالم نے اپنے خاص فضل و کرم سے دنیائے انسانیت کو انسان کے اپنے قائم کردہ اصول و ضوابط سے نجات دلا کر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر نظام حیات عطا فرمایا ہے کہ جس پر عمل کرنے سے ایک انسان دوسرے انسان کی غلامی سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے اور کوئی انسان اپنی مادی طاقت کے بل بوتے پر کسی دوسرے انسان پر حکومت نہ کر سکے۔ گویا اس عدل اور مساوات انسانی پر قائم نظام کا نام اسلام ہے۔

اسلام ہی وہ دین ہے، اسلام ہی وہ طریقۂ حیات ہے جس نے تمام انسانوں کو اخوت، برادری کے مضبوط رشتہ میں منسلک کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ انسان دوسرے انسانوں پر فوقیت صرف اس صورت میں رکھتا ہے کہ وہ جتنا زیادہ متقی ہوگا۔ اچھے اخلاق سے آراستہ ہوگا، اپنے خدا سے قریب ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ باعزت ہوگا۔

حضور والا!

یہی وہ نظام تھا جس کو قبول کرنے کے لئے وہ طبعتیں آسانی سے تیار نہ تھیں جنکی نسلیں محض مادی برتری کی بنا پر لوگوں پر حکومت کرنے

گذریں یا جنھوں نے دوسروں کی کمائی پر عیش کیئے اور جو صرف مادی طاقت کے بھروسے پر دوسرے لوگوں پر بلا وجہ مسلّط رہے نتیجہ یہ نکلا کہ بانیٔ اسلام کی رحلت کے کچھ ہی دن بعد وہ جاہلی نظام، وہی انسان پر انسان کی حکومت وہی تو قف و برتری کا جذبہ، وہی انسانی ذہنی غلامی، گویا یہ سب چیزیں یزید لعین دملوکیت کی شکل میں دنیا کے سامنے آگئیں۔ اس کا سب سے بڑا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ ایک طرف یزید لعین ملوکیت کی بہترین شکل کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے کو خلیفۃ المسلمین، رسوؐل کا نمائندہ اور اللہ کا نائب بھی قرار دیتا تھا اور دوسری طرف مسائل شرعیہ اور فرمان خدا اور رسوؐل خدا کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ گویا یزید کی اس ظالمانہ اور جابرانہ حکمت کو تسلیم کے معنیٰ یہ تھے کہ یہ مان لیا گیا ہے کہ خدائی نظام یہی ہے، اور اسلام کی تعلیم یہی ہے۔

سامعین!

یزید لعین کی اس ظالمانہ روش کو چاہے ساری دنیا تسلیم کرے یا نہ کرے مگر پروردۂ آغوشِ رسالت فاطمہؑ کے دودھ سے پلا ہوا انسان جس کے رگ و ریشہ میں صحیح اسلامی رُوح سرائت کیئے ہوئے تھی جو اسلام کی جیتی جاگتی ایک تصویر تھا جس نے بانیٔ اسلام کے سینے اور کاندھوں پر کھیل کر پرورش پائی تھی۔ جس نے پیدا ہوتے ہی زبان رسالت چوس کر پہلی غذا حاصل کی تھی۔ جس کو رسوؐل نے جوانانِ جنت کا سردار کہا تھا۔ باغیرت باپ کا باغیرت بیٹا اور دنیا کے سب سے عظیم انسان کا عظیم نواسہ! کبھی یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ ایک جابر و ظالم حکمران اپنی حکمرانی کے غرور میں اسلامی اصوُل کو پامال کر کے دنیا کے سامنے یہ ثابت کرے کہ انسان کی ذہنی غلامی ہی اسلام کی تعلیم تھی۔ لہٰذا وہ محسن [illegible] ظلم اس اصوُل کو ختم کرنے کے لیئے اور اس اصول کی اطاعت نہ کرنے

کے لئے اور ہر قسم کی مصیبتوں اور آفتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدانِ عمل میں اُتر آیا۔

یاد رکھو!

حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ان تمام خوبیوں کا مظہر ہیں جن کے نام کے اندر تمام اخلاقِ حسنہ مضمر ہے۔ آج دنیائے انسانیت کا عظیم ترین ہیرو اور مسلمانوں کا مایہ ناز انسان اور دُنیائے اسلام پر حکومت کرنے والا شہید یعنی حسینؑ ابن علیؑ محض اس لئے اپنے خوبصورت بچوں اور اہل و عیال، دِل کے ٹکڑوں اور اپنے جگر گوشوں کو لیکر میدان عمل میں اُتر آیا کہ میرے نانا نے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ نے جس عادلانہ نظام کی بنیاد رکھی تھی وہ ایک شخص کے ہاتھوں مٹ رہا ہے جسے میں مٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا، گویا حسینؑ کی یہ جنگ نہ تھی بلکہ اصولوں کی خاطر ایک جہاد تھا۔

عزادارِ سیّد الشہداء

خدا نے اس عظیم جہاد کے لئے یوم عاشور ۶۱ھ کی تاریخ مقرر فرمائی تھی۔ کربلا کا چٹیل میدان، ریگزار اور بیابان جنگل جس میں انسان گذرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ مگر قدرت اپنی حکمت سے اس جنگل کو اس خیر و شر کے معرکہ کے بعد عرشِ معلیٰ کا ہمسر بنانا چاہتی تھی۔ لہٰذا آج حسینؑ اپنے عزیز ترین متاع کو لئے ہوئے اس بیابان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک طرف دشمن کی مادی طاقت کی پوری یلغار حکومت کی منظم فوجوں کی یورش، خزانوں کے منہ کھلے ہوئے بے شمار تلواروں کی جھنکار بے انتہا نیزوں کی جھلک اور ہزاروں کمانوں کا کھنچنا اور دوسری طرف ۷۲ بھوکے پیاسے جن میں بوڑھے بچے اور کمزور عورتیں ہیں کو لئے ہوئے دُنیا کا سب سے بڑا اخلاقی طاقت کا مظہر انسان، انسانی مساوات کا سب سے

بڑا علمبردار اور رسولِ اسلام کے کندھوں پر کھیل کر جوان ہونے والا انسان اپنی بظاہر کمزور فوج کو لیکر دُنیا کی سب سے بڑی طاقت سے نبرد آزما ہونے کے لئے کربلا میں موجود رہے۔

بزرگانِ من!

چشم فلک نے ستاروں کی عینک لگا کر دیکھا کہ شام عاشور فوجِ یزیدؑ اپنی ظاہری فتح کا جشن منا رہی تھی۔" ہائے ہو" اور شور وشر سے کربلا کا میدان گونج رہا تھا اور ایک طرف خیموں کی جلی ہوئی راکھ اور گرم ریت پر شریف ترین انسانوں کے بے گور وکفن لاشے ہیں اور کچھ بے کس و بے سہارا عورتیں عالم قید میں ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں خاموش بیٹھی ہیں۔ دنیا تو یہ سمجھی تھی کہ حق کو شکست ہو گئی ہے اور باطل نے اپنی فتح کے شادیانے بجا لیئے، مگر آج کا بے داغ مؤرخ اس وقت بھی لکھ رہا تھا اور آج بھی لکھ رہا ہے کہ حق شکست کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ حق کبھی نہیں ہارتا۔ آج دُنیا نے دیکھ لیا کہ حسینؑ کو فتح ہوئی ہے اور یزیدؑ کو بُری طرح شکست ہوئی ہے۔ گویا دنیا کے سب سے بڑے آمر (DECTATOR) کا نام آج گالی بن گیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص یزیدؑ یا اولادِ یزیدؑ بننا اپنے لئے گوارہ نہیں کرتا۔ مگر کروڑ ہا انسان حسینؑ کی غلامی پر آج بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔ گویا حسینؑ قیود مذہب و ملت اور جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر دنیائے عالم کے تمام انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے اور آج کرۂ ارض پر کروڑ ہا انسان حسینؑ کی اس عظیم قربانی کی یاد منا رہے ہیں اور تمام زمین و فضا آج " ہائے حسینؑ" اور " واہ حسینؑ" کے نعروں سے گونج رہی ہے۔" آج حسینیت زندہ باد" کی ابدی صدا ہر انسان کے کان میں آرہی ہے۔ گویا یہ وہ فتح عظیم ہے جو حسینؑ کی شہادت عظمیٰ نے حاصل کی۔

نوجوانو!

خوب یاد رکھو! حسینؑ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ انسانی غلامی ایک آر ہے ایک ذلت ہے اور اس ذلت کی زندگی سے مر جانا ہی بہتر ہے اور اللہ کے " وحدہٗ لاشریک کے " دروازے پر سر جھکانے والا انسان کبھی کسی طاغوتی طاقت کے سامنے سر نہیں جھکا سکتا۔ اس کا سر کٹ تو سکتا ہے مگر جھک نہیں سکتا۔ اس کا سر نوکِ نیزے پر بلند تو ہو سکتا ہے مگر یزیدیت کی اطاعت قبول نہیں کر سکتا۔ اس کی بہنیں اور بیٹیاں قید تو ہو سکتی ہیں مگر ظالم و سرکش کے دربار میں اعلانِ حق کی طاقت سے ملوکیت کے درباروں کی چولیں ہلا سکتی ہیں۔

سامعین!

حسینؑ نے اپنے جوانوں، بیٹوں اور بچوں کا خون دے کر اسلام کو اتنا قوی بنا دیا ہے کہ قیامت تک اسلام کی جڑوں کو کوئی طاغوتی طاقت کھوکھلا نہیں بنا سکتی بے شک ظلم و استبداد کہیں کہیں آج بھی زندہ ہے مگر

یاد رکھو!

اس ظلم کے خلاف آج بھی حسینؑ کی آواز بلند ہو رہی ہے اور قیامت تک دی رہے گی۔ لہٰذا آج ہم حسینؑ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حسینؑ! تو نے دنیا میں ایک ایسا باغ لگا دیا ہے جس کے پھل انسانیت کو ہمیشہ ملتے رہیں گے اور جس کے درختوں کے زیرِ سایہ ستائی ہوئی انسانیت ہمیشہ پناہ لیتی رہے گی۔

حسینؑ! تیرا نام انسانیت کو پناہ دینے کا ضامن ہے۔

حسینؑ! تیرا ذکر انسانیت کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔

حسینؑ! تیرے ماتم کی صدا دنیائے انسانیت کو سکون بخشتی ہے

حسینؑ! تیری یاد انسان کو کھویا ہوا مقام دلا سکتی ہے۔

حسینؑ! تیری محبت ہم گناہ گاروں کا ذریعہ شفاعت ہے۔"